چہارم

مقبولین اردو شرح تفسیر جلالین

مؤلفین

الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

(م ۹۱۱ھ) هجري من البقرة الى بنى اسرائيل

الشیخ عبد الرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

(م ۸۶۴ھ) هجري ومن الكهف الى الناس

مترجم وشارح

حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی وتفسیری فوائد

مولانا حافظ عبد المنان صاحب

مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)
۱۸- اردو بازار لاہور پاکستان

مقبولین

اردو شرح

تفسیر جلالین

(جلد چہارم)

الکہف ۱۸ تا العنکبوت ۲۹

مؤلفین: الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ عبد الرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح
حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی وتفسیری فوائد
مولانا حافظ عبد المنان صاحب

رجسٹرڈ
مکتبۃ العلم
۱۹- اردو بازار لاہور، پاکستان
37231788 37211788

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبۃ العلم

نام کتاب: مقبولین اردو شرح جلالین جلد اول

مؤلفین: الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ
الشیخ محمد بن احمد جلال الدین المحلی رحمہ اللہ

شارح: حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

ناشر: مکتبۃ العلم

مطبع: تایا سنز پرنٹرز

طابع: خالد مقبول

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

[illegible] اردو بازار لاہور پاکستان ■ 37241788

مکتبہ جویریہ ۱۸- اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ■ 37211788

مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ■ 37224228

مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ■ 37355743

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

طٰہٰ ۲۰

الانبیاء ۲۱

صفحہ	عنوان

الحج ۲۲

المؤمنون ۲۳

الفرقان ۲۵

شعراء ۲۶

النمل ۲۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

العنکبوت ۲۹

الجزء ١٦

أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ زَادَ لَكَ عَلٰى مَا قَبْلَهُ لِعَدَمِ الْعُذْرِ هُنَا وَلِهٰذَا قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ
شَيْءٍ بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ هٰذِهِ الْمَرَّةِ فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ لَا تَتْرُكْنِيْ أَتَّبِعُكَ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ
مِنْ قِبَلِيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فِيْ مُفَارَقَتِكَ لِيْ فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ هِيَ اَنْطَاكِيَةُ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا طَلَبَا مِنْهُمُ
الطَّعَامَ ضِيَافَةً فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا ارْتِفَاعُهُ مِائَةُ ذِرَاعٍ يُّرِيْدُ أَنْ يَّنْقَضَّ أَيْ يَقْرُبُ أَنْ
يَسْقُطَ لِمَيَلَانِهِ فَأَقَامَهُ ؕ الْخَضِرُ بِيَدِهِ قَالَ لَهُ مُوْسٰى لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ لَتَخِذْتَ عَلَيْهِ
أَجْرًا ﴿٧٧﴾ جُعْلًا حَيْثُ لَمْ يُضَيِّفُوْنَا مَعَ حَاجَتِنَا إِلَى الطَّعَامِ قَالَ لَهُ الْخَضِرُ هٰذَا فِرَاقُ أَيْ وَقْتُ فِرَاقِ بَيْنِيْ وَ
بَيْنِكَ ۚ فِيْهِ إِضَافَةُ بَيْنَ إِلٰى غَيْرِ مُتَعَدِّدٍ سَوَّغَهَا تَكْرِيْرُهُ بِالْعَطْفِ بِالْوَاوِ سَأُنَبِّئُكَ قَبْلَ فِرَاقِيْ لَكَ بِتَأْوِيْلِ
مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ عَشَرَةً يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ بِالسَّفِيْنَةِ مُوَاجَرَةً لَهَا طَلَبًا
لِلْكَسْبِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا أَوْ أَمَامَهُمُ الْآنَ مَّلِكٌ كَافِرٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ
صَالِحَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ نَصْبُهُ عَلَى الْمَصْدَرِ الْمُبَيِّنِ لِنَوْعِ الْأَخْذِ وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا أَنْ
يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَإِنَّهُ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَأَرْهَقَهُمَا ذٰلِكَ أَيْ
لِمَحَبَّتِهِمَا لَهُ يَتْبَعَانِهِ ذٰلِكَ فَأَرَدْنَا أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً أَيْ صَلَاحًا
وَتُقًى وَّأَقْرَبَ مِنْهُ رُحْمًا ﴿٨١﴾ بِسُكُوْنِ الْحَاءِ وَضَمِّهَا رَحْمَةً وَهِيَ الْبِرُّ بِوَالِدَيْهِ فَأَبْدَلَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى جَارِيَةً
تَزَوَّجَتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فَهَدَى اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِ أُمَّةً وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ
كَنْزٌ مَالٌ مَدْفُوْنٌ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَحُفِظَا بِصَلَاحِهِ فِيْ أَنْفُسِهِمَا وَمَالِهِمَا
فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا أَيْ إِيْنَاسَ رُشْدِهِمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَامِلُهُ أَرَادَ وَ
مَا فَعَلْتُهُ أَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ خَرْقِ السَّفِيْنَةِ وَقَتْلِ الْغُلَامِ وَإِقَامَةِ الْجِدَارِ عَنْ أَمْرِيْ ؕ أَيْ اخْتِيَارِيْ بَلْ بِأَمْرِ إِلْهَامٍ
مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ يُقَالُ اِسْطَاعَ وَاسْتَطَاعَ بِمَعْنٰى أَطَاقَ فَفِيْ هٰذَا وَمَا

قَبْلَهٗ جَمَعَ بَيْنَ اللُّغَتَيْنِ وَنُوِّعَتِ الْعِبَارَةُ فِي فَأَرَدْتُ فَأَرَدْنَا مَا زَادَ رَبُّكَ

ترجمہ: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ الخ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہر گز صبر نہیں کر سکیں گے (اس مرتبہ خضر علیہ السلام نے اپنے ماقبل کے کلام پر لَكَ کا لفظ بڑھا دیا اس وجہ سے کہ اب موسیٰ علیہ السلام کے لیے عذر کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔ اسی وجہ سے قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ الخ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب اگر میں آپ سے اس کے بعد (یعنی اس مرتبہ کے بعد) کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے (مجھ کو مت چھوڑ یئے کہ میں آپ کے پیچھے رہوں۔ قَدْ بَلَغْتَ الخ بیشک پہنچ چکے ہیں آپ میری طرف سے (میری جانب سے) عذر کی انتہا کو مجھ کو اپنے سے جدا کرنے میں (لَّدُنِّىْ دونوں کی تشدید کے ساتھ اور بتخفیف النون یعنی بغیر تشدید بھی ہے)۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ الخ۔ پھر دونوں چل دیے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے (جس گاؤں کا نام انطاکیہ تھا) تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا (یعنی ان دونوں نے گاؤں والوں سے بطور مہمانی کے کھانا طلب کیا) گاؤں والوں نے ان دونوں بزرگوں کی مہمانداری سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی (جس کی اونچائی سو گز تھی) جو گرنے ہی والی تھی (یعنی جھک جانے کی وجہ سے گرنے کے قریب تھی) پس (حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے) اس دیوار کو سیدھا کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے (خضر) سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے (جعلا بمعنی جبکہ اجرت یعنی ان لوگوں نے کھانے کی طرف ہماری حاجت کو جانتے ہوئے بھی مہمانی نہیں کی، لَتَّخَذْتَ میں ایک قراءت لا تخذت بھی ہے۔ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ..... خضر علیہ السلام نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا یہ فراق کا سبب ہے (یعنی جدائی کا وقت ہے) میرے اور آپ کے درمیان (فِيْهِ اِضَافَةُ بَيْنِ الخ اس میں بین کی غیر متعدد کی طرف اضافت کو واؤ سے عطف کے ذریعہ اس کے تکرار نے جائز کر دیا۔ سَاُنَبِّئُكَ..... اب میں آپ کو (آپ سے جدا ہونے کے قبل) ان چیزوں کی حقیقت بتلا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ اَمَّا السَّفِيْنَةُ..... وہ جو کشتی تھی سو وہ چند غریبوں (دس غریبوں) کی تھی جو اس کشتی کے ذریعہ) دریا میں کمائی کرتے تھے (یعنی اس کشتی کو روزگار حاصل کرنے کے لیے کرایہ پر چلاتے تھے) پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور لوگوں کے پیچھے اذا رجعوا یعنی جب یہ کشتی والے واپس ہوں گے یا ان کے سامنے ظالم بادشاہ کافر تھا۔ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ الخ۔ جو ہر کشتی کو (جو صحیح سالم ہو) زبردستی لے لیتا ہے (غصبا) کو مصدر ہونے کی بنا پر نصب ہے ایک خاص قسم کے لینے کو بتلاتا ہے) وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ الخ اور رہا وہ لڑکا اس کے ماں باپ مومن تھے سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر کا اثر ان دونوں پر ڈال دے (یہ لڑکا جیسا کہ مسلم شریف جلد ثانی ص ۳۳۷ میں ہے کہ کافر پیدا کیا گیا تھا اور اگر وہ لڑکا زندہ رہتا تو ان دونوں یعنی والدین پر کفر کا اثر ڈال دیتا یعنی والدین بھی اس لڑکے کی محبت کی وجہ سے اس کفر میں مبتلا ہو جاتے) پس ہم نے یہ چاہا کہ اس کے بدلہ میں ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو اس سے بہتر ہو پاکیزگی کے اعتبار سے (یعنی نیکی اور پرہیز گاری میں يُّبْدِلَهُمَا دال کے تشدید کے ساتھ اور دال کے تخفیف کے ساتھ وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ⑱ اور ماں باپ پر) مہربانی اور رحم کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر ہو (رحما کے حا کو جزم اور ضمہ کے ساتھ رحمت کے معنی والدین کے حسن سلوک کرنے کے ہیں، چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے ان دونوں کو ایسی لڑکی عطا فرمائی جس کی شادی ایک نبی سے ہوئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ الخ اور رہی دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے پیچھے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ (یعنی سونے چاندی کا دفن کیا ہوا مال) تھا اور ان دونوں کے والد نیک آدمی تھی باپ کی نیکی کی وجہ سے دونوں یتیموں کے جان اور مال کی حفاظت کی گئی اس لیے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں (اَیْ اِیْنَاسَ رُشْدِهِمَا، عقل وفہم کی حد کو پہنچ جائیں) اور اپنے خزانے کو نکال لیں آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (رحمۃً مفعول لہ ہے جس کا عامل اراد ہے۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ اور میں نے نہیں کیا ہے (جس کا ذکر ہوا یعنی کشتی کا پھاڑنا، اور لڑکے کو قتل کرنا اور دیوار کو کھڑا کر دیا) اپنی رائے سے (یعنی اپنے اختیار سے بلکہ من جانب اللہ الہام تھا وہ ہے حقیقت ان چیزوں کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ اِسْطَاعَ اور اِسْتَطَاعَ بمعنی اطاق ہے مطلب یہ اول اسطاع یسطیع سے تاء افتعال کو حذف کر دیا گیا ہے ورنہ اس کی اصل اِسْتَطَاعَ ہے دونوں کے معنی ایک ہیں طاقت رکھنا قوت رکھنا۔ پس اس میں یعنی مَا لَمْ تَسْطِعْ بحذف التاء اور اس کے ماقبل مَا لَمْ تَسْتَطِعْ میں دونوں لغت کو جمع کر دیا ہے اور اردت، اراد ربک اور اردنا میں عبارت میں تنوع اختیار کیا گیا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: لِعَدَمِ الْعُذْرِ: اس لیے عتاب کو ان کی طرف متوجہ کیا اور وصیت کو چھوڑا اور اس لیے تاکہ پوری ثابت قدمی نہ دکھانے کی نشاندہی ہو جائے۔

قولہ: بعد هٰذِهِ الْمَرَّةِ: اس میں ضمیر کے مؤنث لانے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

قولہ: لَا تَتْرُكْنِیْ: یعنی مجھے اپنے ساتھ نہ چھوڑیئے، یہاں لا تصاحب کو لا تترک کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قولہ: مِنْ قِبَلِیْ: اس سے اشارہ کیا کہ لدن اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ وہ ظرف مکان ہے۔

قولہ: فِیْ مُفَارَقَتِكَ: یعنی میں تین مرتبہ تمہاری مخالفت کر چکا ہوں۔

قولہ: يَقْرُبُ: ارادے کا معنی بطور استعارہ قرب لیا گیا ہے۔

قولہ: لَا تَخِذْتَ: یہ تَخِذَ سے ہے اَخَذَ سے نہیں۔ اس میں ت کی تخفیف اور ذال کا سکون بھی درست ہے۔

قولہ: وَقْتُ فِرَاقٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قولہ: بِالسَّفِيْنَةِ: یعنی وہ تجارت کے لیے نہیں بلکہ محنت مزدوری کے لیے کشتی کو استعمال کرتے تھے۔

قولہ: اِذَا رَجَعُوْا: یہ وراء کا معنی اس وقت ہے جبکہ وہ خلف (پیچھے) کے معنی میں ہو ورنہ تو وہ امام کے معنی میں بھی آتا ہے۔

قولہ: نَصَبُهٗ عَلَى الْمَصْدَرِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مَفْعُوْلٌ لَهٗ نہیں ہے۔

قولہ: فَخَشِيْنَآ: یہ خطرہ انہوں نے اس لئے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا اور ارھاق ڈھانپ لینے کے معنی میں

آتا ہے۔

قوله:مَفْعُوْلٌ لَهٗ:ارادہ اس کا عامل ہے اور یہ مفعول لہ ہے مصدر نہیں۔

قوله:اِسْتَطَاعَ:اور اسطاع دونوں ہم معنی ہیں۔اور تنویع عبارت کیلئے الگ الگ لائے گئے ہیں۔

قوله:فَازَدْتُ:یہ اصل عبارت اس طرح ہے:فَازَدْتُ فَازَدْنَا۔

تفسیر مقبولین

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝

بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام با خضر علیہ السلام:

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکا یک ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار کہہ اٹھے: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا۝ (آپ علیہ السلام نے تو بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا۔اے موسیٰ کیا میں نے تم سے پہلے ہی اول صحبت میں یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے اول بار کہہ دیا تھا۔چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوبارہ عہد شکنی تھی اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے اس مرتبہ مزید تنبیہ کے لیے لفظ لَكَ اور بڑھا دیا یعنی تم ہی سے تو کہا تھا پھر کیوں بھول گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اس قسم کے تحیر خیز واقعات پر صبر کرنا اور خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے اس لیے آخری بات کہہ دی خیر اب تو جانے دیجئے لیکن اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بے شک آپ میری طرف سے عذر کی حد اور انتہا کو پہنچ چکے ہیں آپ ایسا کرنے میں معذور ہوں گے اور میری طرف سے آپ کو کوئی الزام نہ ہوگا۔کیونکہ تین مرتبہ موقعہ دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی بار بار مخالفت سے شرم آئی۔اور ان کی ملامت سے ڈرے اس لیے ان سے یہ آخری بات کہہ ڈالی کہ اگر تیسری بار آپ سے پوچھوں تو آپ کو جدا کرنے کا اختیار ہے۔مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

پھر دونوں آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں پر پہنچے اور ان سے ملے اور کہا کہ ہم مسافر ہیں اور تمہارے مہمان ہیں تو اس بستی والوں سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔صبر کیا اور بھوکے پڑے رہے۔پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔یعنی جھکی ہوئی تھی۔گرنے کے قریب تھی پس خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے اسکو سیدھا کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی۔یہ خارق عادت امر ان کی کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر خضر علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ایسے سنگ دل اور بے مروت اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور مفت ان کا کام کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور اس سے ہم کھانا کھا

لیتے آپ نے ایسے بخیلوں اور تنگ دلوں سے جنہوں نے مہمان مسافر کا کوئی حق نہ سمجھا۔ اجرت کیوں نہ لے لی جس سے ہمارا کھانے پینے کا کام چل جاتا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے تم نے خود کہہ دیا تھا کہ اگر میں پھر پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ لہٰذا آپ حسب وعدہ مجھ سے علیحدہ ہو جایئے۔ آپ کا میرے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا لیکن جدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت سے خبردار کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے جان کر تو پوچھا رخصت ہونے کو۔ یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو اسکا بھلا ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آئے" (موضح القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علوم کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعضے بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائکہ بنایا۔ واللہ اعلم۔

بیان تاویلات واقعات مذکورہ:

خضر علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ جدا ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہر فعل کی مصلحت سے آگاہ کر دیں اور ان تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ علیہ السلام نے ان کو برا جانا۔

بیان تاویل واقعہ اول:

وہ جو کشتی تھی وہ چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں کرایہ پر چلاتے تھے اور اس کے ذریعہ دریا میں محنت اور مزدوری کرتے تھے اور اسی پر ان کی گزران تھی۔ سو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں تا کہ کوئی غاصب اس کو عیب دار سمجھ کر نہ چھینے اور عیب کو دیکھ کر اس پر دست اندازی نہ کرے اور ان لوگوں کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار ہونے کی وجہ سے غصب نہ کر سکے اور یہ مساکین بعد میں تختہ لگا کر اس کشتی کو درست کر لیں گے۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر ہست

یہ باعث تھا میرے اس کشتی توڑنے کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

بیان تاویل واقعہ دوئم:

اور وہ جو لڑکا تھا جس کو میں نے مار ڈالا تھا سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور اللہ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے غیر معمولی محبت تھی سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں گرفتار کر دے۔ یعنی جب بالغ ہو تو والدین کو بھی کفر پر مجبور کرے اور وہ اس کی خوبصورتی اور

محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں۔ اور کفر اختیار کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں پس اس طرح لڑکے کا مارا جانا ان کے حق میں معصیت بنا اور باطن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بنا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بد بخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو از راہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بداخلاقی اور بداعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔ اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور ایک نبی سے بیاہی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بد بخت لڑکے کا بدلہ ہو گئی۔ ہر بچہ ابتداء اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی شروع سے ہی بنیاد بری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی افتاد اور بنیاد بری ہے بڑا ہو کر خود بھی گمراہ ہوگا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی راہ سے اس روڑہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضر علیہ السلام کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاویل واقعہ سوم:

اور رہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغر سنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزینہ اور دفینہ نکالیں از روئے مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہو گئی۔ اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

خاتمۂ کلام: جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا کہ یہ ہے باطنی حقیقت ان چیزوں کی جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں صبر کی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے افعال کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھا۔ ولکل وجهة هو موليها اور حسب وعدہ میں نے آپ کو ان واقعات کے تاویلات سے آگاہ کر دیا چنانچہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہوئے۔

لطائف ومعارف:

(۱) خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان تھا اور کنیت ان کی ابوالعباس تھی اور خضر بفتح خاء اور کسر ضاد ان کا لقب تھا۔ شاہی خاندان سے تھے دنیا کو ترک کیا اور زہد اور درویشی کی راہ اختیار کی۔ ظاہر میں ذوالقرنین کے وزیر تھے لیکن در پردہ فقیر اور درویش تھے اور خضر اس لیے ان کا نام ہو گیا کہ ایک صاف اور چٹیل زمین ان کے بیٹھنے سے سرسبز ہو گئی اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خضر کو اس لیے خضر کہا گیا کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے اردگرد کی زمین سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام "عابر" یا "خضرون" تھا اور صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان تھا۔
(دیکھو فتح الباری ص ۳۰۹ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

(۲) جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ تھے بنی آدم میں سے نہ تھے (مزید اقوال کی تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام دیکھیں)۔

یہ ناچیز کہتا ہے کہ حقیقت حال تو اللہ کو معلوم مگر خضر علیہ السلام کے جو افعال حق تعالیٰ نے ذکر فرمائے تو وہ ملائکہ مدبرات امر سے یعنی کارکنان قضاء وقدر سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کرام کا علم اور قسم کا ہے اور انبیاء ومرسلین کا علم اور قسم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھلا دیا کہ ہمارے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو ملائکہ کی طرح ہمارے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ در پردہ کیا ماجرا ہے۔ خضر علیہ السلام اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کیے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کیے گئے اور عجب نہیں کہ اسی غلبہ ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب ومستور کر دیئے گئے ہوں جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں مگر عملی طور پر نمونہ ملائکہ ہیں اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ خضر علیہ السلام کو جو علم دیا گیا ہے وہ دوسری قسم کا ہے تم اس سے واقف نہیں بلکہ وہ ایسا علم ہے جو بظاہر علوم نبوت اور علوم شریعت کے خلاف ہے اور تم اس کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے بلاشبہ اے موسیٰ تم ہمارے رسول عظیم اور کلیم ہو اور بلاشبہ اس وقت تمام روئے زمین پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم محیط نہیں تم ہمارے مقرب خاص بندے ہو۔ تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے مبادا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ یا واہمہ بھی نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم محیط پر محمول کر دیا جائے۔

(۳) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے اور علماء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے پھر نا معلوم کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے۔ علماء کا جو گروہ ان کی نبوت

کا قائل ہے وہ حجت اور استدلال میں چند امور ذکر کرتا ہے۔
پہلی دلیل: یہ کہ حق تعالیٰ خضر علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں: اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۔ یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔
جواب: نبوت بے شک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔
دوسری دلیل: قائلین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہ معلم کے تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔
جواب: علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ کی وحی اور الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اور علیٰ ہذا قرآن قریم میں حضرت مریم نے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔
تیسری دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی حالانکہ نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔
جواب: نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تعلیم اور اس کے اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور اس دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت کو تعلق نہ ہو تو اگر نبی کو ان میں سے کسی علم کی ضرورت اور حاجت ہو تو وہ غیر نبی کے اتباع سے حل کر سکتا ہے اور حدیث جس میں خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس کی مؤید ہے۔
(٤) نیز علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں بہر حال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔
حافظ ابو عمرو بن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اسی پر ہے اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ یک جا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال جمہور علماء کرام اور عامہ اہل صلاح و اولیائے عظام بالا تفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے جن

میں ابویعلیٰ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ضرور حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے حالانکہ یہ امر کہیں ثابت نہیں۔ نیز آیت: وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی بشر کے لیے خلود اور دوام نہیں اور نیز بخاری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ ارشاد فرمایا: ((لا یبقی ممن ہو علی وجه الارض الی مائة سنة)) کہ جو لوگ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سو سال کے بعد باقی نہ رہیں گے اور وفات کے قول کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں واللہ اعلم۔

مگر اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے یہ استدلال اگر صحیح ہو جائے تو اس سے تو ملائکہ اور جنات اور شیاطین سب کی وفات بھی ثابت ہو سکتی ہے بلکہ دجال کی موت بھی ثابت ہو سکتی ہے حالانکہ وہ بالاجماع زندہ ہے اور ایک جزیرہ میں محبوس ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ طویل العمر ہیں۔ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور ولی کامل ہیں۔ معمر (طویل العمر) اور محجوب عن الابصار یعنی عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کا متعدد احادیث میں ذکر آیا ہے جن کا حافظ عسقلانی نے فتح الباری ص ۳۱۱ جلد ٦ میں ذکر کیا۔ وہ روایتیں اگرچہ زیادہ مستند نہیں لیکن موضوع اور بے اصل بھی نہیں اور اس بارے میں زیادہ مشہور، حدیث تعزیت ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک سفید ریش بزرگ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر آئے اور روئے اور لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور غائب ہو گئے ان کے جانے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اور یہ حدیث مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲٦۱) اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے: فقال ابو بکر و علی هذا الخضر (ابوبکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ خضر علیہ السلام ہیں)۔
(دیکھو فتح الباری ص ۳۱۱ ج ذکر حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لیے امان ہیں ان چار میں سے دو زمین میں ہیں خضر علیہ السلام اور الیاس۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ یہ دو نبی تو زمین میں ہیں اور دو نبی آسمان پر زندہ ہیں ادریس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ٦ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام) اور دیکھو تفسیر مظہری ص ٦۲ جلد ٦ پر مجدد صاحب کا کلام نقل کیا ہے۔ جو لطیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں اور متفقہ طور پر حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی یہ حکایتیں حد تواتر کو پہنچی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فتح الباری ۳۱۰ ج ٦)

اور یہ امر قطعی اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیاء کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلاشبہ یہ گروہ صادقین اور سچوں کا گروہ

ہے۔اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے۔حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے، پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال وحرام اور یجوز اور لا یجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت وارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے۔یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً ونقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے: ازی رؤیاکم قد تواطئت علی العشر الاواخر۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارے میں عشرۂ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کا خواب کاذب نہیں ہوتا اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق ہوگی خاص کر جب علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول وتسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکوینیہ میں سے ہے۔لہٰذا اس بارے میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی۔واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھنی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور وہاں اس نے اپنے لیے سرنگ اور طاق بنالیا۔موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے ہوئے ایک دو بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا منجمد ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق کا بن جانا۔مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیات قدرت اور دلائل نبوت تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ یہی نشانی بتلائی تھی کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور یہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً الی قولہ تعالی وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگا دو وہ خود ہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتادے گا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اژدھا بن جاتا تھا۔یہ بھی ایک قسم کا احیاء موتیٰ تھا بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہو جانے کی نظیر آنحضرت ﷺ کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملایا ہوا

تھا۔آپ ﷺ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ ﷺ مجھے نہ کھایئے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ مچھلی کے معجزے سے بڑھ کر ہے۔وہ تو فقط زندہ ہوگئی اور اس بکری کے دست نے آپ ﷺ سے باتیں کیں اور دشمنوں نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا اور علیٰ ہذا استون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ ﷺ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے فقط زندہ ہوجانے سے بڑھ کر ہے کیوں کہ یہ جمادات زندہ ہو کر بول رہے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں سواد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو معجزات آنحضرت ﷺ کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے۔سواد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو باذن الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ ﷺ کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر آنحضرت ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہوگیا تو وہ خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ ﷺ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا یہ اسکی کمال محبت کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنا لینا اور مچھلی کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہوجانا اور اسی کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہوگئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے،

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی۔راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام ونشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہوگیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آگئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا۔علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھے یا علی۔یا عظیم۔یا حلیم۔یا کریم۔پھر کہا بسم اللہ پڑھ کر گزرو اور پار ہوجاؤ۔پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہوگئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا۔پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہو کر خشکی پر آگئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی۔خطیب رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارے میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

(دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ اَيِ الْيَهُوْدُ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ط اِسْمُهٗ اَسْكَنْدَرُ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا قُلْ سَاَتْلُوْا سَاَقُصُّ عَلَيْكُمْ مِّنْهُ مِنْ حَالِهٖ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ خَبَرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ بِتَسْهِيْلِ السَّيْرِ فِيْهَا وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ طَرِيْقًا

يُوصِلُ اِلٰی مُرَادِهٖ فَاَتْبَعَ سَبَبًا۝ سَلَكَ طَرِيْقًا نَحْوَ الْمَغْرِبِ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ مَوْضِعَ غُرُوْبِهَا
وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ذَاتِ حَمَاءٍ وَهِيَ الطِّيْنُ الْاَسْوَدُ وَغُرُوْبُهَا فِي الْعَيْنِ فِيْ رَأْيِ الْعَيْنِ وَالَّا فَهِيَ
اَعْظَمُ مِنَ الدُّنْيَا وَّوَجَدَ عِنْدَهَا اَيِ الْعَيْنِ قَوْمًا كَافِرِيْنَ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ بِالْهَامٍ اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ الْقَوْمَ
بِالْقَتْلِ وَاِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا۝ بِالْاِسْرِ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ بِالشِّرْكِ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ نَقْتُلُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی
رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا۝ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا شَدِيْدًا فِي النَّارِ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ
اِلْحُسْنٰی اَيِ الْجَنَّةُ وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ جَزَاءٍ وَتَنْوِيْنِهٖ قَالَ الْفَرَّاءُ نَصْبُهٗ عَلَی التَّفْسِيْرِ اَيْ
لِجِهَةِ النِّسْبَةِ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا۝ اَيْ نَأْمُرُهٗ بِمَا يَسْهُلُ عَلَيْهِ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۝ نَحْوَ الْمَشْرِقِ حَتّٰی
اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ مَوْضِعَ طُلُوْعِهَا وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ هُمُ الزَّنْجُ لَمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا اَيِ
الشَّمْسِ سِتْرًا۝ مِنْ لِبَاسٍ وَلَا سَقْفٍ لِاَنَّ اَرْضَهُمْ لَا تَحْمِلُ بِنَاءً وَلَهُمْ سُرُوْبٌ يَغِيْبُوْنَ فِيْهَا عِنْدَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَيَظْهَرُوْنَ عِنْدَ ارْتِفَاعِهَا كَذٰلِكَ اَيِ الْاَمْرُ كَمَا قُلْنَا وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ اَيْ عِنْدَ ذِي الْقَرْنَيْنِ
مِنَ الْاٰلَاتِ وَالْجُنْدِ وَغَيْرِهِمَا خُبْرًا۝ عِلْمًا ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۝ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ بِفَتْحِ السِّيْنِ
وَضَمِّهَا هُنَا وَبَعْدَهُمَا جَبَلَانِ بِمُنْقَطِعِ بِلَادِ التُّرْكِ سَدَّ الْاِسْكَنْدَرُ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا سَيَأْتِيْ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا
اَيْ اَمَامَهُمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا۝ اَيْ لَا يَفْهَمُوْنَهٗ اِلَّا بَعْدَ بُطْءٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَكَسْرِ
الْقَافِ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهَا اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ فَلَمْ يَنْصَرِفَا
مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِالنَّهْبِ وَالْبَغْيِ عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ اِلَيْنَا فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا جُعْلًا مِّنَ الْمَالِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ
خَرَاجًا عَلٰی اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا۝ حَاجِزًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْنَا قَالَ مَا مَكَّنِّيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنَيْنِ مِنْ
غَيْرِ اِدْغَامٍ فِيْهِ رَبِّيْ مِنَ الْمَالِ وَغَيْرِهٖ خَيْرٌ مِنْ خَرْجِكُمُ الَّذِيْ تَجْعَلُوْنَهٗ لِيْ فَلَا حَاجَةَ لِيْ اِلَيْهِ وَجَعْلَ
لَكُمُ السَّدَّ تَبَرُّعًا فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ لِمَا اَطْلُبُهٗ مِنْكُمْ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا۝ حَاجِزًا حَصِيْنًا اٰتُوْنِيْ زُبَرَ
الْحَدِيْدِ قِطْعَةً عَلٰی قَدْرِ الْحِجَارَةِ الَّتِيْ يُبْنٰی بِهَا فَبَنٰی بِهَا وَجَعَلَ بَيْنَهَا الْحَطَبَ وَالْفَحْمَ حَتّٰی اِذَا سَاوٰی

بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَفَتْحِهِمَا وَضَمِّ الْأَوَّلِ وَسُكُوْنِ الثَّانِيْ أَيْ جَانِبَيِ الْجَبَلَيْنِ بِالْبِنَاءِ وَوَضَعَ الْمَنَافِخَ وَالنَّارَ حَوْلَ ذٰلِكَ قَالَ انْفُخُوْا ۖ فَنَفَخُوْا حَتّٰى إِذَا جَعَلَهُ أَيِ الْحَدِيْدَ نَارًا ۙ أَيْ كَالنَّارِ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ هُوَ النُّحَاسُ الْمُذَابُ تَنَازَعَ فِيْهِ الْفِعْلَانِ وَحُذِفَ مِنَ الْأَوَّلِ لِإِعْمَالِ الثَّانِيْ فَأَفْرَغَ النُّحَاسَ الْمُذَابَ عَلَى الْحَدِيْدِ الْمُحْمٰى فَدَخَلَ بَيْنَ زُبَرِهٖ فَصَارَا شَيْئًا وَاحِدًا فَمَا اسْطَاعُوْٓا أَيْ يَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ أَنْ يَّظْهَرُوْهُ يَعْلُوْا ظَهْرَهٗ لِإِرْتِفَاعِهٖ وَمَلَاسَتِهٖ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ خَرْقًا لِصَلَابَتِهٖ وَسُمْكِهٖ قَالَ ذُو الْقَرْنَيْنِ هٰذَا أَيِ السَّدُّ أَيِ الْإِقْدَارُ عَلَيْهِ رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ نِعْمَةٌ لِأَنَّهٗ مَانِعٌ مِنْ خُرُوْجِهِمْ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ بِخُرُوْجِهِمُ الْقَرِيْبِ مِنَ الْبَعْثِ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ مَدْكُوْكًا مَبْسُوْطًا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ بِخُرُوْجِهِمْ وَغَيْرِهِمْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ كَائِنًا قَالَ تَعَالٰى وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ خُرُوْجِهِمْ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ يَخْتَلِطُ بِهٖ بِكَثْرَتِهِمْ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ أَيِ الْقَرْنِ لِلْبَعْثِ فَجَمَعْنٰهُمْ أَيِ الْخَلَائِقَ فِيْ مَكَانٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا قَرَّبْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ بَدَلٌ مِنَ الْكَافِرِيْنَ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ أَيِ الْقُرْاٰنِ فَهُمْ عُمْيٌ لَا يَهْتَدُوْنَ بِهٖ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ أَيْ لَا يَقْدِرُوْنَ أَنْ يَّسْمَعُوْا مِنَ النَّبِيِّ مَا يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ بُغْضًا لَهٗ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ع ۱۱/۱۹/۲

ترجمہ: وَيَسْئَلُوْنَكَ ..... اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (یعنی یہود، جن کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں تھے) آپ کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہارے سامنے اس کا (مختصر حال) ذکر کروں گا) بطور خبر کے) ہم نے ان کو روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی (زمین پر سیر وسیاحت کی آسانیاں دے کر) اور ہم نے ان کو ہر قسم کا (جس کی ضرورت ان کو پڑ سکتی تھی) سامان دیا تھا (ایسے اسباب ووسائل دئے جو ان کو منزل مقصود تک پہنچا دے)۔ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ چنانچہ وہ ایک راستہ پر چل پڑے مغرب کی جانب ایک راستہ پر چل پڑے۔ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو سورج کو ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا (ذَاتَ حِمَاةٍ بسکون المیم وھی الطبن الاسود یعنی ایک کیچڑ والے، دلدلی چشمہ میں اور وہ کالی مٹی ہے اور سورج کا غروب صرف نظر میں آنکھ سے دیکھنے میں تھا اور نہ وہ سورج تو دنیا سے بہت بڑا ہے۔ وَوَجَدَ عِنْدَهَا ..... اور اس کے پاس (یعنی چشمے کے پاس) ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا (جو کافر تھے)۔ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ ..... ہم نے کہا (الہام کے ذریعہ) اے ذوالقرنین (تو چاہے تو ان کو سزا دے) قوم کافر کو قتل کر ذریعہ) یا کہ ان کے بارے میں نرمی اختیار کرو (قید کر کے) ذوالقرنین نے عرض کیا جو شخص ظلم کرے گا شرک کر کے عنقریب ہم

اس کو سزا دیں گے (یعنی اس کو قتل کر دیں گے) پھر وہ (مرنے کے بعد) اپنے مالک حقیقی کے پاس لوٹائے جائیں گے پھر وہ اس کو (دوزخ میں ڈال کر) سخت سزا دے گا (نکرًا کے کاف کو جزم اور ضمہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے جس کے معنی سخت کے ہیں)۔
وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ..... اور جو شخص (دعوت ایمان کے بعد) ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لیے (آخرت میں) نیک بدلہ ہے (یعنی جنت) اس صورت میں جزاء کی اضافت حسنی کی طرف اضافت بیانیہ اور ایک قراءت میں جزا منصوب مع التنوین ہے، اور فراء نے کہا کہ جزاء پر نصب تفسیر کے لیے ہے یعنی حسنی بحیثیت جزا ملے گی) اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس سے آسان اور نرم بات کہیں گے (یعنی اس کو ایسا ہی حکم دیں گے جو اس پر آسان ہو۔ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑے (مشرق کی جانب یہاں تک جب طلوع آفتاب کے موقع پر (سورج طلوع ہونے کی جگہ پر) پہنچ تو دیکھا کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے ایک قوم پر (جو حبش ہیں) جن کے لیے ہم نے آفتاب سے آڑ (پردہ) کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی (یعنی نہ لباس اور نہ چھت اس لیے کہ ان لوگوں کی زمین تعمیر کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھی البتہ ان کے لیے سرنگیں تھیں جن میں وہ آفتاب کے طلوع ہوتے وقت چھپ جاتے اور آفتاب کے بلند ہونے یعنی زوال کے بعد سرنگ سے باہر نکل آتے ہیں۔ کذلک اسی طرح ہے (یعنی ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح جس طرح ہم نے بیان کیا ہے) اور جو کچھ اس کے پاس تھا (یعنی ذوالقرنی کے پاس جو ساز و سامان اور لشکر وغیرہ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے (ہمارا علم اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے) سفر سوم: ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ پھر ذوالقرنین ایک اور راستہ چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ پہاڑوں کے درمیان پہنچے (سدین کے سین پر زبر اور پیش دونوں طرح قراءت ہے، یہاں یعنی اس آیت: اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ اور بعد کی آیت: اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾ میں سد کا لفظ آیا ہے مراد دو پہاڑ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ جب ذوالقرنین چلتے چلتے دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے جو ترکستان کا آخری حصہ ہے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سکندر ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا دی جیسا کہ عنقریب آئے گا۔
وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا ..... تو ان دونوں پہاڑوں سے ورے (یعنی دونوں پہاڑوں کے سامنے) ایک قوم کو پایا جو تقریباً کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے (یعنی جنگلی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے کوئی بات نہیں سمجھتے تھے مگر بہت دیر کے بعد، یَفۡقَهُوۡنَ میں ایک قراءت یاء کے ضمہ اور ق کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ ان لوگوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج اور ماجوج کی قوم (یاجوج اور ماجوج ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے دونوں قراءت ہے یہ دونوں دو قبیلوں کے عجمی نام ہیں اور دونوں اسم غیر منصرف ہیں) مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ہماری اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں (جب وہ لوگ نکل کر ہمارے پاس آتے ہی تو لوٹ مار اور قتل و غارتگری کرتے ہی) تو کیا ہم لوگ آپ کے لیے کچھ مال جمع کریں (چندہ کر کے کچھ مال جمع کر دیں اور ایک قراءت میں خَرۡجًا کے بجائے خِرَاجًا ہے خرج اور خراج دونوں ہم معنی ہیں اجرت، مزدوری وغیرہ) عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ ..... اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی عمارت بنا دیں (یعنی کوئی ایسی رکاوٹ کھڑی کر دیں کہ پھر وہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے) ذوالقرنین نے کہا جو کچھ اختیار دیا ہے مجھ کو (ایک قراءت میں دونونوں کے ساتھ بغیر ادغام کے ہے) میرے پروردگار نے مال وغیرہ میں وہ بہتر ہے تمہاری اس اجرت (چندہ) سے جو تم میرے لیے ٹھہراتے ہو اس لیے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے اور میں از خود تمہارے لیے رکاوٹ کھڑی کر دوں گا)۔ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ .....

البتہ تم لوگ اپنی طاقت (یعنی ہاتھ پاؤں کی جسمانی محنت) سے میری امداد کرو (جب میں تم سے اس کا مطالبہ کروں) تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا (یعنی ایسی مضبوط روک بنا دوں گا کہ یا جوج ماجوج ادھر نہ آسکیں) اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (لوہے کے ٹکڑے لاؤ ان پتھروں کے برابر جن سے دیوار کھڑی کی جاسکے چنانچہ ذوالقرنین نے اس لوہے کے ٹکڑوں سے دیوار کی تعمیر کردی اور اسکے درمیان میں لکڑی اور کوئلہ رکھ دیا۔ حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ ..... یہاں تک کہ جب (اس دیوار کے ردے ملاتے ملاتے) دونوں پہاڑوں کی پھانکوں کو برابر کر دیا پاٹ دیا (صدفین میں دونوں حرف صاد اور دال کے ضمہ کے ساتھ اور دونوں پر فتحہ کے ساتھ اور صاد کو ضمہ اور دال ساکن یعنی جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو تعمیر دیوار کے ذریعہ پُر کردیا اور دھونکنی اور آگ اس کے پاس رکھدئے گئے) قَالَ انْفُخُوْا ذوالقرنین نے کہا اس میں آگ لگا کر پھونک مارو (لوگوں نے آگ کو دھونکا) یہاں تک کہ جب بنا دیا اس کو (یعنی لوہے کو) آگ (یعنی آگ کی طرح سرخ) تو کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں اس پر ڈال دوں (قطر کے معنی پگھلا ہوا تانبا۔ اس قِطْرًا میں تنازع فعلان ہے یعنی قِطْرًا مفعول ہے اس میں اٰتُوْنِیْ اور افرغ دونوں فعل اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں تو یہاں قِطْرًا کو فعل ثانی افرغ کا مفعول بنا دیا گیا اور فعل اول اٰتُوْنِیْ کے بعد اس کا مفعول قِطْرًا کو محذوف مانا گیا ہے۔ ای آتونی قطرا افرغ علیہ قطرا، پھر انہوں نے اس پگھلے ہوئے تانبے کو اس گرم دھکتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا چنانچہ وہ تانبا لوہے کی چادروں میں پیوست ہو کر ایک چیز بن گیا پھر چونکہ یہ دوار نہایت بلند اور چوڑی چکنی اور مضبوط تھی) اس لیے انہیں قدرت ہوئی ان کو (یعنی یا جوج ماجوج کو کہ اس پر چڑھ سکیں۔ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا اور نہ ان کے لیے ممکن رہا کہ وہ اس میں سوراخ کردیں (اس دیوار کے سخت اور موٹا ہونے کی وجہ سے) ذوالقرنین نے کہا یہ (یعنی یہ دیوار یعنی اس دیوار پر قادر بنانا) میرے پروردگار کی رحمت ہے (نعمت ہے کیونکہ یہ دیوار یا جوج ماجوج کے نکلنے سے روک ہے پھر جب (قیامت کے قریب یا جوج ماجوج کے نکلنے کی بابت) میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کردے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ (جو قیامت کے قریب یا جوج ماجوج کے خروج وغیرہ کا کیا ہے) حق ہے (بلاشبہ ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا): وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ ..... اور ہم اس روز ان کے بعض کو چھوڑ دیں گے (یعنی جب یا جوج ماجوج کا خروج ہوگا کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے) اور صور پھونکا جائے گا (صور ایک قرن یعنی سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا بعث بعد الموت کے لیے فَجَمَعْنٰهُمْ الخ پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کریں گے (یعنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن ایک جگہ میں جمع کرلیں گے) اور اس روز دوزخ کو ہم کافروں کے سامنے پیش کردیں گے وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں (اَلَّذِیْنَ بدل واقع ہو رہا ہے اَلْکَافِرِیْنَ سے) میری یاد سے پردہ میں تھیں (یعنی قران سے غافل تھے یہ لوگ اندھے تھے اس قرآن سے ہدایت نہیں حاصل کرسکتے) اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے (یعنی نبی کریم ﷺ ان کے سامنے جو آیات واحکامات کی تلاوت فرماتے تھے) بغض وعناد کی وجہ سے سننا گوارہ نہیں کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِنْ حَالِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: يَحْتَاجُ إِلَيْهِ: یعنی علم طاقت اور آلات وغیرہ۔

قوله: فَأَتْبَعَ سَبَبًا: یعنی اس مغربی جانب میں پہنچنے کیلئے اس کے اسباب وذرائع تلاش کرنے شروع کیئے۔

قوله: وَغُرُوْبُهَا فِي الْعَيْنِ: یعنی ظاہر دیکھنے میں سورج وہاں غروب ہورہا ہے کیونکہ وہ بحر محیط کے ساحل پر پہنچ چکا ہے۔

قوله: وَإِلَّا فَهِيَ أَعْظَمُ: اس میں اس ارادہ کی ایک دوسری وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سورج تو زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔

قوله: بِالْأَسْرِ: اس کو قتل کے مقابلہ میں احسان قرار دیا۔

قوله: فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ: یعنی اس نے دعوت کو پسند نہ کیا تو اس نے کفر پر اصرار کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

قوله: وَتَنْوِيْنِهِ: اَلْحُسْنٰی سے یہ حال ہے یعنی اس کو اچھا ثواب ملے گا یا فَلَهُ مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے (لما یجزی بها جزاء)

قوله: نَأْمُرُهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں امر مامور کے معنی میں ہے۔

قوله: بِمَا يَسْهُلُ عَلَيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: وَلَهُمْ سَرُوْبٌ: جمع ہے سرب، زمین دوز گڑھوں کو کہاں جاتا ہے۔ سرنگیں

قوله: اَلْأَمْرُ: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قوله: عِلْمًا: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی ان کی تعداد کا علم نہیں۔

قوله: أَمَامَهُمَا: اس میں اشارہ کر دیا کہ یہاں دون کا معنی امام ہے۔

قوله: إِلَّا بَعْدَ بُطْؤٍ: وہ دیر سے اس لئے سمجھے کہ زبان نہیں جانتے تھے اور سمجھ بھی کم تھی۔

قوله: ردمًا: سد سے بڑی دیوار کو کہتے ہیں۔

قوله: اٰتُوْنِيْ: یہ دینا بطور معاونت ہے نہ کہ بطور خراج۔

قوله: كَالنَّارِ: یعنی حرارت میں وہ آگ کی طرح ہو گیا۔

قوله: حُذِفَ مِنَ الْأَوَّلِ: یعنی میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا۔

قوله: مَلَاسَتِهِ: ملائم ہونا۔

قوله: وَسُمْكِ: بلندی اور موٹائی۔

قوله: مَدْكُوْكًا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی زمین کے برابر کر دیا جائے گا۔

قوله: يَخْتَلِطُ بِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ زمین یا جوج ماجوج کی طرف لوٹ رہی ہے کہ وہ دیوار کے پیچھے سے نکلتے وقت بھیڑ

بھاڑ کی صورت میں نکلیں گے۔ بامخلوق ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائے گی۔

قوله: بُغْضًا لَه :یعنی وہ بغض کی وجہ سے قرآن کو سنتے نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳

قصہ ذوالقرنین:

ذوالقرنین کا مفصل قصہ، مغرب ومشرق کا سفر کرنا یاجوج وماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار بنانا۔

مذکورہ بالا آیات میں ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے مغرب اور مشرق کے اسفار اور ایک قوم کی درخواست کرنے پر یاجوج ماجوج سے حفاظت کرنے کے لیے دیوار بنا دینے کا تذکرہ فرمایا ہے یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علماء یہود نے قریش مکہ سے کہا تھا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں، وہ تین باتیں جن کا سوال کرنے کی تلقین کی تھی ان میں ایک سوال روح کے بارے میں تھا اور دوسرا سوال اصحاب کہف کے بارے میں اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا سورۃ الاسراء میں روح کے بارے میں سوال و جواب گزر چکا ہے اور سورۃ کہف کے رکوع نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں اصحاب کہف کا تذکرہ ہو چکا ہے ذوالقرنین کے بارے میں جو سوال کیا تھا یہاں اس کا جواب مذکور ہے۔ ذوالقرنین کون تھے اور یاجوج ماجوج کہاں تھے اور جو دیوار یاجوج ماجوج کے فساد سے بچانے کے لیے بنائی تھی وہ کہاں ہے یہ سوال دلوں میں ابھرتے ہیں اور ایک مؤمن آدمی کے لیے تو قرآن کا اجمالی بیان ہی کافی ہے لیکن اس دور میں چونکہ تحقیق اور تفتیش کا ذوق کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے اس لیے مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب آجائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ذوالقرنین کون تھے ان کا نام کیا تھا اور ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا:

پہلا سوال کہ ذوالقرنین کون تھے اور ان کا نام کیا تھا اور ان کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟ اس کے بارے میں اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بعض لوگوں نے ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی بتایا ہے جس کا وزیر ارسطو (فلسفی) تھا۔ محققین کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (جنہوں نے یاجوج ماجوج کی حفاظت کے لیے دیوار بنائی تھی) وہ ایک مؤمن صالح آدمی تھے (اور بعض حضرات نے انہیں نبی بھی مانا ہے) اور سکندر مقدونی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے سکندر مقدونی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسکندریہ شہر کا بانی تھا (جو مصر میں ایک مشہور شہر ہے) اور وہ ذوالقرنین اول (جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے) سے بہت متاخر تھا یہ شخص (بانی اسکندریہ) حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اس نے دارا کو قتل کیا اور شاہان فارس کو ذلیل کیا اس کے بعد حافظ ابن

کثیر تحریر فرماتے ہیں۔

وانما نبهنا عليه الان كثيرا من الناس يعتقد انهما واحد وان المذكور فى القرآن هو الذى كان ارطاطاليس وزيره فيقع بسبب ذلك خطاء كبير وفساد عريض طويل كثير فان الاول كان عبدا مؤمنا صالحا وملكا عادلا وكان وزيره الخضر وقد كان نبيا على ما قررنا قبل هذا واما الثانى فكان مشركا وكان وزيره فيلسوفا وقد كان بين زمانيهما ازيد من الفاسنة فان هذا من هذا لا يستويان ولا يشتبهان الا على غبى لا يعرف حقائق الامور۔ (البداية والنهايه ص ۱۰۶ ج ۲)

ہم نے اس بات پر اس لیے تنبیہ کی ہے کہ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ وہی ذوالقرنین ہے، جس کا وزیر ارسطو تھا اور اس کی وجہ سے بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ذوالقرنین اول (جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) وہ عبد مؤمن تھے صالح انسان تھے اور ملک عادل تھے اور ان کے وزیر حضرت خضر تھے اور خود بھی نبی تھے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا ہے، اور دوسرا ذوالقرنین مشرک تھا اور اس کا وزیر ایک فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان دو ہزار سے زائد مدت کا فصل تھا سو یہ کہاں اور وہ کہاں؟ دونوں میں ایسے ہی کوڑھ مغز آدمی کو اشتباہ ہو سکتا ہے جو حقائق الامور کو نہ جانتا ہو۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ ذوالقرنین کون تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے حافظ ابن کثیر نے ان کے نام کے بارے میں چند اقوال نقل کیے ہیں۔ (۱) عبداللہ بن ضحاک بن معد (۲) مصعب بن عبداللہ بن قنان (۳) مرزوبان بن مرزبہ (٤) صعب بن ذی مرائد (٥) ہرمس (٦) ہردیس، پھر لکھا ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بنی حمیر میں سے تھے۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کا لقب ہی ذکر کیا ہے نام اور نسل کا تذکرہ نہیں فرمایا اس لیے اتنا زیادہ اختلاف ہوا اور اصل مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے اور اسحٰق بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ان کے وزیر اور مشیر حضرت خضر علیہ السلام ان کے لشکر کے سب سے اگلے حصہ کے امیر تھے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ کعبہ مکرمہ کا طواف کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے پیدل حج کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو ان کا استقبال کیا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا وہ جہاں چاہتے تھے ان کو لے جاتے تھے۔ واللہ اعلم

ذوالقرنین کا یہ لقب کیوں معروف ہوا؟ اس سوال کے جواب میں اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ قرنین تثنیہ ہے قرن کا اور قرن عموماً سینگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سو سال کی مدت کے لیے لفظ قرن کا اطلاق ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے (ج ١٦ ص ٢٤ پر) گیارہ قول نقل کیے ہیں اور ان کے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: فيها ما لا يكاد يصح (یعنی ان میں وہ باتیں ہیں جو صحیح ہونے کے قریب بھی نہیں ہیں) ان گیارہ وجوہ میں بعض باتیں دل کو لگتی ہیں ایک

تو یہ کہ ان کے زمانہ سلطنت میں دو قرنیں ختم ہوگئی تھیں یعنی دو سو سال سے زیادہ ان کی حکومت رہی۔ دوسرا یہ کہ ان کے سر میں دو سینگ تھے جیسے بکری کے کھر ہوتے ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عمامہ استعمال کیا تاکہ انہیں چھپا کر رکھا جائے تیسرا یہ کہ ان کے تاج میں دو سینگ تھے اور چوتھا یہ کہ انہوں نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا تھا ہر جانب کو ایک قرن سے تعبیر کیا گیا۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا فرماں روا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔ (فتح الباری ص ۲۷۲ ج ۶ عمدۃ القاری ص ۳۲۷ ج ۷)

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ۬ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾

مغرب کا سفر:

قریش مکہ کے سوال کرنے پر ذوالقرنین کے بارے میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالقرنین کو زمین میں حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا جو حکومت کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک راہ پر چل دیئے یعنی مغرب کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا سفر کرتے کرتے (درمیان شہروں کو فتح کرتے ہوئے) ایسی جگہ پر پہنچے جو آفتاب غروب ہونے کی جگہ تھی مطلب یہ ہے کہ مغرب کی جانب میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ایک سیاہ مٹی والے چشمہ میں آفتاب ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ اس سے سمندر کا پانی مراد ہے۔ عین عربی میں چشمہ کو اور حمئۃ کالے رنگ کی کیچڑ اور دلدل کو کہا جاتا ہے صاحب روح المعانی (صفحہ ۳۲ ج ۱۶) لکھتے ہیں کہ (عین حمئۃ) سے یا تو کوئی ایسا چشمہ مراد ہے جو سمندر میں تھا یا اس سے سمندر ہی مراد لیا ہے اور سمندر کو عین یعنی چشمہ نام رکھنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن کالی مٹی والے چشمے میں آفتاب غروب ہوتا ہوا نظر آتا یہ بتاتا ہے کہ سمندر میں دور دراز دوسرے کنارے پر آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ کیونکہ عام محاورہ میں کیچڑ اس مٹی کو کہا جاتا ہے جو تھوڑے پانی میں ہو (اور عموماً کناروں پر پانی تھوڑا ہوتا ہے۔)

آفتاب حقیقت میں سمندر میں غروب نہیں ہوتا مگر سمندر سے آگے نگاہ نہ پہنچنے کی وجہ سے سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے جن حضرات نے سمندری سفر کیے ہیں انہوں نے بارہا پانی کے جہاز میں یہ منظر دیکھا ہوگا۔

وہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ ایک قوم آباد ہے اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین تمہیں اختیار ہے خواہ ان کو عذاب دو یعنی ابتداً ہی (ان کے کفر کی وجہ سے) قتل کر دو یا ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو یعنی ان کو ایمان کی دعوت دو پھر نہ مانیں تو قتل کر دینا۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو پہلے دعوت ایمان پہنچ چکی تھی وہ اس کے باوجود بھی کافر تھے اس لیے مستقل طور پر دعوت دیئے بغیر بھی قتل کرنے کا اختیار عطا فرما دیا) ذوالقرنین نے عرض کیا کہ ہم پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیں گے (دعوت دینے کے بعد) جس شخص نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر پر ہی رہا تو ہم اسے سزا دیں گے (قتل کریں یا اور کوئی

صورت اختیار کریں اور یہ سزا دنیاوی ہوگی) پھر جب وہ اپنے رب کے پاس واپس لوٹایا جائے گا یعنی موت کے بعد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا تو وہ اسے بری سزا دے گا اور جو شخص دعوت حق کو قبول کرے گا اور ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کے لیے ایمان وعمل کے بدلہ بھلائی ملے گی (یعنی جنت میں داخل ہوگا کمافی سورۃ یونس: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ) اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی عملی یا زبانی سختی نہ ہوگی۔

مشرق کا سفر:

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴿۸۹﴾: مغرب کے سفر کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کے ممالک کا رخ کیا اور مشرقی جانب کی راہ پر چل دیئے، چلتے چلتے جب ایسی جگہ پہنچے جہاں آفتاب طلوع ہونے کی جگہ تھی (یعنی جانب مشرق میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے) تو دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے کہ آفتاب کے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کوئی آڑ نہیں رکھی یعنی یہ قوم ایسی تھی جو دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی مکان یا خیمہ نہیں بناتے تھے، کھلے میدان میں رہتے تھے (ممکن ہے کہ ان کے یہاں دھوپ کی تیزی زیادہ نہ ہوتی ہو۔ اور دھوپ میں رہنے کی عادت پڑ گئی ہو جیسے جنگلی جانور اس دھوپ میں گزارہ کرتے ہیں اور رہتے ہیں) اور بارش بھی کم ہوتی ہو اور تھوڑی بہت بارش ہونے پر درختوں کے نیچے پناہ لے لیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ: یہ قصہ اس طرح ہے واقعی ہے۔ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴿۹۱﴾ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان وغیرہ تھا اور ان کو جو حالات پیش آئے ہم کو ان کی پوری خبر ہے۔

حضرت ذوالقرنین نے جس قوم کو مشرق کے آخری حصے میں پایا قرآن مجید میں ان کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ وہ مؤمن تھے یا کافر، اور نہ یہ بتایا کہ ان کے ساتھ ذوالقرنین نے کیا معاملہ کیا۔ اگر یہ لوگ کافر تھے تو بظاہر وہی معاملہ کیا ہوگا جو مغرب کی جانب رہنے والوں کے ساتھ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا سفر:

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴿۹۲﴾: جانب مشرق میں مَطْلِعَ الشَّمْسِ میں رہنے والی قوم سے فارغ ہوکر ذوالقرنین آگے بڑھے، چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا۔ (یہ بَيْنَ السَّدَّيْنِ کا ترجمہ ہے۔ اور سدین سے دو پہاڑ مراد ہیں ان کے درمیان خالی جگہ تھی۔ ان دونوں کے درمیان درہ سے جہاں یاجوج ماجوج حملہ آور ہوئے تھے۔)

ان پہاڑوں سے ورے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔ (ذوالقرنین کی زبان تو کیا سمجھتے یہ تو لغت جاننے کی بات ہے سمجھ بوجھ بھی بس یونہی تھوڑی بہت تھی لیکن دشمنوں کی وجہ سے پریشان بہت زیادہ تھے۔)

یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار کی تعمیر:

ذوالقرنین کا اقتدار دیکھتے ہوئے اپنی مصیبت سے چھٹکارا کے لیے (اشارہ وغیرہ کے ذریعہ) انہوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں (گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو کر قتل وغارتگری

کرتے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے) سو کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے چندہ کر کے مال جمع کر دیں اور اس شرط پر آپ کو دیدیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان روکنے والی ایک آڑ بنا دیں۔ (تا کہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں۔)

دیوار کو کس طرح اور کس چیز سے بنایا گیا:

ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال جمع کرنے کی ضرورت نہیں مجھے میرے رب نے جو اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے جس میں مالی تصرفات بھی شامل ہیں وہ بہتر ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کی طاقت یعنی محنت و ہمت کے ذریعہ میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنا دوں گا۔ تم ایسا کرو کہ لوہے کے ٹکڑے لاؤ (چنانچہ ٹکڑے لائے گئے اور ان کو اینٹوں کی جگہ استعمال کیا اور اس طرح ان کی چنائی کی کہ ان کے درمیان لکڑی اور کوئلے رکھتے چلے گئے) یہاں تک کہ جب پہاڑوں کے درمیان والے خالی حصے کو پہاڑوں کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اب دھونکو (صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ پھونکنے کے آلات رکھ دیئے گئے اور چاروں طرف آگ جلا دی گئی) چنانچہ ان لوگوں نے دھونکنا شروع کیا اور اتنا دھونکا اتنا دھونکا کہ وہ لوہا آگ بن گیا۔ اندر کی لکڑیاں اور کوئلہ تو جل گیا اور لوہے کے ٹکڑے آگ کی طرح لال ہو کر آپس میں جڑ گئے۔ مضبوط دیوار کے لیے تو یہی کافی تھا لیکن انہوں نے مضبوطی کے لیے یہ کیا کہ تانبا طلب کیا اور ان لوگوں سے فرمایا کہ میرے پاس تانبا لے آؤ تا کہ میں تانبا کو اس پر ڈال دوں، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا اس لوہے میں ڈال دیا جو خوب زیادہ گرم تھا اول تو وہ خود ہی آپس میں مل کر جام ہو چکا تھا پھر اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا جو لوہے کے ٹکڑوں کے اندر بچی کھچی جگہوں میں داخل ہو گیا۔ اور اس طرح سے ایک مضبوط دیوار بن گئی۔ اس دیوار کی بلندی اور پختگی اور چکنے پن کی وجہ سے یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ جب ذوالقرنین دیوار بنا کر فارغ ہوئے تو کہنے لگے (هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّيۡ) یہ میرے رب کی طرف سے بڑی رحمت ہے اور دیوار کا تیار ہو جانا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے مجھے اس نے اس کام میں لگایا اور ان لوگوں کے لیے بھی رحمت ہے جن کو یاجوج ماجوج دکھ دیتے تھے اور غارت گری کرتے تھے اب دیوار کے ادھر رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یاجوج ماجوج سے محفوظ فرما دیا۔

یاجوج و ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں، سد ذوالقرنین کس جگہ ہے؟

ان کے متعلق اسرائیلی روایات اور تاریخی کہانیوں میں بہت بے سروپا عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں جن کو بعض ورچ وو حضرات مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کر دیا ہے مگر وہ خود ان کے نزدیک بھی قابل اعتماد نہیں قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم ﷺ نے بقدر ضرورت تفصیلات سے بھی امت کو آگاہ کر دیا ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات جو مفسرین محدثین اور مؤرخین نے ذکر کئے ہیں اور صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ان میں جو اہل تاریخ کے اقوال مختلف ہیں وہ قرائن اور قیاسات اور تخمینوں پر مبنی ہیں ان کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی اثر قرآنی ارشادات پر نہیں پڑتا۔

میں اس جگہ پہلے وہ احادیث نقل کرتا ہوں جو اس معاملے میں محدثین کے نزدیک صحیح یا قابل اعتماد ہیں اس کے بعد بقدر ضرورت تاریخی روایات میں لکھی جاویں گی۔

یاجوج وماجوج کے متعلق روایات حدیث:

قرآن وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں عام انسانوں کی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی نص صریح ہے: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ یعنی طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے۔ تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یافث کی اولاد میں ہیں ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور صحیح حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو صحیح مسلم اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس میں خروج دجال نزول عیسیٰ علیہ السلام پھر خروج یاجوج وماجوج وغیرہ کی پوری تفصیل مذکور ہے اس پوری حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر وذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ وہ کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے (مثلاً جنت ودوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات) آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں (یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا (تمہیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں) اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار ہے (اس کی علامت یہ ہے) کہ وہ نوجوان سخت پیچ دار بالوں والا ہے اس کی ایک آنکھ اوپر کو ابھری ہوئی ہے (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) اور اگر میں (اس کی قبیح صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں تو وہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے (یہ زمانہ جاہلیت میں بنوخزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل شخص تھا) اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے (اس سے دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے گا) دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا اے اللہ

کے بندو اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ زمین میں کس قدر مدت رہے گا آپ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے عرض کیا یارسول ﷺ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوں گی پھر ہم نے عرض کیا یارسول ﷺ وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو پس دجال کسی قوم کے پاس سے گذرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے اور زمین کو حکم دے گا وہ سرسبز و شاداب ہوجائے گی (اور ان کے مویشی اس میں چریں گے) اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے کی بہ نسبت اونچے ہوں گے اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور ان کی کوکھیں پر ہوں گی پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گذرے گا اور ان کو بھی اپنے کفر و اضلال کی دعوت دے گا لیکن وہ اس کی باتوں کو رد کردیں گے وہ ان سے مایوس ہو کر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوجائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا اور ویران زمین کے پاس سے اس کا گذر ہوگا تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہولیتی ہیں پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا اس کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کردے گا اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کردیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنے والے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر وہ اس کو بلائے گا وہ (زندہ ہو کر) دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آجائے گا در یں اثنا حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے چنانچہ وہ دو رنگ دار چادریں پہنے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مر جائے گا۔

اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے باب اللد پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کردیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے اور (بطور شفقت کے) ان چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوش خبری سنائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور حق تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ

طبریہ سے گذریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کردیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا تو ایک بیل کے سر کو سو دینار سے بہتر سمجھا جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے (حق تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے) اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یاجوج وماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا (اس کی کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے (کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھرکم پرندوں کو بھیجیں گے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی (اور ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی ساری زمین دھل جائے گی اور شیشہ کے مانند صاف ہوجائے گی پھر حق تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگا دے اور (از سر نو) اپنی برکات کو ظاہر کردے (چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہوجائے گا ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہوجائے گا (یہ غیر معمولی برکات اور امن وامان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہوجائے گی اور سب کے سب وفات پاجائیں گے اور باقی صرف شریر وکافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت میں یاجوج وماجوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی ہے وہ یہ کہ بحیرہ طبریہ سے گذرنے کے بعد یاجوج وماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو سب کو قتل کردیا ہے لو اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کریں چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر حق تعالیٰ کے حکم سے خون آلود ہو کر ان کی طرف واپس آئیں گے (تاکہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کردیا)۔

اور دجال کے قصہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے دور رہے گا اور مدینہ کے راستوں پر بھی اس کا آنا ممکن نہ ہوگا تو وہ مدینہ کے قریب ایک شور زمین کی طرف آئے گا اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا اور وہ آدمی اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا اور اس کو خطاب کرکے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں

کہ تو وہی دجال ہے جس کی ہمیں رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی (یہ سن کر) دجال کہنے لگے گا لوگو مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تو میرے خدا ہونے میں شک کرو گے وہ جواب دیں گے نہیں چنانچہ اس آدمی کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا تو وہ دجال کو کہے گا کہ اب مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا ہے دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ (صحیح مسلم)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے بعث النار (یعنی جہنمی لوگ) اٹھایئے وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں تو حکم ہوگا ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنمی ہیں صرف ایک جنتی ہے صحابہ کرام اجمعین سہم گئے اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ ہم میں سے وہ ایک جنتی کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا غم نہ کرو کیونکہ یہ نوسو ننانوے جہنمی تم میں سے ایک اور یاجوج وماجوج میں سے ایک ہزار کی نسبت سے ہوں گے۔ اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ان میں سے نو حصے یاجوج وماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں باقی ساری دنیا کے انسان ہیں۔ (روح المعانی)

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان روایات کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج وماجوج کی تعداد ساری انسانی آبادی سے بے حد زیادہ ہے۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں باسناد صحیح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد چالیس سال زمین پر رہیں گے مسلم کی ایک روایت میں جو سات سال کا عرصہ بتلایا ہے حافظ نے فتح الباری میں اس کو مؤول یا مرجوح قرار دے کر چالیس سال ہی کا عرصہ صحیح قرار دیا ہے اور حسب تصریح احادیث یہ پورا عرصہ امن وامان اور برکات کے ظہور کا ہوگا بغض وعداوت آپس میں قطعاً نہ رہے گا کبھی دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا یا عداوت نہیں ہوگی۔ (روایت مسلم واحمد)

بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا حج وعمرہ خروج یاجوج وماجوج کے بعد بھی جاری رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

بخاری ومسلم نے حضرت زینب بنت جحش ام المؤمنینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے۔

لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه وحلق تسعین۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آ چکا ہے آج کے دن یاجوج وماجوج کی ردم یعنی سد میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا۔

ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ہم ایسے حال میں ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ خبث (یعنی شر) کی کثرت ہو جائے (مثله فی الصحیحین عن ابی ہریرةؓ کذا فی البدایہ والنہایہ لابن کثیر) اور سد یاجوج وماجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہو جانا

اپنے حقیقی معنی بھی ہوسکتا ہے اور مجازی طور پر سدذوالقرنین کے کمزور ہوجانے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ (ابن کثیر ابوحیان)

مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یاجوج و ماجوج ہر روز سدذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کردیں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط درست کردیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یاجوج وماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس روز جب محنت کرکے آخری حد میں پہنچادیں گے اس دن یوں کہیں گے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کرلیں گے (اللہ کے نام اور اس کی مشیت پر موقوف رکھنے سے آج توفیق ہوجائے گی) تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کرلیں گے۔

ترمذی اس روایت کو بسند ابی عوانہ عن قتادہ عن ابی رافع عن ابی ہریرہ نقل کرکے فرمایا: غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کرکے فرمایا:

اسناده جيد قوي ولكن متنه في رفعه نكارة: اسناد اس کی جید اور قوی ہے لیکن حضرت ابوہریرہؓ سے اس کو مرفوع کرنے یا اس کو رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں ایک نکارت واجنبیت معلوم ہوتی ہے۔

اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ کعب احبار کی روایت ہے تب تو بات صاف ہوگئی کہ یہ کوئی قابل اعتماد چیز نہیں اور اگر اس روایت کو وہم راوی سے محفوظ قرار دے کر آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد قرار دیا جائے تو پھر مطلب اس کا یہ ہوگا کہ یاجوج وماجوج کا یہ عمل سد کو کھودنے کا اس وقت شروع ہوگا جبکہ ان کے خروج کا وقت قریب آجائے گا اور قرآنی ارشاد کہ اس دیوار میں نقب نہیں لگائی جاسکتی یہ اس وقت کا حال ہے جبکہ ذوالقرنین نے اس کو تعمیر کیا تھا اس لئے کوئی تعارض نہ رہا نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نقب سے مراد دیوار کا وہ رخنہ اور سوراخ ہے کہ جو آر پار ہوجائے اور اس روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ سوراخ آر پار نہیں ہوتا۔ (بدایہ ص ۱۱۲ ج ۲)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کو عبد بن حمید اور ابن حبان کے حوالے سے بھی نقل کرکے کہا ہے کہ ان سب کی روایت حضرت قتادہ سے ہے اور ان میں بھی کوئی شبہ نہیں کیا اور بحوالہ ابن عربی بیان کیا کہ اس حدیث کے مرفوع قرار دینے پر بھی کوئی شبہ نہیں کیا اور بحوالہ ابن عربی بیان کیا کہ اس حدیث میں تین آیات الٰہیہ یعنی معجزات ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ سد کو کھودنے کا کام رات دن مسلسل جاری رکھیں ورنہ اتنی بڑی قوم کے لئے کیا مشکل تھا کہ دن اور رات کی ڈیوٹیاں الگ الگ مقرر کرلیتے دوسرے ان کے ذہنوں کو اس طرف سے پھیر دیا کہ اس سد کے اوپر چڑھنے کی کوشش کریں اس کے لئے آلات سے مدد لیں حالانکہ وہب بن منبہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صاحب زراعت وصناعت ہیں ہر طرح کے آلات رکھتے ہیں ان کی زمین میں درخت بھی مختلف قسم کے ہیں کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اوپر چڑھنے کے ذرائع وسائل پیدا کرلیتے تیسرے یہ کہ ساری مدت میں ان کے قلوب میں یہ بات نہ آئے کہ ان شاء اللہ

کہہ لیں صرف اس وقت یہ کلمہ ان کی زبان پر جاری ہوگا جب ان کے نکلنے کا وقت مقرر آ جائے گا۔

ابن عربی نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت وارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کر دے اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے (اشراط الساعۃ للسید محمد ص ۱۰۴) مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہئے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہنچی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادہ ومشیت کے قائل ہوں گے اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو بہر حال ان شاء اللہ کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں۔

روایات حدیث سے حاصل شدہ نتائج:

مذکور الصدر احادیث میں یاجوج و ماجوج کے متعلق جو باتیں رسول کریم ﷺ کے بیان سے ثابت ہوئیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) یاجوج و ماجوج عام انسانوں کی طرح انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جمہور محدثین و مؤرخین ان کو یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یافث ابن نوح کی اولاد نوح علیہ السلام کے زمانے سے ذوالقرنین کے زمانے تک دور دور تک مختلف قبائل اور مختلف قوموں اور آبادیوں میں پھیل چکی تھی یاجوج و ماجوج جن قوموں کا نام ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب سد ذوالقرنین کے پیچھے ہی محصور ہو گئے ہوں ان کے کچھ قبائل اور قومیں سد ذوالقرنین کے اس طرف بھی ہوں گے البتہ ان میں سے جو قتل و غارت گری کرنے والے وحشی لوگ تھے وہ سد ذوالقرنین کے ذریعہ روک دیئے گئے مؤرخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں مگر ان میں سے یاجوج و ماجوج نام صرف ان وحشی غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین جو متمدن ہو گئے وہ اس نام سے خارج ہیں۔

(۲) یاجوج و ماجوج کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد کم از کم ایک اور دس کی نسبت سے ہے (حدیث نمبر ۲)

(۳) یاجوج و ماجوج کی جو قومیں اور قبائل سد ذی القرنین کے ذریعہ اس طرف آنے سے روک دیئے گئے ہیں وہ قیامت کے بالکل قریب تک اسی طرح محصور رہیں گے ان کے نکلنے کا وقت مقدر ظہور مہدی علیہ السلام پھر خروج دجال کے بعد وہ ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر چکیں گے (حدیث نمبر ۱)

(۴) یاجوج و ماجوج کے کھلنے کے وقت سد ذوالقرنین منہدم ہو کر زمین کے برابر ہو جائے گی (آیت قرآن) اس وقت یاجوج و ماجوج کی بے پناہ قومیں بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی سرعت رفتار کے سبب ایسی معلوم ہوں گی کہ گویا یہ پھسل پھسل کر گر رہے ہیں اور یہ لاتعداد وحشی انسان عام آبادی اور پوری زمین پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کے قتل و غارت گری کا

کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بامر الٰہی اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر پناہ لیں گے اور عام دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ قلعے یا محفوظ مقامات ہیں وہ ان میں بند ہو کر اپنی جانیں بچائیں گے کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے کے بعد ضروریات انتہائی گراں ہو جائے گی باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی قومیں ختم کر ڈالیں گی ان کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گی (حدیث نمبر ۱)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعاء سے پھر ٹڈی دل قسم کی بے شمار قومیں بیک وقت ہلاک کر دی جائیں گی ان کی لاشوں سے ساری زمین پٹ جائے گی ان کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسنا مشکل ہو جائے (حدیث نمبر ۱)

(۶) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء ہی کی دعاء سے ان کی لاشیں دریا برد یا غائب کر دی جائیں گی اور عالمگیر بارش کے ذریعہ پوری زمین کو دھو کر پاک صاف کر دیا جائے گا (حدیث نمبر ۱)۔

(۷) اس کے بعد تقریباً چالیس سال امن و امان کا دور دورہ ہوگا زمین اپنی برکات اگل دے گی کوئی مفلس محتاج نہ رہے گا کوئی کسی کو نہ ستائے گا سکون واطمینان آرام و راحت عام ہوگی (حدیث نمبر ۳)

(۸) اس امن و امان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج و عمرہ جاری رہے گا (حدیث نمبر ۴)

(۹) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانے میں بذریعہ وحی خواب آپ کو دکھلایا گیا کہ سد ذوالقرنین میں ایک سوراخ ہو گیا ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے لئے شر و فتنہ کی علامت قرار دی اس دیوار میں سوراخ ہو جانے کو بعض محدثین نے اپنی حقیقت پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مطلب بطور استعارہ اور مجاز کے یہ قرار دیا ہے کہ اب یہ سد ذوالقرنین کمزور ہو چکی ہے خروج یاجوج و ماجوج کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس کے آثار عرب قوم کا تنزل و انحطاط کے رنگ میں ظاہر ہوں گے واللہ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کا قیام زمین پر چالیس سال ہوگا (حدیث نمبر ۳) ان سے پہلے حضرت مہدی علیہ السلام کا زمانہ بھی چالیس سال رہے گا جس میں کچھ حصہ دونوں کے اجتماع و اشتراک کا ہوگا سید شریف برزنجی نے اپنی کتاب اشراط الساعۃ صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام قتل دجال اور امن و امان کے بعد چالیس سال ہوگا اور مجموعہ قیام پنتالیس سال ہوگا اور صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیس سے اوپر کچھ سال پہلے ظاہر ہوں گے اور ان کا مجموعہ زمانہ چالیس سال ہوگا اس طرح پانچ یا سات سال تک دونوں حضرات کا اجتماع رہے گا اور ان دونوں زمانوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ پوری زمین پر عدل و انصاف کی حکومت ہوگی زمین اپنی برکات اور خزائن اگل دے گی کوئی فقیر و محتاج نہ رہے گا لوگوں کے آپس میں بغض و عداوت قطعاً نہ رہے گی ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کے آخری زمانے میں دجال اکبر کا فتنہ عظیم سوائے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس اور کوہ طور کے سارے عالم پر چھا جائے گا اور یہ فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے عظیم تر ہوگا دجال کا قیام اور فساد صرف چالیس دن رہے گا مگر ان چالیس دنوں میں سے پہلا دن ایک سال کا دوسرا دن ایک مہینہ کا تیسرا دن ایک ہفتہ کا ہوگا باقی دن عام دنوں کی طرح کے ہوں گے جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حقیقۃً یہ دن اتنے طویل کر دیئے جائیں کیونکہ اس آخر زمانے میں تقریباً سارے واقعات ہی خرق عادت اور معجزہ کے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دن رات تو اپنے معمول کے مطابق ہوتے رہیں مگر دجال کا بڑا ساحر ہونا حدیث سے ثابت ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے سحر کے اثر سے عام مخلوق کی

نظروں پر یہ دن رات کا تغیر وانقلاب ظاہر نہ ہو وہ اس کو ایک ہی دن دیکھتے اور سمجھتے رہیں حدیث میں جو اس دن کے اندر عام دنوں کے مطابق اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنے کا حکم آیا ہے اس سے بھی تائید اس کی ہوتی ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو دن رات بدل رہے ہوں گے مگر لوگوں کے احساس میں یہ بدلنا نہیں ہوگا اس لئے اس ایک سال کے دن میں تین سو ساٹھ دنوں کی نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ورنہ اگر دن حقیقۃً ایک ہی دن ہوتا تو قواعد شرعیہ کی رو سے اس میں صرف ایک ہی دن کی پانچ نمازیں فرض ہوتیں خلاصہ یہ کہ دجال کا کل زمانہ اس طرح کے چالیس دن کا ہوگا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر کے اس فتنہ کو ختم کریں گے مگر اس کے متصل ہی یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل وغارت گری کریں گے مگر اس کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہوں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے یہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کہ آخر میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجال اور یاجوج وماجوج کے ہوں گے جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ وبالا کر دیں گے ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد میں پوری دنیا کے اندر عدل وانصاف اور امن وسکون اور برکات وثمرات کا دور دورہ ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ ومذہب زمین پر نہ رہے گا زمین اپنے خزائن ودفائن اگل دے گی کوئی فقیر ومحتاج نہ رہے گا درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین کے متعلق یہ معلومات تو وہ ہیں جو قرآن اور احادیث نبویہ نے امت کو بتلا دیئے ہیں اسی پر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت ناجائز ہے۔ باقی رہی اس کی جغرافیائی بحث کہ سد ذوالقرنین کس جگہ واقع ہے اور قوم یاجوج وماجوج کون سی قوم ہے اور اس وقت کہاں کہاں بستی ہے اگرچہ اس پر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے اور نہ قرآن کریم کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اس پر موقوف ہے لیکن مخالفین کی ہفوات کے جواب اور مزید بصیرت کے لئے علماء امت نے اس سے بحث فرمائی ہے اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج وماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا وہ ترک ہیں اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یاجوج وماجوج سے ملتی ہوئی ہیں اور آخر زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے پھر فرمایا کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے پھر فرمایا کہ اس زمانے میں ترک قوم کی بڑی بھاری تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے وہی مسلمانوں کو ان کو شر سے بچا سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یاجوج وماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں (قرطبی ص ۵۰۷ ج ۱۱) (قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے جس میں فتنہ تاتار ظاہر ہوا اور اسلامی خلافت کو تباہ وبرباد کیا ان کا عظیم فتنہ تاریخ اسلام میں معروف اور تاتاریوں کا منغول ترک میں سے ہونا مشہور ہے) مگر قرطبی نے ان کو یاجوج وماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے ان کے فتنہ کو وہ خروج یاجوج وماجوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ وہ خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا۔

اسی لئے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے جنہوں نے تا تاری کو یاجوج وماجوج قرار دیا اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے البتہ یہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یاجوج وماجوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے (روح ص ٤٤ ج ١٦) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مورخین موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں اگر اس سے ان کی مراد وہی ہوتی جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا کہ ان کا فتنہ فتنہ یاجوج وماجوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوتا مگر اسی کو وہ خروج یاجوج وماجوج قرار دینا جس کی خبر قرآن وحدیث میں بطور علامات قیامت دی گئی اور اس کا وقت نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے۔

ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قنجاق اور چرکس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے۔

اور عبداللہ بن خردازبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اس نے واپس آکر اسی سد کے حالات واوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون ص ۷۹)

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سد ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجنا اور ان کا تحقیق کر کے آنا ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کبیر وطبری نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو سمرقند کے محاذات میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۳)

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق وروایت کے اعلیٰ معیار پر ہے آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت وتاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں میں سدیں (دیواریں) بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں ان میں سے

زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا طول ابوحیان اندلسی (دربار ایران کے شاہی مورخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بناء کی تاریخ ہبوط آدم علیہ السلام سے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی اور یہ کہ اس دیوار چین کو مغل لوگ انکووہ اور ترک لوگ بورقورقہ کہتے ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدیں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل و تحقیق سے لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کی تاخت و تاراج اور شر وفساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کا کیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے انہی یاجوج وماجوج کے شر وفساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد تعمیر کی گئی ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام دربند ہے یہ سد مشہور مغل تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے خاص ہم نشین سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاو یجو نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے یہ 1403ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہوکر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گذرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے۔ (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸ ج ۹)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد 3۔43 شمالاً اور طول البلد 15۔48 شرقاً ہے اور اس کو دربند انوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے۔

چوتھی سد اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کا کیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ یہ چوتھی سد جو قفقاز یا جبل قوقایا کوہ قاف کی سد کہلاتی ہے بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

اور اسی کے (یعنی سد باب الابواب کے) قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہوسکا بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کردی ہے اور بعض نے کسریٰ ونوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔

(دائرۃ المعارف جلد ۷ ص ۶۵۱ معجم البلدان جلد ۸ ص ۹)

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سے سد

ذوالقرنین کون سی ہے اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری دوسدوں کے معاملہ میں پیش آیا کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکور الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے اس کے متعلق تو سد ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے۔

اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال ہی میں ہیں ان میں سے عام طور پر مؤرخین مسعودی اصطخری حموی وغیرہ اس دیوار کو سد ذوالقرنین بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الابواب کے دربند میں بحر خزر پر واقع ہے بخارا و ترمذ کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مورخین نے سد ذوالقرنین کہا ہے وہ غالباً لفظ دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہو گیا کہ علاقہ داغستان کا کیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مؤرخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ نے عقیدہ الاسلام میں کوہ قاف قفقاز کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سد ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷)

سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گی یا وہ ٹوٹ چکی ہے؟

آج کل تاریخ و جغرافیہ کے ماہرین اہل یورپ اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یاجوج وماجوج کا راستہ بند ہے اس بناء پر بعض اہل اسلام مؤرخین نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ یاجوج وماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہو چکا ہے بعض نے چھٹی صدی ہجری میں طوفان بن کر اٹھنے والی قوم تاتار ہی کو اس کا مصداق قرار دے دیا ہے بعض نے اس زمانے میں دنیا پر غالب آجانے والی قوموں روس اور چین اور اہل یورپ کو یاجوج وماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے مگر جیسا کہ اوپر بحوالہ روح المعانی بیان ہو چکا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج وماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا وہ واقعہ ہو چکا کیونکہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات بھی قرآن وسنت کی کسی نص صریح کی خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو اور یاجوج وماجوج کی بعض قومیں اس طرف آ چکی ہوں بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا اہلہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہو گا وہ ابھی نہیں ہوا بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہو گا جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی لوگوں کی یہ تصریحات

موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا دوسرے یہ بھی احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یاجوج و ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔

اس سد ذوالقرنین کے تا قیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ: فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۞ یعنی ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا (یعنی خروج یاجوج و ماجوج کا وقت آجائے گا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیں گے اس آیت میں: وَعْدُ رَبِّي کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے حالانکہ الفاظ قرآن اس بارے میں قطعی نہیں کیونکہ وَعْدُ رَبِّي کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم و مسمار ہو جائے گی اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو چنانچہ تمام حضرات مفسرین نے وعد رب کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں تفسیر بحر محیط میں ہے: والوعد یحتمل ان یراد بہ یوم القیمۃ وان یراد بہ وقت خروج یاجوج و ماجوج۔

اس کی تحقیق یوں بھی ہو سکتا ہے کہ دیوار منہدم ہو کر راستہ ابھی کھل گیا ہو اور یاجوج و ماجوج کے حملوں کی ابتداء ہو چکی ہو خواہ اس کی ابتداء چھٹی صدی ہجری کے فتنہ تاتار سے قرار دی جائے یا اہل یورپ اور روس و چین کے غلبہ سے مگر یہ ظاہر ہے کہ ان متمدن قوموں کے خروج اور فساد کو جو آئینی اور قانونی رنگ میں ہو رہا ہے وہ فساد نہیں قرار دیا جا سکتا جس کا پتہ قرآن و حدیث دے رہے ہیں کہ خالص قتل و غارت گری اور ایسی خوں ریزی کے ساتھ ہوگا کہ تمام انسانی آبادی کو تباہ و برباد کر دے گا بلکہ اس کا حاصل پھر یہ ہوگا کہ انہی مفسد یاجوج و ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آکر متمدن بن گئیں اسلامی ممالک کے لئے بلاشبہ وہ فساد عظیم اور فتنہ عظیمہ ثابت ہوئیں مگر ابھی ان کی وحشی قومیں جو قتل و خوں ریزی کے سوا کچھ نہیں جانتیں وہ تقدیری طور پر اس طرف نہیں آئیں اور بڑی تعداد ان کی ایسی ہی ہے ان کا خروج قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا۔

دوسرا استدلال ترمذی اور مسند احمد کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ یاجوج و ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے رہتے ہیں مگر اول تو اس حدیث کو ابن کثیر نے معلول قرار دیا ہے دوسرے اس میں بھی اس کی کوئی تصریح نہیں کہ جس روز یاجوج و ماجوج ان شاء اللہ کہنے کی برکت سے اس کو پار کر لیں گے وہ قیامت کے متصل ہی ہوگا اور اس کے بھی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ سارے یاجوج و ماجوج اسی دیوار کے پیچھے رکے ہوئے رہیں گے اگر ان کی کچھ جماعتیں یا قومیں کسی دور دراز کے راستہ سے اس طرف آجائیں جیسا کہ آج کل کے طاقتور بحری جہازوں کے ذریعہ ایسا ہو جانا کچھ مستبعد نہیں اور بعض مؤرخین نے لکھا بھی ہے کہ یاجوج و ماجوج کو طویل بحری سفر کر کے اس طرف آنے کا راستہ مل گیا ہے تو اس حدیث سے اس کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ سد ذوالقرنین قیامت تک

باقی رہے گی یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اس طرف کے انسانوں پر نہیں ہوسکیں گے البتہ وہ انتہائی خوفناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کردے گا اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا جس کا ذکر بار بار آچکا ہے حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی بناء پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ سد یاجوج وماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ از روئے قرآن وسنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے احتمال دونوں ہی ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾

ذوالقرنین کا جذبہ شکر وتواضع:

اتنی بڑی اور اس قدر عظیم الشان دیوار بنانے پر تنگ ظرف لوگوں کی طرح ذوالقرنین نے اپنے لیے کسی طرح کی تعلی یا کسی عجب وغرور اور بڑائی کا کوئی اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی عاجزی وفروتنی کا اظہار کرتے ہوئے اس کو اپنے رب کی رحمت وعنایت قرار دیا۔ چنانچہ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ جو اس نے میرے ذریعے اپنے بندوں پر فرمائی ہے۔ اور وہ یاجوج ماجوج کی لوٹ مار سے محفوظ ہوگئے۔ اور اس طرح ذوالقرنین نے اپنے قول وقرار اور اپنی للّٰہیت کا ایک اور ثبوت فراہم کردیا۔ سو اس میں انہوں نے نہ کسی تعلی کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی طرح کی بڑائی کا کوئی دعویٰ کیا۔ بلکہ کہا تو یہ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا نتیجہ وثمر ہے جو اس نے محض اپنے کرم سے اپنے بندوں پر فرمائی ہے۔ اور یہی نشانی ہوتی ہے اللہ کے مخلص بندوں کی کہ وہ جو بھی کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کیلئے کرتے ہیں۔ اور ہر خوبی کو اسی کی رحمت وعنایت سمجھتے ہیں۔ اور یہی چیز بندے کی شان عبدیت وبندگی کے لائق ہے۔ اور اسی میں اس کا بھلا اور فائدہ ہے دنیا وآخرت میں سو ذوالقرنین نے اس دیوار کی تعمیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ یہ کرشمہ میرے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا اور ایسی عظیم الشان آہنی دیوار کھڑی ہوگئی جس پر چڑھنا یا اس میں نقب لگانا یاجوج ماجوج کے لیے ممکن نہیں رہا لیکن یہ ابدی نہیں ہے۔ بلکہ جب آپہنچے گا میرے رب کے وعدے کا وہ وقت۔ جو اس نے اس دیوار کے خاتمے اور یاجوج ماجوج کے خروج سے متعلق فرما رکھا ہے اور جس کا علم اسی کو ہے۔ (معارف، خازن، مراغی، جامع اور محاسن وغیرہ) تو اس وقت وہ اس دیوار کو پاش پاش کردے گا کہ میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ اور اس نے بہرحال پورا ہو کر رہنا ہے۔ سو یہ دیوار ہمیشہ کے لیے ایسی ناقابل شکست نہیں رہے گی بلکہ اس کی یہ شان ایک وقت تک کے لیے ہے۔ کیونکہ ذوالقرنین نے جب یہ کہا کہ میرے رب کا وعدۂ حق پورا ہو کر رہے گا اور جب اس کے وعدے کا وہ مقرر وقت آجائے گا تو اللہ اس سب کو پاش پاش کردے گا۔ اور یہ تمام اونچ نیچ ختم ہوجائے گی۔ یہ سب بلندیاں پست اور یہ تمام تعمیرات مسمار ہوجائیں گی۔ سو اس سے ذکر قیامت کی مناسبت پیدا ہوگئی۔ تو اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وعنایت سے سرگشتگان دنیا کی تنبیہ وتذکیر کے لیے یہ ارشاد فرمایا اور اس طرح انذار کا وہی مضمون جو اس سورت کریمہ کے شروع میں ارشاد فرمایا گیا تھا ایک نئے اسلوب کے ساتھ پھر سامنے آگیا جو کہ نظم قرآنی کا ایک معروف اسلوب ہے۔ یہاں تک ذوالقرنین کا قصہ پورا ہوگیا۔ اب آگے قیامت کے احوال کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي أَيْ مَلَائِكَتِي وَعِيسَى وَعُزَيْرًا مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ أَرْبَابًا مَفْعُولٌ ثَانٍ
لِيَتَّخِذُوا وَالْمَفْعُولُ الثَّانِي لِحَسِبَ مَحْذُوفٌ الْمَعْنَى أَظَنُّوا أَنَّ الْاِتِّخَاذَ الْمَذْكُورَ لَا يُغْضِبُنِي وَلَا
أُعَاقِبُهُمْ عَلَيْهِ كَلَّا إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ هٰؤُلَاءِ وَغَيْرِهِمْ نُزُلًا ۝ أَيْ هِيَ مُعَدَّةٌ لَهُمْ كَالنُّزُلِ الْمُعَدِّ
لِلضَّيْفِ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ تَمْيِيزٌ طَابَقَ الْمُمَيَّزَ وَبَيَّنَهُمْ بِقَوْلِهِ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بَطَلَ عَمَلُهُمْ وَهُمْ يَحْسَبُونَ يظنون أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ عَمَلًا يُجَازَوْنَ عَلَيْهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ بِدَلَائِلِ تَوْحِيدِهِ مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِهِ وَلِقَائِهِ أَيْ وَبِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالثَّوَابِ
وَالْعِقَابِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ بَطَلَتْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ أَيْ لَا نَجْعَلُ لَهُمْ قَدْرًا ذَٰلِكَ أَيِ
الْأَمْرُ الَّذِي ذَكَرْتُ مِنْ حُبُوطِ أَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهِ وَابْتِدَاءٌ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي
هُزُوًا ۝ أَيْ مَهْزُوًّا بِهِمَا إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ فِي عِلْمِ اللَّهِ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ هُوَ وَسَطُ
الْجَنَّةِ وَأَعْلَاهَا وَالْإِضَافَةُ إِلَيْهِ لِلْبَيَانِ نُزُلًا ۝ مَنْزِلًا خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ يَطْلُبُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ تَحَوُّلًا إِلَى
غَيْرِهَا قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ أَيْ مَاؤُهُ مِدَادًا هُوَ مَا يُكْتَبُ بِهِ لِكَلِمَاتِ رَبِّي الدَّالَّةِ عَلَى حِكَمِهِ وَعَجَائِبِهِ بِأَنْ تُكْتَبَ
بِهِ لَنَفِدَ الْبَحْرُ فِي كِتَابَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَفْرُغَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ أَيِ الْبَحْرِ مَدَدًا ۝
زِيَادَةً فِيهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغْ هِيَ وَنَصْبُهُ عَلَى التَّمْيِيزِ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ آدَمِيٌّ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ
وَاحِدٌ أَنَّ الْمَكْفُوفَةَ بِمَا بَاقِيَةٌ عَلَى مَصْدَرِيَّتِهَا وَالْمَعْنَى يُوحَى إِلَيَّ وَحْدَانِيَّةُ الْإِلَٰهِ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو يَأْمُلُ
لِقَاءَ رَبِّهِ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَيْ فِيهَا بِأَنْ يُرَائِيَ أَحَدًا ۝ ع ١٢ ٢

ترجمہ: أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو (یعنی میرے فرشتوں کو اور عیسیٰ کو اور عزیر کو) اپنا کارساز (یعنی رب اور حاجت روا) قرار دیں (أَوْلِيَاءَ ، يَتَّخِذُوا کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول عِبَادِي ہے اور حسب کا مفعول ثانی محذوف ہے معنی یہ ہیں کہ کیا ان کافروں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا معبود اور کارساز بنالینا مجھ کو غصہ نہ دلائے گا اور میں اس شدید ترین جرم پر ان کو سزا نہیں دوں گا ہرگز نہیں) بیشک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ کو تیار رکھا ہے (ان کافروں کے لیے اور ان کے علاوہ مشرکوں و کافروں کے لیے قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ الخ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال ہے کے اعتبار سے بالکل ہی خسارے میں ہیں (أَعْمَالًا

4 تمیز ہے جو اپنے ممیز کے مطابق ہے) وَبَيَّنَهُمْ بِقَوْلِهِ یعنی ان لوگوں کو اپنے قول: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ ..... سے بیان کر
دیا) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی کوشش یعنی کی کرائی محنت بیکار گئی ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم
اچھا کام کر رہے ہیں (ایسا عمل کہ اس پر ثواب و بدلہ پائیں گے) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے
پروردگار کی آیات (یعنی قران و حدیث کے دلائل توحید) کا انکار کیا اور اس سے ملنے کے (یعنی قیامت کے حساب و کتاب کے
اور ثواب و سزا کے) ہمیشہ منکر رہے اس لیے ان کے سارے اعمال غارت ہو گئے (باطل ہو گئے) پس قیامت کے روز ہم
ان (کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے (یعنی ہم ان کے اعمال کی کوئی قدر نہیں کریں گے) (یعنی ان کے اعمال
وغیرہ کے ضائع ہونے کا معاملہ جو ذکر کیا گیا) ان کی سزا ہے یعنی جہنم اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور
میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا یعنی وہ چیز یا شخص جس کا مذاق اڑایا جائے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے
اور انہوں نے شریعت کے مطابق نیک کام کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس (یعنی بہشت) کے باغ ہوں گے (اور وہ جنت
کے وسط میں ہے اور وہ جنت کا سب سے اعلیٰ و بالا ہے والا ضافة للبیان یعنی جنات کی اضافت فردوس کی طرف اضافت
بیانیہ ہے) نُزُلًا نزل بمعنی منزل ہے طعام ضیافت مہمانی کھانا) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے اس سے ہٹنا
نہیں چاہیں گے (یعنی وہاں سے اُکتا کر دوسری جگہ کے طالب و خواہشمند نہیں ہوں گے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ. آپ فرما دیجئے
کہ اگر سمندر (یعنی اس کا سارا پانی) روشنائی ہو جائے (جس سے لکھا جائے) میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے (یعنی وہ
کلمات رب جو اس کے احکام اور عجائبات پر دلالت کرتے ہیں اس سمندر سے لکھے جائیں) تو سمندر میں ختم ہو جائیں گا (ان
کلمات مبارکہ کے لکھنے میں) ہمارے پروردگار کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے تنفد میں یاء کے ساتھ ہے اور تاء کے ساتھ
بمعنی وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ اگرچہ اس کے مثل (یعنی اس سمندر کے مثل) اس کی مدد کے لیے (مزید) سمندر لے آئیں تو وہ بھی ختم
ہو جائے گا لیکن خدا تعالیٰ کے کلمات حکمت ختم نہ ہوں گے۔ مَدَدًا کو نصب بر بناء تمیز ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ .....
اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم سب ہی کی طرح بشر ہوں (آدمی ہوں) میرے پاس (اللہ کی طرف سے) وحی آتی ہے کہ
تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (ان ما کی وجہ سے اپنے عمل سے رک گیا ہے یعنی ما نے عمل کرنے سے روک دیا لیکن انما
مصدریت پر باقی ہے یعنی مصدریت سے خارج نہیں ہوگا اور معنی یہ ہیں کہ میرے پاس اللہ کے ایک ہونے (یعنی وحدہ لا
شریک ہونے) کی وحی آتی ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ..... تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے (امید رکھتا ہے حشر
ونشر کے ذریعہ اور جزاء اعمال تو اس کو چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے (یعنی کسی
کو دکھانے کے لیے عمل نہ کرے) رجا یرجو رجاء یہ اضداد میں سے ہے اس کے امید اور خوف دونوں معنی آتے ہیں ایک
معنی یعنی امید رکھنا ترجمہ میں مذکور ہوا دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ ہوگا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا الخ۔ جو شخص اللہ کے
سامنے جانے سے ڈرتا ہو اور اس کے ثواب اور دیدار کا خواہشمند ہو علامہ زمخشری اور علامہ بغوی نے لکھا ہے (کہ رجاء کے معنی
خوف بھی ہیں اور امید ایک شاعر نے دونوں کے لیے اس لفظ کے لیے ایک شعر استعمال کیا ہے۔

فلا کل ماترجو امن الخبر کائن۔ ولا کل ماترجو امن الشر واقع

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم امیدوار ہو وہ ہو ہی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَنْ یَّتَّخِذُوْا: اس کا معنی اتخاذ سے کر کے اشارہ کیا کہ ان مصدریہ ہے۔

قوله: لِحَسِبَ مَحْذُوْفٌ: یعنی حسب کا دوسرا مفعول محذوف ہے پس عبارت اس طرح بنے گی: افحسب الذین کفروا الا تخاذ نافعھم یعنی کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کا معبود بنانا ان کو فائدہ دے گا۔

قوله: كَلَّا: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: هِيَ مُعَدَّةٌ: اس میں بطور تنبیہ اور تحکم کے یہ بات اشارہ فرمائی گئی کہ اس کے پیچھے ان کے لیے ایسا برا عذاب ہے جس کے سامنے یہ عذاب حقیر نظر آئے گا۔ اور اس پہلے عذاب کو بطور تشبیہ مہمان کی مہمانی کا اول کھانا قرار دیا۔

قوله: تَمِيْزٌ: تمیز کو جمع لائے حالانکہ ذات کی تمیز مفرد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کرنے والوں کے نام میں سے ہے اور یہ عامل کی جمع ہے جیسے ساحل۔ یہ عمل کی جمع نہیں اور نہ یہ جنس ہے۔

قوله: بَطَلَ عَمَلُهُمْ: یہاں خاص کا ذکر کر کے عام مراد لیا کیونکہ ان کے تمام اعمال باطل ہیں۔

قوله: يُحْسِنُوْنَ: یعنی خود پسندی کی وجہ سے اس کو اچھا قرار دیتے تھے کیونکہ انکا اعتقاد یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں۔

قوله: اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ: یہ خبر ہے اور مبتداء اس کا محذوف ہے۔

قوله: اِبْتِدَاءٌ: یعنی جزاء ھم مبتداء ہے اور جہنم اس کی خبر ہے اور ذالک مبتدا نہیں ہے۔

قوله: مَهْزُوًّا بِهِمَا: اس سے اشارہ کیا کہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: وَالْاِضَافَةُ اِلَيْهِ لِلْبَيَانِ: اس سے اشارہ کیا کہ جنت کی فردوس کی طرف اضافت بیان کے لیے ہے لام کے معنی میں نہیں۔

قوله: مَنْزِلًا: اس میں اشارہ ہے کہ مصدر نُزُلًا بمعنی مصدر کے ہے۔

قوله: تَحَوُّلًا اِلٰى غَيْرِهَا: اس میں اشارہ کیا کہ حِوَلًا بمعنی مصدر کے ہے۔

قوله: مَاؤُهٗ: اس میں مضاف کو مقدر مانا گیا ہے۔

قوله: لَنَفِدَ الْبَحْرُ: اس میں جنس بحر مراد ہے کیونکہ رب کے کلمات اس کے علم کی طرح غیر متناہی ہیں اور متناہی کا مجموعہ بھی متناہی ہوتا ہے۔

قوله: زِيَادَةً فِيْهِ: یعنی مدد سے مراد یہاں وہ نہیں جو اس سے پہلے تھی اور مدد پر نصب تمیز کی بناء پر ہے نہ کہ مفعولیت کی بناء پر۔

قوله: لِقَآءَ: لِقَآءَ سے مراد حسن لقاء ہے۔

قوله: فِيْهَا: یعنی رب یہاں فیہ کے معنی میں ہے۔

((تلک عاجل بشری للمؤمن)) یعنی یہ تو مؤمن کے لیے نقد بشارت ہے (کہ اس کا عمل اللہ کے نزدیک قبول ہوا اس نے اپنے بندوں کی زبانوں سے اس کی تعریف کرادی۔

تفسیر مظہری میں ان دونوں قسم کی روایتوں میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اس کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ پہلی روایات جن کے بارے میں آیات نازل ہوئی اس صورت میں ہیں جب کہ انسان اپنے عمل سے اللہ کی رضا جوئی کے ساتھ مخلوق کی رضا جوئی یا اپنی شہرت ووجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے یہاں تک کہ لوگوں کی تعریف کرنے پر اپنے اس عمل کو اور بڑھادے یہ بلاشبہ ریا اور شرک خفی ہے۔

اور بعد کی روایات ترمذی اور مسلم کی اس صورت سے متعلق ہیں جب کہ اس نے عمل خالص اللہ کے لیے کیا ہو لوگوں میں اس کی شہرت یا ان کی مدح وثنا کی طرف کوئی التفات نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مشہور کردیں اور لوگوں کی زبانوں پر اسکی تعریف جاری فرمادیں تو اس کا ریا سے کوئی تعلق نہیں یہ مؤمن کے لیے نقد بشارت (قبول عمل کی) ہے۔

حضرت محمود بن لبیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں جس چیز پر سب سے زیادہ خوف رکھتا ہوں وہ شرک اصغر ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ریا۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو نقل کر کے اس میں یہ زیادتی بھی نقل کی ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کی جزاء عطا فرمائیں گے تو ریاکار لوگوں سے فرمادیں گے کہ تم اپنے عمل کی جزا لینے کے لیے ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم نے یہ عمل کیا تھا پھر دیکھو کہ ان کے پاس تمہارے لیے کوئی جزا ہے یا نہیں؟ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں شرکاء میں شرک ہونے سے غنی اور بالاتر ہوں جو شخص کوئی عمل نیک کرتا ہے پھر اس میں میرے ساتھ کسی اور بھی کو شریک کردیتا ہے تو میں وہ سارا عمل اسی شریک کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس عمل سے بری ہوں اس کو تو خالص اسی شخص کا کردیتا ہوں جس کو میرے ساتھ شریک کیا تھا۔ (راوہ مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے نیک عمل کے لوگوں میں شہرت کے لیے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں وہ حقیر وذلیل ہوجاتا ہی۔ (رواہ احمد البیہقی فی شعب الایمان از تفسیر مظہری)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے اخلاص وریا کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اخلاص کا قاضا یہ ہے کہ تمہیں اپنے نیک اور اچھے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب ہو اور برے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب نہ ہو پھر اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو لوگوں پر ظاہر فرمادیں تو تم یہ کہو کہ یا اللہ یہ سب آپ کا فضل ہے احسان ہے میرے عمل اور کوشش کا اثر نہیں۔

اور حکیم ترمذی نے صدیق اکبرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

تمہیں ایک ایسا کام بتلاتا ہوں کہ جب تم وہ کام کرلو تو شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر (یعنی ریا) سب سے محفوظ ہو جاؤ تم تین مرتبہ روزانہ یہ دعا کیا کرو: اللھم انی اعوذبک من ان شرک بک وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم۔ (معارف)

سورہ کہف کے بعض افضائل اور خواص:

حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد رکھیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا (رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والنسائی) اور امام احمد، مسلم اور نسائی نے حضرت ابوالدرداءؓ سے ہی اس روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ جس شخص نے سورہ کہف کی آخری دس آیتیں یاد رکھیں وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

اور حضرت انسؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لیے ایک نور جائے گا اس کے قدم سے لے کر سر تک، اور جس نے یہ سورہ پوری پڑھی اس کے لیے نور ہوگا زمین سے آسمان تک۔ (اخرجہ ابن السنی واحمد فی مسندہ)

اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز سورہ کہف پوری پڑھ لی تو دوسرے جمعہ تک اس کے لیے نور ہو جائے گا۔ (رواہ الحاکم وصححہ والبیہقی فی الدعوات) از مظہری

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ دل میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ آخر رات میں بیدار ہو کر نماز پڑھوں مگر نیند غالب آجاتی ہے آپؓ نے فرمایا کہ جب تم سونے کے لیے بستر پر جاؤ تو سورہ کہف کی آخری آیتیں: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا سے آخر سورت وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا تک پڑھ لیا کرو تو جس وقت پیدا ہونے کی نیت کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی وقت بیدار کر دیں گے اور مسند دارمی میں ہے کہ زر بن حبیشؓ نے حضرت عبدہ کو بتلایا کہ جو آدمی سورہ کہف کی یہ آخری آیتیں پڑھ کر سوئے گا تو جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا اس وقت بیدار ہو جائے گا عبدہ کہتے ہیں کہ ہم نے بارہا اس کا تجربہ کیا بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ طرطوشیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری عمر عزیز کے اوقات اپنے ہم عصروں سے مقابلے اور دوستوں سے میل جول ہی میں نہ گذر جائیں دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان کو اس آیت پر ختم فرمایا ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا یعنی جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اللہ کی عبادت میں کسی کو حصہ دار نہ بنائے۔ (قرطبی از معارف مفتی صاحبؒ)

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝

خاتمہ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت:

(ربط) سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا۔ اب سورت کو انہی تین مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے از راہ تمرد و سرکشی، احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بے شمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ سے

آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہراً اور باطناً ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی لامحدود ہے اور اسکا علم بھی غیر محدود ہے۔ سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ لہٰذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر فخر کرنا اور ناز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں؟ مطلب یہ کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو اپنا کارساز ٹھہرالیا ہے کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ان کو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور گھاٹے میں ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کری کرائی محنت اور جدوجہد بیکار ہوگئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام کوشش اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دار آخرت کا انکار کیا۔ اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشا کے مطابق نہ مانا۔ بس اپنے زعم اور خیال کے مطابق، آخرت کو مانا پس اس کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے یعنی جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں وہ سب حبط اور ضبط ہو جائیں گے۔ اور بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور ایک دم امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ پس قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ وزن قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ بے جان اور بے روح ہوں گے اور اپنے اندر کوئی وزن نہ رکھیں گے اور جب وزن کے لیے لائے جائیں گے تو ان کا کچھ وزن نہ ہوگا اور جن اعمال کو وہ اپنے زعم میں نیک اور موجب ثواب سمجھتے تھے، وہ سب بے وزن ثابت ہوں گے۔ دنیا میں ان اعمال کی ظاہری صورت سے شبہ ہوتا تھا کہ ان اعمال میں کچھ وزن ہے لیکن قیامت کے دن حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب بے جان اور بے وزن ہیں میزان اعمال تو قیامت کے دن نیک و بد، مؤمن و کافر سب کے لیے قائم ہو جائے گی۔ مگر کافر جب اپنے اعمال کو لے کر آئیں گے اور ان کو تولا جائے گا تو ان میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ ایمان اور اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے تمام اعمال مردہ اور بے جان ہوں گے۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی (کافر) لایا جائیگا اور اسکو تولا جائیگا مگر وہ مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خود

ان کے اعمال میں کوئی وزن ہوگا۔ کیونکہ وہ اعمال سے خالی ہوں گے بدی کے پلہ میں ان کے کفریات اور سیئات کو رکھا جائے گا اور ان کے قائل کرنے کے لیے ان کے گمان کے مطابق جو ان کے نزدیک ان کی نیکیاں تھیں ان کو بھی نیکیوں کے پلہ میں رکھا جائے گا مگر ان میں کوئی وزن بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ پلہ ہلکا رہے گا اور کفر کا پلہ بھاری رہے گا بلکہ وہی رہے گا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تولے بغیر ہی انہیں جہنم میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا اس لیے کہ اعمال کا تولنا اس لیے ہوتا ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کی مقدار الگ الگ معلوم ہو جائے اور جن کے پاس سوائے کفریات اور سیئات کے کچھ نہ ہو تو تولنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگ تو بغیر وزن ہی کے دوزخ کے مستحق ہیں۔ اس تقدیر پر میزان اعمال صرف ایمانداروں کے لیے ہوگی مگر صحیح قول وہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن مؤمن اور کافر سب کے اعمال کا وزن ہوگا۔ جس سے مقصود عدل وانصاف کا ظاہر کرنا ہوگا اور لوگوں حجت اور معذرت کو قطع کرنا ہوگا۔ کافروں کے اعمال بھی میزان اعمال میں تولنے کے لیے رکھے جائیں گے مگر ان کا کوئی ن اور ثقل نہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ: وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ یعنی ن کے اعمال کا اکارت ہونا اور ان کا بے وزن ہونا یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا ر ہماری آیتوں کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا لہٰذا اب اس کفر اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان را اہل اخلاص کا حال بیان کرتے ہیں۔

تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی مانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا ں گے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گے اس لیے کبھی اس بات کی ش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا غیر محدود اور لامتناہی ہونا بیان کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے اگر سمندر ے پروردگار کے علم وحکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو ے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں۔ یعنی خدا کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کے لیے لے آویں۔ سمندر کے تم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر ہیں لکھا جا سکتا۔

هَيِّنٌ اَیْ بِاَنْ اَرُدَّ عَلَیْكَ قُوَّةَ الْجِمَاعِ وَاَفْتُقَ رَحِمَ امْرَأَتِكَ لِلْعُلُوْقِ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا ۝ قَبْلَ خَلْقِكَ وَلِاِظْهَارِ اللّٰهِ تَعَالٰی هٰذِهِ الْقُدْرَةَ الْعَظِیْمَةَ اَلْهَمَهُ السُّؤَالَ لِیُجَابَ بِمَا یَدُلُّ عَلَیْهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلٰی سُرْعَةِ الْمُبَشَّرِ بِهٖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ۭ اَیْ عَلَامَةً عَلٰی حَمْلِ امْرَأَتِیْ قَالَ اٰیَتُكَ عَلَیْهِ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ اَیْ تَمْتَنِعَ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلٰثَ لَیَالٍ اَیْ بِاَیَّامِهَا كَمَا فِیْ اٰلِ عِمْرَانَ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ سَوِیًّا ۝ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تُكَلِّمَ اَیْ بِلَا عِلَّةٍ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ اَیِ الْمَسْجِدِ وَكَانُوْا یَنْتَظِرُوْنَ فَتْحَهٗ لِیُصَلُّوْا فِیْهِ بِاَمْرِهٖ عَلَی الْعَادَةِ فَاَوْحٰٓی اَشَارَ اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا صَلُّوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ۝ اَوَائِلَ النَّهَارِ وَاَوَاخِرَهٗ عَلَی الْعَادَةِ فَعَلِمَ بِمَنْعِهٖ مِنْ كَلَامِهِمْ حَمْلَهَا بِیَحْیٰی وَبَعْدَ وِلَادَتِهٖ بِسَنَتَیْنِ قَالَ تَعَالٰی لَهٗ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ اَیِ التَّوْرٰةَ بِقُوَّةٍ ۭ بِجِدٍّ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ النُّبُوَّةَ صَبِیًّا ۝ اِبْنَ ثَلَاثِ سِنِیْنَ وَّحَنَانًا رَحْمَةً لِلنَّاسِ مِّنْ لَّدُنَّا مِنْ عِنْدِنَا وَزَكٰوةً ۭ صَدَقَةً عَلَیْهِمْ وَكَانَ تَقِیًّا ۝ رُوِیَ اَنَّهٗ لَمْ یَعْمَلْ خَطِیْئَةً قَطُّ وَلَمْ یَهُمَّ بِهَا وَّبَرًّا بِوَالِدَیْهِ اَیْ مُحْسِنًا اِلَیْهِمَا وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا مُتَكَبِّرًا عَصِیًّا ۝ عَاصِیًا لِرَبِّهٖ وَسَلٰمٌ مِنَّا عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۝ اَیْ فِیْ هٰذِهِ الْاَیَّامِ الْمَخُوْفَةِ الَّتِیْ یَرٰی فِیْهَا مَا لَمْ یَرَهٗ قَبْلَهَا فَهُوَ اٰمِنٌ فِیْهَا ع ۳

ترجمہ: كٓهٰیٰعٓصٓ ۝ اللہ ہی خوب جانتا ہے اپنی مراد کو اس لفظ ھذا ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ ..... یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ (زکریا) پر عَبْدَهٗ مفعول بہ ہے رحمۃ کا، زکریا عطف بیان ہے۔ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۝ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا (یعنی حضرت زکریاؑ نے نصف رات کے بعد اپنے عبادت خانہ میں دعا کی مقبولیت کا خاص وقت ہے۔ کہا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ (شیبا تمیز ہے جو درحقیقت فاعل تھا۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ انتشر الشیب فی شعرہ کما ینتشر شعاع النار فی الحطب، یعنی سر کے بالوں میں سفیدی اس طرح پھیل گئی ہے، جیسے کہ لکڑی میں آگ جلنے پر اس کی لپٹ پوری لکڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لئے اب خاص طور پر وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ کو آواز دوں اور آپ سے مدد طلب کروں) اور اس سے پہلے بھی کبھی میں آپ سے مانگنے میں ناکام نہیں رہا ہوں (تو جس طرح اس سے پہلے آپ نے کبھی ناکام نہیں لوٹایا ہے، آئندہ بھی ناکام نہ کریں گے) اور میں اندیشہ رکھتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے اپنے بعد (جو میرے قریبی رشتہ دار ہیں مثلاً چچا کے لڑکے وغیرہ سے دین کے بارے میں کہ کہیں وہ میرے بعد نبوت اور دین کو ضائع نہ کر دیں جیسا کہ آپ نے بنی

اسرائیل میں مشاہدہ کرلیا) اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو آپ ہی مجھے اپنے پاس سے وارث دیجئے (یعنی بیٹا) جو میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے۔ (یرثنی کے ثا میں دو قراءتیں۔ ایک جزم کی اس صورت میں یرثنی امر کا جواب ہوگا۔ یعنی زکریا علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا کہ "دے مجھ کو" اسی کا بیان ہے کہ کیا دے یعنی میرا وارث اور اگر ثا پر پیش پڑھیں گے تو یہ ولیا کی صفت ہوگی۔ یعنی ایسا لڑکا عنایت فرما دیجئے جو وارث ہو میرا اور اولاد یعقوب کے علوم و نبوت کا اور جو میری نبوت کو سنبھال سکے) اور اے خدا اسے پسندیدہ کر دیجئے (اور اسے ایسا بنا دیجئے جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) اے زکریا! ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا (یعنی اس سے قبل کسی کا یحییٰ نام نہیں رکھا گیا اور یہ آپ کے حسب منشاء آپ کا وارث ہوگا) زکریا نے عرض کیا کہ میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں۔ (عتیا عتا سے ہے جس کے معنی خشک ہونا۔ یعنی عمر کے آخری مرحلہ پر پہنچ چکا ہوں۔ تقریباً ایک سو بیس سال کا ہوں اور میری بیوی اٹھانوے برس کی ہوگئی ہے۔ عتی، کا اصل عتو ہے۔ تا کو کسرہ دیا گیا۔ تخفیف کیلئے اور مشدد واو میں سے پہلے واو کو کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل دیا گیا اور پھر دوسرے واو کو بھی ادغام کرنے کیلئے یاء سے بدل دیا۔ تو اس طرح پر یہ عتیا ہوگیا) ارشاد ہوا کہ اسی حالت میں (باوجود تمہارے بوڑھے ہونے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے تمہارے لڑکا پیدا ہوگا) اے زکریا! تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ آسان ہے میرے لیے (کہ میں لوٹا دوں تمہارے اندر قوت جماع اور تمہاری بیوی کے رحم میں نطفہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کردوں) اور میں نے ہی تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ تم کچھ بھی نہیں تھے (یعنی تمہاری پیدائش سے قبل تمہارا کوئی وجود نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت کے اظہار کیلئے بچہ کے سوال کا خیال زکریا کے دل میں ڈالا۔ تاکہ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ وہ معاملہ کریں جس سے ان کی کمال قدرت کا مظاہرہ ہو اور اس فوری خوشخبری سے زکریا حیرت زدہ ہوں اور اتنی آسانی سے ان کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہو) زکریا علیہ السلام نے کہا کہ اے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے (یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی پہچان اور علامت بتا دیجئے) ارشاد ہوا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہیں بول سکو گے (یعنی تم تین دن رات سوائے خدا تعالیٰ کے ذکر کے لوگوں سے بات نہیں کرسکو گے) درآنحالیکہ تم تندرست ہوگے (سویا حال ہے تکلم کے فاعل سے) پھر وہ اپنی قوم کے روبرو حجرہ میں برآمد ہوئے (یعنی حضرت زکریا حجرہ عبادت میں سے نکلے، جہاں لوگ دروازہ کے کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ حسب معمول عبادت کی جاسکے) اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔ (یعنی لوگوں سے اشارہ سے فرمایا کہ صبح و شام خدا کی پاکی اور عبادت حسب معمول کیا کرو اور جب حضرت زکریاء اپنے میں لوگوں سے کلام کی صلاحیت کو نہ پانے لگے تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا اور دو سال کے بعد یحییٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے

ادغام کر دیا گیا اور تساقط ہو گیا، دوسری قراءت میں دوسری تاء کو حذف کر کے تساقط پڑھا گیا۔ رطبا تمیز ہے نخلہ سے اور جنیا اس کی صفت ہے) پس کھاؤ پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو (تروتازہ کھجور کھاؤ اور پانی پیو اور اپنے بچہ کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور بجائے دوسروں کے بچوں کی طرف متوجہ ہونے کے اپنے بچہ سے سکون دل حاصل کرو) اگر کسی بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا (اگر وہ سوال کریں بچہ کے متعلق۔ اما کی اصل ان ما ہے۔ ان شرطیہ کو ما زائدہ میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ ترین میں فعل کا ع اور ل کلمہ حذف کر دیا گیا ہے، اصل میں یہ اس طرح پر ہے۔ ترائیین، ہمزہ ع کلمہ ہے اور یا مکسورہ ل کلمہ اور یا ساکنہ ضمیر کی ی ہے۔ اب ع کلمہ یعنی ہمزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت رکو دے دی گئی اور یا مکسورہ جو ل کلمہ تھا وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا اور اس کا کسرہ یاء ساکنہ کو دے دیا گیا) کہ میں نے تو اللہ کیلئے روزہ کی نیت مان رکھی ہے (اس لئے نہ بچہ کے متعلق کچھ بول سکوں گی اور نہ کسی اور چیز کے بارے میں کیوں کہ) میں تو کسی انسان سے بات ہی نہیں کروں گی۔ پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں (اس حال میں کہ انہوں نے بچہ کو دیکھا) لوگوں نے کہا کہ اے مریم! تو نے بڑے غضب کی حرکت کی (کہ بغیر باپ کے تم نے بچہ کو جنم دیا) اے ہارون کی بہن (وہ تو ایک صالح اور نیک آدمی تھے اور خود تم عفت و پاکدامنی میں ان کے مشابہ تھیں) نہ تمہارے والد ہی برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں (یعنی نہ تمہارے والد زانی تھے اور نہ تمہاری ماں زانیہ تھیں۔ پھر تو نے یہ کیا کیا؟ اور کس طرح تمہارے یہ بچہ پیدا ہو گیا) س پر مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کیا (کہ تم لوگ اسی سے پوچھو) وہ لوگ بولے بھلا ہم اس سے کیسے بات چیت کریں۔ جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی (یعنی نجیل) اور اس نے مجھے نبی بنایا اور اسی نے مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں (یعنی مجھ کو لوگوں کیلئے مفید رنفع بخش بنایا گیا ہے اور یہ گویا خبر دے رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھی) اور کی نے) مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا (برا موب ہے۔ اس بناء پر کہ اس سے پہلے فعل جعلنی مقدر ہے) اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور میرے اوپر م ہے (اللہ کی جانب سے) جس روز میں پیدا ہوا۔ جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا ں گا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

: ھٰذَا: اس سے اشارہ کیا کہ ذِکْرُ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور عَبْدَہٗ یہ رحمت کا مفعول ہے نہ کہ ذِکْرُ کا۔

: بیانٌ لَہٗ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ بدل نہیں کیونکہ رحمت ان کی عبودیت کی وجہ سے ہے نہ کہ ذات کی وجہ سے۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِرَحْمَةِ : اس سے اشارہ کیا کہ اِذ کا تعلق وہ رحمت سے ہے نہ کہ ذکر سے۔
قوله: مُشْتَمِلًا: اس سے اشارہ کیا کہ خَفِيًّا موصوف محذوف کی صفت ہے۔
قوله: سِرًّا : اس سے اشارہ ہے کہ خَفِيًّا سے مراد اخفاء بمعنی مخافت جو کہ جہر کی ضد ہے نہ وہ اخفاء جو اظہار کی ضد ہے۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو آدمی لوگوں سے خلوت کے اندر جائے اور آواز دینے میں آواز کو کم کرے اس وقت اخفاء جو اظہار کے مقابلے میں ہے وہ اس پر صادق آتا ہے یعنی چھپ کر بات کرنا۔
قوله: الْعَظْمُ : ہڈیوں کی تخصیص اس لیے کی کہ جسم کے لقون یہی ہیں۔
قوله: جَمِيعُهُ: اس الْعَظْمُ میں لام استغراق کا ہے عہد کا نہیں۔
قوله: الرَّأْسُ مِنِّيْ : اس سے اشارہ کیا کہ اس میں الف لام عہد کا ہے اور اضافت کو چھوڑ لام پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ مراد اس سے راسہ ہے نہ کہ غیر کا سر۔
قوله: اِنْتَشَرَ الشَّيْبُ: اس میں بڑھاپے کو سفیدی اور بھڑک میں آگ کے شعلے سے تشبیہ دی ہے۔ سفیدی کے سر میں پھیلنے کو آگ کے اشتعال سے تشبیہ دی اور استعارہ کے مقام پر اس کو لایا گیا اور اشتعال کی نسبت سر کی طرف بطور مبالغہ ہے۔
قوله: اِنِّيْ اُرِيْدُ : یعنی ان کا قول لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ اس کو اپنے مقصد کے لیے انہوں نے وسیلہ بنایا۔
قوله: بِدُعَائِيْ اِيَّاكَ : اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی ہے نہ کہ فاعل کی طرف۔
قوله: خَائِبًا فِيْمَا مَضٰى: یعنی اگر چہ یہ دعوت تو معتاد نہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ اجابت کرنے والے ہیں اور اس کی رحمت سے کبھی بھی کھانے سے محروم نہیں کرتا۔
قوله: الَّذِيْنَ يَلُوْنِيْ: اس سے غلام مراد نہیں بلکہ موالی سے قریبی رشتے دار مراد ہیں اور مِنْ وَّرَآءِيْ اس کا تعلق محذوف سے ہے ای فعل الموالی من وراءی۔ خفت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔
قوله: مِنْ عِنْدِكَ : یعنی مجھ جیسا آدمی آپ کے علاوہ اور کسی سے توقع نہیں رکھ سکتا۔
قوله: الْعِلْمَ وَالنُّبُوَّةَ: اس سے مراد مالی وراثت نہیں کیونکہ انبیاء مال کے وارث نہیں ہوتے۔
قوله: رَضِيًّا : یہ مَرْضِيًّا کے معنی میں یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے۔
قوله: الامر كَذٰلِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔
قوله: تَمْتَنِعَ: یعنی تم باتیں نہیں کر سکو گے یعنی نفی ہے نہی نہیں ہے۔
قوله: بِاَيَّامِهَا: اس سے اشارہ کیا کہ تین دن رات کلام کی ممانعت ہے۔ جو کسی بیماری کے بغیر ہوگی۔
قوله: الْمَسْجِدِ : الْمِحْرَابِ سے مراد یہاں مسجد ہے۔
قوله: بِاَمْرِهٖ عَلَى الْعَادَةِ: یعنی ان کو تسبیح کا حکم دیا گیا تا کہ قوم کے لوگ ان کی موافقت کریں۔
قوله: قَالَ تَعَالٰى: اس کو مقدر اس لیے مانا کیونکہ اس کے بغیر کلام منتظم نہیں ہوتی۔
قوله: رَحْمَةً: اس کا عطف الْحُكْمَ پر ہے۔

قوله: صَدَقَةً عَلَيْهِمْ :اس کا معنی یہ ہے اس کو ہم نے اللہ کی طرف سے والدین پر بطور صدقہ کے دیا۔

قوله: وَلَمْ يَهِمْ بِهَا :یعنی انہوں نے گناہ کا قصہ بھی نہیں کیا۔

قوله: بَرًّا :یہ بار کے معنی میں اسم فاعل ہے اسی طرح عَصِيًّا یہ بھی عَاصِيًا کے معنی میں ہے۔

قوله: حَيًّا :اس سے مقید کیا کیونکہ شیطان کی چوک سے مامون ومحفوظ کر دیا گیا اور عذاب قبر اور عذاب نار سے۔

تفسیر مقبولین

حضرت زکریا کی دعا اور اس کی قبولیت:

اس سورت کے شروع میں جو پانچ حروف ہیں انہیں حروف مقطعہ کہا جاتا ہے ان کا تفصیلی بیان ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ اللہ کے بندے حضرت زکریا نبی علیہ السلام پر جو لطف الٰہی نازل ہوا اس کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک قراءت ہے۔ یہ لفظ مد سے بھی ہے اور قصر سے بھی۔ دونوں قراءتیں مشہور ہیں۔ آپ بنو اسرائیل کے زبردست رسول تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے آپ بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے دعا کرتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی کوئی سنتا تو خیال کرتا کہ لو بڑھاپے میں اولاد کی چاہت ہوئی ہے۔ اور یہ وجہ بھی تھی کہ پوشیدہ دعا اللہ کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آہستگی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنے والوں کی پوری نیند کے وقت اٹھے اور پوشیدگی سے اللہ کو پکارے کہ اے میرے پروردگار اے میرے پالنہار اے میرے رب اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک میں موجود ہوں میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ اے اللہ میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں میرے سر کے بالوں کی سیاہی اب تو سفیدی سے بدل گئی ہے یعنی ظاہری اور پوشیدگی کی تمام طاقتیں زائل ہو گئی ہیں اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا تجھ کریم سے جو مانگا تو نے عطا فرمایا۔ موالی کو کسائی نے مَوَالِی پڑھا ہے۔ مراد اس سے عصبہ ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان سے خِفت کو خَفت پڑھنا مروی ہے یعنی میرے بعد میرے والے بہت کم ہیں۔ پہلی قراءت پر مطلب یہ ہے کہ چونکہ میری اولاد نہیں اور جو میرے رشتے دار ہیں ان سے خوف ہے کہ مبادا یہ کہیں میرے بعد کوئی برا تصرف نہ کر دیں تو تو مجھے اولاد عنایت فرما جو میرے بعد میری نبوت سنبھالے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کو اپنے مال املاک کے ادھر ادھر ہو جانے کا خوف تھا۔ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت پاک ہیں۔ ان کا مرتبہ اس سے بہت سوا ہے کہ وہ اس لئے اولاد مانگیں کہ اگر اولاد نہ ہوئی تو میرا ورثہ دور کے رشتے داروں میں چلا جائے گا۔ دوسرے بظاہر یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جو عمر بھر اپنی ہڈیاں پیل کر بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ اپنے ہاتھ کے کام سے پالتے رہے ان کے پاس ایسی کون سی بڑی رقم تھی کہ جس کے ورثے کے لئے اس قدر پس وپیش ہوتا کہ کہیں یہ دولت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ انبیاء علیہم السلام تو یوں بھی ساری دنیا سے زیادہ مال سے بے رغبت اور دنیا کے زاہد ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ بخاری ومسلم میں کئی

سندوں سے حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑیں سب صدقہ ہے۔ ترمذی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ہم اس سے مطلب ورثہ نبوت ہے نہ کہ مالی ورثہ۔ اسی لئے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ (وورث سلیمان داود) سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ یعنی نبوت کے وارث ہوئے۔ نہ کہ مال کے ورنہ مال میں اور اولاد بھی شریک ہوتی ہے۔ تخصیص نہیں ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے اور یہ بھی معقول وجہ ہے کہ اولاد کا وارث ہونا تو عام ہے، سب میں ہے تمام مذہبوں میں ہے پھر کوئی ضرورت نہ تھی کہ حضرت زکریا اپنی دعا میں یہ وجہ بیان فرماتے اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ ورثہ کوئی خالص ورثہ تھا اور وہ نبوت کا وارث بننا تھا۔ پس ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ اس سے مراد ورثہ نبوت ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے ہم جماعت انبیاء کا ورثہ نہیں بٹتا ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد ورثہ علم ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اولاد یعقوب علیہ السلام میں تھے۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح نبی بنے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبوت اور علم کا وارث بنے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے میری اور آل یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وراث ہو۔ زید بن اسلم بھی یہی فرماتے ہیں ابو صالح کا قول یہ بھی ہے کہ میرے مال کا اور خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وارث ہو۔ عبد الرزاق میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام پر رحم کرے بھلا انہیں وراثت مال سے کیا غرض تھی؟ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی مضبوط قلعے کی تمنا کرنے لگے۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بھائی زکریا پر اللہ کا رحم ہو کہنے لگے اے اللہ مجھے اپنے پاس سے والی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے لیکن یہ سب حدیثیں مرسل ہیں جو صحیح احادیث کا معارضہ نہیں کر سکتیں واللہ اعلم۔ اور اے اللہ اسے اپنا پسندیدہ غلام بنالے اور ایسا دین دار دیانتدار بنا کہ تیری محبت کے علاوہ تمام مخلوق بھی اس سے محبت کرے اس کا دین اور اخلاق ہر ایک پسندیدگی اور پیار کی نظر سے دیکھے۔

اتنی عبارت یہاں گویا اور ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور حکم ہوا کہ ہم تم کو لڑکے ہونے کی خوشی سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اب آگے حضرت زکریا علیہ السلام کے تعجب کا بیان ہے کہ جب ان کی دعا قبول ہوئی اور لڑکے ہونے کی ان کو خبر سنائی گئی تو اس سے وہ بہت خوش ہوئے اور لڑکے کے ہونے کی کیفیت کا سوال کیا یہ تعجب زکریا علیہ السلام کو اس سبب سے ہوا کہ بیوی بانجھ اور بوڑھی تھی اور آپ بھی اس قدر بوڑھے ہو گئے کہ ہاتھ پیر اکڑ گئے تھے کیونکہ اب تو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں موجود ہیں اس صاحب قدرت نے تو انسان کو ایسی حالت میں پیدا کیا کہ جب انسان کچھ بھی نہیں تھا ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے ۱؎ کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی میں اللہ نے تمام اولاد آدم کے پتلوں کی مٹی جگہ جگہ سے لی ہے جس سے سلسلہ بسلسلہ اولاد آدم علیہ السلام کی پیدائش اس طرح ہو چکی آتی ہے کہ کوئی گورا ہے اور کوئی کالا اس حدیث سے (و قد خلقتک من قبل و لم تک شیئا) کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحب قدرت نے انسان کی پیدائش کی ابتدا ایسی حالت سے کی ہے کہ جب انسان کچھ بھی نہیں تھا اس صاحب قدرت کے آگے بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے لڑکے کا پیدا کر دینا کچھ مشکل نہیں ہے اور عرب لوگ العود العاتی سوکھی لکڑی کو کہتے ہیں اس لیے (و قد بلغت من الکبر عتیا) کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کے سبب سے سارا بدن سوجھ کر بالکل ڈھانچہ ہو گیا

فتحملي به ولكون ما ذكر في معنى العلة عطف عليه ولنجعله آية للناس على قدرتنا ورحمة منا
لمن آمن به وكان خلقه أمرا مقضيا ۝ به في علمي فنفخ جبريل في جيب درعها فأحست بالحمل
في بطنها مصورا فحملته فانتبذت تنحت به مكانا قصيا ۝ بعيدا من أهلها فأجاءها جاء بها
المخاض وجع الولادة إلى جذع النخلة لتعتمد عليه فولدت والحمل والتصوير والولادة في ساعة
قالت يا ليتني للتنبيه مت قبل هذا الأمر وكنت نسيا منسيا ۝ شيئا متروكا لا يعرف ولا يذكر فناداها
من تحتها أي جبريل وكان أسفل منها ألا تحزني قد جعل ربك تحتك سريا ۝ نهر ماء كان انقطع وهزي
إليك بجذع النخلة كانت يابسة والباء زائدة تساقط أصله بتاءين قلبت الثانية سينا وأدغمت في السين
وفي قراءة بتركها عليك رطبا تمييز جنيا ۝ صفته فكلي من الرطب واشربي من السري وقري عينا
بالولد تمييز محول من الفاعل أي لتقر عينك به أي تسكن فلا تطمح إلى غيره فإما فيه إدغام نون إن
الشرطية في ما المزيدة ترين حذفت منه لام الفعل وعينه وألقيت حركتها على الراء وكسرت ياء
الضمير لالتقاء الساكنين من البشر أحدا فيسألك عن ولدك فقولي إني نذرت للرحمن صوما أي إمساكا
عن الكلام في شأنه وغيره مع الأناسي بدليل فلن أكلم اليوم إنسيا ۝ أي بعد ذلك فأتت به قومها
تحمله حال فرأوه قالوا يا مريم لقد جئت شيئا فريا ۝ عظيما حيث أتيت بولد من غير أب يا أخت هارون هو
رجل صالح أي يا شبيهته في العفة ما كان أبوك امرأ سوء أي زانيا وما كانت أمك بغيا ۝ زانية فمن أين لك
هذا الولد فأشارت لهم إليه أن كلموه قالوا كيف نكلم من كان أي وجد في المهد صبيا ۝ قال إني
عبد الله آتاني الكتاب أي الإنجيل وجعلني نبيا ۝ وجعلني مباركا أين ما كنت أي نفاعا للناس أخبار
بما كتب له وأوصاني بالصلاة والزكاة أمرني بهما ما دمت حيا ۝ وبرا بوالدتي منصوب بجعلني مقدرا و
لم يجعلني جبارا متعاظما شقيا ۝ عاصيا لربه والسلام من الله علي يوم ولدت ويوم أموت ويوم أبعث
حيا ۝ يقال فيه ما تقدم في السيد يحيى قال تعالى ذلك عيسى ابن مريم قول الحق بالرفع خبر مبتدء

مُقَدَّرٍ اَیْ قَوْلُ ابْنِ مَرْیَمَ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِیْرِ قُلْتُ وَالْمَعْنٰی الْقَوْلُ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ۞ مِنَ الْمِرْیَةِ اَیْ
یَشُکُّوْنَ وَهُمُ النَّصَارٰی قَالُوْا اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ اللّٰهِ کَذَبُوْا مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِیْهًا لَهٗ عَنْ
ذٰلِكَ اِذَا قَضٰی اَمْرًا اَیْ اَرَادَ اَنْ یُحْدِثَهٗ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۞ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِیْرِ هُوَ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِیْرِ اَنْ
وَمِنْ ذٰلِكَ خَلْقُ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ بِفَتْحِ اَنَّ بِتَقْدِیْرِ اُذْکُرْ وَبِکَسْرِهَا
بِتَقْدِیْرِ قُلْ بِدَلِیْلِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ هٰذَا الْمَذْکُوْرُ صِرَاطٌ طَرِیْقٌ
مُّسْتَقِیْمٌ ۞ مُؤَدٍّ اِلَی الْجَنَّةِ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِهِمْ اَیِ النَّصَارٰی فِیْ عِیْسٰی اَهُوَ ابْنُ اللّٰهِ اَوْ اِلٰهٌ مَعَهٗ اَوْ
ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ فَوَیْلٌ شِدَّةُ عَذَابٍ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِمَا ذُکِرَ وَغَیْرِهٖ مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۞ اَیْ حُضُوْرِ یَوْمِ
الْقِیٰمَةِ وَاَهْوَالِهٖ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ بِهِمْ صِیْغَتَا تَعَجُّبٍ بِمَعْنٰی مَا اَسْمَعَهُمْ وَمَا اَبْصَرَهُمْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا فِی
الْاٰخِرَةِ لٰکِنِ الظّٰلِمُوْنَ مِنْ اِقَامَةِ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ الْیَوْمَ اَیْ فِی الدُّنْیَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۞ اَیْ بَیِّنٍ بِهٖ
صَمُّوْا عَنْ سِمَاعِ الْحَقِّ وَعَمُوْا عَنْ اَبْصَارِهٖ اَیْ اَعْجَبْ مِنْهُمْ یَا مُخَاطَبًا فِیْ سَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ فِی
الْاٰخِرَةِ بَعْدَ اَنْ کَانُوْا فِی الدُّنْیَا صُمًّا عُمْیًا وَاَنْذِرْهُمْ خَوِّفْ یَا مُحَمَّدُ کُفَّارَ مَکَّةَ یَوْمَ الْحَسْرَةِ هُوَ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ یَتَحَسَّرُ فِیْهِ الْمُسِیْئُ عَلٰی تَرْكِ الْاِحْسَانِ فِی الدُّنْیَا اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ لَهُمْ فِیْهِ بِالْعَذَابِ وَهُمْ فِی
الدُّنْیَا فِیْ غَفْلَةٍ عَنْهُ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ بِهٖ اِنَّا نَحْنُ تَاکِیْدٌ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا مِنَ الْعُقَلَاءِ وَغَیْرِهِمْ
ع ٢ ٢٥ ٥ بِاِهْلَاکِهِمْ وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۞

ترجمہ: وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ ..... اور آپ اس کتاب (یعنی قرآن) میں مریم کا (یعنی مریم کا قصہ) بھی ذکر کیجئے جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا (یعنی گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایسے مکان میں گئیں جو گھر سے مشرق کی جانب تھا) پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے (درمیان میں) پردہ ڈال لیا (یعنی ایک پردہ ڈال لیا تا کہ اس پردہ میں اپنے سر کی صفائی یا کپڑے کی صفائی کرے یا غسل حیض کر لیں پھر ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ (جبرئیل) بھیجا چنانچہ وہ فرشتہ مریم کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا (مریم کے کپڑا پہن لینے کے بعد) قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ کہنے لگیں میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے (تو میرے پناہ مانگنے کی وجہ سے ہٹ جائے گا) فرشتہ نے کہا تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تا کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں (جو نبی ہو گا) قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ .....

مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا درانحالیکہ مجھ کو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا (یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا) اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ نے کہا یونہی ہوگا (یعنی بغیر باپ کے تیرے لڑکا ہوگا) تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے (کہ میرے حکم سے جبرئیل تیرے گریبان میں پھونک ماردیں اور اس کے نتیجہ میں تمہیں حمل ٹھہر جائے اور جو مذکور ہوا علت کے معنی میں اسی پر عطف کیا ہے وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور ہم اس کو (اپنی قدرت کاملہ پر) نشانی بنادیں اور اپنی جانب سے سبب رحمت بنادیں، ان کے لیے جوان پر ایمان لائیں گے) وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ اور یہ ایک طے شدہ بات ہے میرے علم میں، چنانچہ حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردی تو حضرت مریم نے اپنے پیٹ میں ایک مصور حمل محسوس کیا) فَحَمَلَتْهُ پس مریم حاملہ ہوگئیں اس حمل کو لیے ہوئے کسی دور جگہ میں چلی گئیں (اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوکر دور چلی گئیں) فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ پھر دردزہ ان کو کھجور کے ایک درخت کی طرف لے آیا تاکہ اس پر ٹیک لگا سکیں پھر ولادت ہوئی اور استقرار حمل اور جسم کا مکمل ہونا اور ولادت سب کچھ ایک ہی ساعت میں ہوگیا۔ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا ..... (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوجاتی (ایسی متروک ہو جاتی کہ نہ کوئی جانے اور کوئی یاد کرے۔ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ پس جبرئیل نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی (یعنی حضرت جبرئیل نے اور جبرئیل اس وقت مریم کی جگہ سے نیچے کی جگہ میں تھے تو غم نہ کر تمہارے پروردگار نے تیرے نیچے ایک نہر جاری کردی ہے (سری پانی کی چھوٹی نہر جس کا پانی خشک ہوگیا تھا۔ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ ..... اور اس کھجور کے تنہ کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا (درخت سوکھا تھا بِجِذْعِ میں باء زائدہ ہے۔ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ ..... پس (اس پھل کو) کھاؤ اور (اس پانی کو) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو بچہ کے ذریعہ بچہ کو دیکھ کر، عَيْنًا تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے یعنی اصل عبارت ہے لِتَقَرَّ عَيْنُكِ بِهٖ یعنی اس بچہ سے آنکھیں ٹھنڈی کرو یعنی سکون دل حاصل کرو اور دوسرے بچوں کی طرف توجہ مت کر۔ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ ..... پس اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو (آتا اور اعتراض کرتا) دیکھو (اما کی اصل ان ما ہے ان شرطیہ کے نون کو مازائد میں ادغام کردیا گیا ہے۔ ترین فعل کے لام کلمہ کو حذف کیا گیا اور عین کلمہ همزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت ر کو دیدی گئی اور یا مکسورہ جو لام کلمہ تھا اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگیا اور اس کا کسرہ یاء ساکنہ کو دے دیا گیا۔ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ ..... تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ کے واسطے (ایسے) روزہ کی منت مان رکھی ہے (جس میں اس بچہ کے متعلق اور اسکے علاوہ لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کی بندش وممانعت ہے) اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی) یعنی اخبار بالنذر کے بعد۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ تو مریم اس کو گود میں اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں (اس حال میں کہ لوگوں نے اس بچہ کو دیکھا۔ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ لوگوں نے کہا اے مریم تو نے تعجب خیز کام کیا (عظیم بری حرکت کی کہ بغیر باپ کے بچہ لائی ہے) اے ہارون کی بہن (وہ ایک نیک آدمی تھے یعنی اے عفت وپاکدامنی میں رجل صالح کے مشابہ مریم) تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہ تھے (یعنی زنا کار وبدکار نہ تھے) اور نہ تمہاری ماں بدکار (زانیہ) تھیں (پھر کس طرح تمہارے یہ بچہ پیدا ہوگیا)۔ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ..... پس مریم (علیہا السلام) نے اس بچہ کی طرف اشارہ کردیا تم لوگ اس بچہ سے بات کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی

ہے (یعنی جو بچہ ماں کی گود میں پایا گیا ہے۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ اللہ نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی ہے اور مجھے پیغمبر بنایا ہے۔ وَّ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں (یعنی مجھ کو لوگوں کے لیے نفع رساں بنایا ہے ان چیزوں کے متعلق خبر دے کر جو ان کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھیں۔ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ اور اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا (یعنی ان دونوں کا) حکم دیا جب تک میں زندہ ہوں۔ اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا ہے (برا منصوب ہے اس پر بنا پر کہ اس سے پہلے جَعَلَنِیْ فعل مقدر ہے) اور اللہ نے مجھ کو سرکش (متکبر) اور بدبخت (اپنے پروردگار کا نافرمان) نہیں بنایا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ ..... اور مجھ پر سلام ہے (اللہ کی طرف سے) جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤنگا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی سلام کہا جاتا ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق پہلے گذر چکا ہے۔ قال تعالیٰ ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ ..... (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یہ ہیں عیسیٰ علیہ السلام پسر مریم میں (بالکل) سچی بات بتلا رہا ہوں قول کے لام کو رفع کے ساتھ تو اس صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور نصب کے ساتھ تو مفعول ہوگا فعل قلت کا جس میں یہ لوگ جھگڑتے ہیں (یَمْتَرُوْنَ ۝ مریہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جھگڑا اور شک یعنی یہ نصاریٰ ہمارے قول میں شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں عیسیٰ ابن اللہ جو بالکل جھوٹ ہے۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ ..... اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے کوئی فرزند بنائے سبحانہ وہ بالکل پاک ہے وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے (یعنی جب اللہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے) تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے (اسی قبیل سے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہے، لفظ یکون پر اگر رفع پڑھیں گے تو یکون سے پہلے ھو محذوف ہوگا اور اگر نصب پڑھیں گے تو یکون سے پہلے ان کو مقدر ماننا پڑے گا۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ ..... اور بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تم سب کا پروردگار ہے سو تم سب (صرف) اسی کی عبادت کرو (ان کو اگر فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو اذکر فعل مقدر مانیں گے اور ان کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو ان سے پہلے قل مقدر ہوگا: بدلیل مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ..... یہی مذکور سیدھا راستہ ہے (جو جنت کی طرف لے جاتا ہے) فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ ..... پھر (حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) مختلف گروہوں نے باہم اختلاف پیدا کر لیا (یعنی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پیدا کر لیا ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے ساتھ میں شریک ہیں اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ تین خداؤں میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ..... سو ہلاکت ہے کافروں کے لیے (یعنی سخت عذاب ہے ان کے لیے یعنی جو عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے اور رسول ہونے سے منکر ہیں) بڑے دن کی حاضر کے وقت (قیامت کے دن) کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے) جس دن ہمارے پاس آئیں گے (آخرت میں لیکن آج تو (یعنی دنیا میں) یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر کیا گیا ہے یعنی لکنھم کی جگہ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ سے اعلان و اشارہ ہے بانھم ظلموا انفسھم ان کی گمراہی بالکل واضح ہے کہ آج یعنی دنیا میں حق بات سننے سے بہرے بن گئے اور ہر حق بات یعنی اللہ کی آیات کو دیکھنے سے اندھے بن گئے اے مخاطب تمہیں تعجب ہو رہا ہے

ان کے آخرت میں سننے اور دیکھنے پر درانحالیکہ دنیا میں یہ لوگ بہرے اور اندھے بنے رہے۔ فائدہ: یہاں اَسْمِعْ فعل تعجب ہے مگر مراد اظہار تعجب نہیں بلکہ تمہید اور ڈرانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن یقیناً وہ اس عذاب کو دیکھیں گے اور مایوس کن جھڑکیاں سنیں گے جن کا ان سے وعدہ کر لیا گیا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اَسْمِعْ اور اَبْصِرْ اس جگہ فعل تعجب نہیں ہے بلکہ امر کے صیغے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ ان اہل کتاب کافروں کا حال دکھلایئے اور سنایئے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کیا عذاب کرے گا۔ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ..... اور آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرایئے (اے محمد ﷺ آپ ان کفار کو) حسرت کے دن سے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیے جس میں گنہگار نیک کام نہ کرنے پر حسرت کرے گا۔ جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے (ان کافروں کے لیے عذاب کا فیصلہ کر دیا جائے گا) اس روز سب کو حسرت ہوگی: اس روز کو يَوْمَ الْحَسْرَةِ اس لیے کہا گیا کہ اس روز مومن و کافر، نیک اور بد سب حسرت میں مبتلا ہوں گے، سب ہی پچھتائیں گے برے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ برے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں اور یہ حسرت اس وقت ہوگی جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں چلے جائیں گے اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا پھر جنت کے اندر اہل جنت اور دوزخ کے اندر اہل دوزخ کبھی نہیں مریں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان میں سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا اور لوگ دیکھتے ہوں گے اور اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں فریق کو خلود اور دوام کا حکم سنا دیا جائے تا کہ اہل جنت کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں خلود اور دوام ہے اور کفار کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں خلود اور دوام ہے موت اور فنا نہیں۔ (رواہ البخاری ومسلم) وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ ..... اور وہ لوگ (آن دنیا میں) غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ لوگ (اس پر) ایمان پر نہیں لاتے اور بلاشبہ ہم ہی وارث ہوں گے نَحْنُ تاکید ہے تمام زمین اور زمین پر رہنے والوں یعنی سب لوگ اور سب چیزیں مر جائیں گی اور ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے جزا کے لیے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: خَبَرَهَا: اس میں اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

قولہ: حِيْنَ: اس تغیر سے اشارہ کیا کہ یہ اِذْ. ان کی کے معنی میں نہیں بلکہ حِيْنَ کے معنی میں ہے۔

قولہ: نَحْوَ الشَّرْقِ: اسی وجہ سے نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ قرار دیا۔

قولہ: فَتَمَثَّلَ لَهَا: اس سے مریم کی پاکبازی کا امتحان لینا مقصود تھا۔

قولہ: تَقِيًّا ۝: تو اللہ تعالیٰ سے میرے تعوذ کے سبب ڈر اور مجھ سے دور ہٹ جا۔ فَتَنْتَهِیْ عَنِّیْ، یہ جواب شرط محذوف نہ کہ ماقبل۔

قولہ: لِاَهَبَ: اس کا معنی یہ ہے تا کہ تمہارا رب بغیر باپ کے اپنی خالص قدرت سے تمہیں بیٹا دے۔

قولہ: بَغِيًّا۝: یہ اصل میں فعول کے وزن پر بغویا تھا۔
قولہ: جَآءَ :اجاء کا یہی معنی الجاھا کے معنی میں نہیں۔
قولہ: يٰلَيْتَنِيْ قَبْلَ هٰذَا: لوگوں سے حیاء کرنے اور ان کی الزام بازی سے ڈراتے ہوئے یہ کلمات کہے۔
قولہ: مَّنْسِيًّا۝: یعنی جس کے تذکرہ کو اس طرح بھید دیا جائے کہ کسی کے دل میں اس کا خیال بھی نہ آئے۔
قولہ: تَحْتَكِ سَرِيًّا۝: یعنی تمہارے قریب یا حکم کے ماتحت ندی جاری ہوگئی۔
قولہ: هُزِّيْٓ: تم اپنی طرف مائل کرو اور پھر کھینچ کر حرکت دینے کو کہتے ہیں۔ بِجِذْعِ کی باز ائد ہے۔
قولہ: رُطَبًا: یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعولیت کی وجہ سے۔
قولہ: اِنِّيْ نَذَرْتُ: اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم فرمایا اس لیے کہ مجادلہ تو ناپسند ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو مطاعن قطع کرنے کے لیے قطعی قرار دیا۔
قولہ: بَعْدَ ذٰلِكَ :اسکے بعد کہ میں نے اپنی نذر کی خبر دی میں ملائکہ کے کلام کرتا ہوں اور اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں۔
قولہ: فَاَتَتْ بِهٖ: بامع کے معنی میں ہے۔ یعنی طہارت کے بعد اس کو اٹھاتے ہوئے آئیں۔ تَحْمِلُهٗ یہ حال ہے صفت نہیں۔
قولہ: فَرِيًّا۝ :انوکھا وعجیب۔
قولہ: اَنْ كَلِّمُوْهُ: اس کو مقدر مانا تاکہ جواب درست ہو سکے کیوں اشارہ جواب نہیں بن سکتا۔
قولہ: وُجِدَ :سے تغیر کر کے بتلایا کہ كَانَ تامہ ہے۔
قولہ: صَبِيًّا۝ :اس سے اشارہ کیا کہ آج تک کسی عاقل نے گود کے بچے سے کلام نہیں کیا۔
قولہ: اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ: ان کو اللہ تعالیٰ نے بلوایا اور مقامات کا حقدار بنایا دعویٰ ربوبیت کی تردید کے لیے اولیٰ ہے۔
قولہ: مُبٰرَكًا: نفع پہنچانے والا، بھلائی کو ظاہر کرنے والا اور ماضی سے تعبیر کی اس لیے کہ قضاء الٰہی میں یہ پہلے طے ہو چکا۔
قولہ: :اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ بصورت اطلاع ہے۔ جو پہلے لکھی جا چکی تھی اور ان کی زبان دی گئی۔
قولہ: اَمَرَنِيْ :اس سے اشارہ ہے کہ وصیت حکم کے معنی میں ہے۔
قولہ: بَرًّا: یہ جَعَلَنِيْ مقدر سے ہے اور اس کا عطف مُبٰرَكًا پر ہے نہ کہ حَنَانًا پر ہے۔
قولہ: مِنَ اللّٰهِ :اس سے اشارہ ہے السَّلٰمُ عہد کا ہے اور السَّلٰمُ تینوں مواقع میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہے۔
قولہ: قَوْلُ ابْنُ مَرْيَمَ :یعنی ہمارا قول عیسیٰ بن مریم کچی بات ہیں یا میں کچی بات کہتا ہوں اضافت بیانیہ ہے۔
قولہ: المِرْيَةِ: یہ يَمْتَرُوْنَ۝ سے ہے یہ مراء سے نہیں جس کا معنی اختلاف آتا ہے۔
قولہ: حُضُوْرِ :مَشْهَدِ یہ مصدر میمی ہے۔ وہ مشہور کے معنی میں ہے۔ ظرف نہیں۔
قولہ: اَبْصِرْ بِهِمْ: یہ وَمَا اَبْصَرَ هُمْ تو ہم فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اسی طرح اَسْمِعْ بھی یہ دونوں تعجب کے صیغے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کو جب وہ ہمارے ہاں آئیں گے تو کان اور آنکھیں اس مدتق ہیں کہ ان پر تعجب کیا جاتے جب کہ وہ دنیا اندھے بہرے تھے یہ امر کے صیغے نہیں۔

قوله: مِنْ اِقَامَةِ الظَّاهِرِ: یہ قید لگا کر بتلانا چاہتے ہیں کہ ان کے ظلم کا سبب استماع ونظر میں نفع اٹھانے کے وقت غفلت اختیار کرنا ہے۔

قوله: فِی الدُّنْیَا: یہ قید لگا کر فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۞ اَسْمِعْ بِهِمْ کے ظاہری تناقض کا ازالہ فرمایا۔

قوله: یَتَحَسَّرُ: گنہگار نیکی نہ کرنے اور نیک کام کرنے پر حسرت وافسوس کا اظہار کریں گے۔

قوله: مَنْ عَلَیْهَا: کرنے والے کے علاوہ کسی چیز کسی کی ملکیت وحکومت نہ رہے گی۔

تفسیر مقبولین

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ۞

مریمؑ کا تذکرہ اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ:

سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ جناب عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی کہ میرے اولاد ہوگی تو اسے بیت المقدس کی خدمت میں لگادوں گی اور خواہش یہ تھی کہ لڑکا پیدا ہو اور اسی لیے منت مانی تھی جب ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کا نام مریم رکھا چونکہ یہ لڑکی ایک نیک عورت کی نیک منت پر پیدا ہوئی تھی اس لیے اس کا نام مریم رکھا جس کا معنی ہے عابدہ اور ان کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی ہونے کی وجہ سے مسجد کی خدمت کے لیے نہیں تو عبادت ہی کے لیے سہی اپنی اس نذر کی وجہ سے وہ بچی بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں وہاں کے رہنے والوں نے اس بچی کی کفایت میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں جھگڑے کو نبٹانے کے لیے آپس میں قرعہ ڈالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا لہٰذا انھوں نے مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا وہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رہنے لگیں بیت المقدس میں ان کے لیے ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا جو بلندی پر تھا اور اس میں زینہ سے چڑھتے اور اترتے تھے اللہ تعالیٰ نے مریم کو خوب اچھے طریقے سے نشوونما فرمایا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔

جب حضرت مریم بڑی ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو بشارت دی کہ تمہیں ایک بیٹا دیا جائے گا جس کا نام مسیح ہوگا وہ دنیا وآخرت میں وجیہ ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

مریمؑ کا پردہ کا اہتمام اور اچانک فرشتہ کے سامنے آجانے سے فکرمند ہونا:

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب یہاں سورۂ مریم کی تصریحات کو ذہن نشین کیجیے وہ ایک دن اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر گھر کے مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ دن سخت سردی کا تھا وہاں دھوپ میں بیٹھ گئیں اور سر کی جوئیں نکالنے لگیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ غسل کرنے کے لیے بیٹھی تھی فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ ...

دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے، اس علیحدہ جگہ میں پردہ ڈال کر بیٹھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا گیا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک صحیح سالم انسان کی صورت میں ان کے سامنے کھڑے ہو گئے حضرت مریم پاکباز عفت دار اور عصمت والی خاتون تھیں وہ انھیں دیکھتے ہی گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ تو کون ہے جو تنہائی میں یہاں پہنچا؟ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تیری صورت شکل تو یہ بتا رہی ہے کہ متقی آدمی ہو گا متقی کا کیا کام کہ وہ تنہائی میں کسی ایسی عورت کے پاس آئے جس کے پاس آنا حلال نہیں، میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور تو بھی اپنے تقویٰ کی لاج رکھ اور یہاں سے چلا جا۔

فرشتہ کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب ہونا:

اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ اس پر حضرت مریم نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو میرے لڑکا کیسے ہو گا؟ نہ تو مجھے کسی ایسے شخص نے چھوا ہے جس کا چھونا حلال ہو (یعنی شوہر) اور نہ میں فاجرہ عورت ہوں بچہ تو حلال مباشرت سے یا کسی زانی کے زنا سے پیدا ہوتا ہے، اور یہاں تو دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں لہٰذا میرے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتہ کا جواب دینا کہ اللہ کے لیے سب کچھ آسان ہے:

سورہ آل عمران کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں نے انھیں لڑکا ہونے کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی انھوں نے یہی کہا تھا کہ میرے لڑکا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہاں ان کی بات کا جواب یوں نقل کیا ہے۔ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا... (اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ⑪ (جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا لہٰذا ہو جاتا ہے)۔

اور یہاں فرشتہ کا جواب یوں ذکر فرمایا ہے: قَالَ كَذٰلِكِ (فرشتے نے کہا یوں ہی ہو گا) قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (تیرے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے) جس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو اور بغیر ماں کے حضرت حوا کو پیدا فرما دیا اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا فرمانا کیا مشکل ہے؟ اس کے لیے سب کچھ آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ آل عمران (اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ) (الایہ)

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ⑪ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ⑪ یہ بھی فرشتہ کے کلام کا تتمہ ہے فرشتے نے مزید کہا کہ (تیرے رب نے یوں بھی فرمایا ہے کہ ہم اس بچہ کو لوگوں کے لیے نشانی اور باعث رحمت بنا دیں گے) اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ وہ بغیر اسباب عادیہ کے بھی پیدا فرمانے پر قادر ہے اور یہ بچہ لوگوں کے لیے رحمت کا ذریعہ بنے گا اس کا اتباع کرنے والے اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ⑪ (اور یہ ایک طے شدہ بات ہے اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے) پیدا ہونے والا یہ بچہ بغیر باپ ہی کے پیدا ہو گا اللہ کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

حمل اور وضع حمل کا واقعہ، دردزہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچنا فرشتہ کا آواز دینا کہ غم نہ کرو درخت کا تنا ہلاؤ تر کھجوریں کھاؤ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ (سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہوگئی۔ لہٰذا وہ اس حمل کو لیے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی) سورۂ تحریم میں فرمایا: (وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ) (اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرماتا ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس کے گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں) حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پھونکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس پھونکنے سے حمل قرار پا گیا۔ حمل قرار پانے کے بعد وہ اس حمل کو لیے ہوئے اپنے گھر سے کسی دور جگہ میں چلی گئیں پھر جب دردزہ یعنی پیدائش کا درد شروع ہوا تو اس کی وجہ سے کھجور کے درخت کے پاس آ گئیں اور اس کے تنہ کے قریب یا اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور اسی حالت میں کہنے لگیں کہ ہائے کاش میں پہلے سے مرگئی ہوتی اور بالکل ہی بھولی بسری ہو جاتی نہ کوئی جانتا نہ پہچانتا، اس وقت پریشانی کا عالم تھا جنگل تھا تنہائی تھی درد سے بے چین تھیں کوئی چھپر تک نہیں تھا جس میں لیٹیں اور یہ بھی خیال لگا ہوا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے ایسی پریشانی میں منہ سے یہ بات نکل گئی کہ کاش میں اس سے پہلے مردہ ہو چکی ہوتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ استقرار حمل کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ولادت ہوگئی۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل عنہ) آیت کریمہ کے سیاق سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دیگر حاملہ عورتوں کی طرح ان پر حمل کی مدت نہیں گزری کیونکہ اتنی لمبی مدت تک تنہا اکیلی عورت کا گھر سے باہر اور دور رہنا بعید ہے پھر اگر لمبی مدت ہوتی تو حمل کا ظاہر ہونا اور اندر پیٹ میں پرورش پانا اس سے لوگوں کو ولادت سے پہلے ہی حاملہ ہو جانے کا پتہ چل جاتا اور لوگوں کا طعن اور اعتراض شروع ہو جاتا لیکن قرآن کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ بچہ کو لے کر آئیں اس وقت لوگوں نے اعتراض کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ) (سو جبریل نے حضرت مریم کو آواز دی جو اس جگہ سے نیچے کھڑے ہوئے تھے جہاں وہ اوپر کسی ٹیلے پر تھیں اور یوں کہا: (اَلَّا تَحْزَنِيْ) (کہ تو رنجیدہ نہ ہو)۔ (کمافی الروح ص ۸۲ ج ۱۱)

(قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾) (تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بنادی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پاؤں مار دیا جس کی وجہ سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہاں پہلے سے خشک نہر تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی جاری فرما دیا اور وہیں ایک خشک کھجور کا درخت تھا اس میں پتے اور پھل آ گئے اور اسی وقت پک گئے۔ (معالم التنزیل ص ۱۹۳ ج ۳)

رحمت خداوندی سے سرفرازی کے لیے بہانے کی ضرورت: سو رحمت خداوندی سے سرفرازی کے لیے حیلے اور بہانے کی تعلیم کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے اس تنے کو۔ تاکہ اس طرح آپ کی اپنی محنت کا بھی اس نعمت کے حصول میں کچھ دخل ہو سکے اور کسب ید کی فضیلت بھی واضح ہو جائے۔ سو اس سے یہ درس ملا کہ اسباب کا ... انسان کو

اپنے مقدور کی حد تک اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔ اسی لئے حضرت مریم کو درخت کا تنا ہلانے کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ ورنہ جو ذات خشک تنے سے تازہ کھجوریں عطا فرما سکتی ہے۔ وہ اس کو ہلائے بغیر کیوں نہیں دے سکتی۔ مگر اس میں کسب و محنت اور اسباب کو اپنانے کا درس دیا گیا ہے۔ نیز اس میں یہ ارشاد بھی ہے کہ جو ذات اقدس خشک درخت سے بغیر موسم کے تازہ کھجوریں عطا فرما سکتی ہے وہ تم کو اے مریم! بغیر مس بشر کے بچہ کی نعمت سے بھی سرفراز فرما سکتی ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ دینا اور نوازنا اور ہر طرح کی اور ہر قسم کی دین اور نوازش اسی وحدہ لاشریک کی شان اور اسی کا کام ہے۔ پس مؤمن صادق کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اسی سے مانگے اور اپنا بھروسہ اور اعتماد اسی پر اور صرف اسی پر رکھے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس مختصر سے ارشاد سے ایک طرف تو یہ درس ملتا ہے کہ بندے کو اپنے قلب و باطن اور نہاں و عیاں کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح رکھنا چاہیے تاکہ اس کی عنایات سے سرفراز ہوتا رہے کہ اس کی رحمت و عنایت سے سرفرازی کے لیے بس حیلے اور بہانے کی ضرورت رہتی ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جہاں تک ہو سکے اپنے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں اور اپنی طرف سے حرکت کرنی چاہیے کہ حرکت میں برکت ہے۔ اور تیسری طرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہمیشہ اور ہر وقت جاری و ساری ہے۔ وہ اسباب و مسببات کی پابند نہیں ہے۔ اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا (سو تو ان تازہ کھجوروں میں سے کھا اور اس نہر میں سے پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کر) یہ تیرا بچہ تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ فی معالم التنزیل یعنی طیبی نفسا وقیل قری عینک بولدک عیسی۔

طبی اصول سے زچہ کے لیے کھجوروں کا مفید ہونا:

یہاں پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ صاحب بیان القرآن کی ایک عبارت نقل کر دی جائے موصوف فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہارے پاس ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے فرحت طبعی ہوگی، و نیز حسب روایت روح المعانی ان کو اس وقت پیاس بھی لگی تھی اور حسب مسئلہ طبیہ گرم چیزوں کا استعمال قبل وضع یا بعد وضع سہل ولادت و دافع فضلات و مقوی طبیعت بھی ہے اور پانی میں اگر سخونت (گرمی) بھی ہو جیسا بعض چشموں میں مشاہدہ ہے تو اور زیادہ مزاج کے موافق ہوگا و نیز کھجور کثیر الغذاء مولد خون مسمن و مقوی گردہ کمر و مفاصل ہونے کی وجہ سے زچہ کے لیے سب غذاؤں اور دواؤں سے بہتر ہے۔ (فی معالم التنزیل ص ۱۹۳ ج ۳ قال الربیع بن خثیم ماللنفساء عندی خیر من الرطب ولا للمریض خیر من العسل) اور حرارت کی وجہ جو اس کی مضرت کا احتمال ہے سو اول تو رطب میں حرارت کم ہے دوسرے پانی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے مضرت کا ظہور جب ہوتا ہے کہ عضو میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی و نیز خرق عادت (کرامت) کا ظہور اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت ہونے کی وجہ سے موجب مسرت روحانی بھی ہے انتہٰی

حضرت مریم سے فرشتہ کا یوں کہنا کہ کوئی دریافت کرے تو کہہ دینا کہ میرا بولنے کا روزہ ہے

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا (سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے لیے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی) بنی

اسرائیل کی شریعت میں نہ بولنے کا روزہ بھی مشروع تھا ہماری شریعت میں منسوخ فرمادیا گیا یوں کوئی آدمی کسی ضرورت سے کم بولے یا نہ بولے اور اشارہ سے بات کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن اس کا نام روزہ نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور بات نہیں کرے گا اور روزہ سے رہے گا آپ نے فرمایا اس سے کہو بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۱ ج ۲)

حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھا ہے: لا یتیم بعد احتلام و لا صمات یوم الی اللیل (یعنی احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں اور کسی دن رات تک خاموش رہنا نہیں) (رواہ ابوداود فی کتاب الوصایا ص ۴۱ ج ۲) یعنی کسی دن رات تک روزے کی نیت سے خاموش رہنا شریعت اسلامیہ میں نہیں۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝۲۷

ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس گود میں لے کر آنا، قوم کا معترض ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمانا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ مریم کے بچہ تولد ہونا ہے اور وہ بھی بغیر باپ کے لہٰذا وہ بچہ پیدا ہوگیا جب اس کی ولادت ہوگئی تو اسے آبادی میں لے کر آنا تھا وہ اس بچہ کو گود میں اٹھا کر آبادی میں لے آئیں وہاں قوم کے لوگ موجود تھے انھوں نے بچہ کو گود میں دیکھ کر کہا کہ اے مریم یہ بچہ کہاں سے آیا؟ ہمارے علم میں تو یہی بات ہے کہ تیری شادی نہیں ہوئی جب بچہ حلال کا نہیں ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بچہ بدکاری سے پیدا ہوا ہے یہ تو تو نے بڑے ہی غضب کا کام کیا تیری جیسی خاتون سے بدکاری کا سرزد ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارے باپ برے آدمی تھے نہ تمہاری ماں بدکار تھی تمہیں بھی انھیں کی طرح پاک رہنا لازم تھا۔ تمہارے بھائی ہارون (جو خاندان کے ایک شخص ہیں) وہ بھی نیک شخص ہیں جب سارا ہی خاندان نیک ہے تو تمہیں بھی ہر اعتبار سے نیک اور صالح ہونا چاہیے تھا۔

حضرت مریم نے لوگوں کی طعن و تشنیع والی باتیں سنیں اور خود سے جواب نہیں دیا بلکہ نومولود بچہ کی طرف اشارہ کردیا جو ان کی گود میں تھا۔ لوگ کچھ یوں سمجھے کہ یہ ہم سے تمسخر کر رہی ہے۔ کہنے لگے ہم ایسے شخص سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی (یعنی عطا فرمائے گا) اور اس نے مجھے نبی بنایا یعنی مجھے نبوت عطا فرمائے گا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا میرے ذریعہ خیر پھیلے گی اور اس نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ (لہٰذا میں اپنے خالق کے حقوق ادا کروں گا اور اپنی والدہ کے بھی)۔ اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میری وفات ہوگی اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہودی اس بچہ سے دشمنی کریں گے اور ان کی نبوت کے انکاری ہوں گے اور نصرانی انؑ کے بارے میں بہت

زیادہ غلو کریں گے کچھ لوگ ان کے بارے میں کہیں گے کہ اللہ انھیں کی ذات ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اس لیے ابھی سے ان کی زبان مبارک سے یہ کہلوا دیا کہ میں اللہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی مخلوق ہوں اور اللہ کا مامور ہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا (جو خود عبادت گزار ہو وہ کسی کا معبود نہیں ہو سکتا اور عابد و معبود ایک نہیں ہو سکتے) اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت گزار کے طریقہ پر پیش آؤں گا۔

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ فرما کر یہ بتا دیا کہ میرا کوئی باپ نہیں:

یاد رہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں برا بوالدیہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی زبان سے بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ کہلوایا اس لفظ میں ہمیشہ کے لیے اس بات کی نفی ہوگئی کہ ان کا کوئی باپ ہو۔ نصاریٰ کی حماقت اور ضلالت کو دیکھو کہ جس ذات کو اللہ یا ابن اللہ یا الٰہ (معبود) کہہ رہے ہیں اس کا اپنا بیان تو یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور صرف ماں کا بیٹا ہوں لیکن یہ لوگ کبھی انھیں یوسف نجار کا بیٹا بتاتے ہیں اور کبھی اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں العیاذ باللہ من ذلک کلہ درحقیقت یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں جن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے نہایت صفائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرما دیا سورۃ مریم میں اور سورۃ آل عمران میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن قرآن کی تصریحات کے خلاف دور حاضر کے بہت سے زندیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ تجویز کرتے ہیں۔ (قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ)

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

کسی کو اپنی اولاد بنانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے:

ان آیات میں بھی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور اللہ پاک کی توحید بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے، کسی کو اولاد بنانے سے بری اور بیزار ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہوا۔ ان کے بارے ہم نے سچی بات بیان کر دی اس سچی بات میں لوگ جھگڑتے ہیں اور یہ جھگڑالو یہود و نصاریٰ ہیں اور اب تو جھوٹی نبوت کے دعویدار بھی ان کے ہم نوا ہو گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ تجویز کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا، لہٰذا وہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس نے بغیر باپ کے ایک بچہ کو پیدا فرما دیا۔ جو ایسا صاحب کمال اور صاحب قدرت کاملہ ہو اس کے لیے اولاد تجویز کرنا سراپا حماقت اور ضلالت ہے۔ باپ اور بیٹے آپس میں ہم جنس ہوتے ہیں مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں پھر مخلوق کیسے اس کی اولاد بن سکتی ہے۔ نیز مخلوق کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی مدد کے لیے اولاد کو چاہتے ہیں اس لیے کہ خود ناقص ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اور اس میں کبھی کوئی تغیر اور نقص وضعف آنے والا نہیں اسے کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں پھر وہ اپنے لیے اولاد کیوں تجویز کرے۔

فِيْهِ لِلْجَزَاءِ وَاذْكُرْ لَهُمْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۥ اَىْ خَبَرَهٗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا مُبَالِغًا فِى الصِّدْقِ نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ وَيُبْدَلُ

مِنْ خَبَرِهٖ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ يٰۤاَبَتِ التَّاءُ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَكَانَ يَعْبُدُ الْاَصْنَامَ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ لَا يَكْفِيْكَ شَيْئًا ۝ مِنْ نَفْعٍ اَوْ ضَرٍّ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ مُسْتَقِيْمًا يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ بِطَاعَتِكَ اِيَّاهُ فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ كَثِيْرَ الْعِصْيَانِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ اِنْ لَمْ تَتُبْ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ نَاصِرًا وَقَرِيْنًا فِي النَّارِ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ فَتَعِيْبُهَا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ عَنِ التَّعَرُّضِ لَهَا لَاَرْجُمَنَّكَ بِالْحِجَارَةِ اَوْ بِالْكَلَامِ الْقَبِيْحِ فَاحْذَرْنِيْ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ دَهْرًا طَوِيْلًا قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ مِنِّيْ اَيْ لَا اُصِيْبُكَ بِمَكْرُوْهٍ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ مِنْ حَفِيَ اَيْ بَارًّا فَيُجِيْبُ دُعَائِيْ وَقَدْ وَفٰى بِوَعْدِهٖ بِقَوْلِهِ الْمَذْكُوْرِ فِي الشُّعَرَاءِ وَاغْفِرْ لِاَبِيْ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰهِ كَمَا ذُكِرَ فِيْ بَرَاءَةٍ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا اَعْبُدُ رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ بِعِبَادَتِهٖ شَقِيًّا ۝ كَمَا شَقِيْتُمْ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ بِاَنْ ذَهَبَ اِلَى الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِبْنَيْنِ يَاْنِسُ بِهِمَا اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا مِّنْهُمَا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ
ع الثَّلَاثَةِ مِّنْ رَّحْمَتِنَا الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ رَفِيْعًا وَهُوَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِيْ جَمِيْعِ اَهْلِ الْاَدْيَانِ۔

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ) آپ اس کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے بیشک وہ ابراہیم نہایت راستباز تھے (صدق وراستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے) اور پیغمبر تھے (نَبِيًّا ۝. كَانَ کی خبر سے بدل واقع ہے۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ ..... جب کہ انہوں نے اپنے باپ (آزر) سے (جو بت پرست تھا) کہا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پوجا کرتے ہیں جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ کچھ آپ کے کام آ سکے (یعنی نفع ونقصان کے معاملہ میں کسی بھی ضرورت میں تیری کفایت کر سکے۔ یا اَبت میں یاء اضافت کے بدلہ میں ہے کیوں کہ یا اضافی اور تا جمع نہیں ہوتے اس۔ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ ..... اے میرے پاس (اللہ کی طرف سے) ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میرا اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے (یعنی آپ شیطان کے بہکانے سے بتوں کی پرستش نہ کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے (انتہائی نافرمانی کرنے والا ہے) اے میرے باپ بیشک میں ڈرتا ہوں کہ آپ پر رحمان کی طرف سے پہنچے گا (اگر آپ نے توبہ نہ کی) پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جاؤ گے) (یعنی دوزخ میں شیطان کے

معاون وساتھی بن جاؤ گے۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ..... ابراہیم کے باپ نے کہا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم (اس لیے ان کی عیب جوئی، مذمت کرتے ہو) اگر تم باز نہیں آئے (ان معبودوں کے پیچھے پڑنے سے تو میں تو تم کو ضرور سنگسار کردونگا (پتھروں سے مار مار کر ہلاک کردونگا، یا بدگوئی وبدکلامی سے ایذا پہنچاؤں گا سو تم مجھ سے ڈرو) اور مجھے ایک مدت کے لیے تم چھوڑ دو (طویل زمانہ یعنی عمر بھر کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے کہا (اچھا تم پر سلام ہو (میرا سلام لیں یعنی اب میں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤں گا) اب میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کرونگا بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے یعنی بہت لطف وکرم کرنے والا، بہت بھلائی کرنے والا، لہٰذا وہ میری دعا کو قبول کرے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس وعدے کو پورا کیا جیسا کہ سورہ شعراء میں مذکور ہے "اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرما"۔ وھذا قبل ان یتبین له ..... وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے (پوجتے ہو) سب کو چھوڑ رہا ہوں اور میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرونگا امید (یعنی یقین) ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں (یعنی اپنے رب کی عبادت کر کے) محروم نہ رہونگا) جیسا کہ تم بتوں کی عبادت کر کے محروم و ناکام ہو) پس جب ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے علیحدہ ہو گئے (اس طرح کہ وہ سرزمین مقدس روانہ ہو گئے) تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمایا (یعنی دو اولاد عطا فرمائیں کہ ان دونوں سے دل بہلائیں اور ہم نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو (یعنی تینوں کو) ہم نے اپنی رحمت سے خاص حصہ دیا (یعنی ان تینوں کو مال دولت اور اولاد عطا کی) اور اس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا (کہ تمام اہل دین وملت ان کی تعظیم وثناء کے ساتھ ذکر کرتے رہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلتَّاءُ عِوَضٌ : یٰۤاَبَتِ کی تا، یا نسبت کی عوض میں آتی ہے تا تانیث کی نہیں ہے یہ دونوں ایک اسم میں نہیں آسکتے۔

قوله: وَلَا یُبْصِرُ : یہ دیکھتے نہیں کہ تمہاری حالت کو پہچانیں اور تیرا تذکرہ سنیں اور تیری عاجزی کو دیکھیں۔

قوله: لَا یُغْنِیْ عَنْكَ : یعنی ذرہ بھر نفع ونقصان میں کفایت نہیں کر سکتے اور غناء سے مالداری مراد نہیں۔

قوله: اِنْ لَّمْ تَتُبْ : اس سے اشارہ کیا کہ اگر توبہ نہ کی تو عذاب آخرت سے نہ بچ سکو گے۔

قوله: فَاحْذَرْنِیْ : یعنی مجھے چھوڑ اس کا عطف اس پر ہے جس پر لَاَرْجُمَنَّكَ دلالت کر رہا ہے۔

قوله: حَفِیًّا : لطف واحسان میں نہایت کرنے والا۔

قوله: لِسَانَ صِدْقٍ : معروف کو بولنے کا آلہ، جب عرب کی طرف اس کی نسبت ہو تو لغت مراد ہے اور یہاں صدق وعلو کی طرف اس کی نسبت کر کے خبردار کیا کہ ان کی جو تعریف کی جارہی ہے وہ اس کے حقدار ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝

اسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاد دہانی:

بے شک ابراہیم بڑے راست باز اور عظیم الشان پیغمبر تھے۔ جنہوں نے راہِ حق میں بے مثال قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کئے۔ حق کی خاطر اپنے باپ، اپنی قوم اور اپنے ملک سب کو چھوڑا۔ حق کی خاطر وقت کے جابر حاکم سے ٹکر لی اور کسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جن کے تعمیر کردہ بیت اللہ کا ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود آج تک برابر اور مسلسل و لگا تار طواف کیا جارہا ہے۔ جو اپنے بعد آنے والے تمام انبیائے کرام کے جدِ امجد قرار پائے اور جن کی عظمت شان کا یہ عالم ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ہی ان کو اپنا مقتداء و پیشوا مانتے ہیں۔ اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی کے پیرو کار۔ اور جن سے منسوب درودِ ابراہیمی ہر مسلمان اپنی ہر نماز میں ہمیشہ پڑھتا ہے۔ جن کی یادگار قربانیوں کے صلے میں صفا و مروہ کی سعی، منیٰ کی قربانی اور رمی جمار کو ہمیشہ کے لیے حج و عمرہ جیسی مقدس عبادات کے مناسک و ارکان میں سے قرار دے دیا گیا۔ جن کی نسل میں خاتم الانبیاء و امام الرسل ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور جن کو فَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا کے امر سے آپ علیہ السلام کی ملت کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس عظمت شان کے اور کیا ٹھکانے واہب مطلق حضرت حق - جل مجدہ - کی قدر دانی اور اس کی بخشش و عطا کے۔ جس کی ہر صفت و شان کی طرح اس کی صفت بخشش و عطاء بھی لامحدود اور ناپیدا کنار ہے۔

صدیق کی تعریف:

صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ لفظ صدیق بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنے اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے اور بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر وہ اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنے کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت ہیں۔ اصل صدیق تو نبی و رسول ہی ہوسکتا ہے اور ہر نبی و رسول کے لئے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی و رسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کرلے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔ حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے امہ صدیقہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝

اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب:

يٰۤاَبَتِ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ

نے جو مقام جامعیت اوصاف و کمالات کا عطا فرمایا تھا، ان کی یہ تقریر جو اپنے والد کے سامنے ہو رہی ہے اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی ایک بے نظیر تقریر ہے کہ ایک طرف باپ کو شرک و کفر اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے خلیل اللہ پیدا کئے گئے ہیں، دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت و محبت ہے ان دونوں ضدوں کو حضرت خلیل اللہ نے کس طرح جمع فرمایا اول تو یٰاَبَتِ کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔ دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی تیسرے اور چوتھے جملے میں اس انجام بد سے ڈرایا جو اس شرک و کفر کے نتیجہ میں آنے والا تھا۔ اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور و فکر یا یہ کہ ان کی فرزندانہ گزارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا، انہوں نے تو خطاب یٰاَبَتِ کے پیارے لفظ سے کیا تھا جس کا جواب عرف میں یا بنی کے لفظ سے ہونا چاہئے تھا مگر آزر نے ان کا نام لے کر یا ابراہیم سے خطاب کیا اور ان کو سنگسار کر کے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اس کا جواب حضرت خلیل اللہ کی طرف سے کیا ملتا ہے وہ سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَیْكَ یہاں لفظ سلام دو معنے کے لئے ہوسکتا ہے اول یہ کہ یہ سلام مقاطعہ ہو یعنی کسی سے قطع تعلق کرنے کا شریفانہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول و صالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا ہے: وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا. یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان سے دوبدو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنے میں ہو، اس میں فقہی اشکال یہ ہے کہ کسی کافر کو ابتداء سلام کرنا حدیث میں ممنوع ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تبداءوا الیهود والنصارٰی بالسلام)) (یعنی یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو) مگر اس کے بالمقابل بعض روایات حدیث میں ایک ایسے مجمع کو ابتدائی سلام کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جس میں کفار و مشرکین اور مسلمان سب جمع تھے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت اسامہ کی روایت سے ثابت ہے۔

اسی لئے فقہاء امت کا اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہوا۔ بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے بعض سے عدم جواز، جس کی تفصیل قرطبی نے احکام القرآن میں اسی آیت کے تحت بیان کی ہے۔ اور امام نخعی نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تمہیں کسی کافر یہودی نصرانی سے ملنے کی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آجائے تو اس کو ابتدائی سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور بے ضرورت سلام کی ابتداء کرنے سے بچنا چاہئے۔ اس میں مذکورہ دونوں حدیثوں کو تطبیق ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔ (قرطبی)

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ. یہاں بھی یہ اشکال ہے کہ کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ حضرت رسول اللہ

ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا تھا کہ: ((واللہ لاستغفرن لک مالم انہ عنہ)) (یعنی بخدا میں آپ کے لئے اس وقت تک ضرور استغفار یعنی دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ کی طرف سے مجھے منع نہ فرما دیا جائے)۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (یعنی نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں) اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے چچا کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

جواب اشکال کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ سے وعدہ کرنا کہ آپ کے لئے استغفار کروں گا یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے اس کے بعد ممانعت کر دی گئی سورۃ ممتحنہ میں حق تعالیٰ نے خود اس واقعہ کو بطور استثناء ذکر فرما کر اس کی اطلاع دے دی ہے: إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ اور اس سے زیادہ واضح سورۃ توبہ میں آیت مذکورہ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا کے بعد دوسری آیت میں فرمایا: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ جس سے معلوم ہوا کہ یہ استغفار اور اس کا وعدہ باپ کے کفر پر جمے رہنے اور خدا کا دشمن ثابت ہونے سے پہلے کا تھا جب یہ حقیقت واضح ہو گئی تو انہوں نے بھی براءت کا اعلان کر دیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا مَنْ أَخْلَصَ فِي عِبَادَتِهِ وَأَخْلَصَهُ اللّٰهُ مِنَ الدَّنَسِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنَاهُ بِقَوْلٍ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللّٰهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ اسْمُ جَبَلٍ الْأَيْمَنِ أَيِ الَّذِي يَلِي يَمِينَ مُوسَىٰ حِينَ أَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝ مُنَاجِيًا بِأَنْ أَسْمَعَهُ تَعَالَىٰ كَلَامَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا نِعْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ بَدَلٌ أَوْ عَطْفُ بَيَانٍ نَبِيًّا ۝ حَالٌ هِيَ الْمَقْصُودُ بِالْهِبَةِ إِجَابَةً لِسُؤَالِهِ أَنْ يُرْسِلَ أَخَاهُ مَعَهُ وَكَانَ أَسَنَّ مِنْهُ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ لَمْ يَعِدْ شَيْئًا إِلَّا وَفَىٰ بِهِ وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ حَوْلًا حَتَّىٰ رَجَعَ إِلَيْهِ فِي مَكَانِهِ وَكَانَ رَسُولًا إِلَىٰ جُرْهُمَ نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ أَيْ قَوْمَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝ أَصْلُهُ مَرْضُوْوٌ قُلِبَتِ الْوَاوَانِ يَائَيْنِ وَالضَّمَّةُ كَسْرَةً وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ هُوَ جَدُّ أَبِي نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ هُوَ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ أَوِ السَّادِسَةِ أَوِ السَّابِعَةِ أَوْ فِي الْجَنَّةِ أُدْخِلَهَا بَعْدَ أَنْ أُذِيقَ الْمَوْتَ وَأُحْيِيَ وَلَمْ يُخْرَجْ مِنْهَا أُولَٰئِكَ مُبْتَدَأٌ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم صِفَةٌ لَهُ مِّنَ النَّبِيِّينَ بَيَانٌ لَهُمْ وَهُوَ فِي مَعْنَى الصِّفَةِ وَمَا بَعْدَهُ إِلَى جُمْلَةِ الشَّرْطِ صِفَةٌ لِلنَّبِيِّينَ فَقَوْلُهُ مِنْ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ أَيْ إِدْرِيسَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ فِي السَّفِينَةِ أَيْ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ ابْنِهِ سَامٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ أَيْ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِسْرَائِيلَ وَهُوَ يَعْقُوبُ أَيْ مُوسَىٰ

وَهَارُوْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ اَیْ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَخَبَرُ اُولٰٓئِكَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ جَمْعُ سَاجِدٍ وَبَاكٍ اَیْ فَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ وَاَصْلُ بُكِىٍّ بُكُوْیٌ قُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً
وَالضَّمَّةُ كَسْرَةً السجده فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ بِتَرْكِهَا كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَاتَّبَعُوا
الشَّهَوٰتِ مِنَ الْمَعَاصِیْ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ هُوَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ اَیْ يَقَعُوْنَ فِيْهِ اِلَّا لٰكِنْ مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ يُنْقَصُوْنَ شَيْئًا ۙ مِنْ ثَوَابِهِمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِقَامَةٍ بَدَلٌ مِنَ الْجَنَّةِ الَّتِیْ
وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ حَالٌ اَیْ غَائِبِيْنَ عَنْهَا اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ اَیْ مَوْعُوْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ بِمَعْنٰی اٰتِيًا وَاَصْلُهٗ
مَاْتُوْیٌ اَوْ مَوْعُوْدُهٗ هُنَا الْجَنَّةُ يَاْتِيْهِ اَهْلُهٗ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا مِنَ الْكَلَامِ اِلَّا لٰكِنْ يَسْمَعُوْنَ سَلٰمًا ۭ مِنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ عَلَيْهِمْ اَوْ مِنْ بَعْضِهِمْ عَلٰی بَعْضٍ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ اَیْ عَلٰی قَدْرِهِمَا فِی الدُّنْيَا
وَلَيْسَ فِی الْجَنَّةِ نَهَارٌ وَلَا لَيْلٌ بَلْ ضَوْءٌ وَنُوْرٌ اَبَدًا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ نُعْطِیْ وَنُنْزِلُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
تَقِيًّا ۝ بِطَاعَتِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا تَاَخَّرَ الْوَحْیُ اَيَّامًا وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيْلَ مَا يَمْنَعُكَ اَنْ
تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا اَیْ اَمَامَنَا مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَمَا خَلْفَنَا
مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ اَیْ مَا يَكُوْنُ مِنْ هٰذَا الْوَقْتِ اِلٰی قِيَامِ السَّاعَةِ اَیْ لَهٗ عِلْمُ ذٰلِكَ جَمِيْعُهٗ وَمَا
كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ بِمَعْنٰی نَاسِيًا اَیْ تَارِكًا لَكَ بِتَاخِيْرِ الْوَحْیِ عَنْكَ هُوَ رَبُّ مَالِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ اَیْ اِصْبِرْ عَلَيْهَا هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ اَیْ مُسَمًّی بِذٰلِكَ لَا ع ۱۵

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا (یہود و نصاریٰ کی طرح نمازوں کو چھوڑ دیا) اور خواہشات کی پیروی کی (گناہوں میں) سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) عذاب پائیں گے (جہنم میں ایک وادی ہے جس میں یہ لوگ واقع ہوں گے) مگر (لیکن) جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی (یعنی ان کا ثواب کو کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا باغات میں داخل ہوں گے (عَدْنٍ کے معنی اقامت کے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے بسنے کے باغوں میں داخل ہوں گے یہ عَدْنٍ جنت سے بدل ہے) یہ دائمی باغات ایسے ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے (بالغیب حال ہے ای غائبین۔ عنہا یعنی یہ جنتِ عَدْنٍ کا بندوں سے غائب ہے) بلاشبہ اللہ کے وعدہ کو (یعنی وعدہ کی ہوئی چیز کو) یہ لوگ ضرور پہنچ کر رہیں گے (مَاْتِيًّا ۝ اسم

مفعول کا صیغہ ہے ماتی اصل میں ماتوی بروزن معتوی تھا واو کو یاء سے بدل کر ادغام کرنے کے بعد بکسرۂ تا ماتی بنالیا گیا، یا موعود یہاں جنت ہے جس میں اہل سعادت ضرور پہنچ کر رہیں گے۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا اس جنت میں وہ سوائے سلام کے کوئی فضول بات نہیں سنیں گے البتہ سلام کی آوازیں سنیں گے جو فرشتے ان پر بھیجیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے) اور اس میں ان کے لیے صبح وشام ان کا رزق موجود حاضر ہوگا (یعنی دنیا میں صبح وشام یا رات اور دن کی مقدار کے مطابق ان کو رزق ملے گا جیسا کہ دنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ..... وہ جنت (جس کا ذکر ہوا) وہ ہے جس کا ہم وارث بنادیں گے (یعنی ہم دیدیں گے اور جنت میں اتار دیں گے) اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو جو پرہیز گار ہوں گے۔ جب وحی کے آنے میں چند دنوں کی تاخیر ہوگئی اور نبی اکرم ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا کہ جتنا ہماری ملاقات کو آپ آیا کرتے ہیں اس سے زیادہ ہماری ملاقات سے کیا چیزیں مانع ہے؟ اس پر آیت: وما نتنزل الا بامر ربك الخ نازل ہوئی) اور ہم (یعنی فرشتے) نہیں اترتے (زمین پر) مگر آپ کے پروردگار کے حکم سے سب اسی کی ملک ہیں جو ہمارے آگے ہیں (یعنی امور آخرت) اور جو ہمارے پیچھے ہے (یعنی امور دنیا) اور جو ان کے درمیان ہے (یعنی اس وقت سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں (نَسِيًّا یعنی ناسیا ہے یعنی وحی کی تاخیر سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو چھوڑ دیا ہے) وہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار (یعنی مالک) ہے اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں تم اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو (یعنی اس کی عبادت پر جمے رہو) کیا تو خدا کا کوئی ہمنام اور ہم صفت جانتا ہے؟ نکتہ: اس آیت میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر واستقامت کا حکم دیا اس لیے کہ یہاں دو جہیں ہیں ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ ہے عبودیت اور غلامی پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کے حکم سے پہلے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا یہ عبادت کے مقتضی کا بیان تھا کہ مربی اور محسن ہونا عبادت کو مقتضی ہے اور هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا میں رفع مانع کا بیان ہے یعنی اگر کوئی اس کی مثل ہوتا تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں پس جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اسکی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل و یکتا ہے تو اسی کی عبادت پر جمے رہو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَكَانَ رَسُوْلًا: ان کو اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کی طرف پیغمبر بنایا اور ان کے متعلق لوگوں کو خبردی۔ جب کہ ارسال خبر سے پہلے ہے تو رسول کو اسی وجہ سے مقدم کیا حالانکہ وہ خاص ہے۔

قوله: يَمِيْنَ مُوْسٰى: اشارہ کیا کہ پہاڑ کا دایاں بایاں نہیں بلکہ وہ حصہ مراد ہے جو موسیٰؑ کے دائیں جانب تھا۔

قوله: قَرَّبْنٰهُ: تقریب شرف عنایت کرنا تو اس میں اس شخص سے تشبیہ دی جس کو بادشاہ اپنی سرگوشی کے لیے چنے۔

قوله: مُنَاجِيًا: اس میں اشارہ ہے کہ نَجِيًّا﴿﴾ مصدر نہیں بلکہ دونوں ضمائر میں ایک سے حال ہے۔

قوله: بِنِعْمَتِنَا: اس سے اشارہ کیا کہ رحمت سے مراد نعمت مجازاً ہے کیونکہ وہ سبب ہے۔

قوله: اَخَاهُ: یعنی ان کا معاون و بوجھ بانٹنے والا بنایا یہ آپ کا بڑا بھائی تھا۔

قوله: صَادِقَ الْوَعْدِ: ذبح ہونے پر صبر کیا اور وفاداری دکھائی۔

قوله: جُرْهَم بروزن قُنفُذ: یہ قبیلہ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجرہ کے ہاں آ کے آباد ہوا اور اسماعیلؑ کی شادی انہی میں ہوئی۔

قوله: اِدْرِيْسَ: یہ شیثؑ کے پوتے ہیں۔ ان پر تیس صحائف اترے انہی نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔

قوله: صِفَةٌ: یعنی یہ خبر نہیں بلکہ صفت ہے، مِّنَ النَّبِيّٖنَ یہ ماقبل کا بیان اور معنی کے لحاظ سے صفت ہے۔

قوله: اَىْ اِدْرِيْسَ: اس سے مقصود یہ ہے کہ کلام توزیع کے لیے ہے۔

قوله: مِنْ جُمْلَتِهِمْ: من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں۔

قوله: جَمْعُ سَاجِدٍ: اس سے اشارہ کیا کہ سُجَّدًا یہ مصدر نہیں بلکہ جمع ہے۔

قوله: فَخَلَفَ: اس سے اشارہ کیا کہ خلف بعد میں آنے والے نااہل و نالائق لوگوں پر بولا جاتا ہے۔

قوله: لٰكِنْ: یہاں اِلَّا کو لٰكِنْ سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قوله: بَدَلٌ: اشارہ کیا کہ عَدْنٍ یہ جَنّٰتِ کی صفت نہیں بدل ہے۔

قوله: غَائِبِيْنَ: یہ بِالْغَيْبِ کی تفسیر ہے یہ حال ہے عباد سے۔

قوله: اٰتِيًا: اس میں اشارہ ہے کہ مَاْتِيًّا﴿﴾ یہ فاعل کے معنی میں ہے۔ اور مجازاً ان کی طرف اتیان کی نسبت میں درست ہے۔

قوله: بِطَاعَتِهٖ: اس سے اشارہ ہے کہ تقویٰ وہی معتبر ہے جو اطاعت کے ساتھ ہو۔

قوله: اَمَامَنَا: اس سے اشارہ کیا کہ بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے امور آخرت جو کہ آگے پیش آئیں گے وہ مراد ہیں۔

قوله: نَسِيًّا﴿﴾: اس سے اشارہ ہے کہ نَسِيًّا﴿﴾ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے اور یہاں ترک مراد ہے۔

قوله: هُوَ رَبُّ: کہہ کر بتلایا کہ یہ محذوف مبتداء هُوَ کی خبر ہے۔

قوله: اصْطَبِرْ: اس کو لام سے متعدی کیا کیونکہ یہ ثبات کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: مُسَمّٰى: اس سے اشارہ کیا کہ ایسا اور کون ہے جس کا نام اس کے سوا اللہ ہو، ظاہر ہے کوئی نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴿﴾

حضرت موسیٰ، ہارون، اسماعیل اور ادریس علیہم السلام کا تذکرہ:

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ مخلص تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور اپنا خاص اور خالص بندہ بنایا۔ (هذا على قراءة الكوفيين بفتح اللام وقرأ آخرون بكسرها والمعنى انه اخلص عبادته عن الشرك والرياء واسلم وجهه لله عز وجل واخلص عن سواه كما قال صاحب الروح ص ۹۳ ج ۱۶)

نبی اور رسول میں فرق:

اور یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول تھے اور نبی تھے۔ رسول پہنچانے والا اور نبی خبر دینے والا یہ ان دونوں کا لفظی ترجمہ ہے شریعت کی اصطلاح میں رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے لیے بولا جاتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے مشہور قول یہ ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہے اور رسول میں نبی سے ایک زائد معنی بھی ہے یعنی جسے کتاب دی گئی ہو اور نئی شریعت دے کر بھیجا گیا ہو اور نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے جو حضرات انبیاء کرام انبیاء سابقین کی شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں انھیں لغوی اعتبار سے رسول کہا جاتا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے نہیں کہا جاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے انھیں طور کی داہنی جانب سے پکارا طور پہاڑ مدین اور مصر کے درمیان ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے داہنی جانب کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے داہنی جانب مراد ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے یہ پہاڑ ان کی داہنی جانب پڑ گیا تھا (اذا الجبل نفسه لا ميمنة له ولا ميسرة) صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمن یمن سے مشتق ہو جو مبارک ہونے کے معنی میں ہے اور اس صورت میں لفظ ایمن جانب کی بھی صفت بن سکتا ہے اور طور کی بھی یعنی موسیٰ کی مبارک جانب سے ہم نے آواز دی یا طور کی جانب سے آواز دی جو مبارک ہو۔

پھر فرمایا: وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ (یعنی ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا) عربی زبان میں نجی اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خفیہ طریقہ پر رازدارانہ باتیں کی جائیں چونکہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمکلامی اس طرح سے ہوئی کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا اس لیے وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس فضیلت کا ذکر سورۃ نساء میں یوں فرمایا: (وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا) (اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور سے کلام فرمایا)

پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ (اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا کیا) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ جاؤ فرعون کو تبلیغ کرو تو اس وقت جو انھوں نے دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی کہ: (وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ) (اور میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجیے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط فرما دیجیے) یہ سورۃ طٰہٰ میں ہے اور سورۃ قصص میں یوں ہے: (وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْۤ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ) (اور میرے بھائی ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے سو ان کو آپ میرا مددگار بنا کر بھیج دیجیے تاکہ وہ میری تصدیق کریں مجھے فرعون اور اس کے

ساتھیوں سے ڈر ہے کہ میری تکذیب کردیں گے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا (سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ) (ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط بنادیں گے) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا اور دونوں کو حکم فرمایا: (اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ) (تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے)۔

پھر فرمایا: وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ (اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے) إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے) وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿﴾ (اور وہ رسول تھے نبی تھے)۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف عالیہ:

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی چند صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ صَادِقَ الْوَعْدِ یعنی وعدہ کے سچے تھے یہ صفت تمام انبیاءؑ میں ہے اور بہت سے مؤمنین میں بھی ہوتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی اس صفت کا تذکرہ فرمایا کیونکہ انھوں نے بہت بڑی سچائی کا ثبوت دیا تھا جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کرتا ہوں بولو تم اپنی رائے بتاؤ اس پر انھوں نے کہا: (يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ) (کہ اے ابا جان! جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ کر گزریے۔ مجھے آپ ان شاء اللہ صابروں میں سے پائیں گے) پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لیے لٹایا تو بخوشی لیٹ گئے اور ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے صبر کا جو عدہ کیا تھا پورا کر دکھایا۔

دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿﴾ (اور وہ رسول تھے نبی تھے) چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر کتاب نازل ہونے اور شریعت جدیدہ دیئے جانے کی کہیں کوئی تصریح نہیں ہے اور بظاہر وہ شریعت ابراہیمی کے مبلغ اور داعی تھے اس لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان پر رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ گو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت شریعت ابراہیمی ہی تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ حاصل ہوا اس لیے ان کے لیے لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے معلوم ہوا کہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت میں نماز اور زکوٰۃ کا خصوصی دھیان رکھنا چاہیے نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نفس کو ان دونوں کا پابند کیا جائے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا پابند کرایا جائے تو دین کے باقی احکام پر بھی چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال و اطوار پسند تھے وہ ان بندوں میں سے تھے جن سے اللہ راضی ہوا (واضح رہے کہ کسی ایک شخصیت کے لیے کسی صفت سے متصف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ دیگر افراد اس سے متصف نہیں ہیں یا اس میں دیگر صفات نہیں ہیں خوب سمجھ لیا جائے)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿﴾

پھر فرمایا وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ (اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجیے) إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿﴾ (بلاشبہ وہ بڑے سچے

تھے نبی تھے) وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھا دیا) اس میں حضرت ادریس علیہ السلام کو صدیق اور نبی بتایا اور یہ بتایا کہ ہم نے انھیں بلند مرتبہ پر اٹھا دیا بلند مرتبہ کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے کہ انھیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد وہاں ان کی موت ہوگئی مفسر ابن کثیرؒ نے صفحہ ۱۲۶ ج ۳ پر حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ ادریس رفع لم یمت کما رفع عیسیٰ اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ: رفع الی السماء السادسة فمات بها لیکن اس سلسلہ کی جو روایات ہیں اول تو مرفوع نہیں ہیں دوسرے ان کی اسانید ذکر نہیں کی گئیں اور رفع الی السماء کے قصے کعب الاحبار سے منقول ہیں جو سراپا اسرائیلیات میں ہیں۔ اگرچہ روح المعانی صفحہ ۱۰۶ ج ۱۶ میں بحوالہ ابن منذر حدیث کو مرفوعاً بھی بیان کیا لیکن حدیث کے الفاظ میں رکاکت ہے جو افصح الفصحاء ﷺ کے الفاظ نہیں ہو سکتے دوسرے قصہ اسی طرح نقل کیا ہے جیسے کعب وغیرہ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے معروف قصہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔

صاحب روح المعانی نے بھی قال رسول اللہ ﷺ کہنے کی ہمت نہیں کی یرفع الحدیث الی النبی ﷺ کہہ کر گزر گئے اور اخیر میں لکھ دیا: واللہ اعلم بصحته وكذا بصحة ما قبله من خبر كعب۔ محققین کا کہنا ہے کہ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ سے حضرت ادریس علیہ السلام کا مرتبہ بلند کرنا مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا مقرب بنایا یہ سب علو مرتبہ میں آتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال:

صاحب روح المعانی نے مستدرک حاکم سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے تھے اور ان کا نام اخنوخ بتایا، پھر چار واسطوں سے حضرت شیث بن آدم تک ان کا نسب بیان کیا ہے پھر لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے نجوم یعنی ستاروں کا مطالعہ کیا اور حساب جاری کیا اور سب سے پہلے لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے سلے ہوئے کپڑے پہنے، وہ کپڑے سینے کا شغل رکھتے تھے اور ان سے پہلے لوگ کھالوں کے کپڑے پہنتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے اور انھوں نے سب سے پہلے ناپنے اور تولنے کے پیمانے جاری کیے اور ہتھیار بنائے، معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے کافروں سے قتال کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ انھیں ادریس اس لیے کہا گیا کہ وہ کثرت سے کتاب اللہ کا درس دیا کرتے تھے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے عربی نہیں ہے اور درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ غیر منصرف ہے (غیر منصرف ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس میں عجمہ اور علم ہے) پھر لکھتے ہیں کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سریانی زبان میں بھی اس لفظ کا معنی اسی معنی کے قریب ہو جو عربی میں بولا جاتا ہے لہٰذا اکثر درس کی وجہ سے انھیں ادریس کا لقب دے دیا گیا ہو۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ....

حضرات انبیاء کرامؑ کے باہمی رشتے اور ان کے منتسبین کے دوگروہ

ابتدائے سورت سے یہاں تک متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اب آیت بالا میں فرمایا کہ یہ سب وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کو نبوت سے سرفراز کیا اور یہ تمام حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو ان لوگوں کی نسل سے تھے جنھیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔

عموماً حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جو بھی آبادی ہے انھیں کی نسل سے ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام انھیں کی نسل سے ہوئے البتہ ادریس علیہ السلام ان سے پہلے تھے ان کے اجداد میں سے تھے اس لیے وہ اس وصف میں شریک نہیں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ تھے اور حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بلا واسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان کو ہدایت دی اور ان کو چن لیا ان کا یہ حال تھا کہ جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے۔ ان کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان کی طرف منسوب ہوتے تھے جن میں پہلے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو ناخلف تھے پھر مؤمنین اور متبعین اور صالحین کا تذکرہ فرمایا (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ) (ان حضرات کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا) نماز کو بالکل نہ پڑھنا وقت سے ٹال کر پڑھنا اور بری طرح پڑھنا یہ سب نماز کو ضائع کرنے میں شامل ہے سورۂ ماعون میں فرمایا (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ) (سو خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں) حضرت مصعب بن سعدؓ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: (اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ) کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ سَاهُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں ادھر ادھر کا خیال نہ آئے بلکہ آیت میں سَاهُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ نماز کے وقت کو ضائع کر دے ادھر ادھر کے کاموں میں لگا رہے اور نماز کا دھیان نہ رہے۔

(رواہ ابو یعلی باسناد حسن کما فی الترغیب والترہیب ص ۳۸۷ ج ۱)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ....

شان نزول: صحیح بخاری شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا آپ جتنا آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب پر یہ آیت اتری ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر ہوگئی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے پھر آپ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ روایت ہے کہ بارہ دن یا اس سے کچھ کم تک نہیں آئے تھے جب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ مشرکین تو کچھ اور ہی اڑانے لگے تھے اس پر یہ آیت اتری۔ پس گویہ یہ آیت سورۂ والضحیٰ کی آیت جیسی ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک ملاقات نہ ہوئی تھی جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا میرا شوق تو بہت ہی بے چین کئے ہوئے تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اس سے کسی قدر زیادہ شوق خود مجھے آپ کی ملاقات کا تھا لیکن میں اللہ کے حکم کا مامور اور پابند ہوں وہاں سے جب بھیجا جاؤں تب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی۔ لیکن یہ روایت غریب ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنے

میں دیر لگائی پھر جب آئے تو حضور ﷺ نے رک جانے کی وجہ دریافت کی آپ نے جواب دیا کہ جب لوگ ناخن نہ کتروائیں، انگلیاں اور پوریاں صاف نہ رکھیں، مونچھیں پست نہ کرائیں، مسواک نہ کریں تو ہم کیسے آسکتے ہیں؟ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا مجلس درست اور ٹھیک ٹھاک کرلو آج وہ فرشتہ آرہا ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا۔ ہمارے آگے پیچھے کی تمام چیزیں اسی اللہ کی ہیں یعنی دنیا اور آخرت اور اس کے درمیان کی یعنی دونوں نفخوں کے درمیان کی چیزیں بھی اسی کی تملیک کی ہیں۔ آنے والے امور آخرت اور گزر چکے ہوئے امور دنیا اور دنیا آخرت کے درمیان کے امور سب اسی کے قبضے میں ہیں۔ تیرا رب بھولنے والا نہیں اس نے آپ کو اپنی یاد سے فراموش نہیں کیا۔ نہ اس کی یہ صفت۔ جیسے فرمان: (وَالضُّحٰی) قسم ہے چاشت کے وقت کی اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے نہ تو تیرا رب تجھ سے دستبردار ہے نہ ناخوش۔ ابن ابی حاتم میں ہے آپ فرماتے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کردیا وہ حلال ہے اور جو حرام کردیا حرام ہے اور جس سے خاموش رہا وہ عافیت ہے تم اللہ کی عافیت کو قبول کرلو، اللہ کسی چیز کا بھولنے والا نہیں پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ آسمان وزمین اور ساری مخلوق کا خالق مالک مدبر متصرف وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے کسی حکم کو ٹال سکے۔ تو اسی کی عبادتیں کئے چلا جا اور اسی پر جمارہ اس کے مثیل شبیہ ہم نام پلہ کوئی نہیں۔ وہ بابرکت ہے وہ بلندیوں والا ہے اس کے نام میں تمام خوبیاں ہیں جل جلالہ۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ الْمُنْكِرُ لِلْبَعْثِ اُبَيُّ بْنُ خَلْفٍ اَوِ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ النَّازِلُ فِيْهِ الْاٰيَةُ ءَاِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْنَ الْاُخْرٰى مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ مِنَ الْقَبْرِ كَمَا يَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَا اُحْيٰى بَعْدَ الْمَوْتِ وَمَا زَائِدَةٌ لِلتَّاكِيْدِ وَكَذَا اللَّامُ وَرُدَّ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَصْلُهٗ يَتَذَكَّرُ اُبْدِلَتِ التَّاءُ ذَالًا وَاُدْغِمَتْ فِي الذَّالِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَرْكِهَا وَسُكُوْنِ الذَّالِ وَضَمِّ الْكَافِ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَيَسْتَدِلُّ بِالْاِبْتِدَاءِ عَلَى الْاِعَادَةِ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ اَيِ الْمُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ وَالشَّيٰطِيْنَ اَيْ نَجْمَعُ كُلًّا مِنْهُمْ وَشَيْطَانَهٗ فِيْ سِلْسِلَةٍ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ مِنْ خَارِجِهَا جِثِيًّا جِثِيًّا ۝ عَلَى الرُّكَبِ جَمْعُ جَاثٍ وَاَصْلُهٗ جُثُوْوٌ اَوْ جُثُوْيٌ مِنْ جَثٰى يَجْثُوْا وَيَجْثِيْ لُغَتَانِ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ جُرْأَةً ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا اَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الْاَشَدِّ وَغَيْرِهٖ مِنْهُمْ صِلِيًّا ۝ دُخُوْلًا وَاحْتِرَاقًا فَنَبْدَأُ بِهِمْ وَاَصْلُهٗ صُلُوْيٌ مِنْ صَلٰى بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا وَاِنْ اَيْ مَا مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا وَارِدُهَا اَيْ دَاخِلُهَا

مَقۡضِيًّا ۝ حَتْمَهٗ وَقَضٰى بِهٖ لَا يَتْرُكُهٗ ثُمَّ نُنَجِّي مُشَدَّدًا وَمُخَفَّفًا الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ وَالْكُفْرَ مِنْهَا وَّنَذَرُ

الظّٰلِمِيۡنَ بِالشِّرْكِ وَالْكُفْرِ فِيۡهَا جِثِيًّا ۝ عَلَى الرُّكَبِ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيۡهِمۡ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ اٰيٰتُنَا مِنَ

الْقُرْاٰنِ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَیُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ نَحْنُ اَوْ اَنْتُمْ خَيۡرٌ مَّقَامًا مَنْزِلًا

وَمَسْكِنًا بِالْفَتْحِ مِنْ قَامَ وَبِالضَّمِّ مِنْ اَقَامَ وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ۝ بِمَعْنَى النَّادِي وَهُوَ مُجْتَمَعُ الْقَوْمِ يَتَحَدَّثُوْنَ فِيْهِ

يَعْنُوْنَ نَحْنُ فَنَكُوْنُ خَيْرًا مِنْكُمْ قَالَ تَعَالٰى وَكَمۡ اَيْ كَثِيْرًا اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ اَيْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ

الْمَاضِيَةِ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا مَالًا وَمَتَاعًا وَّرِءۡيًا ۝ مَنْظَرًا مِنَ الرُّؤْيَةِ فَلَمَّا اَهْلَكْنَاهُمْ لِكُفْرِهِمْ نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ

قُلۡ مَنۡ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ شَرْطٌ جَوَابُهٗ فَلۡيَمۡدُدۡ بِمَعْنَى الْخَبَرِ اَيْ يَمُدُّ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ فِي الدُّنْيَا يَسْتَدْرِجُهٗ حَتّٰى

اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ كَالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ الْمُشْتَمِلَةَ عَلٰى جَهَنَّمَ فَيَدْخُلُوْنَهَا

فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ۝ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَجُنْدُهُمُ الشَّيَاطِيْنُ وَجُنْدُ

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَيَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا بِالْاِيْمَانِ هُدًى ؕ بِمَا يُنْزَلُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْاٰيَاتِ وَ

الۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ هِيَ الطَّاعَاتُ تَبْقٰى لِصَاحِبِهَا خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ مَّرَدًّا ۝ اَيْ مَا يُرَدُّ اِلَيْهِ وَيَرْجِعُ

بِخِلَافِ اَعْمَالِ الْكُفَّارِ وَالْخَيْرِيَّةُ هُنَا فِي مُقَابَلَةِ قَوْلِهِمْ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا اَفَرَءَيۡتَ الَّذِيۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا

الْعَاصَ ابْنَ وَائِلٍ وَقَالَ لِخَبَّابِ ابْنِ الْاَرَتِّ الْقَائِلِ لَهٗ تُبْعَثُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمُطَالِبِ لَهٗ بِمَالٍ لَاُوۡتَيَنَّ

عَلٰى تَقْدِيْرِ الْبَعْثِ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَاَقْضِيْكَ قَالَ تَعَالٰى اَطَّلَعَ الۡغَيۡبَ اَيْ اَعَلِمَهٗ وَاَنْ يُّؤْتٰى مَا قَالَهٗ وَاسْتُغْنِيَ

بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ۝ بِاَنْ يُّؤْتٰى مَا قَالَهٗ كَلَّا ؕ اَيْ لَا

يُؤْتٰى ذٰلِكَ سَنَكۡتُبُ نَامُرُ بِكَتْبِ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ۝ نَزِيْدُهٗ بِذٰلِكَ عَذَابًا فَوْقَ عَذَابِ

كُفْرِهٖ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ مِنَ الْمَالِ وَالْوَلَدِ وَيَاۡتِيۡنَا يَوۡمَ الْقِيٰمَةِ فَرۡدًا ۝ لَا مَالَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ وَاتَّخَذُوۡا اَيْ كُفَّارُ

مَكَّةَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ الْاَوْثَانَ اٰلِهَةً يَعْبُدُوْنَهُمْ لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۝ شُفَعَاءَ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَنْ لَّا يُعَذَّبُوْا كَلَّا ؕ اَيْ

لَا مَانِعَ مِنْ عَذَابِهِمْ سَيَكۡفُرُوۡنَ اَيِ الْاٰلِهَةُ بِعِبَادَتِهِمۡ اَيْ يَنْفُوْنَهَا كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ وَ

یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِمْ ضِدًّا۝ اَعْوَانًا وَاَعْدَاءً ع ۵ ۱۷ ۸

ترجمہ: وَ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ: اور انسان جو آخرت یعنی حشر ونشر کا منکر ہے جیسے ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے) یوں کہتا ہے ''ءَاِذَا'' ۔۱۔ ہمزہ ثانیہ کی تحقیق کے ساتھ ۔۲۔ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل ۔۳۔ اور دونوں کے درمیان یعنی ثانی میں الف داخل کر کے ۔۴۔ وبالاخری یعنی ہمزہ اولیٰ میں الف داخل کر کے، کہ کیا جب میں مرجاؤنگا تو پھر زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤنگا (جیسا کہ محمد ﷺ) کہتے ہیں پس استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ مرنے کے بعد زندہ کیا جاونگا اور ما زائدہ تاکید کے لیے ہے اور اسی طرح لَسَوْفَ کا لام بھی تاکید کے لیے ہے تو منکر قیامت یعنی ابی بن خلف پر ارشاد باری تعالیٰ سے زد کیا جارہا ہے؟ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ کیا یہ (منکر حشر) انسان یہ نہیں سمجھتا کہ ہم ہی نے اسکو اول پیدا کیا اور یہ (اسوقت) کچھ بھی نہ تھا پس ابتداء کے ذریعہ اعادہ پر استدلال کر سکتے ہیں۔ اَوَلَا یَذْکُرُ میں یَذْکُرُ کی اصل یَتَذَکَّرُ تھا، ت کو ذ سے بدل کر ذال کو ذال میں ادغام کر دیا گیا یذکر ہو گیا، اور ایک قراءت میں ت کو حذف کر کے ذال کو ساکن اور کاف کو ضمہ کے ساتھ یعنی یذکر پڑھا گیا ہے۔ فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّہُمْ ..... سو قسم ہے آپ کے پروردگار کی ہم ان کو (یعنی منکرین حشر ونشر کو) جمع کریں گے اور (ان کے ساتھ) شیاطین کو بھی (یعنی ان منکرین حشر ونشر میں سے سب کو اور ان کے ساتھ اس کے شیطان کو ایک زنجیرہ میں جمع کریں گے) پھر ہم ان سب کو (دوزخ کر گرداگرد (یعنی دوزخ کے باہر سے) حاضر کریں گے درآنحالیکہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے (جِثِیًّا۝ جمع ہے جاثٍ کی اس کی اصل جثور از باب نصر جثا بجثوا سے یا جثوی ہے از ضرب جثی یجثی سے اس میں یہ دونوں لغت ہے) پھر ہم ہر گروہ میں (یعنی ان کفار کے ہر فرقہ میں سے ان لوگوں کو (جدا کریں گے جونسا ان میں کا خدائے رحمان کا (دنیا میں) شدید سرکش تھا (باعتبار جرأت کے) ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ ہُمْ اَوْلٰی بِہَا پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ (یعنی اول) مستحق ہیں (یعنی جو جہنم میں داخل ہونے اور جلنے کے زیادہ شدید مستحق ہیں ان کافروں میں سے اپنے علاوہ پر پس ان ہی سے ہم دوزخ میں ڈالنا شروع کریں گے، صِلِیًّا۝ اصل میں صلوی تھا یہ صلی بکسر اللام اور صلی بفتح اللام سے بنا ہے۔ وَاِنْ مَّا مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُہَا ..... اور (اے مخاطب) نہیں ہے تم میں سے کوئی انسان مگر یہ کہ وہ دوزخ کے پاس پہنچنے والا ہے یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو ضرور پورا ہو کر رہے گا لازم ہے حق تعالیٰ اس کا فیصلہ کر چکا ہے اس کو ترک نہیں کرے گا۔ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْہَا جِثِیًّا۝ پھر ہم نجات دیں گے ان لوگوں کو جو خدا ڈرتے تھے (کفر و شرک سے بچتے تھے نُنَجِّی میں ج کو تشدید اور بغیر تسدید دونوں قراءت ہے) اور ہم چھوڑ دیں گے ظالموں کو (جو شرک و کفر کیا کرتے تھے) اس دوزخ میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا ..... اور جب ان کے سامنے (یعنی مؤمنین اور کافرین کے سامنے) ہماری آیتیں (قرآن سے) پڑھی جاتی ہیں درآنحالیکہ وہ واضح اور روشن ہیں تو کافر مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم دونوں فریقوں میں (یعنی ہم میں اور تم میں) کونسا فریق مرتبہ اور مکان کے اعتبار سے بہتر ہے؟ (مَقَامًا کے م کو فتحہ کے ساتھ ہو تو قام سے ہوگا اور اگر ضمہ ہوگا تو اقام سے ہوگا) اور کونسا مجلس کے اعتبار سے عمدہ ہے (ندی بمعنی نادی ہے یعنی وہ مجلس جہاں بیٹھ کر لوگ باتیں کرتے ہیں مقصد

یہ ہے کہ ہماری مجلس تم سے زیادہ شان وشوکت والی ہوتی ہے اس لیے ہم لوگ تم سے بہتر ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ..... اور ہم ان کفار مکہ سے پہلے کتنے ہی (یعنی بہت گروہ ہلاک کر چکے ہیں (یعنی پچھلی امتوں میں سے مال ومتاع اور نمود ومنظر میں ان سے کہیں زیادہ اچھے تھے (وَّرِءْيًا بمعنی منظر، دکھاوٹ رویہ سے ماخوذ ہے پس جس طرح ہم نے پچھلی امتوں کوان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا ہے انہیں بھی ہلاک کریں گے۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ ..... کہ اے (نبی ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ جولوگ گمراہی میں ہیں جیسے تم لوگ ہو یہ شرط ہے اس کا جواب فَلْيَمْدُدْ سے شروع ہو رہا ہے اور لیمدد امر کا صیغہ ہے مگر خبر کے معنی میں ہے یعنی بمعنی یمد ہے) اللہ تعالیٰ انکو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے (دنیا میں) ڈھیل دینا یعنی حق تعالیٰ ان کافروں کو آہستہ آہستہ پکڑے گا یہاں تک کہ وہ اس چیز کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ وہ عذاب ہو (یعنی دنیاوی عذاب جیسے قتل وقید) خواہ قیامت ہو (جو مشتمل ہے جہنم پر چنانچہ سارے کفار دوزخ میں داخل ہوں گے سو (اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں (جندا ای اعوان یعنی یہ کفار کمزور ہیں یا مؤمنین؟ اور ان کافروں کے مددگار شیاطین ہیں اور مسلمانوں کے حمایتی ومددگار فرشتے ہیں۔ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے (آیات بینات کے ذریعہ ایمان وہدایت میں زیادتی ہوتی ہے) اور جو نیک کام ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں (یعنی وہ تمام طاعات ونیک اعمال جن کے کرنے والے کے لیے ہمیشہ باقی رہتا ہے وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر (یعنی اہل کے اعمال مقبول ہیں وہ لوٹائے نہیں جاتے بخلاف اعمال کفار کے کہ وہ مردود ہیں رد کر دئے جاتے ہیں اور لفظ خیر کا لانا یہاں جواب ہے ان کے قول: اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا۔ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ ..... کیا آپ نے اس شخص کو (یعنی عاص بن وائل کو) دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور (بطور استہزاء وتمسخر) کہا (حضرت خباب بن ارت ؓ سے جو عاص بن وائل سے کہہ رہے تھے کہ تو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا حساب وکتاب کے لیے اور عاص بن وائل سے اپنے مال کا مطالبہ کر رہے تھے) لَاُوْتَيَنَّ (اگر بالفرض قیامت ہوئی) تو مجھ کو مال اولاد دی جائے گی پھر میں تیرا قرض ادا کر دونگا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ کیا یہ کافر غیب پر مطلع ہو گیا ہے (یعنی کیا اس نے غیب کو معلوم کر لیا ہے اور یہ اس کو وہ سب مال واولاد دیا جائے گا جس کا اس نے دعوی کیا ہے اور ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت باقی نہیں رہی چنانچہ ہمزہ وصل کو حذف کر دیا گیا۔ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے (کہ اس کے قول ودعوی کے مطابق دیا جائے گا) ہرگز نہیں (یعنی یہ سب نہیں دیا جائے گا۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ ..... ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھ لیتے ہیں (یعنی ابھی ہم اس کے قول کو لکھنے کا حکم دیدیتے ہیں) اور ہم اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے (یعنی اس گستاخی کی وجہ سے عذاب کر کے اوپر عذاب بڑھا دیں گے) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً ..... اور ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) اللہ کے سوا اور معبود (یعنی بتوں کو) تجویز کر رکھے ہیں (جن کی یہ پرستش کرتے ہیں) تا کہ ان کے لیے وہ (عند اللہ) باعث عزت ہوں (یہ بت سفارشی ہوں کہ انہیں عذاب نہ دیا جائے) کلا ہرگز نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کافروں کے عذاب کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وہ معبود (قیامت میں خود) ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے (جیسا کہ سورہ یونس میں گزر چکا ہے۔ وَ

قَالَ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ) بِكُفْرِهِمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ (پ۱۱/ع۸) وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ اور (الٹے) ان کے مخالف ہوجائیں گے (أعْوَانًا عليهم واعداء یعنی بجائے معین ومددگار ہونے کے مخالف اور دشمن ہوجائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْمُنْكِرُ لِلْبَعْثِ: یہ تفسیر کرکے اشارہ کیا کہ اَلْاِنْسَانُ پہ الف لام عہد کا ہے۔

قوله: ءَاِذَا: یہ استفہام نفی کے لیے ہے۔

قوله: اَوَلَا يَذْكُرُ: اس کا استفہام انکاری ہے۔ای لا یذکر۔

قوله: وَالشَّيٰطِيْنَ: یہ ھم کا معطوف یا مفعول معہ ہے۔

قوله: جِثِيًّا ۝ جمع جاث: اس سے اشارہ ہے کہ یہ مصدر نہیں۔

قوله: عِتِيًّا ۝: نہایت سرکش یا جراُت مند بالترتیب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

قوله: حَوْلَ جَهَنَّمَ: اس سے اشارہ کیا کہ جہنم مومنوں کے گزرنے کے وقت بجھی ہوگی اور کفار کے گزرنے کے وقت جوش زن ہوگی۔

قوله: حَتَمَهُ وَقَضٰى بِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما کر اس کو اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے۔

قوله: الشِّرْكَ: اس سے اشارہ ہے کہ یہاں مراد تقویٰ سے شرک سے بچنا ہے۔

قوله: بَيِّنٰتٍ: یہ ایات سے حال ہے نہ کہ صفت ہے۔

قوله: النَّادِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ نَدِيًّا ۝ محل کا ذکر کرکے حال مراد لیا گیا ہے۔

قوله: كَثِيْرًا: اس سے اشارہ کیا کہ كَمْ خبریہ ہے نہ کہ استفہامیہ۔

قوله: اُمَمٍ: ہر اہل زمانہ کو قرن حقدم کے اعتبار سے کہا۔ پر یہ قرن الدابہ سے لیا گیا ہے جو کہ آگے ہو۔

قوله: الرُّؤْيَةِ: اس سے اشارہ کی کہ یہ رِءْيًا سے نہیں بلکہ الرُّؤْيَةِ سے ہے۔

قوله: فَلَمَّا اَهْلَكْنَا: کو مطابقت کلام کے لیے مقدر مانا گیا۔

قوله: شَرْطٌ: معنی یہ مَن شرطیہ ہے موصولہ نہیں کیونکہ یہ مقولہ ہے۔

قوله: حَتّٰى: ابتدائیہ ہے جارہ نہیں اور نہ عاطفہ ہے۔

قوله: وَيَزِيْدُ اللّٰهُ: اس کا عطف مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ پر ہے۔

قوله: مَا يَرِدُّ اِلَيْهِ: اس میں اشارہ کیا مَرَدًّا ۝ ظرف ہے مصدر نہیں۔

قوله: اَعْلَمَهُ: اس سے اشارہ کیا ہے کہ اطلاع یہاں علم کے معنی میں ہے۔

قوله: لَا يُؤْتٰى: کہہ کر اشارہ کیا اَتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ کا ہمزہ انکار کے لیے ہے۔

قولہ: یَنفُوْنَھَا : اس سے اشارہ ہے کہ سَیَکْفُرُوْنَ میں کفر سے مراد یہاں نفی ہے۔
قولہ: اِیَّانَا : یہاں ضِدًّا کا معنی مددگار یا ذلت کا باعث ہے۔

تفسیر مقبولین

وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ۝

منکرین قیامت کی سوچ:

بعض منکرین قیامت قیامت کا آنا اپنے نزدیک محال سمجھتے تھے اور موت کے بعد جینا ان کے خیال میں ناممکن تھا وہ قیامت کا اور اس کے دن کی دوسری اور نئے سرے کی زندگی کا حال سن کر سخت تعجب کرتے تھے۔ جیسے قرآن کا فرمان ہے: وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُھُمْ ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ ۚ وَاُولٰٓئِکَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ ۚ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الرعد) یعنی اگر تجھے تعجب ہے تو ان کا یہ قول بھی تعجب سے خالی نہیں کہ یہ کیا ہم جب مر کر مٹی ہو جائیں گے پھر ہم نئی پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ سورۃ یاسین میں فرمایا کیا انسان اسے نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا، پھر ہم سے صاف صاف جھگڑا کرنے لگا اور ہم پر ہی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش کو بھلا کر کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو جو گل گئی ہیں کون زندہ کر دے گا؟ تو جواب دے کہ انہیں وہ خالق حقیقی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا وہ ہر ایک اور ہر طرح کی پیدائش سے پورا باخبر ہے۔ یہاں بھی کافروں کے اسی اعتراض کا ذکر ہے کہ ہم مر کر پھر زندہ ہو کر کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں؟ جواباً فرمایا جا رہا ہے کہ کیا اسے یہ بھی معلوم کہ وہ کچھ نہ تھا اور ہم نے اسے پیدا کر دیا۔ شروع پیدائش کا قائل اور دوسری پیدائش کا منکر؟ جب کچھ نہ تھا تب تو اللہ اسے کچھ کر دینے پر قادر تھا اور اب جب کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا کیا اللہ قادر نہیں کہ اسے پھر سے پیدا کر دے؟ پس ابتداء آفرنیش دلیل ہے دوبارہ کی پیدائش پر۔ جس نے ابتدا کی ہے وہی اعادہ کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے ہمیشہ آسان ہوا کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلا رہا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہ تھا مجھے ابن آدم ایذاء دے رہا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہیں اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے میری ابتدا کی اعادہ نہ کرے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ ابتدا بہ نسبت اعادہ کے مشکل ہوتی ہے اور اس کا مجھے ایذاء دینا یہ ہے کہ کہتا ہے میری اولاد ہے حالانکہ میں احد ہوں صمد ہوں نہ میرے ماں باپ نہ اولاد نہ میری جنس کا کوئی اور۔ مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان سب کو جمع کروں گا اور جن جن شیطانوں کی یہ لوگ میرے سوا عبادت کرتے تھے انہیں بھی میں جمع کروں گا پھر انہیں جہنم کے سامنے لاؤں گا جہاں گھٹنوں کے بل گرے پڑیں گے جیسے فرمان ہے: وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً ۫ کُلُّ اُمَّۃٍ تُدْعٰٓی اِلٰی کِتٰبِھَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الجاثیہ) ہر امت کو تو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی

ہوگی۔ایک قول یہ بھی ہے کہ قیام کی حالت میں ان کا حشر ہوگا۔ جب تمام اول آخر جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کرلیں گے اور ان کے رئیس وامیر اور بدیوں وبرائیوں کے پھیلانے والے ان کے پیشوا انہیں شرک وکفر کی تعلیم دینے والے انہیں اللہ کے گناہوں کی طرف مائل کرنے والے علیحدہ کرلئے جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے: حَتّٰی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف) جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے اگلوں کی بابت کہیں گے کہ اے اللہ انہی لوگوں نے ہمیں بہکا رکھا تھا تو انہیں دگنا عذاب کر الخ۔ پھر خبر کا خبر پر عطف ڈال کر فرماتا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ عذابوں کا اور دائمی عذابوں کا اور جہنم کی آگ کا سزاوار کون کون ہے؟ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ فرمائے گا: لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ (ایضا) ہر ایک لئے دوہرا عذاب ہے لیکن تم علم سے کورے ہو۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝

جہنم میں دخول یا ورود؟

مسند امام احمد بن حنبل کی ایک قریب حدیث میں ہے ابو سمیہ فرماتے ہیں جس ورود کا اس آیت میں ذکر ہے اس بارے میں اختلاف ہوا کوئی کہتا تھا مؤمن اس میں داخل نہ ہوں گے، کوئی کہتا تھا داخل تو ہوں گے لیکن پھر یہ سب اپنے تقویٰ کے نجات پا جائیں گے۔ میں نے حضرت جابرؓ سے مل کر اس بات کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وارد تو سب ہوں گے۔ اور روایت میں ہے کہ داخل تو سب ہوں گے ہر ایک نیک بھی اور ہر ایک بد بھی لیکن مؤمنوں پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ اس ٹھنڈک کی شکایت خود آگ کرنے لگے گی پھر ان متقی لوگوں کا وہاں سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے کہیں گے اللہ نے تو فرمایا تھا کہ ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے اور ہمارا ورود تو ہوا ہی نہیں تو ان سے فرمایا جائے گا کہ تم وہیں سے گزر کر تو آرہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت آگ کو ٹھنڈی کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ایک بار اپنی بیوی صاحبہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ رونے لگے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی رونے لگیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیوں روئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو روتا دیکھ کر۔ آپ نے فرمایا مجھے تو: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ (مریم) یاد آ گئی اور رونا آ گیا۔ مجھے کیا معلوم کہ میں نجات پاؤں گا کہ نہیں؟ اس وقت آپ بیمار تھے۔ حضرت ابو میسرہ رحمۃ اللہ علیہ جب رات کو اپنے بستر پر سونے کیلئے جاتے تو رونے لگتے اور زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آخر اس رونے دھونے کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا یہی آیت ہے۔ یہ تو ثابت ہے کہ وہاں جانا ہوگا اور یہ نہیں معلوم کہ نجات بھی ہوگی یا نہیں؟ ایک بزرگ شخص نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمیں جہنم پر سے گزرنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یقیناً معلوم ہے۔ پھر پوچھا کیا یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں سے پار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کوئی علم نہیں پھر فرمایا اور ہمارے لئے ہنسی خوشی کیسی؟ یہ سن کر اس وقت سے لے کر موت کی گھڑی تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی۔ نافع بن ارزق حضرت ابن

عباسؓ کا اس بارے میں اختلاف تھا کہ یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے تو آپ نے دلیل میں آیت قرآن: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۞ (الانبیا) پیش کر کے فرمایا دیکھو یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے یا نہیں؟ پھر آپ نے دوسری آیت تلاوت فرمائی: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۞ (ہود) اور فرمایا بتا ؤ فرعون اپنی قوم کو جہنم میں لے جائے گا یا نہیں؟ پس اب غور کرو کہ ہم اس میں داخل تو ضرور ہوں گے اب نکلیں گے بھی یا نہیں؟ غالبا تجھے تو اللہ نہ نکالے گا اس لئے کہ تو اس کا منکر ہے یہ سن کر نافع کھسیانہ ہو کر ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اس کی کنیت ابوراشد تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے سمجھاتے ہوئے آیت وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۞ بھی پڑھی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے بزرگ لوگوں کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ: اللھم اخرجنی من النار سالما وادخلنی الجنة غانما، اے اللہ مجھے جہنم سے صحیح سالم نکال لے اور جنت میں ہنسی خوشی پہنچا دے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابوداؤد طیالسی میں یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ظالم لوگ ہیں اسی طرح ہم اس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نیک بد سب وارد ہوں گے۔ دیکھو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اور گنہگاروں کے لئے بھی ورود کا لفظ دخول کے معنی میں خود قرآن کریم کی دو آیتوں میں وارد ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وارد تو سب ہوں گے پھر گزر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پل صراط سے سب کو گزرنا ہوگا یہی آگ کے پاس کھڑا ہونا ہے اب بعض تو بجلی کی طرح گزر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح، بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح، بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا گرتا پڑتا نجات پائے گا۔ پل صراط پھسلنی چیز ہے جس پر ببول جیسے اور گوکھرو جیسے کانٹے ہیں دونوں طرف فرشتوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں جہنم کے گرز ہوں گے جن سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو جہنم میں دھکیل دیں گے الخ۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا۔ پہلا گروہ تو بجلی کی طرح آن کی آن میں پار ہو جائے گا، دوسرا گروہ ہوا کی طرح جائے گا، تیسرا تیز رفتار گھوڑوں کی طرح، چوتھا تیز رفتار جانور کی طرح۔ فرشتے ہر طرف سے دعائیں کر رہے ہونگے کہ اے اللہ سلامت رکھ الٰہی بچا لے بخاری ومسلم کی بہت سی مرفوع احادیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جہنم اپنی پیٹھ پر تمام لوگوں کو جما لے گی۔ جب سب نیک و بد جمع ہو جائیں گے تو حکم باری ہوگا کہ اپنے والوں کو تو پکڑ لے اور جنتیوں کو چھوڑ دے۔ اب جہنم سب برے لوگوں کا نوالہ کر جائے گی۔ وہ برے لوگوں کو اس طرح جانتی پہچانتی ہے جس طرح تم اپنی اولاد کو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مؤمن صاف بچ جائیں گے۔ سنو جہنم کے داروغوں کے قد ایک سو سال کی راہ کے ہیں ان میں سے ہر ایک کے پاس گرز ہیں ایک مارتے ہیں تو سات لاکھ آدمیوں کا چورا ہو جاتا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے رب کی ذات پاک سے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ کے جہاد میں جو ایمان دار شریک تھے ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا یہ سن کر حضرت حفصہؓ نے کہا یہ کیسے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے، تو آپ نے اس کے بعد کی دوسری آیت پڑھ دی کہ متقی لوگ اس سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں رہ جائیں گے۔ بخاری ومسلم میں

ہے کہ جس کے تین بچے فوت ہوگئے ہوں اسے آگ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری ہونے کے طور پر۔اس سے مراد یہی آیت ہے۔ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی ؓ کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کے لئے رسول مقبول ﷺ ہمارے ساتھ تشریف لے چلے آپ نے فرمایا کہ جناب باری عزوجل کا فرمان ہے کہ یہ بخار بھی ایک آگ ہے میں اپنے مؤمن بندوں کو اس میں اس لئے مبتلا کرتا ہوں کہ یہ جہنم کی آگ کا بدلہ ہوجائے۔یہ حدیث غریب ہے۔حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا کہ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۃ قل ھو اللہ احد دس مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا ہے۔حضرت عمر ؓ نے کہا پھر تو ہم بہت سے محل بنالیں گے آپ نے جواب دیا اللہ کے پاس کوئی کمی نہیں وہ بہتر سے بہتر اور بہت سے بہت دینے والا ہے۔اور جو شخص اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں میں لکھ لے گا۔فی الواقع ان کا ساتھ بہترین ساتھیوں کا ساتھ ہے۔اور جو شخص کسی تنخواہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی خوشی کے لئے مسلمان لشکروں کی، ان کی پشت کی طرف سے حفاظت کرنے کے لئے پہرہ دے وہ اپنی آنکھ سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے۔اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی سات سو گنا زیادہ اجر رکھتا ہے اور روایت میں ہے سات ہزار گنا۔ابوداؤد میں ہے کہ نماز روزہ اور ذکر اللہ، اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا درجہ رکھتے ہیں۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس آیت سے گزرنا ہے۔عبدالرحمٰن کہتے ہیں مسلمان تو پل صراط سے گزر جائیں گے اور مشرک جہنم میں جائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا اس دن بہت سے مرد عورت اس پر سے پھسل جائیں گے۔پل صراط پر جانے کے بعد پرہیزگار تو پار ہوجائیں گے، ہاں کافر گنہگار اپنے اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے۔جیسے عمل ہوں گے اتنی دیر وہاں لگ جائے گی۔پھر نجات یافتہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ملائکہ شفاعت کریں گے اور انبیاء بھی۔پھر بہت سے لوگ تو جہنم میں سے اس حالت میں سے نکلیں گے کہ آگ انہیں کھا چکی ہوگی مگر چہرے کی سجدہ کی جگہ بچی ہوئی ہوگی۔پھر اپنے اپنے باقی ایمان کے حساب سے دوزخ سے نکالے جائیں گے۔جن کے دلوں میں بقدر دینار کے ایمان ہوگا وہ اول نکلیں گے، پھر اس سے کم والے، یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ایمان والے، پھر اس سے کم والے، پھر اس سے بھی کمی والے، پھر وہ جس نے اپنی پوری عمر میں لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا ہو گو کچھ بھی نیکی نہ کی ہو پھر تو جہنم میں وہی رہ جائیں گے جن پر ہمیشہ اور دوام لکھا جاچکا ہے۔یہ تمام خلاصہ ہے ان احادیث کا جو صحت کے ساتھ آچکی ہیں۔پس پل صراط پر جانے کے بعد نیک لوگ پار ہوجائیں گے اور بدلوگ کٹ کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾

کافروں کا سوال کہ دونوں میں مقام اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور ان کے سوال کا جواب:

رسول اللہ ﷺ پر جب آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو اپنے معانی کے اعتبار سے واضح ہیں اور جن کے معانی ظاہر ہیں تو انھیں سن کر ایمان لانے کے بجائے معاندین مزید سرکشی پر تل جاتے تھے اور جنھوں نے ایمان قبول کیا ان سے کہتے تھے کہ

دیکھو ایک فریق ہمارا ہے اور ایک فریق تمہارا ہے اب بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سا فریق مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اور مجلس کے اعتبار سے بہتر اور اچھا ہے؟ ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ دنیا میں اچھے حال میں ہیں اچھا کھاتے پیتے اور اچھا پہنتے ہیں ہماری مجلسیں بھی اچھی ہیں بن سنور کر خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہن کر مجلسوں میں جمع ہوتے ہیں اور تم لوگ ایسے ہو کہ نہ کھانے کو اور نہ پہننے کو، ان حالات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت بہتر ہے۔ ان کا کلام بظاہر ایک طرح کا سوال تھا لیکن حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان چونکہ دنیاوی اعتبار سے کمزور حالت میں ہیں اس لیے ان کے مقابلہ میں ہم اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔ یہ ان کی جاہلانہ بات تھی کیونکہ دنیا میں اچھے حال میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جو شخص صاحب مال و متاع ہو وہ اللہ کے نزدیک حق پر ہو اور اللہ کا مقبول بندہ ہو ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا۝ (اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی جو ساز و سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے) مطلب یہ ہے کہ تم نے ظاہری زینت اور ساز سامان کی ظاہری خوبی اور بہتری کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل بنا لیا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس سے پہلے بہت سی امتیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک فرما دیا دنیاوی نعمتیں اگر اللہ کے ہاں مقبول اور معزز ہونے کی دلیل ہوتیں تو وہ لوگ کیوں ہلاک کیے جاتے اور ان کے برعکس اہل ایمان کیوں نجات پاتے، عاد اور ثمود اور دوسری امتیں جو گزری ہیں ان کے احوال تم سے سنے ان کے کھنڈرات پر گزرتے ہو ان کے تباہی کے واقعات جانتے ہو پھر بھی الٹی دلیلیں دیتے ہو اور غلط باتیں کرتے ہو۔ سورۃ سبا میں فرمایا: (وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ) (اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے تکذیب کی تھی اور یہ تو اس سامان کے اعتبار سے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے انھوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا)۔

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے:

مال و اسباب پر فخر کرنے والوں کو اول تو یہ جواب دیا کہ ان سے پہلے کتنی جماعتیں گزر چکی ہیں جو ساز و سامان اور زیب و زینت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں انھیں ہلاک کر دیا گیا پھر ارشاد فرمایا: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ۬. اس میں یہ بتایا کہ گمراہی پر ہوتے ہوئے ساز و سامان نعمت نہیں ہے بلکہ یہ استدراج یعنی ڈھیل ہے اس ڈھیل کی وجہ سے اور زیادہ گمراہی میں ترقی کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب دنیوی کو یا موت کے وقت کی تکلیف کو تو اس وقت انھیں پتہ چل جائے گا کہ مؤمنین اور کافرین میں سے کون بدترین مرتبہ کو پہنچا اور جماعت کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور نکلا۔ لفظ شر مکانا، خیر مقاما کے جواب اور اَضْعَفُ جُنْدًا۝ . اَحْسَنُ نَدِيًّا کے جواب میں فرمایا کہ لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی مصیبت کے وقت کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور دنیا میں جتنے اہل مجلس تھے کوئی بھی کچھ نہ مدد کرے گا نہ کر سکے گا پھر فرمایا: وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ اس میں

ہدایت والوں کی فضیلت بیان فرمائی اہل کفر کفر پر جمے ہوئے ہونے کی وجہ سے عذاب آنے تک ڈھیل میں ہیں اور ہدایت پانے والے یعنی اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے انعام کے مستحق ہیں، انعام تو بہت ہیں ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دے گا اور ہدایت پر استقامت نصیب فرمائے گا اور چونکہ ایمان اچھے اعمال پر ابھارتا ہے اور اہل ایمان کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اس لیے آیت کے ختم پر یوں فرمایا: وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ یعنی اعمال صالحہ جو باقی رہنے والے ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی، کیونکہ ان کا انجام ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی نعمتیں ہیں اور جو دار النعیم یعنی جنت میں ملیں گی۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝

عیار مقروض اور حضرت خباب:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں لوہار تھا اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمے تھا میں اس سے تقاضا کرنے کو گیا تو اس نے کہا میں تو تیرا قرض اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک کہ تو حضرت محمد ﷺ کی تابعداری سے نہ نکل جائے میں نے کہا میں تو یہ کفر اس وقت تک بھی نہیں کر سکتا کہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو۔ اس کافر نے کہا بس تو پھر یہی رہی جب میں مرنے کے بعد زندہ ہوں گا تو ضرور مجھے میرا مال اور میری اولاد بھی ملے گی وہیں تیرا قرض بھی ادا کر دوں گا تو آ جانا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (بخاری مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مکے میں اس کی تلوار بنائی تھی اس کی اجرت میری ادھار تھی۔ اللہ فرماتا ہے کہ کیا اسے غیب کی خبر مل گئی؟ یا اس نے اللہ رحمان سے کوئی قول قرار لے لیا؟ اور روایت میں ہے کہ اس پر میرے بہت سے درہم بطور قرض کے چڑھ گئے اس لئے مجھے جو جواب دیا میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا اس پر یہ آیتیں آتری اور روایت میں ہے کہ کئی ایک مسلمانوں کا قرض اس کے ذمے تھا ان کے تقاضوں پر اس نے کہا کہ کیا تمہارے دین میں یہ نہیں کہ جنت میں سونا چاندی ریشم پھل پھول وغیرہ ہوں گے؟ ہم نے کہا ہاں ہے تو کہا بس تو یہ چیزیں مجھے ضرور ملیں گی میں وہیں تم سب کو دے دوں گا۔ پس یہ آیتیں فرداً تک اتریں۔ ولدا کی دوسری قراءت واؤ کے پیش سے بھی ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبر سے تو مفرد کے معنی میں ہے اور پیش سے جمع کے معنی میں ہے۔ قیس قبیلے کی یہی لغت ہے واللہ اعلم۔ اس مغرور کو جواب ملتا ہے کہ کیا اسے غیب پر اطلاع ہے؟ اسے آخرت کے اپنے انجام کی خبر ہے؟ جو یہ قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے؟ یا اس نے اللہ سے کوئی قول و قرار، عہد و پیمان لیا ہے یا اس نے اللہ کی توحید مان لی ہے کہ اس کی وجہ سے اسے دخول جنت کا یقین ہو؟ چنانچہ آیت: لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ (مریم) میں اللہ کی وحدانیت کے کلمے کا قائل ہو جانا ہی مراد لیا گیا ہے۔ پھر اس کے کلام کی تاکید کے ساتھ نفی کی جاتی ہے۔ اور اس کے خلاف موکد بیان ہو رہا ہے کہ اس کا یہ غرور کا کلمہ بھی ہمارے ہاں لکھا جا چکا ہے اس کا کفر بھی ملنا تو کجا اس کے برعکس دنیا کا مال و متاع اور اولاد و کنبہ بھی اس سے چھین لیا جائے گا اور وہ تن تنہا ہمارے حضور میں پیش ہوگا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں (و نرثہ ماعندہ) ہے۔ اس کی جمع جتھا اور اس کے عمل ہمارے قبضے میں ہیں۔ یہ تو خالی ہاتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ہمارے سامنے پیش ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ سَلَّطْنَاهُمْ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ تُهَيِّجُهُمْ اِلَى الْمَعَاصِيْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ط
بِطَلَبِ الْعَذَابِ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ الْاَيَّامَ وَاللَّيَالِيَ اَوِ الْاَنْفَاسَ عَدًّا ﴿۸۴﴾ اِلٰى وَقْتِ عَذَابِهِمْ اُذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُ
الْمُتَّقِيْنَ بِاِيْمَانِهِمْ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ جَمْعُ وَافِدٍ بِمَعْنٰى رَاكِبٍ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ بِكُفْرِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾
جَمْعُ وَارِدٍ بِمَعْنٰى مَاشٍ عَطْشَانٍ لَا يَمْلِكُوْنَ اَيِ النَّاسُ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ اَيْ
شَهَادَةَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَقَالُوْا اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ
بَنَاتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ اَيْ مُنْكَرًا عَظِيْمًا تَكَادُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ بِالنُّوْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ بِالْاِنْشِقَاقِ مِنْهُ مِنْ عِظَمِ هٰذَا الْقَوْلِ وَتَنْشَقُّ
الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَيْ تَنْطَبِقُ عَلَيْهِمْ مِنْ اَجْلِ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ قَالَ تَعَالٰى وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ
اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اَيْ مَا يَلِيْقُ بِهٖ ذٰلِكَ اِنْ اَيْ مَا كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ ذَلِيْلًا
خَاضِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْهُمْ عُزَيْرٌ وَعِيْسٰى لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مَبْلَغُ جَمِيْعِهِمْ وَلَا
وَاحِدٌ مِنْهُمْ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ بِلَا مَالٍ وَّلَا نَصِيْرٍ لَا يَمْنَعُهُ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فِيْمَا بَيْنَهُمْ يَتَوَادُّوْنَ وَيَتَحَابُّوْنَ وَيُحِبُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنَ
بِلِسَانِكَ الْعَرَبِيِّ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ الْجَنَّةَ بِالْاِيْمَانِ وَتُنْذِرَ تُخَوِّفَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ جَمْعُ اَلَدَّ اَيْ ذُوْ جَدَلٍ
بِالْبَاطِلِ وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَكَمْ اَيْ كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ط اَيْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِهِمُ
الرُّسُلَ هَلْ تُحِسُّ تَجِدُ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ صَوْتًا خَفِيًّا لَا فَكَمَا اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ نُهْلِكُ ع ۶
هٰؤُلَاءِ

ترجمہ: اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا..... کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے (یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے) کہ وہ ان کو ارتکاب معاصی پر ابھارتے رہتے ہیں خوب ابھارنا (یعنی معاصی پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ط..... سو آپ ان کے لیے جلدی (عذاب ہونے کی درخواست) نہ کیجئے بلاشبہ ہم خود ان کی مدت (یعنی انکی زندگی کے ایام وَاللَّيَالِيَ اَوِ الْاَنْفَاسَ مقررہ) کو شمار کر رہے ہیں کامل طور

پر (یعنی ان کے عذاب وہلاکت کے وقت تک) يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ یاد کیجئے اس دن کو جس روز ہم متقیوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے رحمن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور وفد جمع ہے وافد کی بمعنی راکب ہے اور مجرموں کو (ان کے کفر کی وجہ سے (دوزخ میں پیاسا ہانکیں گے (ورد جمع ہے وارد کی معنی ہیں پیاسا پیدل چلنے والا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا ..... وہاں لوگ سفارش کے مالک ومختار نہ ہوں گے بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمان کے پاس سے اجازت لے رکھی ہے عہد واجازت سے مراد لا الٰہ الا اللہ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی شہادت ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ اور یہ لوگ (یعنی یہود ونصاریٰ اور وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ اس میں شک نہیں کہ تم نے ایسی بھاری بات کی ہے (یعنی جرم عظیمہ کے مرتکب ہوئے ہو) کہ اس بھاری قول کے سبب آسمان پھٹ پڑیں (یتفطرن میں ایک قراءت ن کے ساتھ ینفطرن ہے اور ایک قراءت بجائے ن کے ت اور ط کی تشدید از باب تفعل یتفطرن ہے بمعنی انشقاق یعنی پھٹنے کے) اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں (یعنی ریزہ ریزہ ہو کر ان پر منطبق ہو جائیں۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (یعنی اولاد کا اختیار کرنا اللہ کے شایانِ شان نہیں جتنے کچھ بھی انسان، جن، فرشتے آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہونے والے ہیں (یعنی سب کے سب قیامت کے دن تابعدار سرنگوں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں اور انہیں میں سے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) سب کو شمار کر رکھا ہے (پس کوئی چیز ان کے اشخاص، افعال وانفاس میں سے کوئی معاملہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں سب اس کے علم میں) ہے اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والے ہیں (نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ کوئی مددگار کہ اس کو روک سکے) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ..... بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا (یعنی یہ لوگ آپ میں الفت ومحبت کا معاملہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو محبوب رکھے گا) سو ہم نے اس کو آپ کی زبان میں اس لیے آسان کر دیا (یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے) تاکہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں (جنت کی) اور اس کے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں (لدا جمع ہے الد کی بمعنی جھگڑا کرنے والی قوم اور وہ کفار مکہ ہیں) اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا (یعنی ہم پچھلی قوموں میں سے بہت کو رسولوں کی تکذیب کی سزا میں ہلاک کر چکے ہیں) سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ (یعنی ان کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہا۔ اسی طرح پر ہم انہیں بھی نیست ونابود کر دیں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: سَلَّطْنَاهُمْ: اشارہ کیا ارسال سے مراد یہاں غلبہ ودبدبہ ہے۔
قوله: وَفْدًا: اشارہ ہے وَفْدًا مصدر نہیں بلکہ جمع ہے۔
قوله: وِرْدًا: یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ وِرْدًا جمع ہے مصدر نہیں۔
قوله: عَهْدًا: اس سے مراد شہادت اسلام ہے یا عہد مجازاً اذن کے معنی میں ہو۔
قوله: يَتَفَطَّرْنَ: بار بار پھٹ جائیں۔
قوله: هَدًّا: تهد هدًا: ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔
قوله: مِنْ اَجَلِ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنْ دَعَوْا یہ محل نصب میں ہے اسلئے کہ یہ تَكَادُ کی حذف لام کے ساتھ علت ہے۔
قوله: اَیْ مَا یَلِیْقُ بِہٖ: یہ یَتَّخِذَ وَلَدًا کا معنی ہے۔
قوله: الْمُتَّقِيْنَ: سے مطلق مؤمن مراد ہیں۔
قوله: جَمْعُ اَلَدِّ: اشارہ کیا کہ اَلَدِّ یہ جمع ہے نہ کہ مصدر۔ جھگڑالو کو کہتے ہیں۔
قوله: صَوْتًا خَفِيًّا: یعنی رِكْزًا آہٹ کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا

اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منکرین حشر کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں ان کے انکار کا سبب فرمایا ہے کہ ان کے کفر کے سبب سے شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ ان کی عقل بالکل جاتی رہی ہے کیسی ہی موٹی اور ظاہر بات کیوں نہ ہو شیطان ان کو کسی بات کے سمجھنے کا موقع نہیں دیتا دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی عقل کا آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرتا ہے تو کوئی فائدہ اس کام کا ضرور سوچ لیتا ہے مکان کوئی بناتا ہے تو رہنے کے خیال سے کنواں کوئی کھدواتا ہے تو پانی پینے کے خیال سے اتنا بڑا، جہاں اللہ تعالیٰ جیسے صاحب حکمت نے کیا بے فائدہ پیدا کیا ہے کہ عمر بھر جو اللہ کی فرمانبرداری کرے اور دنیا بھی اس کی کچھ خوشحالی سے نہ گزرتی ہو اس کی مٹی بھی یونہی اکارت جائے نہ حشر ہو نہ قیامت نہ کبھی اس کی نیکی کی جزا کا موقع اس کو ملے اور جس شخص نے عمر بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو اور دنیا میں بھی مال سے اولاد سے وہ خوش رہا ہو اس کی مٹی بھی یونہی اکارت کبھی کوئی پرسش کا موقع ہی نہیں۔ خدا کی خدائی تو دنیا کے شروع سے اب تک قائم ہے دنیا کی چار دن کی سلطنت میں بھی کوئی اندھا دھن کرے کہ نیک و بد کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے تو چار دن بھی سلطنت نہ چل سکے غرض ایسی ایسی موٹی باتیں شیطان ان منکرین حشر کو سمجھنے نہیں دیتا لیکن اے رسول اللہ کے ایسے لوگوں پر عذاب کی جلدی نہ کرو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حال سے غافل نہیں ہے دن دن گھڑی گھڑی

ان کی عمر کی اس کے روبرو ہے جس دوزخ کا ان کو اب انکار ہے آنکھ بند ہوتے ہی جب اس دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے اور فرشتے ان کو قائل کریں گے کہیں گے: (ھذہ النار التی کنتم بھا تکذبون) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم لوگ دنیا میں جھٹلاتے تھے تو پھر قائل ہوجانے کے بعد ان کا یہ سب انکار نکل جائے گا اور یہی پکاریں گے کہ کاش ہم پھر دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں تا کہ نیک عمل کریں یہ بھی ذرا یاد رہے کہ دنیا میں ایسے مسلمان بھی ہیں کہ رات دن شیطان ان پر ایسا مسلط ہے کہ اگرچہ وہ کافروں کی طرح حشر و قیامت کا زبان سے صاف انکار تو نہیں کرتے مگر رات دن کے عمل ان کے ایسے ہیں کہ گویا آخرت کی سزا و جزا ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے ان کو بھی ذرا اس آیت کے مضمون سے عبرت پکڑنی چاہیے اور شیطان کو اپنا دشمن جانی گننا چاہیے دوست جانی گن کر رات دن اس کے کہنے میں نہ رہنا چاہیے کوئی گھڑی تو اپنے پیدا کرنے والے کا کہنا بھی مان لینا چاہیے یہ تو معلوم ہے کہ شیطان نے ان کو پیدا نہیں کیا پیدا کرنے والا تو اور ہی ہے اس سے بھی ذرا معاملہ اچھا رکھنا چاہیے جس حشر کے یہ لوگ منکر تھے آگے کی آیت میں اس کا ذکر فرمایا کہ اس دن شریعت کے پابند پرہیزگار لوگ قبروں سے اٹھ کر مہمانوں کی طرح سواریوں پر میدان محشر تک جائیں گے اور منکر شریعت لوگوں کو قیدیوں کی طرح دوزخ کی آگ گھیر کر میدان محشر تک لیجائے گی۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے جو روایت ہے اس میں ان دونوں گروہوں کا ذکر تفصیل سے ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۸۴ ج ۲ باب فناء الدنیا و بیان الحشر)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی مذمت اور ان کے قول کی شناعت:

مشرکین عرب کہتے تھے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے اور اب بھی اپنے دعویٰ پر قائم ہیں اور ان کے علاوہ دیگر مشرکین بھی اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آیات بالا میں اول تو ان لوگوں کا قول نقل فرمایا پھر اس کی تردید فرمائی اور ان کے قول کی قباحت اور شناعت کو پوری طرح واضح فرمایا اور ارشاد فرمایا: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ (بلاشبہ تم نے بہت سخت بات کہی ہے) یہ معمولی بات نہیں یہ تو ایسی بات ہے کہ قریب ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، اولاد ہونا اس کی عظمت و جلالت اور کبریائی کے خلاف ہے اسی کو فرمایا: وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ (اور رحمٰن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) وہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اسے کسی محافظ اور مددگار کی ضرورت نہیں، چونکہ خالق اور مخلوق ہم جنس نہیں اس لیے کوئی بھی اس کی اولاد نہیں ہوسکتا۔ ہر طرح کے شرک سے اس کی تنزیہ فرض ہے۔

جو چیز اس کی شان کے لائق نہیں اسے اس کے لیے تجویز کرنا اس کی ذات پاک کی طرف عیب منسوب کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے ایسا نہ کرنا تھا اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا دونوں میرے لیے برابر ہیں۔ (یعنی یہ بات نہیں ہے کہ پہلی بار پیدا کرنا میرے لیے آسان ہو اور دوسری بار پیدا کرنا مشکل ہو) اور ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ کے لیے اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی بناؤں یا اولاد بناؤں میں احد ہوں صمد ہوں ...

گیا اور میرا کوئی برابر نہیں۔ (رواہ البخاری) اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ناگوار بات سننے پر کوئی بھی اللہ سے بڑھ کر برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۳ از بخاری)

پھر فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے سب رحمٰن کے حضور میں بندہ بنے ہوئے حاضر ہوں گے۔ (سب اللہ کے بندے ہیں اور بندگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے اس کا بندہ ہونے سے کسی کو بھی انکار اور استنکاف نہ ہوگا جو سراپا بندہ ہو وہ کیونکر خالق جل مجدہ کی اولاد ہو سکتا ہے) لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ۝ ان تمام حاضر ہونے والوں کو اس نے اپنے علمی احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔ کوئی بھی بچ کر اور بھاگ کر اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتا یہ جو لوگ اس کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ قیامت کے دن بھاگ نکلیں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے ایسا ہرگز نہیں، اس کا علم اور قدرت سب کو محیط ہے اور سب اس کے شمار میں ہیں۔

وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ (اور ہر ایک اس کے پاس فرداً فرداً تنہا آئے گا) وہاں اپنا اپنا حساب دینا ہوگا اور اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا سزا پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝

اہل ایمان کا اکرام، قرآن مجید کی تیسیر، ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ:

پہلی آیت میں اہل ایمان کی ایک فضیلت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا فرما دے گا یعنی تمام فرشتے جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور تمام مؤمن بندے جو زمین پر رہتے اور بستے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور یہ اللہ کی محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرمائے گا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں پکار کر اعلان کر دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ (اس سے صالحین مراد ہیں اگر کافر و فاسق صالحین سے محبت نہ کریں تو اہل ایمان ان سے بے نیاز ہیں) پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو لہٰذا جبریل بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں ندا دے دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص مبغوض ہے لہٰذا تم اس سے بغض رکھو اس پر آسمان والے اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں بغض ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۱ ج ۲) مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ میں یہی بات بتائی ہے کہ رحمٰن جل شانہ لوگوں کے دلوں میں صالحین کی محبت ڈال دیتا ہے نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کے دلوں میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور رزق عطا

فرمائے گا اور حسن اخلاق اور حسن اعمال اور اچھا تذکرہ نصیب فرمائے گا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہ طے کیا کہ میں ایسی عبادت کروں گا جس کا چرچہ ہوگا وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا تھا اور سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں نکلتا سات مہینے اسی طرح گزر گئے لیکن حال یہ تھا کہ جب کبھی لوگوں پر گزرتا تو لوگ کہتے کہ دیکھو یہ ریاکار جا رہا ہے جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے نفس سے کہا کہ دیکھ اس طرح سے تو تیری شہرت برائی سے ہی ہو رہی ہے اب نیت کو پلٹنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہونی چاہیے جب اس نے نیت پلٹ دی اور عبادت میں اسی طرح لگا رہا تو جدھر جاتا لوگ کہتے تھے کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو، حضرت حسن نے یہ واقعہ نقل کر کے آیت بالا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... تلاوت فرمائی، حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ اچھا یا برا کوئی بھی عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر ضرور پہنا دیتا ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۴۰ ج ۳) مطلب یہ ہے کہ اصحاب خیر کی خیر کے ساتھ شہرت ہوگی اور اصحاب شر کا شر کے ساتھ تذکرہ ہوگا۔ جن حضرات نے اللہ کے لیے عمل کیا اور اللہ ہی کے لیے محنتیں کیں سینکڑوں سال گزر جانے پر بھی آج تک مؤمنین کے دلوں میں ان کی محبت ہے اور ان کے اچھے کارناموں کا تذکرہ ہے ان کے برخلاف جو لوگ دنیا دار صاحب اقتدار تھے لیکن پرہیزگار نہ تھے اور جو لوگ مالدار تھے اعمال صالحہ سے خالی تھے ان لوگوں کو عموماً برائی سے یاد کیا جاتا ہے مؤمن بندوں کو چاہیے کہ صرف اللہ ہی کے لیے عمل کریں، تذکرہ خیر ہی سے ہوگا اہل ایمان اس سے محبت کریں گے جو طالب دنیا ہوا وہ تو خسران عظیم میں چلا گیا۔

پھر فرمایا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۝ (سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں)۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان تھی آپ نے کسی سے پڑھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کے لیے آسان فرما دیا اور آپ کی امت کے لیے بھی آسان کر دیا عربی اور عجمی چھوٹے بڑے سبھی پڑھتے ہیں اور اس کے مضامین سمجھتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس کے ذریعہ متقین کو یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کو بشارت دیتے رہے اور جھگڑالو قوم کو ڈراتے رہے۔

لُدًّا جمع ہے الد کی جس کا معنی جھگڑالو کا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے قوم قریش مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا: معناه قوم لدا لا يستقيمون یعنی وہ کجی اختیار کرنے والے جو ٹھیک راہ پر نہیں آتے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو دلوں کے کانوں سے بہرے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۴۰ ج ۳)

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۝

مطلب یہ ہے کہ تکذیب کرنے والی بہت سی امتیں اور جماعت گزر چکی ہیں جو اپنی نافرمانی کی پاداش میں ہلاک کی گئیں آج ان کی کوئی بات سننے میں نہیں آتی وہ کہاں ہیں دنیا میں کیسی کیسی بولیاں بولا کرتے تھے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے ہر طرح کی بولتی بند ہوگئی اب نہ کہیں ان کی آواز ہے اور نہ کہیں آہٹ ہے قرآن کی تکذیب کرنے والوں کو ان ہلاک شدہ اقوام سے سبق لینا چاہیے۔

سُوْرَةُ طٰهٰ

سُوْرَةُ طٰهٰ ۲۰ مَكِّيَّةٌ ۴۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۳۵ | رُكُوْعَاتُهَا ۸

سورۂ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　اس میں ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں

طٰهٰ ۝ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ يَامُحَمَّدُ لِتَشْقٰٓى ۝ لِتَتْعَبَ بِمَا فَعَلْتَ بَعْدَ نُزُوْلِهٖ مِنْ طُوْلِ قِيَامِكَ بِصَلٰوةِ اللَّيْلِ اَىْ خَفِّفْ عَنْ نَفْسِكَ اِلَّا لٰكِنْ اَنْزَلْنَاهُ تَذْكِرَةً بِهٖ لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ يَخَافُ اللّٰهَ تَنْزِيْلًا بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ النَّاصِبِ لَهٗ مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ جَمْعُ عُلْيَا كَكُبْرٰى وَكُبَرٍ هُوَ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ وَهُوَ فِى اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ اسْتَوٰى ۝ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ هُوَ التُّرَابُ النَّدِىُّ وَالْمُرَادُ الْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ لِاَنَّهَا تَحْتَهٗ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فِىْ ذِكْرٍ اَوْ دُعَاءٍ فَاللّٰهُ غَنِىٌّ عَنِ الْجَهْرِ بِهٖ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ مِنْهُ اَىْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ النَّفْسُ وَمَا خَطَرَ وَلَمْ تُحَدِّثْ بِهٖ فَلَا تَجْهَدْ نَفْسَكَ بِالْجَهْرِ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ اَلتِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ وَهَلْ قَدْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهٖ لِاِمْرَاَتِهٖ امْكُثُوْٓا هُنَا وَذٰلِكَ فِى مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ طَالِبًا مِصْرَ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ اَبْصَرْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ شُعْلَةٍ فِىْ رَاْسِ فَتِيْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ اَىْ هَادِيًا يَدُلُّنِىْ عَلَى الطَّرِيْقِ وَكَانَ اَخْطَاَهَا لِظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَقَالَ لَعَلَّ لِعَدَمِ الْجَزْمِ بِوَفَاءِ الْوَعْدِ فَلَمَّآ اَتٰىهَا وَهِىَ شَجَرَةُ عَوْسَجٍ نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّىْ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ بِتَاوِيْلِ نُوْدِىَ بِقِيْلَ وَبِفَتْحِهَا بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ اَنَا تَوْكِيْدٌ لِيَاءِ الْمُتَكَلِّمِ رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ الْمُطَهَّرِ اَوِ الْمُبَارَكِ طُوًى ۝ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ بِالتَّنْوِيْنِ وَتَرْكِهٖ مَصْرُوْفٌ بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ

وَغَيْرَ مَصْرُوْفٍ لِلتَّانِيْثِ بِاعْتِبَارِ الْبُقْعَةِ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ مِنْ قَوْمِكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِلَيْكَ مِنِّيْ
اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ فِيْهَا اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا عَنِ النَّاسِ وَيَظْهَرُ
لَهُمْ قُرْبُهَا بِعَلَامَاتِهَا لِتُجْزٰى فِيْهَا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝ بِهٖ مِنْ خَيْرٍ وَّ شَرٍّ فَلَا يَصُدَّنَّكَ يَصْرِفَنَّكَ عَنْهَا
اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فِيْ اِنْكَارِهَا فَتَرْدٰى ۝ فَتَهْلِكَ اِنِ انْصَدَدْتَ عَنْهَا وَمَا
تِلْكَ كَائِنَةٌ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ اَلْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ لِيُرَتِّبَ عَلَيْهِ الْمُعْجِزَةَ فِيْهَا قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا
اَعْتَمِدُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْوُثُوْبِ وَالْمَشْيِ وَاَهُشُّ اَخْبِطُ وَرَقَ الشَّجَرِ بِهَا لِيَسْقُطَ عَلٰى غَنَمِيْ فَتَاْكُلَهٗ وَلِيَ فِيْهَا
مَاٰرِبُ جَمْعُ مَارِبَةٍ مُثَلَّثُ الرَّاءِ اَيْ حَوَائِجُ اُخْرٰى ۝ كَحَمْلِ الزَّادِ وَالسِّقَاءِ وَطَرْدِ الْهَوَامِ زَادَ فِي الْجَوَابِ
بَيَانَ حَاجَاتِهٖ بِهَا قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ ثُعْبَانٌ عَظِيْمٌ تَسْعٰى ۝ تَمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهَا سَرِيْعًا
كَسُرْعَةِ الثُّعْبَانِ الصَّغِيْرِ الْمُسَمّٰى بِالْجَانِّ الْمُعَبَّرِ بِهٖ عَنْهَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ مِنْهَا سَنُعِيْدُهَا
سِيْرَتَهَا مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَيْ اِلٰى حَالَتِهَا الْاُوْلٰى ۝ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْ فَمِهَا فَعَادَتْ عَصًا وَتَبَيَّنَ اَنَّ
مَوْضِعَ الْاِدْخَالِ مَوْضِعُ مَسْكِهَا بَيْنَ شُعْبَتَيْهَا وَاُرِيَ ذٰلِكَ السَّيِّدُ مُوْسٰى لِئَلَّا يَجْزَعَ اِذَا انْقَلَبَتْ حَيَّةً
لَدٰى فِرْعَوْنَ وَاضْمُمْ يَدَكَ الْيُمْنٰى بِمَعْنَى الْكَفِّ اِلٰى جَنَاحِكَ اَيْ جَنْبِكَ الْاَيْسَرِ تَحْتَ الْعَضُدِ اِلَى الْاِبْطِ
وَاَخْرِجْهَا تَخْرُجْ خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اَيْ بَرَصٍ تُضِيْءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ
تَغْشَى الْبَصَرَ اٰيَةً اُخْرٰى ۝ وَهِيَ وَبَيْضَاءَ حَالَانِ مِنْ ضَمِيْرِ تَخْرُجُ لِنُرِيَكَ بِهَا اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ لِاِظْهَارِهَا
مِنْ اٰيٰتِنَا الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ اَيِ الْعُظْمٰى عَلٰى رِسَالَتِكَ وَاِذَا اَرَادَ عَوْدَهَا اِلٰى حَالَتِهَا الْاُوْلٰى ضَمَّهَا اِلٰى
ع ۲۴ ۱۰ جَنَاحِهٖ كَمَا تَقَدَّمَ وَاَخْرِجْهَا اِذْهَبْ رَسُوْلًا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَنْ مَعَهٗ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ جَاوَزَ الْحَدَّ فِيْ كُفْرِهٖ اِلَى
اِدِّعَاءِ الْاِلٰهِيَّةِ

ترجمہ: طٰهٰ ۝ (اس کے معنی ومراد تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) (مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ ..... (اے محمدؐ) ہم نے آپ پر قرآن
اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں (یعنی اس قرآن کے نازل ہونے کے بعد آپ رات کی نماز میں طول قیام کی وجہ
جو آپ مشقت وتکلیف اٹھاتے ہیں اپنی ذات سے تخفیف کیجئے۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ۔لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس

شخص کی نصیحت کے لیے نازل کیا ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے یہ قرآن اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا تَنْزِيْلًا تلفظ اور نطق میں اپنے فعل مقدر کا عوض و بدل ہے جو اسے نصب دے رہا ہے۔ علی علیا کی جمع ہے (اور علیا اعلیٰ کا مؤنث ہے) جیسے کبریٰ اکبر کا مؤنث ہے اور اسکی جمع کبر ہے) (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے، عرش کے معنی لغت میں تخت شاہی کے ہیں) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ..... اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو چیزیں (مخلوقات میں سے) ان دونوں کے درمیان میں ہیں (یعنی آسمان سے نیچے اور زمین سے اوپر) اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے (ثری وہ تر مٹی ہے اور مراد زمین کے ساتوں طبقات ہیں کیونکہ وہ سب تحت الثریٰ ہیں۔ اگر تو کوئی بات پکار کر کہے (کسی ذکر و اذکار میں یا دعا میں تو اللہ تعالیٰ اپنے سننے میں جہر سے بے نیاز ہے وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ خفی بات کو جانتا ہے (یعنی وہ تو ایسی پوشیدہ بات کو سنتا ہے جو ابھی دل میں پیدا ہوا اور خیال گزرا اور ابھی کسی سے بیان نہیں کیا اس لیے آپ جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالئے) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کا مستحق نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں (یعنی وہ ننانوے نام جو احادیث میں آئے ہیں اور حسنیٰ احسن کا مؤنث ہے۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ اے موسیٰ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے (استفہام تقریری ہے تا کہ اس پر معجزہ کا ترتب ہو۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ ..... موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے میں (کبھی) اس پر سہارا لگاتا ہوں (یعنی اٹھنے اور چلنے کے وقت) اور (کبھی) اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں (یعنی میں اس لاٹھی سے درخت کے پتوں پر مارتا ہوں تا کہ بکریوں کیلئے پتے گریں اور بکریاں اسے کھائیں) اور (اس کے علاوہ) اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں مارب، ماربۃ کی جمع ہے اور را پر تینوں اعراب آ سکتے ہیں بمعنی حوائج ضروریات (مثلاً توشہ اور پانی اٹھانا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا، موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں لکڑی سے پوری ہونے والی ضروریات کا ذکر طویل کر دیا) قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ اللہ نے فرمایا اے موسیٰ اس (عصا) کو (زمین پر) ڈال دو تو انہوں نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا تو یکا یک وہ لاٹھی (خدا کی قدرت سے) ایک سانپ ہے (بڑا اژدھا ہے) جو دوڑ رہا ہے (یعنی اپنے پیٹ کے بل تیز چل رہا ہے مثل تیز چلنے چھوٹے سانپ کے جس کا نام جان دوسری آیت میں ذکر کیا گیا ہے "کانھا جان") قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ اللہ نے فرمایا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں (اس سے) ہم ابھی (پکڑتے ہی) اس کو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے (سیرتھا منصوب بنزع الخافض ہے ای الی حالتہا یعنی سیرت کے معنی حالت کے ہیں تو عبارت ہوگی الی سیرتھا، الی حرف جار کو حذف کر کے منصوب کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے حکم پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں داخل کیا تو وہ سانپ اپنی حالت میں لاٹھی بن گیا اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ اس وجہ سے دکھایا گیا تا کہ جب یہ لاٹھی فرعون کے پاس سانپ بنے تو گھبرائیں نہیں۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ ..... اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو ید سے مراد اپنے ہاتھ کی ہتھیلی (یعنی اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے بائیں بازو کے بغل میں دبا لو پھر نکالو) بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرض برص وغیرہ) (نہایت) روشن ہو کر نکلے گا (اس گندم گونی رنگ کے خلاف جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اَیْ بَرَصٍ یعنی بغیر برص کے شعاع سورج کی طرح آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والی روشنی ہوگی اور یہ دوسری نشانی ہوگی (اور آیۃ اخریٰ اور بیضاء دونوں

حال ہیں تخریج کی ضمیر سے) لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں (یعنی جب تم اپنی رسالت پر اظہار معجزہ کرنا چاہو تو ہم بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں گے اور جب اس ید بیضاء کو اپنی پہلی حالت میں یعنی اصلی حالت پر لوٹانے کا ارادہ ہو تو اس ہاتھ کو اپنی بغل میں لے جاؤ پھر نکال لو) اب فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی کی کہ وہ اپنے کفر میں بہت حد سے نکل گیا ہے یہاں تک کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لِتَتْعَبَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ لِتَشْقٰى ۝ - مشقة سے ہے، شقاوت سے نہیں۔

قوله: لٰكِنْ: اس سے اشارہ ہے کہ اِلَّا یہاں مستثنیٰ منقطع کے لیے آیا ہے۔ بعد و الا بدل نہیں ہے۔

قوله: بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ: اس سے اشارہ کہ تذکرہ معنوی اعتبار سے اَنْزَلْنَا کا منعول ہے۔ اس سے پہلے نزل فعل مقدر ہے اور مجموعہ، مجموعہ سے بدل ہے۔

قوله: جَمْعُ عُلْيَا: اشارہ کیا کہ الْعُلٰى ۝ یہ جمع ہے۔

قوله: هُوَ الرَّحْمٰنُ: اَلرَّحْمٰنُ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے صفت نہیں کیونکہ معرف باللام بڑا معرفہ ہے۔

قوله: فَاللهُ غَنِيٌّ: اس سے اشارہ ہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہے۔ مذکور اس کی دلیل ہے جو اس کے قائم مقام ہے۔

قوله: الْحُسْنٰى: یہ احسن کی مونث ہے جو کہ اسم تفصیل ہے۔

قوله: قَد: یہاں فعل وہ قد کے معنی میں ہے استفہام کے لیے نہیں۔

قوله: اَبْصَرْتُ: اس سے اشارہ کیا اٰنَسْتُ یہاں رأی کے معنی میں ہے نہ کہ ایناس کے معنی میں۔

قوله: شُعْلَةٍ: اس سے اشارہ ہے قبس کا معنی لچکدار شعلہ ہے نہ کہ کوئلہ۔

قوله: عَلَى النَّارِ: یہاں استعلاء معنی یہ ہے کہ آگ والے اس پر نگران تھے۔

قوله: هُدًى ۝: یہ هاديًا کے معنی میں ہے۔

قوله: تَوْكِيْدٌ: اَنَا سے تاکید کی تاکہ شیطانی وساوس کو دور کر دیا جائے۔

قوله: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ: یہ حکم اس لیے دیا کیونکہ ننگے پاؤں چلنا تواضع و ادب ہے۔

قوله: بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ: طُوًى یہ بدل یا عطف بیان ہے صفت نہیں ہے۔

قوله: اِنَّنِيْ: یہ مَا يُوْحٰى ۝ کا بدل ہے۔

قوله: لِذِكْرِيْ ۝: نماز کو ذکر سے تعبیر کیا کیونکہ قیام نماز کی علت معبود کی یاد ہے۔ فِيهَا ساتھ لا کر اشارہ کیا لِذِكْرِيْ ۝ سے اللہ کا ذکر مراد ہے۔

قوله: اُخْفِيْهَا: یعنی میں نے اس کے وقت کو مخلوق سے چھپا دیا اور وہ کر دیا۔

قوله: :اس کا تعلق آتیہ سے ہے۔

قوله: عَنِ النَّاسِ :السَّاعَةَ سے متعلق ضمیر عائد محذوف ہے۔

قوله: كَائِنَةٌ: بِيَمِيْنِكَ یہ جار مجرور تِلْكَ کے معنی سے حال ہے۔ یہ تِلْكَ کا صلہ نہیں۔

قوله: اَخْبِطُ :لاٹھی سے درخت کے پتے گرانا، جھاڑنا۔

قوله: الثُّعْبَانِ: ابتدائی حالت کے لحاظ سے اسے الْجَانِّ فرمایا انتہاء کے لحاظ سے الثُّعْبَانِ (اژدھا) فرمایا اور دونوں کے لحاظ سے حَيَّةٌ فرمایا۔

قوله: بِنَزْعِ الْخَافِضِ: سِيْرَتَهَا کو نزع خافض سے منصوب پڑھا ہمزہ بڑھ گیا تو متعدی ہو۔

قوله: حَالَانِ: حمی اور بیضا یہ دونوں حال ہیں۔ خذ اور اضمم کے مفعول نہیں۔

قوله: مِنْ اٰيٰتِنَا: یہ لِنُرِيَكَ کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله: الاية الْكُبْرٰى: آیت کو مقدر مانا تاکہ موصوف صفت برابر ہو جائیں۔

قوله: رَسُوْلًا : یہ قید بڑھائی کیونکہ مطلقاً جانے میں معجزات کی چنداں حاجت نہ تھی۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا دوسرا نام سورۂ کلیم بھی ہے۔ (کما ذکر السخاوی) وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مفصل مذکور ہے۔

مسند دارمی میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کرنے سے بھی دو ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ و یٰسین پڑھی (یعنی فرشتوں کو سنائی) تو فرشتوں نے کہا کہ بڑی خوش نصیب اور مبارک ہے وہ امت جس پر یہ سورتیں نازل ہوں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جو ان کو حفظ رکھیں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو ان کو پڑھیں گی، یہی وہ مبارک سورت ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا تہیہ کر کے نکلنے والے عمر بن خطاب کو ایمان قبول کرنے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں گرنے پر مجبور کر دیا جس کا واقعہ کتب سیرت میں معروف ومشہور ہے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝

آسمان اور زمین پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے:

یہاں سے سورۃ طٰہٰ کی ابتدا ہو رہی ہے لفظ طٰہٰ، الم اور دیگر حروف مقطعات کی طرح متشابہات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۱ نے مفسر کلبی سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر

وحی نازل ہوئی تو آپ نے محنت اور مشقت کے ساتھ بہت زیادہ عبادت گزاری شروع فرمائی طویل قیام کی وجہ سے کبھی داہنے پاؤں پر اور کبھی بائیں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے اور ساری رات نماز پڑھتے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ خوب زیادہ عبادت کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ اے محمد! یہ قرآن جو تم پر نازل ہوا ہے یہ تمہیں مشقت میں ڈالنے ہی کے لیے اترا ہے اس پر آیت کریمہ: مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ نازل ہوئی یعنی ہم نے قرآن کو آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ آیت بالا کی تفسیر میں ایک دوسری وجہ بھی بعض مفسرین نے اختیار کی ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ منکرین جو سرکشی کرتے ہیں اور تکذیب میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں آپ کو اس پر قلق اور رنج نہ ہونا چاہیے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ مصیبت میں پڑیں اور تکلیف اٹھائیں آپ کے ذمہ تبلیغ ہے جب آپ نے اس فریضہ کو انجام دے دیا اور برابر انجام دے رہے ہیں تو آپ کو اس فکر میں پڑنے اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے اس تفسیر کی بناء پر آیت شریفہ کا مضمون سورۂ کہف کی آیت کریمہ: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ کے موافق ہو جائے گا۔ (ذکرہ صاحب الروح ج ۱۶ ص ۱۴۹)

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ....

استواء علی العرش کے متعلق صحیح بے غبار وہی بات ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ متشابہات میں سے ہے۔ عقیدہ اتنا رکھنا ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہوگی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔

مَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ ثریٰ، نمناک گیلی مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کھودنے کے وقت نکلتی ہے مخلوقات کا علم تو صرف ثریٰ تک ختم ہو جاتا ہے، آگے اس ثریٰ کے نیچے کیا ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس نئی تحقیق و ریسرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما کر ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے کی کوشش سے مدتوں تک جاری رہی۔ ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آ چکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات جدیدہ کام کر سکے، آگے ایک ایسا غلاف حجری ثابت ہوا جہاں کھودنے کے سارے آلات اور سائنس جدیدہ کے سب افکار عاجز ہو گئے یہ صرف چھ میل تک کا علم انسان حاصل کر سکا ہے جبکہ زمین کا قطر ہزاروں میل کا ہے اس لئے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ ماتحت الثریٰ کا علم حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝

پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے، وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے، اور جو دل میں گزرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو، حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ اسی لیے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علماء شریعت

نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر با آواز بلند منقول ہے یا بعض مصالح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے، وہ عموم نہی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

(ربط) اوپر کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا بیان تھا اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کر دے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آں حضرت ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ ﷺ بھی ان کی طرح صبر کیجیے بالآخر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح ان متکبرین کی ظاہری شان و شوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے نبی ﷺ بھلا آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے سختیوں پر صبر کیا۔ آپ ﷺ بھی تحمل شدائد میں ان کی اقتداء کیجیے۔ کیونکہ توریت میں آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کے مانند کہا گیا ہے جس کو علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ "میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جا بجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند کہا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی، راستہ بھول گئے۔ اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفور یا یا صفورہ تھا یا گھر والوں سے کہا، شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں، شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا اتہ پتہ یعنی شاید وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتلا دے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی صفورا دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے۔ جاڑوں کا موسم اور رات کا وقت تھا۔ بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا

پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یکایک دور سے ایک آگ نظر آئی۔ حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الٰہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا۔ اس لیے نور الٰہی بصورت نار متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الٰہی کو نار سمجھے اس لیے نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقۃً آگ تھی اور بارگاہ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ من جملہ حجابات خداوندی۔ اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھا لے تو اس بے چون وچگون وجہ (منہ) کے سبحات جلال یعنی انوار وتجلیات جہاں تک پہنچیں سب کو جلا کر بھسم کر دیں۔

(رواہ مسلم)

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو بلفظ اُمْكُثُوٓا بصیغہ جمع مذکر خطاب کرنا بطریق تکریم تھا۔ جیسے: رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت میں بصیغہ جمع مذکر خطاب تکریم ہے اور جیسے: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا میں ازواج مطہرات کو بصیغہ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ آواز دی گئی اے موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے: نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک وادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلاتشبیہ وتمثیل ایک غیبی ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وہب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی یموسٰی اے موسیٰ علیہ السلام تو فوراً لبیک کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ اے پکارنے والے میں آواز سنتا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے۔ پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا اور یقین کر لیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بدن نے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہو سکتی ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۳ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۶)

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے جس کا نام طویٰ ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا۔ اس حکم کا منشا بھی

وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ و مقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہوتا کہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے۔ جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بشیر بن خصاصیہؓ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا کنت فی مثل ھٰذا المکان فاخلع نعلیک قال نخلعتھا (اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیے۔)

حضرت علیؓ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینا چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۱۷۳ ج ۱۱ دیکھیں۔

عطائے خلعت نبوت و رسالت:

یہ ابتداءِ وحی اور آغاز تکلیم خداوندی کا بیان تھا۔ اب آگے خلعت نبوت و رسالت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿اِنِّیْ اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ﴾ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میں نے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چھانٹ لیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اول موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرما دیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اسوقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ پس اے موسیٰ خوب غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جائے اس کے سننے کے لیے ہمہ تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم و دائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا، اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ موت "قیامت صغریٰ" ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جدوجہد کا معاوضہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزا و سزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تا کہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کر لیں مگر اس کا وقت کسی کو نہیں بتلایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہو جائے گا تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت توبہ کر لوں گا اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ توبہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہو جائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہو جائے گا تو توبہ کیسے کرے گا؟

پس تم قیامت کے لیے تیار رہو۔ مبادا تم کو قیامت کی تصدیق سے یا اس کے مراقبہ یا اس کی تیاری سے یا اس کے فکر سے وہ شخص باز نہ رکھے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کا پیرو بن گیا ہے۔ جدھر اس کی نفسانی خواہش اس کو

لے جاتی ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس مبادا اس شخص کی طرح تو بھی ہلاک ہو جائے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر مقصود سنانا اوروں کو ہے۔ یعنی ان کی راحت مراد ہے کہ قیامت سے غفلت اور بے فکری کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

نکتہ: اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا: اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا. اس لیے بندوں پر اول واجب اور اول فرض اللہ کی معرفت اور اس کی توحید ہے۔ پھر اس کے بعد عبادت کا حکم دیا۔ فَاعْبُدْنِیْ فرمایا اس لیے کہ فاتعقیبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ میں حکم دیا۔ اس کے بعد اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ میں ایمان بالآخرة کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں معاد کا ذکر فرمایا۔ آخرت کی تیاری کا حکم فرمایا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی۔ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلا دیا کہ شہوات نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ اشارہ اس طرف ہے کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى ۝

بارگاہ رب العالمین کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کرنا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا چیز ہے موسیٰ علیہ السلام پر لطف و کرم اور خاص مہربانی کا آغاز ہے تا کہ حیرت انگیز مناظر کے دیکھنے اور کلام ربانی کے سننے سے جو ہیبت اور دہشت ان پر طاری تھی وہ دور ہو جائے یہ ایک دوستانہ انداز کا خطاب ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے کہ آگے اس عصا کو جوان کے ہاتھ میں تھی ایک سانپ اور اژدھا بنانا تھا۔ اس لئے پہلے ان کو متنبہ کر دیا کہ دیکھ لو تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے جب انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ لکڑی کا عصا ہے تب ان کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ میں رات کے اندھیرے میں شاید لاٹھی کی جگہ سانپ ہی پکڑ لایا ہوں۔

قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال صرف اتنا ہوا تھا کہ ہاتھ میں کیا چیز ہے اس کا اتنا جواب کافی تھا کہ لاٹھی ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ تین باتیں اصل سوال کے جواب سے زیادہ عرض کیں اول یہ کہ یہ عصا میری ہے، دوسرے یہ کہ میں اس سے بہت سے کام لیتا ہوں ایک یہ کہ اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں دوسرے یہ کہ اس سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں تیسرے یہ کہ اس سے اور بھی میرے بہت سے کام نکلتے ہیں، اس طویل اور تفصیلی جواب میں عشق و محبت اور اس کے ساتھ رعایت ادب کی جامعیت کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر متوجہ ہے تو بات دراز کی جائے تا کہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے مگر ساتھ ہی ساتھ ادب کا مقتضا یہ بھی ہے کہ بہت بے تکلف ہو کر کلام زیادہ طویل بھی نہ ہو۔ اس دوسرے مقتضا پر یہ عمل کرنے کے لئے اخیر میں اختصار کر دیا کہ: وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ یعنی میں اس سے اور بھی بہت سے کام لیا کرتا ہوں اور ان کاموں کی تفصیل بیان نہیں کی۔ (روح و مظہری)

تفسیر قرطبی میں اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ضرورت اور مصلحت سے ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ جو بات سوال میں نہ پوچھی گئی ہو اس کو بھی جواب میں بیان کر دیا جائے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں عصا رکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی سنت تھی اور اس میں بے شمار دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ (قرطبی)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَسِّعْهُ لِتَحَمُّلِ الرِّسَالَةِ وَيَسِّرْ سَهِّلْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ لِاُبَلِّغَهَا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ حَدَثَتْ مِنْ اِحْتِرَاقِهٖ بِجَمْرَةٍ وَضَعَهَا وَهُوَ صَغِيْرٌ بِفِيْهِ يَفْقَهُوْا يَفْهَمُوْا قَوْلِيْ ۝ عِنْدَ تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مُعِيْنًا عَلَيْهَا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَخِي ۝ عَطْفُ بَيَانٍ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝ ظَهْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝ اَيِ الرِّسَالَةِ وَالْفِعْلَانِ بِصِيْغَتَيِ الْاَمْرِ اَوِ الْمُضَارِعُ الْمَجْزُوْمُ وَهُوَ جَوَابُ لِلطَّلَبِ كَيْ نُسَبِّحَكَ تَسْبِيْحًا كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ عَالِمًا فَاَنْعَمْتَ بِالرِّسَالَةِ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ مَنًّا عَلَيْكَ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ لِلتَّعْلِيْلِ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَنَامًا اَوْ اِلْهَامًا لِمَا وَلَدَتْكَ وَخَافَتْ اَنْ يَّقْتُلَكَ فِرْعَوْنُ فِيْ جُمْلَةِ مَنْ يُّوْلَدُ مَا يُوْحٰٓى ۝ فِيْ اَمْرِكَ وَيُبْدَلُ مِنْهُ اَنِ اقْذِفِيْهِ اَلْقِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ بِالتَّابُوْتِ فِي الْيَمِّ بَحْرِ النِّيْلِ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ اَيْ شَاطِئِهٖ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَى الْخَبَرِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَهُوَ فِرْعَوْنُ وَاَلْقَيْتُ بَعْدَ اَنْ اَخَذَكَ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ لِتُحَبَّ مِنَ النَّاسِ فَاَحَبَّكَ فِرْعَوْنُ وَكُلُّ مَنْ رَاٰكَ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ تُرَبّٰى عَلٰى رِعَايَتِيْ وَحِفْظِيْ لَكَ اِذْ لِلتَّعْلِيْلِ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ مَرْيَمُ لِتَعْرِفَ خَبَرَكَ وَقَدْ اُحْضِرُوْا مَرَاضِعَ وَاَنْتَ لَا تَقْبَلُ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَاُجِيْبَتْ فَجَاءَتْ بِاُمِّهٖ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا بِلِقَائِكَ وَلَا تَحْزَنَ حِيْنَئِذٍ وَقَتَلْتَ نَفْسًا هُوَ الْقِبْطِيُّ بِمِصْرَ فَاغْتَمَمْتَ لِقَتْلِهٖ مِنْ جِهَةِ فِرْعَوْنَ فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا اِخْتَبَرْنَاكَ بِالْاِيْقَاعِ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَخَلَّصْنَاكَ مِنْهُ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ عَشْرًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ بَعْدَ مَجِيْئِكَ اِلَيْهَا مِنْ مِّصْرَ عِنْدَ شُعَيْبِ النَّبِيِّ وَتَزَوَّجِكَ بِاِبْنَتِهٖ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ فِيْ عِلْمِيْ بِالرِّسَالَةِ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً مِّنْ عُمْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ اخْتَرْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ بِالرِّسَالَةِ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ اِلَى النَّاسِ بِاٰيٰتِيْ التِّسْعِ وَلَا تَنِيَا تَفْتُرَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ بِتَسْبِيْحٍ وَّغَيْرِهٖ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ بِادِّعَاءِ الرُّبُوْبِيَّةِ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا فِيْ رُجُوْعِهٖ عَنْ ذٰلِكَ لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اَوْ يَخْشٰى ۝ اللّٰهَ فَيَرْجِعُ

التَّرَجِّي بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمَا لِعِلْمِهٖ تَعَالٰى بِأَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا أَيْ يُعَجِّلَ بِالْعُقُوبَةِ
أَوْ أَنْ يَّطْغٰى ۝ عَلَيْنَا أَيْ يَتَكَبَّرُ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا بِعَوْنِيْ أَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ وَأَرٰى ۝ مَا يَفْعَلُ فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَا
إِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ إِلَى الشَّامِ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ أَيْ خَلِّ عَنْهُمْ مِنِ اسْتِعْمَالِكَ إِيَّاهُمْ فِيْ
أَشْغَالِكَ الشَّاقَّةِ كَالْحَفْرِ وَالْبِنَاءِ وَحَمْلِ الثَّقِيْلِ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ بِحُجَّةٍ مِّنْ رَّبِّكَ عَلٰى صِدْقِنَا بِالرِّسَالَةِ
وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ أَيِ السَّلَامَةُ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّا قَدْ أُوْحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ بِمَا
جِئْنَا بِهٖ وَتَوَلّٰى ۝ أَعْرَضَ عَنْهُ فَأَتَيَاهُ وَقَالَا لَهٗ جَمِيْعَ مَا ذُكِرَ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ اِقْتَصَرَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ
الْأَصْلُ وَلِإِدْلَالِهٖ عَلَيْهِ بِالتَّرْبِيَةِ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْخَلْقِ خَلْقَهٗ الَّذِيْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَمَيِّزٌ بِهٖ
عَنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ هَدٰى ۝ الْحَيَوَانَ مِنْهُ إِلٰى مَطْعَمِهٖ وَمَشْرَبِهٖ وَمَنْكَحِهٖ وَغَيْرِ ذٰلِكَ قَالَ فِرْعَوْنُ فَمَا بَالُ حَالُ
الْقُرُوْنِ الْأُمَمِ الْأُوْلٰى ۝ كَقَوْمِ نُوْحٍ وَهُوْدٍ وَلُوْطٍ وَصَالِحٍ فِيْ عِبَادَتِهِمُ الْأَوْثَانَ قَالَ مُوْسٰى عِلْمُهَا أَيْ
عِلْمُ حَالِهِمْ مَحْفُوْظٌ عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ يُجَازِيْهِمْ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَضِلُّ
يَغِيْبُ رَبِّيْ عَنْ شَيْءٍ وَلَا يَنْسَى ۝ رَبِّيْ شَيْئًا هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ فِيْ جُمْلَةِ الْخَلْقِ الْأَرْضَ مَهْدًا فِرَاشًا وَّ
سَلَكَ سَهَّلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَطَرًا قَالَ تَعَالٰى تَتْمِيْمًا لِمَا وَصَفَهٗ بِهٖ مُوْسٰى وَخِطَابًا
لِأَهْلِ مَكَّةَ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا أَصْنَافًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ صِفَةُ أَزْوَاجًا أَيْ مُخْتَلِفَةَ الْأَلْوَانِ وَالطُّعُوْمِ
وَغَيْرِهِمَا وَشَتّٰى جَمْعُ شَتِيْتٍ كَمَرِيْضٍ وَمَرْضٰى مِنْ شَتَّ الْأَمْرُ تَفَرَّقَ كُلُوْا مِنْهَا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ فِيْهَا
جَمْعُ نَعَمٍ هِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ يُقَالُ رَعَتِ الْأَنْعَامُ وَرَعَيْتُهَا وَالْأَمْرُ لِلْإِبَاحَةِ وَتَذْكِيْرِ النِّعْمَةِ
وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ أَخْرَجْنَا أَيْ مُبِيْحِيْنَ لَكُمُ الْأَكْلَ وَرَعَى الْأَنْعَامِ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنَّا
ع ۱۱ لَاٰيٰتٍ لَعِبَرًا لِّأُولِي النُّهٰى ۝ لِأَصْحَابِ الْعُقُوْلِ جَمْعُ نُهْيَةٍ كَغُرْفَةٍ وَغُرَفٍ سُمِّيَ بِهِ الْعَقْلُ لِأَنَّهٗ يَنْهٰى
صَاحِبَهٗ عَنِ ارْتِكَابِ الْقَبَائِحِ

ترجمہ: قَالَ الخ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میرے سینہ کو میرے لیے کھول دیجئے (یعنی میرا حوصلہ وسیع وفراخ کر دیجئے تا کہ بار رسالت اٹھا سکوں) اور میرا کام میرے لیے آسان (سہل) فرما دیجئے (تا کہ میں تبلیغ رسالت کر

سکوں) وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ اور میری زبان سے (لکنت) کی گرہ کھول (یہ لکنت پیدا ہوئی تھی زبان کے جلنے کی وجہ سے اس چنگاری سے جس کو بچپن میں اپنے منہ میں رکھا تھا) تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں (تبلیغ رسالت کے وقت)۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ..... اور میری زبان کی گرہ (بندش) کھولدے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں (جوکہ پیدا ہوئی تھی انگارے سے زبان جل جانے سے جو آپ نے بچپن میں اپنے مُنہ میں ڈال لیا تھا) وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا ..... اور میرے کنبہ میں سے میرے واسطے ایک وزیر (معاون) مقرر کردیجئے یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں (ہارون مفعول ثانی ہے۔ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ان کے ذریعہ میری کمر (یعنی میری قوت) کو مضبوط کردیجئے اور ان کو میرا کام (یعنی رسالت) میں شرک کردیجئے (وَالْفِعْلَانِ بِصِيْغَتَيِ الْاَمْرِ الخ۔ اور دونوں فعل یعنی اشْدُدْ اور اَشْرِكْهُ دونوں امر کے صیغے ہیں یا دونوں فعل مضارع مجزوم ہے کیونکہ طلب۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا تا کہ ہم دونوں (مل کر تبلیغ دعوت کے وقت) آپ کی بکثرت پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ بلاشبہ آپ ہم کو خوب دیکھنے والے ہیں (یعنی آپ ہمارے احوال سے واقف ہیں چنانچہ آپ نے رسالت عطا فرمائی، قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور کی گئی (تجھ پر احسان کرکے) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کرچکے ہیں اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ ..... جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی تھی (خواب میں یا الہام کے ذریعہ جب کہ انہوں نے تم کو جنا اور انہیں خوف ہوا کہ کہیں فرعون تم کو بھی قتل کروادے جس طرح وہ دوسرے بچوں کو قتل کررہا تھا مَا يُوْحٰٓى جو وحی کی جاتی ہے تیرے معاملے میں ،اور اس سے اَنِ اقْذِفِيْهِ ..... بدل واقع ہورہا ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری والدہ کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تمہارے بارے میں ایک تدبیر بتائی۔ جب انہوں نے تم کو جنا اور انہیں اس کا خوف تھا کہ کہیں فرعون تم کو بھی نہ مارڈالے۔ جس طرح وہ دوسرے بچوں کو قتل کررہا ہے) یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو (یعنی دریائے نیل میں) پھر دریا انہیں کنارہ پر لے آئے گا تو ان کو وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے۔ (یعنی فرعون) اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا اثر ڈال دیا تھا (یعنی جب فرعون تم کو پکڑ کرلے گیا تو اس کے دل میں ہم نے تمہاری محبت پیدا کردی اور اس شخص کے دل میں جو تمہیں دیکھتا تھا) اور تا کہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے (تا کہ تمہاری پرورش میری نگرانی میں ہو اور میں تمہاری حفاظت کے سامان بہم پہنچادوں) جب کہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں۔ پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو پال لے (تمہاری بہن مریم تمہارے تابوت کے پیچھے چلتی ہوئی آئیں تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ تم کہاں پہنچائے جاؤگے۔ اور جب تم فرعون کے محل میں پہنچ گئے اور تمہارے دودھ پلانے کیلئے دایہ کو بلایا گیا تو تم نے ان میں سے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تو تمہاری بہن نے حسن تدبیر سے انجان بنتے ہوئے کہا کہ میں کسی ایسی عورت کو بلا کر لاؤں جو اس کی پرورش کرسکتی ہو۔ اثبات میں جواب ملنے پر انہوں نے تمہاری والدہ کو بلایا۔ ان کی چھاتی کو تم نے فوراً منہ لگالیا) تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس دوبارہ پہنچادیا۔ تا کہ وہ تمہیں اپنے قریب دیکھ کر مطمئن رہیں اور تمہاری طرف سے فکرمند نہ ہوں اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا (یہ مصر کا باشندہ ایک قبطی تھا۔ ایک خاص واقعہ پر غیر ارادی طور پر حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس سے حضرت موسیٰ کو بڑا فکر دامن گیر تھا) تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا (اس کے علاوہ تم پر

اور بھی آزمائشیں آئیں لیکن ہم نے اس سے تم کو نجات دلائی) پھر تم مدین والوں کے درمیان (دس) برس رہے (مصر سے مدین آنے کے بعد تمہارا قیام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہا اور پھر انہوں نے تمہاری شادی اپنی لڑکی سے کردی) پھر تم اپنے وقت معین پر آگئے۔ اے موسیٰ (اب تم عمر کے مرحلہ پر پہنچ گئے تھے جو رسالت کیلئے مناسب ہے) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کرلیا (اور تم کو منصب رسالت پر فائز کرلیا) سو اب تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، (لوگوں کے پاس جاؤ اور تبلیغ کرو) اور میری یاد میں سستی نہ کرنا (میری تسبیح وتہلیل کرتے رہنا) فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ۔ بے شک وہ حد سے تجاوز کرگیا ہے (خدائی کا دعویٰ کرکے) اس سے گفتگو نرم کرنا۔ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر ہی جائے (تم تو تبلیغ کرتے ہوئے اس سے نرم بات کہنا۔ شاید وہ تمہاری بات مان جائے یا خدا سے ڈر کر دین حق کی طرف لوٹ آئے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے نصیحت قبول کرنے اور خدا سے ڈرنے کی صرف توقع ظاہر کی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ خدا کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ کبھی دین حق کی طرف نہیں لوٹ سکتا ہے) دونوں بولے اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے (اور سزا دینے میں جلدی نہ کرے) یا یہ کہ زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے اور (متکبر نہ ہوجائے) اللہ نے کہا، تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ میں ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) میں سنتا اور دیکھتا ہوں (جو کچھ وہ کرتا ہے اسے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہے اسے سن بھی رہا ہوں) تم اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں۔ سو تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے (ملک شام) اور انہیں دکھ نہ دے (یعنی جن مشقتوں میں تم نے انہیں ڈال رکھا ہے اور ان سے جو شاق کام لے رہا ہے انہیں اس سے رہائی دے) ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانیاں لے کر آئے ہیں (اپنی رسالت کی صداقت پر) اور سلامتی ہے اس کیلئے جو سیدھی راہ پر چلے (یعنی وہ عذاب سے محفوظ ہوجائے گا) ہمارے پاس تو وحی یہ آچکی ہے کہ عذاب اسی کیلئے ہو جو جھٹلائے اور روگردانی کرے (پس یہ دونوں حسب حکم فرعون کے پاس پہنچے اور انہوں نے اپنے فریضہ تبلیغ کو پورا کیا جس پر فرعون نے) کہا کہ تو پھر اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (یہاں فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب صرف اس وجہ سے کیا کہ اصل تو وہی تھے اور فرعون رب کا سوال کرکے حضرت موسیٰ کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ تمہارا رب میں ہوں کیونکہ تم میری تربیت میں رہے ہو) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی (جس سے کہ وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوجائے) اور پھر اس کی راہ نمائی کی (مثلاً حیوان وغیرہ کو کھانے پینے کی چیزوں کی تمیز عطا فرمائی، فرعون نے کہا) کہ اچھا تو پھر پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا (یعنی قوم نوح، ہود، لوط اور صالح وغیرہ جو بتوں کی پرستش کرتے تھے ان کا کیا ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ ان کا علم (یعنی ان لوگوں کے بتوں کی پرستش کا حال) میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے (یعنی لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ کرلیا گیا ہے۔ جس پر قیامت کے دن جزاء وسزا ملے گی) میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے اور نہ بھول سکتا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنادیا اور تمہارے لئے (چلنے کے واسطے) اس میں راستے بنادیئے اور آسمانوں سے پانی اتارا (پھر خدا تعالیٰ نے خود حضرت موسیٰ کے کلام کو مکمل کرتے ہوئے اہل مکہ کو خطاب کیا کہ) پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے (شتی صفت ہے ازواجا کی یعنی مختلف رنگ اور مختلف مزہ کی چیزیں پیدا کیں۔ شتی جمع ہے شتیت کی جیسے مریض کی جمع مرضی آتی

ہے) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ (یعنی ان نعمتوں کو تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ انعام جمع ہے نعم کی جس کے معنی چوپایہ، عربی لغت میں اس کا استعمال لازم اور متعدی دونوں طرح ہوتا ہے۔ یہاں پر وارعوا انعامکم میں حکم جواز کیلئے ہے۔ جس سے مقصود اپنی نعمتوں کی یاد دہانی بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کھانا واجب نہیں۔ بلکہ جائز ہے۔ کھا سکتے ہو اور کھلا سکتے ہو۔ یہ سب کے سب حال ہیں اخرجنا کی ضمیر سے) بے شک اس سارے (نظام) میں اہل عقل کیلئے دلیلیں موجود ہیں (اہل عقل کو مخاطب کیا اس وجہ سے کہ صاحب عقل کی اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ نہی جمع ہے نہیۃ کی جیسے عرفۃ کی جمع عرف ہے) اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا (یعنی اسی مٹی سے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا تھا) اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے (مرنے کے بعد اسی مٹی کی قبر میں جانا ہے) اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ پھر نکالیں گے۔ (یعنی بعث بعد الموت کے وقت اس مٹی سے ہم تمہیں وجود میں لے آئیں گے جس طرح کہ ابتدائے پیدائش کے وقت ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَزِيْرًا: وزیر اس لئے کہلاتا ہے وزر سے ہو وہ اپنے امیر کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ یا وزر سے جو امیر رائے میں اس کا سہارا لیتا ہے۔

قوله: مَفْعُوْلٌ ثَانٍ: هٰرُوْنَ یہ دوسرا مفعول ہے۔ عطف بیان نہیں۔ اَخِیْ ۝ یہ عطف بیان ہے مبتداء و خبر نہیں۔

قوله: تَسْبِيْحًا: اس سے اشارہ کیا کہ كَثِيْرًا ۝ اس لیے منصوب ہے کہ وہ محذوف مصدر کی صفت ہے اور اسی طرح ذِكْرًا کے بعد كَثِيْرًا ۝ اس لیے منصوب ہے کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قوله: عَالِمًا: یہ تفسیر بَصِيْرًا ۝ کی اس لیے کی کہ تمام حالات کو شامل ہو جائے۔

قوله: سُؤْلَكَ: یہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی سول بمعنی مسئول۔

قوله: لِلتَّعْلِيْلِ: اس سے اشارہ کیا کہ اِذْ اَوْحَيْنَآ میں اذ تعلق کے لیے ہے ظرفیت کے لیے نہیں۔

قوله: اَنِ اقْذِفِيْهِ: قذف ڈالنے اور رکھنے دونوں معنوں میں آتا ہے اور اَنِ اقْذِفِيْهِ میں ان مصدریہ ہے اور بِالتَّابُوْتِ میں بامع کے معنی میں ہے اور تمام ضمائر موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قوله: بَعْدَ اَنْ اَخَذَكَ: اس کو مقدر مانا کیوں؟ تاکہ بعد والا قول صحیح ہو جائے کیونکہ محبت رویت اور علم کے بعد ہوئی۔

قوله: لِتُحَبَّ مِنَ النَّاسِ: یعنی یہ محبت دلوں میں میری طرف سے بوئی گئی تھی تاکہ جو دیکھے وہ محبت کرے۔

قوله: لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِیْ ۝: حفاظت و نگرانی سے مجاز ہے۔

قوله: اِلَى النَّاسِ: یہاں مطلق جانا مراد نہیں بلکہ رسول بن کر جانا مراد ہے۔

قوله: فِیْ رُجُوْعِهٖ: اس بات سے محتاط رہنے کے لیے تیرے سامنے یہ مثال ہے۔ اس سے نرمی کرو کہ کہیں اس کو اس کی

حماقت حملہ آور ہونے پر نہ بھڑکائے۔

قوله: بِآيَةٍ: یہاں آیت کو مفرد ذکر کیا جبکہ موسیٰ علیہ السلام تو دو نشانیاں لائے تھے کیونکہ اصل مقصد اثبات دعویٰ کی دلیل ہے خواہ دلیل ایک ہو یا دو ہوں۔

قوله: السَّلٰمُ: یہ مصدر ہے اور سلامتی کے معنی میں ہے۔

قوله: بِمَا جِئْنَا بِهٖ: یہاں مفعول کو قرینے سے حذف کر دیا گیا ہے اور وہ کلام ہے تعمیم مقصود نہیں ہے۔

قوله: أَعْرَضَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ تولّی ولایت سے نہیں بلکہ یہ اعراض کے معنی میں ہے۔

قوله: فَأْتِيَاهُ: اس کلام میں حذف اور اختصار ہے۔

قوله: مِنَ الْخَلْقِ: اس سے اشارہ ملتا ہے کہ شیئی بمعنی مشتبی کے ہے۔ یعنی جیسے خلق بمعنی مخلوق۔

قوله: مُتَمَيِّزٌ بِهٖ: اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اضافت اختصار کے لیے ہے۔

قوله: اَلْحَيَوَانَ مِنْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ هَدٰی کا مفعول محذوف ہے۔ كُلَّ شَيْءٍ کی ضمیر نہیں۔

قوله: حَالُ: یعنی بَالُ کا لفظ قلب کے معنی میں نہیں۔

قوله: هُوا: یعنی اَلَّذِیْ مبتدا محذوف کی خبر ہے ربی کی صفت نہیں۔

قوله: فِيْ كِتٰبٍ: یعنی وہ غیب ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔

قوله: : یعنی مَهْدًا مصدر ہے اور مفعول ہے۔

قوله: قَالَ تَعَالٰى تَتْمِيْمًا: اس سے اشارہ کر دیا کہ فَاَخْرَجْنَا سے لے کر اللہ کا کلام ہے اور سابقہ بیان کا تتمہ ہے۔

قوله: وَالا بَاحَتِي: اس سے اشارہ کر دیا کہ كُلُوْا اور وَارْعَوْا کا امر اباحت کے لیے ہے۔

قوله: حَالُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اَخْرَجْنَا کی ضمیر سے حال ہے صفت نہیں اور وہ حال مُبِيْنِيْنَ مقدر ہے۔

تفسیر مقبولین

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کلام الٰہی کا شرف حاصل ہوا اور منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تو اپنی ذات اور اپنی طاقت پر بھروسہ چھوڑ کر خود حق تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں اسی کی مدد سے پوری ہو سکتی ہیں اور ان پر جو مصائب اور شدائد آنا لازمی ہیں ان کی برداشت کا حوصلہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہو سکتا ہے اس لئے اس وقت پانچ دعائیں مانگیں:

پہلی دعا

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ یعنی میرا سینہ کھول دے اس میں ایسی وسعت عطا فرما دے جو علوم نبوت کا متحمل ہو سکے اور

دعوت ایمان لوگوں تک پہنچانے میں جو ان کی طرف سے سخت سست سننا پڑتا ہے اس کو برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

دوسری دعا:

وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي (یعنی میرا کام میرے لئے آسان کردے) یہ فہم و فراست بھی نبوت ہی کا ثمرہ تھا کہ کسی کام کا مشکل یا آسان ہونا بھی ظاہری تدبیروں کے تابع نہیں یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے وہ اگر چاہتے ہیں تو کسی کے لئے مشکل سے مشکل بھاری سے بھاری کام آسان کردیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو آسان سے آسان کام مشکل ہوجاتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگا کریں: ((اللهم الطف بنا في تيسير كل عسير فان تيسير كل عسير عليك يسير)) یعنی یا اللہ ہم پر مہربانی فرما ہر مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے کیونکہ ہر مشکل کام کا آسان کردینا آپ کے قبضہ میں ہے۔

تیسری دعا:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ یعنی کھول دے میری زبان کی بندش تاکہ لوگ میرا کلام سمجھنے لگیں۔ اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینے کے زمانے میں تو اپنی والدہ ہی کے پاس رہے اور دربار فرعون سے ان کو دودھ پلانے کا وظیفہ اور صلہ ملتا رہا۔ جب دودھ چھڑایا گیا تو فرعون اور اس کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا اس لئے والدہ سے واپس لے کر اپنے یہاں پالنے لگے۔ اسی عرصہ میں ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑلی اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک چھڑی ہاتھ میں تھی جس سے کھیل رہے تھے وہ فرعون کے سر پر ماری، فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ بیوی آسیہ نے کہا کہ شاہا، آپ بچے کی بات پر خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل نہیں اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کرلیں کہ اس کو کسی بھلے برے کا امتیاز نہیں۔ فرعون کو تجربہ کرانے کے لئے ایک طشت میں آگ کے انگارے اور دوسرے میں جواہرات لاکر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے خیال تھا کہ بچہ ہے یہ بچوں کی عادت کے مطابق آگ کے انگارے کو روشن خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھائے گا جواہرات کی رونق بچوں کی نظر میں ایسی نہیں ہوتی کہ اس طرف توجہ دیں، اس سے فرعون کو تجربہ ہوجائے گا کہ اس نے جو کچھ کیا وہ بچپن کی نادانی سے کیا، مگر یہاں تو کوئی عام بچہ نہیں تھا، خدا تعالیٰ کا ہونے والا رسول تھا جن کی فطرت اول پیدائش سے ہی غیر معمولی ہوتی ہے موسیٰ آگ کی بجائے جواہرات پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر جبرئیل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے طشت میں ڈال دیا اور انہوں نے آگ کا انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، جس سے زبان جل گئی اور فرعون کو یقین آگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ایک قسم کی تکلیف پیدا ہوگئی اسی کو قرآن میں عقدہ کہا گیا ہے اور اسی کو کھولنے کی دعا حضرت موسیٰ نے مانگی۔ (مظہری و قرطبی)

پہلی دو دعائیں تو عام تھیں سب کاموں میں اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنے کے لئے، تیسری دعا میں اپنی ایک مخصوص کمزوری کے ازالہ کی درخواست کی گئی کہ رسالت و دعوت کیلئے زبان کی طلاقت اور فصاحت بھی ایک ضروری چیز ہے۔ آگے ایک آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ سب دعائیں قبول کرلی گئیں جس کا ظاہر یہ ہے کہ زبان کی یہ لکنت بھی ختم ہوگئی

ہوگی مگر خود موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنے ساتھ رسالت میں شریک کرنے کی جو دعا کی ہے اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ
اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا. یعنی ہارون علیہ السلام نے زبان کے اعتبار سے بہ نسبت میرے زیادہ فصیح ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
لکنت کا کچھ باقی تھا۔ نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو عیوب لگائے ان میں یہ بھی کہا کہ: وَلَا یَکَادُ یُبِیْنُ یعنی یہ
بات کو صاف بیان نہیں کر سکتے۔ بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی دعا میں اتنی ہی بات
مانگی تھی کہ زبان کی بندش اتنی کھل جائے کہ لوگ میری بات سمجھ لیا کریں، اتنی لکنت دور کر دی گئی کچھ معمولی اثر بھی رہا تو وہ اس
کی قبولیت کے منافی نہیں۔

چوتھی دعا:

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ (یعنی بنا دے میرا ایک وزیر میرے ہی خاندان میں سے) پچھلی تین دعائیں اپنی ذات سے متعلق تھیں یہ چوتھی دعا اعمال رسالت کو انجام دینے کے لئے اسباب کرنے سے متعلق ہے اور ان اسباب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اور اہم اس کو قرار دیا کہ اس کا کوئی نائب اور وزیر ہو جو ان کی مدد کر سکے۔ وزیر کے معنی لغت میں بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، وزیر سلطنت چونکہ اپنے امیر و بادشاہ کا بار ذمہ داری سے اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر کہتے ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان کے اعوان و انصار ہیں وہ منشاء کے مطابق مل جائیں تو آگے سب کام آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب سامان بھی بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب کا اصلی سبب امیر ریاست کے اعوان و انصار اور وزرا و امرا کی خرابی بے عملی یا عدم صلاحیت ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت و امارت سپرد فرما دیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دے دیتے ہیں جو اس کی مدد کرتا ہے اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلا دیتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے۔ (رواہ النسائی عن القاسم بن محمد)

اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اس کے ساتھ ایک قید مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ کی بھی لگا دی کہ یہ وزیر میرے خاندان و اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کر لیا گیا ہو۔ محض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو۔ اس زمانے میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی ہے۔ اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کو خویش و عزیز کو وزیر یا نائب بنانے کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانتداری پر بھروسہ پورا ہو تو کسی صالح و اصلح خویش و عزیز کو کوئی عہدہ سپرد کر دینا کوئی عیب نہیں بلکہ مہمات امور کی تکمیل کیلئے زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین عموماً وہی حضرات ہوئے جو بیت نبوت کے ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے تو عام بات فرمائی کہ میرے خاندان و اہل میں سے ہو، پھر متعین کر کے فرمایا کہ وہ میرا

بھائی ہارون ہے جس کو میں وزیر بنانا چاہتا ہوں تا کہ میں اس سے مہمات رسالت میں قوت حاصل کرسکوں۔
حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین یا چار سال بڑے تھے، اور تین سال پہلے ہی وفات پائی۔ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی وہ مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کو بھی نبی بنادیا تو بذریعہ فرشتہ ان کو بھی مصر ہی میں اس کی اطلاع مل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا تو ان کو یہ ہدایت کردی گئی کہ وہ مصر سے باہر ان کا استقبال کریں اور ایسا ہی واقع ہوا۔ (قرطبی)

پانچویں دعا:

وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنا وزیر بنانا چاہا تو یہ اختیار خود ان کو حاصل تھا تبر کا حق تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی دعا کی مگر ساتھ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کو نبوت و رسالت میں اپنا شریک قرار دیں یہ اختیار کسی رسول و نبی کو خود نہیں ہوتا اس لئے اس کی جداگانہ دعا کی کہ ان کو میرے کار رسالت میں شریک فرمادے آخر میں فرمایا:

صالح رفقاء ذکر وعبادت میں بھی مددگار ہوتے ہیں:

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ یعنی حضرت ہارون کو وزیر اور شریک نبوت بنانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح و ذکر کیا کریں گے۔ یہاں سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ تسبیح و ذکر تو ایسی چیز ہے کہ ہر انسان تنہا بھی جتنا چاہے کرسکتا ہے اس کے لئے کسی ساتھی کے عمل کا کیا دخل لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر و تسبیح میں بھی سازگار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کے ساتھی اللہ والے نہ ہوں وہ اتنی عبادت نہیں کرسکتا جتنی وہ کرسکتا ہے جس کا ماحول اللہ والوں کا اور ساتھی ذاکر شاغل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہے اس کو سازگار ماحول کی بھی تلاش کرنا چاہئے۔

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ یعنی جبکہ وحی بھیجی ہم نے آپ کی والدہ کے پاس ایک ایسے معاملہ کی جو صرف وحی سے ہی معلوم ہوسکتا تھا وہ یہ کہ فرعونی سپاہی جو اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے پر مامور تھے ان سے بچانے کے لئے ان کی والدہ کو بذریعہ وحی الٰہی بتلایا گیا کہ ان کو ایک تابوت میں بند کرکے دریا میں ڈال دیں اور ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کریں ہم ان کو حفاظت سے رکھیں گے اور پھر آپ کے پاس ہی واپس پہنچادیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں عقل و قیاس کی نہیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ان کی حفاظت کا ناقابل قیاس انتظام صرف اسی کی طرف سے بتلانے پر کسی کو معلوم ہوسکتا ہے۔

کیا وحی کسی غیر نبی و رسول کی طرف بھی آسکتی ہے:

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنے ایسے خفیہ کلام کے ہیں جو صرف مخاطب کو معلوم ہو، دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں۔ اس لغوی معنے کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں۔ نبی رسول اور عام مخلوق بلکہ جانور تک اس میں شامل ہوسکتے ہیں۔
وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ میں شہد کی مکھیوں کو بذریعہ وحی تلقین و تعلیم کرنے کا ذکر اسی معنے کے اعتبار سے ہے اور آیت میں اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ بھی اسی معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس سے ان کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا، جیسے حضرت مریم علیہا

السلام کو ارشادات ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور امت وہ نبی یا رسول نہیں تھیں، اس طرح کی لغوی وحی عموماً بطور الہام کے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کسی کے قلب میں ایک مضمون ڈال دیں اور اس کو اس پر مطمئن کر دیں کہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے کہ اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہے ہیں، بلکہ ابو حیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتے کے واسطے سے بھی ہو سکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرئیل امین نے بشکل انسانی متمثل ہو کر ان کو تلقین فرمائی مگر اس کا تعلق صرف اس شخص کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام ہوتی ہے۔ اصلاح خلق اور تبلیغ ودعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف وحی نبوت کے کہ اس کا منشاء ہی مخلوق کی اصلاح کے لئے کسی کو کھڑا کرنا اور تبلیغ دعوت کے لئے مامور کرنا ہوتا ہے اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ اپنی وحی پر خود بھی ایمان لائے اور دوسروں کو بھی اپنی نبوت کے ماننے اور اپنی وحی کے ماننے کا پابند بنائے جو اس کو نہ مانے اسے کافر قرار دے۔

یہی فرق ہے اس وحی الہام یعنی وحی لغوی میں اور وحی نبوت یعنی وحی اصطلاحی میں۔ وحی لغوی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ بعض بزرگوں کے کلام میں اسی کو وحی تشریعی کے عنوان سے تعبیر کر دیا ہے جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربی کی تصریحات سے باطل ہے۔

ام موسیٰ علیہ السلام کا نام:

روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یوحانذ ہے، اور اتقان میں ان کا نام لحیانہ بنت یصمد بن لادی لکھا ہے، اور بعض لوگوں نے ان کا نام بارخا بعض نے باذخت بتلایا ہے۔ تفسیر معارف القرآن (مفتی شفیع)

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ اس جگہ یم بمعنے دریا سے بظاہر نہر نیل مراد ہے آیت میں ایک حکم تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو دیا گیا ہے کہ اس بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں، دوسرا حکم بصیغہ امر دریا کے نام ہے کہ "اس تابوت کو کنارہ پر ڈال دے فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ دریا چونکہ بظاہر بے حس و بے شعور ہے اس کو حکم دینے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس لئے بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ یہاں صیغہ امر بمعنی الحکم استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے حکم نہیں بلکہ خبر دینا ہے کہ دریا اس کو کنارہ پر ڈال دے گا۔ مگر محققین علماء کے نزدیک امر اپنے ظاہر پر امر اور حکم ہی ہے اور دریا ہی اس کا مخاطب ہے کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی مخلوق درخت اور پتھر تک بے عقل و بے شعور نہیں بلکہ سب عقل وادراک موجود ہے اور یہی عقل وادراک ہے جس کے سبب یہ سب چیزیں حسب تصریح قرآن اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ انسان اور جن اور فرشتہ کے علاوہ کسی مخلوق میں عقل وشعور اتنا مکمل نہیں جس پر احکام حلال وحرام عائد کر کے مکلف بنایا جائے، دانائے روم نے خوب فرمایا

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند۔ با من و تو مردہ با حق زندہ اند

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ: یعنی اس تابوت اور اس میں بند کئے ہوئے بچے کو ساحل دریا سے ایسا شخص اٹھائے گا جو میرا

بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی، مراد اس سے فرعون ہے۔ فرعون کا اللہ کا دشمن ہونا اس کے کفر کی وجہ سے ظاہر مگر موسیٰ علیہ السلام کا دشمن کہنا اس لئے محل غور ہے کہ اس وقت تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن نہیں تھا بلکہ ان کی پرورش پر زر کثیر خرچ کر رہا تھا پھر اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن فرمایا تو انجام کار کے اعتبار سے ہے کہ بالآخر فرعون کا دشمن ہو جانا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور یہ کہا جائے تو بھی کچھ بعید نہیں کہ جہاں تک فرعون کی ذات کا تعلق ہے وہ فی نفسہ اس وقت بھی دشمن ہی تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ کی تربیت صرف بیوی آسیہ کی خاطر گوارا کی تھی اور اس میں بھی جب اس کو شبہ ہوا تو اسی وقت قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو حضرت آسیہ کی دانش مندی کے ذریعہ ختم ہوا۔ (روح ومظہری)

وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ. اس جگہ لفظ محبت مصدر بمعنے محبوبیت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی عنایت ورحمت سے آپ کے وجود میں ایک محبوبیت کی شان رکھ دی تھی کہ جو آپ کو دیکھے آپ سے محبت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (مظہری)

وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۝ لفظ صنعت سے اس جگہ مراد عمدہ تربیت ہے جیسے عرب میں صنعت فرسی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی اور علی عینی سے مراد علی حفظی یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہترین تربیت براہ راست حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اس لئے مصر کی سب سے بڑی ہستی یعنی فرعون کے ہاتھوں ہی اس کے گھر میں یہ کام اس طرح لیا گیا کہ وہ اس سے بے خبر تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کو پال رہا ہوں۔ (مظہری)

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ۚ ....

پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ صندوق نہر میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا، معلوم نہیں زندہ ہے یا جانوروں نے کھالیا۔ حضرت موسیٰ کی بہن کو کہا کہ خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا کہ حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی انائیں بلائی گئیں، کامیابی نہ ہوئی۔ موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی بولی کہ میں ایک عورت کو لاسکتی ہوں، امید ہے کہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ کی والدہ کو لے کر پہنچی۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اجازت دو کہ اپنے گھر میں لے جاؤں اور پوری حفاظت واہتمام سے بچہ کو پرورش کروں۔ آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچہ کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز واکرام کے ساتھ موسیٰ کی تربیت میں لگی رہیں۔

اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۝

موسیٰ اور ہارون کو فرعون کے پاس جانے اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنے کی ہدایت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اپنے لیے چن لیا ہے۔ یہ دوسری مرتبہ ہے اس سے پہلے (وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی) میں یہ بات گزر چکی ہے۔ انتخاب کا تذکرہ فرمانے میں

بھی امتنان ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ان میں سے ایک قبیلہ کے ایک ہی شخص کو چن لینا اور نبوت سے سرفراز فرمانا انعام خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انتخاب فرمالینا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ مزید ارشاد ہوا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لیکر جاؤ فرعون کے پاس پہنچو اور میرے ذکر میں برابر لگے رہنا اس میں سستی نہ کرنا فرعون سرکش بنا ہوا ہے اس سے جا کر نرمی سے بات کرنا ہوسکتا ہے کہ تمہاری یہ نرمی اس کے لیے نصیحت قبول کرنے کا ذریعہ بن جائے یا وہ اپنے رب سے ڈر جائے اور اپنی سرکشی سے توبہ کرلے اور رب حقیقی کا فرمانبردار ہوجائے۔

معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں ذکر اور صبر اور نرم گفتگو کی بڑی اہمیت ہے یہ چیزیں قبول حق کے لیے مفید اور معاون ہوتی ہیں کوئی ضدی معاند اور سرکش نہ مانے تو وہ دوسری بات ہے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝

اللہ کے سامنے اظہار بے بسی:

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کار مفوضہ کے لیے فرعون کے پاس جا تو رہے ہیں لیکن ہمیں یہ ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے اور زیادتی میں آگے بڑھتا چلا جائے اس پر اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تم ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو جو طرح طرح سے تکلیفیں دیتا ہے اس سے باز آ، نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لیے یہ بھی کہہ دینا کہ ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں (یہ نشانی عصاء اور ید بیضاء دو چیزیں تھیں) سورۃ اعراف اور سورۃ شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی دو نشانیاں ظاہر کیں اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ بات کرتے کرتے وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ بھی کہہ دینا۔ (یعنی اس پر سلام ہے جو ہدایت کا اتباع کرے) اس میں فرعون کو یہ بتادیا کہ ہم وہ ہدایت لائے ہیں کہ جو شخص اس کا اتباع کرے گا دنیا اور آخرت میں سلامتی کے ساتھ رہے گا پھر وعید اور انذار کے طور پر فرمایا: اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ (کہ بلاشبہ ہماری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جو شخص جھٹلائے گا اور روگردانی کرے گا اس پر عذاب ہوگا) معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی کو تبشیر اور انذار دونوں چیزیں اختیار کرنی چاہئیں اور یہ جو فرمایا: وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ یہ اس لیے کہ کافروں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ کافروں سے خطاب کرے یا خط لکھے تو السلام علیکم نہ کہے بلکہ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہرقل شاہ روم کو خط لکھا تھا تو اس خط میں وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ لکھ کر اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرعون کی طرف بھیجا تھا اس میں فرعون اور اس کی قوم کو ہدایت کرنا اور توحید کی دعوت دینا مقصود تھا اور ساتھ ہی یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جائیں۔ سورۃ والنازعات میں

فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ (تم فرعون کے پاس چلے جاؤ بیشک اس نے سرکشی کی ہے پھر اس سے کہو کیا تجھے اس کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ ہو جائے اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تاکہ تو ڈرنے لگے)۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے ہدایت دی اور خالق کائنات جل مجدہ پر ایمان لانے کے لیے فرمایا تو اس نے بے تکی باتیں شروع کر دیں اور طرح طرح کے سوال کرتا رہا ان میں سے بعض سوال یہاں سورۃ طٰہٰ اور بعض سورۃ شعراء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اس نے (اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى) کا اعلان کیا تھا اب جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دیتا ہوں تجھے اس کی رغبت ہے تو قبول کر لے اس پر فرعون کو ناگواری ہونی ہی تھی بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتادیا کہ جو تیرا رب ہے اسے مان اور اس کی ہدایت قبول کر، اس پر اس نے سوال کیا کہ تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہ السلام) جو میرے علاوہ کوئی دوسرا رب بتا رہے ہو وہ کون ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی یعنی ساری مخلوق اسی کی ہے اور ہر مخلوق کو اس نے جس صورت میں اور جس حالت میں پیدا فرمایا ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے ساری تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس نے جس کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ ہر چیز کو اس کے اعضاء اور جوارح اس کے لائق عطا فرمائے اور اسی کے حال کے مطابق سمجھ بھی دی اور مخلوقات کو ان کے خواص اور منافع بتائے۔ کسی مخلوق کو اس میں کوئی دخل نہیں ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا بھی فرمایا پھر ہر چیز کو راہ بھی بتائی۔ یعنی ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق سمجھ دی، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق جیتی ہے اور اپنے منافع اور مضار کو سمجھتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر ارشاد العقل السلیم سے نقل کی ہے۔ وقال ثم هدى الى طريق الانتفاع والارتفاق بما اعطاء و عرفه كيف يتوصل الى بقاءه و كماله اما اختيارا كما فى الحيوانات او طبعا كما فى الجمادات والقوى الطبيعية النباتية والحيوانية۔ (ج ۱۶ ص ۲۰۲)

یہ مضمون بہت بڑا بھی ہے اور عجیب بھی، جتنا جتنا غور کیا جائے اور مخلوق میں نظر کی جائے اسی قدر ذہن میں اس کا پھیلاؤ بڑھتا چلا جائے گا۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو منہ میں پستان دیا جاتا ہے فوراً ہونٹ ہلاتا ہے مرغی کا بچہ پیدا ہوا دانہ ڈالا اس پر دوڑا۔ آدمی کے بچہ نے ذرا سا ہوش سنبھالا ہاتھ سے کھانا شروع کیا چوپاؤں نے بچہ جنا اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں اس کی ماں مشغول ہوگئی بچہ ماں کے تھنوں کے پاس گیا اور تھنوں کو چوسنا شروع کر دیا چونکہ جانوروں کا کھانے پینے کا سارا کام منہ سے ہی ہوتا ہے اس لیے ہاتھ کے واسطہ کی ضرورت نہیں ہے اس لیے انہیں ایسے ہاتھ نہیں دیئے گئے جو منہ تک پہنچیں انہیں استنجے کی بھی ضرورت نہیں اس لئے بھی ہاتھ کی ضرورت نہیں انسان کو بہت سے کام ہیں بڑے بڑے کام ہیں لہٰذا اسے ہاتھ دے دیئے گئے

مکڑی جالا بنا کر مکھی کو مار کر کھاتی ہے۔ اور چھپکلی روشنی کے پاس آ کر پتنگوں کا شکار کرتی ہے اور دیوار پر بلکہ چھت میں الٹی لٹک
کر دوڑ جاتی ہے۔ بکری کا بچہ ہوتا ہے وہ اسے چاٹ چاٹ کر اس کے بدن کی اصلاح کرتی ہے۔ مرغی انڈوں پر بیٹھی کے
بچے نکلنے تک بیٹھی رہتی ہے، بلی چوہا کھاتی ہے بچھو پر منہ نہیں ڈالتی اور اسی طرح ہزاروں مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو
فرمایا اور اسے جینے کے طریقے بتائے۔ اور اس کی ذات کے متعلق نفع اور ضرر سمجھا دیا۔ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ کی جو تفسیر اوپر ذکر کی گئی اس
کے علاوہ دوسری تفسیر بھی کی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا پھر انہیں ہدایت دی یعنی حضرت انبیاء کرام مبعوث
فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں اور مخلوق ہی کو مخلوق کے ذریعہ خالق تعالیٰ شانہ کی معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ بنایا۔

مِنْهَا اَيِ الْاَرْضِ خَلَقْنٰكُمْ بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ مَقْبُوْرِيْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ
عِنْدَ الْبَعْثِ تَارَةً مرة اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ كَمَا اَخْرَجْنَاكُمْ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ خَلْقِكُمْ وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اَيْ اَبْصَرْنَا فِرْعَوْنَ
اٰيٰتِنَا كُلَّهَا التِّسْعَ فَكَذَّبَ بِهَا وَزَعَمَ اَنَّهَا سِحْرٌ وَ اَبٰى ﴿۵۶﴾ اَنْ يُوَحِّدَ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا
مِصْرَ وَ يَكُوْنُ لَكَ الْمُلْكُ فِيْهَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ يُعَارِضُهُ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ
مَوْعِدًا لِذٰلِكَ لَا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَآ اَنْتَ مَكَانًا مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ فِيْ سُوًى ﴿۵۸﴾ بِكَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ اَيْ
وَسَطًا يَسْتَوِيْ اِلَيْهِ مَسَافَةَ الْجَائِيْ مِنَ الطَّرَفَيْنِ قَالَ مُوْسٰى مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ يَوْمُ عِيْدٍ لَهُمْ يَتَزَيَّنُوْنَ
فِيْهِ وَ يَجْتَمِعُوْنَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ يُجْمَعَ اَهْلُ مِصْرَ ضُحًى ﴿۵۹﴾ وَقْتَهٗ لِلنَّظَرِ فِيْمَا يَقَعُ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ اَدْبَرَ
فَجَمَعَ كَيْدَهٗ اَيْ ذَوِيْ كَيْدِهٖ مِنَ السَّحَرَةِ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ بِهِمُ الْمَوْعِدَ وَ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَهُمُ اثْنَانِ وَ سَبْعُوْنَ
اَلْفًا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ حَبْلٌ وَ عَصًا وَيْلَكُمْ اَيْ اَلْزَمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْوَيْلَ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِاِشْرَاكِ اَحَدٍ
مَعَهٗ فَيُسْحِتَكُمْ بِضَمِّ الْيَاءِ وَ كَسْرِ الْحَاءِ وَ بِفَتْحِهِمَا اَيْ يُهْلِكَكُمْ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهٖ وَ قَدْ خَابَ خَسِرَ
مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ فِيْ مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ اَيِ الْكَلَامَ
بَيْنَهُمْ فِيْهِمَا قَالُوْٓا لِاَنْفُسِهِمْ اِنْ هٰذٰنِ لِاَبِيْ عَمْرٍو وَلِغَيْرِهٖ هٰذَانِ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِلُغَةِ مَنْ يَاْتِيْ فِي الْمُثَنّٰى
بِالْاَلِفِ فِيْ اَحْوَالِهِ الثَّلَاثِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾
مُؤَنَّثُ اَمْثَلَ بِمَعْنٰى اَشْرَفَ اَيْ بِاَشْرَافِكُمْ بِمَيْلِهِمْ اِلَيْهِمَا بِغَلَبَتِهِمَا فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ مِنَ السِّحْرِ بِهَمْزَةِ
وَصْلٍ وَ فَتْحِ الْمِيْمِ مِنْ جَمَعَ اَيْ لَمَّ وَ بِهَمْزَةِ قَطْعٍ وَ كَسْرِ الْمِيْمِ مِنْ اَجْمَعَ اَحْكَمَ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا حَالٌ اَيْ

مُصْطَفِّيْنَ وَقَدْ اَفْلَحَ فَازَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ غَلَبَ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِخْتَرْ اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ عَصَاكَ اَيْ اَوَّلًا وَ
اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ عَصَاهُ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ اَصْلُهٗ عَصَوُوْ قُلِبَتِ
الْوَاوَانِ يَائَيْنِ وَكُسِرَتِ الْعَيْنُ وَالصَّادُ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ عَلٰى بُطُوْنِهَا فَاَوْجَسَ
اَحَسَّ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ اَيْ خَافَ مِنْ جِهَةِ اَنَّ سِحْرَهُمْ مِنْ جِنْسِ مُعْجِزَتِهٖ اَنْ يَّلْتَبِسَ اَمْرُهٗ عَلَى
النَّاسِ فَلَا يُؤْمِنُوْا بِهٖ قُلْنَا لَهٗ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ عَلَيْهِمْ بِالْغَلَبَةِ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ وَهِيَ عَصَاهُ
تَلْقَفْ تَبْتَلِعْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ اَيْ جِنْسِهٖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ بِسِحْرِهٖ فَاَلْقٰى مُوْسٰى
عَصَاهُ فَتَلَقَّفَتْ كُلَّ مَا صَنَعُوْهُ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا خَرُّوْا سَاجِدِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ
مُوْسٰى ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ ءَاٰمَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ
مُعَلِّمُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ حَالٌ بِمَعْنٰى مُخْتَلِفَةٍ اَيِ الْاَيْدِيْ
الْيُمْنٰى وَالْاَرْجُلَ الْيُسْرٰى وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ اَيْ عَلَيْهَا وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ وَرَبَّ مُوْسٰى
اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ اَدْوَمُ عَلٰى مُخَالَفَتِهٖ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ نَخْتَارَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ الدَّالَّةِ عَلٰى
صِدْقِ مُوْسٰى وَالَّذِيْ فَطَرَنَا خَلَقَنَا قَسَمٌ اَوْ عَطْفٌ عَلٰى مَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اَيْ اَصْنَعْ مَا قُلْتَهٗ اِنَّمَا
تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ النَّصْبُ عَلَى الْاِتِّسَاعِ اَيْ فِيْهَا وَيُجْزٰى عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ
لَنَا خَطٰيٰنَا مِنَ الْاِشْرَاكِ وَغَيْرِهٖ وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ تَعَلُّمًا وَعَمَلًا لِمُعَارَضَةِ مُوْسٰى وَاللّٰهُ خَيْرٌ
مِنْكَ ثَوَابًا اِذَا اُطِيْعَ وَّاَبْقٰى ۝ مِنْكَ عَذَابًا اِذَا عُصِيَ قَالَ تَعَالٰى اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا كَافِرًا كَفِرْعَوْنَ
فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا فَيَسْتَرِيْحُ وَلَا يَحْيٰى ۝ حَيٰوةً تَنْفَعُهٗ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ
الْفَرَائِضَ وَالنَّوَافِلَ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَمْعُ عُلْيَا مُؤَنَّثُ اَعْلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ اَيْ اِقَامَةٍ بَيَانٌ لَهٗ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ تَطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوْبِ ع ۳ ۲۲ ۱۲

ترجمہ: وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ ..... اور البتہ تحقیق ہم نے اس کو اپنی تمام نشانیاں دکھلا دیں (یعنی ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں یعنی نو معجزات دکھلا دیئے پھر بھی اس نے ان نشانیوں کو جھٹلایا (اور اس نے ان آیات کو سحر وجادو سمجھا) اور انکار کردیا (یعنی اللہ

کہاے موسیٰ (اور کہنے لگا ..... قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا (تعالیٰ کی وحدانیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا) تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ملک (یعنی مصر) سے نکالدے (اور اس میں تیری حکومت ہو جائے) سو اب ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے جو اس کا مقابلہ کرے) پس (اس مقابلہ کے لیے) ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تو کسی ہموار میدان میں قولہ مکاناً سوی منصوب بنزع الخافص یعنی مَكَانًا منصوب بحذف الجار ہے ای فی مکان سوی، سوی کے سین کو کسرہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی وعدہ کی جگہ بالکل بیچوں بیچ ہو اور دونوں طرف سے آنے والوں کے لیے مسافت برابر ہو کہ کسی طرف سے آنے والوں کو دشواری نہ ہو) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت زیب و زینت کا دن ہے (یعنی لوگوں کے عید کا دن ہے جس لوگ آزمائش و زیبائش کرتے ہیں اور سب جمع ہوتے ہیں) اور یہ لوگ جمع کیے جائیں (شہر والے سب جمع کیے جائیں) چاشت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عید کا دن اس لیے مقرر کیا کہ سارے لوگ حاضر ہوں گے اور اپنی نظر سے دیکھ لیں گے)۔ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ ..... پس فرعون لوٹ گیا فرعون واپس ہوا) پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا (یعنی مکر والے جادوگروں کو جمع کیا) پھر (سب کو لے کر اس میدان میں جہاں وعدہ ٹھہرا تھا) آیا۔ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى ..... تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے کہا (ان لوگوں کی تعداد بہتر ہزار تھی اور ہر ایک کے پاس ایک لاٹھی اور رسی تھی (ارے کمبختی مارو! (یعنی اللہ تعالیٰ نے ہلاکت تم پر لازم کر دی ہے) لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ..... اللہ پر جھوٹ الزامت کرو (کسی کو اس کے ساتھ شریک کر کے) ورنہ وہ تمہیں (اپنے پاس سے) کسی عذاب سے ہلاک کر ڈالے گا (فَيُسْحِتَكُمْ میں ایک قراءت یا کو ضمہ اور ح کو کسرہ کی ہے اور دوسری قراءت دونوں کو فتحہ ہے بمعنی يُهْلِكَكُمْ ہے) وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ اور جو جھوٹ باندھتا ہے (اللہ تعالیٰ پر) وہ ناکام رہتا ہے (نقصان اٹھاتا ہے۔ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ..... پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں آپس میں جھگڑنے لگے (یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بارے میں اور باہم خفیہ مشورے کرنے لگے (یعنی ان دونوں کے بارے میں خفیہ گفتگو کرنے لگے) قَالُوْٓا ..... کہا کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں (ابو عمرو اور اس کے علاوہ مثلاً حسن بصریؒ کی قراءت ہے یعنی اِنَّ۔ مشددہ ھذین لسحران اور یہ نحو کے عام ضابطہ کے موافق ہے اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات بجائے ھذین کے ھذان پڑھتے ہیں اور یہ ان لوگوں کی لغت کے موافق ہے جو لوگ تثنیہ میں ہر سہ حالت میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ ..... یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں اور یہ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ (مذہبی) طریقہ کو مٹا دیں تمہارے اعلیٰ مذہب کو ختم کر دیں (مثلی امثل کی مؤنث ہے جس کے معنی اشرف عمدہ کے ہیں یعنی یہ دونوں بھائی اپنے غلبہ کی وجہ سے یعنی غالب ہو کر تمہارے اشراف و افضل کو ختم کر دیں بوجہ مائل ہونے ان دونوں کی طرف۔ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ..... پس تم سب مل کر (متفق ہو کر) اپنی تدبیر (یعنی جادو) کا انتظام کرو۔ بِهَمْزَةِ وَصْلٍ ..... ایک قراءت ہمزہ وصل اور میم کے فتحہ کے ساتھ جمع بمعنی لم یلم سے ہے جس کے معنی جمع کرنے اکٹھا کرنے کے ہیں اور دوسری قراءت ہمزہ قطعی کے ساتھ از باب افعال سے ہے یعنی اجماع سے مشتق ہے یعنی سب مل کر اپنی تدبیر کر لو۔ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ پھر صفیں آراستہ کر کے آؤ (صَفًّا ۚ حال ہے

اَیْ مُصْطَفِیْنَ) وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی ۝ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰی..... جادوگروں نے کہا اے موسیٰ آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں آپ کو اختیار ہے۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا..... موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم ہی ڈالو (چنانچہ پہلے انہوں نے ڈال دیں) پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں (اپنے پیٹوں کے بل) (عِصِیُّهُمْ جمع ہے عصا بمعنی لاٹھی کی، عِصِیّ اصل میں عصو دبروزن فلوس عصور کے دونوں واؤ کو دو یاء سے بدل دیا گیا اور پھر یا کی خاطر صاد کو کسرہ دیا اور صاد کو اتباع میں ع کو کسرہ دیا گیا عِصِیّ ہو گیا۔ فَاَوْجَسَ اَحَسَّ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ۝ تو موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا (موسیٰ علیہ السلام نے خوف اس وجہ سے کیا کہ ان کا جادو بھی موسیٰ کے معجزہ یعنی میرے معجزہ کے جنس سے معلوم ہوتا ہے تو لوگوں پر موسیٰ کا معاملہ یعنی معجزہ اور جادو میں التباس واشتباہ ہو جائے گا تو وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے کہا تم کچھ بھی خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے۔ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ..... اور جو چیز بھی تیرے داہنے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دو (یعنی عصا کو وہ نگل جائے گا جو انہوں نے بنایا (تَلْقَفْ بمعنی تَبْتَلِعْ ہے ان جادوگروں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادوگر کا حیلہ اور فریب ہے (یعنی جنس سحر فریب ہے) اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے۔ کامیاب نہیں ہوتا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ ان کے سب دھندے کو نگل گیا۔ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا پھر تو وہ جادوگر سب سجدہ میں گر گئے (یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔ قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ۝ اور بول اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ (یہاں دو قراءت ہے ایک قراءت دونوں ہمزوں کو باقی رکھنے کی اور دوسری قراءت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھنے کی (فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمْ..... بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے (یعنی تمہارا معلم ہے) جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ..... پس میں ضرور بالضرور تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں مخالف جانب سے من خلاف حال ہے بمعنی مختلفة داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں) اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں (یہاں فی بمعنی علی ہے) اور تم یہ بھی جان لوگے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے (یعنی مخالفت پر کس کا عذاب دیرپا ہے) قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ..... ایمان لانے والے جادوگروں نے کہا اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے (پسند نہیں کریں گے) ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں (موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر) اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے (فَطَرَنَا خَلَقَنَا ہے اور وَالَّذِیْ میں واو قسم ہے یا واو عاطفہ ہے پس تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر ڈال (یعنی تو نے جو کچھ کہا ہے اسے کر گزر) تو بجز اس کے کہ اس دنیوی زندگانی میں کچھ کر لے اور کر ہی سکتا ہے اور الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ برنصب بنزع الخافض ہے اَیْ فِیْهَا یعنی تو آخرت میں سزا پائے گا) بس ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ پروردگار ہمارے (پچھلے) تمام گناہوں کو بخش دے (یعنی ہمارے شرک و کفر کو معاف کر دے) اور اس گناہ کو بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا یعنی جادو سیکھنے پر مجبور کرنا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آنا۔ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے بدرجہا) بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ ثواب بدلہ کے اعتبار سے بہت بہتر ہے جب اس کی اطاعت

کی جائے اور زیادہ بقا والا ہے (یعنی تم سے زیادہ پائیدار اور دیرپا عذاب دینے والا ہے اگر اس کی نافرمانی کی جائے۔ اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا ..... بلاشبہ جو شخص (بغاوت کا) مجرم ہو کر (یعنی کافر ہو کر جیسے فرعون) اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا اس کے لیے دوزخ (مقرر) ہے اسمیں وہ نہ مرے گا (کہ راحت حاصل کرے) اور نہ زندہ رہے گا (یعنی نہ نفع بخش خوشگوار زندگی ملے گی اور جو شخص اس کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کیے ہوں (یعنی ایمان کے ساتھ فرائض ونوافل بھی ادا کیے ہوں) تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں (علی علیا کی جمع ہے اور اعلیٰ کی مؤنث ہے) یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں (یہ بیان ہے درجات علی کا) جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص (کفر ومعصیت سے پاک ہو اسکی یہی جزاء یعنی انعام ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَقْبُوْرِيْنَ : اس سے اشارہ کیا کہ اسی زندگی میں لوٹنا نہیں ہے۔

قوله: اَبْصَرْنَا : اس سے اشارہ کیا کہ آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے دل کی بصیرت مراد نہیں۔

قوله: بِها : یعنی متعلق کا حذف سابقہ قرینہ کی وجہ سے ہے تعمیم کے لیے نہیں۔

قوله: مِصْرَ: اس سے اشارہ کیا کہ اخرجنا میں ا صفت عہد کے لیے ہے۔

قوله: مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ: اس سے اشارہ کیا کہ مکانا کا لفظ یہ حرف جر کے ہٹا لینے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَوْعِدًا کی وجہ سے نہیں۔ اس لیے کہ وہ خود لَا نُخْلِفُهٗ کا موصوف ہے اور مصدر موصوف عمل نہیں کرتا۔

قوله: وَعَدًا: یہ مصدر ہے اور اس کی دلیل لَا نُخْلِفُهٗ ہے کہ خلاف ورزی زمانے اور مکان کے مناسب نہیں۔

قوله: يُجْمَعَ : یعنی یہاں حشر سے قیامت مراد نہیں بلکہ چاشت کے وقت لوگوں کا جمع ہونا مراد ہے۔

قوله: وَقْتَہ: ضُحًی کا یہ ترجمہ اس لیے کیا کیونکہ وہ روشنی کا نام ہے اس میں ظرفیت کی صلاحیت نہیں۔

قوله: اَلْزَمَكُمُ اللّٰه : اس سے اشارہ کیا کہ ویل کا لفظ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ اَلْزَمَكُم ہے۔

قوله: قَالُوْآ اِلٰی اَنْفُسِهِمْ : انہوں نے آپس میں یہ بات کہی لوگوں میں یہ بات ظاہر نہیں کی تاکہ لوگ موسیٰ کی طرف رجوع نہ کریں۔

قوله: اِنْ هٰذٰنِ: حفص نے هٰذٰنِ پڑھا۔ اس لیے کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ بعض لغات میں تینوں حالتوں میں هٰذٰن ہی پڑھا جاتا ہے۔

قوله: اَلْمُثْلٰی: یہ امثل کی مونث ہے اور طریقہ کی یہ صفت ہے، یہ اشرف کے معنی میں ہے اشبہ کے معنی میں نہیں۔

قوله: فَاَجْمِعُوْا: اگر ضمیر قالوا کی جادوگروں کی طرف لوٹے تو یہ ان کا باہمی قول ہے۔

قوله: مِنْ جَمْعٍ : جس کا معنی لَمَّ ہے لم کا معنی ہے درست کرنا اور اجمعوا کی ہمزہ اگر قطعی مانی جائے تو پھر یہ ازمعوا کے معنی میں

ہے یعنی اپنی بات ایک رکھو اس میں اختلاف مت کرو۔

قوله: صفا: یہ مُصْطَفِّیْنَ کے معنی میں حال ہے۔

قوله: اِخْتَرْ: ان اپنے اسم اخیر سے مل کر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ فعل اِخْتَرْ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: فَالْقَوْا: اس کو مقدر اس لیے مانا تا کہ فَاِذَا حِبَالُهُمْ اس پر مرتب ہو۔

قوله: خَافَ مِنْ: یعنی اپنے نفس کا خوف نہیں تھا بلکہ لوگوں کے التباس کا خطرہ تھا۔

قوله: مَا فِیْ یَمِیْنِكَ: اللہ تعالیٰ نے تحقیر کیلئے اس کو مبہم رکھا کہ ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کی پرواہ نہ کر جو ہاتھ میں ڈال دے۔

قوله: جِنْسِہٖ: یہاں ساحر کو مفرد لائے کیونکہ مطلق جنس مراد ہے۔

قوله: لَہٗ: لام اس لیے لائی گئی تا کہ فعل میں اتباع کا معنی متضمن ہو اور ایمان کے بعد لام قرآن مجید میں غیر اللہ کی لیے استعمال ہو جیسے:

قوله: اٰنْ اٰذَنَ انا: انا کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مضارع متکلم کا صیغہ ہے باب افعال کا ماضی نہیں ہے۔

قوله: مِّنْ خِلَافٍ: من ابتدائیہ ہے گویا ابتدائی طور پر قطع مخالف عضو سے تھا۔

قوله: عَلَیْہَا: اس میں اشارہ کیا کہ فِیْ یہاں استعارۃً علیٰ کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: النَّصْبُ عَلَی الْاِتِّسَاعِ: یعنی اَلْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا میں نصب مجاز اً دیا ہے ظرف کو مفعول کے مشابہ قرار دیا ہے۔

قوله: اَلْعُلٰی: یہ عُلْیَا کی جمع ہے جو کہ اعلیٰ کی مؤنث ہے اس لیے درجات کی صفت بنانا درست ہے۔

قوله: تَطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوْبِ: یہ تینوں آیات ممکن ہے کہ ساحروں کا کلام ہو یا ابتداً اللہ تعالیٰ کا کلام ہو۔

تفسیر مقبولین

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾

ہر انسان کے خمیر میں نطفہ کے ساتھ اس جگہ کی مٹی بھی شامل ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہوگا:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا مخاطب اس کے سب انسان ہیں حالانکہ عام انسانوں کی پیدائش مٹی سے نہیں بلکہ نطفہ سے ہوئی بجز آدم علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش براہ راست مٹی سے ہوئی تو یہ خطاب یا تو اس بناء پر ہوسکتا ہے کہ انسان کی اصل اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے واسطے سے سب کی تخلیق مٹی کی طرف منسوب کر دینا کچھ بعید نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر نطفہ مٹی ہی کی پیداوار ہوتا ہے اس لئے نطفہ سے تخلیق درحقیقت مٹی ہی سے تخلیق ہوگئی۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر انسان کی تخلیق میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مٹی شامل فرماتے ہیں اس لئے ہر

ایک انسان کی تخلیق کو براہ راست مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔
اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث اس پر شاہد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جزء ڈالا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے۔ یہ حدیث ابو نعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا ہے: ہذا حدیث غریب من حدیث عون لم نکتبہ الا من حدیث عاصم بن نبیل و ہو احد الثقات الاعلام من اہل بصرہ، اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے اور عطا خراسانی نے فرمایا کہ جب رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے تو جو فرشتہ اس کی تخلیق پر مامور ہے وہ جا کر اس جگہ کی مٹی لاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا مقرر ہے اور یہ مٹی اس نطفہ میں شامل کر دیتا ہے اس لئے تخلیق نطفہ اور مٹی دونوں سے ہوتی ہے اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ۔ (قرطبی)

تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کی ناف میں ایک جزء مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں شامل کی گئی تھی اور فرمایا کہ میں اور ابو بکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔ یہ روایت خطیب نے نقل کر کے فرمایا ہے کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث میرزا محمد حارثی بدخشی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابو سعید، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ جن سے اس روایت کو قوت پہنچتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن (لغیرہ) سے کم نہیں۔ (مظہری)

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ کو مقابلے کا چیلنج:

سو فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔ ہم اس کے جواب میں ایک ایسا ہی زوردار جادو لا کر رہیں گے۔ سو تم اس کے لیے اپنے اور ہمارے درمیان ایک جگہ اور وقت مقرر کر لو جہاں ہمارا باہم مقابلہ ہو اور وہ ایسا کھلا مقام ہو جہاں سب لوگ اپنی کھلی آنکھوں اس مقابلہ کو اور اس کے نتائج کو دیکھ سکیں۔ تاکہ اس کے بعد ہماری جیت اور فتح کے ترانے گائے جائیں اور ہماری دھاک سب پر اور بھی زیادہ سخت اور پختگی کے ساتھ بیٹھ جائے۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ سب کچھ الٹا اسی کے خلاف جانے والا ہے اور ایسا کہ دھاک بیٹھنے کی بجائے اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ سو اللہ پاک کی مدد و عنایت اگر حاصل ہو تو خود دشمن کے ہاتھوں حق کے پھریرے لہرانے کا انتظام اسی طرح کرایا جاتا ہے۔ فَكُنِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا - وَخُذْ بِنَوَاصِيْنَا اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ - بہرکیف فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم مقابلے کے لیے کوئی ایسی جگہ مقرر کر لو جو فریقین کے لیے یکساں ہو اور دونوں طرف کے لوگ ایک معین وقت میں وہاں جمع ہوں۔ نہ تم اس کی خلاف ورزی کرو نہ ہم کریں۔ اور وہاں پر معاملہ سب کے سامنے اور پوری طرح واضح ہو جائے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

مقابلے کے لیے جشن کے دن کا تقرر:

سو حضرت موسیٰ نے فرعون کے اس مطالبے کے جواب میں فوراً اور بے دھڑک فرمایا کہ وعدے کا وقت جشن کا دن ہے۔ جس کو وہ لوگ جشن نوروز کے نام وعنوان سے سال کے شروع میں منایا کرتے تھے۔ (مراغی وغیرہ)۔ سو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ مقابلہ اسی دن رکھا جائے کہ اس روز لوگ خود بخود اور بڑی تعداد میں جمع ہوں گے اور نتیجہ سب کے سامنے آجائے گا۔ اور حقیقت حال سب کے سامنے پوری طرح واضح اور آشکارا ہو جائے گی۔ سو حضرت موسیٰ کو اپنی کامیابی کا چونکہ پورا یقین تھا کہ آپ بہرحال حق پر تھے۔ اس لیے آپ نے فرعون کے اس مطالبے کے جواب میں بے دھڑک ارشاد فرمایا کہ مقابلے کا دن میلے کا دن ہوگا اور اس کے لیے وقت چاشت کا۔ کیونکہ میلے کا دن فرصت وفراغت کا دن ہوتا ہے۔ لوگ بآسانی اور بڑی تعداد میں جمع ہو سکیں گے۔ اور چاشت کا وقت ایسے اجتماع کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔ سو اس طرح حضرت موسیٰ نے بھی یہی چاہا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اکٹھے ہوں تاکہ فرعون کا طلسم سب لوگوں کے سامنے آشکارا ہو جائے۔ سو دونوں کے قول وقرار کے مطابق مقابلے کا دن طے ہو گیا۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝۶۰

جبکہ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو گئی، دن وقت اور جگہ بھی ہو گئی تو فرعون نے ادھر ادھر سے جادوگروں کو جمع کرنا شروع کیا اس زمانے میں جادو کا بہت زور تھا اور بڑے بڑے جادوگر موجود تھے۔ فرعون نے عام طور سے حکم جاری کر دیا تھا کہ تمام ہوشیار جادوگروں کو میرے پاس بھیج دو۔ مقررہ وقت تک تمام جادوگر جمع ہو گئے فرعون نے اسی میدان میں اپنا تخت نکلوایا اس پر بیٹھا تمام امراء وزراء اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے رعایا سب جمع ہو گئی جادوگروں کی صفوں کی صفیں پرا باندھے تخت کے آگے کھڑی ہو گئیں۔ فرعون نے ان کی کمر ٹھونکنی شروع کی اور کہا دیکھو آج اپنا وہ ہنر دکھاؤ کہ دنیا میں یادگار رہ جائے۔ جادوگروں نے کہا کہ اگر ہم بازی لے جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ کہا کیوں نہیں؟ میں تو تمہیں اپنا خاص درباری بنا لوں گا۔ ادھر سے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تبلیغ شروع کی کہ دیکھو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامت اعمال برباد کر دے گی۔ لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ درحقیقت کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے بہت کچھ دکھا دو۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں جو فی الواقع کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ یاد رکھو ایسے جھوٹے بہتانی لوگ فلاح نہیں پاتے۔ یہ سن کر ان میں آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ بعض تو سمجھ گئے اور کہنے لگے یہ کلام جادوگروں کا نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے کہا نہیں بلکہ یہ جادوگر ہیں مقابلہ کرو۔ یہ باتیں بہت ہی احتیاط اور راز سے کی گئیں۔ اِنْ هٰذٰنِ کی دوسری قراءت (ان هذین) بھی ہے مطلب اور معنی دونوں قراءتوں کا ایک ہی ہے۔ اب باآواز بلند کہنے لگے کہ یہ دونوں بھائی سیانے اور پہنچے ہوئے جادوگر ہیں۔ اس وقت تک تو تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہے بادشاہ کا قرب نصیب ہے مال ودولت قدموں تلے لوٹ رہا ہے لیکن آج اگر یہ بازی لے گئے تو ظاہر ہے کہ ریاست ان ہی کی ہو جائے گی تمہیں ملک سے نکال دیں گے عوام ان کے ماتحت ہو جائیں گے ان کا زور بندھ جائے گا یہ بادشاہت چھین لیں گے اور ساتھ ہی تمہارے مذہب کو ملیامیٹ کر دیں گے۔ بادشاہت عیش وآرام سب چیزیں تم سے چھن

جائیں گی۔ شرافت عقلمندی ریاست سب ان کے قبضے میں آجائے گی تم یونہی بھٹے بھونتے رہ جاؤ گے۔ تمہارے اشراف ذلیل
ہوجائیں گے امیر فقیر بن جائیں گے ساری رونق اور بہار جاتی رہے گی۔ بنی اسرائیل جو تمہارے لونڈی غلام بنے ہوئے تھے
سب ان کے ساتھ ہوجائیں گے اور تمہاری حکومت پاش پاش ہوجائے گی۔ تم سب اتفاق کرلو۔ ان کے مقابلے میں صف بندی
کرکے اپنا کوئی فن باقی نہ رکھو جی کھول کر ہوشیاری اور دانائی سے اپنے جادو کے زور سے اسے دبالو۔ ایک ہی دفعہ ہر استاد اپنی
کاری گری دکھادے تاکہ میدان ہمارے جادو سے پر ہوجائے دیکھو اگر وہ جیت گیا تو یہ ریاست اسی کی ہوجائے گی اور اگر ہم
غالب آگئے تو تم سن چکے ہو کہ بادشاہ ہمیں اپنا مقرب اور دربار خاص کے اراکین بنادے گا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب بتاؤ تم اپنا وار پہلے کرتے ہو یا ہم پہل کریں؟ اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر
نے فرمایا تم ہی پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکال لو تاکہ دنیا دیکھ لے کہ تم نے کیا کیا اور پھر اللہ نے تمہارے کئے کو کس طرح مٹادیا؟
اسی وقت انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں کچھ ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی
ہیں اور میدان میں دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ کہنے لگے فرعون کے اقبال سے غالب ہم ہی رہیں گے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرکے
انہیں خوفزدہ کردیا اور جادو کے زبردست کرتب دکھادیئے۔ یہ لوگ بہت زیادہ تھے۔ ان کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں سے
اب سارے کا سارا میدان سانپوں سے پر ہوگیا وہ آپس میں گڈمڈ ہوکر اوپر تلے ہونے لگے۔ اس منظر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
خوفزدہ کردیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ ان کے کرتب کے قائل ہوجائیں اور اس باطل میں پھنس جائیں۔ اسی وقت جناب باری نے
وحی نازل فرمائی کہ اپنے داہنے ہاتھ کی لکڑی کو میدان میں ڈال دو ہراساں نہ ہو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ کے حکم سے یہ
لکڑی ایک زبردست بے مثال اژدھا بن گئی، جس کے پیر بھی تھے اور سر بھی تھا۔ کچلیاں اور دانت بھی تھے۔ اس نے سب کے
دیکھتے سارے میدان کو صاف کردیا۔ اس نے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کرلیا۔ اب سب پر حق واضح ہوگیا،
معجزے اور جادو میں تمیز ہوگئی۔ حق و باطل میں پہچان ہوگئی۔ سب نے جان لیا کہ جادوگروں کی بناوٹ میں اصلیت کچھ بھی نہ
تھی۔ فی الواقع جادوگر کوئی چال چلیں لیکن اس میں غالب نہیں آسکتے۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے ترمذی میں بھی موقوفاً اور
مرفوعاً مروی ہے کہ جادوگر کو جہاں پکڑو مار ڈالو، پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ یعنی جہاں پایا جائے امن نہ دیا جائے۔
جادوگروں نے جب یہ دیکھا انہیں یقین ہوگیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے وہ جادو کے فن میں ماہر تھے بہ یک نگاہ
پہچان گئے کہ واقعی یہ اس اللہ کا کام ہے جسکے فرمان اٹل ہیں جو کچھ وہ چاہے اس کے حکم سے ہوجاتا ہے۔ اس کے ارادے سے
مراد جدا نہیں۔ اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہوگیا کہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے بادشاہ کی موجودگی میں وہ اللہ کے
سامنے سربسجود ہوگئے اور پکار اٹھے کہ ہم رب العالمین پر یعنی ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر ایمان لائے۔ سبحان
اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مؤمن اور اللہ کی راہ کے شہید تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی یا
ستر ہزار یا کچھ اوپر تیس ہزار یا انیس ہزار یا پندرہ ہزار یا بارہ ہزار۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے۔ صبح جادوگر شام کو شہید۔ مروی

ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت دکھادی اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ....

ایمان یافتہ جادوگروں پر فرعون کا عتاب:

اللہ کی شان دیکھئے چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آجاتا۔ جن کو اس مقابلے کے لئے بلوایا تھا وہ عام مجمع میں ہارے۔ انھوں نے اپنی ہار مان لی اپنے کرتوت کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزہ تسلیم کرلیا۔ خود ایمان لے آئے جو مقابلے کے لئے بلوائے گئے تھے۔ مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انھوں نے دین حق قبول کرلیا۔ لیکن یہ اپنی شیطانیت میں اور بڑھ گیا اور اپنی قوت وطاقت دکھانے لگا لیکن بھلا حق والے مادی طاقتوں کو سمجھتے ہی کیا ہیں؟ پہلے تو جادوگروں کے اس مسلم گروہ سے کہنے لگا کہ میری اجازت کے بغیر تم اس پر ایمان کیوں لائے؟ پھر ایسا بہتان باندھا جس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو تمہارے استاد ہیں انہی سے تم نے جادو سیکھا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی ہو مشورہ کر کے ہمیں تاراج کرنے کے لئے تم نے پہلے انہیں بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آئے ہو اور اپنے اندرونی سمجھوتے کے مطابق سامنے ہار گئے ہو اور اسے جتا دیا اور پھر اس کا دین قبول کرلیا تاکہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی چکر میں پھنس جائے مگر تمہیں اپنی اس ساز باز کا انجام بھی معلوم ہوجائے گا۔ میں الٹی سیدھی طرف سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اسی بادشاہ نے سب سے پہلے یہ سزا دی ہے۔ تم جو اپنے آپ کو ہدایت پر اور مجھے اور میری قوم کو گمراہی پر سمجھتے ہو اس کا حال تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے اس دھمکی کا ان دلوں پر الٹا اثر ہوا۔ وہ اپنے ایمان میں کامل بن گئے اور نہایت بے پرواہی سے جواب دیا کہ اس ہدایت ویقین کے مقابلے میں جو ہمیں اب اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول کرنے کے نہیں۔ نہ تجھے ہم اپنے سچے خالق مالک کے سامنے کوئی چیز سمجھیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ قسم ہو یعنی اس اللہ کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا ہے ہم ان واضح دلیلوں پر تیری گمراہی کو ترجیح دے ہی نہیں سکتے خواہ تو ہمارے ساتھ کچھ ہی کرلے مستحق عبادت وہ ہے جس نے ہمیں بنایا نہ کہ تو، جو خود اسی کا بنایا ہوا ہے۔ تجھے جو کرنا ہو اس میں کمی نہ کر تو تو ہمیں اسی وقت تک سزا دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا کی حیات کی قید میں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ابدی راحت اور غیر فانی خوشی ومسرت نصیب ہوگی۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے اگلے قصوروں سے درگزر فرمالے گا بالخصوص یہ قصور جو ہم سے اللہ کے سچے نبی کے مقابلے پر جادو بازی کرنے کا سرزد ہوا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے لے کر انہیں جادوگروں کے سپرد کیا تھا کہ انہیں جادو کی پوری تعلیم دو اب یہ لڑکے یہ مقولہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے ہم سے جبراً جادوگری کی خدمت لی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا ہمارے لئے بہ نسبت تیرے اللہ بہت بہتر ہے اور دائمی ثواب دینے والا ہے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں سے ڈر نہ تیرے انعام کی لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت واطاعت کی جائے۔ اسی کے عذاب دائمی ہیں اور سخت خطرناک ہیں اگر اس کی نافرمانی کی

جائے۔ پس فرعون نے بھی ان کے ساتھ یہ کیا سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا وہ جماعت جو سورج کے نکلنے کے وقت کافر تھی وہی جماعت سورج ڈوبنے سے پہلے مؤمن اور شہید تھی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں نے ایمان قبول فرما کر فرعون کو جو نصیحتیں کیں انہیں میں یہ آیتیں بھی ہیں۔ اسے اللہ کے عذابوں سے ڈرا رہے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا لالچ دلا رہے ہیں کہ گنہگاروں کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں موت تو کبھی آنے ہی کی نہیں لیکن زندگی بھی بڑی مشقت والی موت سے بدتر ہوگی۔ جیسے فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ یعنی نہ موت آئے گی نہ عذاب ہلکے ہوں گے کافروں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور آیتوں میں ہے: وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ (الاعلیٰ) یعنی اللہ کی نصیحتوں سے بےفیض وہی رہے گا جو ازلی بدبخت ہو جو آخرکار بڑی سخت آگ میں گرے گا جہاں نہ تو موت آئے نہ چین کی زندگی نصیب ہو۔ اور آیت میں ہے کہ جہنم میں جھلستے ہوئے کہیں گے کہ اے داروغہ دوزخ تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت ہی دے دے لیکن وہ جواب دے گا کہ نہ تم مرنے والے ہو نہ نکلنے والے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اصلی جہنمی تو جہنم میں ہی پڑے رہیں گے نہ وہاں انہیں موت آئے نہ آرام کی زندگی ملے ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے جان نکل جائے گی پھر شفاعت کی اجازت کے بعد ان کا چورا نکالا جائے گا اور جنت کی نہروں کے کناروں پر بکھیر دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو تو جس طرح تم نے نہر کے کنارے کے کھیت کے دانوں کو اگتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح وہ اگیں گے۔ یہ سن کر ایک شخص کہنے لگے حضور ﷺ نے مثال تو ایسی دی ہے گویا آپ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خطبے میں اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے یہ فرمایا تھا۔ اور جو اللہ سے قیامت ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جا ملا اسے اونچے بالا خانوں والی جنت ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت کے سو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اسی سے چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں اس کی چھت رحمان کا عرش ہے اللہ سے جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کرو۔ (ترمذی وغیرہ) ابن ابی حاتم میں ہے کہ کہا جاتا تھا کہ جنت کے سو درجے ہیں ہر درجے کے پھر سو درجے ہیں دو درجوں میں اتنی دوری ہے جتنی آسمان و زمین میں۔ ان میں یاقوت اور موتی ہیں اور زیور بھی۔ ہر جنت میں امیر ہے جس کی فضیلت اور سرداری کے دوسرے قائل ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اعلیٰ علیین والے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے تم لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا پھر یہ بلند درجے تو نبیوں کے لئے ہی مخصوص ہونگے؟ فرمایا سنو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے نبیوں کو سچا جانا۔ سنن کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابوبکر و عمر انہی میں سے ہیں۔ اور کتنے ہی اچھے مرتبے والے ہیں۔ یہ جنتیں ہیشگی کی اقامت ہیں جہاں یہ ہمیشہ ابدالآباد رہیں گے۔ جو لوگ اپنے نفس پاک رکھیں گناہوں سے۔ خباثت سے۔ گندگی سے۔ شرک و کفر سے دور رہیں۔ اللہ واحد کی عبادت کرتے رہیں۔ رسولوں کی اطاعت میں عمر گزار دیں ان کے لئے یہی قابل رشک مقامات اور قابل صد مبارکباد انعام ہیں۔ (...)

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج، فرعون کا تعاقب اور اس کی غرقابی:

(ربط) گزشتہ آیات میں ساحرین کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر تھا کہ کھلے میدان میں دن دہاڑے مقابلہ ہوا اور فرعونیوں کو شکست فاش ہوئی اور ساحرین مشرف باسلام ہو گئے تو بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور فرعون ڈر گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کا سلسلہ شروع ہو گیا چند ہی سال میں موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کافی تعداد میں ہو گئے مگر چند روز کے بعد لوگوں نے پھر فرعون کو دعوائے الوہیت اور سابق ظلم و تشدد پر آمادہ کیا تو حسب سابق اس نے پھر وہی ظلم و ستم شروع کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے لگا تا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پڑ جائے کہ وہ مولود جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فرعون نے پھر قتل کا بازار گرم کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ان مظالم کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کا حکم دیا اور فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تا کہ ہم سب ملک شام چلے جائیں اور فرعون کو متنبہ کرنے کے لیے طرح طرح کے نشانات دکھاتے رہے۔ جیسے طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع اور دم وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فرعون جب کوئی نشان دیکھتا تو ڈر جاتا اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کے رفع کے لیے درخواست کرتا اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کر لیتا۔ مگر جب وہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو جاتی تو پھر مکر جاتا۔ بیس سال اسی حالت میں گزر گئے نہ ایمان لایا اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر آمادہ ہوا اور اس طویل و عریض مدت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی نشانیاں دکھائی گئیں سب کی تکذیب کی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

پس جب حق جل شانہ کی طرف سے حجت پوری ہو گئی اور جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وقت آ گیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے غرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تا کہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہو جانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اس خارق عادت طریقہ سے بصد ہزار ذلت و خواری غرق ہو جانا کرشمہ قدرت اور معجزہ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شام چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارے خاندانوں میں کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو جب حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہو گئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا

لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں۔ تو اس نے اپنے آدمیوں کو ان دریائی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی بولے کہ یہ سب حضور فیض گنور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے بیچ پہونچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہوگیا۔ اور وہ بدبخت مع اپنی قوم کے غرق ہوگیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق کیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا۔ اب اس رکوع میں فرعون کے مآل اور انجام کو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون باوجود یکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تکبر اور تجبر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور دور چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دیا۔ جس میں نہ پانی ہو اور نہ کیچڑ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستے بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿۶۳﴾

چونکہ علم الٰہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم سیدھے چلے جانا نہ تو پکڑے جانے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہوگا اور نہ یہ خوف ہوگا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آ کر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہولیا۔ پس جب تمام لشکر دریا کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہوگیا۔ تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آ ملا۔ اور سب غرق ہو گئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا: وَمَآ

اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ۝ میں تم کو سیدھا راستہ بتلاتا ہوں۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے عبرتناک غرقابی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے دوسرے انعامات اور احسانات کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دینی اور دنیوی احسانات کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے بڑے دشمن فرعون سے نجات دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نجات کی نعمت کو بیان فرمایا۔ اس لیے کہ دفع ضرر کی نعمت سب سے مقدم ہے اور یہ نعمت دنیوی تھی اب اس کے بعد دینی نعمت کو بیان کرتے ہیں اور اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے توریت دینے کے لیے طور کے داہنی جانب کا وعدہ کیا توریت کا عطا کرنا دینی نعمت ہے کیونکہ توریت نور ہے اور ہدایت ہے اور شریعت الٰہیہ ہے۔ جس پر عمل سے انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اس دینی نعمت کے بعد ایک دنیوی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا من تو ایک حلوا تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا۔ اور "سلوی" ایک پرندہ تھا جو ان پر گرتا تھا اور لذیذ تھا۔ بقدر حاجت اس میں سے لے لیتے تھے اور اگلے روز کے لیے ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی یہ ان پر اللہ کا دنیوی انعام تھا۔ اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہماری ان نعمتوں کو عصیان اور طغیان کا سبب نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے ان سے یہ کہا کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس کھانے میں حد شرعی سے تجاوز نہ کرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہو۔ حد سے بڑھنے سے ناشکری اور نافرمانی کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا مراد ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بلندی سے پستی میں جا گرا اور ہلاک اور برباد ہوا۔ یعنی اوپر سے ہاویہ (قعر جہنم میں جا گرا) "ھوی" کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔

(ھذا کلہ من التفسیر الکبیر للامام الرازی رحمہ اللہ از ص ۶۹ ج ۶ تا ص ۷۰ ج ۶)

اور اس قہر وغضب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ بلاشبہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے پھر راہ ہدایت پر قائم رہا اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جما رہا۔ یہاں تک کہ اسی پر مر گیا۔ یہ مقام استقامت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا۔ غرض کہ اہتداء سے استمرار اور استقامت کے معنی مراد ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۷۰ ج ۶)

اور راہ ہدایت سے صراط مستقیم مراد ہے جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔

وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى ۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡ بِهَمۡزَةِ قَطۡعٍ مِنۡ اَسۡرٰى اَوۡ هَمۡزَةِ وَصۡلٍ وَكَسۡرِ النُّوۡنِ مِنۡ سَرٰى لُغَتَانِ اَىۡ سِرۡ بِهِمۡ لَيۡلًا مِنۡ اَرۡضِ مِصۡرَ فَاضۡرِبۡ اِجۡعَلۡ لَهُمۡ بِالضَّرۡبِ بِعَصَاكَ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ اَىۡ يَابِسًا فَامۡتَثَلَ مَا اُمِرَ بِهٖ وَاَيۡبَسَ اللّٰهُ الۡاَرۡضَ فَمَرُّوۡا فِيۡهَا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا اَىۡ اَنۡ يُدۡرِكَكَ فِرۡعَوۡنُ وَلَا تَخۡشٰى ۝ غَرَقًا فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ وَهُوَ مَعَهُمۡ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ اَىِ الۡبَحۡرِ مَا غَشِيَهُمۡ ۝ مَا غَرَقَهُمۡ

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ بِدُعَائِهِمْ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَمَا هَدٰى ۝ بَلْ اَوْقَعَهُمْ فِى الْهَلَاكِ خِلَافَ قَوْلِهٖ وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ فِرْعَوْنَ بِاِغْرَاقِهٖ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ فَنُؤْتِىْ مُوْسٰى التَّوْرٰةَ لِلْعَمَلِ بِهَا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ هُمَا التُّرُنْجَبِيْنُ وَالطَّيْرُ السَّمَانٰى بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ وَالْقَصْرِ وَالْمُنَادٰى مَنْ وُجِدَ مِنَ الْيَهُوْدِ زَمَنَ النَّبِىِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُوْطِبُوْا بِمَا اُنْعِمَ بِهٖ عَلٰى اَجْدَادِهِمْ زَمَنَ النَّبِىِّ مُوْسٰى تَوْطِئَةً لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَهُمْ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ اَىِ الْمُنْعَمِ بِهٖ عَلَيْكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ بِاَنْ تَكْفُرُوا الْمُنْعِمَ بِهٖ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ بِكَسْرِ الْحَاءِ اَىْ يَجِبُ وَبِضَمِّهَا يَنْزِلُ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا فَقَدْ هَوٰى ۝ سَقَطَ فِى النَّارِ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ وَاٰمَنَ وَحَّدَ اللّٰهَ وَعَمِلَ صَالِحًا يُصَدِّقُ بِالْفَرْضِ وَالنَّفْلِ ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ بِاسْتِمْرَارِهٖ عَلٰى مَا ذُكِرَ اِلٰى مَوْتِهٖ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ لِمَجِيْءِ مِيْعَادِ اَخْذِ التَّوْرٰةِ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ اَىْ بِالْقُرْبِ مِنِّىْ يَاْتُوْنَ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ عَنِّىْ اَىْ زِيَادَةً عَلٰى رِضَاكَ وَقَبْلَ الْجَوَابِ اَتٰى بِالْاِعْتِذَارِ بِحَسْبِ ظَنِّهٖ وَتَخَلُّفِ الْمَظْنُوْنِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ اَىْ بَعْدَ فِرَاقِكَ لَهُمْ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝ فَعَبَدُوا الْعِجْلَ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ مِنْ جِهَتِهِمْ اَسِفًا ۚ شَدِيْدَ الْحُزْنِ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَىْ صِدْقًا اَنَّهٗ يُعْطِيْكُمُ التَّوْرٰةَ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ مُدَّةُ مُفَارَقَتِىْ اِيَّاكُمْ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ يَجِبَ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ بِعِبَادَتِكُمُ الْعِجْلَ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ۝ وَتَرَكْتُمُ الْمَجِيْءَ بَعْدِىْ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا مُثَلَّثُ الْمِيْمِ اَىْ بِقُدْرَتِنَا اَوْ بِاَمْرِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا بِفَتْحِ الْحَاءِ مُخَفَّفًا وَبِضَمِّهَا وَكَسْرِ الْمِيْمِ مُشَدَّدًا اَوْزَارًا اَثْقَالًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ اَىْ حُلِىِّ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اسْتَعَارَهَا مِنْهُمْ بَنُوْٓا اِسْرَآئِيْلَ بِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِيَتْ عِنْدَهُمْ فَقَذَفْنٰهَا طَرَحْنَاهَا فِى النَّارِ بِاَمْرِ السَّامِرِىِّ فَكَذٰلِكَ كَمَا اَلْقَيْنَا اَلْقَى السَّامِرِىُّ ۝ مَا مَعَهٗ مِنْ حُلِيِّهِمْ وَمِنَ التُّرَابِ الَّذِىْ اَخَذَهٗ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرَئِيْلَ عَلَى الْوَجْهِ الْاٰتِىْ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا صَاغَهٗ لَهُمْ مِنَ الْحُلِىِّ جَسَدًا لَحْمًا وَدَمًا لَّهٗ

خوار أَيْ صَوْتٌ يُسْمَعُ أَيْ اِنْقَلَبَ كَذٰلِكَ بِسَبَبِ التُّرَابِ الَّذِيْ أَثَرُهُ الْحَيَاةُ فِيْمَا يُوْضَعُ فِيْهِ وَوَضَعَهُ
بَعْدَ صَوْغِهٖ فِيْ فَمِهٖ فَقَالُوْا أَيِ السَّامِرِيُّ وَأَتْبَاعُهُ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ مُوْسٰى رَبَّهُ هُنَا وَذَهَبَ
يَطْلُبُهُ قَالَ تَعَالٰى أَفَلَا يَرَوْنَ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ أَيْ أَنَّهُ أَلَّا يَرْجِعُ الْعِجْلُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا
أَيْ لَا يَرُدُّ لَهُمْ جَوَابًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا أَيْ دَفْعَهُ وَلَا نَفْعًا أَيْ جَلْبَهُ أَيْ فَكَيْفَ يُتَّخَذُ اِلٰهًا ع ۱۳ ۱۲

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ (سرزمین مصر سے ان اسر میں ہمزہ قطعی اور ماخوذ ہے۔ یہ اسری سے یا ہمزہ وصلی ہے اور ان کے نون کو کسرہ ہے اس صورت میں ماخوذ ہوگا سری یسری سے۔ بہر حال یہ دو لغت ہیں اسری و سری۔ اسریٰ کی صورت میں لازم ہوگا اور سریٰ کا تعدیہ با کے ساتھ کرنا ہوگا) پھر ان کیلئے سمندر میں خشک راستہ بنالینا (یعنی سمندر پر اپنی لاٹھی مارو، ہم سمندر میں راستہ بنا دیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے حسب حکم سمندر پر اپنی لاٹھی ماری۔ جس کے نتیجہ میں اس سے خشک راستہ نکل آیا اور یہ سب کے سب بسہولت اس سمندر کو عبور کر گئے۔ نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو خوف ہوگا (یعنی نہ تو فرعون تم کو پکڑ سکے گا اور نہ تمہیں ڈوب جانے وغیرہ کا خوف ہوگا) پھر فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا (پیچھا کرنے والوں میں خود فرعون بھی ساتھ تھا) تو دریا جیسا ان پر ملنا تھا آملا (یعنی جب فرعون نے تعاقب کرتے ہوئے اس خشک راستہ سے گزرنا چاہا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے تو وہ سمندر کا راستہ ختم ہو کر ایک جانب کا پانی دوسری جانب سے جاملا جس کے نتیجہ میں وہ غرق ہو گیا) اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا (اپنی عبادت کرا کے) اور سیدھی راہ پر نہ لایا (یعنی ان کو ہلاک کر دیا۔ اور اپنے اس وعدہ کے خلاف کیا کہ ہم تمہیں سیدھی راہ کی طرف لے جا رہے ہیں) اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی فرعون سے اسے غرق کر کے) اور تم سے وعدہ کیا طور سے داہنی جانب سے متعلق (یعنی تمہارے لئے احکام نازل کرنے کا وعدہ ہے۔ سو ہم موسیٰ کو توریت دیں گے تاکہ تم اس کے مطابق عمل کرو) اور تمہارے اوپر من وسلویٰ اتار (یعنی ترنجبین اور بٹیر، سانی میں میم مخفف ہے اور اخیر میں الف مقصورہ اور یا بنی اسرائیل میں منادی ہر وہ یہودی ہے جو آنحضورؐ کے دور میں موجود تھا۔ ذکر ان نعمتوں کا کیا گیا جو یہود کے آباؤ اجداد پر حضرت موسیٰ کے زمانے میں کی گئی تھیں۔ گویا یہ تمہید ان مضامین کیلئے جو آئندہ آنے والے ہیں) ان نفیس چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس باب میں حد سے مت گزر جاؤ (کفران نعمت کر کے) ورنہ تم پر میرا غضب واقع ہو جائے گا) فیحل اگر حا کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو یجب کے معنی میں ہوگا۔ کہ میرا غضب تمہارے لئے ضروری ہو گیا اور اگر حا کو پیش پڑھیں تو ینزل کے معنی میں ہوگا کہ میرا غضب تم پر نازل ہوگا) اور جس پر میرا غضب واقع ہوا (یہاں بھی یحل کے حاء کو کسرہ اور ضمہ دونوں ہو سکتا

ہے اور اسی کے مطابق معنی ہوں گے) وہ یقینا گر کر رہا (یعنی جہنم میں پہنچ گیا) اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں، اس کو جو
توبہ کرے (شرک سے) اور ایمان لے آئے (یعنی خدا کی وحدانیت کا اقرار کرے) اور نیک عمل کرنے لگے۔ پھر
راہ پر قائم رہے (یعنی جو فرائض و نوافل کا اہتمام رکھے اور تاحیات اس پر جما بھی رہے) اور اے موسیٰ آپ کو اپنی
قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا (یعنی توریت کے ملنے کی مدت آتے ہی قوم کو پیچھے چھوڑ کر تم نے اتنی جلدی
کیوں کی) عرض کی کہ وہ لوگ تو میرے پیچھے ہیں (یعنی وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں) اور میں تو آپ
کے پاس پروردگار (جلدی اس وجہ سے چلا آیا تاکہ آپ خوش ہو جائیں (یعنی میں نے آنے میں جلدی اس وجہ سے
کی تاکہ آپ کی مزید خوشنودی مجھے حاصل ہو جائے اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ کہہ دیا کہ وہ تو میرے
پیچھے آرہے ہیں۔ اسی کو خدا تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ کہ) تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا
ہے (تمہارے ان سے جدا ہونے کے بعد) انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے (اور ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش
شروع کر دی ہے) غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے (اپنی قوم کی اس حرکت پر)
بولے اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا (توریت کے دینے کا) سو کیا
تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا (مجھ سے جدائی کا) یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے
(اس وجہ سے تم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی) اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی
(اور میرے پیچھے پیچھے تم نہیں آئے) وہ کہنے لگے ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں
کی (ملکنا کے میم میں فتحہ، کسرہ، ضمہ تینوں اعراب ہیں) البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم کے زیوروں سے بوجھ لد رہا تھا
(یعنی فرعون کی قوم کے زیورات جو اسرائیلیوں نے عرس کے موقع پر ان سے عاریۃً لئے تھے وہ اب تک انہیں کے
پاس تھے) سو ہم نے اسے ڈال دیا (آگ میں سامری کے حکم سے) پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا (یعنی
اس نے بھی وہ زیورات جو اس کے پاس تھے آگ میں ڈال دیئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی جو اس نے زمین سے
جبرئیلؑ کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے لی تھی) پھر اس نے ان لوگوں کیلئے ایک بچھڑا ظاہر کیا (جو زیورات سے
ڈھالا گیا تھا) کہ وہ ایک قالب تھا (گوشت اور خون کا) جس میں ایک آواز تھی (اور یہ انقلاب اس مٹی کے نتیجہ میں
پیدا ہوا جس میں حیات کے آثار پائے جاتے تھے اور جسے ڈھانچہ تیار کرنیکے بعد اس کے منہ میں ڈال دیا گیا تھا) سو
وہ کہنے لگے (یعنی سامری اور اس کے متبعین) کہ یہی تو ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود۔ سو وہ تو اسے بھول گئے (یعنی موسیٰ
تو دھوکہ میں ہیں وہ اس کو یہیں بھول گئے اور نہ معلوم کہاں ڈھونڈنے کیلئے چلے گئے) کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے
تھے (ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور ان کا اسم محذوف ہے اصل عبارت ہے انہ) کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دے
سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا نفع پر قدرت رکھتا ہے (یعنی انہیں اتنا بھی ہوش نہیں کہ وہ بچھڑا نہ ان کی باتوں کا

جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نفع ونقصان میں شریک۔ پھر کس طرح وہ اسے معبود بنا بیٹھے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله:اِجْعَلْ: ضرب کا معنی جعل سے کیا۔ عرب لوگ کہتے ہیں: ضرب له سهمًا یعنی اس کے لیے مال کا حصہ مقرر کیا۔

قوله:یَبَسًا: یہ یَابِسًا کے معنی میں ہے اور یہ مصدر ہے بطور مبالغہ اس کو وصف کے لیے لائے ہیں۔

قوله: لَا تَخَفْ: یہ ماموره سے حال ہے یعنی اس حال کے تم فرعون کے پانے سے امن میں ہو۔

قوله: وَهُوَ مَعَهُمْ: فرعون نے لشکر کی قیادت میں ان کا پیچھا کیا۔ اس میں ب زائدہ ہے۔

قوله: جَانِبَ الطُّوْرِ: یہ موصوف الایمن صفت ہے۔

قوله: تَوْطِئَةً: اس میں مجاز کو حقیقت کے مقابلے میں اختیار کرنے کی وجہ بتلائی کہ یہ تمہید ہے اور اظہار کی ضرورت نہیں۔

قوله: الْمُنْعَمِ بِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ ما موصولہ ہے کیونکہ مصدر یہ یہاں ماننا درست نہیں۔

قوله: مِنَ الشِّرْكِ: یہ قید بڑھائی تا کہ عمل صالح اور اس میں تناقض نہ رہے، اور اس کے بعد ثم اهتدٰی لا کر استمرار علی الایمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

قوله: لِمَجِيْءِ مِيْعَادِ: اس میں اللہ کی طرف سے عجلت کے سبب کا سوال کیا گیا تھا جس کے ضمن میں نفس کی کمی اور قوم کی غفلت اور تعظیم کا ایہام بھی تھا اس لیے موسیٰ کا جواب دونوں چیزوں کے لحاظ سے ہے۔

قوله: بِالْقُرْبِ: اس سے اشارہ کیا کہ موسیٰ نے جواب دیا کہ میں ان سے چند قدم ہی آگے بڑھا ہوں جیسا دوستوں میں ایسا ہوتا ہے کہ چلنے میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

قوله: لِتَرْضٰى: یعنی تیرے حکم کی طرف مسارعت تیری رضامندی کو لازم کرنے والی ہے۔

قوله: زِيَادَةً عَلٰى رِضَاكَ: اس سے اس اعتراض کو دور کیا کہ نبوت تو خود رضا کو لازم ہے۔ بعض نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے مطابق بات فرمائی۔

قوله: بَعْدَ فِرَاقِكَ: یہ اسی طرح ہے جیسے ثم اتخذتم العجل اس میں ہم نے لکھ دیا۔

قوله: مُدَّةُ مُفَارِقَتِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ الْعَهْدُ میں الف لام اضافت کے بدلے میں ہے۔

قوله: مُوْسٰى رَبَّهٗ: اس میں اشارہ کیا کہ اَفَلَا يَرَوْنَ سے آگے کلام یہ باری تعالیٰ کا ہے اور ان مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝

احسانات کی یاددہانی:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو بڑے بڑے احسان کئے تھے انہیں یاد دلا رہا ہے ان میں سے ایک تو یہ
انہیں ان کے دشمن سے نجات دی۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کو ان کے دیکھتے ہوئے دریا میں ڈبو دیا۔ ایک بھی
سے باقی نہ بچا جیسے فرمان ہے: وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝ یعنی ہم نے تمہارے دیکھتے ہوئے فرعونیوں
دیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے کے یہودیوں کو عاشورے کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ
ان سے اس کا سبب معلوم فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر کامیاب کیا
آپ نے فرمایا پھر تو ہمیں بہ نسبت تمہارے ان سے زیادہ قرب ہے چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو اس دن کے روزے کا حکم
پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو کوہ طور کی دائیں جانب کا وعدہ دیا۔ آپ وہاں گئے اور پیچھے سے بنو اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع
کردی۔ جس کا بیان ابھی آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح ایک احسان ان پر یہ کیا کہ من وسلویٰ کھانے کو دیا اس کا
بیان سورۃ بقرہ وغیرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے من ایک میٹھی چیز تھی جو ان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلویٰ ایک قسم کے پرند
تھے جو بہ حکم خداوندی ان کے سامنے آجاتے تھے یہ بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے۔ ہماری یہ دی ہوئی روزی
کھاؤ اس میں حد سے نہ گزر جاؤ حرام چیز یا حرام ذریعہ سے اسے نہ طلب کرو۔ ورنہ میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب
اترے یقین مانو کہ وہ بدبخت ہوگیا۔ حضرت شفی بن مانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے جہاں
کافر کو جہنم میں گرایا جاتا ہے تو زنجیروں کی جگہ تک چالیس سال میں پہنچتا ہے یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ وہ گڑھے میں
پڑا۔ ہاں جو بھی اپنے گناہوں سے میرے سامنے توبہ کرے میں اس کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ دیکھو بنی اسرائیل میں سے جنہوں
نے بچھڑے کی پوجا کی تھی ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ غرض جس کفر وشرک گناہ ومعصیت پر کوئی ہو پھر
اسے بخوف الٰہی چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے ہاں دل میں ایمان اور اعمال صالحہ بھی کرتا ہو اور ہو بھی راہ راست
پر۔ شکی نہ ہو سنت رسول اور جماعت صحابہ کی روش پر ہو اس میں ثواب جانتا ہو یہاں پر ثم کا لفظ خبر کی خبر پر ترتیب کرنے کے لئے
آیا ہے جیسے فرمان: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۝ (البلد)

بنی اسرائیل کا دریا پار جانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پار کر کے نکل گئے تو ایک جگہ پہنچے جہاں کے لوگ اپنے بتوں کے مجاور بن کر بیٹھے ہوئے تھے تو
بنی اسرائیل کہنے لگے موسیٰ ہمارے لئے بھی ان کی طرح کوئی معبود مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو یہ تو برباد
شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس روزوں کا حکم دیا۔ پھر دس بڑھا دیئے گئے پورے
چالیس ہوگئے دن رات روزے سے رہتے تھے اب آپ جلدی سے طور کی طرف چلے بنی اسرائیل پر اپنے بھائی ہارون کو خلیفہ
مقرر کیا۔ وہاں جب پہنچے تو جناب باری تعالیٰ نے اس جلدی کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ بھی طور کے قریب
ہی ہیں آرہے ہیں میں نے جلدی کی ہے کہ تیری رضا مندی حاصل کرلوں اور اس میں بڑھ جاؤں۔

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝

موسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر شرک:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے چلے آنے کے بعد تیری قوم میں نیا فتنہ برپا ہوا اور انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کردی ہے اس بچھڑے کو سامری نے بنایا اور انہیں اس کی عبادت میں لگا دیا ہے اسرائیلی کتابوں میں ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمانے کے لئے تورات کی تختیاں لکھ لی گئی تھیں جیسے فرمان ہے: وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الاعراف) یعنی ہم نے اس کے لئے تختیوں میں ہر شے کا تذکرہ اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی اور کہہ دیا کہ اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنی قوم سے بھی کہو کہ اس پر عمدگی سے عمل کریں۔ میں تمہیں عنقریب فاسقوں کا انجام دکھا دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اپنی قوم کے مشرکانہ فعل کا علم ہوا تو سخت رنج ہوا اور غم وغصے میں بھرے ہوئے وہاں سے واپس قوم کی طرف چلے کہ دیکھو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے باوجود ایسے سخت احمقانہ اور مشرکانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ غم واندوہ رنج وغصہ آپ کو بہت آیا۔ واپس آتے ہی کہنے لگے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے تمام نیک وعدے کئے تھے تمہارے ساتھ بڑے بڑے سلوک وانعام کئے لیکن ذرا سے وقفے میں تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے بلکہ تم نے وہ حرکت کی جس سے اللہ کا غضب تم پر اتر پڑا تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا مطلق لحاظ نہ رکھا۔ اب بنی اسرائیل معذرت کرنے لگے کہ ہم نے یہ کام اپنے اختیار سے نہیں کیا بات یہ ہے کہ جو زیور فرعونیوں کے ہمارے پاس مستعار لئے ہوئے تھے ہم نے بہتر یہی سمجھا کہ انہیں پھینک دیں چنانچہ ہم نے سب کے سب بطور پرہیزگاری کے پھینک دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلا کر ان سے فرمایا کہ وہ زیور سب اس میں ڈال دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ سب زیور ایک جا ہو جائیں اور پگھل کر ایک ڈلا بن جائے پھر جب موسیٰ علیہ السلام آجائیں جیسا وہ فرمائیں کیا جائے۔ سامری نے اس میں وہ مٹی ڈال دی جو اس نے اللہ کے قاصد کے نشان سے لی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری خواہش قبول فرمالے آپ کو کیا خبر تھی آپ نے دعا کی اس نے خواہش یہ کی کہ اس کا ایک بچھڑا بن جائے جس میں سے بچھڑے کی سی آواز بھی نکلے چنانچہ وہ بن گیا اور بنی اسرائیل کے فتنے کا باعث ہو گیا پس فرمان ہے کہ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام ایک مرتبہ سامری کے پاس سے گزرے وہ اس بچھڑے کو ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا۔ آپ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا وہ چیز بنا رہا ہوں جو نقصان دے اور نفع نہ دے۔ آپ نے دعا کی اے اللہ خود اسے ایسا ہی کردے اور آپ وہاں سے تشریف لے گئے سامری کی دعا سے یہ بچھڑا بنا اور آواز نکالنے لگا۔ بنی اسرائیل بہکاوے میں آ گئے اور اس کی پرستش شروع کردی۔ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے اور دوسری آواز پر سجدے سے سر اٹھاتے۔ یہ گروہ دوسرے مسلمانوں کو بھی بہکانے لگا کہ دراصل اللہ یہی ہے موسیٰ بھول کر اور کہیں اس کی جستجو میں چل دیئے ہیں وہ یہ کہنا بھول گئے کہ تمہارے رب یہی ہیں۔ یہ لوگ مجاور بن کر اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔ ان کے دلوں میں اس کی محبت رچ گئی۔ یہ معنی بھی ہو

سکتے ہیں کہ سامری اپنے سچے اللہ اور اپنے پاک دین اسلام کو بھول بیٹھا۔ ان کی بیوقوفی دیکھئے کہ یہ اتنا نہیں دیکھتے کہ وہ بچھڑا تو
محض بے جان چیز ہے ان کی بات کا نہ تو جواب دے نہ سنے نہ دنیا آخرت کی کسی بات کا اسے اختیار نہ کوئی نفع نقصان اس کے
ہاتھ میں۔ آواز جو نکلی تھی اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ پیچھے کے سوراخ میں سے ہوا گزر کر منہ کے راستے نکلتی تھی اسی کی آواز آتی
تھی۔ اس بچھڑے کا نام انہوں نے بہموت رکھ چھوڑا تھا۔ ان کی دوسری حماقت دیکھئے کہ چھوٹے گناہ سے بچنے کے لئے بڑا گناہ
کرلیا۔ فرعونیوں کی امانتوں سے آزاد ہونے کے لئے شرک شروع کر دیا۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ کسی عراقی نے عبداللہ بن عمرؓ
سے پوچھا کہ کپڑے پر اگر مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ان عراقیوں کو دیکھو بنت رسول اللہ
ﷺ کے لخت جگر کو تو قتل کر دیں اور مچھر کے خون کے مسئلے پوچھتے پھریں؟

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ اَنْ یَّرْجِعَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ
فِیْ عِبَادَتِهٖ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ﴿٩٠﴾ فِیْهَا قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ نَزَالُ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ عَلٰی عِبَادَتِهٖ مُقِیْمِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا
مُوْسٰی ﴿٩١﴾ قَالَ مُوْسٰی بَعْدَ رُجُوْعِهٖ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ بِعِبَادَتِهٖ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ لَا زَائِدَةٌ
اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿٩٣﴾ بِاِقَامَتِكَ بَیْنَ مَنْ یَّعْبُدُ غَیْرَ اللّٰهِ قَالَ هٰرُوْنُ یَبْنَؤُمَّ بِكَسْرِ الْمِیْمِ وَفَتْحِهَا اَرَادَ اُمِّیْ وَ
ذِكْرُهَا اَعْطَفُ لِقَلْبِهٖ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَكَانَ اَخَذَهَا بِشِمَالِهٖ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ وَكَانَ اَخَذَ شَعْرَهٗ بِیَمِیْنِهٖ غَضَبًا
اِنِّیْ خَشِیْتُ لَوِ اتَّبَعْتُكَ وَلَا بُدَّ اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ جَمْعٌ مِمَّنْ لَمْ یَعْبُدِ الْعِجْلَ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ
تَغْضَبُ عَلَیَّ وَلَمْ تَرْقُبْ تَنْتَظِرْ قَوْلِیْ ﴿٩٤﴾ فِیْمَا رَاَیْتَهٗ فِیْ ذٰلِكَ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ شَاْنُكَ الدَّاعِیْ اِلٰی مَا صَنَعْتَ
یٰسَامِرِیُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ عَلِمْتُ مَا لَمْ یَعْلَمُوْهُ بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابِ
اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ جِبْرَئِیْلَ فَنَبَذْتُهَا اَلْقَیْتُهَا فِیْ صُوْرَةِ الْعِجْلِ الْمُصَاغِ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ زَیَّنَتْ
لِیْ نَفْسِیْ ﴿٩٦﴾ وَاُلْقِیَ فِیْهَا اَنْ اٰخُذَ قُبْضَةً مِنْ تُرَابِ مَا ذُكِرَ وَاُلْقِیَهَا عَلٰی مَا لَا رُوْحَ لَهٗ یَصِیْرُ لَهٗ رُوْحٌ وَرَاَیْتُ
قَوْمَكَ طَلَبُوْا مِنْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ اِلٰهًا فَحَدَّثَتْنِیْ نَفْسِیْ اَنْ یَّكُوْنَ ذٰلِكَ الْعِجْلُ اِلٰهَهُمْ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی
فَاذْهَبْ مِنْ بَیْنِنَا فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَیْ مُدَّةِ حَیَاتِكَ اَنْ تَقُوْلَ لِمَنْ رَاَیْتَهٗ لَا مِسَاسَ ۪ اَیْ لَا تَقْرَبْنِیْ فَكَانَ
یَهِیْمُ فِی الْبَرِّیَّةِ وَاِذَا مَسَّ اَحَدًا اَوْ مَسَّهٗ اَحَدٌ حُمَّا جَمِیْعًا وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لِعَذَابِكَ لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ بِكَسْرِ
اللَّامِ اَیْ لَنْ تَغِیْبَ عَنْهُ وَبِفَتْحِهَا اَیْ بَلْ تُبْعَثُ اِلَیْهِ وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ اَصْلُهٗ ظَلِلْتَ بِلَامَیْنِ اُوْلٰهُمَا

مَكْسُوْرَةٌ وَحُذِفَتْ تَخْفِيْفًا اَيْ دُمْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ اَيْ مُقِيْمًا تَعْبُدُهٗ لَنُحَرِّقَنَّهٗ بِالنَّارِ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي
الْيَمِّ نَسْفًا ۝ لَنُذْرِيَنَّهٗ فِيْ هَوَاءِ الْبَحْرِ وَفَعَلَ مُوْسٰى بَعْدَ ذِبْحِهٖ مَا ذَكَرَهٗ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ
وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ تَمْيِيْزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَيْ وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شَيْءٍ كَذٰلِكَ اَيْ كَمَا قَصَصْنَا
عَلَيْكَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ اَخْبَارِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ مِنَ الْاُمَمِ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ اَعْطَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا
مِنْ عِنْدِنَا ذِكْرًا ۝ قُرْاٰنًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ حِمْلًا ثَقِيْلًا مِنَ الْاِثْمِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ اَيْ فِيْ عَذَابِ الْوِزْرِ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ تَمْيِيْزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِيْرِ فِيْ سَاءَ وَ
الْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ وِزْرُهُمْ وَاللَّامُ لِلْبَيَانِ وَيُبْدَلُ مِنْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
الْقَرْنُ النَّفْخَةِ الثَّانِيَةِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ الْكٰفِرِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ عُيُوْنُهُمْ مَعَ سَوَادِ وُجُوْهِهِمْ
يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ يَتَسَارُّوْنَ اِنْ مَا لَّبِثْتُمْ فِي الدُّنْيَا اِلَّا عَشْرًا ۝ مِنَ اللَّيَالِيْ بِاَيَّامِهَا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
فِيْهِ ذٰلِكَ اَيْ لَيْسَ كَمَا قَالُوْا اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ اَعْدَلُهُمْ طَرِيْقَةً فِيْهِ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝ ع ۵ ۱۵ ۱۴

ترجمہ: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور وہ ان کے لئے کسی ضرر اور نفع کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور بلا شبہ اس سے پہلے ہارون نے ہی کہا تھا۔ (یعنی موسیٰ کے لوٹنے سے پہلے) کہ اے میری قوم والو! تم اس کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو، بے شک تمہارا پروردگار خدائے رحمن ہے۔ سو تم میری پیروی کرو (خدا تعالیٰ کی عبادت میں) اور میرا حکم مانو (اس سلسلہ میں) وہ لوگ بولے ہم تو اسی پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں (یعنی ہم موسیٰ کے لوٹنے تک اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے لوٹنے کے بعد) کہ اے ہارون تمہیں کون سا امر مانع ہوا، اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا۔ کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا تم نے بھی میرے کہنے کے خلاف کیا (اور ان لوگوں کے درمیان پڑے رہے جو غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے۔ ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (اُمّ یا اُمّ فتحہ اور کسرہ دونوں طرح اس کا استعمال ہے۔ ماں کا تذکرہ اس لئے کیا تا کہ حضرت موسیٰ کے قلب میں جذبات شفقت ورحمت پیدا ہوں) میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑو (موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں داڑھی کے بائیں جانب کا حصہ اور سر کے بال کے داہنی جانب کا حصہ پکڑ رکھا تھا) مجھے تو یہ اندیشہ ہوا (کہ اگر میں آپ کی اتباع کروں گا تو جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ بھی میرے ساتھ ہو لیتے، جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں تفریق پڑ جاتی) کہ کہیں تم یہ کہنے لگو کہ تم نے بنی

اسرائیل کے درمیان تفریق ڈالی اور میری بات کا انتظار نہ کیا (یعنی کہیں آپ بنی اسرائیل میں تفریق ڈالنے کے جرم میں مجھ پر غصہ نہ ہو بیٹھتے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ اس سلسلہ میں تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے (تم نے یہ کیا حرکت کی) وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی (یبصروا اور تبصروا دونوں کی قراءت ہے) سو میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے (یعنی جبرئیلؑ کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے) ایک مٹھی (مٹی کی) اٹھالی تھی۔ میں نے وہ مٹی اس قالب میں ڈال دی تھی (یعنی اس بچھڑے میں جوڑھالا گیا تھا) اور میرے جی کو تو یہی بھائی تھی (کہ میں مٹی کو ایک مٹھی جبرئیلؑ کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے اٹھالوں اور اسے کسی بے جان چیز میں ڈال دوں تاکہ اس کے اندر جان پیدا ہو جائے اور میں نے دیکھا کہ تمہاری قوم کا تم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم ان کیلئے کوئی معبود تیار کرو۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ یہ بچھڑا ان کیلئے بہترین معبود ہوگا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) تو پھر جا (ہمارے درمیان سے) تیرے لئے زندگی میں (یعنی تاحیات) یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے (یعنی مجھ سے کوئی قریب نہ ہو جائے۔ پس وہ چوپایوں میں پھرنے لگا اور جو کوئی اسے چھولیتا۔ یا وہ جس کو چھولیتا تو اسے بخار چڑھ جاتا) اور تیرے لیے ایک (اور) وعید ہے (آخرت کے عذاب کی) جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں ہے اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا ہے (یعنی اس کی پرستش پر قائم ہے۔ ظلت کی اصل ظللت ہے پہلے لام مکسور کو تخفیف کیلئے حذف کر دیا گیا) ہم اس کو ابھی جلا ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو دریا میں بہا دیتے ہیں (موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول کے مطابق اس بچھڑے کو ذبح کر کے جلا ڈالا اور راکھ دریا میں بہا دی) تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے ہر شے کو علم سے گھیر رکھا ہے (علمًا اصل میں تمیز ہے جسے فاعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ معنیٰ ہوا اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے) اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا) ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں بیان کرتے ہیں (پچھلی قوموں کے) اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن) جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا (اور اس پر ایمان نہیں لائے گا) وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے ہوگا (گناہوں کا) وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہمیشہ بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے) اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہوگا (حملا تمیز ہے جو ساء کی ضمیر کی تفسیر ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے تقدیر عبارت ہے: وزرھم لھم میں لام بیان کے لئے ہے اور یوم قیامت سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یوم ینفخ فی الصور) جس روز صور پھونکا جائے گا (یہ نفخ ثانی ہوگا) اور مجرموں کو (یعنی کافرین کو) اس روز یوں جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے (اور اسی کے ساتھ چہرے سیاہ ہوں گے) آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے۔ تم لوگ تو بس دس (ہی) دن رہے ہو گے (دنیا میں) ہم ہی خوب جانتے ہیں جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں (یعنی مدت اتنی ہی نہیں تھی جتنی یہ کہہ رہے ہیں اسے تو ہم ہی اچھی طرح جانتے ہیں) جب کہ ان میں کا سب سے زیادہ صاحب الرائے یہ کہتا

ہوگا کہ تم تو بس ایک دن رہے (دنیا کے قیام کو آخرت کی ہولنا کیوں کے مقابلہ میں بہت ہی مختصر سمجھ رہے ہونگے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: عَلٰی عِبَادَتِہٖ: اس مضاف کو مقدر مانا کیونکہ قیام علی نفسہٖ کا کوئی معنی نہیں۔

قوله: اَرَادَ اُمِّیْ: یبنئوم۔ سے مراد میری ماں ہے ورنہ تو تمام بنی آدم کہے جاتے ہیں اور ماں کا تذکرہ مہربانی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کیا۔

قوله: تَغْضَبُ عَلَیَّ: اس سے اشارہ کیا اور ترقب کا عطف محذوف پر ہے اور وہ تغضب ہے ان تقول کے قولہ میں داخل نہیں بلکہ ابتدائی جملہ ہے۔

قوله: فَمَا خَطْبُكَ: خطب یہ طلب کے معنی میں آتا ہے آپ نے سامری کو مخاطب کر کے فرمایا تیرا کیا قصہ ہے۔

قوله: عَلِمْتُ: یہ بَصُرْتُ کا ترجمہ ہے اس سے بصیرت قلبی مراد ہے نہ عینی۔

قوله: مِنْ تُرَابِ اَثَرِ: مضاف کو مقدر کیا کیونکہ لینا بعینہٖ نشان سے ہوتا ہے۔

قوله: فَرَسٍ: مضاف مقدر مانا کیونکہ جبرائیل کے تو نشانہائے قدم نہیں۔

قوله: فِی الْحَیٰوۃِ: یعنی تیرے فعل کی دنیا میں سزا کے طور پر۔

قوله: مُدَّۃَ حَیَاتِكَ: مضاف محذوف مانا گیا۔ الْحَیٰوۃِ کی لام یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔

قوله: لَا تَقْرَبُنِیْ: یہ خبر عدم مساس بمعنی نہی ہے۔

قوله: بِالنَّارِ: اس قید سے اشارہ کیا سونا معجزاتی طور پر آگ سے جل گیا اور لنسفنہ بکھیر (اُڑا)، بہادینے کو کہتے ہیں۔

قوله: حِمْلًا ثَقِیْلًا: اس سے اشارہ ہے اس کو نقل میں سزا یافتہ پر سزا کے بوجھ کی طرح قرار دیا۔

قوله: خٰلِدِیْنَ: اور واحد معنی ولفظ دونوں کے لحاظ سے ہے۔

قوله: وَاللَّامُ لِلْبَیَانِ: یہ قول مقدر سے متعلق ہے۔

قوله: عُیُوْنُهُمْ مَعَ سَوَادِ: زرقۃ العین یہ آنکھ کا قبیح ترین عیب شمار ہوتا ہے۔

قوله: یَتَسَارُّوْنَ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ وہ ان کے سینے رعب سے پُر ہوں گے۔

قوله: لَیْسَ كَمَا قَالُوْا: ان کا کہنا نَحْنُ اَعْلَمُ اس میں ان کے قول کی تردید ہے اس وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔ طریقہ یہاں دے دیا عمل کو فرمایا گیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ ....

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اور ان کے ذمہ بنی اسرائیل کی نگرانی سپرد فرما گئے تھے جب ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی تو ہارون علیہ السلام نے انہیں متنبہ فرمایا اور فرمایا: اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ (تم اس کی وجہ سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو) وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ (اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب رحمان ہے اسے چھوڑ کر دوسری چیز کی پرستش میں لگنا فتنہ میں پڑنا ہے میں جو بات کہہ رہا ہوں اس کا اتباع کرو اور اسے مانو)۔

لیکن بنی اسرائیل تو اس بچھڑے کے دل دادہ ہو چکے تھے ہارون علیہ السلام کی نصیحت کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو برابر اسی پر جمے ہوئے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ واپس آجائیں، جب اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ گئی تو واپس تشریف لائے اور انہوں نے اپنی قوم سے بھی خطاب کیا اور ہارون علیہ السلام پر بھی خفگی کا اظہار کیا اور یہ اظہار بھی معمولی نہ تھا بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال کھینچنے لگے اور توریت شریف کی جو تختیاں لے کر آئے تھے ان کو بھی ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، ہارون علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو اس سے کیا چیز مانع تھی کہ تم مجھے خبر دیتے۔ تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا اور میری نافرمانی کیوں کی۔ جب شرک کا ماجرا دیکھا تو تم میرے پاس چلے آتے ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور میرے بال نہ پکڑو، مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ آپ یوں فرمائیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق کردی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔ یہاں سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے انہیں روکا تو تھا اور بتا دیا تھا کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو لیکن سختی فرمانا مناسب نہ جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انتظار فرمایا، اور سورۂ اعراف میں یوں ہے کہ: قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ہارون نے کہا کہ میرے ماں جائے بات یہ ہے کہ قوم نے مجھے ضعیف سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے لہٰذا آپ میرے ذریعہ دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیجئے اور مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے) جب ہارون علیہ السلام نے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا اور اللہ تعالیٰ شانہ سے یوں دعا کی (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ) (اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ليس الخبر كالمعاينة یعنی خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے پھر آپ نے بطور مثال یوں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے بچھڑے کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے لیکن توریت شریف کی تختیوں کو نہیں ڈالا پھر جب اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت

دیکھ لی تو (توریت شریف کی) تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ ٹوٹ گئیں۔ (مسند احمد ج۱ص۲۷۱) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت شریف کی تختیاں اٹھالیں۔ کمافی سورۃ الاعراف: وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پرستش کا فتنہ ظاہر ہوا تو اس وقت ان میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ رہا ان کی اطاعت کی اور گوسالہ پرستی سے دور رہے۔ اس جماعت کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے گوسالہ پرستی کو اپنا لیا لیکن یوں بھی کہتے تھے کہ موسیٰ واپس تشریف لا کر منع فرمائیں گے تو ہم چھوڑ دیں گے، تیسرا فرقہ وہ تھا جو یوں کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی واپس آ کر اسی کو معبود بنالیں گے یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ جب ان آخری دو فرقوں کا جواب حضرت ہارون علیہ السلام نے سنا تو اپنے ساتھ بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر علیحدہ ہو گئے لیکن وہیں رہتے سہتے رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کو عتاب کیا اور گرفت فرمائی تو انہوں نے اپنا عذر بتا دیا کہ میں بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر باقی بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جاتا یا ان سے مقابلہ کرتا تو اس سے بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ میں نے جتنا مناسب جانا اسی قدر کام کر دیا ان کو بتا بھی دیا اور ان سے عقیدتاً علیحدہ بھی ہو گیا اپنے موحد ساتھیوں کو الگ کر لیا اس سے آگے مقاتلہ اور مقابلہ کرنا میرے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی رائے کو خطائے اجتہادی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

گائے پرست سامری اور بچھڑا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ فتنہ کیوں اٹھایا؟ یہ شخص باجرو کا رہنے والا تھا اس کی قوم گائے پرست تھی۔ اس کے دل میں گائے محبت گھر کئے ہوئے تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا ایک روایت میں ہے یہ کرمانی تھا۔ ایک روایت میں ہے اس کی بستی کا نام سامرا تھا اس نے جواب دیا کہ جب فرعون کی ہلاکت کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو میں نے ان کے گھوڑے کے ٹاپ تلے سے تھوڑی سی مٹی اٹھالی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات یہی ہے حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے ان کے گھوڑے کے سم تلے کی مٹی اٹھالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل علیہ السلام آسمان تک لے گئے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی تحریر کی آواز سن رہے تھے لیکن جب آپ کو آپ کی قوم کی مصیبت معلوم ہوئی تو نیچے اتر آئے اور اس بچھڑے کو جلا دیا۔ لیکن اس کی اثر کی سند غریب ہے۔ اسی خاک کی چٹکی یا مٹھی کو اس نے بنی اسرائیل کے جمع کردہ زیوروں کے جلنے کے وقت ان میں ڈال دی۔ جو بصورت بچھڑا بن گئے اور چونکہ بیچ میں خلا تھا وہاں سے ہوا گھستی تھی اور اس سے آواز نکلتی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خیال گزرا تھا کہ میں اس کے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کی مٹی اٹھالوں میں جو چاہوں گا وہ اس مٹی کے ڈالنے سے بن جائے گا اس کی انگلیاں اسی وقت سوکھ

گئی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے پاس فرعونیوں کے زیورات رہ گئے اور فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ اب ان کو واپس نہیں ہو سکتے تو غمزدہ ہونے لگے سامری نے کہا دیکھو اس کی وجہ سے تم پر مصیبت نازل ہوئی ہے اسے جمع کر کے آگ لگا دو جب وہ جمع ہو گئے اور آگ سے پگھل گئے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ خاک اس پر ڈال دے اور اسے بچھڑے کی شکل میں بنا لے چنانچہ یہی ہوا۔ اور اس نے کہہ دیا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب یہی ہے۔ یہی وہ جواب دے رہا ہے کہ میں نے اسے ڈال دیا اور میرے دل نے یہی ترکیب مجھے اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ کلیم اللہ نے فرمایا تو نے نہ لینے کی چیز کو ہاتھ لگایا تیری سزا دنیا میں یہی ہے کہ اب نہ تو تو کسی کو ہاتھ لگا سکے نہ کوئی اور تجھے ہاتھ لگا سکے۔ باقی سزا تیری قیامت کو ہوگی جس سے چھٹکارا محال ہے ان کے بقایا اب تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھونا اب تو اپنے خدا کا حشر بھی دیکھ لے جس کی عبادت پر اوندھا پڑا ہوا تھا کہ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے خون اور گوشت والا بچھڑا جلے۔ پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا میں دریا میں ذرہ ذرہ کر کے اڑا دیا۔ مروی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے زیور جہاں تک اس کے بس میں تھے لے کر ان کا بچھڑا بنایا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلا دیا اور دریا میں اس کی خاک بہا دی جس نے بھی اس کا پانی پیا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس سے سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے اب انہوں نے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ حکم ہوا کہ ایک دوسروں کو قتل کرو۔ اس کا پورا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا معبود یہ نہیں۔ مستحق عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے باقی تمام جہان اس کا محتاج ہے اور اس کے ماتحت ہے وہ ہر چیز کا عالم ہے، اسکے علم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے، ہر چیز کی گنتی اسے معلوم ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہر پتے کا اور ہر دانے کا اسے علم ہے بلکہ اس کے پاس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا موجود ہے زمین کے تمام جانداروں کو روزیاں وہی پہنچاتا ہے، سب کی جگہ اسے معلوم ہے سب کچھ کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ علم الٰہی محیط کل اور سب کو حاوی ہے، اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ ﴿۹۹﴾

ربط آیات: سورہ طہٰ میں اصل بیان توحید، رسالت اور آخرت کے اصولی مسائل کا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی سلسلہ میں بیان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بڑی تفصیل سے ذکر ہوا ہے اور اس کے ضمن میں رسالت محمدیہ کا اثبات بھی ہے اسی اثبات رسالت محمدیہ کا یہ حصہ ہے جو اگلی آیات میں بیان ہوا ہے کہ ان واقعات وقصص کا اظہار ایک نبی امی کی زبان سے خود دلیل رسالت ونبوت اور وحی الٰہی کی ہے اور ان سب کا سرچشمہ قرآن ہے اور حقیقت قرآن کے ذیل میں کچھ تفصیل معاد وآخرت کی بھی آ گئی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح ہم نے موسیٰ اور فرعون کا واقعہ اور بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں (یہ خبریں آپ کی نبوت کی دلیلیں ہیں آپ انہیں نہیں جانتے تھے صرف وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں) اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو سارے عالم کے انسانوں کے لیے وعظ اور نصیحت ہے جو اس پر عمل کرے گا کامیاب ہوگا اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اپنے اوپر کفر کا بوجھ لادے ہوئے ہوگا اس طرح کے لوگ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے یعنی اس

بوجھ کے اٹھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ہمیشہ عذاب کی جگہ میں رہنا ہوگا۔ اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لیے برا بوجھ ہوگا۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں صور پھونکا جائے گا۔

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان والے اور زمین والے سب بیہوش ہو جائیں گے اور زندہ انسان سب مر جائیں گے۔ اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوں گے ان محشورین یعنی قیامت کے دن حاضرین میں جو کفار ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی ہونگی یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ یہ لوگ مجرم ہیں یہ لوگ خوف زدہ بھی ہوں گے اور خوف کی وجہ سے چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہونگے کہ قبروں میں کتنے دن رہے؟ ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ دس دن رہے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ہم تو حشر نشر ہی کے منکر تھے ہمارا گمان تھا کہ مر مرا گئے خاک میں مل گئے اب کیسا زندہ ہونا اور قبروں سے نکلنا؟ ہمارا خیال تو غلط نکلا یہ تو بتاؤ قبروں میں کتنے دن رہنا ہوا۔ ان میں سے بعض جواب دیں گے کہ صرف دس دن رہے ہیں۔ اس دن کی پریشانی اور سخت گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی سمجھ میں ایسا ہی آئے گا جو مدت دراز انہوں نے برزخ میں گزاری اسے دس دن کی مدت بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ بات کریں گے ہمیں اس کا خوب علم ہے کہ وہ کتنی تھی، ان میں سے ایک شخص یوں کہے گا کہ تم تو قبروں میں ایک دن رہے ہو۔ جو شخص یہ بات کہے گا اسے (امثلھم طریقۃ) فرمایا۔ یعنی اس کی رائے سب لوگوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ اس یوم کی درازی اور پریشانی کے اعتبار سے گزشتہ جو وقت گزرا اس کی مدت ایک دن بیان کرنا ہی زیادہ اقرب ہے اس شخص کو شدت کا زیادہ ادراک ہوگا اس لیے اس کی رائے بہ نسبت پہلی رائے کے اصح اور اقرب ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعی قبر میں ایک ہی دن رہے۔

یہاں یوں فرمایا کہ مجرمین اس حالت میں محشور ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور سورۃ الاسراء میں فرمایا کہ: (وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا) (کہ ہم انہیں قیامت کے دن اس حال میں جمع کریں گے کہ اندھے اور بہرے اور گونگے ہوں گے) یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے، عرصہ قیامت بہت طویل ہوگا اس میں مجرمین پر مختلف حالات گزریں گے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح یہاں مجرمین کی یہ بات نقل کی کہ کوئی کہے گا کہ قبروں میں دس دن رہے اور کوئی کہے گا کہ ایک دن رہے اور سورۃ روم میں ہے: (وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ) (اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین اس دن قسم کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے) اور سورۃ النازعات میں فرمایا: (كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا) (جس روز یہ قیامت کو دیکھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں) یہ احساس اور وجدان مختلف اشخاص کو مختلف احوال میں ہوگا لہٰذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيْفَ تَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقُلْ لَهُمْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ بِاَنْ يُفَتِّتَهَا كَالرَّمْلِ السَّائِلِ ثُمَّ يُطَيِّرُهَا بِالرِّيَاحِ فَيَذَرُهَا قَاعًا مُنْبَسِطًا صَفْصَفًا ۙ مُسْتَوِيًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا اِنْخِفَاضًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ؕ

اِرْتِفَاعًا يَوْمَئِذٍ اَیْ یَوْمَ اِذَا نُسِفَتِ الْجِبَالُ يَتَّبِعُوْنَ اَيِ النَّاسُ بَعْدَ الْقِيَامِ مِنَ الْقُبُوْرِ الدَّاعِيَ اِلَى الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهٖ وَهُوَ اِسْرَافِيْلُ يَقُوْلُ هَلُمُّوْا اِلٰى عَرْضِ الرَّحْمٰنِ لَا عِوَجَ لَهٗ اَیْ لِاتِّبَاعِهِمْ اَیْ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ لَّا يَتَّبِعُوْا وَخَشَعَتِ سَكَنَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ صَوْتَ وَطْيِ الْاَقْدَامِ فِیْ نَقْلِهَا اِلَى الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الْاِبِلِ فِیْ مَشْيِهَا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اَحَدًا اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ اَنْ يَّشْفَعَ لَهٗ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ بِاَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ لَا يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ خَضَعَتْ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ط اَيِ اللّٰهِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ شِرْكًا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ الطَّاعَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا بِزِيَادَةٍ فِیْ سَيِّاٰتِهٖ وَّلَا هَضْمًا ۝ بِنَقْصٍ مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَكَذٰلِكَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى كَذٰلِكَ نَقُصُّ اَیْ مِثْلَ اِنْزَالِ مَا ذُكِرَ اَنْزَلْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا كَرَّرْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ اَوْ يُحْدِثُ الْقُرْاٰنُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنَ الْاُمَمِ فَيَعْتَبِرُوْنَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشْرِكُوْنَ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ اَیْ بِقِرَاءَتِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ اَیْ يَفْرُغُ جِبْرِيْلُ مِنْ اِبْلَاغِهٖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ اَیْ بِالْقُرْاٰنِ فَكُلَّمَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ زَادَ بِهٖ عِلْمُهٗ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰۤى اٰدَمَ وَصَّيْنَاهُ

ع ۶ / ۱۵ اَنْ لَّا يَاْكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ مِنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ اَكْلِهٖ مِنْهَا فَنَسِيَ تَرَكَ عَهْدَنَا وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ حَزْمًا وَصَبْرًا عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ

ترجمہ: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ..... اور اے نبی یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ تو آپ ان سے) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو (ریزہ ریزہ کر کے) بالکل اڑا دے گا (یعنی ان پہاڑوں کو ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا پھر اس کو ہواؤں میں اڑا دے گا پھر زمین کو ایک چٹیل ہموار میدان کر دے گا) جس میں تو نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی۔ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ..... اس روز (اس روز جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیے جائیں گے) تو سب کے سب داعی کے پیچھے ہولیں گے (یہ پکارنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے ان کے صور پھونکتے ہی سب کے سب قبروں سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف ہولیں گے، فرشتہ اسرافیل کی آواز ہوگی۔ اے لوگو! اللہ کے سامنے آجاؤ) لَا عِوَجَ لَهٗ اَیْ لِاتِّبَاعِهِمْ یعنی ان کے سامنے کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا (یعنی کسی کو قدرت نہ ہوگی کہ

اتباع نہ کریں یعنی انحراف ممکن نہیں) اور اس دن مارے ہیبت کے تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے دب جائیں گی سو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (محشر کی طرف جانے میں صرف قدموں کی آہٹ سنائی دے گی جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی آواز) اس روز (کسی کو کسی سفارش نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے واسطے قول پسند کر لیا ہو (اور قول سے مراد لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے)۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ ..... وہ (اللہ تعالیٰ) خوب جانتا ہے ان سب کے اگلے احوال کو (امور آخرت کے بارے میں) اور پچھلے احوال کو (یعنی امور دنیا کے متعلق اور لوگ یعنی تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے (یعنی لوگوں کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکتا) وَعَنَتِ الْوُجُوهُ ..... اور تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے سامنے اور ایسا شخص (ہر طرح) نامراد و ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہوگا اور جو نیک کام (فرمانبرداری) کرے گا درآنحالیکہ مؤمن ہو تو وہ (قیامت کے دن) نہ ظلم و زیادتی سے ڈرے گا (یعنی اس کو اس کا اندیشہ نہیں ہوگا کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا) اور نہ نقصان کا اندیشہ (یعنی یہ اندیشہ نہ ہوگا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے گی) وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا ..... (وَكَذَٰلِكَ کا عطف وَكَذَٰلِكَ نَقُصُّ پر ہے) یعنی مثل مضامین مذکورہ کے، اسی طرح اس کو (یعنی قرآن کو) عربی زبان میں نازل کیا ہے اور ہم نے اس قرآن میں وعید یعنی عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر سہ کرر بیان کیا ہے تاکہ لوگ ڈر جائیں (شرک سے) یا یہ قرآن ان کے لیے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کر دے (پچھلی قوموں کی ہلاکت و تباہی سے عبرت حاصل کریں) سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے عالی شان ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بلند و بالا ہے جو مشرکین کہتے ہیں۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ ..... اور آپ قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیجیے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے، یعنی تاوقتیکہ جبرئیل مکمل طور پر آپ تک آیت پہنچا نہ دیں) اور آپ کہئے اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا دیجئے قرآن کا تو آنحضرت ﷺ کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم (علیہ السلام) کو ایک حکم دے چکے تھے (یعنی اس واقعہ کے متعلق آپ سے بہت پہلے ہم نے آدم (علیہ السلام) کو تاکیدی حکم دیا تھا شجر ممنوعہ نہ کھانے کا سو ان سے بھول (اور غفلت ہو گئی) اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی (پختگی اور ثابت قدمی نہ پائی جس چیز سے ہم نے ان کو منع کیا تھا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُسْتَوِيًا: یعنی ان کے اجزاء ایک ہی صف میں ہوں گے۔

قوله: اِنْخِفَاضًا: جھکاؤ۔ ٹیڑھ۔ عِوَج کا تعلق معانی سے اور امنا کا مرئی اشیاء سے۔

قوله: يَوْمَئِذٍ: اس میں یوم کی اضافت نسف کے وقت تک کی ہے۔

قوله: لِاتِّبَاعِهِمْ: ضمیر کا مرجع اتباع الناس ہیں۔

قوله: لَا يَقْدِرُونَ: یعنی انکے پیروان کے اختیار میں نہ ہوں گے بلکہ امتناع کی قدرت ہی نہ ہوگی۔ یہ حالات کی سختی ہی دلیل ہے۔

قولہ: كَصَوْتِ أَخْفَافِ الْإِبِلِ: یہ دراصل ہلکی آواز کی تشبیہ ہے۔ ھمس سے تعبیر فرمایا۔

قولہ: أَحَدًا: نکرہ سیاق نفی میں عموم کو چاہتا ہے اور استثناء بھی اسی وجہ سے ہے۔

قولہ: رَضِيَ لَهُ قَوْلًا: یعنی رضی قولہ لاجلہ وشانہ اور اس کے قول کو اپنی مرضی سے بذاتِ خود قبول کرلیا ہو۔

قولہ: الشِّرْكَ: تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا یہ تو اصل ہوا اور تقویٰ سے مراد تقویٰ پر قائم ودائم صَرَّفْنَا تو گویا تقویٰ متقی کا ملکہ بن گیا اور يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا سے مراد پھر معاصی بچانے والی کوئی چیز۔

قولہ: تَرَكَ عَهْدَنَا: اس میں نسیان کو ترک کے معنی میں قرار دیا کیونکہ وہ شرعی طور پر مرفوع ہے۔

قولہ: وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا: اگر وہ پختہ عزم والے ہوتے تو شیطان کے پھسلانے میں نہ آتے۔

قولہ: صَبْرًا: سے مراد رک جانے پر جماؤ نہ کہ فعل کرنے پر۔

تفسیر مقبولین

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝

منکرین آخرت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب:

(ربط) گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں منکرین آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرین آخرت بطور تمسخر آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست ونابود ہونا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کرکے اڑا دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یہ لوگ آپ سے قیامت کا حال سن کر بطور استہزاء یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو اس دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔

پس اے نبی آپ ﷺ بے تامل ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ریزہ ریزہ کرکے ہوا میں اڑا دے گا۔ اور ان کو پراگندہ کردے گا پوری طرح پراگندہ کرنا یہ سوال قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے کہا تھا پھر ان پہاڑوں کے نیچے کی زمین کو صاف میدان بنا دے گا پس اے دیکھنے والے تو اس میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی۔ یعنی ٹیلہ اس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کردی جائے گی کہ جس میں اونچائی اور نیچائی کا کوئی نام ونشان نہ رہے گا۔ اور وہ ایسی برابر کردی جائے گی کہ اگر علم ریاضی وہندسہ کے ماہرین بھی آلات ہندسہ سے اس کی جانچ پڑتال کریں تو وہ بھی برابری اور ہمواری کی شہادت دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس روز پہاڑ ریزہ ریزہ کرکے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔ اور زمین ایسی ہموار کردی جائے گی کہ اس پر نہ کوئی ٹیلہ اور پہاڑ ہوگا جس پر کوئی مجرم چڑھ کر پناہ لے سکے۔ اور نہ کوئی غار ہوگا جس میں کوئی مجرم چھپ سکے۔ اور جس روز تمام لوگ خدائی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے دوڑیں گے یہ پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ صخرہ بیت المقدس پر

کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔

''اے پرانی اور بوسیدہ ہڈیو اور اے متفرق شدہ گوشت کے ٹکڑو خدائے رحمٰن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حاضر ہو جاؤ تمہارے فیصلوں اور حساب کا وقت آ پہنچا ہے''۔ اسرافیل علیہ السلام کی یہ آواز سن کر لوگ دوڑ پڑیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس آواز کے اتباع اور پیروی سے کسی کو بھی اور انحراف ممکن نہ ہوگا۔ اسی روز اس آواز پر سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ دائیں بائیں نہ جھکیں گے۔ اگر دنیا کا ماجرا ہوتا تو انحراف ممکن تھا۔ لیکن آج اس آواز کی پیروی سے انحراف ممکن نہیں اور اس دن ہیبت کے مارے رحمٰن کے لیے تمام آوازیں پست ہوں گی سوائے پیروں کی آہستہ آواز کے کچھ نہ سن سکے گا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اس روز کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کو یا جس کے لئے رحمٰن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پسند کیا ہو۔ شفاعت کے بارے میں اس کا بولنا اور بات کرنا تو اس روز اس کی سفارش چلے گی۔ اور نفع دے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے اور جس کے واسطے رحمٰن نے اذن دیا اور جس کی بات سے اللہ راضی ہوا۔ بات سے مراد لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں لا الٰہ الا اللہ کہا یعنی ایمان لایا۔ اور اسی پر مر گیا اگرچہ اس کے گناہ ہوں تو اس کو انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت نفع دے گی۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان ہو وہ لائق شفاعت ہے اگرچہ گنہگار ہو۔ کافر کے حق میں کوئی شفاعت اور سفارش نہیں چلے گی۔ شفاعت کے لیے شافع اور مشفوع لہ دونوں کا مسلمان ہونا شرط ہے اور شفاعت کے لیے اجازت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ شافع کو معصیت کا نہ مبداء معلوم ہے اور نہ منتہیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اگلے اور پچھلے احوال کو اس کا علم تمام خلائق کو محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون لائق شفاعت ہے اور کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازت خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ ''حی'' کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور ''قیوم'' کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدائے عزوجل کے سامنے عاجز اور سرافگندہ ہوں گے۔ اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اول کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے۔ جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم (یعنی کفر اور شرک) کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدان حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا۔ اور قسم دوم مؤمنین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع

نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مؤمن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور اے نبی جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور اہوال کو آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا ہے جو امر اور وعید کو متضمن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تا کہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعد اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادت ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر سہ کرر بیان کیا ہے۔ تا کہ لوگ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

"ذکر" کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور ورع اور تقویٰ اس کی منتہا ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے۔ اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر و نہی اور وعد اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دنیا کی بہبودی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ السلام پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تا کہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور مجرمین پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ قرآن کے نازل کرنے کی غرض و غایت یہی ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ اور اس کی معصیت سے بچیں اور ایسی کتاب ہدایت اور ایسے قانون شریعت کا نازل کرنا جو دین و دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہو وہ بادشاہ برحق ہی کا کام ہے کہ جس کی سلطنت کو فنا اور زوال نہ ہو۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس بادشاہ برحق کے وعدہ پر مطمئن رہو اور اس کی وعید سے ڈرتے رہو کہ اگر ہم نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو پہلی امتوں کی طرح ہم بھی تباہ ہو جائیں گے۔ خوب سمجھ لو کہ مالک حقیقی اور بادشاہ نے تم پر مہربانی کی کہ تمہاری صلاح اور فلاح کے لیے یہ قرآن نازل کیا۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس قرآن میں وعد اور وعید کو مکرر سہ کرر اس لیے بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم کی اصلاح اس پر موقوف ہے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں تبعاً واستطراداً کلام ربانی اور پیام یزدانی کا ادب بیان فرماتے ہیں

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جب آپ پر قرآن نازل ہوا کرے تو آپ پہلے خوب اچھی طرح اخیر تک سن لیں۔ وحی پوری ہونے سے پہلے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، جلدی نہ کریں۔ آپ حضرت جبرائیل کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور بھولنے کے اندیشہ کی وجہ سے ایسا کر لینے میں آپ کو تعب ہوتا تھا اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں اور بھولنے کا اندیشہ نہ کریں، ہم آپ کو ضرور یاد کرا دیں گے۔ سورۃ قیامہ میں اسی کو فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (اے پیغمبر آپ نزول قرآن

کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی جمع لیں ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجیے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے) مطلب یہ ہے کہ جب جبرائیل کے واسطہ سے ہماری طرف سے وحی آئے تو دھیان سے سنیں۔ اور دہرانے میں جلدی نہ کریں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ مشقت نہ اٹھائیں پوری وحی سن لیں۔ پھر اس کو دہرائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ بعض مرتبہ کسی کلمہ کے تلفظ کی مشغولیت میں اس کے بعد والا کلمہ سننے سے رہ جانے کا احتمال ہو سکتا ہے اس لیے آپ کو جلدی کرنے سے منع فرمایا۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ (اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دیجیے) اس کے عموم میں آگے مزید وحی آنے کا بھی سوال آ گیا اور قرآن مجید میں جو کچھ علوم و معارف اور اسرار و رموز ہیں ان کا اور ان کے علاوہ دیگر علوم جن سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ان کا بھی سوال ہو گیا۔ علوم الٰہیہ کی انتہا نہیں ہے مؤمن بندے کو چاہیے کہ برابر زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہونے کی دعا کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی خیر کے سننے سے مؤمن کا پیٹ نہیں بھر سکتا یہاں تک کہ اس کا منتہی جنت ہی ہو گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴)

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝

عہد آدم کی تذکیر و یاد دہانی:

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا کا قصہ سورۃ بقرہ اور سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے دونوں جگہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اور اجمالی طور پر سورۃ حجر اور سورۃ بنی اسرائیل میں بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا لیکن وہ اسے بھول گئے اور پختگی کے ساتھ حکم کی پابندی کا دھیان نہ رکھا لہٰذا غفلت ہو گئی۔ اس آیت میں بالاجمال اس کو بیان فرمایا، اگلی آیات میں واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی۔

وَ اذْكُرْ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ وَهُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ يَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَيَعْبُدُ اللّٰهَ مَعَهُمْ اَبٰى ۝ عَنِ السُّجُوْدِ لِاٰدَمَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ حَوَّاءَ بِالْمَدِّ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ تَتْعَبُ بِالْحَرْثِ وَالزَّرْعِ وَالْحَصْدِ وَالطَّحْنِ وَالْخُبْزِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَاهُ لِاَنَّ الرَّجُلَ يَسْعٰى عَلٰى زَوْجَتِهٖ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِهَا عَطْفًا عَلَى اسْمِ اِنَّ وَجُمْلَتِهَا لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا تَعْطِشُ وَلَا تَضْحٰى ۝ لَا يَحْصُلُ لَكَ حَرُّ شَمْسِ الضُّحٰى لِانْتِفَاءِ الشَّمْسِ فِي الْجَنَّةِ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ اَيِ الَّتِيْ يَخْلُدُ مَنْ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ لَا يَفْنٰى وَهُوَ لَازِمُ الْخُلُوْدِ فَاَكَلَا اٰدَمُ وَحَوَّاءُ مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا

سَوْاٰتُهُمَا اَیْ ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا قُبُلُهٗ وَقُبُلُ الْاٰخِرِ وَدُبُرُهٗ وَسُمِّیَ كُلٌّ مِنْهُمَا سَوْءَةً لِاَنَّ اِنْكِشَافَهٗ يَسُوْءُ
صَاحِبَهٗ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ اَخَذَا يَلْزِقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ لِيَسْتَتِرَا بِهٖ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ بِالْاَكْلِ
مِنَ الشَّجَرَةِ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ قَرَّبَهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ قَبِلَ تَوْبَتَهٗ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ اَیْ هَدَاهُ اِلَى الْمُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ قَالَ
اهْبِطَا اَیْ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا مِنْهَا مِنَ الْجَنَّةِ جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِیْ مَا الزَّائِدَةِ يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى
فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ اَیِ الْقُرْاٰنَ فَلَا يَضِلُّ فِی الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ اَیِ الْقُرْاٰنِ
فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا بِالتَّنْوِيْنِ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى ضِيْقِهٖ وَفُسِّرَتْ فِیْ حَدِيْثٍ بِعَذَابِ الْكَافِرِ فِیْ
قَبْرِهٖ وَّنَحْشُرُهٗ اَیِ الْمُعْرِضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ اَیْ اَعْمَى الْبَصَرِ اَوِ الْقَلْبِ قَالَ رَبِّ لِمَ
حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ فِی الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبَعْثِ قَالَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا تَرَكْتَهَا
وَلَمْ تُؤْمِنْ بِهَا وَكَذٰلِكَ مِثْلَ نِسْيَانِكَ اٰيٰتِنَا الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ تُتْرَكُ فِی النَّارِ وَكَذٰلِكَ وَمِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ
اَعْرَضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ اَشْرَكَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ مِنْ عَذَابِ
الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَدْوَمُ اَفَلَمْ يَهْدِ يَتَبَيَّنْ لَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ كَمْ خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلُ اَهْلَكْنَا اَیْ
كَثِيْرًا اِهْلَاكُنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَیِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ يَمْشُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ فِیْ
مَسٰكِنِهِمْ فِیْ سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَخْذِ اِهْلَاكٍ مِنْ فِعْلِهِ الْخَالِیْ عَنْ
حَرْفٍ مَصْدَرِیٍّ لِرِعَايَةِ الْمَعْنٰى لَا مَانِعَ مِنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لَعِبَرًا لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ لِذَوِی الْعُقُوْلِ ع ۱۳ ۱۶

تَرْجَمَہ: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ..... اور (وہ قوت یاد کرو جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا (ابلیس جنات کا باپ تھا جو فرشتوں کے ساتھ رہتا اور فرشتوں ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں) فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ ..... تب ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے (حواء مد کے ساتھ ہے) سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مشقتوں میں پڑ جاؤ یعنی تم ہل چلانے، کھیتی کرنے اور کاٹنے اور آٹا پیسنے اور روٹی پکانے وغیرہ کی مشقت۔ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ میں صرف آدم علیہ السلام کی مسقت پر اکتفا کیا گیا کیونکہ بیوی کا نفقہ اور ضروریات زندگی کے لیے مرد

ہی سعی کرتا ہے۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا ..... (اور) یہاں جنت میں تو تمہارے لیے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہو گے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے (وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا میں انکے ہمزہ میں فتحہ اور کسرہ دونوں قراءت ہے اور عطف ہے ان کے اسم مع اس کے جملہ پر) وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ (مطلب یہ ہے کہ دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیونکہ جنت میں دھوپ ہی نہیں۔ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ ..... پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا کہ اے آدم کیا تم کو ہمیشگی (کی خاصیت) والا درخت، ہمیشگی عطا کرنے والا درخت بتاؤں؟ (یعنی وہ درخت کہ جو کوئی اس سے کھالے گا وہ ہمیشہ رہے گا اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی ضعف وزوال نہیں آئے گا (وہ لازم الخلود ہے کبھی فنا نہیں ہوگا دونوں (آدم وحواء) نے اس درخت سے کھالیا تو (تو) دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے یعنی ان دونوں کے آگے اور پیچھے ستر کھل گئے شرمگاہ کو سوءۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا کھل جانا صاحب شرمگاہ کو برا معلوم ہوتا ہے) اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے (تاکہ اپنے ستر کو چھپالیں) اور آدم سے) شجرہ ممنوعہ میں سے کھانے کی وجہ سے) اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی پڑ گئے۔ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ پھر ان کے رب نے انکو مقبول بنالیا (مقرب بنالیا) سو ان پر توجہ فرمائی (یعنی ان کی توبہ قبول کی) اور راہ راست پر (ہمیشہ) قائم رکھا (یعنی توبہ سے مداومت کی راہ پر لایا۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا اللہ نے فرمایا تم دونوں (یعنی آدم وحواء) سب جنت سے اترو (مع اپنی ذرّیت کے جو تم دونوں پر مشتمل ہیں تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا (یعنی تمہاری ذرّیت واولاد میں سے بعض پر بعض ظلم کرے گا جس سے باہمی دشمنی ہوگی۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ..... پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا (یعنی قرآن پر کرے گا) تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا (فَاِمَّا اس میں ما زائدہ کا ان شرطیہ میں ادغام ہے) اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا (یعنی قرآن سے اعراض کرے گا اور قرآن مجید پر ایمان نہیں لائے گا) تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا (یعنی زندگی تنگ ہوگی، ضَنْكًا تنوین کے ساتھ مصدر ہے بمعنی تنگی حدیث میں اس کی تفسیر قبر میں کافر کے عذاب سے کی گئی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو (یعنی قرآن سے اعراض کرنے والے کو) اندھا اٹھائیں گے (یعنی قبر سے جب اٹھے گا تو بصارت اور بصیرت دونوں سے اندھا ہوگا) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى ..... وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے پروردگار آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو (دنیا میں اور اٹھائے جانے کے وقت) آنکھوں والا تھا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ..... ارشاد ہوگا کہ (معاملہ ایسا ہی ہے تیرے پاس) انبیاء اور علماء کے واسطہ سے) ہماری آیات واحکام پہنچے تھے پس تو نے ان کو بھلا دیا (یعنی تو نے چھوڑ دیا اور ان احکام پر ایمان نہیں لایا ایسا ہی آج تیرا خیال نہیں کیا جائے گا اور دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا) وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ ..... اور اس طرح (یعنی جس طرح ہم قرآن سے اعراض کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں) ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو حد سے گذر گیا (شرک کر کے) اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا (یعنی دائمی ہے) اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ ..... کیا ان لوگوں کو (کفار مکہ کو) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں بہت گروہوں کو پچھلی امتوں میں سے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہم ہلاک کر چکے ہیں) کہ ان (میں سے بعض کے رہنے کے مقامات میں یہ

لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ (یَمْشُونَ. لھم کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی قریش مکہ مکہ سے ملک شام کی طرف اپنے سفر کے دوران پچھلے لوگ قوم ثمود اور قوم عاد کی بستیوں سے گذرتے ہیں اور ان کے اجڑے کھنڈرات دیکھتے ہیں پس عبرت سے ہدایت حاصل نہیں کرتے کہ کفر و اعراض سے باز آ دیں، مفسر علامؒ نے یَھْدِ کی تفسیر یَتَبَیَّنَ سے کر کے اشارہ کیا ہے یَھْدِ لازم ہے اور یَھْدِ فعل کا فاعل وہ مصدر ہے جو اَھْلَکْنَا فعل سے مفہوم ہو رہا ہے۔ ای افلم یتبین لھم اھلاکنا اور فعل اھلکنا اور رہے بغیر کسی حرف مصدری کے اہلاک سے مصدر مراد لینا جائز ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اذْكُرْ: یہ فعل محذوف ذکر کا ظرف ہے نہ کہ مذکور کا۔

قوله: عَنِ السُّجُوْدِ: یہ جملہ مستانفہ جس میں سجدہ سے روکنے کی وجہ نفرت و حقارت بتلائی گئی۔

قوله: فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا: یعنی وہ تمہارے نکالنے کا سبب نہ بن جائے ان کی نہی سے یہی مراد تھی۔

قوله: تَتْعَبُ بِالْحَرْثِ: شقاء سے تھکاوٹ مراد ہے

قوله: وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَاهُ: ان کی مشقت پر اکتفاء کیا جبکہ خروج میں دونوں شریک تھے۔

قوله: فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ: یعنی شیطان نے اپنا وسوسہ کو ان تک پہنچایا۔

قوله: اَلَّتِيْ يَخْلُدُ: یہاں خُلد خلود کے معنی میں ہے نہ کہ جنت۔

قوله: مَنْ يَّاْكُلُ: شجرہ کی اضافت خلد کی طرف خلود کے معنی میں ہے یعنی اس لیے کہ اس کا کھانا باعث خلود ہے یعنی وہ لازم خلود ہے نہ کہ عین خلود۔

قوله: سَوْاٰتُهُ: ایک دوسرے کے مقام ستر (شرمگاہ)۔

قوله: فَغَوٰى: مطلوب بھول گئے اور خلد کو طلب کر کے رسوا ہوئے۔

قوله: بَعْضَ الذُّرِّيَّةِ: بعض اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی۔

قوله: : اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف ہو یا جس پر كَمْ اَهْلَكْنَا کا قول دلالت کرتا ہے اور اھلاک کی ضمیر يَهْدِ کا فاعل بنے گا۔

قوله: اِهْلَاكُنَا: اس میں اشارہ ہے کہ اِھْلَاکُنَا کا جملہ مصدر کی تاویل سے اَفَلَمْ يَهْدِ کا فاعل ہے۔ جملہ دالہ کے لفظ نہیں۔

قوله: وَمَا ذُكِرَ: جس فعل سے مصدر لیا گیا اگر وہ مصدر حرف مصدری سے خالی ہو تو معنی کی رعایت سے درست ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

اور وہ یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو ان سب نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ حکم ماننے سے انکار کر بیٹھا اور کٹ حجتی بھی کی۔ کہنے لگا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے، لہٰذا میں افضل ہوا اور جو افضل ہے وہ اپنے کم درجہ والے کو کیوں سجدہ کرے؟ اس نے حکم عدولی بھی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت بھی بتایا اور اپنی افضلیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ جب اس نے یہ حرکت کی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ اے آدم یہ تمہارا دشمن ہے یہ تمہارے پیچھے لگے گا اور کوشش کرے گا کہ تمہیں یہاں سے نکلوا دے۔ تم ہرگز اس کے کہنے میں نہ آنا ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ (دنیا میں جانا پڑے گا اور وہاں کی مشقتوں اور محنتوں میں پڑو گے۔ مشکلات اور مصائب سہو گے) یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کھاؤ، پیو، پہنو نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ پیاسے اور نہ ننگے، یہاں تمہیں دھوپ کی حرارت بھی نہیں پہنچے گی۔ وھو من باب الاکتفاء کقولہ تعالیٰ سرابیل تقیکم الحر (ای والبرد فلا یمسھم الحر ولا البرد) اس میں یہ بتا دیا کہ شیطان کے بہکاوے میں آنے سے یہاں سے نکلنا ہو گا اور دنیا میں جانا ہو گا اور وہاں ان مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

سجدہ نہ کرنے پر جب شیطان ملعون اور مردود ہو گیا تھا تو اس نے پہلے ٹھان لی تھی کہ ان کو جنت سے نکلوانا ہے اور ان کی ذریت کو گمراہ کرنا ہے۔ وہ تو وہاں سے نکال دیا گیا اور یہ دونوں حضرات رہتے رہے دونوں کو حکم ہوا تھا کہ جنت میں رہو سہو خوب کھاؤ پیو لیکن فلاں درخت کے پاس نہ جانا اگر اس میں سے کھا لیا تو یہ تمہارا اپنی جان پر ظلم کرنا ہو گا۔ اب شیطان ان کے پیچھے لگا اور اس نے کہا کہ دیکھو اس درخت کے کھانے سے جو تمہیں منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسے کھا لے گا وہ یہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا۔ اور اس کے کھانے سے تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے (کما فی سورۃ الاعراف) اور یہاں جو تمہیں عیش و آرام حاصل ہے اور ایک طرح کی بادشاہی حاصل ہے اس میں کبھی بھی کوئی ضعف نہ آئے گا۔ کما فی سورۃ طٰہٰ (وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى) اس نے یہ بات قسم کھا کر کہی اور یہ بھی کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ دونوں حضرات شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور اس درخت سے کھا لیا جس سے منع کیا گیا تھا اس درخت کا کھانا تھا کہ ان کے کپڑے جسموں سے علیحدہ ہو گئے۔ دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے لے لے کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ دشمن کے پھسلانے میں آ کر اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور غلطی میں پڑ گئے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہوا: (اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) (کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ شیطان واقعی تمہارا کھلا دشمن ہے) چونکہ ان کی نافرمانی سرکش نافرمانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی بات سن کر دشمن کے بہکانے میں آ گئے تھے اس لیے فوراً اپنے قصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کی جس کو سورۃ اعراف میں یوں بیان فرمایا: (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور

ہم پر رحم نہ فرمایا تو واقعی ہم خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے) شیطان نے بغاوت کی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت بھی بتایا۔ یہ تو اس کا حال تھا اور ان دونوں نے جلدی سے قصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کر لی۔ جیسا کہ مخلصین اور منیبین کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں چن لیا یعنی اور زیادہ مقبول بنا لیا اور ان کو ہدایت پر قائم رکھا کما قال تعالیٰ: ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ﴿۱۲۲﴾ چونکہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو تکوینی طور پر دنیا میں آنا ہی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہی اس لیے ہوئے تھے کہ ان کی اولاد زمین میں خلافت کی ذمہ داری اٹھائے اس لیے ان کا گناہ تو معاف فرما دیا لیکن دنیا میں ان کو بھیج دیا گیا۔ اسی کو فرمایا: قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ارشاد فرمایا (کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ (تمہاری ذریت میں جو لوگ ہوں گے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) (ان دشمنیوں کو مٹانا اور فیصلے کرنا خلافت کے کام میں داخل ہے)

مزید فرمایا: فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ (سو اگر تم میں سے کسی کے پاس میری ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا) اس کے زمین میں آنے سے پہلے ہی اللہ جل شانہٗ نے بتا دیا تھا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی اس پر چلنے میں کامیابی ہے جو اسے قبول کرے گا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بد بخت ہوگا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کے ذریعہ ہدایات پہنچتی رہی ہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اب نیا نبی کوئی نہیں آئے گا۔ خاتم المرسلین کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی کار نبوت یعنی دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جاری ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سب باقی ہیں جو ہدایت پر عمل کرے گا اسے وہی بلند مقام مل جائے گا جہاں سے اس کے ماں باپ آدم اور حوا علیہ السلام اس دنیا میں آئے تھے، جنت اپنے باپ کی جگہ ہے جہاں وہ تھے اور جہاں واپس گئے وہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور جنہوں نے اللہ کی ہدایت کو نہ مانا کفر پر رہے اور اسی پر مرے وہ جنت میں نہ جائیں گے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے میراث کا استحقاق نہیں رہتا، جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر رہے اس کے لیے ضمانت ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہیں اور آخرت میں بد نصیب نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اتباع کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہدایت پر رکھیں گے اور قیامت کے دن اسے برے حساب سے بچائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ (کذا فی در المنثور، ج ۴، ص ۳۱۱)

ضروری فوائد:

فائدہ (۱): حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ بھول گئے اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: فنسي العهد و لم يهتم به و لم يشتغل بحفظه حتى غفل عنه۔ (کہ حضرت آدم علیہ السلام عہد بھول گئے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں جو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت میں سے نہ کھانا) یہ ان کے ذہن سے اتر گیا اور انہوں نے اسے یاد رکھنے کا اہتمام نہ کیا جس کی وجہ سے غفلت ہوگئی، اور وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تصميم و رای و ثبات قدم فی الامور یعنی ہم نے ان کے لیے رائے کی مضبوطی اور پختگی نہیں پائی گویا کہ یہ نسیان کی تفسیر ہے۔ یعنی اگر وہ یاد رکھنے کا اہتمام

کرتے تو ثابت قدم اور پختہ عزم والے رہتے لیکن بے دھیانی کی وجہ سے بھول گئے جس کی وجہ سے شجر ممنوعہ میں سے کھا بیٹھے۔
اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہ سے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿﴾ کا یہ معنی مروی ہے کہ وہ درخت کے کھانے سے بچ نہ سکے اور اس کے ترک پر صبر نہ کر سکے۔ اور صاحب روح المعانی نے ایک جماعت سے ان کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا خلاف ورزی تو ہوئی خطا بھی ہوگئی لیکن جانتے بوجھتے جو گناہ ہوتا ہے اس کے ذیل میں نہیں آتا۔ عن ابن زید و جماعة ان المعنی لم نجد له عزما علی الذنب فانه علیه السلام اخطا ولم یتعمد (ج ۱۶ ص ۲۷۰) جہاں تک نسیان کا تعلق ہے وہ تو انبیاء کرامؑ کی شان میں ممتنع الوقوع یعنی محال نہیں ہے۔ سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ((انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون)) (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۹۲) (میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں تم جیسے بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں) سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بھول تو معاف ہے جب وہ بھول گئے تھے تو اس پر مواخذہ کیوں ہوا اور اس کو معصیت کیوں قرار دیا گیا۔

اس کا ایک جواب تو مذکورہ بیان میں گزر چکا ہے کہ نسیان پر مواخذہ نہیں جن وجوہ سے نسیان ہوا ان پر مواخذہ ہوا یعنی انہوں نے یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جبکہ وہ یاد رکھ سکتے تھے۔ مثلاً ایک دوسرے کو آپس میں وصیت کرتے کہ ہم میں سے کوئی کھانے لگے تو یاد دلائے یا کوئی ایسی صورت حال اختیار کر لیتے جو یاد دلانے والی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن سفر میں رات کے آخری حصے میں سونے لگے تو حضرت بلالؓ کو جاگتے رہنا کا حکم دیا، اتفاق سے حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی وہ بھی سو گئے۔ حتیٰ کہ سورج نکلنے پر سب کی آنکھ کھلی۔ صحابہ جو گھبرائے تو آپ نے فرمایا: فاذا رقد احدکم عن الصلاۃ اونسیها ثم فزع الیها فلیصلها کما کان یصلیها فی وقتها۔ (سو جب تم میں سے کوئی شخص سو تا رہ جائے جس کی وجہ سے نماز جاتی رہے یا نماز کو بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو اسی طرح پڑھ لے جیسا کہ اس کے وقت میں پڑھتا تھا)۔ (ص ۲۷، مشکوٰۃ المصابیح) آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو جگانے پر لگایا پھر آپ نے سونا منظور فرمایا۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے یاد رکھنے کی کوتاہی ہوئی اس لیے ان کا مواخذہ ہوا۔ علامہ قرطبی نے ایک اور بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ اس وقت آدم علیہ السلام بھولنے پر بھی ماخوذ تھے اگرچہ ہم سے بھول پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ (ج ۱۱ ص ۲۵۱) اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جس عمل کا صدور ہوا، گو وہ سہو اور خطا ہی تھا مگر ان کے بلند مرتبہ کے خلاف تھا جن اعمال پر عامۃ الناس سے مواخذہ نہیں ہوتا بلند مرتبہ والوں سے ان پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے۔ جملہ حسنات الابرار سیئات المقربین میں اسی مضمون کو واضح کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں عصمت انبیاء کا سوال بھی اٹھایا ہے لیکن جب یہ معصیت حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہو خصوصاً جبکہ وہ بھول کر تھی اور اس کا صدور بھی نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے تھا اور وہ بھی عالم بالا میں دنیا کے دار التکلیف میں آنے سے پہلے ہو۔ لہٰذا عصمت انبیاء کے عقیدہ میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ اسے سورۃ الاعراف میں زلت یعنی لغزش قرار دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ شانہٗ (فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا)

اس میں اختلاف ہے کہ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے حضرات انبیاء کرامؑ سے کبیرہ کا صدور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ کفر و کذب کے علاوہ باقی معاصی کا صدور ہو سکتا ہے۔ قال صاحب الروح (ج ۱۶ ص ۲۷۴) فقد قال عضد الملة فی المواقف ان الاکثرین جوزوا صدور الکبیرة یعنی ماعدا الکفر والکذب فیما دلت

المعجزة على صدقهم عليهم السلام فيه سهوا وعلى سبيل الخطا منهم اھ۔اب رہالفظ لغویٰ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو درخت کھالیا اس میں وہ اپنے مطلوب کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے۔ان کو جو دشمن نے یہ سمجھایا کہ تم اس درخت کو کھالو گے تو ہمیشہ یہیں رہو گے اس کی باتوں میں آ گئے۔اس کے کہنے سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا ملے گا لیکن اس کی بات ماننے سے وہاں سے نکلنا پڑا۔ قال صاحب الروح: ضل عن مطلوبه الذی هو الخلود او عن المطلوب منه وهو ترک الاکل من الشجرة او عن الرشد حيث اغتر بقول العدو۔ (ج ۱۶، ص ۹۷٤)

فائدہ (۲): یہ جو فرمایا: فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿﴾ اس میں بظاہر صیغہ تثنیہ فتشقیان ہونا چاہیے تھا مفرد لانے میں ایک نکتہ تو وہ ہے جو علماء بلاغت نے لکھا ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفرد کا صیغہ لایا گیا، اور بعض علماء نے اس سے ایک فقہی نکتہ مستنبط کیا ہے اور وہ یہ کہ کمائی کرنا اور بیوی کے کھانے پینے پہننے کی ضروریات پوری کرنا شوہر ہی کے ذمہ ہے عورت اس کسب میں شریک نہیں، اس لیے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اور آئندہ بنی نوع انسان کو یہ سبق دے دیا گیا کہ کسب مال کی مشقت اٹھانا اور اس کے لیے محنت کرنا صرف مرد کی ذمہ داری ہے۔

فائدہ (۳): حضرت آدم اور حوا بھی جنت ہی میں تھے کہ ان سے فرمادیا تھا کہ تم اس میں رہو اس میں بھوکے ننگے نہ رہو گے اور نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ۔ جنت میں تو بہت زیادہ نعمتوں اور لذتوں کا سامان ہے پھر بھی انہیں چیزوں کا تذکرہ فرمایا اس سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ انسان کی اصل ضرورت کھانا پینا، پہننا اور رہنے کی جگہ میسر ہونا ہی ہے۔ جس میں سردی گرمی سے بچ سکے۔اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے التذاذ اور زیب وزینت کے لیے ہے اور جو اصل ضرورت سے زائد ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے۔ایک تو رہنے کا گھر ہو اور دوسری شرم کی جگہ چھپانے کے لیے کپڑا ہو تیسرے روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو۔ (رواہ الترمذی) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کو اس حال میں صبح ہوئی کہ وہ اپنے نزدیک امن سے ہے اور اس کے جسم میں عافیت ہے اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے تو گویا اس کو ساری دنیا مل گئی۔ (رواہ الترمذی)

نکاح بھی انسان کی ضرورت کی چیز ہے نفس ونظر پاک رکھنے اور تکثیر نسل کے لیے اس کی ضرورت ہے۔آیت کریمہ میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ وہ دونوں پہلے سے میاں بیوی تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے نکاح کرلیا تو آدھا ایمان محفوظ کرلیا۔اب باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوۃ ص ۲٦۸) کچھ اشخاص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔یہ لوگ اپنے آپ کو فقراء سمجھتے تھے۔ان میں سے ایک شخص نے کہا کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کیا تیرے پاس بیوی ہے جس کی طرف ٹھکانہ پکڑتا ہے۔ (یعنی کام کاج کر کے اس کے پاس جا کے آرام کرتا ہے) اس نے کہا ہاں بیوی تو ہے، فرمایا کیا تیرے پاس رہنے کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے۔فرمایا بس تو مالداروں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا ایک خادم بھی ہے۔فرمایا پھر تو بادشاہوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم)

اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہیں۔اسی نے مرتبے دیئے ہیں اور اسی نے جسے چاہا نبوت سے سرفراز فرمایا اور جس کسی سے کوئی لغزش ہوئی اس کا مواخذہ فرمایا۔ پھر توبہ کرنے پر معاف بھی فرمایا۔یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ ہے لیکن ہمارے

لیے یہ جائز نہیں کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو یوں کہیں کہ وہ گنہگار تھے یا یوں کہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا یا کسی بھی نبی کی لغزش کا ہم خود سے تذکرہ کریں، ہاں آیت کا مضمون بیان کر دیں تو یہ دوسری بات ہے۔ خواہ مخواہ ان واقعات کو لے کر ان حضرات کی طرف گناہ یا عیب منسوب نہ کریں۔ خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف بھی فرما دیا۔ سورۃ طٰہٰ میں یہاں بالتصریح (ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى) فرمایا ہے اور سورۃ نون میں یونس علیہ السلام کے بارے میں (فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ) فرمایا ہے اب کس کا منہ ہے کہ کوئی شخص ان حضرات کی لغزشوں کو اچھالے اور ان کی غیبت کر کے لذت حاصل کرے۔ اگر کوئی شخص ہمارے قریب ترین باپ دادا کو کہہ دے کہ وہ گنہگار تھا گناہگار ہے تو کتنا برا لگے گا۔ پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو نبی تھے اور سارے انبیاء کے باپ تھے ان کے حق میں یہ کہنا اور اچھالنا کہ انہوں نے گناہ کیا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا، عذاب کی وعید:

جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلہ مقصود سمجھ بیٹھا ہے، اس کی گزران مکدر اور تنگ کر دی جاتی ہے گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش و عشرت نظر آئیں۔ مگر اس کا دل قناعت و توکل سے خالی ہونے کی بناء پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ننانوے کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں۔ یورپ کے اکثر متنعمین کو دیکھ لیجئے کسی کو رات دن میں دو گھنٹے اور کسی خوش قسمت کو تین چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا ہوگا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی دنیا کے مخصوں سے تنگ آ کر موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس نوع کی خودکشی کی بہت مثالیں پائی گئی ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد: ۲۸) لیکن ذوق این بادہ ندانی بخدا تانہ چشی بعض مفسرین نے مَعِيْشَةً ضَنْكًا کے معنی یہ ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے۔ گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش و تنعم آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو۔ اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے بعض مفسرین نے مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جبکہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابوہریرہ رضی اللہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بہرحال مَعِيْشَةً ضَنْكًا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

ویرانوں سے عبرت حاصل کرو:

جو لوگ تجھے نہیں مان رہے اور تیری شریعت کا انکار کر رہے ہیں کیا وہ اس بات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان

سے پہلے جنہوں نے یہ ڈھنگ نکالے تھے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا؟ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی اور ایک سانس چلتا ہوا اور ایک زبان بولتی ہوئی باقی نہیں بچی، ان کے بلند و بالا پختہ اور خوبصورت کشادہ اور زینت دار محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جہاں سے ان کی آمد و رفت رہتی ہے اگر یہ عقلمند ہوتے تو یہ سامان عبرت ان کے لئے بہت کچھ تھا۔ کیا یہ زمین میں چل پھر کر قدرت کی ان نشانیوں پر دل سے غور فکر نہیں کرتے؟ کیا کانوں سے ان کے دردناک فسانے سن کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟ کیا ان اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر بھی آنکھیں نہیں کھولتے؟ یہ آنکھوں کے ہی اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں سورۃ الم السجدہ میں بھی مندرجہ بالا آیت جیسی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ جب تک بندوں پر اپنی حجت ختم نہ کر دے انہیں عذاب نہیں کرتا۔ ان کے لئے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اسی وقت ان کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ادھر گناہ کرتے ادھر پکڑ لئے جاتے۔ تو ان کی تکذیب پر صبر کر، ان کی بے ہودہ باتوں پر برداشت کر۔ تسلی رکھ یہ میرے قبضے سے باہر نہیں۔ سورج نکلنے سے پہلے سے مراد تو نماز فجر ہے اور سورج ڈوبنے سے پہلے سے مراد نماز عصر ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو بغیر مزاحمت اور تکلیف کے دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج غروب ہونے سے پہلی کی نماز کی پوری طرح حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ان دونوں وقتوں کی نماز پڑھنے والا آگ میں نہ جائے گا۔ مسند اور سنن میں ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو ہزار برس کی راہ تک اپنی ہی اپنی ملکیت دیکھے گا سب سے دور کی چیز بھی اس کے لئے ایسی ہی ہوگی جیسے سب سے نزدیک کی اور سب سے اعلیٰ منزل والے تو دن میں دو دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے پھر فرماتا ہے رات کے وقتوں میں بھی تہجد پڑھا کر۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ اور دن کے وقتوں میں بھی اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کر۔ تا کہ اللہ کے اجر و ثواب سے تو خوش ہو جا۔ جیسے فرمان ہے کہ عنقریب تیرا اللہ تجھے وہ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! وہ کہیں گے: لبیک ربنا و سعدیک۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہم بہت ہی خوش ہیں تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطاء فرما رکھی ہیں جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں۔ پھر کیا وجہ کہ ہم راضی نہ ہوں۔ جناب باری ارحم الراحمین فرمائے گا لو میں تمہیں ان سب سے افضل چیز دیتا ہوں۔ پوچھیں گے اے اللہ اس سے افضل چیز کیا ہے؟ فرمائے گا میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ اسے پورا کرنے والا ہے کہیں گے اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے ہمارے چہرے روشن ہیں ہماری نیکیوں کا پلہ گراں رہا ہمیں دوزخ سے ہٹا دیا گیا۔ جنت میں داخل کر دیا گیا اب کون سی چیز باقی ہے؟ اسی وقت حجاب اٹھ جائیں گے اور دیدار الٰہی ہوگا۔ اللہ کی قسم اس سے بہتر اور کوئی نعمت نہ ہوگی یہی زیادتی ہے۔

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ لَكَانَ الْاِهْلَاكُ لِزَامًا لَازِمًا لَهُمْ فِي

الدُّنْيَا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ مَضْرُوْبٌ لَّهُ مَعْطُوْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ فِيْ كَانَ وَقَامَ الْفَصْلُ بِخَبَرِهَا مَقَامَ
التَّاكِيْدِ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْقِتَالِ وَسَبِّحْ صَلِّ بِحَمْدِ رَبِّكَ حَالٌ اَيْ مُتَلَبِّسًا بِهٖ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَ مِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ سَاعَاتِهٖ فَسَبِّحْ صَلِّ الْمَغْرِبَ
وَالْعِشَاءَ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ اٰنَاءِ الْمَنْصُوْبِ اَيْ صَلِّ الظُّهْرَ لِاَنَّ وَقْتَهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ
الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الْاَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِيْ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ بِمَا تُعْطٰى مِنَ الثَّوَابِ وَ لَا
تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا زِيْنَتَهَا وَبَهْجَتَهَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ
بِاَنْ يَطْغَوْا وَ رِزْقُ رَبِّكَ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا اُوْتُوْهُ فِي الدُّنْيَا وَّ اَبْقٰى ۝ اَدْوَمُ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ
اِصْبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ نُكَلِّفُكَ رِزْقًا لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ الْجَنَّةُ لِلتَّقْوٰى ۝
لِاَهْلِهَا وَ قَالُوْا اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ لَوْ لَا هَلَّا يَاْتِيْنَا مُحَمَّدٌ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ مِمَّا يَقْتَرِحُوْنَهٗ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ
بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَيِّنَةُ بَيَانُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ الْمُشْتَمِلُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ مِنْ اَنْبَاءِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَاِهْلَاكِهِمْ
بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ قَبْلَ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ لَقَالُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَبَّنَا لَوْ لَا
هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ الْمُرْسَلَ بِهَا مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ فِي الْقِيٰمَةِ وَ نَخْزٰى ۝ فِيْ جَهَنَّمَ قُلْ
لَهُمْ كُلٌّ مِنَّا وَمِنْكُمْ مُّتَرَبِّصٌ مُنْتَظِرٌ مَا يَؤُلُ اِلَيْهِ الْاَمْرُ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ فِي الْقِيٰمَةِ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ
الطَّرِيْقِ السَّوِيِّ الْمُسْتَقِيْمِ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝ مِنَ الضَّلَالَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ ع ۸ / ۱۷

ترجمہ: وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ..... اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی (یعنی اس امت کے کافروں پر قیامت تک عذاب مؤخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو عذاب دنیا ہی میں لازمی طور پر ہوتا (اَجَلٌ مُّسَمًّى کا عطف اس ضمیر پر ہو رہا ہے جو کان میں مستتر ہے اور کان کی خبر یعنی لازما کے ذریعہ سے جو فصل ہے وہ قائم مقام تاکید کے ہے) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ..... سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے یہ آیت منسوخ ہے آیت قتال سے) اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح میں لگے رہئے (یعنی نماز پڑھتے رہئے طلوع آفتاب سے پہلے (صبح کی نماز) اور غروب آفتاب سے پہلے (عصر کی نماز اور اوقات شب میں بھی تسبیح وتحمید کیا کیجئے (مغرب وعشاء کی نماز پڑھئے) اور دن کے دونوں طرفوں میں بھی (اطراف النھار کا عطف من اناء کے محل پر ہے اور یہ منصوب ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھئے) اس لیے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب یعنی سورج ڈھلنے

سے شروع ہو جاتا ہے تو ظہر کا وقت دن کا درمیان حصہ ہے یعنی دن کے نصف اول کا اختتام اور نصف دوم کا آغاز ہوتا ہے پس یہ وقت نصف اول کا بھی کنارہ ہے اور نصف دوم کا بھی۔ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ امید ہے کہ آپ خوش ہوں گے (اس ثواب سے جو قیامت کے دن ملے گا۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ..... اور ہرگز آپ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے بایں طور کہ وہ سرکشی کریں ہم نے ان کافروں کو دنیوی زندگی کی رونق اور زیبائش کا سامان دیا ہے۔ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ ..... اور آپ کے پروردگار کا رزق (جو جنت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے (اس سے جو یہ لوگ دنیا میں دیئے گئے) اور دیرپا ہے۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ الخ اور اپنے متعلقین کو (یعنی خاندان کو) نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے، اور آپ سے معاش نہیں چاہتے ہیں (یعنی ہم آپ کو روزی کا مکلف نہیں بناتے (یعنی آپ کی اپنی ذات کیلئے اور نہ اپنے سوا کے لیے معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے (یعنی جنت پرہیزگاری یعنی اہل تقویٰ کے لیے ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عَنْهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ: هم سے یہ امت مراد ہے۔

قوله: لَازِمًا لَهُمْ: یہ مصدر موصوف ہے۔

قوله: مَعْطُوْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ: یعنی جلد پکڑ اور وقت مقررہ ہر دو ان کے لیے لازم ہیں۔

قوله: حَالٌ: یہ حال ہے یعنی: انت حامد لربک یعنی تو اپنے رب کی تعریف کرنے والا ہے۔

قوله: سَاعَاتِهٖ: اس میں زمانے کو مقدم کیا سورات کے اوقات فضیلت میں اور بڑھ کر ہیں اس وقت میں قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ نفس استراحت کی طرف مائل ہوتا ہے تو عبادت میں اس وقت زیادہ لطف ہے۔

قوله: اَطْرَافَ النَّهَارِ: دن کے دونوں نصف کے اعتبار سے جمع لائے ورنہ تو دن کی طرفین ہیں۔

قوله: لَعَلَّكَ: اس کا تعلق سبح سے ہے۔

قوله: عَيْنَيْكَ: یعنی تیرا دو آنکھوں سے دیکھنا۔

قوله: مِّنْهُمْ: سے مراد کفار مکہ ہیں۔

قوله: زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ: یہ محذوف فعل جعلنا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: اصْطَبِرْ: یعنی مداومت اختیار کرو۔

قوله: وَلَا لِغَيْرِكَ: مثلاً اہل وعیال۔

قوله: نَحْنُ نَرْزُقُكَ: یعنی انہوں کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں پس آخرت کے لیے اپنے دل کو خالی کرو۔

قوله: وَالْعَاقِبَةُ: اس سے عاقبہ محمودہ مراد ہے۔

قوله: مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ: من دونوں مواقع میں استفہام کے لیے ہےاور ابتداء کی وجہ سے اسے مرفوع قرار دیں گے۔

تفسیر مقبولین

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾

یعنی حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لیے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع دیتے ہیں اور پوری طرح اتمام حجت کے بدون ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ اس امت کے متعلق تو یہ بھی فرمادیا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الانفال: ۳۳) اور اپنی خاص مہربانی سے عذاب عام مستاصل کو اس امت سے اٹھا لیا ہے۔ یہ بات ہے جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اگر یہ نہ ہوتی اور ہر ایک مجرم قوم کے عذاب کا ایک خاص وقت مقرر نہ ہوتا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آ گھیرتا۔ کیونکہ ان کا کفر و شرارت اسی کو مقتضی ہے کہ فوراً ہلاک کر دیے جائیں۔ صرف مصالح مذکورہ بالا مانع ہیں جن سے اس قدر توقف ہو رہا ہے۔ آخر قیامت میں عذاب عظیم کا مزا چکھنا پڑے گا۔ اور جب وقت آئے گا تو دنیا میں بھی اس گھمسان کا نمونہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ....

منکرین کی باتوں پر صبر و برداشت کی تعلیم و تلقین: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کی ان باتوں پر جو یہ لوگ بناتے ہیں صبر سے کام لیں۔ یعنی ان کی ان باتوں پر جو یہ بناتے ہیں حق اور اہل حق کے خلاف اور ان کا معاملہ اپنے خالق و مالک ہی کے حوالے کردیں۔ وہ ان سب سے خود ہی نمٹ لے گا۔ اور کمال عدل و انصاف کے ساتھ نمٹے گا۔ سو یہ لوگ جو آپ کے بارے میں طرح طرح کی دل آزار اور دکھ دہ باتیں کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو ساحر کہتے ہیں کبھی شاعر اور کبھی مجنوں وغیرہ۔ تو آپ اے پیغمبر ﷺ ان کی ایسی تمام باتوں پر صبر ہی سے کام لیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب اللہ آپ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ ان کی ایسی یاوہ گوئیوں کو کبھی خاطر میں نہ لائیں۔ اور صبر کی بنیاد درحقیقت اس عقیدے پر ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس کی مشیت و مرضی تمام تر مبنی ہوتی ہے حکمت پر اور اس عقیدے کو دل میں راسخ اور ذہن میں مستحضر رکھنے کے لیے سب سے بڑا اور موثر ذریعہ ذکر الٰہی اور نماز ہے۔

صبر و استقامت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ذکر و تسبیح: سو ارشاد فرمایا گیا اور اپنے رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو۔ کہ یہ سب دکھوں کا علاج اور تمام غموں کا مداوا ہے۔ اور دلوں کی تقویت اور ان کے سکون کا ذریعہ و وسیلہ۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرنا بندۂ مؤمن کا اور خاص کر داعی حق کی تسکین و تسلیہ اور نصرت و امداد خداوندی سے سرفرازی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ تسبیح کا عام مفہوم تو ذکر الٰہی ہی ہے اور یہ ہر وقت اور ہر حال میں مطلوب ہے کہ یہ مؤمن کی اصل قوت اور اس کی زندگی ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا ذکر اوقات کی قید کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اس قرینے کی بنا پر اس سے مراد نماز ہے جو کہ ذکر خداوندی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اور تسبیح کے ساتھ

حمد کے ذکر سے ذکر الٰہی کی صحیح صورت کو واضح فرما دیا گیا کہ تسبیح میں تنزیہ کا پہلو غالب ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے اور ہر شائبہ شرک سے پاک ہے۔ جبکہ تحمید میں اثبات کا پہلو غالب ہے۔ یعنی وہ ہر خوبی و کمال سے متصف اور ہر حمد و ثناء کا حقدار ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور ہر طرح کی حمد و ثنا اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

اوقات نماز کی تعلیم: سو اوقات پنجگانہ میں ذکر و تسبیح کی خاص اہمیت کا ذکر و بیان ہے۔ اور اس میں دراصل پانچ فرض نمازوں اور نماز تہجد کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو کہ حمد و ثناء اور تسبیح کا بہترین ذریعہ وسیلہ ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو کس طرح ادا کیا جائے اس کی تفصیل پیغمبر کے قول و فعل سے ہی مل سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث رسول کے بغیر نہ قرآن سمجھنا ممکن ہے نہ دینی احکام پر عمل کرنا۔ سو یہاں پر صبر و صلوٰۃ کے ان دو ذریعوں کو اپنانے اور اختیار کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے جو کہ نصرت و اعانت خداوندی کے حصول کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ (البقرہ:۴۵) وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

استقامت وسیلہ ظفر و سعادت:

سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ راہ حق پر استقامت کا ثمرہ و نتیجہ خوشی اور سعادت مندی سے سرفرازی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ راہ حق پر ڈٹ جائیں تا کہ آپ کو خوشی حاصل ہو۔ اپنے رب کی ان رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں کے باعث جو کہ آپ کو حاصل ہوں گی اپنے ان اعمال خیر کے طفیل اور ان کے نتیجے میں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اور عنقریب ہی آپ کا رب آپ کو وہ کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ سو راہ حق و ہدایت پر استقامت اللہ پاک کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تقدیس اور اس کی رضا کے لئے پنجگانہ نمازوں اور تہجد و نوافل کا قیام و اہتمام اور ان کی پابندی و التزام مؤمن کیلئے تائید و تقویت، عزت و عنایت خداوندی حقیقی خوشی و سعادت مندی سے سرفرازی اور اپنے خالق و مالک کی رضا سے مشرف و فیضیاب ہونے کا عظیم الشان ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَ السَّدَادَ وَ الثَّبَاتَ۔ بہر کیف اس عظیم الشان بشارت سے سرفرازی و بہرہ مندی کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم راہ حق و ہدایت پر ثابت قدم اور اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور اپنے کام میں لگے رہو۔ تمہارا رب تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں ایسی عظیم الشان عنایات اور کامرانیوں سے نوازے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے اور تمہارے لیے انہی نمازوں کے التزام اور پابندی میں سب کچھ مضمر و محفوظ ہے۔ اپنے رب کے سوا تمہیں اور کسی کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں۔

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ ....

آخر میں فرمایا: وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے) وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ (اور خود بھی اس پر جمے رہیے) یعنی پابندی کے ساتھ ادا کیجیے، اس میں دو حکم دیئے ہیں۔ ایک اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا دوسرے خود بھی اس کا اہتمام کرنا۔ چونکہ نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے یعنی کلمہ شہادت کا یقین کرنے کے بعد دوسرا درجہ نماز ہی کا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا کہ نماز کا اہتمام فرمائیں اور گھر والوں سے

بھی اس کا اہتمام کرائیں اور چونکہ ساری امت آپ کے تابع ہے اس لیے امت کو بھی خطاب ہو گیا۔ اہل ایمان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ نمازوں کا اہتمام کریں اور اپنے گھر والوں سے نماز پڑھوائیں۔ گھر والوں کے عموم میں بیوی بچے سب داخل ہیں۔ جب انسان خود کسی امر شرعی کا اہتمام کرے گا تو اپنے ماتحتوں سے بھی کروا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بطور سرکاری فرمان اپنے گورنروں کو لکھ کر بھیجا تھا کہ بلاشبہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ بڑھ کر نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی وہ اپنے باقی دین کی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اس کے سوا باقی دین کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) وھو الحدیث الخامس من الموطا۔ عموماً لوگ سمجھتے ہیں خلافت راشدہ اور دور حاضر کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ بھی اقتدار تھا اور یہ بھی اقتدار ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ خلافت راشدہ میں اولین مقصد لوگوں کو دین پر چلانا اور دین کی حفاظت کا اہتمام تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی عوام الناس کی جائز حاجات پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ اب تو صرف کرسی کی حفاظت کا نام اقتدار ہے۔ نہ خود نماز پڑھیں نہ لوگوں کو نماز پڑھوائیں۔ بس عوام راضی ہیں چاہے جتنے بھی گناہ کر لیں۔ گناہوں کے کاموں کے لائسنس تک دیئے جاتے ہیں۔ یہ حکومتیں تو اپنی اور عوام الناس کی دنیا و آخرت تباہ کرنے والی ہیں۔

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ معاش کمانے میں لگیں۔ (یہ خطاب امت کو بھی شامل ہیں) یعنی زندگی کا مقصد رزق کمانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت مقصود حیات ہے اور گو کسب حلال کے لیے اسباب اختیار کرنا بھی مفید ہے لیکن اس درجہ میں نہیں کہ نماز اور فرائض برباد ہو جائیں اور کمانا ہی اصل رہ جائے۔ (نَحْنُ نَرْزُقُكَ) (ہم آپ کو رزق دیں گے) جو رزق مقدر ہے وہ سبھی کو ملے گا۔ لہٰذا اسباب اختیار کرنے میں فرائض اور واجبات ترک نہ کریں اور محرمات کا ارتکاب نہ کریں۔ جو لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے رزق انہیں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت ہے کہ ساری مخلوق رزق پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتی ہے۔

قال صاحب الروح ج ١٦، ص ٢٨٥، دفع انما عسی ان یخطر ببال احد من ان المداومة علی الصلوة ربما تضر بامر المعاش فکانه قیل داوموا علی الصلاة غیر مشتغلین بامر المعاش عنها اذ لا نکلفکم رزق انفسکم ابل نحن نرزقکم۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب اپنے گھر میں کوئی سختی یا تنگی پیش آتی تھی تو انہیں نماز کا حکم دیتے تھے اور آیت کریمہ: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ تلاوت فرماتے تھے۔ (روح المعانی عن البیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح) اور حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ رات کو بمشیت الٰہی نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا تھا تو اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نماز پڑھو، نماز پڑھو اور ساتھ ہی آیت بالا تلاوت کرتے تھے۔

(رواہ مالک فی الموطا فی صلاۃ اللیل)

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ (اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے) لہٰذا فرائض کا اہتمام رکھا جائے جن میں سے سب سے بڑھ کر نماز ہے اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز کیا جائے۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد ہلاک فرماتا ہے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ رسول آتا تو پیروی کر لیتے:

یہ سورۃ طٰہٰ کی آخری تین آیات ہیں۔ پہلی آیت میں قریش مکہ کی ایک بیہودہ بات ذکر فرمائی ہے اور اس کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ یہ صاحب نبوت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہم جو ان سے کہتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کرانے کے لیے ہمارے سامنے فلاں معجزہ لاؤ تو وہ ایسا معجزہ کیوں نہیں لاتے، اگر ہمارا مطلوبہ معجزہ لے آئیں تو ہم مان لیں گے، یہ بات ان کی بطور عناد کے تھی بہت سے معجزات ان کے سامنے تھے لیکن ان کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں لاتے تھے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید تھا جو اب تک دنیا کے سامنے ہے سابقہ کتب توراۃ انجیل وغیرہ میں جو عقائد اور اصولی احکام تھے قرآن ان کو بیان کرتا ہے اور ان کے سچا ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس قرآن کا سامنے ہونا ہی اہل عقل کے لیے کافی ہے۔ قال صاحب الروح فالمراد بالبینة القرآن الکریم والمراد بالصحف الاولی التوراۃ والانجیل و سائر الکتب السماویة و بما فیھا العقائد الحقة و اصول الاحکام التی اجتمعت علیھا کافة الرسل علیھم السلام و معنی کونه بینة لذلك شاھد ابحقیقته۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کو کوئی عذاب بھیج کر قرآن نازل کرنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ ہمارے پاس رسول بھیجا جاتا تو ہم اس کا اتباع کرتے، ایمان لاتے، احکام مانتے اور اب عذاب میں پڑ کر ذلیل اور رسوا نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ہم نے رسول بھیج دیا، حجت پوری کر دی اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ کوئی رسول آتا تو ہم ایمان لے آتے اور عذاب میں داخل نہ ہوتے، اللہ جل شانہٗ نے بغیر اتمام حجت نہ کسی قوم کو ہلاک کیا اور نہ اس کے بغیر آخرت میں کسی کو عذاب ہوگا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿﴾ (اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں عذاب دینے والے نہیں ہیں) اور سورۂ فاطر میں فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ (بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے ڈرانے والا نہ بھیجا ہو) تیسری آیت میں فرمایا کہ آپ ان منکرین سے فرما دیں کہ دیکھو اس دنیا میں کیا ہوتا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا سب اس کے انتظار میں ہیں سو تم بھی انتظار کر لو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے، یہاں تو حق کی تکذیب کر رہے ہو تمہیں حق سے انحراف ہے موت کے وقت اور اس کے بعد کے حالات تمہیں بتا دیں گے کہ صحیح راستہ پر کون ہے تمہیں اپنی غلطی کا اس وقت پتہ چلے گا جب اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ صحیح بات یہی ہے کہ آج ہی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آؤ۔ دلائل کو دیکھو، حق کو پہچانو، صراط مستقیم پر چلو، حق سے منہ موڑ کر بربادی کے گڑھے میں نہ گرو۔

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ ٢١ مَكِّيَّةٌ ٧٣ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ١١٢ — رُكُوْعَاتُهَا ٧

سورۂ انبیاء مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع

اِقْتَرَبَ قرب لِلنَّاسِ اَهْلِ مَكَّةَ مُنْكِرِى الْبَعْثِ حِسَابُهُمْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ عَنْهُ مُّعْرِضُوْنَ ۝١
عَنِ التَّاَهُّبِ لَهُ بِالْاِيْمَانِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ شَيْئًا فَشَيْئًا اَىْ لَفْظُ قُرْاٰنٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ
يَلْعَبُوْنَ ۝٢ يَسْتَهْزِءُوْنَ لَاهِيَةً غَافِلَةً قُلُوْبُهُمْ عَنْ مَعْنَاهُ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى اَىِ الْكَلَامَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بَدَلٌ
مِنْ وَاوِ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى هَلْ هٰذَآ اَىْ مُحَمَّدٌ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فَمَا يَاْتِىْ بِهِ سِحْرٌ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ تَتْبَعُوْنَهُ
وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٣ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ سِحْرٌ قٰلَ لَهُمْ رَبِّىْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ كَائِنًا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا
اَسَرُّوْهُ الْعَلِيْمُ ۝٤ بِهِ بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ فِى الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ قَالُوْآ فِيْمَا اَتٰى بِهِ مِنَ الْقُرْاٰنِ
هُوَ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ اَخْلَاطٍ رَاٰهَا فِى النَّوْمِ بَلِ افْتَرٰىهُ اِخْتَلَقَهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَمَا اَتٰى بِهِ شِعْرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ
كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٥ كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْيَدِ قَالَ تَعَالٰى مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَىْ اَهْلِهَا اَهْلَكْنٰهَا
بِتَكْذِيْبِهَا مَا اَتَاهَا مِنَ الْاٰيَاتِ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ
وَكَسْرِ الْحَاءِ اِلَيْهِمْ لَا مَلَائِكَةً فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ الْعُلَمَاءَ بِالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ ذٰلِكَ
فَاِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَهُ وَاَنْتُمْ اِلٰى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ اَىِ الرُّسُلَ
جَسَدًا بِمَعْنٰى اَجْسَادٍ لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ بَلْ يَاْكُلُوْنَهُ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ
بِاِنْجَائِهِمْ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ اَىِ الْمُصَدِّقِيْنَ لَهُمْ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ الْمُكَذِّبِيْنَ لَهُمْ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ
ع ١٠ ١ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ لِاَنَّهُ بِلُغَتِكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ فَتُؤْمِنُوْنَ بِهِ

ترجمہ: قریب آ پہنچا ہے اہل مکہ سے جو بعث کے منکر ہیں ان کے حساب کا وقت اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہوئے اعراض کیے ہوئے ہیں ایمان لانے سے ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے وقتاً فوقتاً نزول قرآن کی شکل میں اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں اور ان کے دل بے توجہ ہوتے ہیں اس کے مضامین سے اور یہ لوگ یعنی ظالم اپنی سرگوشی کو چھپاتے رہتے ہیں ظَلَمُوْا بدل واقع ہے وَاَسَرُّوا النَّجْوَى کے واو سے کہ یہ یعنی محمد تو محض تم جیسے ایک آدمی ہیں پس وہ جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں وہ تو ایک جادو ہے تو کیا تم جادو سنتے جاؤ گے اور اس کی اتباع کرو گے درآنحالیکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو یعنی جانتے ہو کہ یہ سب صرف جادو ہے ان لوگوں کو ارشاد ہوا کہ میرا رب تو ہر چیز کو جانتا ہے آسمان میں ہو یا زمین میں وہ خوب سننے والا ہے جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں اور خوب جاننے والا ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ان مضامین کے بارے میں کہ جن کا تذکرہ قرآن میں ہے بل ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے بعد کی آیت میں وبل کا استعمال اسی مقصد کے لیے ہے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جسے اس نے خواب میں دیکھا ہے نہیں بلکہ یہ کہ انھوں اسے گھڑلیا ہے بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں لہٰذا یہ مضامین اسی کے اشعار ہیں ورنہ انھیں لانا چاہئے ہمارے پاس کوئی بڑا نشان جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے اور انھیں بڑی بڑی نشانیاں دی گئیں جیسے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی موسیٰ علیہ السلام کا عصا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا روشن ہونا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: قرب: یعنی گزشتہ کی طرف نسبت کے لحاظ سے قریب ہوا۔

قوله: مِنْ ذِكْرٍ: یعنی ایسی نصیحت جو ان کو غفلت سے خبردار کرے۔ من ربھم یہ ذکر کی صفت ہے ای کائنا من ربھم۔

قوله: الْكَلَام: اس سے اشارہ کیا کہ النجوی سے مطلق کلام مراد ہے مخفی معنی کا ارادہ کیے بغیر بطور تجرید۔

قوله: فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ: قالوا کو متضمن معنی کی تاکید کے لئے مکرر لائے۔

قوله: اِخْتَلَقَهٗ: اس کو بنالیا ہے۔

قوله: فَمَا اَتٰى بِهٖ شِعْرٌ: یعنی بے حقیقت کلام ہے۔

قوله: اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ: یعنی پہلے انبیاء علیہم السلام کو دی گئیں۔

قوله: يُؤْمِنُوْنَ: یعنی یہ ان کی بہ نسبت زیادہ سرکش ہیں اس میں خبردار کیا۔ منہ مانگا معجزہ نہ دینا ان پر رحمت کی وجہ سے ہے کہ چار دن اور رہ لیں۔

قوله: اَهْلَ الذِّكْرِ: ان پر بات کو بطور الزام ڈالا جاتا ان کو یہود پر اعتماد تھا یا جم غفت کی بات علم کو واجب کر دیتی ہے۔

قوله: بِمَعْنٰى اَجْسَادٍ: ایسے جمع نہیں بنایا یہ جمع لائے تاکہ اول کے مطابق ہو جائے۔

قوله: صدقناھم الوعد ای الوعد: یعنی ہم نے ان کے ساتھ وعدے کو سچا کر دیا۔

تفسیر مقبولین

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝

سورۂ انبیاء کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سورۂ کہف اور مریم اور طٰہٰ اور انبیاء یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں اور میری یہ قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔ (قرطبی)

منکرین کے عناد کا تذکرہ اور ان کی معاندانہ باتوں کا جواب:

یہاں سے سورۂ الانبیاء شروع ہو رہی ہے۔ اس میں چوتھے رکوع کے ختم تک معاندین اور منکرین توحید و رسالت اور منکرین آخرت کی تردید ہے۔ پھر پانچویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے جو اپنی قوم سے خطاب کیا اور بتوں کو توڑنے پر جو قوم نے ان سے سوال و جواب کیے اور انہیں آگ میں ڈالا اس کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد حضرت لوط، حضرت نوح، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت ایوب اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل اور حضرت ذوالنون (یعنی حضرت یونس) اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت مریم کا تذکرہ ہے پھر آخر سورۂ تک مختلف مواعظ ہیں اور انہیں کے ذیل میں یاجوج و ماجوج کے خروج اور وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا گیا کہ لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ اپنی غفلتوں میں روگردانی کیے ہوئے ہیں۔ انہیں کوئی فکر نہیں کہ قیامت ہوگی اور حساب ہوگا اور یہ ان کی غفلت اس لیے ہے کہ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہیں۔

مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۝

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پاس آتی ہے یعنی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اور ان کے دل غافل ہوتے ہیں اور رسول اللہ کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور چپکے چپکے آپس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو یوں کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہے اور یہ جو کچھ معجزہ کے نام سے تمہیں دکھاتا ہے یہ جادو ہے۔ کیا تم جانتے بوجھتے جادو کو مان لو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے؟ ان کی ان باتوں کا جواب رسول اللہ نے یوں دیا کہ آسمان میں اور زمین میں جو بات ہوتی ہے کیسی ہی خفیہ اور پوشیدہ ہو میرا رب اسے خوب جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تمہاری باتوں کا اسے علم ہے وہ ان کی سزا دے گا۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کو ماننے سے بھی انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو خوابوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ ان کو خواب میں کچھ باتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں انہیں کو پیش کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اس سے بڑھ کر انہوں نے یوں کہا کہ یہ باتیں خود ہی اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ شاعر ہے۔ وہ لوگ یہ سب عناد اور ضد میں کہتے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ آپ شاعر نہیں اور جو اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ شعر ہے نہ شاعری ہے۔ شاعروں کی تنگ بندیوں اور دنیائے خیالات کی باتوں سے بلند اور بالا ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جیسے ان سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) نشانیاں لے کر آئے یہ بھی کوئی ایسی نشانی لے کر آئیں۔ معجزات تو بہت تھے جنہیں بار بار دیکھتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کی چھوٹی سی ایک سورۃ کے مقابلہ میں ذرا سی عبارت بنا کر لانے سے بھی عاجز تھے۔ لیکن ان معجزات موجودہ کے علاوہ اپنے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ معاندین کی اس بات کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ لوگوں کا پابند نہیں کہ جو لوگ معجزہ چاہیں وہی بھیجے۔ اور ان سے پہلے بعض امتوں کے پاس فرمائشی معجزہ آیا وہ پھر بھی ایمان نہ لائے لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی کو فرمایا: (مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا) ان سے پہلے کسی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا (فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی) ایمان نہ لائے (اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ) (کیا یہ ایمان لے آئیں گے) اگر یہ ایمان نہ لائے تو پرانی امتوں کی طرح ان پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا اور چونکہ ابھی عذاب نازل فرمانا قضا و قدر میں نہیں ہے اس لیے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ تو تمہاری طرح کے آدمی ہیں اور ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ ان کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا (وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ) (اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہی تھے۔ یعنی آدمی ہی تھے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے) نبی اور غیر نبی میں وحی آنے نہ آنے کا فرق ہے۔ ایسا کوئی قانون نہیں کہ جو نبی ہو وہ بشر نہ ہو۔ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اگر تم اس بات کو نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: فسئلوا ایها الجهلة اهل الکتاب الواقفین علی احوال الرسل السالفة علیهم الصلوٰة والسلام لتزول شبهتکم مطلب یہ ہے کہ اے جاہلو اہل کتاب سے پوچھ لو جنہیں گزشتہ رسولوں کے حالات معلوم ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیں گے کہ انبیاء انسان تھے، بشر تھے۔ تم اہل کتاب سے یہ مشورہ تو کرتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان کرنے کے لیے آپ سے کیا پوچھیں۔ ذرا یہ بھی تو پوچھ لو کہ پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے تھے کیا وہ بشر کے علاوہ کسی دوسری جنس کے افراد تھے۔ تمہیں تو انبیاء سابقین علیہم السلام کی خاص خبر بھی نہ تھی۔ اہل کتاب ہی کے بتانے سے تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم ہوا ہے اور اہل کتاب ہی کے سمجھانے سے تم نے یہ کہا ہے: فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ تم ان سے معلوم کرتے رہتے ہو تو یہ بھی معلوم کرو کہ انبیاء سابقینؑ بشر تھے یا بشر کے علاوہ اور کسی جنس سے تھے؟ جب تم ان سے پوچھو گے اور وہ صحیح جواب دیں گے تو یہی بتائیں گے کہ انبیاء سابقین (علیہم السلام) انسان تھے بشر تھے۔ جب وہ حضرات بشر تھے تو خاتم النبیین ﷺ کے بشر ہوتے ہوئے نبی ہونے پر کیا اعتراض ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

مزید فرمایا: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (کہ ہم نے رسولوں کے ایسے بدن نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں) چونکہ وہ فرشتے نہیں تھے بشر تھے اس لیے کھانا بھی کھاتے تھے اور کھانا کھانا مقام نبوت کے منافی نہیں ہے۔ سورۂ فرقان میں فرمایا: (وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ) (اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر ایسے رسول جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے)۔

ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت واصلاح کے لیے کھڑے کیے گئے تھے خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت ونصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع رفقاء کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جو ان سے ٹکرائے تباہ وغارت کر دیئے گئے۔ بیشک محمد ﷺ بھی بشر ہیں۔ لیکن اسی نوع کے بشر ہیں جن کی اعانت وحمایت ساری دنیا کے مقابلہ میں کی جاتی ہے ان کے مخالفین کو چاہیے کہ اپنا انجام سوچ رکھیں اور پہلی قوموں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ کہیں آخرت کے حساب سے پہلے دنیا ہی میں حساب شروع نہ کر دیا جائے۔

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے) وہ انسان ہی تھے۔ انسانوں کی طرح انہیں بھی موت آئی اور موت کا آنا بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اَیْ اَهْلِهَا كَانَتْ ظَالِمَةً كَافِرَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَا اَیْ شَعَرَ اَهْلُ الْقَرْيَةِ بِالْاِهْلَاكِ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ يَهْرُبُوْنَ مُسْرِعِيْنَ فَقَالَتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ اِسْتِهْزَاءً لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا اِلٰى مَا اُتْرِفْتُمْ نُعِّمْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ۝ شَيْئًا مِنْ دُنْيَاكُمْ عَلَى الْعَادَةِ قَالُوْا لِلتَّنْبِيْهِ يٰوَيْلَنَا هِلَاكُنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ بِالْكُفْرِ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ الْكَلِمَاتُ دَعْوٰىهُمْ يَدْعُوْنَ بِهَا وَيُرَدِّدُوْنَهَا حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا اَیْ كَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ بِاَنْ قُتِلُوْا بِالسَّيْفِ خٰمِدِيْنَ ۝ مَيِّتِيْنَ كَخُمُوْدِ النَّارِ اِذَا طُفِئَتْ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ عَابِثِيْنَ بَلْ دَالِّيْنَ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَنَافِعِيْنَ عِبَادَنَا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا مَا يُلْهٰى بِهٖ مِنْ زَوْجَةٍ اَوْ وَلَدٍ لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ مِنْ عِنْدِنَا مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَالْمَلٰئِكَةِ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لٰكِنَّا لَمْ نَفْعَلْهُ فَلَمْ نُرِدْهُ بَلْ نَقْذِفُ نَرْمِيْ بِالْحَقِّ الْاِيْمَانِ عَلَى الْبَاطِلِ الْكُفْرِ فَيَدْمَغُهٗ يُذْهِبُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ ذَاهِبٌ وَدَمَغَهٗ فِي الْاَصْلِ اَصَابَ دِمَاغَهٗ بِالضَّرْبِ دماغه بالضرب وهو مقتل وَلَكُمُ يا كفار مكة الْوَيْلُ الْعَذَابُ الشَّدِيْدُ مِمَّا

تَصِفُوْنَ﴿۱۸﴾ اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الزَّوْجَةِ اَوِ الْوَلَدِ وَلَهٗ تَعَالٰی مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِلْكًا وَمَنْ عِنْدَهٗ اَیِ الْمَلٰئِكَةُ
مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴿۱۹﴾ لَا يُعْيُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا
يَفْتُرُوْنَ﴿۲۰﴾ عَنْهُ فَهُوَ مِنْهُمْ كَالنَّفْسِ مِنَّا لَا يَشْغَلُنَا عَنْهُ شَاغِلٌ اَمِ بِمَعْنٰی بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ
اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً كَائِنَةً مِّنَ الْاَرْضِ كَحَجَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ هُمْ اَیِ الْاٰلِهَةُ يُنْشِرُوْنَ﴿۲۱﴾ اَیْ يُحْيُوْنَ الْمَوْتٰی لَا
وَلَا يَكُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا مَنْ يُحْيِي الْمَوْتٰی لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اَیِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ اَیْ غَيْرُهٗ
لَفَسَدَتَا خَرَجَتَا عَنْ نِظَامِهِمَا الْمُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ بَيْنَهُمْ عَلٰی وَفْقِ الْعَادَةِ عِنْدَ تَعَدُّدِ الْحَاكِمِ مِنَ
التَّمَانُعِ فِی الشَّیْءِ وَعَدَمِ الْاِتِّفَاقِ عَلَيْهِ فَسُبْحٰنَ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ رَبِّ خَالِقِ الْعَرْشِ الْكُرْسِیِّ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴿۲۲﴾ اَیِ
الْكُفَّارُ اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الشَّرِيْكِ لَهٗ وَغَيْرِهٖ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴿۲۳﴾ عَنْ اَفْعَالِهِمْ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ
اٰلِهَةً تَعَالٰی اَیْ سِوَاهُ اٰلِهَةً طِ فِيْهِ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ عَلٰی ذٰلِكَ وَلَا سَبِيْلَ اِلَيْهِ هٰذَا ذِكْرُ
مَنْ مَّعِیَ اَیْ اُمَّتِیْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ مِنَ الْاُمَمِ وَهُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ
لَيْسَ فِیْ وَاحِدٍ مِّنْهَا اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا مِمَّا قَالُوْا تَعَالٰی عَنْ ذٰلِكَ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ اَیْ تَوْحِيْدَ اللّٰهِ
فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۲۴﴾ وَعَنِ النَّظَرِ الْمُوْصِلِ اِلَيْهِ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ
الْحَاءِ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴿۲۵﴾ اَیْ وَحِّدُوْنِیْ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ سُبْحٰنَهٗ
بَلْ هُمْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴿۲۶﴾ عِنْدَهٗ وَالْعُبُوْدِيَّةُ تُنَافِی الْوِلَادَةَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ لَا يَاْتُوْنَ بِقَوْلِهِمْ اِلَّا بَعْدَ قَوْلِهٖ وَ
هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ﴿۲۷﴾ اَیْ بَعْدَهٗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اَیْ مَا عَمِلُوْا وَمَا هُمْ عَامِلُوْنَ وَلَا يَشْفَعُوْنَ
اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی تَعَالٰی اَنْ يُّشْفَعَ لَهٗ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ تَعَالٰی مُشْفِقُوْنَ﴿۲۸﴾ اَیْ خَائِفُوْنَ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ
اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ اَیِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ وَهُوَ اِبْلِيْسُ دَعَا اِلٰی عِبَادَةِ نَفْسِهٖ وَاَمَرَ بِطَاعَتِهَا فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ
ع ۲ كَذٰلِكَ كَمَا نَجْزِيْهِ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ﴿۲۹﴾ اَیِ الْمُشْرِكِيْنَ

ترجمہ: ارشاد ہوا کہ ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے یعنی جنھیں آیات و نشانیوں کے جھٹلانے کی سزا دی گئی سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا

جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے اور ایک قراءت نون اور ہاء کے کسرہ کے ساتھ اور وہ لوگ فرشتہ یا کوئی اور مخلوق نہیں تھی سو تم علماء اہل کتاب سے دریافت کرلو اگر تم علم نہیں رکھتے اور یہ اس وجہ سے کہ انھیں اس کا علم ہے اور تم ان کی باتوں کو جلدی قبول کرلو گے بمقابلہ مؤمنین کے اور ہم نے انکے جسم یعنی رسولوں کے ایسے نہیں بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے، جسد اجساد کے معنی میں ہے یعنی یہ منفرد نہیں معنی جمع ہے اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے دنیا میں اور ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچا کیا یعنی عذاب دینا سے نجات دینے کا پھر ہم نے ان کو اور جن کو چاہا نجات دے دی یعنی ان کے ساتھ ان لوگوں کو جنھوں نے ان کی تصدیق کی اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کردیا یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو یقیناً تم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں اے قبیلہ قریش والو! جس میں تمہارے لیے نصیحت موجود ہے کیونکہ وہ تمہاری بات زبان میں ہے تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تباہ کرڈالیں جن کے باشندے ظالم یعنی کافر تھے اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کردی سو انھوں نے جب ہمارا عذاب آتے ہوئے دیکھا اور اپنی ہلاکت کا احساس کرلیا تو اس بستی سے بھاگنے لگے حواس باختہ ہو کر جس پر فرشتوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ مت بھاگو اور واپس چلو اپنے سامان عیش اور اپنے مکانوں کی طرف شاید کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ کرے جیسا کہ دنیا میں تم سے لوگ مشورہ کرتے تھے یا غریب یا غرباء تم سے سوال کرتے تھے وہ لوگ کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم ظالم ہی تھے اور کفر میں مبتلا رہے یا تنبیہ کے لیے ہے انکی یہی پکار جاری رہی اور مسلسل اور آہ بکا ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم نے نھیں کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ بنادیا اور ایسا نیست ونابود کردیا جس طرح پر کہ کٹی ہوئی کھیتی ہو یا آگ جو بجھ چکی ہو اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے اس طرح نہیں بنایا کہ ہم کھیل کررہے ہوں بلکہ سوچ سمجھ کر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس انداز پر بنایا جو بندوں کے لیے مفید ہو اگر ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم بطور کھیل کے اس کو بنائیں جو تفریح طبع کے لیے مثلاً بیوی اور اولاد عام طور پر اختیار کیے جاتے ہیں تو ہم اپنے ہی پاس کی چیز کو کھیل بنالیتے اور اس مقصد کے لیے ہم حور وملائکہ وغیرہ کا انتخاب کرسکتے تھے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا لیکن ہمارے پیش نظر اس طرح کی کوئی بات ہی نہیں تھی بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں یعنی ایمان کو کفر پر سو وہ حق اس باطل کا بھیجہ نکال دیتا ہے اور اس کو مغلوب کردیتا ہے نتیجہ وہ مٹ جاتا ہے دمغ کے معنی لغت میں کسی دماغ پر اس طرح ضرب لگانے کے آتے ہیں کہ جو موجب ہلاکت ہو اور اے کفار مکہ! تمہاری بڑی کمبختی آئے گی یعنی شدید ترین عذاب اس سے کہ تم گھڑتے رہتے ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف بیوی یا بچہ کی نسبت کرتے ہو اور اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین ہے اور جو کچھ اس کے نزدیک ہیں فرشتے وغیرہ یہ مبتدا ہے اور آنے والی عبارت اس کی خبر ہے وہ اس کی عبارت سے عار نہیں کرتے اور وہ تھکتے ہیں رات اور دن تسبیح کرتے ہیں موقوف نہیں کرتے تسبیح کرتے رہتے موقوف نہیں کرتے تسبیح ان کے لیے ایسی ہے جیسا کہ ہمارے لیے سانس کی آمدورفت کوئی مشغولیت اس آمدورفت کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی ٹھیک اسی طرح ان کے لیے تسبیح سے کوئی چیز مانع نہیں۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود رکھے ہیں (وہ ایسے ہیں جو) زمین کی چیزوں میں سے (مثلاً پتھر سونے اور چاندی کے بت) ہمزہ استفہام انکاری ہے اور ام بل کے معنی میں ہے جو انتقال کے لیے ہے) کہ وہ جلائے اٹھائیں گے (یعنی زندہ کردیں گے) ان کو (یعنی کیا وہ مردوں کو زندہ کردیں گے؟ نہیں! (اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ہمزہ

استفہام انکاری ہے) اور معبود تو وہ ذات ہو سکتی ہے کہ جو مردوں کو زندہ کر دے) اگر ہوتے ان دونوں (آسمانوں اور زمینوں) میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے (کہ اسوقت جو نظام کائنات مشاہد ہے وہ برقرار نہ رہتا، ان کے درمیان تمانع اور تخالف کے موجود ہونے کی وجہ سے چونکہ عادت یہی ہے کہ جب ایک مقام پر متعدد حاکم ہوں تو نظام ختم ہو جاتا ہے شئی میں تخالف اور اس پر عدم اتفاق ہونے کی صورت میں!) اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ (کفار) لوگ بیان کر رہے ہیں (ذات باری تعالیٰ کے حق میں شرک وغیرہ کی نسبت کر کے وہ کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور ان سے باز پرس کی جا سکتی ہے (ان کے افعال سے متعلق) کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں (؟ اس میں استفہام توبیخی ہے۔ آپ ﷺ ان لوگوں سے) کہئے کہ تم اپنی دلیل اس دعوے پر پیش کرو (حالانکہ اس پر ان لوگوں کو کوئی قدرت ہی نہیں کہ دلیل پیش کر دیں) یہ میرے ساتھ والوں (یعنی میری امت) کی کتاب (اور وہ قرآن ہے) اور مجھ سے پہلے ان لوگوں کی کتابیں) وہ تورات انجیل وغیرہما کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتب ہیں ان میں سے کسی کتاب میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی بھی معبود ہیں کہ جو یہ بات کفار کہہ رہے ہیں۔ سبحانہ وتقدس اس سے بلند و بالا شان والی ذات ہے! موجود ہیں، بلکہ ان میں زیادہ وہی لوگ ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے (یعنی توحید الٰہی پر) سو وہ اعراض کر رہے ہیں (ان چیزیوں اور دلائل کی طرف نظر کرنے سے کہ جو اس طرف ان کی راہنمائی کرے) اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو (ایک قراءت نون اور حاء پر کسرہ کے ساتھ اور دوسری قراءت یاء کے ساتھ) کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو (یعنی مجھ کو ایک تسلیم کرو) اور یہ مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے بلکہ (وہ) معزز (بندے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور عبودیت ولادت کے منافی چیز ہے) وہ اس سے) آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اپنی جانب سے کسی بات کو نہیں لاتے) اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں (یعنی اس کے حکم کے بعد ہی عمل کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال (یعنی جو انہوں نے کر لیا اور وہ جو کچھ بھی آئندہ کریں گے ان سب) کو جانتا ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو (کہ اس بندہ کی سفارش کی جائے) اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور ان (فرشتوں) میں سے جو کوئی (بالفرض) یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں (اور ایک تفسیر یہ بھی محتمل ہو سکتی ہے کہ یہ قول ابلیس کی طرف منسوب ہو جس کو صاحب تفسیر نے اختیار فرمایا ہے کہ اپنی ذات کی عبادت کی طرف بلائے اور ان کو اپنی اطاعت کا حکم دے) سو اس کو ہم سزائے جہنم دیں گے، (اور) ہم ظالموں (یعنی مشرکین) کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (کہ جیسی ہم ان کو سزا دیں گے)۔ کیا (واؤ اور بغیر واؤ دونوں طرح کی قراءتیں ہیں) ان کافروں کو یہ معلوم ہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (کے پہلے نہ) بندے تھے، پھر ہم نے ان (دونوں) کو کھول دیا (یعنی بنا دیا ہم نے آسمان کو سات اور زمین کو بھی سات، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کو کھول دیا بایں طور پر کہ وہ بارش نہیں برساتا تھا اور برسنے لگا اور زمین کا کھلنا یہ ہے کہ وہ اگا نہیں سکتی تھی پھر وہ اگانے والی ہو گی) اور بنائی ہم نے (آسمان سے برسنے والے اور زمین سے ابلنے والے) پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے (نباتات وغیرہ جس میں حیات ہے چنانچہ ان تمام اشیاء میں حیات کی علامت نظر آتی ہیں اور علوم جدیدہ نے

بھی اس کو تسلیم کیا ہے! اور ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ اشیاء پانی اور دیگر نباتات اسباب حیات میں سے ہیں یعنی بس پانی اس شئی کی زندگی کا سبب ہے) کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے (ان دلائل کو سن کر بھی میری توحید پر) اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لیے بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے (کہ وہ زمین کو برقرار رکھنے والے ہیں) اور رکھی ہم نے ان (پہاڑوں) میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پائیں (اسفار میں اپنے مقاصد تک پہونچنے کے لیے) اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ (گرنے سے) اور وہ آسمان کی نشانیوں (سورج چاند اور ستاروں) سے اعراض کیے ہوئے ہیں

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَلَمَّآ اَحَسُّوْا: اصل کی طرف احسوا میں ضمیر محذوف۔

قوله: شَعَرَ: بستی والوں نے ہلاک کو یوم محسوس کیا جیسے محسوس ومشاہد چیز کا ادراک کرتے۔

قوله: اِسْتِهْزَاءً: یعنی ان کو بطور استہزاء کہا گیا مت بھاگو!

قوله: اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ: نعمت کو ٹھکرانا۔ مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے یعنی انعام کرنے والے کی نعمت سے سرکشی اختیار کرنا۔

قوله: شَيْئًا: یعنی تم سوال ومشورے اہم کاموں اور مصائب آفاقیہ میں لیتے ہو۔

قوله: قَالُوْا: یعنی عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے۔

قوله: اِنَّا كُنَّا: اس قول سے کچھ فائدہ نہ دیا کیونکہ یہ مایوسی کی ندامت تھی۔

قوله: قالوا: یعنی یہ کلمات اور ہر وہی شخص جواب ہو۔

قوله: دَعْوٰىهُمْ: یہ اسمیت وخبریت دونوں کا احتمال فمازالت کی وجہ سے ہے۔

قوله: بِاَنْ قُتِلُوْا: یعنی ان کو بخت نصر نے قتل کیا۔

قوله: اِنْ كُنَّا: یہ ان کے جواب پر دلالت کرنے والا ہے اور لو کا جواب پہلے ہے۔

قوله: بَلْ نَقْذِفُ: یعنی ہماری شان یہ ہے کہ ہم اس حق کو غلبہ دیں جس کی منجملہ کوششوں میں سے اس باطل کے خلاف کوشش یہ ہے کہ لہو جس کی صفات میں شمار ہوتا ہے تو وہ حق اس پر غلبہ پا کر اس کو مٹا دیتا ہے۔

قوله: نرمی: پھینک کر غلبہ پانے کو رمی سے بطور استعادہ بغیر کیا دور سے پھینکا جانے والا تیر وہ نشانے کی پختگی کو لازم کرنے والا ہے، اور پھر الدمغ جو سر کچلنے کی سچی تصویر ہے بلکہ اس میں مبالغہ ہے۔

قوله: زَاهِقٌ: زاہق ہلاک ہونے والے کو کہتے ہیں اور زحوق روح کے نکلنے کو کہتے ہیں اور لی زکی طرف اشارے کے لئے اس کو ذکر کر دیا۔

قوله: يُسَبِّحُوْنَ: یہ جملہ مستانفہ ہے لا یفترون یہ حال ہے۔

قوله: كَائِنَةً: یعنی بے شک زمین کے اندر کیا اور موھیت کی صفت ہے؟

قوله: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ: یعنی اس کی عظمت اور قوت دبدبہ اور الوھیت میں منفرد ہونے کی وجہ سے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔

قوله: وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ: یعنی ان سے باز پرس ہوگی کیونکہ وہ مملوک ہیں اور بندے ہیں، اس میں ضمیر الھۃ کی طرف ہے یا عباد کی طرف۔

قوله: اَمِ اتَّخَذُوْا: اس میں ان کے کفر کو بہت سخت قرار دے کر دوبارہ ذکر کیا۔

قوله: هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ: برہان سے یہاں عقلی یا نقلی دلیل مراد ہے۔

قوله: هٰذَا ذِكْرٌ: ذکر سے مراد یہاں نصیحت ہے۔

قوله: انہ لا الہ الا انا: یہ تمام کتابوں کو پہلے ذکر کیا اور اس کے بعد خاص طور پر تین کتابوں کا ذکر کیا۔ ذکر میں قبلی یہ اسم اشارہ کی خبر ہونے کی حیثیت سے ان کے درمیان موجود کتاب کے ساتھ خاص ہے اور وہ تین کتابیں ہیں۔

قوله: عِنْدَهٗ: اس میں قوم کو ذلیل کرنے والے کے متعلق تنبیہ ہے۔

قوله: لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ: یعنی وہ اس وقت تک کوئی بات نہیں کہتے جب تک اللہ نہیں فرماتے جیسا کہ فرمانبردار غلام کا کام ہے۔

قوله: مَا عَمِلُوْا: یعنی جو عمل انہوں نے آگے بھیجا ہے۔

قوله: اَنْ يَّشْفَعَ لَهٗ: یعنی اس کے رعب کی وجہ سے اس کی بارگاہ میں سفارش نہ کر سکے۔

قوله: مِّنْ خَشْيَتِهٖ: یعنی اس کی عظمت سے۔

قوله: مُشْفِقُوْنَ: یعنی اس سے کانپنے والے ہیں۔

قوله: مِنْهُمْ: یعنی ملائکہ میں سے یا اور مخلوق میں سے مراد اس سے نفی الوہیت اور ملائکہ سے دعوی الوہیت کی نفی اور مشرکین کی تہدید ہے۔

تفسیر مقبولین

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪

ہلاک ہونے والی بستیوں کی بدحالی:

ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو عبرت دلائی ہے اور پرانی بستیوں کی ہلاکت بتا کر یاددہانی فرمائی ہے کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظلم کرتی تھیں۔ یہ ظلم کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے تھا۔ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ عذاب آ رہا ہے تو وہاں سے دوڑ کر جانے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ مت دوڑو۔ تم جس عیش و عشرت میں لگے ہوئے تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے انہیں میں واپس آ جاؤ تا کہ تم سے پوچھا

جائے کہ تم جس ساز و سامان اور جن مکانوں پر گھمنڈ کرتے تھے اور اتراتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کہاں ہے جائے پناہ اور کہاں ہے حفاظت کی جگہ؟ جب عذاب آ ہی گیا تو کہنے لگے ہائے ہماری کمبختی! ہم ظالم تھے! کیونکہ عذاب آ جانے کے وقت توبہ کرنا اور ظلم کا اقرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ لوگ اپنی یہی بات کہتے رہے کہ ہائے ہائے ہم ظالم تھے۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔

لفظ قَصَمْنَا کا اصل معنی توڑ دینے کا ہے۔ اس لیے بہت زیادہ تکلیف کو قاصم الظھر کمر توڑنے والی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ لفظ لا کر ہلاک شدہ بستیوں کی پوری طرح تباہی بیان فرمائی ہے۔ اور رکض گھوڑے کے پاؤں مارنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا شروع کرتے ہیں اور اسے ایڑی مارتے ہیں۔ اس لفظ کو بھاگ جانے کے لیے استعمال فرمایا ہے۔

لَا تَرْكُضُوْا جو فرمایا اس سے پہلے قیل لھم حذف ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ عذاب دیکھ کر بھاگنے لگے تو ان سے عذاب کے فرشتوں نے یا ان اہل ایمان نے جو وہاں موجود تھے بطور استہزا اور تمسخر یوں کہا کہ ٹھہرو کہاں دوڑتے ہو۔ تمہیں تو اپنی نعمت اور دولت عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا۔ اپنے گھروں کو مزین کر رکھا تھا اور اونچے اونچے مکان بنا کر فخر کرتے تھے۔ آؤ دیکھو تمہارے مکان کہاں ہیں؟ تم سے کوئی سوال کرنے والا سوال کرے تو اس کا جواب دو۔ اب تو ظلم اور عیش و عشرت کا نتیجہ دیکھ لیا۔ بتاؤ کیا انجام ہوا؟

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝ اس میں ہلاک شدہ لوگوں کا انجام بتایا ہے۔ حصید: کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں اور خامدین، خمود سے مشتق ہے۔ جو بجھنے کے معنی میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہلاک ہوئے تو ان کے اجسام کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ جیسے کھیتی کاٹ کر ڈھیر لگا دیا جاتا ہے۔ اور ان کی شوں شاں اور کر و فر ایسی ختم ہو گئی جیسے جلتی ہوئی شمعیں بجھا دی جائیں اور آگ جل کر ٹھنڈی ہو جائے اور ذرا بھی روشن نہ رہے۔ قرآن مجید میں یہاں مطلقاً یوں فرمایا ہے کہ "کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا" کسی خاص بستی اور خاص علاقہ کا ذکر نہیں ہے اور عبرت دلانے کے لیے یہ اجمال کافی ہے۔ لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اہل حضر موت مراد ہے جو یمن کا ایک علاقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک نبی بھیجا تھا۔ انہوں نے اسے جھٹلایا اور قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے انہیں قتل کیا اور قید کیا۔ جب قتل کا سلسلہ جاری ہوا تو پشیمان ہوئے اور بھاگنے لگے تو ان سے کہا گیا: لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا ... (معالم التنزیل ص ۲۴۰، ج ۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝

آسمان و زمین کوئی کھیل تماشہ نہیں:

آسمان و زمین کو اللہ تعالیٰ نے عدل سے پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو سزا اور نیکوں کو جزا دے۔ اس نے انہیں بیکار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اور آیت میں اس مضمون کے ساتھ ہی بیان ہے کہ یہ گمان تو کفار کا ہے جن کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ دوسری آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اگر ہم کھیل تماشہ ہی چاہتے تو اسے بنا لیتے۔ ایک معنی یہ ہیں کہ اگر ہم عورت کرنا

چاہتے۔لہو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔یعنی یہ دونوں معنے ہے اگر بیوی بنانا چاہتے تو حورعین میں سے جو ہمارے پاس ہے کسی کو بنالیتے۔ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اگر ہم اولاد چاہتے۔لیکن یہ دونوں معنی آپس میں لازم ملزوم ہیں۔بیوی کے ساتھ ہی اولاد ہے۔ جیسے فرمان ہے:(لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر:۴) یعنی اگر اللہ کو یہی منظور ہوتا کہ اس کی اولاد ہو تو مخلوق میں کسی اعلیٰ درجے کی مخلوق کو یہ منصب عطا فرماتا لیکن وہ اس بات سے پاک اور بہت دور ہے۔اس کی توحید اور غلبہ کے خلاف ہے کہ اس کی اولاد ہو۔پس وہ مطلق اولاد سے پاک ہے نہ عیسیٰ اس کا بیٹا ہے نہ عزیر۔نہ فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ان عیسائیوں یہودیوں اور کفار مکہ کی لغویات اور تہمت سے اللہ واحد قہار پاک ہے اور بلند ہے۔ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ میں ان کو نافیہ کہا گیا ہے یعنی ہم یہ کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ان نفی کے لئے ہی ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اثبات توحید، ابطال شرک اور حق کی فتح یابی:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے جو آسمان وزمین پیدا کیے ہیں ان کا پیدا کرنا کوئی فعل عبث کے طور پر نہیں ہیں بلکہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ ان کے وجود اور ان کی بڑائی اور پھیلاؤ سے ان کے خالق کو پہچانیں۔اگر آسمان وزمین کے بنانے سے کوئی حکومت مقصود نہ ہوتی محض ایک مشغلہ ہی کے طور پر بنانا مقصود ہوتا تو ہم اپنے پاس سے کسی چیز کو مشغلہ بنا لیتے لیکن ہمیں یہ کرنا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات اس سے برتر اور بالا ہے کہ وہ کسی چیز کو بطور لہو ولعب پیدا فرمائیں اور کسی چیز کو بطور لہو ولعب کے اختیار فرمائیں۔

دنیا میں چونکہ حق و باطل کا معرکہ رہتا ہے اور آخر میں حق ہی غالب ہوتا ہے اس لیے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا: نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ کہ ہم حق کو باطل پر پھینک دیتے ہیں سو وہ باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے۔یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے۔قال صاحب معالم التنزیل اصل الدمغ شج الراس حتی یبلغ الدماغ فاذا ھو ذاھق، سو باطل مغلوب ہو کر دفع ہو جاتا ہے۔وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حق کے خلاف بولتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں جو ایسی باتیں کرتے ہو جن سے وہ پاک ہے اس حرکت کی وجہ سے تمہارے لیے خرابی ہے،یعنی ہلاکت ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (الآیتین) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مملوک اور مخلوق ہے اور جو بندے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس میں عار نہیں سمجھتے کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔وہ برابر اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ذرا سستی نہیں کرتے۔رات دن اس کی تسبیح میں مشغول ہیں۔تھکنے کا نام نہیں۔ان تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنے والوں سے فرشتے مراد ہیں۔اس کی عبادت اور تسبیح اور تقدیس میں مشغول علی الدوام ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود برحق مانتے اور جانتے ہیں۔اہل دنیا میں جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اپنی جہالت اور بے عقلی سے شرک میں مبتلا ہیں۔

توحید کے دلائل اور فرشتوں کی شان عبدیت کا تذکرہ:

ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات جلیلہ بیان کی ہیں۔ (مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: أَمِ اتَّخَذُوٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ (کیا ان لوگوں نے زمین میں سے کاٹ چھانٹ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں) یعنی انہوں نے اجزائے زمین سے معبود تو بنا لیے جنہیں پتھروں سے تراشا اور لکڑی وغیرہ سے بنایا ہے لیکن یہ باطل معبود ہیں۔ اگر حقیقی معبود ہوتے تو مردوں کو زندہ کر دیتے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ان کو معبود بنانا سراسر حماقت ہے۔ وہ کیا زندہ کرتے وہ تو خود ہی بے جان ہیں۔ سورۂ نحل میں فرمایا: (اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ) (وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں انہیں پتہ نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ اگر آسمان زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ ایک کی مشیت کچھ ہوتی دوسرے کا ارادہ کچھ اور ہوتا، اس طرح سے ٹکراؤ ہو جاتا اور اس ٹکراؤ کا اثر آسمان و زمین کے نظام پر ہونا لازم تھا۔ جب آسمان زمین میں فساد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اس مضمون کو سورۂ مؤمنون میں یوں فرمایا: (مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ) (اللہ نے کوئی اولاد اپنے لیے نہیں بنائی نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ جب یہ سب باتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ معبود صرف ایک ہی ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (سو اللہ جو عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

تعدد آلہہ کے ابطال پر ایک مضبوط دلیل:

تعدد آلہہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا۔ اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لیے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کامل طور پر انجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لیے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بدون چارہ ہی نہیں ہو سکتا اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور

تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا۔ وہ خدا نہ رہا۔ اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان و زمین میں متعدد خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۔۔۔۔

پہلے توحید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کیے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام وظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی ہے، نہ نقلی جسے پیش کر سکتے۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے ان معبودوں کو فرمایا تھا کہ جن کو خدا کے برابر کوئی سمجھے کہ ایسے وہ حاکم ہوتے تو جہاں خراب ہو جاتا۔ اب ان کا ذکر فرماتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور نائبین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہیں۔ سو ان کو مالک کی سند چاہیے۔ سند بغیر نائب کیونکر بن سکتے ہیں۔ اگر سند ہے تو پیش کرو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

کفار مکہ کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں، بڑے بڑائیوں والے ہیں اور ذی عزت ہیں قولاً اور فعلاً ہر وقت اطاعت الٰہی میں مشغول ہیں۔ نہ تو کسی امر میں اس سے آگے بڑھیں، نہ کسی بات میں اس کے فرمان کا خلاف کریں بلکہ جو وہ فرمائے دوڑ کر اس کی بجا آوری کرتے ہیں۔ اللہ کے علم میں گھرے ہوئے ہیں اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں آگے پیچھے دائیں بائیں کا اسے علم ہے ذرے ذرے کا وہ دانا ہے۔ یہ پاک فرشتے بھی اتنی مجال نہیں رکھتے کہ اللہ کے کسی مجرم کی اللہ کے سامنے اس کی مرضی کے خلاف سفارش کے لئے لب ہلا سکیں۔ جیسے فرمان ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: ۲۵۵) وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش اس کے پاس لے جا سکے؟ اور آیت میں ہے: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا: ۲۳) یعنی اس کے پاس کسی کی شفاعت اس کی اپنی اجازت کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ فرشتے اور اللہ کے مقرب بندے کل کے کل خشیت الٰہی سے، ہیبت رب سے لرزاں و ترساں رہا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی خدائی کا دعویٰ کرے ہم اسے جہنم واصل کر دیں ظالموں سے ہم ضرور انتقام لے لیا کرتے ہیں۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ خاص بندگان اللہ میں سے کوئی ایسا ناپاک دعویٰ کرے اور ایسی سخت سزا بھگتے۔

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾

یعنی جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرض محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت (معاذ اللہ) ایسی بات کہہ گزرے تو

وہ ہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والے ظالموں کو ملتی ہے ہم ان کو بھی دیں گے۔ ہمارے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے، پھر بھلا خدا کیسے ہوسکتے ہیں۔

أَوَلَمْ بِوَاوٍ وَتَرْكِهَا يَرَ يَعْلَمِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا أَيْ سَدًّا بِمَعْنَى مَسْدُودَةٍ فَفَتَقْنٰهُمَا أَيْ جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَبْعًا وَالْأَرْضَ سَبْعًا أَوْ فَتْقُ السَّمَاءِ أَنْ كَانَتْ لَا تُمْطِرُ فَأَمْطَرَتْ وَفَتْقُ الْأَرْضِ أَنْ كَانَتْ لَا تُنْبِتُ فَأَنْبَتَتْ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ وَالنَّابِعِ مِنَ الْأَرْضِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ نَبَاتٍ وَغَيْرِهِ فَالْمَاءُ سَبَبٌ لِحَيٰوتِهِ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ بِتَوْحِيدِي وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ جِبَالًا ثَوَابِتَ لِأَنْ لَا تَمِيدَ تتحرك بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا أَيِ الرَّوَاسِي فِجَاجًا مَسَالِكَ سُبُلًا بَدَلٌ أَيْ طُرُقًا نَافِذَةً وَاسِعَةً لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ إِلَى مَقَاصِدِهِمْ فِي الْأَسْفَارِ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا لِلْأَرْضِ كَالسَّقْفِ لِلْبَيْتِ مَّحْفُوظًا عَنِ الْوُقُوعِ وَهُمْ عَنْ آيٰتِهَا مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُومِ مُعْرِضُونَ ۝ لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهَا فَيَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقَهَا لَا شَرِيكَ لَهُ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ تَنْوِينُهُ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَتَابِعِهِ وَهُوَ النُّجُومُ فِي فَلَكٍ أَيْ مُسْتَدِيرٍ كَالطَّاحُونَةِ فِي السَّمَاءِ يَّسْبَحُونَ ۝ يَسِيرُونَ بِسُرْعَةٍ كَالسَّابِحِ فِي الْمَاءِ وَلِلتَّشْبِيهِ بِهِ أَتَى بِضَمِيرِ جَمْعِ مَنْ يَعْقِلُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ أَنَّ مُحَمَّدًا سَيَمُوتُ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَيِ الْبَقَاءَ فِي الدُّنْيَا أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ۝ فِيهَا لَا فَالْجُمْلَةُ الْأَخِيرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِيِّ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ فِي الدُّنْيَا وَنَبْلُوكُمْ نَخْتَبِرُكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ كَفَقْرٍ وَغِنًى وَسُقْمٍ وَصِحَّةٍ فِتْنَةً مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ لِنَنْظُرَ تَصْبِرُونَ وَتَشْكُرُونَ أَوْ لَا وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ فَيُجَازِيكُمْ وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَّتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَيْ مَهْزُوًّا بِهِ يَقُولُونَ أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ أَيْ يَعِيبُهَا وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ لَهُمْ هُمْ تَاكِيدٌ كٰفِرُونَ ۝ بِهِ إِذْ قَالُوا مَا نَعْرِفُهُ وَنَزَلَ فِي اسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ أَيْ أَنَّهُ لِكَثْرَةِ عَجَلِهِ فِي أَحْوَالِهِ كَأَنَّهُ خُلِقَ مِنْهُ سَأُورِيكُمْ اٰيٰتِي مَوَاعِيدِي بِالْعَذَابِ فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝ فِيهِ فَأَرَاهُمُ الْقَتْلَ بِبَدْرٍ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بِالْقِيَامَةِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝ فِيهِ قَالَ تَعَالَى لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ يَدْفَعُونَ عَنْ وُّجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ

ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ يَمْنَعُوْنَ مِنْهَا فِي الْقِيٰمَةِ وَجَوَابُ لَوْ مَا قَالُوْا ذٰلِكَ بَلْ تَاْتِيْهِمْ الْقِيٰمَةُ بَغْتَةً
فَتَبْهَتُهُمْ تَحِيْرُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ
ع ۱۲ قَبْلِكَ فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَاقَ نَزَلَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ
هُوَ الْعَذَابُ فَكَذَا يَحِيْقُ بِمَنِ اسْتَهْزَأَ بِكَ

ترجمہ: (کہ ان میں غور وفکر نہیں کرتے تا کہ وہ لوگ اس حقیقت کو جان لیتے کہ ان تمام چیزوں کا خالق ایک ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں) اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند سب کی تنوین مضاف الیہ کی عوض ہے (یعنی سورج، چاند اور اس کے تابع ستارے) اپنے اپنے دائرے میں (مثل چکی کے) پھرتے ہیں (تیری کے ساتھ جس طرح پانی میں تیرنے والا تیزی کے ساتھ تیرتا ہے پھرتا ہے اور چونکہ سرعت سیر کے ساتھ اس کو تشبیہ دی گئی ہے اس سے ضمیر جمع واو اور نون کے ساتھ کہ جو ذوی العقول کے لیے ہے (لائے ہیں) کفار مکہ نے جب یہ بات کہی کہ محمدؐ بہت جلد مر جائیں گے تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ہم نے آپؐ سے پہلے بھی کسی بشر کے لیے (دنیا میں) ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ پس جملہ اخیرہ محلِ استفہام انکاری میں واقع ہے) ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا (دنیا میں) ہم تم کو بری بھلی (فقر اور مالداری، بیماری اور صحت کی) حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں (ایک ترکیب فتنۃ کی مفعول لہ ہے یعنی تا کہ ہم دیکھ لیں کہ تم لوگ صبر کرتے ہو اور شکر گزاری کرتے ہو یا نہیں) اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے (اور تم کو بدلہ دیا جائے گا) اور یہ کافر لوگ جب آپؐ کو دیکھتے ہیں تو بس آپؐ سے ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں اس میں حال کی رعایت کرتے ہوئے ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ (ہنسی کرتے ہوئے وہ یوں کہتے ہیں) کہ کیا یہی شخص ہے جو عیب لگا کر نام لیتا ہے تمہارے معبودوں کا اور وہ رحمٰن کے نام (اور ذکر) سے منکر ہیں (چنانچہ جس وقت رحمٰن کے نام سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ شان نزول۔ جب کفار مکہ نے عذاب کے نزول میں جلدی کی تو اس وقت ان آیات کا نزول ہوا!۔ انسان جلدی ہی کا بنا ہوا گے (یعنی انسان اپنے اکثر احوال میں جلد بازی سے کام لیتا ہے تو جلدی سے ہی وہ پیدا ہوا ہے (اب دکھلاتا ہوں تم کو اپنی نشانیاں) (عذاب کے مواعید) سو مجھ سے جلدی مت کرو (اس میں چنانچہ ان کو قتل بدر دکھلا دیا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (وقوع قیامت کا) کس وقت آویگا اگر تم سچے ہو (اس وعدۂ قیامت میں۔؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!) کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ یہ لوگ (اس) آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا (کہ روز قیامت عذاب نار سے۔ کسی صورت سے بچا لیے جائیں اور جواب لو محذوف ہے یعنی وہ تو پھر یہ بات نہ کہتے) کچھ! بلکہ وہ (قیامت) آئے گی ان پر ناگہاں پھر ان کے ہوش کھو دے گی، (حیران و پریشان ہو جائیں گے) پھر نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (توبہ کرنے یا معذرت پیش کرنے کی) اور آپؐ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا (اس آیت میں وہ استہزاء کرتے (ہوئے کہا

کرتے) تھے (کہ وہ عذاب کہاں؟ پس اسی طرح ان پر بھی عذاب الٰہی نازل ہوگا جو آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَوَلَمْ : کافروں کو اگر چہ نہ علم ہو لیکن نظری طور پر وہ اس بات پر پہنچتے ہیں۔ عارضی طور پر متفق (پھر جانا) یہ کسی ایسے مؤثر واجب کا محتاج ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

قوله: كَانَتَا رَتْقًا: رتق ملا ہوا ہونا یعنی ایک چیز سے حقیقت ان کی متحد تھی۔

قوله: فَفَتَقْنٰهُمَا: ان کی انواع الگ الگ کردیں یا اعراض کے اعتبار سے ان میں امتیاز کردیا۔

قوله: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ: یہاں جعل خلق کے معنی میں ہے اور وہ ایک معنوں کی طرف متعدی ہے اور من ابتدائیہ ہے۔

قوله: وَغَيْرِهٖ: یعنی کوئی چیز حیوان ہونے میں مراد نہیں بلکہ اس سے زیادہ عام بات یعنی ہر چیز پیدا فرمائی۔

قوله: فَالْمَاءُ: یعنی طور پر جو چیز پیدا کی اس کا مادہ حیات پانی ہے۔

قوله: اَنْ لَا تَمِيْدَ : لفظ اس طرح تھا لامن ان تمید حذف لا جو ہے یہ تو التباس میں سے ہے البتہ لام کا حذف ان سے یہ بہت مشہور ہے۔

قوله: بَدَلٌ: پہلے فجاجاً فرمایا پھر اس کے بدلے سبلاً فرمایا اس سے صحنا یہ دلالت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور مسافروں کے لئے پھر اس کو وسیع کردیا کیونکہ مبدل منہ بالکل ساقط نہیں ہوتا ہے اس کا کچھ لحاظ کیا جاتا ہے۔

قوله: طُرُقًا: یہ سبلاً کی تفسیر ہے اور واسعۃ یہ فجاجا کی تفسیر ہے۔

قوله: الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ: یعنی سورج چاند اور ستارے وہ اپنے محو میں چکر لگا رہے ہیں نہ کہ دن رات۔

قوله: كل في فلك: کا جملہ یہ شمس وقمر سے حال ہے کیونکہ سورج اور چاند ہی اپنے فلک میں تیرتے ہیں نہ کہ دن اور رات۔

قوله: فِيْ فَلَكٍ: اس سے جنس فلک مراد ہے یعنی اپنے اپنے ملک میں۔

قوله: يَسْبَحُوْنَ: سورج اور چاند کی طرف ضمیر جمع مطالع کے اعتبار سے ہے۔

قوله: بِعَيْبِهَا: مطلق ذکر کیا اور سوء کے ساتھ تفسیر نہیں کیا کیونکہ عدو کا تذکرہ سوء ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔

قوله: بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ: یعنی توحید کے متعلق یا بعثت رسل کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے منکر ہیں اور کافر اس بات کے حقدار ہیں کہ ان کا مذاق اڑایا جائے۔

قوله: لِكَثْرَةِ عُجْلِهٖ: کیونکہ انسان اکثر جلد بازی کرتا ہے تو گویا یہ اسی طرح ہے خلق زید من الکرمہ کہ زید بہت سخی ہے۔

قوله: فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ: اس میں اس چیز کی ممانعت کی گئی جو ان کے نفسوں میں جمع ہوئی تھی تاکہ یہ اس کے نتیجے میں باز آ جائیں۔

قوله: بَغْتَةً: یہ مصدر ہے فعل کے علاوہ دوسرے لفظ سے۔

قوله: هُوَ الْعَذَابُ: یعنی استہزاء سے مراد استہزاء کی سزا ہے۔

تفسیر مقبولین

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت:

(ربط) گزشتہ آیت میں تخلیل عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور باطل اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع اقسام کے صنائع اور بدائع سے مملو پیدا کیا تا کہ نظر کرنے والوں کے لیے تبصرہ اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے امور معاش اور معاد منتظم ہوں اور ان کو دیکھ کر ان کے خالق اور تدبر کو پہچانیں اور اس کے واحد قہار ہونے پر استدلال کریں۔ اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت وحکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صانع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اس کے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مسخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے ارادے اور مشیت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہئے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور وفکر کریں اور دیکھیں کہ ان کی تخلیق وتدبیر میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اول:

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ چشم بصیرت ونظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان وزمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے ان کو کھولا اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جس سے آسمان الگ ہو گیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کر دیا۔ پھر آسمان کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے نباتات اگائے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے قسم قسم کی غذائیں اور پھل اگنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہو گئے کیا کافروں نے خدا تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمہ قدرت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں پھر اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں

شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ٦)

ابو مسلم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ "رتق" سے حالت عدم مراد ہے اور فتق سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان وزمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے ان کو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود عطاء کر دیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ٦ وروح المعانی ص ۳۲ ج ۱۷)

اب اس قول کی بنا پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے ان کو وجود عطاء کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباسؓ اور سعید ابن جبیر رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔

سوال: رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان وزمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا جس پر ان کو ملامت کی گئی اور کہا گیا اولم یر الذین الخ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اور خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

جواب: یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور وفکر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ آسمان وزمین کے منہ پہلے بند تھے بعد میں کھولے گئے کیونکہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً قسم قسم کے نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبدأ اور منتہا چاہئے جس پر تمام اسباب وعلل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے جو ان محدثات کا محدث اور موجد ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی ص ۱۱۴ جلد ٦ وحاشیہ قنوی علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۷ ج ۵)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان وزمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور وقتاً فوقتاً آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل وفطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل کا منہ اب بند تھا جب منہ کھلا تو مشک میں سے یا ٹنکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا۔ جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان وزمین کے رتق اور فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا خود بخود نہیں بلکہ در پردہ کوئی دست قدرت کارفرما ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم سرما وگرما

میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم:

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد اس جہان کی ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی ہر جاندار چیز بلا واسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادہ حیات پانی ہی ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے۔ واللہ خلق کل دابة من ماء۔ اور وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فيها من كل دابة۔

اور مسند احمد میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((کل شیء خلق من ماء)) ہر شئے پانی سے پیدا ہوتی ہے۔

اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادہ حیات سب کا پانی ہے اور کان عرشه على الماء۔ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان وزمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرہ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر بھرا ہوا ہے۔ عرش بھی پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

قسم سوم:

اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ بھاری بوجھ والے جو زمین پر خوب جمے ہوئے ہیں تاکہ زمین لوگوں کو لیکر ہلنے نہ لگے یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔ پوری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، صرف چوتھائی زمین کھلی ہوئی ہے اس ربع مسکون کے باشندے آسمان اور چاند سورج کا مشاہدہ کر سکتے ہیں

قسم چہارم:

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین میں یا پہاڑوں میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے لیے منزل مقصود تک راہ پاسکیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکیں جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے لتسلکوا منها سبلا فجاجا۔ یا یہ معنی ہے کہ نظر وفکر کر کے اللہ کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

قسم پنجم:

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر آسمان کو اس زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے۔ کما قال تعالی: ویمسك السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ۔ وقال تعالی: ان اللہ یمسك السموت والارض ان تزولا۔

خدا کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے اور پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں۔ کما قال تعالیٰ وحفظا من کل شیطان مارد۔ وحفظنا ھا من کل شیطان رجیم۔ اور مشرکین اس آسمانی چھت کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے شمس وقمر اور کواکب اور نجوم اور ان کی حرکات اور ان کے طلوع وغروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

قسم ششم:

اور اسی خدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو تاکہ رات میں سکون اور راحت پاویں اور دن میں روزی کماویں اور پیدا کیا آفتاب کو جو دن کی نشانی ہے اور پیدا کیا چاند کو جو رات کی نشانی ہے ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صدہا دلیلیں مستور ہیں۔ کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔

ایک شبہ: اس زمانہ کے ملاحدہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں بلکہ یہ خلاء بے انتہا ہے جس کی دوری کی کوئی حد نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کو دوربین سے کچھ نظر نہیں آتا۔

جواب: یہ دلیل بالکل مہمل ہے۔ کسی چیز کا دوربین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نیز از روئے نصوص شریعت آسمان وزمین سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے اور وہ دوربین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دریافت کر سکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ خلاء بے انتہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا غیر متناہی چیز کا وجود عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں اور سطح زمین سے بے انتہاء دوری موجود بھی ہے یا نہیں کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ جس بعد اور دوری کو آپ نے اپنے قصور فکر کی وجہ سے غیر محدود سمجھ رکھا ہے وہ محدود اور متناہی ہو اور اس کے بعد کوئی جسم صاف شفاف موجود ہو جو آپ کو اب تک نظر نہیں آسکا۔ جیسا کہ دوربین کی ایجاد سے پہلے بہت سی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں جو اب نظر آنے لگی ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کا کسی وقت کسی کو نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

سابقہ آیات میں کفار و مشرکین کے باطل دعووں اور مشرکانہ عقیدوں کی جن میں حضرت مسیح یا عزیر وغیرہ کو خدائی کا شریک

یا فرشتوں اور مسیح کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا گیا ان گمراہ کن عقائد کی تردید وابطال واضح دلائل کے ساتھ آیا ہے جس کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہ تھا ایسے مواقع میں جب مخالف حجت ودلیل سے مغلوب ہوجائے تو جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مکہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جلد وفات ہوجاوے جیسا کہ بعض آیات میں ہے: نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی اس بیہودہ تمنا کے دو جواب دیئے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر ہمارے رسول ﷺ کی جلدی وفات ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ ان کی موت ہوجائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ نبی ورسول نہیں تھے ورنہ موت نہ آتی تو اس کا یہ جواب دیا کہ جن انبیاء کی نبوت کو تم بھی مانتے ہو کیا ان کو موت نہیں آئی، جب ان کی موت سے ان کی نبوت ورسالت میں کوئی فرق نہ آیا تو آنحضرت ﷺ کی وفات سے آپ کی نبوت کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیسے کیا جاسکتا ہے اور اگر تمہارا مقصد آپ کی جلد وفات سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ یہ موت کا مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے آخر تمہیں بھی مرنا ہے۔ پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے:

پھر ارشاد فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ یعنی ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ یہاں مراد ہر نفس سے نفوس ارضیہ یعنی زمینی جاندار ہیں۔ ان سب کو موت آنا لازمی ہے نفوس ملائکہ اس میں داخل نہیں، اس میں اختلاف ہے کہ قیامت کے روز فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک لحظہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہوجاوے گی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ، بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتے اور جنت کے حور وغلمان موت سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ اعلم (روح المعانی) اور موت کی حقیقت جمہور علماء کے نزدیک روح کا جسد عنصری سے نکل جانا ہے اور روح خود ایک جسم نورانی لطیف ذی حیات متحرک کا نام ہے جو انسان کے پورے بدن میں ایسا سمایا ہوا رہتا ہے جیسے عرق گلاب اس کے پھول میں ابن قیم نے روح کی حقیقت بیان کرکے اس کو سو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ (روح المعانی)

لفظ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ سے اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی مواقع میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ روح کا جیسا اتصال بدن کے ساتھ ہے اس کے نکلنے کے وقت تکلیف اور الم کا احساس امر طبعی ہے، رہا بعض اہل اللہ کا یہ معاملہ کہ ان کو موت سے لذت وراحت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی تنگیوں سے نجات ہوئی اور محبوب اکبر سے ملاقات کا وقت آ گیا، تو یہ ایک دوسری طرح کی لذت ہے جو مفارقت بدن کی طبعی تکلیف کے منافی نہیں کیونکہ جب کوئی بڑی راحت اور بڑا فائدہ سامنے ہوتا ہے تو اس کے لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بعض اہل اللہ نے دنیا کے غم ورنج اور مصیبتوں کو بھی محبوب قرار دیا ہے کہ:

"از محبت تلخہا شیریں شوند"

غم چہ استادہ تو بر در ما اندر آ بار ما برادر ما

اور مولانا رومی نے فرمایا:

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ گرد گلہ توتیائے چشم گرگ

دنیا کی ہر تکلیف وراحت آزمائش ہے:

وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً، یعنی ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں۔ شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے جیسے بیماری، رنج وغم، فقر وفاقہ اور خیر سے اس کے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت وعافیت، خوشی و راحت، غناء واسباب عیش وغیرہ۔ یہ دونوں طرح کی چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لئے آتی ہیں کہ شر یعنی خلاف طبع امور پر صبر کر کے اس کا حق ادا کرنا اور خیر یعنی مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کر کے اس کا حق ادا کرنا ہے آزمائش یہ ہے کہ کون اس پر ثابت قدم رہتا ہے کون نہیں رہتا اور بزرگوں نے فرمایا کہ حقوق شکر پر ثابت قدم رہنا بہ نسبت حقوق صبر کے مشکل ہے۔ انسان کو تکلیف پر صبر کرنا اتنا بھاری نہیں ہوتا جتنا عیش وعشرت اور آرام وراحت میں اس کے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل ہوتی ہے اسی بناء پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا:

بلینا بالضراء فصبرنا وبلینا بالسراء فلم نصبر (روح المعانی)

یعنی ہم تکلیفوں میں مبتلا کئے گئے اس پر تو ہم نے صبر کر لیا لیکن جب راحت وعیش میں مبتلا کئے گئے تو اس پر صبر نہ کر سکے یعنی اس کے حقوق ادا کرنے پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ، سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

جب مشرکین کے سامنے دنیا میں عذاب آنے یا قیامت آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ یہ ڈرانا خواہ مخواہ کا ہے۔ عذاب آنا ہی ہے تو بس آجائے دیر کیوں لگ رہی ہے۔ اسی کو فرمایا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) یعنی اس کے مزاج میں جلد بازی رکھ دی گئی ہے۔ اپنے اس مزاج کی وجہ سے عذاب کو بھی وقت سے پہلے بلانے کو تیار ہے۔ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ (سو میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا سو تم مجھ سے عذاب کی جلدی مت مچاؤ) کیونکہ عذاب وقت مقرر سے پہلے نہیں آتا اور جب آجائے تو ٹالا نہیں جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قہر کی نشانیاں ظاہر ہوئیں جن میں غزوۂ بدر کے مواقع پر سرداران قریش کا مارا جانا اور قید ہونا بھی تھا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ يَحْفَظُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ، مِنْ عَذَابِهٖ اِنْ نَزَلَ بِكُمْ اَيْ لَا اَحَدَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَالْمُخَاطَبُوْنَ لَا يَخَافُوْنَ عَذَابَ اللّٰهِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهٗ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ اَيِ الْقُرْاٰنِ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهِ اَمْ فِيْهَا مَعْنَى الْهَمْزَةِ الْاِنْكَارِيْ اَيْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِمَّا يَسُوْءُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا، اَيْ اَلَهُمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ مِنْهُ غَيْرُنَا لَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَيِ الْاٰلِهَةُ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ فَلَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَ لَا هُمْ اَيِ الْكُفَّارُ مِّنَّا مِنْ عَذَابِنَا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ يُجَارُوْنَ يُقَالُ صَحِبَكَ اللّٰهُ اَيْ حَفِظَكَ وَاَجَارَكَ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ

اٰبَآءَهُمْ بِمَا اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ فَاغْتَرُّوْا بِذٰلِكَ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَقْصِدُ
اَرْضَهُمْ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۴۴ لَا بَلِ النَّبِيُّ وَاَصْحَابُهٗ قُلْ لَهُمْ اِنَّمَآ
اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ مِنَ اللّٰهِ لَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِي وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ
الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ مَا يُنْذَرُوْنَ ۝۴۵ اَيْ هُمْ لِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ بِمَا سَمِعُوْهُ مِنَ الْاِنْذَارِ كَالصُّمِّ وَلَئِنْ
مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ وَقْعَةٌ خَفِيْفَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ لِلتَّنْبِيْهِ يٰوَيْلَنَآ هَلَاكُنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۴۶ بِالْاِشْرَاكِ
وَتَكْذِيْبِ مُحَمَّدٍ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ذَوَاتَ الْعَدْلِ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَيْ فِيْهِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ مِنْ
نَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ وَاِنْ كَانَ الْعَمَلُ مِثْقَالَ زِنَةَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ اَيْ بِمَوْزُوْنِهَا وَ
كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝۴۷ مُحْصِيْنَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ اَيِ التَّوْرٰةَ الْفَارِقَةَ بَيْنَ الْحَقِّ
وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَضِيَآءً بِهَا وَّذِكْرًا اَيْ عِظَةً بِهَا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۸ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ عَنِ
النَّاسِ اَيْ فِي الْخَلَاءِ عَنْهُمْ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ اَيْ اَهْوَالِهَا مُشْفِقُوْنَ ۝۴۹ اَيْ خَائِفُوْنَ وَهٰذَا اَيِ الْقُرْاٰنُ
ع ۴ ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۰ اَلْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّوْبِيْخِ

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمان (کے عذاب سے اگر عذاب لوگوں پر نازل ہونے لگا تو اس) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو (یعنی کوئی نہیں جو حفاظت کر سکے گا اور مخاطب یعنی یہ مشرکین، جب سے اس آیت میں خطاب کیا گیا ہے اور مخاطب اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہی نہیں اس وجہ سے وہ تو بالکلیہ اس کے منکر ہیں!) بلکہ وہ لوگ اپنے رب (حقیقی) کے ذکر (یعنی قرآن) سے روگرداں ہیں (اس میں بالکل غور وفکر نہیں کرتے۔ ام اس جگہ ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے) کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ (جو عذاب سے ان کو ہمارے علاوہ) انکی حفاظت کر لیتے ہوں (؟ یعنی کوئی نہیں!) وہ (ان کے معبود) خود اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے (تو پھر وہ ان کی بھی مدد نہیں کر سکیں گے) اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے (یجارون کے معنی میں مقولہ ہے صحبک اللہ یعنی اللہ تیری حفاظت فرمائے اور اللہ تعالیٰ تجھ کو بچائے) بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا خوب سامان دیا (یعنی یہ دنیاوی نعمتیں جو ہم نے ان کو بخشی ہیں) یہاں تک کہ ان پر ایک عرصہ دراز گزر گیا (جس سے وہ مغالطہ اور دھوکہ میں پڑ گئے) کیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم (انکی) زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹائے چلے جاتے ہیں (یعنی نبی اکرم ﷺ پر فتح کی صورت میں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے (؟ نہیں! بلکہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ غالب ہوں گے چنانچہ یہی ہوا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو

تم کو اللہ کی جانب سے نہ کہ اپنی جانب سے وحی کے ذریعے آگاہ کرتا ہوں اور یہ بہرے نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے دونوں ہمزوں کو محقق کر کے اور ثانی ھمزہ کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور ی کے درمیان یعنی بہرے کی مانند سنی ہوئی تنبیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گویا کہ یہ حقیقت میں بہرے ہیں اگر ان کو تیرے عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو پکار اٹھیں ہائے ہماری کمبختی یعنی ہماری ہلاکت واقعی ہم شرک اور محمد ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے خطاوار تھے اور ہم قیامت کے دن درست میزان عدل قائم کریں تو کسی پر اصلاً ظلم نہیں کیا جائے گا نیکیوں کو کم کر کے یا گناہوں میں اضافہ کر کے اور عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو بھی ہم اس کو یعنی موزون کو حاضر کریں گے اور ہم ہر چیز کا حساب لینے والے کافی ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے اور ہم نے عطاء کی تھی موسیٰ اور ہارون کو ایک فیصلہ کن کتاب (جو حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فارق یعنی تورات) اور روشنی اور متقیوں کے لیے نصیحت (تا کہ اس کے ذریعہ نصیحت حاصل ہو) جو (متقی) اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں (یعنی لوگوں سے غائب اور تخلیہ میں اللہ سے خائف رہتے ہیں) اور وہ لوگ قیامت سے (یعنی اس کی ہولناکیوں سے بھی ڈرتے ہیں اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب) ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے سو کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو (!اس استفہام سے توبیخ مقصود ہے!)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ: یعنی اپنے پروردگار کی یاد ہی سے منہ موڑنے والے ہیں اس کے عذاب سے کیا ڈرتے؟

قوله: بَلْ: یہ اضراب کے لئے آیا ہے وہ اپنے الھتہ کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھتے تھے حالانکہ یہ استدراج ہے اور تقدیر کا طے شدہ فائدہ ہے تو یہ اضراب ثانی سے اضراب ہے۔

قوله: فَاغْتَرُّوا بِذٰلِكَ: یعنی ان کو گمان ہو گیا کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔

قوله: مَا يُنْذَرُوْنَ: ڈراوے کے وقت کے ساتھ مخصوص کیا کیونکہ کلام اسی سلسلے میں کی جا رہی ہے یا ان کے بہرہ پن میں مبالغہ مقصود ہے۔

قوله: لِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ: اس میں ان کے بہرہ نام رکھنے کی وجہ بتلائی ہے۔

قوله: دُفْعَةٌ خَفِيْفَةٌ: اس میں کئی مبالغے ہیں۔ نمبر ۱ لفظ مس کا تذکرہ ہے، نمبر ۲ نفحۃ کے اندر قلت کے معنی ہیں کیونکہ نفح اصل میں کسی چیز کی مہک کا اٹھنا ہے۔

نمبر ۳ پھر اس کا نکرہ ہونا ایک بار ہونے پر دلالت کرنے والا ہے۔

قوله: اَلْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ: قسط مصدر ہونے کی وجہ سے بطور مبالغہ جمع کی صفت لائے۔

قوله: فِيْهِ: یہ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں جئت لخمس خلون من الشھر۔ یہاں لیوم القیامۃ میں لام فی کے معنی میں ہے۔

قوله: بِمَوْزُوْنِهَا: ضمیر مثقال کی طرف لوٹ رہی ہے اور حبۃ کی طرف اضافت کی وجہ سے اس کو مؤنث لائے۔

قوله: لِلْمُتَّقِيْنَ : یہ موصوف ہے اور الذین جملہ صفت ہے اور عن الناس سے یہ فاعل سے حال ہے۔

قوله: ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ: کثیر اس کی خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

خدائے رحمان کی گرفت وپکڑ سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا: سو استفہام تنبیہ وتوبیخ کے طور پر فرمایا گیا۔ بھلا کون ہے جو خدائے رحمٰن سے تمہاری حفاظت کر سکے؟۔ اور اس کی پکڑ اور عذاب سے تمہیں بچا سکے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں سوائے اس کی رحمت بیکراں کے۔ تو پھر یہ کس قدر ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ انسان اسی خدائے رحمٰن اور اس کی عبودیت اور عبادت وبندگی سے منہ موڑے جس کی رحمت وعنایت میں یہ سرتاپا ڈوبا ہوا ہے؟ سو یہ سوال تقریع وتوبیخ اور ان لوگوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے کیلئے ہے کہ جس خدائے رحمٰن کی رحمتوں میں تم لوگ سرتاپا ڈوبے ہوئے ہو اور جو محض اپنی رحمت وعنایت سے تمہیں ایسے تمام حوادث سے محفوظ رکھتا ہے تو اس سے منہ موڑنا اور غفلت واعراض برتنا کتنا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے۔

(محاسن التاویل، معارف، صفوہ اور فتح وغیرہ)

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ ....

ذلت ورسوائی کے مارے لوگ:

کافروں کے کینہ کی اور اپنی گمراہی پر جم جانے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہیں کھانے پینے کو ملتا رہا، لمبی لمبی عمریں ملیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے کرتوت اللہ کو پسند ہیں، اس کے بعد انہیں نصیحت کرتا ہے کہ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کی بستیوں کی بستیاں بوجہ ان کے کفر کے ملیامیٹ کر دیں؟ اس جملے کے اور بھی بہت سے معنی کئے گئے ہیں جو سورۂ رعد میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ لیکن زیادہ ٹھیک معنی یہی ہیں۔ جیسے فرمایا: (وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاحقاف: ۲۷) ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کیں اور اپنی نشانیاں ہیر پھیر کر کے تمہیں دکھا دیں تاکہ لوگ اپنی برائیوں سے باز آجائیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہم کفر پر اسلام کو غالب کرتے چلے ہیں کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر دیا اور کس طرح جھٹلانے والی اگلی امتوں کو اس نے ملیامیٹ کر دیا اور اپنے مؤمنوں کو نجات دے دی کیا اب بھی یہ لوگ اپنے آپ کو غالب ہی سمجھ رہے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ یہ مغلوب ہیں، ذلیل ہیں، رذیل ہیں، نقصان میں ہیں، بربادی کے ماتحت ہیں۔ میں تو اللہ کی طرف سے مبلغ ہوں، جن جن عذابوں سے تمہیں خبردار کر رہا ہوں یہ اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ کا کہا ہوا ہے۔ ہاں جن کی آنکھیں اللہ نے اندھی کر دی ہیں، جن کے دل ودماغ بند کر دیئے ہیں انہیں اللہ کی یہ باتیں سود مند نہیں پڑتیں۔ بہروں کو آگاہ کرنا بیکار ہے کیونکہ وہ تو سنتے ہی نہیں۔ ان گنہگاروں پر اک ادنیٰ سا بھی عذاب آجائے تو واویلا کرنے لگتے ہیں

اور اسی وقت بے ساختہ اپنے قصور کا اقرار کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن عدل کی ترازو قائم کی جائے گی۔ یہ ترازو ایک ہی ہوگی لیکن چونکہ جو اعمال اس میں تولے جائیں گے وہ بہت سے ہوں گے، اس اعتبار سے لفظ جمع لائے۔ اس دن کسی پر کسی طرح کا ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حساب لینے والا خود اللہ ہے جو اکیلا ہی تمام مخلوق کے حساب کے لئے کافی ہے ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی وہاں موجود ہو جائے گا۔ اور آیت میں فرمایا تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (النساء: ۴۰) اللہ تعالیٰ ایک رائی کے دانے برابر بھی ظلم نہیں کرتا، نیکی کو بڑھاتا ہے اور اس کا اجر اپنے پاس سے بہت بڑا عنایت فرماتا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنی وصیتوں میں اپنے بیٹے سے فرمایا تھا ایک رائی کے دانے برابر بھی جو عمل ہو خواہ وہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں وہ اللہ اسے لائے گا وہ بڑا ہی باریک بین اور باخبر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو کلمے ہیں زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں وزن دار ہیں اور اللہ کو بہت پیارے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کے سامنے اپنے پاس بلائے گا اور اس کے گناہوں کے ایک کم ایک سو دفتر اس کے سامنے کھولے جائیں گے جہاں تک نگاہ کام کرے وہاں تک کا ایک ایک دفتر ہوگا پھر اس سے جناب باری تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ کیا تجھے اپنے کئے ہوئے ان گناہوں میں سے کسی کا انکار ہے؟ میری طرف سے جو محافظ فرشتے تیرے اعمال لکھنے پر مقرر تھے انہوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ یہ جواب دے گا کہ اے اللہ نہ انکار کی گنجائش ہے نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تیرا کوئی عذر ہے یا کوئی نیکی ہے؟ وہ گھبرایا ہوا کہے گا اے اللہ کوئی نہیں۔ پروردگار عالم فرمائے گا کیوں نہیں؟ بیشک تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا اب ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں (اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله) لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پیش کرو۔ وہ کہے گا اے اللہ یہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا کرے گا؟ جناب باری فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اب تمام کے تمام دفتر ترازو کے ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس پرچے کا وزن ان تمام دفتروں سے بڑھ جائے گا۔ یہ جھک جائے گا اور اونچے ہو جائیں گے اور اللہ رحمان ورحیم کے نام سے کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جب ترازوئیں رکھی جائیں گی پس ایک شخص کو لایا جائے اور ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور جو کچھ اس پر شمار کیا گیا ہے وہ بھی رکھا جائے گا تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ ابھی اس نے پیٹھ پھیری ہی ہوگی کہ اللہ کی طرف سے ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا اور کہے گا جلدی نہ کرو ایک چیز اس کی ابھی باقی گئی ہے پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ اس شخص کے ساتھ ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور یہ پلڑا نیکی کا جھک جائے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے بھی ہیں، میری خیانت بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں بھی انہیں مارتا پیٹتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیری سزا ان کی خطاؤں کے برابر ہوئی تو تو چھوٹ گیا۔ نہ عذاب نہ ثواب ہاں اگر تیری سزا کم رہی تو تجھے اللہ کا فضل و کرم ملے گا اور اگر تیری سزا ان کے کرتوتوں سے بڑھ گئی تو تجھ سے اس بڑھی ہوئی سزا کا انتقام لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ صحابی

رونے لگے اور چیخنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کیا ہو گیا؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا: (وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا (الانبیاء: ۴۷) یہ سن کر اس صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان معاملات کو سن کر تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ان تمام غلاموں کو آزاد کر دوں۔ آپ گواہ رہئے یہ سب اللہ کی راہ میں آزاد ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ....

یعنی رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا، ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا نہ کسی پر ظلم وزیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کر دیا جائے گا (تنبیہ) موازین میزان کی جمع ہے شاید بہت سی ترازوئیں ہوں یا ایک ہی ہو کر مختلف اعمال وعمال کے اعتبار سے کئی قرار دے دی گئیں واللہ اعلم۔ وزن اعمال اور میزان کے متعلق سورۂ اعراف میں کلام کیا جا چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔

یعنی ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ اَيْ هُدَاهُ قَبْلَ بُلُوْغِهِ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَيْ بِاَنَّهٗ اَهْلٌ لِذٰلِكَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الْاَصْنَامُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَيْ عَلٰى عِبَادَتِهَا مُقِيْمُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ قَالَ لَهُمْ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ لِعِبَادَتِهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ بَيِّنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ فِيْ قَوْلِكَ هٰذَا اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ فِيْهِ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ خَلَقَهُنَّ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ الَّذِيْ قُلْتُهٗ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ بِهٖ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ بَعْدَ ذِهَابِهِمْ اِلٰى مُجْتَمَعِهِمْ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ لَهُمْ جُذٰذًا بِضَمِّ الْجِيْمِ وَكَسْرِهَا فُتَاتًا بِفَاسٍ اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ عَلَّقَ الْفَاسَ فِيْ عُنُقِهٖ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ اَيِ الْكَبِيْرِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَيَرَوْنَ مَا فَعَلَ بِغَيْرِهٖ قَالُوْا بَعْدَ رُجُوْعِهِمْ وَرُؤْيَتِهِمْ مَا فُعِلَ مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ فِيْهِ قَالُوْا اَيْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ اَيْ يَعِيْبُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ اَيْ ظَاهِرًا لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ عَلَيْهِ اَنَّهُ الْفَاعِلُ قَالُوْٓا لَهٗ بَعْدَ اِتْيَانِهٖ ءَاَنْتَ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ سَاكِتًا عَنْ فِعْلِهٖ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ عَنْ فَاعِلِهٖ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فِيْهِ تَقْدِيْمُ جَوَابِ

الشَّرْطِ وَفِيمَا قَبْلَهُ تَعْرِيضٌ لَهُمْ بِاَنَّ الصَّنَمَ الْمَعْلُومَ عِجْزُهُ عَنِ الْفِعْلِ لَا يَكُونُ اِلٰهًا فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
بِالتَّفَكُّرِ فَقَالُوٓا لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَيْ بِعِبَادَتِكُمْ مَنْ لَا يَنْطِقُ ثُمَّ نُكِسُوْا مِنَ اللّٰهِ عَلٰى
رُءُوْسِهِمْ اَيْ رُدُّوْا اِلٰى كُفْرِهِمْ وَقَالُوْا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَيْ فَكَيْفَ تَأْمُرُنَا بِسُؤَالِهِمْ
قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ بَدَلَهُ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا مِنْ رِزْقٍ وَغَيْرِهٖ وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ شَيْئًا اِنْ لَمْ
تَعْبُدُوْهُ اُفٍّ بِكَسْرِ الْفَاءِ وَفَتْحِهَا بِمَعْنٰى مَصْدَرٍ اَيْ تَبًّا وَقُبْحًا لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَيْ هٰذِهِ الْاَصْنَامُ لَا تَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ وَلَا تَصْلُحُ لَهَا وَاِنَّمَا يَسْتَحِقُّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى قَالُوْا
حَرِّقُوْهُ اَيْ اِبْرَاهِيْمَ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اَيْ بِتَحْرِيْقِهٖ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ نُصْرَتَهَا فَجَمَعُوْا لَهُ الْحَطَبَ
الْكَثِيْرَ وَاَضْرَمُوا النَّارَ فِيْ جَمِيْعِهٖ وَاَوْثَقُوْا اِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلُوْهُ فِيْ مَنْجَنِيْقٍ وَرَمَوْهُ فِي النَّارِ قَالَ تَعَالٰى قُلْنَا
يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ فَلَمْ تَحْرِقْ مِنْهُ غَيْرَ وِثَاقِهٖ وَذَهَبَتْ حَرَارَتُهَا وَبَقِيَتْ اِضَاءَتُهَا وَبِقَوْلِهٖ
سَلَامًا سَلِمَ مِنَ الْمَوْتِ بِبَرْدِهَا وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا وَهُوَ التَّحْرِيْقُ فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ فِيْ مُرَادِهِمْ وَ
نَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا ابْنَ اَخِيْهِ هَارَانَ مِنَ الْعِرَاقِ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ بِكَثْرَةِ الْاَنْهَارِ وَالْاَشْجَارِ
وَهِيَ الشَّامُ نَزَلَ اِبْرَاهِيْمُ بِفَلَسْطِيْنَ وَلُوْطٌ بِالْمُؤْتَفِكَةِ وَبَيْنَهُمَا يَوْمٌ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ لِاِبْرَاهِيْمَ وَكَانَ سَأَلَ وَلَدًا
كَمَا ذُكِرَ فِي الصَّافَّاتِ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً اَيْ زِيَادَةً عَلَى الْمَسْئُوْلِ اَوْ هُوَ وَلَدُ الْوَلَدِ وَكُلًّا اَيْ هُوَ وَ
وَلَدَاهُ جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً يُقْتَدٰى بِهِمْ فِي الْخَيْرِ
يَّهْدُوْنَ النَّاسَ بِاَمْرِنَا اِلٰى دِيْنِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَاَيْ اَنْ تُفْعَلَ
وَتُقَامَ وَتُؤْتٰى مِنْهُمْ وَمِنْ اَتْبَاعِهِمْ وَحُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ تَخْفِيْفًا وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا فَصْلًا
بَيْنَ الْخُصُوْمِ وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ اَيْ اَهْلُهَا الْاَعْمَالَ الْخَبٰٓئِثَ مِنَ اللِّوَاطَةِ
وَالرَّمْيِ بِالْبُنْدُقَةِ وَاللَّعِبِ بِالطُّيُوْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ مَصْدَرُ سَاءَهُ نَقِيْضُ سَرَّهُ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَ
اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا بِاَنْ اَنْجَيْنَاهُ مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع ٥ ٢٥ ٥

ترجمہ: اور ہم نے دی تھی ابراہیم کو نیک راہ (ان کے زمانہ بلوغ) سے پہلے اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر (کہ وہ اس کے اہل تھے) جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی تصویریں ہیں (مورتیاں) جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو (یعنی ان کی عبادت پر جمع ہوئے ہو) وہ لوگ جواب میں کہنے لگے کہ ہم نے پایا اپنے دادوں کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے (لہٰذا ہم نے تو ان کی اقتداء کی ہے) ان سے حضرت ابراہیم نے کہا کہ بیشک اور تمہارے باپ دادا (ان کی پوجا کرنے میں) صریح غلطی میں مبتلا ہوء وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم سچی بات (جو آپؑ نے کہی ہے وہ) ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو (یا اس سلسلہ میں) دل لگی کر رہے ہو (؟ ابراہیم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تمہارا رب حقیقی جو مستحق عبادت ہے وہ ہے جو تمام آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو (کسی سابق مثال کے بغیر) پیدا کیا اور میں اس پر (جو میں نے تم لوگوں سے کہا ہے) دلیل بھی رکھتا ہوں اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم (ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے پھر (ان لوگوں کے عید کے دن کے موقع پر برائے اجتماع چلے جانے کے بعد) انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (جیم پر ضمہ اور کسرہ دونوں قراءتیں ہیں کلہاڑے سے ریزہ ریزہ کرنا) بجز ان کے ایک بڑے بت کے (اور کلہاڑا اس بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا) شاید اس (بڑے) کی طرف رجوع کریں (تا کہ وہ دیکھ لیں اس صورت حال کو کہ اپنے علاوہ اس بڑے نے دوسرں کے ساتھ کیا کیا ہے!۔) واپس آئے (یعنی اپنے اجتماع اور عید سے) اور جو کچھ پیش آیا اس کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ کہنے لگے کہ کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا (اس میں) آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس جو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ (ان عیوب کے ساتھ) کرتے ہوئے سنا ہے وہ لوگ بولے کہ تو اچھا اسکو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ وہ لوگ گواہ ہو جائیں (اس شخص پر کہ بلاشبہ اس نے کیا ہے چنانچہ ان کو بلانے کے بعد ان لوگوں نے کہا کیا ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم انت دونوں ہمزوں کے تحقیق کے ساتھ ہے اور دوسرے کو الف بنانے کے ساتھ اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور مسہّلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف لا کر اور اسکو چھوڑ کر۔ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں (غور فکر کے ساتھ) سوچنے لگے پھر (اپنے نفوس سے) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہوا (ایسی چیز کی پوجا کرنے میں کہ جو بول بھی نہ سکے) پھر اوندھے ہو گئے یعنی اس کے بعد پھر وہ حق سے روگرداں ہو گئے (اللہ تعالیٰ ہے (سر جھکا کر (یعنی اپنے کفر کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے بقسم خدا) اے ابراہیم! تم کو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بولتے نہیں (تو پھر آپ ہم کو کیوں ان بتوں سے معلوم کرنے کا حکم دے رہے ہو؟ فرمایا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے تف ہے تم پر (فاء پر کسرہ اور فتحہ دونوں قراءتیں ہیں مصدر کے معنی یعنی تبا اور قبیحا کے معنی میں ہے) اور ان پر (بھی) جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے (کہ یہ بت نہ تو مستحق عبادت ہیں اور نہ ہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں بس اگر مستحق عبادت ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ان (ابراہیم) کو آگ میں جلا دو اور مدد کرو اپنے معبودوں کی (ابراہیم کو جلا کر) اگر کچھ کرتے ہو (ان کی مدد چنانچہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لیے بڑی تعداد میں لکڑیاں جمع کیں اور ان لکڑیوں کے ڈھیر میں آگ بھڑکا دی اور حضرت ابراہیم کو باندھ دیا اور آپؑ کو منجنیق میں ڈال دیا اور آگ میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا) ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور آرام دہ ابراہیمؑ پر (چنانچہ حضرت ابراہیم اس آگ سے نہیں جلے علاوہ ان کے بندھن کے اور آگ کی حرارت وگرمی تو ختم ہوگئی البتہ اسکی روشنی باقی رہی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان سلاماً سے حضرت ابراہیم آگ کی ٹھنڈک سے موت سے محفوظ رہے) اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا (یعنی جلا ڈالنا) چاہا ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا ان کے مقصد میں۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور (ان کے برادر ہاران کے بیٹے) لوط کو (عراق سے) بچا نکالا اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے اہل دنیا کے لیے (کہ وہاں نہریں اور درخت بکثرت پیدا کیے ہیں اور وہ سرزمین ملک شام ہے کہ حضرت ابراہیم نے فلسطین میں نزول فرمایا اور حضرت لوط موتفکہ بستی میں اور ان دونوں بستیوں کے درمیان ایک دن کی مسافت کا فاصلہ ہے اور بخشا ہم نے ان (کی دعاء پر) ان یعنی حضرت ابراہیم کو اسحق اور یعقوب ولد الولد یعنی پوتا نافلة (یعنی زائد از سوال مسئول سے زائد) اور سب (یعنی حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کو) نیک بخت کیا (کہ نبوت سے سرفراز فرما کر انبیاء بنا دیا) اور ان کو کیا ہم نے پیشوا ائمہ میں دو قراءت ہیں کہ دونوں ہمزہ کو باقی رکھا جائے دوسرے ہمزہ کو یاء سے تبدیل کر کے پڑھا جائے (تا کہ خیر میں ان کی اقتدار کی جائے) راہ بتلانے تھے (لوگوں کو) ہمارے حکم سے (ہمارے دین کی طرف) اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور (خصوصاً) نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا (یعنی نیک عمل کریں اور آپ نماز قائم کریں اور آپ زکوٰۃ ادا کریں اور ان کاموں کے کرنے کا ان کو بھی حکم دیں جو آپ کی اتباع کرنے والے ہیں اقامہ کی ھا کو بوجہ تخفیف حذف کر دیا گیا اور وہ ہماری خوب عبادت کیا کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکومت (جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ اور عدل کرنا) اور علم عطاء فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کیا کرتے تھے (جیسے لواطت، ڈھیلے پھینکنا، غلیلوں سے کبوتر بازی، پرندوں کے ساتھ کھیلنا وغیرہ) بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے سوء مصدر سے ہے ساءہ کا جو سرہ کی نقیض ہے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کیا (بایں طور کہ ہم نے ان کو ان کی قوم سے نجات دی) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: رُشْدَهٗ: کیونکہ سیدھا راہ پانا بھلائی کے لازم ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کی اضافت اس لئے ہے تا کہ اس جیسے کی راہنمائی ایک کامل کی راہنمائی ہو جو کہ بڑی شان والا ہے۔

قوله: اِذْ قَالَ: یہ اتینا سے متعلق ہے۔

قوله: علٰى عِبَادَتِهَا: یعنی لام لہا کے اندر تعدیہ کے لئے ہے اور وہ علی کے معنی میں ہے کیونکہ لفظ عکوف علیٰ سے متعدی ہوتا ہے نہ کہ لام سے۔

قوله: فاقتدينا بهم: تقلید اگرچہ اصول میں جائز ہے جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے اور انہوں نے فرمایا کہ قابل اعتبار ہے اور یہ اس شخص کے لئے ہے جو فی الجملہ جانتا ہو خواہ اس کا علم مقلد والا ہو یا غیر مقلد والا۔

قولہ: أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ: یعنی تو وقار کے ساتھ بات کہتا ہے یا بطور کھیل تماشہ کے۔

قولہ: بَلْ رَّبُّكُمْ: اس میں اس کے لاعب ہونے سے اضراب ہے۔

قولہ: مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ: یعنی ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لئے بات دلیل سے ثابت ہے، شاھد وہ ہے جو کسی چیز کے بارے میں یقین تک پہنچ جائے۔

قولہ: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ: یعنی میں ان کو توڑنے کی خوب کوشش کروں گا۔

قولہ: تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ: یہ بات آپ نے شاید پوشیدہ طور پر کہی یا ان لوگوں نے سنی ان سنی ایک کردی۔

قولہ: فتاتا: بمعنی کاٹ کر ریزہ ریزہ کردینا۔

قولہ: یرجعون: یعنی توڑنے والے کے بارے میں پوچھیں کیونکہ معبود کی شان یہ ہے کہ گرہ کشائی میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہ ان کو لاجواب کرتا ہے۔

قولہ: يَذْكُرُهُمْ: دوسرا یذکر سمع کا مفعول ہے یا فتی کی صحیح کرنے والی صفت ہے، تاکہ سمع کا اس سے تعلق ہوجائے۔ کیونکہ سمعت زیداً کے ساتھ مسموع کا ذکر بھی کرنا پڑتا ہے۔

قولہ: یعیبھم: شاید کہ اس نے یہ کیا ہے جو کہ عیب نکالتا ہے۔

قولہ: يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ: کہ جس کا نام ابراہیم ہے، ابراہیم کے لفظ کو فعل سے رفع دینا جائز ہے کیونکہ اسم نہ مسمی نہیں۔

قولہ: ظاهرا: یعنی اس طرح کہ اس کی شکل آنکھوں میں جم جائے جیسے سوار کی سواری پر جمتی ہے، اور علی اعین الناس میں استعلاء کا یہی معنی ہے۔

قولہ: كَبِيْرُهُمْ هٰذَا: یہاں کبیر کی طرف فعل کی نسبت بطور مجاز عقلی کے ہے کیونکہ آپ کو اس کی زیادہ تعظیم کی وجہ سے زیادہ غصہ تھا، آپ نے اس کے عجز کو خوب ظاہر کرنے کے لئے چھوڑ دیا کبیر ھم ھذا یہ مبتداء اور خبر ہیں، اس لئے اس کے فعل پر وقف ہے اور یہ جو روایت میں ثلث کذبات کا ذکر آیا ہے تو وہ درحقیقت تعریضات ہیں جن کو صورت کی مشابہت کی وجہ سے کذب کہہ دیا۔

قولہ: لا یکون الھا: یہ درحقیقت اپنے الہ کی نفی نہیں اور ان کے الہ کا ثبوت نہیں، یہ بطور استہزاء ہے جیسے کسی کا خط اچھا نہ ہو اور تم اپنا خط اس کو دکھا کر یوں کہو کیا تو نے یہ لکھا ہے؟ تو تم جواب میں بطور مزاح کہو نہیں تو نے لکھا ہے۔

قولہ: مِنَ اللّٰهِ: یعنی وہ مجادلہ پر اتر آئے۔

قولہ: وَقَالُوْا وَاللّٰهِ: یعنی یہ بات انہوں نے ارادۃً کہی کہ تجھے معلوم تو ہے کہ یہ بولتے ہیں پھر بھی تو ہمیں سوال کا ان سے کہہ رہا ہے۔

قولہ: أُفٍّ: یہ ان کے باطل پر اصرار سے اکتاہٹ کا اظہار ہے۔

قولہ: قُبحًا لَّكُمْ: یعنی تمہارا ستیاناس ہو۔

قولہ: قَالُوْا حَرِّقُوْهُ: یہ کہنے والا نمرود یا اور کوئی حکومت کا آدمی تھا۔

قولہ: وَاضْرَمُوا النَّارَ: یعنی آگ جلاؤ، اور منجنیق میں رکھ کر اس کو اس میں پھینک دو۔

قوله: کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا: یعنی ذات برد او سلما یہ بطور مبالغہ فرمایا۔

قوله: هُمُ الْاَخْسَرِيْنَ: یعنی وہ سب سے بڑھ کر خسارے والے تھے کیونکہ ان کی کوشش ان کے باطل اور ابراہیم کی سچائی پر دلیل بن گئی۔

قوله: الْاَرْضِ: اس سے شام کی زمین مراد ہے جس میں بہت سے انبیاء ہوئے۔

قوله: بَيْنَهُمَا يَوْمٌ: یہاں مضاف محذوف ہے ای مسیرۃ یوم۔

قوله: جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ: یعنی بھلائی والا بنا یا وہ کامل بنے،

قوله: بِاَمْرِنَا: یعنی جو ہم نے ان کو حکم دیا تھا اس سے وہ تکمیل کرنے والے بن گئے۔

قوله: اَنْ تَفْعَلَ: یہاں فعل سے تفسیر کی، جو کہ مبنی للمفعول ہے تاکہ مصدرت کی اضافت معنی کے لحاظ سے ضمیر کی طرف نہ ہو۔

قوله: تَخْفِيْفًا: مضاف الیہ مضاف کی جگہ آ گیا۔

قوله: لَنَا عٰبِدِيْنَ: یعنی توحید پر قائم رہنے والے، صلہ کو مقدم کرنا قصر پر ایک ہی بات پر بند ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: عِلْمًا: اس سے مراد وہ علم جو انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے۔

قوله: مِنَ الْقَرْيَةِ: اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں۔

قوله: فِيْ رَحْمَتِنَا: یعنی فی اھل رحمتنا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

قصہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام:

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جس علاقے میں پیدا ہوئے وہ بت پرستوں کا علاقہ تھا۔ خود ان کا باپ بھی بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے مشرکین کے عقائد اور اعمال سے دور رکھا تھا۔ وہاں کوئی موحد نہیں تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید سکھاتا اور شرک کی گمراہی پر متنبہ کرتا۔ لیکن سب سے بڑا معلم اللہ جل شانہ ہے۔ وہ جسے صحیح راہ بتائے، حق سمجھائے راشد و ہدایت سے نوازے اسے کوئی بھی گمراہ کرنے والا اپنے قول اور عمل سے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتا۔ اللہ تعالیٰ شانہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی بڑی بت پرست قوم کے اندر ہدایت پر رکھا اور ان میں اظہار حق اور دعوت حق کی استعداد رکھ دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم تھا۔ اسی کو فرمایا (وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ) (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھرانے کو اور اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا یہ لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے خصوصاً اور اپنے قوم سے عموماً سوال فرمایا کہ یہ مورتیاں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان خود تراشیدہ بے جان چیزوں کی عبادت کرنا، اس کی کیا تک ہے؟ وہ لوگ کوئی معقول جواب نہ دے سکے (اور کوئی بھی مشرک

معقول جواب نہیں دے سکتا۔ یہ لوگ ماں باپ کی اندھی تقلید کرتے رہتے ہیں) انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور یہی کرتے دیکھا ہے کہ ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔ انہی کی دیکھا دیکھی ہم بھی بت پرستی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی مضبوطی اور قوت کے ساتھ فرمایا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا یوں ہی دل لگی کے طور پر باتیں کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حق بات لے کر آیا ہوں۔ تم سے دل لگی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا فرمایا، جس نے پیدا کیا اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنا یہ سراپا گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے؟ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچی بات ہے اور میں اس کے سچا ہونے کا گواہ ہوں۔ یعنی دلیل سے بات کرتا ہوں اور یاد رکھو کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو اللہ کی قسم میں ان کے لیے کوئی تدبیر کروں گا اور ایسا داؤ استعمال کروں گا کہ ان پر بہت بڑی زد پڑے گی۔ مجھے موقعہ کا انتظار ہے تم کہیں گئے اور میں نے ان کا تیا پانچا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا سورۂ صافات میں بھی مذکور ہے۔ وہاں یوں بیان فرمایا:

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں، غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں ہو؟ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، ابراہیم نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لیے ایک آتش خانہ تعمیر کرو پھر ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہی سو ہم نے ان کو نیچا دکھا دیا۔ (سورۂ صافات، ترجمہ آیت ۸۵ تا ۹۸)

معالم التنزیل میں مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ اس میں جمع ہوتے تھے پھر واپس آ کر اپنے بتوں کو سجدہ کر کے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑے۔ یہ ان لوگوں کے میلہ کا دن تھا۔ جب یہ لوگ میلہ جانے کے لیے بستی سے باہر جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اے ابراہیم تم بھی ہمارے ساتھ چل کر ہماری عید میں شریک ہو جاؤ تو مناسب ہوگا۔ ممکن ہے کہ تمہیں ہمارا دین پسند آ جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دور ساتھ چلے اور ستاروں پر ایک نظر ڈالی۔ پھر فرمایا کہ میں تو مریض ہونے والا ہوں۔ (چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اس لیے ستاروں میں نظر ڈالنے کو ایک بہانہ بنا لیا) وہ لوگ تو میلہ میں چلے گئے اور وہاں اس خیال سے کھانا رکھ دیا کہ واپس آنے تک یہ بت انہیں متبرک کر دیں گے پھر اس میں سے ہم کھا لیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھانا رکھا دیکھا تو بطور استہزاء تمسخر فرمایا: (اَلَا تَاْكُلُوْنَ) (کیا تم کھاتے نہیں) وہ تو بت تھے ان میں نہ روح نہ جان، بولتے کہاں سے، جب جواب نہ ملا تو فرمایا کہ: (مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ) (تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں ہو) یہ بھی بطور تمسخر ہی تھا۔ اس کے بعد کلہاڑا لے کر چلانا شروع کر دیا۔ خوب قوت کے ساتھ چلایا اور سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہاں ان میں جو

سب سے بڑا بت تھا اس کو نہیں توڑا اور اس کی گردن میں کلہاڑا لٹکا دیا۔ (لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ) یہ انہوں نے اس امید پر کیا کہ ممکن ہے وہ لوگ اپنے معبودوں کا عاجز ہونا دیکھ لیں تو ابراہیم علیہ السلام یعنی ان کے دین کی طرف رجوع کر لیں اور بعض حضرات نے الیہ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع کی ہے اور آیت شریفہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ شاید وہ بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے توڑا، اور ممکن ہے کہ اس کے گلے میں کلہاڑا پڑا ہوا دیکھ کر اس سے یوں کہیں کہ ہو نہ ہو تو نے ہی یہ حرکت کی ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۴۸، ج ۳)

اب قوم کے لوگ آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود کٹے پڑے ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ دیکھ کر بڑے سٹ پٹائے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ جس نے ایسا کیا ہے وہ تو کوئی ظالم ہی ہوگا۔ پھر ان میں سے بعض یوں بولے کہ ہاں یاد آ گیا ایک جوان جسے ابراہیم کہہ کر بلایا جاتا ہے، یہ ان کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے یوں کہا تھا کہ میں تمہارے پیچھے ان کی گت بنا دوں گا۔ اندازہ ہے کہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا اسے بلاؤ۔ وہ سب لوگوں کے سامنے آئے۔ اگر لوگوں کے سامنے اقرار کر لے تو گواہ بن جائیں اور اس آدمی کو بھی پہچان لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا اور ان سے قوم کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا نام کیوں لگاتے ہو۔ جوان سب سے بڑا ہے اسی نے یہ سب کارستانی کی ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ اگر وہ بولتے ہیں تو ان ہی سے دریافت کرنا چاہیے۔

یہ سن کر اول تو وہ لوگ ٹھٹھرے اور سوچ میں پڑ گئے اور پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم ہی ظالم ہو یعنی ابراہیم کی بات صحیح ہے۔ ان بتوں کی عبادت کرنا ظلم کی بات ہے۔ بھلا وہ کیسا معبود جو نہ بول سکے نہ بتا سکے۔ پھر شرمندگی کے مارے اپنے سروں کو جھکا لیا۔ لیکن شرک سے پھر بھی توبہ نہ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں (یہ دعوت کا ایک طریقہ کار ہے کہ مخاطب سے بات کرتے کرتے اسے ایسے موقع پر لے آئیں کہ اس کی زبان سے خود اس کے اپنے مسلک اور اپنے دعویٰ کے خلاف کوئی بات نکل جائے) جب ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ یہ بولتے نہیں ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً پکڑ لیا اور فرمایا کہ (اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ) (کیا اللہ کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے) مزید فرمایا: (اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ) (تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو)

جب وہ لوگ جواب سے عاجز ہو گئے اور کوئی بات نہ بنی تو کہنے لگے کہ اس شخص کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ (یہ بات بھی عجیب ہے کہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کی مدد کا دم بھر رہے ہیں اور اپنے معبودوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ وہ کیسا معبود ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو لیکن مشرکین کی عقلوں پر پتھر پڑے رہتے ہیں۔ ایسی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی)۔

صاحب معالم التنزیل ؒ نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا (جن میں نمرود بھی

تھا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا اور آگ جلانے کے لیے ایک احاطہ بنایا۔ پھر اس میں ایک مدت تک طرح طرح کی لکڑیاں ڈالتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ جو شخص مریض ہو جاتا یہ نذر مان لیتا تھا کہ میں اچھا ہو جاؤں گا تو ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کروں گا، عورتیں اپنی محبوب چیزوں کے حصول کے لیے یوں نذر مانتی تھیں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو آتش ابراہیم میں لکڑیاں ڈالوں گی، لوگ لکڑیاں خرید خرید کر اس میں ڈالتے تھے۔ حد یہ ہے کہ جو کوئی عورت چرخہ کاتتی تھی وہ بھی اس کی آمدنی سے لکڑیاں خرید کر آتش ابراہیم میں ڈال دیتی تھی۔ یہ لوگ ایک ماہ تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ اس کے بعد ہر جانب آگ لگا دی۔ آگ جلی، خوب شعلے نکلے اور اس جگہ کی گرمی کا یہ حال تھا کہ جانور بھی وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مر جاتا تھا۔ ان لوگوں نے برابر ایک ہفتہ تک آگ جلائی (ایک آدمی کو جلانے کے لیے اتنی آگ کی ضرورت تو نہ تھی لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ اگر ہم نے اس کو آگ میں ڈالا اور نہ جلا تو ہماری ذلت ہو گی، لہٰذا اتنی آگ جلاؤ اور اتنے دن تک جلاؤ کہ اس کی سخت حرارت میں یہ شخص جل ہی جائے اور زندہ باسلامت بچنے کا احتمال نہ رہے)۔

آگ تو تیار کر لی لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالیں کیسے؟ اس کے پاس تو پھٹکنا بھی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ اس میں باقاعدہ ڈالنے کے لیے ایک دو منٹ ٹھہریں۔ ابلیس چونکہ حضرات انبیاء کرامؑ کی دشمنی میں آگے آگے رہتا تھا اور اب بھی اسلام کے دشمنوں کو سبق پڑھاتا رہتا ہے اس لیے اس موقع پر بھی حاضر ہو گیا اور اس نے سمجھایا کہ دیکھو کہ ایک منجنیق بناؤ (یہ ڈھیکلی کی طرح کسی بھاری چیز کو اٹھانے اور پھینکنے کا آلہ تھا۔ آج کل عمارتیں بنانے میں جو کرین استعمال کی جاتی ہے اسے دیکھنے سے منجنیق کی کچھ تقریبی صورت اور اس کا عمل سمجھ میں آ سکتا ہے) منجنیق تیار ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعہ آگ میں ڈال دیا۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو پانیوں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو آگ کو ہواؤں میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور یوں بھی کہا: (حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ) (مجھے اللہ کافی ہے وہ بہترین کارساز ہے) حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈال رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا اے ابراہیم کوئی حاجت ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو اپنے رب ہی سے سوال کر لو۔ فرمایا میرے رب کو میرا حال خوب معلوم ہے۔ اس کے علم میں ہونا ہی کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تفویض سے کام لیا اور دعا تک نہ کی۔ (فصلی اللہ علی خلیله وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہے۔ مخلوقات میں جو صفات ہیں اور جو تاثیرات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا انہیں خطاب ہوتا ہے وہ اسے سمجھتے بھی ہیں گو ہم نہیں سمجھتے۔

آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا لہٰذا وہ سرد پڑ گئی اور چونکہ برداً کے ساتھ سلاماً بھی فرمایا تھا اس لیے اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہوئی کہ ٹھنڈک کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہلاک ہو جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سات دن آگ میں رہے۔ آگ نے

ان پر کچھ اثر نہ کیا۔ ہاں ان کے پاؤں میں جو بیڑیاں تھیں وہ جل گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے کہ سایہ ڈالنے والا فرشتہ ان کے پاس پہنچا جو انہیں کی صورت میں تھا۔ وہ انہیں مانوس کرتا رہا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے ایک کرتہ اور ایک قالین لے کر آئے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا گیا تھا) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں کرتا پہنایا اور نیچے قالین بچھایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر وہیں باتیں کرنے لگے۔

نمرود اپنے محل میں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام باغیچے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ آس پاس جو لکڑیاں ہیں انہیں آگ جلا رہی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم ہیں۔ باتوں میں مشغول ہیں۔ نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں۔ یہ فرمایا اور اپنی جگہ سے روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ آگ سے باہر نکل آئے۔ یہ دیکھ کر نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تمہارا معبود تو بڑی قدرت والا ہے۔ جس کے حکم کی آگ بھی پابند ہے۔ میں تمہارے معبود کے لیے چار ہزار گائیں نذر کے طور پر ذبح کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تو اپنے دین پر رہے گا اللہ تعالیٰ تجھ سے کچھ بھی قبول نہ فرمائے گا۔ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اور میرا دین اختیار کر لے۔ نمرود نے کہا میں اپنے دین کو اور ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں بطور نذر کے جانور ذبح کر دوں گا۔ اس کے بعد نمرود نے جانور ذبح کر دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے سے بھی باز آ گیا۔

(معالم التنزیل، ص ۲۵۰، وص ۲۵۱، ج ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں نے خوب آگ جلائی اور بہت زیادہ جلائی جس کے بارے میں سورۂ صافات میں فرمایا: (قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ) (کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک مکان بناؤ پھر اسے سخت جلنے والی آگ میں ڈال دو) اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اولاً آگ جلانے کے لیے مستقل ایک مکان بنایا پھر بہت زیادہ آگ جلائی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا۔ لفظ الجحیم کے بارے میں قاموس میں لکھا ہے: والجحیم النار الشدیدة التاجج وکل نار بعضها فوق بعض کالجحمة ویضم وکل نار عظیمة فی مهواة والمکان الشدید الحر کالجاهم۔

پوری قوم میں نمرود اور اس کی حکومت میں شخص واحد ہے جسے سب نے مل کر بہت بڑی آگ میں ڈال کر جلانا چاہا مگر اپنے مقصد میں ناکام ہوئے اور ذلیل ہوئے اور انہیں نیچا دیکھنا پڑا۔ اسی کو سورة الانبیاء میں (وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ) سے اور سورۂ صافات میں (فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ) سے تعبیر فرمایا۔

ہم نے جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا ہے اس میں بعض چیزیں تو وہی ہیں جو سیاق قرآن کے موافق ہیں۔ ان سے قرآن مجید کے مفہوم کی تشریح ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر اسرائیلیات سے منقول ہیں، چونکہ ان سے کسی حکم شرعی کا تعلق نہیں ہے اور کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہیں اس لیے ان کو نقل کر دیا گیا ہے۔ کتب حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ مذکورہ سے متعلق جو چند روایات ملتی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

گرگٹ کی خباثت اور اس کے قتل کرنے میں اجر:

حضرت ام شریک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھونک رہا تھا۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۱، ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈال دیا تو گرگٹ نے بھی اپنی خباثت کا ہنر دکھایا، وہ بھی وہاں جا کر پھونکنے لگا، جہاں اتنی بڑی آگ جل رہی تھی وہاں اس کے پھونکنے نہ پھونکنے سے کیا ہوسکتا تھا؟ لیکن اس کی طبعی خباثت نے اس پر آمادہ کیا اور شیطان نے اسے استعمال کرلیا، کیونکہ دشمن سے جتنی بھی دشمنی ہوسکے چوکتا نہیں ہے۔ وہ فریق مقابل کو تکلیف پہنچانے کے لیے جو کچھ کرسکتا ہے اس سے باز نہیں رہتا، چونکہ گرگٹ خبیث چیز ہے زہریلا جانور ہے اس لیے آپ ﷺ نے مارنے کا حکم فرمایا بلکہ اسے مارنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے گرگٹ کو پہلی ہی ضرب میں مار دیا اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دو ضربوں میں مارا اس کے لیے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں مارا اس کے لیے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(رواہ مسلم ص ۲۳۶، ج ۲)

ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم لوگ اس حال میں جمع کیے جاؤ گے کہ پاؤں میں جوتے اور جسموں پر کپڑے نہ ہوں گے اور غیر مختون بھی ہو گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے (رواہ البخاری) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جزوی فضیلت اس وجہ سے دی جائے گی کہ انہیں دشمنوں نے کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا تھا۔ شراح حدیث نے یہ بات لکھی ہے۔ (قال الحافظ فی الفتح ص ۳۹۰ و یقال ان الحکمة فی خصوصیة ابراهیم بذالک لکونه القی فی النار عریانا و قیل لانه اول من لبس السراویل)۔

ثَلَاثُ كَذِبَاتٍ اور ان کی تشریح اور ابراہیمؑ کا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے عذر فرمادینا:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین باتوں کے، دو باتیں تو ان میں ایسی تھی جو اللہ کی ذات کے بارے میں تھیں (یعنی ان میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی) ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جانے سے انکار کرنے کے لیے یوں فرمادیا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار ہوں) اور دوسری بات یہ کہ (بتوں کو توڑ کر) فرمادیا (بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ) (بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنی بیوی سارہ کے ساتھ سفر میں جارہے تھے کہ ان کا ایک ظالم بادشاہ پر گزر ہوا۔ اس ظالم بادشاہ کو کسی نے بتادیا کہ یہاں ایک شخص ہے اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے۔ اس ظالم نے انہیں طلب کرنے کا حیلہ اختیار کر کے آدمی بھیجا۔ جو آدمی قاصد بن کر آیا اس نے کہا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے، اس کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام سارہ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اس ظالم بادشاہ سے خطرہ ہے۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو تجھے اپنے پاس رکھ لے گا۔ سو اگر تجھے اس کے پاس جانا پڑے اور سوال کرے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو (ممکن ہے کہ وہ یہ بات سن کر تجھے چھوڑ دے) اور بہن کہنا کوئی غلط بھی نہیں ہے کیونکہ تو میری دینی بہن ہے۔ اس سرزمین میں میرے اور تیرے علاوہ کوئی مؤمن نہیں ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً اور قہراً طلب کیا تو ناچار ہو کر پہلی بار چلی گئیں۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی۔ جب حضرت سارہ اس ظالم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے ہاتھ ڈالنا چاہا۔ جوں ہی ہاتھ بڑھایا اس کو دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا اور حضرت سارہ سے درخواست کی کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا۔ لیکن پھر شرارت سوجھی اور دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔ اس مرتبہ پھر اسے دورہ پڑ گیا جیسے پہلی بار پڑا تھا یا اس سے سخت تھا۔ پھر کہنے لگا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کر دو۔ میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا تو میرے پاس شیطان کو لے آیا ہے۔ اس کے بعد اس نے سارہ کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا۔ سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے نماز کی حالت میں ہاتھ کے اشارہ سے سوال کیا کیا ماجرا ہوا؟ سارہ نے بیان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو الٹا اسی پر ڈال دیا اور ایک ہاجرہ نامی عورت خدمت کے لیے دے دی۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۴، ج ۲) حدیث بالا میں ثَلَاثُ كَذِبَاتٍ (تین جھوٹ) کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اول تو یہ کہ جب قوم کے لوگوں نے اپنے ساتھ باہر جانے کو کہا تو فرمادیا کہ اِنِّي سَقِيمٌ (بلاشبہ میں بیمار ہوں) پھر جب ان کے بتوں کو توڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم نے ان کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ تو فرمایا: (بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ) (بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے) ان دونوں باتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں اللہ کے لیے تھیں کیونکہ اپنے کو بیمار بتا کر ان کے ساتھ جانے سے رہ گئے اور پھر اسی پیچھے رہ جانے کو بتوں کو توڑنے کا ذریعہ بنالیا، اور اس طرح بتوں کی عاجزی ظاہر کر کے معبود حقیقی کی توحید کی دعوت دے دی، تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو یہ سمجھا دیا کہ میں نے ظالم بادشاہ کے قاصد کو بتا دیا ہے کہ تم میری بہن ہو تم سے بات ہو تو تم بھی یہی بتانا کہ یہ بات سن کر ظالم تمہیں چھوڑ دے، چونکہ مطلق بہن نسبی بہن کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے اسے جھوٹ میں شمار فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے دینی بہن مراد لے لی تھی اور یہ بات اخی فی الاسلام کہہ کر انہیں بتا بھی دی تھی۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں تھی اور اس کے خلاف بھی نہیں فرمایا کیونکہ اس میں تھوڑا سا نفس کا حصہ بھی ہے۔ اول تو یہ واقعہ سفر ہجرت کا ہے اور ہجرت اللہ کے لیے تھی پھر کسی بھی مؤمن عورت کو کافر سے بچانا بھی اجر و ثواب کا کام ہے۔ پھر اپنی مؤمن بیوی کی حفاظت کرنا جو عفت اور عصمت میں معاون ہے کیونکر ثواب کا کام نہ ہوگا۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ص ۹۲، ج ۶) میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تین باتیں کہیں (جو بظاہر کذب ہے) ان کو انہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت ہی کے واسطے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اختیار کیا۔ حضرات علمائے حدیث نے فرمایا ہے کہ تین باتیں جنہیں جھوٹ سے تعبیر فرمایا ان میں بظاہر جھوٹ ہے لیکن چونکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور تعریض کے یہ باتیں کہی تھیں۔ (جن میں ایسا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ انہیں جھوٹ نہ کہا جائے اس لیے صریح جھوٹ بھی نہ تھیں۔ مثلاً (اِنِّیْ سَقِیْمٌ) فرمایا اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ جانے کو میرا دل گوارا نہیں کرتا۔ اس ناگواری کو بیماری سے تعبیر فرمایا۔ اگرچہ وہ لوگ جسمانی بیمار سمجھے، اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ لفظ سقیم مفرد صیغہ ہے۔ اس میں کسی زمانہ پر دلالت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اسی طرح جب ان لوگوں نے بتوں کے بارے میں پوچھا تو یہ فرمایا ہی نہیں کہ میں نے توڑے۔ ہاں یوں فرمادیا کہ ان کے بڑے نے توڑے ہیں۔ اگر بڑے سے بڑا بت ہی مراد لیا جائے تو یہ بظاہر کذب ہے۔ لیکن مقابل سے بات کرتے ہوئے اس کے منہ سے اپنے موافق بات اگلوانے کے لیے کوئی بات کہہ دی جائے جو علی سبیل الفرض و التقدیر ہو تو یہ بھی تعریض کے مشابہ ایک صورت ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ بولتے ہوں تو سمجھ لو کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اس کو معلق بالشرط کر دیا اور اس طرح تعلق بالشرط جائز ہے۔ اس میں کذب نہیں ہے۔

اب رہی بیوی کو بہن کہنے والی بات تو اس کی تاویل اس وقت انہوں نے خود ہی کر دی اور دینی بہن مراد لے کر جھوٹ سے بچ گئے۔ اس سب کے باوجود جو تینوں باتوں کو کذب فرمایا یہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ہے۔ بڑوں کی بڑی باتیں ہیں۔ گناہ تو ان باتوں میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں بطور تاویل اور تعریض کی تھیں اور تھیں بھی حق پر جمنے کے لیے اور حق کے پھیلانے کے لیے لیکن پھر بھی انہوں نے جو کچھ فرمایا اسے کذب میں شمار کر لیا گیا۔ (صحیح بخاری، ص ٤٧٠، ج ٢) میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن جب سارے انسانوں کو شفاعت کی ضرورت ہوگی تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ انکار کر دیں گے اور فرمائیں گے کہ ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ۔ جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں شفاعت کرنے کے مقام پر نہیں ہوں۔ اس موقع پر وہ اپنے ان کذبات کو یاد کریں گے جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے تھے۔ یہ انکار شفاعت بھی اسی لیے ہوگا کہ ان سے جو مذکورہ تینوں باتیں صادر ہوئی تھیں ان کی وجہ سے اپنے کو لائق شفاعت نہیں سمجھیں گے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

قال الحافظ فی الفتح (ثنتین منهن فی ذات الله) خصهما بذالک لان قصة سارة وان كانت ايضا فی ذات الله لكن تضمنت حظا لنفسه ونذله بخلاف اثنين الاخيرتين فانهما فی ذات الله محض وقد وقع فی رواية المذكورة ان ابراهيم لم يكذب قط الاثلث كذبت وذلك فی ذات الله وفی حديث ابن عباس عند احمد والله ان جادل بهن لاعن دين الله۔

وقال ايضا واما اطلاقه الكذب على الامور الثلاثة لكونه قال قولا يعتقده السامع كذبا لكنه اذا حقق لم يكن كذبا لانه من باب المعاريض المحتملة لامرين ليس بكذب محض۔

ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث شفاعت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والحق انها معاريض ولكن لما كانت صورتها صورة الكذب سماها اكاذيب واستنقص من نفسه لها فان من كان اعرف بالله واقرب منه منزلة كان اعظم خطرا او اشد خشية وعلى هذا القياس سائر ما اضيف الى الانبياء عليهم السلام

من الخطایا، قال ابن الملک الکامل قد یواخذ بما ھو عبادہ فی حق غیرہ کما قیل حسنات الابرار سیئات المقربین۔ یعنی حق بات یہ ہے کہ ان تینوں میں تعریض ہے (صریح جھوٹ نہیں ہے) لیکن چونکہ بظاہر جھوٹ کی صورت میں تھیں اس لیے جھوٹ سے تعبیر کر دیا اور اپنی ذات کو مرتبہ شفاعت سے کمتر سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی معرفت حاصل ہو گی اور جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا اسی قدر وہ اپنے بارے میں زیادہ خطرہ محسوس کرے گا اور اس میں بہت زیادہ خوف وخشیت کا ظہور ہوگا۔ دیگر انبیاء کرامؑ کی طرف جو خطایا منسوب ہیں ان کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ ابن الملک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کامل ہو بعض مرتبہ اس بات پر اس کا مواخذہ ہو جاتا ہے جو غیر کے حق میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

فائدہ: یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو بلوایا تھا اگر اسے قبضہ کرنا اور چھیننا ہی تھا تو کسی کی بیوی یا بہن ہونے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ ظالم جب ظلم پر تل جائے تو اسے مقصد برآری کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے جو یہ فرمایا کہ تم یوں کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں اس بات کو کہنے اور سمجھانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر جب انہوں نے بتا دیا کہ میں اس کی بہن ہوں تو اس نے پھر بھی ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی (یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہاتھ پاؤں کے دورے میں مبتلا کر دیا اور حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی) اس سوال کو حل کرنے کے لیے مفسرین اور شراح حدیث نے کئی باتیں لکھی ہیں جن میں ایک یہ بات ہے کہ وہ ظالم بادشاہ گو ظالم تھا لیکن اپنے طور پر جس کسی مذہب کا پابند تھا اس میں کسی کی بہن کو اس کے بھائی کی موجودگی میں چھیننے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں لگے ہوئے تھے۔ ادھر حضرت سارہ نے بھی وہاں پہنچ کر نماز شروع کر دی۔

نیز حضرت سارہ نے وہاں یہ دعا بھی کی: اللھم ان کنت تعلم انی امنت بک و برسولک و احصنت فرجی الاعلی زوجی فلا تسلط علی الکافر (اے اللہ آپ کے علم میں ہے کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی اور میں نے اپنی شرم کی چیز کو اپنے شوہر کے علاوہ ہر کسی سے محفوظ رکھا۔ لہٰذا آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ فرمائیے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور کافر کے تسلط سے نجات دی۔ (فتح الباری)

اس ظالم بادشاہ نے شیطانی حرکت کا خود ارادہ کیا لیکن اپنے بعض دربانوں سے کہا کہ تم میرے پاس شیطان کو لے آئے ہو۔ ہاتھ پاؤں کا دورہ پڑا تو اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا اور پاکباز عورت کو شیطان بنایا۔

زبانی طور پر اس نے حضرت سارہ کو شیطان بنا دیا لیکن ان کی نماز اور دعا سے متاثر ہو کر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ کوئی بڑی حیثیت والی خاتون ہے۔ اس کی خدمت کے لیے ایک خادمہ دینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے ایک ہاجرہ نامی عورت ان کی خدمت کے لیے دے دی۔ وہ واپس ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اور ہاجرہ نامی عورت کو بھی اپنے ساتھ لے آئیں۔ یہ ہاجرہ نامی عورت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے فلسطین سے آئے اور اپنے چھوٹے بچے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ کی چٹیل زمین اور سنسان میدان میں چھوڑ دیا۔ انہیں دو ماں بیٹوں سے مکہ مکرمہ کی آبادی شروع ہوئی اور انہیں دونوں ماں بیٹوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ چلی جنہیں بنو اسماعیل اور عرب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوب ہی نوازا۔ انہیں مشرکین کے درمیان ہوتے ہوئے داعی توحید بنایا۔ دشمنوں نے آگ میں ڈال دیا تو اس سے صحیح سالم نکال دیا اور آتش نمرود کو گلزار ابراہیم بنا دیا اور انہیں اپنا دوست بنالیا۔ کما فی سورۃ النساء (وَ اتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰہِیْمَ خَلِیْلًا) (اور ان سے (بشمولیت اسماعیل علیہ السلام) کعبہ شریف تعمیر کرایا پھر ان سے حج کی ندا دلوائی۔ اور انہیں ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرامؑ کا باپ بنایا۔ خاتم النبیین ﷺ بھی انہیں کی ذریت میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے اس وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ مکہ کے رہنے والوں میں سے ایک رسول بھیج دینا۔ آپ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ان دونوں کی نسل سے سیدنا محمد رسول ﷺ کو پیدا فرمایا۔ آپ کی نبوت کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لیے تا قیام قیامت ہادی اور داعی بنا دیا اور آپ پر نبوت ختم فرما دی اور آپ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا۔ ملت ابراہیم کی بہت سی چیزیں خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت کا جزو ہیں اور توحید تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا سب سے پہلا اور مرکزی نقطہ ہے۔ (انوار البیان)

وَ نَجَّیْنٰہُ وَ لُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْہَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾

حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کا مبارک سرزمین کی طرف ہجرت کرنا:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے۔ ان آیات میں ان دونوں کی ہجرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دونوں اپنے علاقہ کو چھوڑ کر شام کے علاقہ فلسطین میں چلے گئے تھے۔ بتوں کی سرزمین کو اور بتوں کے پوجنے والوں کو چھوڑ کر اس سرزمین کے لیے ہجرت کی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے برکات رکھی ہیں۔ اور یہ برکات دنیا جہان والوں کے لیے ہیں، ان کے اس ہجرت کرنے کو نجات سے تعبیر فرمایا کیونکہ کافروں سے چھوٹ کر بابرکت سرزمین میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نامی بیٹا عطا کیا اور پھر اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی دیا جو مزید انعام تھا۔ اسی مزید انعام کی وجہ سے پوتے کو نافلہ سے تعبیر فرمایا، اور ان سب کو صالحین میں سے بنا دیا۔ سب اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے تھے اور اس کے اوامر کی پابندی کرتے تھے، چونکہ نبی تھے اور پیشوا تھے۔ اس لیے دوسروں کو بھی اللہ کی توحید اور اللہ کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ نیک کام کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔ وہ ان کاموں میں لگے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت ان کا خصوصی امتیاز تھا جس کا انہیں اہتمام تھا۔ اسی کو فرمایا: وَ کَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔

وَ اذْکُرْ نُوْحًا وَ مَا بَعْدَہٗ بَدَلٌ مِنْہُ اِذْ نَادٰی اَیْ دَعَا عَلٰی قَوْمِہٖ بِقَوْلِہٖ رَبِّ لَا تَذَرْ اِلَخْ مِنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ اِبْرٰہِیْمَ وَ لُوْطٍ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَنَجَّیْنٰہُ وَ اَہْلَہٗ الَّذِیْنَ فِیْ سَفِیْنَتِہٖ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ اَیِ الْغَرَقِ وَ تَکْذِیْبِ قَوْمِہٖ لَہٗ وَ نَصَرْنٰہُ مَنَعْنَاہُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا الدَّالَّۃِ عَلٰی رِسَالَتِہٖ اَنْ لَا یَصِلُوْا اِلَیْہِ بِسُوْءٍ اِنَّہُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰہُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ اذْکُرْ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اَیْ قِصَّتَہُمَا وَ یُبْدَلُ مِنْہُمَا اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ ہُوَ زَرْعٌ

أو كَرْمٍ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ أَيْ رَعَتْهُ لَيْلًا بِلَا رَاعٍ بِأَنِ انْفَلَتَتْ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فِيهِ
اِسْتِعْمَالُ ضَمِيرِ الْجَمْعِ لِاثْنَيْنِ قَالَ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِصَاحِبِ الْحَرْثِ رِقَابُ الْغَنَمِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْتَفِعُ بِدَرِّهَا وَنَسْلِهَا وَصُوفِهَا إِلَى أَنْ يَعُودَ الْحَرْثُ كَمَا كَانَ بِإِصْلَاحِ صَاحِبِهَا فَيَرُدُّهَا
إِلَيْهِ فَفَهَّمْنٰهَا أَيِ الْحُكُومَةَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَحُكْمُهُمَا بِاجْتِهَادٍ وَرَجَعَ دَاوُدُ إِلَى سُلَيْمَانَ وَقِيلَ بِوَحْيٍ
وَالثَّانِي نَاسِخٌ لِلْأَوَّلِ وَكُلًّا مِنْهُمَا اٰتَيْنَا حُكْمًا نُبُوَّةً وَّعِلْمًا ۡ بِأُمُورِ الدِّينِ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ
الطَّيْرَ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَا لِلتَّسْبِيحِ مَعَهُ لِأَمْرِهِ بِهِ إِذَا وَجَدَ فَتْرَةً لِيَنْشَطَ لَهُ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ تَسْخِيرَ تَسْبِيحِهِمَا
مَعَهُ وَإِنْ كَانَ عَجَبًا عِنْدَكُمْ أَيْ مُجَاوَبَتُهُ لِلسَّيِّدِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ وَهِيَ الدِّرْعُ
لِأَنَّهَا تُلْبَسُ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ صَنَعَهَا وَكَانَتْ قَبْلَهَا صَفَائِحُ لَّكُمْ فِي جُمْلَةِ النَّاسِ لِتُحْصِنَكُمْ بِالنُّونِ لِلّٰهِ
وَبِالتَّحْتَانِيَّةِ لِدَاوُدَ وَبِالْفَوْقَانِيَّةِ لِلَّبُوسِ مِّنْ بَأْسِكُمْ ۚ حَرْبِكُمْ مَعَ أَعْدَائِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ
شٰكِرُوْنَ ۝ نِعَمِي بِتَصْدِيقِ الرُّسُلِ أَيْ أُشْكُرُونِي بِذٰلِكَ وَ سَخَّرْنَا لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً وَفِي آيَةٍ أُخْرَى
رُخَاءً أَيْ شَدِيدَةَ الْهُبُوبِ وَخَفِيفَتَهُ بِحَسَبِ إِرَادَتِهِ تَجْرِيْ بِأَمْرِهٖٓ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَهِيَ الشَّامُ وَ
كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ مِنْ ذٰلِكَ عِلْمُهُ تَعَالَى بِأَنْ مَا يُعْطِيهِ سُلَيْمَانَ يَدْعُوهُ إِلَى الْخُضُوعِ لِرَبِّهِ فَفَعَلَهُ
تَعَالَى عَلَى مُقْتَضَى عِلْمِهِ وَ سَخَّرْنَا مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ يَدْخُلُونَ فِي الْبَحْرِ فَيُخْرِجُونَ مِنْهُ
الْجَوَاهِرَ لِسُلَيْمَانَ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ أَيْ سِوَى الْغَوْصِ مِنَ الْبِنَاءِ وَغَيْرِهِ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ مِنْ
أَنْ يُفْسِدُوا مَا عَمِلُوا لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا فَرَغُوا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ أَفْسَدُوهُ إِنْ لَمْ يَشْتَغِلُوا بِغَيْرِهِ وَ اذْكُرْ
أَيُّوْبَ وَيُبْدَلُ مِنْهُ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ لَمَّا ابْتُلِيَ بِفَقْدِ جَمِيعِ مَالِهِ وَوَلَدِهِ وَتَمْزِيقِ جَسَدِهِ وَهَجْرِ جَمِيعِ النَّاسِ
لَهُ إِلَّا زَوْجَتَهُ سِنِينَ ثَلَاثًا أَوْ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ وَضِيقِ عَيْشِهِ أَنِّيْ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ بِتَقْدِيرِ الْبَاءِ مَسَّنِيَ الضُّرُّ
أَيِ الشِّدَّةُ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ نِدَاءَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ أَهْلَهٗ وَ أَوْلَادَهُ الذُّكُورَ
وَالْإِنَاثَ بِأَنْ أُحْيُوا لَهُ وَكُلٌّ مِنَ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاثٌ أَوْ سَبْعٌ مِّثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مِنْ زَوْجَتِهِ وَزِيدَ فِي شَبَابِهَا وَكَانَ

لَهٗ اَنْدَرٌ لِلْقَمْحِ وَ اَنْدَرٌ لِلشَّعِيْرِ فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ اَفْرَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلٰى اَنْدَرِ الْقَمْحِ الذَّهَبَ
وَالْاُخْرٰى عَلٰى اَنْدَرِ الشَّعِيْرِ الْوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ رَحْمَةً مَفْعُوْلٌ لَهٗ مِّنْ عِنْدِنَا صِفَةٌ وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿٨٤﴾
لِيَصْبِرُوْا فَيُثَابُوْا وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَعَنْ مَعَاصِيْهِ وَ
اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا مِنَ النُّبُوَّةِ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ لَهَا وَسُمِّيَ ذَا الْكِفْلِ لِاَنَّهٗ تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيْعِ
نَهَارِهٖ وَبِقِيَامِ جَمِيْعِ لَيْلِهٖ وَاَنْ يَّقْضِيَ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا يَغْضَبَ فَوَفّٰى بِذٰلِكَ وَقِيْلَ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا وَ اذْكُرْ ذَا
النُّوْنِ صَاحِبَ الْحُوْتِ وَهُوَ يُوْنُسُ بْنُ مَتّٰى وَيُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا لِقَوْمِهٖ اَيْ غَضْبَانَ عَلَيْهِمْ
مِمَّا قَاسٰى مِنْهُمْ وَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَيْ نَقْضِيَ عَلَيْهِ مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبْسِهٖ فِيْ
بَطْنِ الْحُوْتِ اَوْ نُضَيِّقُ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَظُلْمَةِ الْبَحْرِ وَظُلْمَةِ بَطْنِ الْحُوْتِ اَنْ
اَيْ بِاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فِيْ ذَهَابِيْ مِنْ بَيْنِ قَوْمِيْ بِلَا اِذْنٍ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ
نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ بِتِلْكَ الْكَلِمَاتِ وَكَذٰلِكَ كَمَا اَنْجَيْنَاهُ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ مِنْ كَرْبِهِمْ اِذَا اسْتَغَاثُوْا
بِنَا دَاعِيْنَ وَ اذْكُرْ زَكَرِيَّآ وَيُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ بِقَوْلِهٖ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا اَيْ بِلَا وَلَدٍ يَرِثُنِيْ وَاَنْتَ خَيْرُ
الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ نِدَاءَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَلَدًا وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ فَاَتَتْ
بِالْوَلَدِ بَعْدَ عُقْمِهَا اِنَّهُمْ اَيْ مَنْ ذُكِرَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ يُبَادِرُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ الطَّاعَاتِ وَ
يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا فِيْ رَحْمَتِنَا وَّرَهَبًا مِنْ عَذَابِنَا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾ مُتَوَاضِعِيْنَ فِيْ عِبَادَتِهِمْ وَ اذْكُرْ
مَرْيَمَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ مِنْ اَنْ يُّنَالَ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا اَيْ جِبْرِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِيْ جَيْبِ
دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ
غَيْرِ فَحْلٍ اِنَّ هٰذِهٖٓ اَيْ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ اُمَّتُكُمْ دِيْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَيْ يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا اُمَّةً
ع ١٨ / ٦ وَّاحِدَةً حَالٌ لَازِمَةٌ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَحِّدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْٓا اَيْ بَعْضُ الْمُخَاطَبِيْنَ اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ
اَيْ تَفَرَّقُوْا اَمْرَ دِيْنِهِمْ مُتَخَالِفِيْنَ فِيْهِ وَهُمْ طَوَائِفُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى قَالَ تَعَالٰى كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ اَيْ

تَجَاوُزِہٖ بِعَمَلِہٖ

ترجمہ: اور نوحؑ کا تذکرہ کیجئے (اس کے بعد کا کلام اس سے بدل واقع ہو رہا ہے) جب کہ اس (زمانہ ابراہیم اور لوط) سے پہلے انھوں نے بددعا کی (اپنی قوم کی حق میں اس قول سے رَبِّ لَا تَذَرْ اَلْخ) سو ہم نے ان کی دعاء قبول کی اور ان کو اور ان کے متبعین (کہ کشتی میں سوار تھے) کو بڑے بھاری غم سے نجات دی (یعنی غرق ہونے اور ان کی قوم کی تکذیب سے ان کو محفوظ کردیا) اور مدد کی ان کی (کہ بچایا ہم نے ان کو تاکہ وہ لوگ کسی برے ارادہ کے ساتھ ان تک نہ پہنچ سکیں) ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہمارے حکموں اور ان آیتوں کو جو کہ ان کی رسالت پر دلالت کرنے والی ہیں) کہ جھوٹا بتلایا تھا بلاشبہ وہ لوگ بہت برے تھے اس لیے ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔ (و مابعدہ یدل علیہ) اور داؤد اور سلیمان (کے واقعات) تذکرہ کیجئے جب کہ دونوں حضرات (اور بدل ہے اس سے) کسی کھیت کے (یا انگور کے باغ) کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جب کہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں (داخل ہوکر) رات کی وقت روند گئیں) اور اس کو بغیر چرواہے کے چر گئیں بایں طور کے وہ بکریاں برباد کر گئیں اور ہم اس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے (یہاں مضاف الیہ میں ضمیر جمع برائے تثنیہ استعمال ہوئی ہے حضرت داؤد نے یہ فیصلہ دیا کہ بکریوں کی ملکیت کھیت کے مالک کو بطور عوض دی جائے اور حضرت سلیمان نے یہ فیصلہ دیا کہ جب تک کھیت تیار ہو اس وقت تک کھیت کا مالک ان بکریوں کے دودھ اور اس کی نسل اور ان کے بالوں سے نفع اٹھائے یہاں تک کہ بکریوں کا مالک اس کے کھیت کو درست کردے اسکے بعد کھیت والا بکریوں کو واپس کردے گا (سو ہم نے اس فیصلہ (کی آسان صورت) کی سمجھ سلیمان کو دیدی (اور دونوں حضرات کا فیصلہ اجتہادی طور پر تھا چنانچہ حضرت داؤد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی طرف رجوع کرلیا اور اپنے فیصلہ کو کالعدم کردیا بعض حضرات کی رائے ہے کہ دونوں حضرات کے فیصلے وحی کے مطابق تھے اور دوسرا فیصلہ اول کے حق میں ناسخ ہوگیا) اور ہم نے دونوں (ہی) کو حکمت نبوت اور علم عطا فرمایا تھا (دین کے امور سے متعلق) اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کردیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ (بھی) تسبیح کیا کرتے تھے (حضرت داؤد کے ساتھ) اور پرندوں کو بھی اسی طرح برائے تسبیح ہم نے ان کے ساتھ مسخر کردیا تھا حضرت داود کی وجہ سے کہ جس وقت وہ سستی پاتے تو ان دونوں کو حکم کرتے ذکر و تسبیح کرنے کا اپنے ساتھ تاکہ ان کو ذکر و تسبیح میں نشاط ہونے لگے) اور ہم کرنے والے تھے (حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں دونوں کو مسخر اگرچہ تمہارے نزدیک قابل تعجب بات ہے یعنی کہ وہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے فرمان پر ان کی موافقت کرتے ذکر کرنے میں مشغول ہوجاتے اور ہم نے ان کو زرہ (بنانے) کی صنعت تم لوگوں کے (نفع) واسطے سکھلائی تاکہ وہ (زرہ) تم کو تمہاری (دشمنوں کے ساتھ ہونے والی) لڑائی میں بچائے لِتُحْصِنَكُمْ اگر نون کے ساتھ ہو تو ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور یائے تحتانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہوگی اور اگر تاء کے ساتھ ہو تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی (اور زرہ کو لبوس کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو بھی پہنا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام وہ پہلے انسان میں کہ جنہوں نے زرہ بنائی اور زرہ سے پہلے لوہے کی تختیاں تھیں) سو تم کچھ شکر کرتے ہو (یا نہیں؟ اے اہل مکہ میری نعمتوں کی تصدیق کرکے یعنی رسولوں کی تصدیق کرکے شکرگذاری کرو) اور سلیمانؑ کے تابع کی ہوا زور

سے چلنے والی وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کو جو چیز عطا فرمایا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ مانگتے اس کی دعا کرتے پس اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مقتضیٰ کے مطابق اسکو کردیتے اور قبول فرماتے) اور تابع کیے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے سلیمان کے لیے (دریاؤں میں تاکہ حضرت سلیمان کے لیے دریاؤں سے جواہرات نکالیں) اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ (کیا کرتے تھے (مثلاً تعمیر وغیرہ) ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اس بات سے کہ ان جنوں نے جو چیز بنائی وہ اس کو برباد نہ کریں کیونکہ وہ جنات جب کسی کام سے رات ہونے سے قبل فارغ ہوجاتے تو اس کو برباد کردیتے تھے اگر وہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے! اور ایوب کے قصہ کا تذکرہ کیجئے (اور اس سے بدل واقع ہے) جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا (اس وقت کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کے تمام مال اور اولاد کو ختم کرکے آزمائش فرمائی اور آپ کا جسم پارہ پارہ ہونے لگا اور تمام لوگوں نے ان کو چھوڑ چھاڑ دیا البتہ آپؑ کی زوجہ نے نہیں چھوڑا تھا یہ آزمائش وامتحان تین یا سات یا اٹھارہ سال تک رہا اور ان کی زندگی بڑی دشوار ہوگئی تھی انی ہمزہ کے فتح اور باء کی تقدیر کے ساتھ ہے کہ یہ تکلیف مجھ کو پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کردیا اور ہم نے ان کا کنبہ (اولاد ذکور واناث سب ہی کو زندگ کردیا جن کی تعداد تین یا سات تھی یعنی کل چھ یا چودہ افراد پر مشتمل یہ کنبہ ان کو پھر سے) عطاء فرمایا اور انکے ساتھ (ان کی اسی سابق زوجہ سے کہ ان کے شباب کو بڑھا کر گنتی میں) ان کے برابر اور بھی دیئے حضرت ایوبؑ کے پاس گیہوں کے لیے اور جو کے لیے علیحدہ علیحدہ کھلیان تھے پس اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کو بھیجا ان میں سے ایک بادل نے گیہوں کے کھلیان میں سونا برسایا اور دوسرے بادل نے جو کے کھلیان پر چاندی کو برسایا یہاں تک کہ خوب سونا اور چاندی بہنے لگے اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لیے ایک یادگار رہنے کے سبب) تاکہ لوگ حالات پر صبر کریں اور ثواب پائیں! اور اسمٰعیلؑ اور ادریس اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے یہ سب (اللہ تعالیٰ کی طاعت پر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرنے پر) ثابت قدم رہنے (صبر) والے لوگوں میں سے تھے اور ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) میں داخل کرلیا تھا بیشک یہ (سب) کمال صلاحیت والوں میں تھے (نبوت کے لیے) اور ذوالکفل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انھوں نے دن بھر روزہ رکھنا اور رات بھر قیام کرنا اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا اور غضبناک نہ ہونا ان سب فضائل حسنہ کی ذمہ داری جس کو بحسن وخوبی پورا فرمایا بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ وہ نبی نہ تھے! اور مچھلی والے (یعنی حضرت یونس بن متی کا تذکرہ کیجئے (اس سے بدل واقع ہے) جب وہ غصہ ہوکر چلدیئے (اپنی قوم کے لوگوں پر اس صورت حال سے کہ جو رنج ان لوگوں سے پہنچا تھا حالانکہ ان کو منجانب اللہ بستی چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی) اور انھوں نے (از روئے اجتہاد) یہ سمجھا کہ ہم ان پر کوئی دار وگیر نہ کریں گے جو ہم نے ان کے حق میں فیصلہ کیا کہ ان کو مچھلی کے پیٹ میں قید کیا وہ نہیں کریں گے یا اس کی وجہ سے ہم اس پر تنگی نہ کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا (رات کی اندھیری سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں میں بیشک قصوروار ہوں (بغیر اجازت کے اپنی قوم کے درمیان سے نکل جانے میں) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو (ان کلمات کے ذریعہ) اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو نجات دیا

کرتے ہیں (ان کی تکلیف اور بے چینی سے جب کہ وہ ہم کو استغاثہ کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔ اور زکریا کا تذکرہ کیجئے اور اسی سے بدل ہے جب کہ انھوں نے اپنے رب کو، اس کلام کے ساتھ) پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو نہ چھوڑ اکیلا (یعنی بغیر اولاد کے کہ جو میرا وارث ہوسکتا ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں (آپ کی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد آپ ہی باقی رہنے والے ہیں) سو ہم نے انکی دعاء قبول کرلی اور ہم نے ان کو یحییٰ فرزند عطا فرما اور ان کی خاطر سے ان کی زوجہ کو بھی اولاد کے قابل کردیا (حالانکہ وہ بانجھ تھی اس کے بعد بچہ کی ولادت ہوئی) یہ سب (حضرات انبیاء کرام کہ جن کا تذکرہ ہورہا ہے) نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید وبیم کے ساتھ (رحمت وعذاب کی امید اور خوف سے) ہماری عبادت (واطاعت) کیا کرتے تھے اور تھے ہمارے سامنے عاجز (تواضع اختیار کرنے والے اپنی اپنی عبادات میں) اور اس عورت (یعنی حضرت مریم کا بھی تذکرہ کیجئے کہ) جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت (اور فرج کو اس بات سے کہ کوئی حرام یا حلال کی صورت میں پہنچا ہو پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح یعنی اپنے خاص حکم سے ان کو حاملہ کردیا (بواسطہ حضرت جبرئیل کہ انھوں نے حضرت مریم کے گریبان میں کو پھونک ماردی چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ حاملہ ہوگئیں) اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں (انسان اور جنات اور ملائکہ) کے لیے نشانی بنادیا (اپنی قدرت کاملہ پر کہ حضرت مریم نے بغیر شوہر کے ہی بچہ جن دیا) لوگو! یہ (ملت اسلام) تمہارا طریقہ ہے (واجب ہے کہ تم لوگ اس پر قائم رہو) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو (مجھ کو ایک خدا تسلیم کرو میری وحدانیت قبول کرو اور (اے بعض مخاطبین) تم لوگوں نے اپنے دین کے امر میں اختلاف کرتے ہوئے اپنی جمعیت کو (بانٹ لیا ہے یعنی یہودیوں اور نصاریٰ کے وہ مختلف فرقے ہیں جو امر دین کے نام پر منقسم ہوگئے۔ قال تعالیٰ، سب ہمارے پاس آنے والے ہیں (لہٰذا ہم نے انکے اعمال کا بدلہ ان کو دیں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ: شدید غم۔

قوله: مَنَعْنَاهُ: نصرنا کا صلہ جب علیٰ آیا من نہ آیا تو منعنا سے اس کی تفسیر کی یعنی ہم نے ان کو انتقام لینے والا بنادیا۔

قوله: اَجْمَعِيْنَ: تمام کو اس وجہ سے ہلاک کیا کیونکہ ان میں تکذیب حق اور انہماک شر، یہ دو بیماریاں رچ گئی تھیں۔

قوله: كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ: ہم حاکم اور فیصلے والے لوگوں کو جاننے والے تھے۔

قوله: حُكْمُهُمَا بِاجْتِهَادٍ: ہر دو کا فیصلہ اجتہاد سے تھا۔

قوله: كَذٰلِكَ: طیر کا عطف جبال پر ہے۔

قوله: سَخَّرْنَا لِلتَّسْبِيْحِ مَعَهُ: لسان حال سے یا لسان قال سے۔

قوله: صَفَائِحُ: سپاٹ، آپ نے اس کو حلقات اور بنتی میں بدل دیا۔

قوله: لَكُمْ: یہ علم سے متعلق ہے یا لبوس کی صفت ہے اور لتحصنکم یہ لکم سے بدل الاشتمال ہے۔

قولہ: بِنِعَمِہٖ: یہ شاکرون کا مفعول ہے۔
قولہ: اُشْكُرُوْنِیْ: یہ دراصل امر ہے جس کو صورت امر میں لایا گیا ہے۔
قولہ: شَدِیْدَةَ الْهُبُوْبِ: دونو آیات میں اس سے موافقت ہوگئی اور تجری یہ دوسرا حال ہے۔
قولہ: بِاَمْرِهٖٓ: یعنی ان کو مشیت۔
قولہ: بٰرَكْنَا فِيْهَا: اس سے سرزمین شام مراد ہے۔
قولہ: مِنَ الشَّيٰطِيْنِ: اس میں دلالت ہے کہ کافر جنات ان کے لئے مسخر کیے۔
قولہ: مَنْ يَّغُوْصُوْنَ: من کا عطف الریح پر ہے۔
قولہ: عَمَلًا: اس کی تنکیر کثرت اعمال کو ظاہر کرتی ہے۔
قولہ: يَبْدَلُ مِنْهُ: یہ رومی تھے اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔
قولہ: مَسَّنِيَ الضُّرُّ: بیماری اور کمزوری جب الضر پڑھیں۔
قولہ: مِنْ زَوْجَتِهٖ: اس بیوی سے اور اولاد دی۔ گندم، جو کے ڈھیر دے دیے ایک سونے دوسرے کو چاندی میں بدل ڈالا۔
قولہ: رَحْمَةً: ایوب علیہ السلام پر اور نصیحت دوسروں کے لئے۔
قولہ: ذَا الْكِفْلِ: کفل نصیب اور کفالہ کئی گنا یعنی نصیبہ ور تھے۔
قولہ: غَضْبَانَ عَلَيْهِمْ: مغالبہ کی بنیاد مبالغہ پر ہے۔
قولہ: نَقْضِي عَلَيْهِ: یہ قدر بمعنی قضاء وحکم ہے یا قدر بمعنی تنگی ہے قدرت کے معنی میں نہیں۔
قولہ: فِيْ ذَهَابِيْ: جو دکھی یہ دعا مانگے اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔
قولہ: نَجَّيْنٰهُ: سے مچھلی کا پیٹ سے ساحل پر ڈالنا ہے۔ یہ چار ساعات تھے۔
قولہ: وَ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ: یعنی اگر آپ نے مجھے بیٹا نہ دیا تو کون میرا وارث ہوگا مجھے اس کی پرواہ نہیں کیونکہ آپ اس سے بہتر ہیں۔
قولہ: اَصْلَحْنَا لَهٗ: یعنی بانجھ پن کے بعد ولادت کے لائق بنا دیا۔
قولہ: فِيْ رَحْمَتِنَا: یعنی ہمارے ثواب کے امیدوار اور عقاب سے خائف متواضعین، نیازمندی کرنے والے۔
قولہ: فِيْ عِبَادَتِهِمْ: یعنی انہوں نے ان خصائل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف پایا جو پایا۔
قولہ: اَحْصَنَتْ: یعنی حلال وحرام دونوں سے حفاظت کی۔
قولہ: فَنَفَخْنَا فِيْهَا: یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے پیٹ میں زندہ کر دیا۔
قولہ: مِنْ رُّوْحِنَا: جبرائیل علیہ السلام کی جانب سے۔
قولہ: وَابْنَهَا اٰيَةً: یعنی ان دونوں کا قصہ اسی لئے آیت کو واحد لائے۔ ان دونوں کے واقعہ کو نشانی بنایا۔
قولہ: بعض المخاطبين: غائب سے خطاب کی طرف اسلوب سے مقصود ان کے فعل کا ...

قولہ: کُلٌّ: یعنی فرقوں میں سے ہر ایک کو ہم سزا دیں گے۔

تفسیر مقبولین

وَنُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۶﴾

نوح علیہ السلام کی دعا:

نوح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم نے ستایا تکلیفیں دیں تو آپ نے اللہ کو پکارا کہ باری تعالیٰ میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد فرما۔ زمین پر ان کافروں میں کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکائیں گے۔ اور ان کی اولادیں بھی ایسی ہی فاجر کافر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو اور مؤمنوں کو نجات دی اور آپ کے اہل کو بھی سوائے ان کے جن کے نام برباد ہونے والوں میں آ گئے تھے۔ آپ پر ایمان لانے والوں کی بہت ہی کم مقدار تھی۔ قوم کی سختی، ایذا دہی اور تکلیف سے اللہ عالم نے اپنے نبی کو بچالیا۔ ساڑھے نوسو سال تک آپ ان میں رہے اور انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر سوائے چند لوگوں کے اور سب اپنے شرک وکفر سے باز نہ آئے بلکہ آپ کو سخت ایذائیں دیں اور ایک دوسرے کو اذیت دینے کے لیے بھڑکاتے رہے۔ ہم نے ان کی مدد فرمائی اور عزت آبرو کے ساتھ کفار کی ایذاء رسانیوں سے چھٹکارا دیا اور ان برے لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اور نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ بچا سب ڈبو دئے گئے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ اِذۡ يَحۡكُمٰنِ فِى الۡحَـرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِيۡهِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ‌ۚ وَكُنَّا لِحُكۡمِهِمۡ شٰهِدِيۡنَ ﴿۷۸﴾

حضرت داؤد اور سلیمان کا تذکرہ، ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اکرام اور انعام کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پر فرمایا تھا۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر فرمادیئے جو ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر فرمادی اور جنات کو ان کا تابع کر دیا۔

کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ:

شروع میں ایک جھگڑے کا اور اس جھگڑے کے فیصلہ کا تذکرہ فرمایا جس کا واقعہ یوں ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص بکریوں والا اور دوسرا کھیتی والا تھا۔ کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے

واپس ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کیا ہوا؟ دونوں فریق نے بیان کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمے کا فیصلہ میں کرتا تو فریقین کے لیے مفید اور نافع ہوتا۔ پھر خود ان صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر یہی بات عرض کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا کہ وہ کیا فیصلہ ہے؟ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ بکریاں تو سب کھیت والے کو دے دیں تاکہ وہ ان کے دودھ، اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے سپرد کردیں۔ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت اگائے۔ جب یہ کھیت اس حالت پر آجائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا تو کھیت، کھیت والے کو اور بکریاں بکری والے کو واپس کردیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلہ کو پسند کیا اور فرمایا بس اب یہی فیصلہ رہنا چاہیے اور فریقین کو بلا کر یہ فیصلہ نافذ کردیا۔ اسی کو فرمایا: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ (سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا) وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۡ (اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ فیصلے دونوں ہی کے درست تھے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا۔ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا، اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو بکریاں دلوادیں اور قانون کا یہی تقاضا تھا جس میں مدعی اور مدعی علیہ کی رضا شرط نہیں مگر چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے دوسری صورت تجویز فرمادی جو باہم جانبین کی رضامندی پر موقوف تھی اور جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی کہ چند روز کے لیے بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں جو ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزارا کرلے اور بکری والے کو وہ کھیت سپرد کردیا جائے جو بکریوں نے خراب کردیا تھا۔ وہ آب پاشی وغیرہ کرے جب کھیت پہلی حالت پر آجائے تو کھیت اور بکریاں ان کے اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں۔ کذا فی الدر المنثور عن ابن مسعود و مسروق و ابن عباس و مجاهد و قتادہ و الزهری۔ (ص۳۲۴/ ج۴)

اس سے معلوم ہوگیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اسی لیے وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا بڑھا دیا۔ انتہی۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔

حضرت محمد ﷺ کا فیصلہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں کے کھیتی خراب کرنے پر جو فیصلہ دیا ان کا یہ فیصلہ اجتہاد سے تھا اور بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام کے صلح کرادینے سے حل ہوگیا۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مروی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک اونٹنی بعض لوگوں کے باغ میں داخل ہوگئی اور ان کا باغ خراب کردیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ اہل جانور جو زخمی کردے اس کا کوئی ضمان نہیں۔ اہل اموال پر لازم ہے کہ دن میں اپنے اموال کی حفاظت کریں اور اہل مواشی پر لازم ہے کہ رات کو انہیں محفوظ رکھیں اور یہ کہ رات کو جو جانور کوئی نقصان کردے جانوروں کے مالک اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ (رواه ابو داؤد فی آخر کتاب البیوع و ابن ماجه فی ابواب الاحکام) اور ایک حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ: ((العجماء جرحها جبار)) (رواه البخاری) حضرات ائمہ کرام کے مذاہب معلوم کرنے کے لیے شرح حدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ:

صحیح بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ دو عورتیں کسی جگہ موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا ایک بیٹا بھی تھا۔ بھیڑیا جو آیا تو ایک کے لڑکے کو لے کر چلا گیا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے یوں کہنے لگی کہ بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا اور یہ جو موجود ہے یہ میرا بیٹا ہے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے (اپنے طور پر غور وخوض اور اجتہاد کر کے) بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ واپس ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر گزریں اور انہیں پورے واقعہ کی خبر دی۔ انہوں نے فرمایا چھری لے آؤ۔ میں اس لڑکے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں۔ یہ سن کر چھوٹی عمر والی کہنے لگی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجیے۔ (میں اپنا دعویٰ واپس لیتی ہوں) میں تسلیم کرتی ہوں کہ وہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دے دیا کہ وہ لڑکا چھوٹی ہی کا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۸۷) یہ کھیتی اور بکریوں والوں کا فیصلہ اور ان دو عورتوں کا فیصلہ جو حضرت داؤد علیہ السلام نے دیا تھا، یہ دونوں وحی سے نہیں تھے، اجتہاد کے طور پر تھے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے دوسرا فیصلہ دے دیا جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی تسلیم فرما لیا۔ اس آخری قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ کو چھری سے کاٹنے والی جو بات کی یہ ایک تدبیر تھی جس سے انہوں نے حقیقت حال تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا۔ جب یہ فرمایا کہ چھری لاؤ میں اسے کاٹ کر آدھا آدھا کر دیتا ہوں تو بڑی خاموش رہ گئی اور چھوٹی گھبرا گئی اور اس نے کہا کہ میں یہ مانتی ہوں کہ یہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس کے تڑپنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ اسی کا بچہ ہے۔ اگر بڑی کا بچہ ہوتا تو وہ تڑپ اٹھتی۔ لیکن وہ چپکی کھڑی رہی جس سے معلوم ہوا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے بارے میں فیصلہ فرما دیا۔

داؤد علیہ السلام کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا:

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور مال و دولت سے بھی۔ اور اقتدار سے بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف بھی عطا فرمائی۔ سورۂ ص میں ان کے ایک فیصلہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: (يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) (اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی) سورۂ نمل میں فرمایا: (وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ) (اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں میں فضیلت دی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے)۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ پہاڑوں کو اور جانوروں کو مسخر فرما دیا تھا جو ان کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں جس کا یہاں سورۂ انبیاء میں تذکرہ فرمایا ہے اور سورۂ سبا میں اور سورۂ ص میں بھی مذکور ہے۔ سورۂ سبا میں فرمایا: (وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ) (اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔ اے پہاڑو داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا) اور سورۂ ص میں فرمایا: (اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ) (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی، جو جمع ہو جاتے تھے سب ان کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے)۔

احادیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش آواز تھے۔ اول تو ان کی خوش آوازی پھر اللہ کی تسبیح اور مزید اللہ تعالیٰ کا حکم سب باتیں مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور پڑھتے وقت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے وقت عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندے وہیں ٹھہر جاتے اور تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے اور پہاڑوں سے بھی تسبیح کی آواز نکلتی تھی۔ اس میں خوش آوازی کی کشش بھی تھی اور معجزہ بھی تھا۔ سورۂ بقرہ کی (وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ) کی تفسیر میں ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم جمادات اور بے جان سمجھتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں۔ ہم سے چونکہ وہ بات نہیں کرتے اور جاندار چیزوں کی طرح پیش نہیں آتے۔ اس لیے ہم انہیں محروم سمجھتے ہیں لیکن ان کا اپنے خالق و مالک سے جو تعلق ہے وہ ادراک اور شعور والا تعلق ہے۔ وہ سب اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بولنے کی قوت بھی دے دی جاتی ہے۔

زرہ بنانے کی صنعت:

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے ایک اور امتیازی انعام سے نوازا تھا اور وہ یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں زرہ بنانا سکھایا تھا، پہلے زمانہ میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی تو مقابل کے حملہ سے بچنے کے لیے خود اور زرہ اور ڈھال استعمال کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لے کر دشمن سے لڑتے تھے۔ اور لوہے کی زرہ پہن لیتے تھے۔ یہ ایک قسم کا کرتہ ہوتا تھا جو لوہے سے بنایا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص تلوار کا وار کرتا تھا تو سر خود کے ذریعہ اور سینہ اور کمر زرہ کے ذریعہ کٹنے سے بچ جاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے جو زرہیں بنائی جاتی تھیں وہ لوہے کی تختیاں ہوتی تھیں جنہیں کمر اور سینہ پر باندھ لیتے تھے۔ سب سے پہلے زرہ بنانے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ یہاں سورۃ الانبیاء میں فرمایا: (وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ) (اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت سکھا دی جو تمہارے لیے نفع مند ہے (لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ) (تا کہ وہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے) اور سورۂ سبا میں فرمایا: (وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ) (اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو، اور تم سب نیک کام کیا کرو بلاشبہ میں تمہارے سب اعمال کو دیکھنے والا ہوں) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم فرما دیا۔ وہ اپنی انگلیوں سے لوہے کے تار بنا لیتے تھے۔ پھر ان کے حلقے بناتے تھے اور ان حلقوں کو جوڑ کر زرہ بنا لیتے تھے۔ تفسیر

ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے جن میں دو ہزار اپنے اور اہل و عیال کی ضرورت کے لیے خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کو خبز الحواری یعنی میدہ کی روٹی کھلانے پر خرچ فرماتے تھے۔ (ص ۵۲۷، ج ۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دو فیصلے اوپر مذکور ہوئے جن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرے فیصلے دیئے۔ ان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر کسی قاضی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کے خلاف خود اس کے اپنے اجتہاد سے یا کسی دوسرے حاکم یا عالم کے بتانے سے معلوم ہو جائے کہ فیصلہ غلط ہوا ہے تو اپنا فیصلہ واپس لے کر دوسرا صحیح فیصلہ نافذ کر دے۔ یہ اجتہاد کی شرط اس لیے لگائی گئی کہ نصوص قطعیہ کے خلاف فیصلہ حرام ہے اور نصوص شرعیہ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا بھی حرام ہے۔ امام دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں حضرت عمرؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو امور قضا سے متعلق ہے۔ وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو حکام اور قضاۃ کے لیے ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

عن سعید بن ابی بردة و اخرج الکتاب فقال هذا کتاب عمر، ثم قری علی سفیان من هاهنا الی ابی موسی الاشعری، اما بعد فان القضاء فریضة محکمة و سنة متبعة، فافهم اذا ادلی الیک، فانه لا ینفع تکلم بحق لا نفاذ له آس بین الناس فی مجلسک و وجهک، و عدلک حتی لا یطمع شریف فی حیفک، ولا یخاف ضعیف جورک، البینة علی من ادعی، و الیمین علی من انکر، الصلح جائز بین المسلمین، الا صلحا احل حراما او حرم حلالا، لا یمنعک قضاء قضیته بالامس راجعت فیه نفسک و هدیت فیه لرشدک ان تراجع الحق، فان الحق قدیم، و ان الحق لا یبطله شیء، و مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل، الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرک، مما لم یبلغک فی القرآن و السنة، اعرف الامثال و الاشباه، ثم قس الامور عند ذلك، فاعمد الی احبها الی الله، و اشبهها بالحق فیما تری، و اجعل للمدعی امدا ینتهی الیه، فان احضر بینة و الا وجهت علیه القضاء فان ذالک اجلی للعمی، و ابلغ فی العذر، المسلمون عدول بینهم بعضهم علی بعض، الا مجلودا فی حد او مجربا فی شهادة زور، او ظنینا فی ولا او قرابة، فان الله تولی منکم السرائر، و درا عنکم بالبینات، ثم ایاک و الضجر و القلق و التادی بالناس، و التنکر للخصوم فی مواطن الحق التی یوجب الله بها الاجر و یحسن بها الذکر، فانه من یخلص بینة فیما بینه و بین الله، یکفه الله ما بینه و بین الناس، و من تزین للناس بما یعلم الله منه غیر ذلك، شانه الله۔

یہ خط امام دار قطنی نے کتاب الاقضیۃ والاحکام میں نقل کیا ہے۔ افادۃ للعوام اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن ابی بردہ نے ایک خط نکالا اور بیان کیا کہ یہ خط حضرت عمرؓ کا ہے جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔

امابعد! جان لینا چاہیے کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسا طریقہ ہے جسے اختیار کرنا ضروری ہے۔ سو تم یہ سمجھ لو کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کوئی لے کر آئے تو جو حق فیصلہ ہو وہ نافذ کر دو۔ کیونکہ وہ حق بات فائدہ نہیں دیتی جسے نافذ نہ کیا جائے۔ اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے بٹھانے میں اور انصاف کرنے میں لوگوں کے درمیان برابری رکھو تا کہ کوئی

صاحب حاجت یہ لالچ نہ کرے کہ اس کی وجہ سے دوسرے پر ظلم کر دو گے اور کوئی کمزور اس بات سے خائف نہ ہو کہ اس پر ظلم کر دو گے۔ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا جائز ہے لیکن ایسی کوئی صلح نہیں ہو سکتی جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ کل جو کوئی فیصلہ تم کر چکے ہو اور اس کے بعد صحیح بات سمجھ میں آ گئی تو حق کی طرف رجوع کرنے سے تمہارا سابق مانع نہ بن جائے۔ کیونکہ حق اصل چیز ہے اور حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر چلتے رہنے سے بہتر ہے۔ جو چیز تمہارے سینہ میں کھٹکے اسے خوب سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ ان چیزوں میں سے ہو جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں سے کوئی بات نہیں پہنچی (اگر قرآن وحدیث کی بات موجود ہو پھر اسی پر عمل کرنا لازم ہو) تو امثال واشباہ کو پہچانو۔ پھر ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرو اور ان میں جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور مدعی کے لیے ایک مدت مقرر کر دو جس میں وہ اپنے گواہ لے آئے۔ اگر گواہ حاضر کر دے تو قانون کے مطابق فیصلہ کر دو۔ اگر وہ گواہ نہ لائے تو اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔ گواہ لانے کے لیے مدت مقرر کرنا یہ نا معلوم حقیقت کو زیادہ واضح کرنے والی چیز ہے اور اس میں صاحب عذر کو انجام تک پہنچانے کا اچھا ذریعہ ہے۔ مسلمان آپس میں عدول ہیں۔ ایک کی گواہی دوسرے کے بارے میں قبول کی جا سکتی ہے لیکن جسے حد قذف کی وجہ سے (یعنی تہمت لگانے پر) کوڑے لگائے ہوں یا جس کے بارے میں تجربہ ہو کہ وہ جھوٹی گواہی بھی دیتا ہے یا کسی رشتہ داری کے معاملہ میں وہ متہم ہے (یعنی رشتہ داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیتا ہے) تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کی پوشیدہ باتیں اور پوشیدہ ارادے جانتا ہے۔ (وہ اس کے مطابق فیصلے کرے گا اور اس دنیا میں مخلوق کے درمیان گواہوں پر فیصلے رکھ دیئے ہیں) گواہ جھگڑوں کو ختم کرنے والے ہیں اور لوگوں کے آنے سے تنگ دل مت ہونا۔ تکلیف محسوس نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا۔ جو لوگ فیصلے کرانے کے لیے آئیں ان سے الگ ہو کر مت بیٹھ جانا۔ ان کے فیصلے حق کے موافق کرنا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے اور لوگ اچھائی سے یاد کرتے ہیں جس کی نیت اللہ کے اور اس کے اپنے درمیان خالص ہو اللہ تعالیٰ ان مشکلات کی کفایت فرماتے ہیں جو لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اور جو شخص ظاہری طور پر اچھا بنے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرما دیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کی تسخیر:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً (الایتین) ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بیان فرمایا۔ ان کی حکومت نہ صرف انسانوں پر تھی بلکہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع تھے۔ سورۂ ص میں فرمایا: (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ) سلیمان نے دعا مانگی اے میرے رب میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو۔ آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا۔ یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی

اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرمایئے جو میرے بعد اور کسی کو نہ دی جائے ان کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ انہیں جنات پر بھی اقتدار دے دیا اور ہوا بھی ان کے لیے مسخر فرما دی جو خوب تیزی سے چلتی تھی جو انہیں اور ان کے لشکروں کو ذرا سی دیر میں دراز مسافت پر پہنچا دیتی تھی اور ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی۔ کبھی خوب تیز جسے سورۃ الانبیاء میں عاصفة سے تعبیر فرمایا اور کبھی آہستہ جسے سورۂ ص میں رخاء سے تعبیر فرمایا۔ اس کی تیز رفتاری کے بارے میں سورۂ سبا میں (غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ) فرمایا ہے۔ جب آپ کو کہیں جانا ہوتا تو ہوا آپ کو اور آپ کے لشکر کو (جو انسانوں اور جنات اور پرندوں پر مشتمل ہوتا تھا) آپ کے حکم کے مطابق اسی منزل پر پہنچا دیتی تھی جہاں جانا ہوتا تھا۔ آپ شیاطین سے بھی کام لیتے تھے۔ شیاطین کو سزا بھی دیتے تھے اور انہیں زنجیروں میں باندھ کر بھی ڈالتے تھے جس پر وہ چوں نہیں کر سکتے تھے۔ جنات سے وہ سمندروں میں غوطے لگانے کا کام بھی لیتے تھے۔ وہ ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور سمندر سے قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور ان سے مکانات بھی تعمیر کراتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا: (وَالشَّيَاطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّغَوَّاصٍ) اور دیگر کاموں میں بھی استعمال کرتے تھے۔ جس کا ذکر سورۂ سبا میں فرمایا ہے: (يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ) (وہ جنات ان کے لیے وہ وہ چیزیں بناتے تھے جو ان کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کو پکڑ لینا:

ایک مرتبہ ایک سرکش جن کہیں سے چھوٹ کر آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جن نے کوشش کی کہ آپ کی نماز تڑوا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قابو دے دیا۔ آپ نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر صبح آپ نے صحابہ کرام کو اس کا یہ قصہ بتایا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تا کہ صبح ہو تو تم سب اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی۔ انہوں نے دعا کی تھی (رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ) (لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا) سو اللہ نے اسے ذلیل کر کے واپس لوٹا دیا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ (راجع صحیح البخاری ومسلم) اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ کا دشمن ابلیس ایک شعلہ لے کر آیا تا کہ میرے چہرہ پر ڈالے۔ میں نے تین مرتبہ اعوذ باللہ منک کہا تین بار العنک بلعنۃ اللہ التامۃ کہا۔ وہ اس پر نہ ہٹا تو میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ لیتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ صبح تک بندھا رہتا اور اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے۔ (صحیح مسلم، ص ۲۰۵، ج ۱)

سانپوں کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا عہد یاد دلانا:

سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو کہو: انا نسئلک بعهد نوح وبعهد سليمان بن داؤد ان لا تؤذينا (ہم تجھے وہ عہد یاد دلاتے ہیں جو تو نے نوح اور سلیمان بن داؤد علیہ السلام سے کیا تھا

کہ تو ہمیں تکلیف نہ دے) پھر اس کے بعد بھی ظاہر ہو جائے تو اسے قتل کر دو۔ اور جب انسانوں پر اور جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے جانوروں پر بھی تھی۔ ان میں زہریلے جانور بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سانپوں کے زہر اتارنے کے الفاظ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر پیش کرو۔ چنانچہ آپ پر پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس معاہدہ کے الفاظ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زہریلے جانوروں سے لیا تھا۔ الفاظ یہ ہیں: بسم اللہ شجۃ قرنیۃ ملحۃ بحر قفطا۔ (الدر المنثور ص ۳۲۷، ج ۱)

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

(۶) قصہ ایوب علیہ السلام:

یہ چھٹا قصہ ایوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کے مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا۔ ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا حضرت ایوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ کر رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحالی میں وہ خدا کے شکر گزار بندے تھے پھر خدا تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہو گئے اولاد مر گئی اور دوست آشنا سب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی رفیق رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی ایوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکر گزار رہے اسی طرح وہ بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزرا، جب بیماری حد سے گزر گئی تب اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ان کو صحت اور عافیت عطاء کی۔ اور جو اولاد دب کر مر گئی تھی اس کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل سے ان کی پھر وہی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

ان اب آیات میں ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تا کہ صابروں اور شاکروں کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہمارے صابر بندوں ایوب کا قصہ ذکر کرو جبکہ ان کو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں ہر طرف سے بلا پہنچی، حتیٰ کہ جسم کو کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض اٹھارہ برس اسی تکلیف میں گزارے اور حیا و شرم کے مارے حق تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دعا بھی نہ کی کہ سالہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اس کی بلاؤں پر صبر نہ کر لوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حتیٰ کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا گر جاتا تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو اچھی طرح کھا۔ یہ کمال رضاء بقضاء اور صبر بہ بلاء ہے کہ یہ تکلیف انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے مگر حال یہ ہے کہ ”ایلام دوست بہ از انعام دوست“ البتہ اتنی بات سمجھ لینا چاہیے کہ اسرائیلی روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے یا یہ کہ کوئی برص تھا اور کوڑی پر پڑے رہے۔ یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اس حالت میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری نہیں رہ سکتا اور عامۃ الناس قریب نہیں

آ سکتے۔اس لیے یہ بات لائق قبول نہیں ہے۔پھر بیماری تو غیر اختیاری تھی۔کوڑی پر پڑے رہنے کو اختیار فرمانا یہ تو حضرات انبیاء علیہ السلام کی طہارت اور نظافت طبع کے بھی خلاف ہے۔بالآخر ایوب نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تحقیق مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا اقتضاء ہو وہ کر گزر ایوب علیہ السلام نے اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔حق تعالیٰ کی غایت رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لاچاری ظاہر کی اور خاموش ہو گئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لاچاری آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپ کی رحمت کا محتاج ہوں پس انکا یہ کہنا تھا کہ ان کی دعا قبول کی سو جو تکلیف اور بیماری ان کو لاحق تھی وہ یک لخت ہم نے دور کر دی اور ہم نے ان کو بعینہٖ ان کے اہل وعیال عطاء کر دیئے یعنی ان کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ دے دیئے،یعنی جو اولاد مر گئی تھی اس کو ہم نے زندہ کر دیا۔اور اتنی ہی اولاد اس کے بعد پیدا کر دی جو گزشتہ اولاد کے برابر تھی،ایوب علیہ السلام نے جب اپنے رب کو پکارا تو دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور آواز آئی۔اے ایوب علیہ السلام اپنا پاؤں زمین پر مار۔ایک چشمہ نمودار ہوا۔اس سے ایوب علیہ السلام نے غسل کیا۔اس سے ان کی تمام بیماری یک لخت جاتی رہی اور خوبصورت بدن نکل آیا۔بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ایوب علیہ السلام نے کہا میں وہی ایوب ہوں،اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔اور مجھ پر میرا مال اور اہل وعیال سب واپس کر دیا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے ایوب کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور عنایت ایسی ہوتی ہے اور تاکہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور عبرت ہو کہ صبر ایسا ہوتا ہے۔لوگوں کو چاہئے کہ صبر اور شکر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اقتداء کریں۔

اس واقعہ میں ایوب علیہ السلام کو چار ابتلاء پیش آئے:(۱) مال جاتا رہا (۲) اولاد مر گئی (۳) بدن بیماری سے پھٹ گیا (٤) سوائے بیوی کے سب نے چھوڑ دیا اور شماتت کرنے لگے کہ ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی سخت ملی ہے۔ایوب علیہ السلام نے اس ابتلاء اور بلا پر صبر کیا۔اول تو دعا پر بھی راضی نہ تھے حیا اور شرم کی وجہ سے صحت کی دعا بھی نہ کرتے تھے بالآخر بیوی کے اصرار سے اپنی صحت کے لیے دعا کی۔اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی بھی عطاء کی اور جو اولاد مر گئی تھی اس کو دوبارہ زندہ کر دیا چونکہ جو اولاد اکٹھی ہی دب کر مر گئی بظاہر وہ موت اجل نہ تھی۔بلکہ موت ابتلاء و آزمائش تھی اس لیے ان بنی اسرائیل کی طرح دوبارہ زندہ کر دی گئی جن کو طاعون سے بھاگنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پہلے کی طرح مال و دولت بھی عطاء کر دیا جس قدر مال انکا جاتا رہا تھا اسی قدر اللہ نے پھر ان کو دے دیا بلکہ اس سے زائد۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایوب علیہ السلام ایک دن غسل فرما رہے تھے کہ اوپر سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ایوب علیہ السلام ان کو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب کیا میں نے تجھ کو اس چیز سے غنی نہیں کیا کہ جس کو تو دیکھتا ہے۔عرض کیا کیوں نہیں تیری برکت سے غناء نہیں۔مطلب یہ تھا کہ میرا سونے کی ٹڈیوں کی طرف

رغبت کرنا دنیاوی غنا حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ سونے کی ٹڈیاں تیری طرف سے بلا سبب ظاہری کے برس رہی ہیں اور یہ تیری طرف سے بلاشبہ برکت ہیں اور بندہ کتنا ہی مالدار ہو جائے مگر خدا کی برکت سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ سے طلب زیادت قناعت کے منافی نہیں البتہ غیر اللہ سے سوال قناعت کے منافی ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

حضرت ذوالکفل نبی تھے یا ولی اور ان کا قصہ عجیبہ:

آیات مذکورہ میں تین حضرات کا ذکر ہے جن میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا نبی و رسول ہونا قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت اور ان کا تذکرہ بھی قرآن میں جا بجا آیا ہے۔ تیسرے بزرگ ذوالکفل ہیں۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ ان کا نام ان دونوں پیغمبروں کے ساتھ شامل کر کے ذکر کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی کوئی اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے مگر بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمرہ انبیاء میں نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح اولیاء اللہ میں سے تھے۔ امام تفسیر ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسع (جن کا نبی و پیغمبر ہونا قرآن میں مذکور ہے) جب بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تو ارادہ کیا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں جو ان کی زندگی میں وہ سب کام ان کی طرف سے کرے جو نبی کے فرائض میں داخل ہیں۔

اس مقصد کے لئے حضرت یسع علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو جمع کیا کہ میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہو اس کو خلیفہ بناؤں گا۔ وہ تین شرطیں یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور ہمیشہ رات کو عبادت میں بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو۔ مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر ذلیل سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت یسع نے دریافت کیا کہ کیا تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہمیشہ شب بیداری کرتے ہو اور کبھی غصہ نہیں کرتے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ بیشک میں ان تین چیزوں کا عامل ہوں۔ حضرت الیسع (کو شاید کچھ اس کے قول پر اعتماد نہ ہوا اس لئے) اس روز اس کو رد کر دیا پھر کسی دوسرے روز اس طرح مجمع سے خطاب فرمایا اور سب حاضرین ساکت رہے اور یہی شخص پھر کھڑا ہو گیا اس وقت حضرت یسع نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ شیطان نے یہ دیکھا کہ ذوالکفل اس میں کامیاب ہو گئے تو اپنے اعوان شیاطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے یہ منصب اس کا سلب ہو جائے۔ اعوان شیطان نے عذر کر دیا۔ کہ وہ ہمارے قابو میں آنے والا نہیں شیطان ابلیس نے کہا کہ اچھا تم اس کو مجھ پر چھوڑ دو (میں اس سے نمٹ لوں گا) حضرت ذوالکفل اپنے اقرار کے مطابق دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے تھے صرف دوپہر کو قیلولہ کرتے تھے (قیلولہ دوپہر کے سونے کو کہتے ہیں) شیطان عین دوپہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دی یہ بیدار ہو گئے اور پوچھا کون ہے کہنے لگا کہ میں بوڑھا مظلوم ہوں، انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے اندر پہنچ کر ایک افسانہ کہنا شروع کر دیا کہ میری برادری کا مجھ سے جھگڑا ہے انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا وہ ظلم کیا، ایک طویل داستان شروع کر دی یہاں تک کہ دوپہر کے سونے کا وقت ختم ہو گیا۔ حضرت ذوالکفل نے فرمایا کہ جب میں باہر آؤں تو میرے پاس آ جاؤ میں تمہارا حق

دلواؤں گا۔

حضرت ذوالکفل باہر تشریف لائے اور اپنی مجلس عدالت میں اس کا انتظار کرتے رہے مگر اس کو نہیں پایا۔ اگلے روز پھر جب وہ عدالت میں فیصلہ مقدمات کے لئے بیٹھے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے اور یہ نہ آیا۔ جب دوپہر کو پھر قیلولہ کے لئے گھر میں گئے تو یہ شخص آیا اور دروازہ کوٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ ایک مظلوم بوڑھا ہے، انہوں نے پھر دروازہ کھول دیا اور فرمایا کیا میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ جب میں اپنی مجلس میں بیٹھوں تو تم آ جاؤ (تم نہ کل آئے نہ آج صبح سے آئے) اس نے کہا کہ حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہوں گا تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کریں گے تو انہوں نے اس وقت اقرار کر لیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں، پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کر دیا۔ انہوں نے پھر اس کو یہی فرمایا کہ اب جاؤ جب میں مجلس میں بیٹھوں تو میرے پاس آ جاؤ۔ اسی گفت وشنید میں آج کے دوپہر کا سونا بھی رہ گیا اور وہ باہر مجلس میں تشریف لے گئے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے (اگلے روز بھی دوپہر تک انتظار کیا وہ نہیں آیا پھر جب تیسرے روز دوپہر کا وقت ہوا اور نیند کو تیسرا دن ہو گیا تھا نیند کا غلبہ تھا) تو گھر میں آ کر گھر والوں کو اس پر مقرر کیا کہ کوئی شخص دروازے پر دستک نہ دے سکے۔ یہ بوڑھا پھر تیسرے روز پہنچا اور دروازے پر دستک دینا چاہا لوگوں نے منع کیا تو ایک روشندان کے راستے سے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کر دیا یہ پھر نیند سے بیدار ہو گئے اور دیکھا کہ یہ شخص گھر کے اندر ہے اور دیکھا کہ دروازہ بدستور بند ہے اس سے پوچھا، تو کہاں سے اندر پہنچا، اس وقت حضرت ذوالکفل نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور فرمایا کہ کیا تو خدا کا دشمن ابلیس ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں، اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے میری ہر تدبیر میں تھکا دیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ تجھے کسی طرح غصہ دلا دوں تا کہ تو اپنے اس اقرار میں جھوٹا ہو جائے جو یسع نبی کے ساتھ کیا ہے، اس لئے میں نے یہ سب حرکتیں کیں۔ یہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے ان کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا، کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے، حضرت ذوالکفل اپنے اس عہد پر پورے اترے۔ (ابن کثیر)

مسند احمد میں ایک روایت اور بھی ہے مگر اس میں ذوالکفل کے بجائے الکفل کا نام آیا ہے۔ اسی لئے ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے کہا کہ یہ کوئی دوسرا شخص کفل نامی ہے وہ ذوالکفل جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے وہ نہیں۔ روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے اور ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ سات مرتبہ سے زائد سنی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ کفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہ کرتا تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی اس نے اس کو ساٹھ دینار (گنیاں) دیں اور فعل حرام پر اس کو راضی کر لیا۔ جب وہ مباشرت کے لئے بیٹھ گیا تو یہ عورت کانپنے اور رونے لگی اس نے کہا کہ رونے کی کیا بات ہے کیا میں نے تم پر کوئی جبر اور زبردستی کی ہے۔ اس نے کہا نہیں جبر تو نہیں کیا، لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی عمر بھر نہیں کیا اور اس وقت مجھے اپنی ضرورت نے مجبور کر دیا اس لئے اس پر آمادہ ہو گئی یہ سن کر وہ شخص اسی حالت میں عورت سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ جاؤ یہ دینار بھی تمہارے ہیں اور اب سے کفل بھی کوئی گناہ نہیں کرے گا، اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات میں کفل کا انتقال ہو گیا اور صبح اس کے دروازے پر غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی

دیکھی گئی: غفر اللہ للکفل، یعنی اللہ نے کفل کو بخش دیا ہے۔

ابن کثیر نے یہ روایت مسند احمد کی نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کو صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور اسناد اس کی غریب ہے اور بہرحال اگر روایت ثابت بھی ہے تو اس میں ذکر کفل کا ہے ذوالکفل کا نہیں، یہ کوئی دوسرا شخص معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذوالکفل حضرت یسع نبی کے خلیفہ اور ولی صالح تھے، ان کے خاص محبوب اعمال کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ ان کا ذکر اس آیت میں بزمرہ انبیاء کر دیا گیا اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں معلوم ہوتا کہ شروع میں یہ حضرت یسع کے خلیفہ ہی ہوں پھر حق تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت عطا فرما دیا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا....

یونس علیہ السلام اور ان کی امت:

یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورۂ صافات میں بھی ہے اور سورۂ نون میں بھی ہے۔ یہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے ۔انہیں موصل کے علاقے کی بستی نینوا کی طرف نبی بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ آپ نے اللہ کی راہ کی دعوت دی لیکن قوم ایمان نہ لائی۔ آپ وہاں سے ناراض ہو کر چل دئے اور ان لوگوں سے کہنے لگے کہ تین دن میں تم پر عذاب الٰہی آ جائے گا جب انہیں اس بات کی تحقیق ہوگئی اور انہوں نے جان لیا کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹے نہیں ہوتے تو یہ سب کے سب چھوٹے بڑے مع اپنے جانوروں اور مویشیوں کے جنگل میں نکل کھڑے ہوئے بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا اور بلک بلک کر نہایت گریہ وزاری سے جناب باری تعالیٰ میں فریاد شروع کر دی۔ ادھر ان کی آہ وبکاء ادھر جانوروں کی بھیانک صدا غرض اللہ کی رحمت متوجہ ہوگئی عذاب اٹھا لیا گیا۔ جیسے فرمان ہے: (فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ) (یونس:۹۸) یعنی عذابوں کی تحقیق کے بعد ایمان نے کسی کو نفع نہیں دیا سوائے قوم یونس کے کہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لیے اور دنیا کی رسوائی سے انہیں بچا لیا اور موت تک کی مہلت دے دی۔ حضرت یونس علیہ السلام یہاں سے چل کر ایک کشتی میں سوار ہوئے آگے جا کر طوفان کے آثار نمودار ہوئے ۔قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے مشورہ یہ ہوا کہ کسی آدمی کو دریا میں ڈال دینا چاہیے کہ وزن کم ہو جائے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کا نکلا لیکن کسی نے آپ کو دریا میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ دوبارہ قرعہ اندازی ہوئی آپ ہی کا نام نکلا تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالا اب کی مرتبہ بھی آپ ہی کا نام نکلا۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے: (فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ) (الصافات:۱۴۱) اب کہ حضرت یونس علیہ السلام خود کھڑے ہو گئے کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑے۔ بحر اخضر سے بحکم الٰہی ایک مچھلی پانی کاٹتی ہوئی آئی اور آپ کو لقمہ کر گئی۔ لیکن بحکم اللہ آپ کی ہڈی توڑی نہ جسم کو کچھ نقصان پہنچایا۔ آپ اس کے لئے غذا نہ تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی طرف کی گئی عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ آپ کا غضب وغصہ آپ کی قوم پر تھا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ آپ کو تنگ نہ پکڑے گا پس یہاں نقدر کے یہی معنی حضرت ابن عباس مجاہد ضحاک وغیرہ نے کئے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اس کی تائید: وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ

رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ (الطلاق:۷) سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عطیہ عوفی نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم اس پر مقدر نہ کریں گے قدر اور قدر دونوں لفظ ایک معنی میں بولے جاتے ہیں اس کی سند میں عربی کے شعر کے علاوہ (فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (القمر:۱۲) بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ ان اندھیریوں میں پھنس کر اب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ سمندر کے نیچے کا اندھیرا پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا پھر رات کا اندھیرا یہ اندھیرے سب جمع تھے۔ آپ نے سمندر کی تہہ کی کنکریوں کی تسبیح سنی اور خود بھی تسبیح کرنی شروع کی۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں جا کر پہلے تو سمجھے کہ میں مرگیا پھر پیر کو ہلایا تو یقین ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ وہیں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے بارالٰہی میں نے تیرے لئے اس جگہ کو مسجد بنایا جسے اس سے پہلے کسی نے جائے سجود نہ بنایا ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے قید کا ارادہ کیا تو مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو نگل لے لیکن اس طرح کے نہ ہڈی ٹوٹے نہ جسم پر خراش آئے جب آپ سمندر کی تہہ میں پہنچے تو وہاں تسبیح سن کر حیران رہ گئے وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی اللہ کی تسبیح شروع کردی اسے سن کر فرشتوں نے کہا بارالٰہا! یہ آواز تو بہت دور کی اور بہت کمزور ہے کس کی ہے؟ ہم تو نہیں پہچان سکے۔ جواب ملا کہ یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے اس نے میری نافرمانی کی میں نے اسے مچھلی کے پیٹ کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا پروردگار ان کے نیک اعمال تو دن رات کے ہر وقت چڑھتے ہی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے۔

تفسیر ابن کثیر کے ایک نسخے میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں یونس بن متی سے افضل کہے۔ اللہ کے اس بندے نے اندھیریوں میں اپنے رب کی تسبیح بیان کی ہے۔ اوپر جو روایت گزری اسکی وہی ایک سند ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دعا کی تو یہ کلمات عرش کے اردگرد گھومنے لگے فرشتے کہنے لگے بہت دور دراز کی یہ آواز ہے لیکن کان اس سے پہلے آشنا ضرور ہیں آواز بہت ضعیف ہے۔ جناب باری نے فرمایا کیا تم نے پہچانا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا وہی یونس جس کے پاک عمل قبول شدہ ہر روز تیری طرف چڑھتے تھے اور جن کی دعائیں تیرے پاس مقبول تھیں اے اللہ جیسے وہ آرام کے وقت نیکیاں کرتا تھا تو اس مصیبت کے وقت اس پر رحم کر۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو بغیر کسی تکلیف کے کنارے پر اگل دے۔

استغفار موجب نجات ہے:

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور غم سے نجات دے دی ان اندھیروں سے نکال دیا۔ اسی طرح ہم ایمان داروں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ وہ مصیبتوں میں گھر کر ہمیں پکارتے ہیں اور ہم ان کی دستگیری فرما کر تمام مشکلیں آسان کر دیتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ اس دعائے یونسی کو پڑھیں سید الانبیاء رسول ﷺ فرماتے ہیں مسند احمد ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تھے۔ میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا اور میرے سلام

کا جواب نہ دیا میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ سے آ کر شکایت کی آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلوایا ان سے کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا یہ نہیں کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا ہو۔ اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی پھر کچھ خیال کر کے حضرت عثمانؓ نے توبہ استغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے۔ آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ واللہ مجھے جب وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے حضرت سعدؓ نے فرمایا میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا جو ایک اعرابی آ گیا اور آپ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا، یہ وقت گزرتا گیا اب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ گھر کے قریب پہنچ گئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابو اسحاق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسولؐ! میں ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ دعا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ (الانبیاء: ۸۷) سنو جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے جو بھی حضرت یونس علیہ السلام اس دعا کے ساتھ دعا کرے اس کی دعا ضرور قبول کی جائے گی۔ ابو سعید فرماتے ہیں اسی آیت میں اس کے بعد ہی فرمان ہے ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ کا وہ نام جس سے وہ پکارا جائے تو قبول فرما لے اور جو مانگا جائے وہ عطا فرمائے وہ حضرت یونس بن متی کی دعا میں ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ وہ حضرت یونس کے لئے ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے فرمایا ان کے لئے خاص اور تمام مسلمانوں کے لئے عام جو بھی یہ دعا کرے۔ کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اسے غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم مؤمنوں کو چھڑاتے ہیں۔ پس جو بھی اس دعا کو کرے اس سے اللہ کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کثیر بن سعید فرماتے ہیں میں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابو سعید اللہ کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرما لے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادر زادے کیا تم نے قرآن کریم میں اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا بھتیجے یہی اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

بڑھاپے میں زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگنا، اور ان کی دعا قبول ہونا:

یہ تین آیات ہیں ان میں پہلے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا، ان کا کوئی لڑکا نہ تھا خود بھی بوڑھے تھے اور بیوی بھی

بانجھ تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائے جو میرا وارث ہو۔ میں اکیلا ہوں میرے بعد کوئی دینی امور کا سنبھالنے والا ہونا چاہیے۔ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمایئے جو میرا خلیفہ بن جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں بیٹے کی بشارت دے دی۔

دعا تو اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کر کرلی پھر جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو طبعی طور پر انہیں تعجب ہوا کہ میری اولاد کیسے ہوگی میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے رب کے لیے آسان ہے اس نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تمہارا وجود ذرا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دے دیا اور ان کی بیوی کو قابل ولادت بنا دیا اور بیٹے کا نام یحییٰ تجویز فرما دیا اور اس بیٹے کو نبوت سے سرفراز فرما دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل قصہ سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۴ میں اور سورۂ مریم رکوع نمبر ایک میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرات انبیاء کرام کی تین عظیم صفات:

گزشتہ دو رکوع میں متعدد انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ان کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ (بلاشبہ وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے) دوسری صفت یہ کہ: وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا (اور وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے) اور تیسری صفت یہ کہ: وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ (اور وہ ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے) یہ تین بڑی صفات ہیں۔ تمام اہل ایمان کو ان سے متصف ہونا چاہیے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کریں۔ حسب استطاعت نیک کاموں میں دیر نہ لگائیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ: وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ (اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جو اتنی بڑی ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ سے مانگیں خوب رغبت اور لالچ کے ساتھ مانگیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہیں۔ اپنے اعمال پیش نظر رکھیں۔ ہر دعا کرنے والا اس بات سے بھی ڈرتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال کی خرابی یا آداب دعا کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے دعا قبول نہ ہو۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ رَغَبًا وَّ رَهَبًا دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہوں یعنی راغبین اور راھبین اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ رغبت اور خوف کی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ کسی حالت میں بھی دعا سے غافل نہ ہوتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ (اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے)۔

خشوع قلبی جھکاؤ کو کہتے ہیں۔ پھر جس کا دل جھکا ہوتا ہے اس کے اعضاء میں بھی جھکاؤ ہوتا ہے۔ یعنی ان سے فخر و تکبر کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ جس کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ گئی اس کے قلب میں اور اعضاء و جوارح میں اپنی بڑائی کا کہاں تصور ہو سکتا ہے؟ اور اس کے اعضاء و جوارح میں کیسے اکڑ مکڑ ہو سکتی ہیں، اس میں جو لفظ لَنَا بڑھایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ ذات خداوندی کی عظمت اور کبریائی، مؤمنین اور موقنین کے یقین میں گھلی ملی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ حالت خشوع ہی میں رہتے ہیں۔ نماز میں تو

حضرات انبیائے کرام کے لائے ہوئے اس دین حق کی مخالفت کر رہا ہے جس کو اب قرآن حکیم اور خدا کے آخری رسول اپنی اصل اور کامل شکل میں دنیا کے سامنے اسلام ہی کے اس اصل نام سے پیش فرما رہے ہیں اور ایسے بگڑے ہوئے لوگ اس دین حق کے خلاف طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

خدا کے دین میں تفریق کرنے والوں کے لیے تنبیہ وتذکیر: کہ ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب نے بالآخر ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا تا کہ وہاں پہنچ کر ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ وبدلہ پا سکے۔ اور اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ سو اہل حق اور اصحاب صدق وصفا تو خوشی خوشی آئیں گے تا کہ وہ جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہو سکیں اور اہل زیغ وضلال کو مجبوری اور لاچاری سے آنا پڑے گا تا کہ وہ اپنے کفر وباطل کے نتیجے میں دوزخ کے ہولناک عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔ پس ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے اور اپنا جائزہ خود لے لے کہ وہ کس راہ پر چل رہا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ کیسے انجام اور کس نتیجے کا مستحق ہے۔ اور اپنے بارے میں غور کر کے اپنی اصلاح کر لے قبل اس سے کہ فرصت حیات اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ نہیں تو وہ اپنے اس ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائے۔ بہرکیف اس ارشاد میں جہاں ایک طرف حضرت امام الانبیاء ﷺ اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعی حق کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ آپ ان منکرین ومخالفین کی پرواہ نہ کریں کہ انہوں نے بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے جہاں انہوں نے اپنے کیے کرائے کا پورا پورا بھگتان بہرحال بھگتنا ہے وہیں اس میں دوسری طرف منکرین ومخالفین کے لیے تنبیہ وتذکیر بھی ہے کہ وہ باز آ جائیں اپنی اس باغیانہ روش سے ورنہ اپنے ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ اَیْ جُحُوْدَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۞ بِاَنْ نَّاْمُرَ الْحَفَظَةَ بِكَتْبِهٖ فَنُجَازِيْهِ عَلَيْهِ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اُرِيْدَ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ لَا زَائِدَةٌ يَرْجِعُوْنَ ۞ اَیْ مُمْتَنِعٌ رُجُوْعُهُمْ اِلَى الدُّنْيَا حَتّٰٓى غَايَةٌ لِاِمْتِنَاعِ رُجُوْعِهِمْ اِذَا فُتِحَتْ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ وَيُقَدَّرُ قَبْلَهٗ مُضَافٌ اَیْ سَدُّهُمَا وَذٰلِكَ قُرْبَ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ مُرْتَفِعٍ مِنَ الْاَرْضِ يَّنْسِلُوْنَ ۞ يُسْرِعُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اَیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاِذَا هِيَ اَیِ الْقِصَّةُ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهٖ يَقُوْلُوْنَ لِلتَّنْبِيْهِ يٰوَيْلَنَا هَلَاكُنَا قَدْ كُنَّا فِيْ الدُّنْيَا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا الْيَوْمِ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞ اَنْفُسَنَا بِتَكْذِيْبِنَا الرُّسُلَ اِنَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَوْثَانِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ وَقُوْدُهَا اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۞ دَاخِلُوْنَ فِيْهَا لَوْ كَانَ

هٰؤُلَآءِ الْاَوْثَانُ اٰلِهَةً كَمَا زَعَمْتُمْ مَّا وَرَدُوْهَا دَخَلُوْهَا وَ كُلٌّ مِّنَ الْعَابِدِيْنَ وَالْمَعْبُوْدِيْنَ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٩٩ لَهُمْ لِلْعَابِدِيْنَ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝١٠٠ شَيْئًا لِشِدَّةِ غِلْيَانِهَا وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ الزِّبْعَرٰى عُبِدَ عُزَيْرٌ وَالْمَسِيْحُ وَالْمَلَائِكَةُ فَهُمْ فِى النَّارِ عَلٰى مُقْتَضٰى مَاتَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى وَمِنْهُمْ مَنْ ذُكِرَ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝١٠١ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا صَوْتَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ مِنَ النَّعِيْمِ خٰلِدُوْنَ ۝١٠٢ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَهُوَ اَنْ يُؤْمَرَ بِالْعَبْدِ اِلَى النَّارِ وَ تَتَلَقّٰهُمُ تَسْتَقْبِلُهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ الْقُبُوْرِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝١٠٣ فِي الدُّنْيَا يَوْمَ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهُ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ اِسْمُ مَلَكٍ لِلْكُتُبِ صَحِيْفَةُ ابْنِ اٰدَمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ اَوِ السِّجِلُّ الصَّحِيْفَةُ وَالْكِتَابُ بِمَعْنَى الْمَكْتُوْبِ بِهٖ وَاللَّامُ بِمَعْنٰى عَلٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ لِلْكُتُبِ جَمْعًا كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ عَنْ عَدَمٍ نُّعِيْدُهٗ بَعْدَ اِعْدَامِهٖ فَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُعِيْدُ وَضَمِيْرُهٗ عَائِدٌ اِلٰى اَوَّلَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ وَعْدًا عَلَيْنَا مَنْصُوْبٌ بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ وَهُوَ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ مَا قَبْلَهٗ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝١٠٤ مَا وَعَدْنَا وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ بِمَعْنَى الْكِتَابِ اَيْ كُتُبِ اللّٰهِ الْمُنَزَّلَةِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ بِمَعْنٰى اُمِّ الْكِتٰبِ الَّذِيْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنَّ الْاَرْضَ اَرْضَ الْجَنَّةِ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝١٠٥ عَامٌّ فِيْ كُلِّ صَالِحٍ اِنَّ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَبَلٰغًا كِفَايَةً فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝١٠٦ عَامِلِيْنَ بِهٖ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً اَيْ لِلرَّحْمَةِ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٧ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ بِكَ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اَيْ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ فِيْ اَمْرِ الْاِلٰهِ اِلَّا وَحْدَانِيَّتَهٗ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٠٨ مُنْقَادُوْنَ لِمَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ وَحْدَانِيَّتِهِ الْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْاَمْرِ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ اَعْلَمْتُكُمْ بِالْحَرْبِ عَلٰى سَوَآءٍ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ اَيْ مُسْتَوِيْنَ فِيْ عِلْمِهٖ لَا اسْتَبِدُّ بِهٖ دُوْنَكُمْ لِتَتَاَهَّبُوْا وَ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝١٠٩ مِنَ الْعَذَابِ اَوِ الْقِيٰمَةِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَيْهِ وَاِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّهٗ تَعَالٰى يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ مِنْكُمْ وَمِنْ غَيْرِكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝١١٠ اَنْتُمْ وَغَيْرُكُمْ مِنَ السِّرِّ وَاِنْ مَا اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ اَيْ مَا اَعْلَمْتُكُمْ بِهٖ وَلَمْ يُعْلَمْ وَقْتُهٗ فِتْنَةٌ

اختبار لَكُمْ لِيَرٰى كَيْفَ صُنْعُكُمْ وَمَتَاعٌ تَمْتِيْعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١١١﴾ اَىْ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ وَهٰذَا مُقَابِلٌ لِلْاَوَّلِ
الْمُتَرَجّٰى بِلَعَلَّ وَلَيْسَ الثَّانِىْ مَحِلًّا لِلتَّرَجِّىْ قُلْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ مُكَذِّبِىْ بِالْحَقِّ
بِالْعَذَابِ لَهُمْ اَوِ النَّصْرِ عَلَيْهِمْ فَعُذِّبُوْا بِبَدْرٍ وَاُحُدٍ وَالْاَحْزَابِ وَحُنَيْنٍ وَالْخَنْدَقِ وَنُصِرَ عَلَيْهِمْ وَرَبُّنَا
الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾ مِنْ كِذْبِكُمْ عَلَى اللّٰهِ فِىْ قَوْلِكُمْ اتَّخَذَ وَلَدًا وَعَلَىَّ فِىْ قَوْلِكُمْ سَاحِرٌ وَ ع ١٩
عَلَى الْقُرْاٰنِ فِىْ قَوْلِكُمْ شِعْرٌ

ترجمہ: تو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی محنت بے کار جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں (بایں طور کہ ہم محافظ کاتبین کو حکم دیتے ہیں ان اعمال کے لکھنے کے لیے پھر ہم اس پر ان کو بدلہ دیں گے) ہم جب بستیوں کو فنا کر چکے ہیں ان کے لیے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ لوٹ کر آویں (یعنی دنیا میں ان کی واپسی ممتنع ہے حتی غایت ہے امتناع رجوع کے لیے) یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج (یہ دو قبیلوں کی عجمی نام ہیں اور ان سے قبل مضاف محذوف ہے یعنی سدھما اور یہ قرب قیامت پر ہوگا کہ ان کی دیوار کھل جائے گی اور وہ) کھولدیئے جاویں گے اور وہ ہر بلندی پر سے اترتے ہوئے ہوں گے (دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے یعنی ان کو بلندیاں روک نہ سکیں گی) اور نزدیک آ پہنچا ہوگا سچا وعدہ (یعنی قیامت کا دن) تو بس پھر یکایک یہ حالت ہو جائے گی کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی (اس دن قیامت کی شدت کی وجہ سے اور وہ کہتے ہوں گے) ہائے کم بختی (ہماری بربادی) ہم اس سے غفلت میں تھے (دنیوی زندگی میں) بلکہ ہم ہی قصوروار تھے (کہ ہم نے اپنے نفوس پر ظلم کیے رسولوں کی تکذیب کر کے) بلاشبہ تم (اے اہل مکہ) اور جن بتوں کو خدا کے سوا پوج رہے ہو وہ ایندھن ہے دوزخ کا (اور) تم سب اس میں داخل ہوں گے اگر (یہ تمہارے بت معبود) واقعی ہوتے (جیسا کہ تم نے گمان کیا ہوا ہے) تو اس (جہنم میں کیوں جاتے؟ اور سب (ہی عابدین اور معبودین) اس میں ہمیشہ کو رہیں گے (اور) ان کا اس میں شور وغل ہوگا اور وہاں کسی کی کوئی بات کسی کو سنائی نہ دے گی (چونکہ جہنم بہت زیادہ جوش مارتی ہوگی۔ اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں (یعنی آسمانی کتابوں میں زبور بمعنی الکتاب یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابیں ہیں) لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد (اور اس کو ام الکتاب کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے) کہ میرے نیک بندے اس زمین (جنت) کے مالک ہوں گے (یہ حکم عام ہے تمام صالح بندوں کے لیے) بلاشبہ اس (قرآن) میں کافی مضمون ہے عبادت کرنے والوں کے لیے (کہ جو اس قرآن پر عمل کرتے ہیں) اور ہم نے اے محمد! آپ کو کسی اور شئ کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر (آپ کے ذریعہ) دنیا کے تمام عالم پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لیے (جس میں انسان اور جنات سب داخل ہیں) آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (یعنی میرے پاس متعدد معبودوں کے حق میں کوئی وحی نہیں آئی صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلہ میں وحی آئی ہے تو اب بھی تم لوگ مانتے ہو (جو مجھ پر وحی نازل کی گئی اس کو تسلیم کرتے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہو؟ استفہام بمعنی امر ہے پھر بھی اگر یہ لوگ (اس کو قبول کرنے سے) منہ موڑیں تو آپ فرما دیجئے

کہ میں تم کو نہایت واضح اطلاع کر چکا ہوں (جنگ کی یعنی عذاب الٰہی کی علی سواء فاعل اور مفعول دونوں سی حال ہے یعنی دونوں طرف برابر اس کے متعلق خبر دینے میں ایسا نہیں کہ بعض لوگوں کو اس سے باخبر نہ کیا گیا ہو اور یہ خبر اس وجہ سے ہے تا کہ تم لوگ تیاری کرلو) اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا کہ دور ہے جو تم سے وعدہ ہوا ہے (یعنی عذاب یا قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے بس اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خبر ہے پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی اور جو تم دل میں چھپائے رکھتے ہو اس کی بھی اور اس طرح تم سب کے افعال اور اسرار کی بھی خبر اس کو ہے اور میں نہیں جانتا شاید (کہ جس چیز کی میں نے تم کو خبر دی ہے اور اسکے وقوع کے وقت کی خبر نہیں دے گی تو) تمہارے لیے امتحان ہو (تا کہ یہ دیکھا جاوے کہ تم کیا صورت اختیار کرتے ہو) اور فائدہ پہنچانا ہو ایک وقت تک (یعنی تمہاری مدت حیات کے پورا ہونے تک) یہ کلام بالمقابل ہے اس کلام اول کے جو لعل کے ساتھ مترجّی اور ثانی کلام محل ترجی میں نہیں ہے!) رسولؐ نے باذن الٰہی کہا کہ اے میرے رب (اور ایک قراءت میں ہے) فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق (میرے اور مجھ کو جھٹلانے والے کو درمیان) ان کے حق عذاب یا ان کے مقابلہ میں میری نصرت اور امداد۔ چنانچہ وہ مکذبین غزوۂ احد اور بدر احزاب حنین کے غزوات میں عذاب اور سزا دئے گئے اور آپ کی انکے مقابلہ میں نصرت ہوئی) اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتلاتے ہو (مثلاً تمہارا حق تعالیٰ پر جھوٹ الزام لگانا کہ تم نے یہ بات کہی ''اللہ تعالیٰ نے اولاد تجویز کرلی ہے'' اور تم لوگوں کو مجھ کو ساحر کہنا اور قرآن کو شعر کہنا!

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فَلَا كُفْرَانَ: یعنی ہم اس کی کوشش رائیگاں نہ جانے دیں گے۔

قوله: حَرَامٌ: یہ ممتنع کے معنی ہیں۔

قوله: اَهْلَكْنٰهَا: یعنی ہم نے جن کی ہلاکت کا فیصلہ کردیا انهم مبتداء اور حرام اس کی خبر ہے۔

قوله: غَايَةٌ لِامْتِنَاعِ: یہ لا یرجعون سے متعلق ہے، یعنی قیامت اور اس کی علاقات کے ظہور تک یہ عدم رجوع مستمع رہے گا حتیٰ یہ بعد وکلام کی حکایت کرتا ہے اور محکی جملہ شرطیہ ہے۔

قوله: کطیی: طی لپیٹنے کو کہتے ہیں یہ نشر کی ضد ہے۔

قوله: الکتاب: لفظ کتاب اپنے معنی میں ہے۔

قوله: نُعِيْدُهٗ: کاف اس سے متعلق ہے تشبیہ عدم سے ایجاد میں ہے۔

قوله: اِلٰی اَوَّلَ: کلام میں مضاف مقصود ہے نہ کہ مضاف الیہ۔

قوله: : اور ما مصدریہ ہے کافہ نہیں۔

قوله: وَعْدًا عَلَيْنَا: یعنی وعدے کو پورا کرنا یہ وعدنا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ نعیدہ سے۔

قوله: بِمَعْنٰی الْكِتَابِ: یعنی یہاں کتاب زبور مراد نہیں مراد جنس کتاب ہے۔

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر حبشی زبان میں حطب کو حصب کہتے ہیں یعنی لکڑیاں
بلکہ ایک قراءت میں بجائے حصب کے حطب ہے۔ تم سب عابد و معبود جہنمی ہو اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ اگر یہ سچے معبود ہوتے
کیوں آگ میں جلتے؟ یہاں تو پرستار اور پرستش کئے جانے والے سب ابدی طور پر دوزخی ہو گئے وہ الٹی سانس میں چیخیں گے
جیسے فرمان ہے: فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ (ہود:۱۰۶) وہ سیدھی الٹی سانسوں سے چیخیں گے
اور چیخوں کے سوا ان کے کان میں اور کوئی آواز نہ پڑے گی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب صرف مشرک جہنم میں رہ
جائیں گے انہیں آگ کے صندوقوں میں قید کر دیا جائے گا جن میں آگ کے سریے ہوں گے ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان
ہوگا کہ جہنم میں اس کے سوا اور کوئی نہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن جریر) حسنیٰ سے مراد رحمت و سعادت ہے۔
دوزخیوں کا اور ان کے عذابوں کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں اور ان کی جزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے یہ لوگ باایمان تھے ان کے نیک
اعمال کی وجہ سے سعادت ان کے استقبال کو تیار تھی جیسے فرمان ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ۚ وَلَا يَرْهَقُ
وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (یونس) نیکوں کے لئے نیک اجر ہے اور زیادتی اجر
بھی۔ فرمان ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن) نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ ان کے دنیا کے اعمال نیک تھے تو
آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملا، عذاب سے بچے اور رحمت رب سے سرفراز ہوئے۔ یہ جہنم سے دور کر دیئے گئے کہ اس کی
آہٹ تک نہیں سنتے نہ دوزخیوں کا جلنا وہ سنتے ہیں۔ پل صراط پر دوزخیوں کو زہریلے ناگ ڈستے ہیں اور یہ وہاں ہائے ہائے
کرتے ہیں جنتی لوگوں کے کان بھی اس دردناک آواز سے ناآشنا رہیں گے۔ اتنا ہی نہیں کہ خوف ڈر سے یہ الگ ہو گئے بلکہ
ساتھ ہی راحت و آرام بھی حاصل کر لیا۔ من مانی چیزیں موجود۔ دوامی کی راحت بھی حاضر۔ حضرت علیؓ نے ایک رات اس
آیت کی تلاوت کی اور فرمایا میں اور عمر عثمان اور زبیر اور طلحہ اور عبدالرحمٰن انہی لوگوں میں سے ہیں یا حضرت سعد کا نام لیا رضی اللہ
عنہم۔ اتنے میں نماز کی تکبیر ہوئی تو آپ چادر گھسیٹتے: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے اور روایت میں
ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی ایسے ہی ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں بجلی سے بھی
زیادہ تیزی کے ساتھ پل صراط سے پار ہو جائیں گے اور کافر وہیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ
بزرگان دین ہیں جو اللہ والے تھے شرک سے بیزار تھے لیکن ان کے بعد لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف ان کی پوجا پاٹ
شروع کر دی تھی، حضرت عزیر، حضرت مسیح، فرشتے، سورج، چاند، حضرت مریم، وغیرہ۔ عبداللہ بن زبعری آنحضرت ﷺ کے
پاس آیا اور کہنے لگا تیرا خیال ہے کہ اللہ نے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۚ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝
(الانبیاء) اتاری ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو کیا سورج چاند، فرشتے عزیر، عیسیٰ، سب کہ سب ہمارے بتوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے
؟ اس کے جواب میں: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ (الزخرف:۵۷) اور: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ
لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۱) نازل ہوئی۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے حضور ﷺ ایک دن ولید
بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نضر بن حارث آیا اس وقت مسجد میں اور قریشی بھی بہت سارے تھے نضر بن
حارث رسول اللہ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا لیکن وہ لاجواب ہو گیا آپ نے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ

جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (الانبیاء) تلاوت فرمائی۔ جب آپ اس مجلس سے چلے گئے تو عبداللہ بن زبعری آیا لوگوں نے اس سے کہا آج نضر بن حارث نے باتیں کیں لیکن بری طرح چت ہوئے اور حضرت یہ فرماتے ہوئے چلے گے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو انہیں جواب دیتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں یہود عزیر کو نصرانی مسیح کو تو کیا یہ سب بھی جہنم میں جلیں گے؟ سب کو یہ جواب بہت پسند آیا جب حضور ﷺ سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا جس نے اپنی عبادت کرائی وہ عابدوں کے ساتھ جہنم میں ہے یہ بزرگ اپنی عبادتیں نہیں کراتے تھے بلکہ یہ لوگ تو انہیں نہیں شیطان کو پوج رہے ہیں اسی نے انہیں ان کی عبادت کی راہ بتائی ہے۔ آپ کے جواب کے ساتھ ہی قرآنی جواب اس کے بعد ہی: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ میں اترا تو جن نیک لوگوں کی جاہلوں نے پرستش کی تھی وہ اس سے مستثنیٰ ہو گئے۔

چنانچہ قرآن میں ہے: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی ان میں سے جو اپنی معبودیت اوروں سے منوانی چاہے اس کا بدلہ جہنم ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ (الزخرف:۵۷) اتری کہ اس بات کہ سنتے ہی وہ لوگ متعجب ہو گئے اور کہنے لگے ہمارے معبود اچھے یا وہ یہ تو صرف دھینگا مشتی ہے اور یہ لوگ جھگڑالو ہی ہیں وہ ہمارا انعام یافتہ بندہ تھا اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین فرشتوں کو کر دیتے حضرت عیسیٰ نشان قیامت ہیں ان کے ہاتھ سے جو معجزات صادر ہوئے وہ شبہ والی چیزیں نہیں وہ قیامت کی دلیل ہیں تجھے اس میں کچھ شک نہ کرنا چاہے۔ میری مانتا چلا جا یہی صراط مستقیم ہے ابن زبعری کی جرات دیکھئے خطاب اہل مکہ سے ہے اور ان کی ان تصویروں اور پتھروں کے لئے کہا گیا ہے جنہیں وہ سوائے اللہ کے پوجا کرتے تھے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پاک نفس کے لئے جو غیر اللہ کی عبادت سے روکتے تھے۔
امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لفظ ما جو یہاں ہے وہ عرب میں ان کے لئے آتا ہے جو بے جان اور بے عقل ہوں۔ یہ ابن زبعری اس کے بعد مسلمان ہو گئے تھےؓ یہ بڑے مشہور شاعر تھے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کی دل کھول کر دھول اڑائی تھی لیکن مسلمان ہونے کے بعد معذرت کی۔ موت کی گھبراہٹ، اس گھڑی کی گھبراہٹ جبکہ جہنم پر ڈھکن ڈھک دیا جائے گا جب کہ موت کو دوزخ جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ غرض کسی اندیشے کا نزول ان پر نہ ہوگا وہ ہر غم و ہراس سے دور ہوں گے، پورے مسرور ہوں گے، خوش ہوں گے اور ناخوشی سے کوسوں الگ ہوں گے۔ فرشتوں کے پرے کے پرے ان سے ملاقاتیں کر رہے ہوں گے اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ اسی دن کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا، اس وقت تم قبروں سے اٹھنے کے دن کے منتظر رہو۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ان کو بڑی گھبراہٹ غمگین نہ بنائے گی:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ سے مراد صور کا اخیر نفخہ (دوبارہ صور پھونکنا) ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کی نفخہ اخیرہ سے مراد وہ نفخہ ہے جو دنیا کے اختتام پر ہوگا یعنی نفخہ اولیٰ (جس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مترجم) بعض نے کہا نفخہ بے ہوشی مراد ہے مگر میرے قول میں اور اس قول میں تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے صور کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے (بے ہوش ہو جائیں گے۔ مترجم) مرجائیں گے۔ قرطبی نے اسی کو صحیح کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں صرف دو مرتبہ صور پھونکے جانے کا ذکر ہے ایک نفخہ صعق (یعنی نفخہ موت) دوسرا نفخہ بعث (جس کی وجہ سے سب زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے) ابن عربی نے کہا نفخات تین ہوں گے۔ (۱) نفخہ فزع۔ (۲) نفخہ صعق۔ (۳) نفخہ بعث۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے مطولات میں، ابویعلی نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معید نے کتاب الطاعة والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ صور تین بار پھونکا جائے گا (۱) نفخہ فزع (۲) نفخہ صعق (۳) نفخہ قیام۔ حدیث میں فزع کی جو تشریح آئی ہے ہم سورۃ النمل میں اس کو بیان کریں گے۔

حسن نے کہا فزع اکبر اس وقت ہوگا جب لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریج نے کہا فزع اکبر اس وقت ہوگا جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندا آئے گی اے دوزخ والو دوزخ میں) ہمیشہ رہنا ہے اور موت (بھی) نہیں آئے گی۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ وہ وقت ہوگا جب دوزخ کو اوپر سے سربند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سرپوش اس وقت بند کیا جائے گا جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہوگا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔

وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یعنی وہ جب قبروں سے نکل کر (جنت کی طرف) جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور مبارکباد دیتے ہوئے کہیں گے۔

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ اسی ثواب کا دن ہے جس کا آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ ....

قیامت کے دن آسمان کا لپیٹا جانا، جس طرح ابتدائے آفرینش ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کیے جائیں گے:

گزشتہ آیات میں مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے دوزخ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا اور ان حضرات کے اہل جنت ہونے کا ذکر تھا جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔ ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ کہ انہیں بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور یوں کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ چونکہ ان چیزوں کا تعلق وقوع قیامت سے ہے اس لیے اس کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کا واقع کرنا ہمارے لیے معمولی سی بات ہے۔ تمہاری نظروں کے

سامنے سب سے بڑی چیز آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اسی کو فرمایا کہ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے مضمون لکھی ہوئی کتاب کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ جس طرح لکھنے والے کاغذ کو لپیٹ دیتے ہیں ہم اسی طرح آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جب آسمان کا یہ حال ہوگا تو دوسری مخلوق کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

هذا على احد الاقوال فى معنى السجل و الكتاب، و فى الدر المنثور، ص ٣٤٧، ج ٤، عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما كطى الصحيفة "على الكتاب" الدال على المكتوب۔

دوسری آیات میں آسمان کے پھٹنے کا اور رنگی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہو جانے کا ذکر ہے۔ یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے۔ پہلے لپیٹ دیا جائے پھر وہ پھٹ جائے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والے جو یہ سوال اٹھاتے تھے کہ دوبارہ کیسے زندہ کیے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ (جس طرح ہم نے مخلوق کی پہلی بار ابتدا کی تھی ہم اس طرح لوٹا دیں گے) یہ بات عجیب ہے کہ پہلی بار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا منکرین بعث اس کو مانتے ہیں اور دوبارہ پیدا کیے جانے کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جیسے پہلے پیدا فرمایا پھر اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ سمجھ کی بات تو یہ ہے کہ جس نے بے مثال تخلیق کر دی اسے دوبارہ پیدا کرنے میں اور زیادہ آسانی ہونی چاہیے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے ابتدا اور اعادہ دونوں برابر ہیں۔ پھر دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیوں ہے؟

وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں) کوئی مانے یا نہ مانے قیامت آئے گی، فیصلے ہوں گے۔ جنتی جنت میں، دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ذکر یعنی لوح محفوظ کے بعد آسمانی کتابوں میں ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات لوح محفوظ میں اور آسمانی کتابوں میں لکھ دی اور بتا دی ہے کہ زمین کے وارث صالحین ہوں گے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہی ہیں:

آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورۂ توبہ میں آپ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انما انا رحمت مهداة)) (یعنی میں اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں۔) ایک حدیث میں ارشاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ((ان الله تعالىٰ بعثنى رحمة للعالمين و هدى للعالمين و امرنى ربى بمحق المعازف و المزامير والاوثان و الصليب وامر الجاهلية)) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا، حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنات ہدایت پا چکے ہیں۔ ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی، توحید کی روشنی پھیلی جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۸۴، ج ۱)

یہ اللہ کی یاد آپ ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عالم کے لیے آسمانوں کے اور زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جب تک علوم نبوت کے مطابق دنیا میں اعمال موجود ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ اگر یہ نہ ہوں تو قیامت آ جائے۔ اس لیے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کیا آج تیرے اوپر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو۔ اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گزرا تھا تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔ (ذکرابن الجزری فی الحصن الحصین) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مؤمن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔ مجموعہ عالم میں آسمان، زمین، چرند پرند، چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سبھی ہیں۔ قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمت للعالمین ﷺ سے ملی ہے۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لیے رحمت ہوگی جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرامؑ کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آ جاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کر دی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا۔ وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ مشرکین کے لیے بددعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ((انی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمة)) (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

فرمایا میں تمہارے لیے باپ ہی کی طرح ہوں۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً ایسی جگہ نہ ہو، جہاں سے چھینٹے اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲) نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح) کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔ اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آ جائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں۔ اس شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی۔ جب چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آ کر گرنے لگے۔ وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری ومسلم) سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ (سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ﷺ ان کو معاف فرما دیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجیے۔ پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو آپ اللہ پر توکل کیجیے۔ بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں)۔

آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہ جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں، جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے ہیں، حضرت سعدی نے کیا اچھا فرمایا۔

کس نہ بیند کہ کاروان حجاز
برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتداء نہ کرتا اور جس

سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہو۔ حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہوگیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو۔ اگر کوئی چیز اللہ کے قضا وقدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی۔ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری ومسلم) آپ نے فرمایا کہ مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہیے جیسے ایک ہی جسم ہو۔ جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بدبخت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳)

امت محمدیہ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت وشفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں رحمت وشفقت کا مظاہرہ کریں۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ (پیغمبر ﷺ نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجیے اور ہمارا رب رحمٰن ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو) یہ سب باتیں بیان کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ دشمنان اسلام کے سامنے کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے اپنے بارے میں یہ سمجھ لیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ حق اور باطل فیما بین العباد فیصلہ سامنے لانے کے لیے غزوۂ بدر پیش آیا جس میں بڑے بڑے کفر کے سرغنے مارے گئے جو خود یہ دعا کر کے چلے تھے کہ اے اللہ ہمارا اور محمد (رسول اللہ ﷺ) کا مقابلہ ہے جو حق پر ہو اسے غالب کر۔ کما مر فی تفسیر قوله تعالیٰ: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ (الانفال: ۱۹) اسی لیے غزوۂ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ داعی اسلام ﷺ اور ان کے ساتھی نیست ونابود ہوجائیں جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ دین اسلام ختم ہوجائے۔ اس کی دعوت دینے والا، اس کا نام لینے والا کوئی نہ رہے۔ ان کی اس خواہش کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جو باتیں کہتے ہو اور ہمارے خلاف جو ارادے رکھتے ہو اس کے مقابلہ میں ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ رحمٰن ہے ہم پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا اور کافر اور ان کے ارادے نیست ونابود ہوگئے۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْحَجِّ ۲۲ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳　　آیاتها ۷۸

سورۂ حج مدینہ میں نازل ہوئی　　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　　اور اس کی

يَآيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اَىْ عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ اَىْ
الشَّدِيْدَةَ لِلْاَرْضِ الَّتِىْ يَكُوْنُ بَعْدَهَا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا الَّذِىْ هُوَ قُرْبُ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ
فِىْ اِزْعَاجِ النَّاسِ هُوَ نَوْعٌ مِنَ الْعِقَابِ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ بِسَبَبِهَا كُلُّ مُرْضِعَةٍ بِالْفِعْلِ عَمَّا اَرْضَعَتْ
تَنْسَاهُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ اَىْ حُبْلٰى حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ وَمَا هُمْ
مِنَ الشَّرَابِ وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (۲) فَهُمْ يَخَافُوْنَهٗ وَنَزَلَ فِى النَّضْرِ ابْنِ الْحَارِثِ وَجَمَاعَةٍ
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ قَالُوْا الْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ وَالْقُرْاٰنُ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَاَنْكَرُوا
وَاِحْيَاءَ مَنْ صَارَ تُرَابًا وَّيَتَّبِعُ فِى جداله كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ (۳) اَىْ مُتَمَرِّدٍ كُتِبَ عَلَيْهِ قُضِىَ عَلَى اللّٰهِ
اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ اَىِ اتَّبَعَهٗ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ يَدْعُوْهُ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (۴) اَىِ النَّارِ يَآيُّهَا النَّاسُ اَىْ
مَكَّةَ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ شَكٍّ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ اَىْ اَصْلَكُمْ اٰدَمَ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ خَلَقْنَا ذُرِّيَّتَهٗ
نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ وَهِىَ الدَّمُ الْجَامِدُ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ وَهِىَ لَحْمَةٌ قَدْرَ مَا يُمْضَغُ
مُصَوَّرَةٍ تَامَّةِ الْخَلْقِ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اَىْ غَيْرِ تَامَّةِ الْخَلْقِ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ كَمَالَ قُدْرَتِنَا لِتَسْتَدِلُّوْا
اِبْتِدَاءِ الْخَلْقِ عَلٰى اِعَادَتِهٖ وَنُقِرُّ مُسْتَانِفٌ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَقْتَ خُرُوْجِهٖ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ
مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ طِفْلًا بِمَعْنٰى اَطْفَالًا ثُمَّ نُعَمِّرُكُمْ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ اَىِ الْكَمَالَ وَالْقُوَّةَ
بَيْنَ الثَّلَاثِيْنَ اِلَى الْاَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى يَمُوْتُ قَبْلَ بُلُوْغِ الْاَشُدِّ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى

الْعُمُرِ اَخسنه مِنَ الْهَرَمِ وَالْخَرْفِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ قَالَ عِكْرِمَةُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَصِرْ
بِهٰذِهِ الْحَالَةِ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً يابسة فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تحَرَّكَتْ وَرَبَتْ اِرْتَفَعَتْ
وَزَادَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ زَائِدَةٍ كُلِّ زَوْجٍ صِنْفٍ بَهِيْجٍ ۝۵ حَسَنٍ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنْ بَدْأِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ اِلٰى
اٰخِرِ اِحْيَاءِ الْاَرْضِ بِاَنَّ بِسَبَبِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ الدَّائِمُ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ شَكَّ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَنَزَلَ فِي اَبِيْ جَهْلٍ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّ مَعَهٗ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ لَهٗ نُوْرٌ مَعَهٗ ثَانِيَ عِطْفِهٖ حَالٌ اَيْ لَاوِيْ
عُنُقِهٖ تَكَبُّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ وَالْعِطْفُ الْجَانِبُ عَنْ يَمِيْنٍ اَوْ شِمَالٍ لِيُضِلَّ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ
دِيْنِهٖ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ عَذَابٌ فَقُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ اَيِ الْاِحْرَاقِ بِالنَّارِ وَ
يُقَالُ لَهٗ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ اَيْ قَدَّمْتَهٗ عُبِّرَ عَنْهُ بِهِمَا دُوْنَ غَيْرِهِمَا لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا وَاَنَّ
اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اَيْ بِذِيْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ
ع ۱۰ / ۸

ترجمہ: اے لوگو! اے اہل مکہ اور دوسرے لوگو! اپنے رب (کے عذاب) سے ڈرو (بایں طور کہ اس کی اطاعت اختیار کرو) بیشک قیامت کا زلزلہ (زمین کی سخت ترین حرکت اور یہ زلزلہ سورج کی جانب مغرب کے طلوع کے بعد ہوگا اور یہ طلوع قرب قیامت کی علامت ہے) بڑی بھاری چیز ہوگی (لوگوں کو اپنی جگہ سے نکال باہر کرنے میں) اور وہ بھی ایک قسم کا عذاب ہے جس روز تم لوگ اس زلزلہ کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں (اس کی وجہ سے) اپنے دودھ پیتے (بچہ) شدت خوف سے بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور تجھ کو (اے مخاطب) لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے (شدت خوف کی وجہ سے) حالانکہ وہ (شراب کے) نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی سخت چیز ہے (جس وجہ سے لوگ اس سے ڈریں گے آئندہ آیات کا نزول نضر بن حارث اور ایک جماعت کے حق میں ہوا ہے) اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے (ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کریم کو پہلے لوگوں کے افسانے اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے اور مٹی ہو جانے پر زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہوئے!) اور وہ ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس کے حق میں لکھ دیا گیا (شیطان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکائے اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دیگا! اے لوگوں اے اہل مکہ! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے تم کو (یعنی تمہاری اصل حضرت آدم) مٹی سے بنایا پھر (حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو منی کے) نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے (اور یہ جامد خون ہوتا ہے) پھر بوٹی سے (وہ گوشت کا ٹکڑا جس کو چبایا جا سکتا ہے (کہ جس کی تصویر خلقی) پوری ہوتی ہے اور (بعض کی تصویر خلقی) ادھوری بھی (ہوتی

ہے کہ اعضاء ناقص ہوتے ہیں) تاکہ ہم تمہارے سامنے ظاہر کردیں (اپنی کمال قدرت کو جس سے تم اس کے ذریعہ اندازہ
کرلو اپنے اعادہ پر) اور ہم رحم (مادر) میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین خروج کے وقت ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو
بچہ کر (تمہاری ماؤں کے پیٹ سے) باہر لاتے ہیں پھر (ہم تم کو عمر دیتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچ جاؤ
اور یہ وہ عمر ہے کہ تیس سے چالیس سال کی درمیانی مدت ہے) اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں (جوانی کی عمر کو
پہنچنے سے قبل) اور بعضے میں تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں (زیادہ عمر ہو جانے اور فساد عقل کی وجہ سے) جس کا
اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں (حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن پڑھا ہے اس کی
حالت نہ ہوگی ببرکت قرآن کریم!) اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ
ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے! یہ (مذکورہ امور انسانی پیدائش کے ابتدائی حالات سے احیاء زمین
تک سب ہی) اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل (ثابت ودائم) ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہ
ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کریگا یہ آیات
ابوجہل کے متعلق نازل ہوئیں اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل اور
بدون کسی روشن کتاب کے (کہ جو ان کے پاس موجود ہو) جھگڑا کرتے ہیں اپنی کروٹ موڑ کر) متکبرانہ انداز کے ساتھ ایمان
سے اعراض کرتے ہوئے عطف کے معنی داہنی یا بائیں کروٹ اور یہ اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں
یہ پر فتحہ اور ضمہ دونوں ہیں) ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے (عذاب دنیوی چنانچہ غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا) اور قیامت کے
دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے (اور ان کو کہا جائے گا) کہ یہ تیرے ہاتھ کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ
بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (کہ ان کو بغیر گناہ کے عذاب دیں! چونکہ اکثر افعال کا اکتساب بذریعہ
اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی کرتا ہے اس لیے اسی کے ساتھ کیا جانا فرمایا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلَّتِيْ يَكُوْنُ بَعْدَهَا: اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو مغرب سے سورج کے طلوع ہونے سے ذرا پہلے آئے گا۔ قیامت کی
طرف نسبت اس لئے ہے کہ یہ اس کی اشراط سے ہے۔ عَظِيْمٌ یعنی خوفناک۔

قوله: بِسَبَبِهَا: یہ اس کے خوف کی تصویر ہے نہ کہ تحقیق۔ مُرْضِعَةٍ جو فی الحال دودھ پلا رہی ہو۔ مرضع جو دودھ پلا سکتی ہو۔

قوله: عَمَّا: کاما موصولہ ہے۔ حَمْلَهَا سے پیٹ کا بچہ مراد ہے۔

قوله: سُكٰرٰى: حقیقت نہیں گویا کہ وہ نشے میں ہوں یہ مفعول کا حال ہے۔ اس سے تشبیہ کا اعتبار بھی ضروری ہے۔

قوله: مرید: خالص فسادی۔

قوله: كَمَالَ قُدْرَتِنَا: نبین کا مفعول اس طرف اشارہ کیلئے حذف کیا کہ ان افعال میں اس کی قدرت وحکمت غیر محیط ہے۔

قولہ: مستانف: نقر یہ جملہ مستانفہ ہے۔ نبین پر عاطفہ نہیں۔
قولہ: اَطْفَالًا: اشارہ کیا کہ طفلا جمع کے معنی میں ہے تا کہ ذوالحال سے مطابقت ہو جائے۔
قولہ: الْاَشُدِّ: جمع شدۃ جیسے انعم جمع نعمۃ گویا وہ امور میں سخت ہے۔
قولہ: مِنَ الْهَرَمِ: یہ انتہائی بڑھاپے کو کہتے ہیں اور خرف جس کی عقل بگڑ جائے۔
قولہ: تحرکت: یعنی بانباتات کے ذریعہ حرکت میں آتی ہے زادت، پھولنا۔
قولہ: ذٰلِكَ: المذکور یہ مبتداء ہے اور بان خبرہ۔ الثابت جس کے ذریعہ اشیاء ثابت ہوں۔
قولہ: يُحْيِ الْمَوْتٰى: ورنہ نطفہ اور مردہ زمین زندہ نہ ہوتی۔
قولہ: عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: اس کی قدرت ذاتی ہے، بقیہ مخلوق کی طرف اس کی نسبت برابر ہے۔
قولہ: شک: یہ تعیرات منقطع ہونے کے مقدمات سے ہے۔
قولہ: مَنْ فِي الْقُبُوْرِ: اس وعدہ کے مطابق جس میں تخلف نہیں۔
قولہ: :اس میں تاکید کی تکریر ہے۔
قولہ: بِغَيْرِ عِلْمٍ: علم سے یہاں فطرتی علم مراد ہے۔
قولہ: لِيُضِلَّ: ہدایت سے ایسا اعراض کہ جس میں باطل جدال کی طرف اس کی توجہ کامل ہے، تو یہی ہدایت سے گمراہی کی طرف نکلنا ہے۔
قولہ: الحریق: یہ احراق مصدر کے معنی میں ہے۔
قولہ: ظلم: یعنی ظلم والا مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت ہوگا:

یہاں سے سورۃ الحج شروع ہو رہی ہے۔ اس کے چوتھے پانچویں رکوع میں حج اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان ہے۔ اس لیے سورۃ الحج کے نام سے موسوم ہے۔ پہلے رکوع میں قیامت کا بیان ہے اور جو لوگ قیامت کے وقوع کو مستبعد یا ناممکن سمجھتے تھے یا اب سمجھنے والے ہیں ان کے جاہلانہ استبعاد کا جواب دیا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو، ڈرنے کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرو۔ ان تقاضوں میں سے اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لانا بھی ہے اور فرائض کی ادائیگی بھی ہے اور ممنوعات سے بچنا بھی ہے۔ اور قیامت کے آنے کا بھی یقین کرو۔ اس کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جب اس کا زلزلہ آئے گا اس وقت کی پریشانی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ دودھ پلانے والی اس کی سختی کی وجہ سے دودھ پلاتے بچہ کو بھول جائے

گی اور حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ اس حالت میں ہوں گے کہ گویا نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ اللہ کے عذاب کی سختی کی وجہ سے جو ہیبت سوار ہوگی اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے ان پر نشہ سوار ہے۔ آیت بالا میں جو قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے، یہ زلزلہ کب ہوگا۔ اس کے بارے میں حضرت علقمہ اور حضرت شعبی وغیرہما سے منقول ہے کہ اس سے وہ زلزلہ مراد ہے جو ایسے وقت میں آئے گا جب قیامت بہت ہی زیادہ قریب ہو چکی ہوگی اور یہ زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہوگا۔ ان حضرات نے یہ اس لیے فرمایا کہ عین وقوع قیامت کے وقت جو عورتیں قبروں سے نکلیں گی ان کے ساتھ دودھ پیتے بچے ہوں یا پیٹوں میں حمل ہوں۔ یہ بات کسی واضح دلیل سے ثابت نہیں اور چونکہ قیامت سے پہلے زلزلہ آنے کا روایات حدیث میں ذکر ہے اس لیے آیت بالا میں وہی زلزلہ مراد لینا چاہیے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے۔ کیونکہ جب قیامت ہوگی اس وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ جیسا کہ سورۃ زلزال کی پہلی آیت میں فرمایا اور جیسا سورۃ النازعات میں فرمایا: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ الراجفہ سے نفخہ اولیٰ مراد ہے۔ جس سے چھوٹے بڑے اجسام حرکت میں آ جائیں گے اور الرادفۃ سے دوسرا نفخہ مراد ہے۔ (ذکرہ البخاری فی ترجمۃ باب ج۲،ص۹۶۰) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا: (اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا) (جبکہ زمین کو زلزلہ آ جائے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے) اس سے بھی واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ وقوع قیامت کے وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ اس قول کے اختیار کرنے میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی کہاں ہوں گی اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ یہ علی سبیل الفرض والتقدیر ہے۔ یعنی قیامت کے واقع ہونے سے دلوں پر ایسی سخت دہشت اور ہیبت سوار ہوگی کہ اگر عورتوں کے پیٹوں میں بچے ہوں گے تو ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور اگر عورتوں کی گودوں میں ایسے بچے ہوں جنہیں دودھ پلاتی ہوں تو وہ انہیں بھول جائیں اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے جو عورت حالت حمل میں مری ہو اسی حالت میں حشر ہو اور جس عورت کو دودھ پلانے کے زمانہ میں موت آئی ہو وہ اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ محشور ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ زلزلہ بمعنی حرکت ارضی مراد نہیں ہے بلکہ اس وقت کی بدحالی اور گھبراہٹ کو زلزلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بات بھی بعید نہیں کیونکہ قرآن مجید میں لفظ زلزال سخت مصیبت کی گھڑی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں اہل ایمان کا ابتلا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: (هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا) اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری ص ۹۶۶ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ اے آدم! وہ عرض کریں گے (لبیک و سعدیک و الخیر فی یدیک) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ اپنی ذریت سے دوزخ کا حصہ نکال لو۔ وہ عرض کریں گے کہ کتنا حصہ ہے۔ ارشاد ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے نکالو۔ یہ بات سن کر بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اپنے حمل کو ڈال دے گی اور اے مخاطب تو لوگوں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ بات سن کر حضرات صحابہ کو بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر ہزار میں سے جنت کے لیے ایک شخص لینے سے ہمارا کیا حال بنے گا۔ ہم میں سے وہ کون کون شخص ہوگا جو جنتی ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پورے بنی

آدم کا حساب ہے۔ تم لوگ خوش ہو جاؤ کیونکہ یا جوج ماجوج کی تعداد زیادہ ہے کہ ان میں سے ایک ہزار کے مقابلہ میں تم میں سے ایک شخص آتا ہے (اور وہ بھی بنی آدم میں سے ہیں) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم پوری جنت کے آباد کرنے والوں میں تہائی افراد ہوگے۔ اس پر ہم نے اللہ کی حمد بیان کی اور اللہ کی بڑائی بیان کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی آدھی تعداد ہوگی۔ پھر فرمایا کہ ساری امتیں ملا کر تعداد کے اعتبار سے تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید بال کالے بیل کی کھال میں یا جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں ذرا سا گول دائرہ ہو۔

اس میں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتیں ہوں گی اس کے وہی دو جواب ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں۔ (کماذکرھاشراح الحدیث)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝

مفسر ابن کثیر نے سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں بتائیے کہ آپ کا رب سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا۔ اس پر آسمان میں ایک گرج پیدا ہوئی اور اس شخص کی کھوپڑی گر کر سامنے آ گئی۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اس طرح کا سوال کیا جس پر بجلی آئی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اس قسم کے سوال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو بے علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔ شیطان جو کچھ انہیں سمجھا دیتا ہے اسے مان لیتے ہیں اور شیطان جو سوالات سمجھاتا ہے ان سوالات کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔ سوال کرنے والوں نے باطل معبودوں یعنی بتوں کو دیکھا تھا جو مختلف چیزوں سے بنائے جاتے ہیں۔ انہیں پر قیاس کر کے یہ سوال کر بیٹھے کہ تمہارا رب کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ جہالت کے ماروں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ باطل معبود جو خود تراشے ہیں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ان پر خالق کائنات جل مجدہ کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ شیطان نے جب انہیں ایسا سمجھایا تو رسول اللہ ﷺ سے بے جا سوال کر بیٹھے۔ یہ لوگ شیطان سے دوستی کرتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں اور شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ جو بھی کوئی اس سے دوستی کرے گا اس کی بات مانے گا، وہ اس دنیا میں اسے گمراہ کر دے گا اور آخرت میں اسے دہکتی ہوئی آگ کے عذاب میں داخل کرانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ شیطان خود بھی گمراہ ہے اسے خود بھی دوزخ میں جانا ہے اور جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا۔ گمراہ کی دوستی سے گمراہی اور گناہ کے سوا کچھ اور نہیں ملتا۔ جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا اور اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ ...

وقوع قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا تذکرہ:

جو لوگ بعث کا یعنی مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے وقوع میں انہیں شک تھا

(اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں) ان کے شبہات میں سے ایک یہ شبہ تھا کہ جب مرکھپ گئے جسم ریزہ ریزہ ہوگیا تو اب زندہ ہونا، جسموں میں جان پڑنا، پورا آدمی بن کر کھڑا ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمہارا شک اور استبعاد غلط ہے اور بیجا ہے۔ تم دوبارہ اٹھائے جانے کو پہلی خلقت پر قیاس کرلو۔ دیکھو پہلے تمہارا وجود ہی نہیں تھا۔ اول تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ان کا مٹی کا مجسمہ بنایا۔ پھر اس مجسمہ میں روح پھونک دی۔ اس کے بعد ہم نے اولادِ آدم کی پیدائش میں ایک ترتیب قائم کی اور اسی ترتیب سے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں کہ اول مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے پھر یہ نطفہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اس میں تھوڑی سی قوت آتی ہے تو وہ بوٹی بن جاتا ہے یعنی جو اس لائق ہوجاتا ہے کہ اسے چبایا جاسکے۔ اور اس بوٹی کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلے تو صرف ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کوئی عضو بنا ہوا نہیں ہوتا۔ (اس کو غیر مخلقہ سے تعبیر فرمایا) پھر اس میں اعضاء بن جاتے ہیں اور انسانی شکل وصورت ظاہر ہوتی ہے (اس کو مخلقہ سے تعبیر فرمایا) اور اعضاء بننے کے ساتھ ہی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ رحم میں پرورش ہوتی رہتی ہے اور جسم بڑھتا رہتا ہے۔ رحم میں رہنے کی بھی مدت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو جتنے دن چاہتا ہے ماں کے رحم میں رکھتا ہے۔ اسی کو فرمایا: (وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا) (اپنی مشیت کے موافق ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں) پھر رحم میں رہنے کی مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد ہم تمہیں زندہ بچہ کی صورت میں نکال دیتے ہیں۔

رحم سے باہر آنے کے بعد آگے مزید احوال سے گزرتا ہوتا ہے بچپن کا زمانہ گزرتا ہے۔ حتیٰ کہ جوانی آجاتی ہے اس کو فرمایا: ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ (پھر تاکہ تم اپنی قوت کو پہنچ جاؤ) جسمانی طاقت عقل وفہم کی قوت اور سوچ سمجھ کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ اٹھارہ سال سے لے کر تیس سال تک کا ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے تیس سال سے لے کر چالیس سال کی درمیانی عمر مراد ہے۔ (واختارہ فی الجلالین) سورۂ غافر میں (ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا) بھی فرمایا ہے (پھر تاکہ تم بوڑھے ہوجاتے ہو) باپ کے نطفے سے لے کر بوڑھا ہونے تک ان کے احوال سے تدریجاً گزرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب پر یہ پورے احوال گزریں۔

جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے مطابق ہوتا ہے۔ لوگ بعض پہلے ہی اٹھا لیے جاتے ہیں اور جوانی کا زمانہ آنے سے پہلے ہی انہیں موت آجاتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بڑھاپا آنے کے بعد بھی عمر بڑھتی جاتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ نکمی عمر کا زمانہ آجاتا ہے۔ یہ نکمی عمر ایسی ہوتی ہے جس میں انسان کا علم ختم ہوجاتا ہے۔ پہلے سے جو چیزیں اس کے علم میں تھیں وہ بھی ذہن سے غائب ہوجاتی ہیں۔ بس یوں ہی بھوک پیاس کی تھوڑی سی شدھ بدھ رہ جاتی ہے۔ یہ سب اطوار اور احوال سب کے سامنے ہیں۔ جس ذات پاک نے مٹی سے تخلیق فرمائی پھر مختلف احوال سے گزارا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت دے کر ہڈیوں کو ریزہ ریزہ بنا کر دوبارہ جسم مرکب فرمادے اور اس میں جان ڈال کر قبروں سے اٹھائے اور پھر میدان قیامت میں جمع فرما کر محاسبہ اور مواخذہ فرمائے۔ مُخَلَّقَةٍ اور غیر مخلقہ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔ اور بعض مفسرین نے مخلقہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ بچہ پورا ہوکر زندہ پیدا ہوجائے اور غیر مخلقہ کا یہ مطلب لیا ہے کہ بچہ پورا ہونے سے پہلے ضائع

ہو جائے جسے حمل گرنا کہتے ہیں اور غیر مخلقہ کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بچہ ناقص الاطراف زندہ پیدا ہو جائے

الفاظ سے یہ معنی بھی قریب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد چالیس دن علقہ یعنی جما ہوا خون رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے عمل اور اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ شقی ہے یا سعید ہے۔ (رواہ البخاری)

قرآن مجید میں جو انسانی تخلیق کے ادوار اور اطوار بتائے ہیں ان کے بارے میں حدیث شریف میں بتا دیا کہ چالیس چالیس دن تک ایک ایک حالت رہتی ہے۔

قبروں سے زندہ اٹھائے جانے کے استبعاد کو تخلیق اول کی یاد دہانی کی تذکیر فرمانے کے بعد (کہ جس طرح پہلے پیدا فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا فرمادے گا) دوسری نظیر بیان فرمائی کہ دیکھو زمین خشک ہو جاتی ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی سبزی نظر نہیں آتی۔ نہ گھاس نہ دانہ۔ بالکل مردہ پڑی رہتی ہے۔ پھر ہم اس پر بارش نازل فرمادیتے ہیں تو اس میں ہری بھری گھاس نکل آتی ہے۔ بیل بوٹے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو زمین صرف مٹی تھی اب وہ بڑھ رہی ہے۔ اوپر کو اٹھ رہی ہے اور اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے نکل رہے ہیں۔ جس طرح سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح سے ہم انسانوں کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ سورۂ حم سجدہ میں فرمایا: (وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ) (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ سوکھی ہوئی پڑی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور اوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

یہاں سورۃ الحج میں بھی آیت کے ختم پر یہی فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (یہ انسان کی ابتدائی تخلیق اور اس کے تدریجی ادوار اور زمین کا سوکھنا پھر اللہ کے حکم سے ہرا بھرا ہو جانا یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ اَیْ شَكٍّ فِیْ عِبَادَتِهٖ شُبِّهَ بِالْحَالِ عَلٰی حَرْفِ جَبَلٍ فِیْ عَدَمِ ثَبَاتِهٖ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ صِحَّةٌ وَ سَلَامَةٌ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ مِحْنَةٌ وَ سُقْمٌ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ۚ اَیْ رَجَعَ اِلَی الْكُفْرِ خَسِرَ الدُّنْیَا بِفَوَاتِ مَا اَمَلَهٗ مِنْهَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ بِالْكُفْرِ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝ الْبَیِّنُ یَدْعُوْا یَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنَ الصَّنَمِ مَا لَا یَضُرُّهٗ اِنْ لَّمْ یَعْبُدْهُ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ ؕ اِنْ

عَبَدَهُ ذٰلِكَ الدُّعَاءُ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ عَنِ الْحَقِّ يَدْعُوْا لَمَنْ اَللَّامُ زَائِدَةٌ ضَرُّهٗٓ لِعِبَادَتِهِ اَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ
اِنْ نَفَعَ بِتَخَيُّلِهِ وَ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى هُوَ اَيِ النَّاصِرُ وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اَيِ الصَّاحِبُ هُوَ وَعَقَبَ ذِكْرَ الشَّاكِّ
بِالْخُسْرَانِ بِذِكْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالثَّوَابِ فِيْ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الْفُرُوْضِ وَالنَّوَافِلِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مِنْ اِكْرَامِ مَنْ يُطِيْعُهٗ وَاِهَانَةِ مَنْ يَعْصِيْهِ مَنْ كَانَ
يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ اَيْ مُحَمَّدًا نَبِيَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ بِحَبْلٍ اِلَى السَّمَاۤءِ اَيْ سَقْفِ بَيْتِهِ
يَشُدُّهُ فِيْهِ وَفِيْ عُنُقِهِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ اَيْ لِيَخْتَنِقْ بِهِ بِاَنْ يَقْطَعَ نَفَسَهُ مِنَ الْاَرْضِ كَمَا فِي الصِّحَاحِ فَلْيَنْظُرْ هَلْ
يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ فِيْ عَدَمِ نُصْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ مِنْهَا الْمَعْنٰى فَلْيَخْتَنِقْ غَيْظًا مِنْهَا
فَلَا بُدَّ مِنْهَا وَكَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ اِنْزَالِنَا الْاٰيٰتِ السَّابِقَةِ اَنْزَلْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنَ الْبَاقِيَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ ظَاهِرَاتٍ حَالٌ
وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَدَاهُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى هَاءِ اَنْزَلْنَاهُ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَ
الصّٰبِئِيْنَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِاِدْخَالِ
الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ وَغَيْرِهِمُ النَّارَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مِنْ عَمَلِهِمْ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ عَالِمٌ بِهِ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ اَلَمْ تَرَ
تعلم اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ
اَيْ يَخْضَعُ لَهٗ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِزِيَادَةٍ عَلَى الْخُضُوْعِ فِيْ سُجُوْدِ
الصَّلٰوةِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَهُمُ الْكَافِرُوْنَ لِاَنَّهُمْ اَبَوُا السُّجُوْدَ الْمُتَوَقِّفَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يُّهِنِ
(سجدة) اللّٰهُ يُشْقِهِ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ مُسْعِدٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۤءُ ﴿۱۸﴾ مِنَ الْاِهَانَةِ وَالْاِكْرَامِ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اَيِ
الْمُؤْمِنُوْنَ خَصْمٌ وَالْكُفَّارُ الْخَمْسَةُ خَصْمٌ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْجَمَاعَةِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ اَيْ
فِيْ دِيْنِهِ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يَلْبَسُوْنَهَا يَعْنِيْ اُحِيْطَتْ بِهِمُ النَّارُ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ
رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ اَلْمَاءُ الْبَالِغُ نِهَايَةَ الْحَرَارَةِ يُصْهَرُ بِهٖ يُذَابُ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ مِنْ شُحُوْمٍ وَغَيْرِهَا
وَتُشْوٰى بِهِ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ لِضَرْبِ رُءُوْسِهِمْ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اَيِ النَّارِ

مِنْ غَمٍّ يَلْحَقُهُمْ بِهَا أُعِيْدُوْا فِيْهَا ردوا اِلَيْهَا بِالْمَقَامِعِ وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ اَيِ الْبَالِغِ نِهَايَةَ الْاِحْرَاقِ وَقَالَ فِي الْمُؤْمِنِيْنَ

ع ۲/۱۲ ۹

ترجمہ: اور بعضا شخص وہ ہے کہ جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارہ پر (یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ضعف یقین کے ساتھ شک میں مبتلا رہتے ہوئے اس نوعیت کو تشبیہ دی ہے حرف جبل سے عدم ثبات فی الدین کو) پھر اگر اس کو کوئی دینوی نفع پہنچ گیا (مثلاً جسمانی صحت وسلامتی اور مال ودولت) تو اسکی وجہ سے قرار پالیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہوگئی (کہ کوئی مشقت بیماری اس کی ذات میں یا کوئی مالی مصیبت آپڑی) تو منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چلدیا جس سے دنیا وآخرت دونوں کو کھو بیٹھا (کہ اس عبادت سے جس چیز کی آرزو کی تھی وہ بھی فوت ہوگئی اور کفر کی وجہ سے آخرت بھی) یہی ہے کھلا نقصان خدا کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرنے کا جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے (اگر اس بت کی عبادت نہ کی جائے) نہ نفع پہنچا سکتی ہے (اگر اس کی پوجا کی جائے) یہ (بتوں کو پکارنا) انتہائی درجہ کی گمراہی ہے (حق سے ہٹ کر) پکارے جاتا ہے اس کو جس کا ضرر (اس کی عبادت کرنے پکارنے کی وجہ سے) پہلے پہنچے اس کے نفع سے۔ (اگر وہ اس عابد کے تخیل کی وجہ سے بفرض محال نفع بھی دے بیشک برا دوست ہے اور برا رفیق (ہے)۔ شک میں مبتلاء لوگوں کے ذکر کے بعد اہل ایمان جو ثواب حاصل کریں گے ان کا تذکرہ فرمایا! بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے (فرائض نوافل پڑھے) ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے (مثلاً جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کرے گا اس کا اکرام اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اس کی اہانت تو وہ) کر گزرتا ہے جس شخص کو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے (یعنی اپنے گھر کی چھت میں رسی کو باندھ دے اور اپنی گردن میں پھندہ ڈال دے) پھر کاٹ ڈالے (یعنی اس سے اپنے نفس کو کاٹ دے گلا دبا کر جیسا کہ کتاب لغت صحاح میں مذکور ہے) اب دیکھے کچھ جاتا رہا اسی کی تدبیر سے اس کا غصہ (نبی اکرم ﷺ کی نصرت نہ ہونے کا) یعنی اس بنا پر غضبناک ہو کر رسی کے اس پھندہ سے ہلاک کر ڈال اللہ تعالیٰ تو اپنے رسولؐ کی نصرت ضرور کرے گا اور ہم نے اس (قرآن) کو اسی طرح اتارا ہے (کہ جس طرح پہلی آیات کو نازل کیا تھا) جس میں واضح دلیلیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور ان اللہ یھدی کا عطف انزلناہ کی ضمیر ھاء پر ہو رہا ہے! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صائبین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز (فعل) فیصلہ کردے گا (اہل ایمان کو جنت میں داخل فرما کر اور دوسروں کو جہنم میں) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے (ان کے اعمال سے علم مشاہدہ کے اعتبار سے بھی) اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی (سجدہ) کرتے ہیں جو کوئی (چیز بھی) آسمان میں ہے اور جو کوئی (چیز بھی) زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے (یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں یہ سب ہی اسی چیز میں جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے ارادہ کرتا ہے) اور بہت سے (تو) آدمی بھی (اور وہ اہل ایمان ہیں کہ جو اطاعت کرتے ہیں مزید سجدہ نماز بھی کرتے ہیں) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ثابت ہوگیا ہے (اور وہ کفار ہیں کیونکہ انھوں نے سجدہ

کرنے سے انکار کر دیا کہ جو قبول ایمان پر موقوف تھا) اور جس کو خدا ذلیل کرے (بد بخت کر) اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں اور) اللہ تعالیٰ جو چاہئے کرے (خواہ اہانت کرے نافرمانوں کی اور یا اکرام کرے اہل ایمان کا۔ یہ دو فریق ہیں (اہل ایمان ایک فریق اور کفار کی مذکورہ پانچ اقسام ایک فریق اور لفظ خصم کا اطلاق واحد اور جماعت ہر ایک پر ہوتا ہے) جنہوں نے اپنے رب (یعنی دین الٰہی) کے بارے میں باہم اختلاف کیا جو لوگ کافر تھے ان کے آگ کے کپڑے قطع کیے جاویں گے (جن کو وہ پہنیں گے یعنی اس لباس کے ذریعہ ان کو آگ چاروں طرف سے گھیر لے گی) اور ان کے سر کے اوپر سے تیز پانی چھوڑا جاوے گا (انتہائی تیز گرم پانی) جس سے ان کی پیٹ کی چیزیں (چربی وغیرہ) اور کھالیں سب (اس کے ذریعہ) جاویں گی اور ان کے سروں پر مارنے کے لیے) لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں (دوزخ سے گھبرا کر مارے (کہ جوان کو وہاں گھٹن لاحق ہوگی) پھر ڈال دئے جائیں گے اس کے اندر (یعنی ان گرزوں سے ان کو پھر مار مار کر واپس کر دیا جائے گا اور کہا جاوے گا جلنے کا عذاب چکھتے رہو) الحریق: انتہائی درجہ کا جلا ڈالنے والا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عَلٰى حَرْفٍ: یعنی دین سے ایک طرف یعنی اس میں پختہ نہیں کہ یہ دین حق ہے۔

قوله: هُوَ الْخُسْرَانُ: اس سے بڑا کوئی خسارہ نہیں۔

قوله: بِعِبَادَتِهٖ: باسببیہ ہے۔

قوله: بِتَخَيُّلِهٖ: یہاں ثابت کیا جانے والا نفع تخیلاتی ہے، نہ کہ حقیقی۔

قوله: لِيَخْتَنِقْ بِهٖ: اس اسی کو کاٹ کر وہ اپنا گلا کھونٹ لے جب گھونٹے کہ رگوں کو بند کر کے سانس کو منقطع کر لے۔

قوله: فَلْيَنْظُرْ: پس وہ دل میں تصور کر لے۔

قوله: مِنْهَا: ما موصولہ اور ھا ضمیر عائد محذوف ہے۔ ھل یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: هَادٍ: ان اللہ یہدی کا عطف ھا پر ہے حذف لام سے نہیں کہ انزلہ مقدر سے متعلق ہو۔

قوله: اِنَّ اللّٰهَ: جملہ کے اطراف میں ان لاکر مزید تاکید کردی۔

قوله: كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اسکا عطف یا تو ماسبق ان پر ہے یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر اس جیسی حق لہ الثواب، محذوف ہے۔

قوله: بِزِيَادَةٍ عَلَى الْخُضُوْعِ: یہ نماز میں کامل ثواب کا ذریعہ ہے۔

قوله: لِاَنَّهُمْ اَبَوُا السُّجُوْدَ: اس سے سجود خضوع مراد نہیں بلکہ جس پر نماز ظاہر میں موقوف ہے۔

قوله: اخْتَصَمُوْا: میں جمع کی ضمیر گروہ کے اعتبار سے ہے۔

قوله: فَالَّذِيْنَ: اس میں جھگڑے فیصلہ مذکور ہے۔

قوله: لهم: یہ ضمیر ذوالحال اور یصیب حال ہے اور یصھر بہ جملہ حمیم سے حال ہے۔

وتشوی بہ: الجلود یہ فعل محذوف کا نائب فاعل ہے یہ ما فی بطونہم پر معطوف نہیں۔

قولہ: مَقَامِعُ: کوڑے یا ہتھوڑے۔

قولہ: مِنْ غَمٍّ: یہ اعادہ جار کے ساتھ ھا سے بدل ہے۔

قولہ: ردوا الیھا: وہ باہر کی طرف نکلنا چاہیں گے تو ان کو لوٹا دیا جائے۔

تفسیر مقبولین

طلب دنیا کے لیے اسلام قبول کرنے والوں کی تباہی:

صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۹ میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص مدینہ منورہ آیا اس کی بیوی کو حمل تھا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا اور اس کے گھوڑوں کے بھی بچے پیدا ہو گئے تو اس پر وہ کہتا تھا کہ واقعی یہ دین (یعنی اسلام) اچھا دین ہے اور اگر بیوی کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا اور گھوڑی نے بچے نہ دیئے تو کہتا تھا کہ یہ اچھا دین نہیں ہے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابو سعیدؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کر لیا اس کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی اور مال بھی چلا گیا۔ نیز اولاد بھی ختم ہو گئی۔ اس نے اسے اسلام کی نحوست سمجھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیعت توڑ دیجیے آپ نے فرمایا بیعت اسلام نہیں توڑی جاتی وہ کہنے لگا کہ اس دین میں مجھے خیر نہیں ملی میں اندھا ہو گیا میرا مال چلا گیا اور اولاد بھی مر گئی آپ نے فرمایا کہ اے یہودی! لوگوں کو اسلام (بطور امتحان) پگھلا دیتا ہے جیسا کہ لوہے اور سونے اور چاندی کو آگ پگھلا کر کھوٹ اور میل دور کر دیتی ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کے بارے میں آیت کریمہ کا نزول ہوا سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت کا مضمون عام ہے جو لوگ اسلام کو ظاہری طور پر دنیا کے منافع کے لیے قبول کر لیتے ہیں اور جن منافع کی امید تھی وہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو اسلام سے پھر جاتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور حق کے طالب بھی نہیں ہوتے، آخرت کی نجات کے لیے اسلام قبول نہیں کرتے، دنیاوی منافع کے لیے ظاہری طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا، ایسے لوگوں کی دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی اور یہ کھلی ہوئی تباہی ہے جسے (الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ) سے تعبیر فرمایا ہے۔

جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مصیبتوں کے لیے غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے ہی سے مشرک ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور مدد کے لیے پکارنا ان کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پکارتے ہیں جسے ضرر یا نفع پہنچانے کی ذرا بھی قدرت نہیں اور اسے اس بارے میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (یہ طریقہ دور کی گمراہی ہے) يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ (یہ مشرک ان کو پکارتا ہے جن کا ضرر نفع کی بنسبت زیادہ قریب ہے) کیونکہ یہ باطل معبود دنیا اور

آخرت میں مدد تو کچھ کر ہی نہیں سکتے البتہ ان کی عبادت کا ضرر انہیں ضرور پہنچے گا دنیا میں گمراہ رہیں گے اور آخرت میں عذاب دوزخ میں داخل ہوں گے، ان کی عبادت کا یہ پھل ملے گا کہ جلنے کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ۞ یعنی یہ معبودان باطل برے دوست ہیں اور برے رفیق ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب قیامت کے دن کافر دیکھیں گے کہ کسی بھی معبود باطل سے نفع نہ پہنچا اور اس کی عبادت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا تو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم نے جس کی عبادت کی وہ تو برا دوست اور برا رفیق نکلا۔

مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ....

حاصل یہ ہے کہ اسلام کا راستہ روکنے والے معاند جو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ تو جبھی ہو سکتا ہے جبکہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ سے منصب نبوت سلب ہو جائے اور آپ پر وحی آنا منقطع ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو نبوت و رسالت سپرد فرماتا ہے اور اس کو وحی الٰہی سے نوازتا ہے اس کی مدد تو دنیا و آخرت میں کرنے کا اس کی طرف سے پختہ عہد ہے اور عقلاً بھی اس کے خلاف نہ ہونا چاہئے تو جو شخص آپ کی اور آپ کے دین کی ترقی کو روکنا چاہتا ہے اس کو اگر اس کے قبضہ میں ہو تو ایسی تدبیر کرنا چاہئے کہ یہ منصب نبوت سلب ہو جائے اور وحی الٰہی منقطع ہو جائے۔ اس مضمون کو ایک فرض محال کے عنوان سے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وحی کو منقطع کرنے کا کام کرنا چاہتا ہے تو کسی طرح آسمان پر پہنچے وہاں جا کر اس سلسلہ وحی کو ختم کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ نہ کسی کا اس طرح آسمان پر جانا ممکن نہ اللہ تعالیٰ سے قطع وحی کو کہنا ممکن تو پھر جب تدبیر کوئی کارگر نہیں تو اسلام و ایمان کے خلاف غیظ و غضب کا کیا نتیجہ؟ یہ تفسیر بعینہ در منثور میں ابن زید سے روایت کی ہے اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر اور صاف تفسیر ہے۔ (بیان القرآن مع تسہیل)

قرطبی نے اسی تفسیر کو ابن جعفر نحاس سے نقل کر کے فرمایا کہ یہ سب سے احسن تفسیر ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ سماء سے مراد اپنے مکان کی چھت ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ اگر کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے اور وہ اسلام کے خلاف غیظ و غضب لئے ہوئے ہے تو سمجھ لے کہ اس کی یہ مراد تو کبھی پوری نہ ہو گی اس احمقانہ غیظ و غضب کا تو علاج یہی ہے کہ چھت میں رسی ڈال کر پھانسی لے لے اور مر جائے۔ (مظہری وغیرہ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ....

چاند سورج ستارے سب سجدہ ریز:

مستحق عبادت صرف وحدہ لاشریک اللہ ہے اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے خواہ بخوشی خواہ بے خوشی۔ ہر چیز کا سجدہ اپنی وضع میں ہے۔ چنانچہ قرآن نے سائے کا دائیں بائیں اللہ کے سامنے سربسجود ہونا بھی اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ میں (النحل:۴۸) بیان فرمایا ہے۔ آسمانوں کے فرشتے، زمین کے حیوان، انسان، جنات، پرند، چرند، سب اس کے سامنے سر بہ سجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد

کررہے۔ سورج چاند ستارے بھی اس کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کو الگ اس لئے بیان کیا گیا کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اسے لئے فرمایا سورج چاند کو سجدے نہ کرو اسے سجدے کرو جو ان کا خالق ہے بخاری و مسلم میں ہے رسول ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کو علم ہے اور اس کے نبی ﷺ کو۔ آپ نے فرمایا یہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے وقت آرہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔ سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور مسند احمد میں گرہن کی حدیث میں ہے کہ سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے وہ کسی کی موت پیدائش سے گرہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی میں سے جس کسی پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج چاند اور کل ستارے غروب ہو کر سجدے میں جاتے ہیں اور اللہ سے اجازت مانگ کر داہنی طرف سے لوٹ کر پھر اپنے مطلع میں پہنچتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدے میں ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں جب سجدے میں گیا تو وہ درخت بھی سجدے میں گیا اور میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے میں یہ پڑھ رہا تھا۔ دعا: (اللھم اکتب لی بھا عندک اجرا وضع عنی بھا وزرا واجعلھا لی عندک ذخرا وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داود) یعنی اے اللہ اس سجدے کی وجہ سے میرے لئے اپنے پاس اجر وثواب لکھ اور میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اسے ذخیرہ آخرت کر اور اسے قبول فرما جسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول ﷺ نے سجدے کی آیت پڑھی۔ سجدہ کیا اور یہی دعا آپ نے اپنے اس سجدے میں پڑھی جسے میں سن رہا تھا (ترمذی وغیرہ) تمام حیوانات بھی اسے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اپنے جانور کی پیٹھ کو اپنا منبر نہ بنالیا کرو بہت سی سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں اور زیادہ ذکر اللہ کرنے والی ہوتی ہیں اور اکثر انسان بھی اپنی خوشی سے عبادت الٰہی بجالاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں ہاں وہ بھی ہیں جو اس سے محروم ہیں تکبر کرتے ہیں۔ سرکشی کرتے ہیں اللہ جسے ذلیل کرے اسے عزیز کون کرسکتا ہے؟ رب فاعل خود مختار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علیؓ سے کسی نے کہا یہاں ایک شخص ہے جو اللہ کے ارادوں اور اس کی مشیت کو نہیں مانتا۔ آپ نے اسے فرمایا اے شخص بتا تیری پیدائش اللہ تعالیٰ نے تیری چاہت کے مطابق کی یا اپنی؟ اس نے کہا اپنی چاہت کے مطابق۔ فرمایا یہ بھی بتا کہ جب تو چاہتا ہے مریض ہو جاتا ہے یا جب اللہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جب وہ چاہتا ہے۔ پوچھا پھر تجھے شفا تیری چاہت سے ہوتی ہے یا اللہ کے ارادے سے؟ جواب دیا اللہ کے ارادے سے۔ فرمایا اچھا یہ بھی بتا کہ اب وہ جہاں چاہے گا تجھے لے جائے گا یا جہاں تو چاہے گا؟ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا پھر کیا بات باقی رہ گئی؟ سن اگر تو اس کے خلاف جواب دیتا تو واللہ میں تیرا سر اڑا دیتا۔ مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اس نے سجدہ کرلیا جنتی ہوگیا میں نے انکار کردیا جہنمی بن گیا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول ﷺ سورۂ حج کو اور تمام سورتوں پر یہ فضیلت ملی کہ اس

میں دو آیتیں سجدے کی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جو ان دونوں پر سجدہ نہ کرے اسے چاہیے کہ اسے پڑھے ہی نہیں۔ (ترمذی وغیرہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث قوی نہیں لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول قابل غور ہے کیونکہ اس کے راوی ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سماعت کی اس میں تصریح کر دی ہے اور ان پر بڑی جرح وتدلیس کی ہے جو اس سے اٹھ جاتی ہے۔ ابوداؤد میں فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ سورۂ حج کو قرآن کی اور سورتوں پر یہ فضیلت دی گئی ہے اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سند سے تو یہ حدیث مستند نہیں لیکن اور سند سے یہ مسند بھی بیان کی گئی ہے مگر صحیح نہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیبیہ میں اس سورت کی تلاوت کی اور دو بار سجدہ کیا اور فرمایا اسے ان سجدوں سے فضیلت دی گئی۔ (ابوبکر بن عدی) حضرت عمرو بن عاصؓ کو رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے، تین مفصل میں دو سورۂ حج میں۔ (ابن ماجہ وغیرہ) یہ سب روایتیں اس بات کو پوری طرح مضبوط کر دیتی ہیں۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ....

دو فریق یعنی مؤمنین اور کافرین نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا یعنی ایک جماعت وہ ہے جو اہل ایمان کی ہے اور ایک جماعت اہل کفر کی ہے دونوں جماعتوں میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہے جھگڑے بھی ہیں اور قتل وقتال بھی۔ دونوں جماعتوں کی باہمی دشمنی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مؤمنین تو اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتے ہیں مشرکین اور کافرین جو کسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور مالکیت کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی اپنے خیال میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے لڑتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو جہالت اور سفاہت کی وجہ سے اللہ کا مقبول دین سمجھتے ہیں اس لیے دونوں جماعتوں کے لیے اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فرمایا، اہل مکہ جب جنگ بدر کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو حق پر ہو اس کو فتح نصیب فرما، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کے لیے جو حضرات انصار آگے بڑھے تو قریشیوں نے کہا کہ ہم تم سے مقابلہ نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کے لڑکوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث میدان میں نکلے اور مشرکین مکہ کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ سامنے آئے حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا حضرت عبیدہ کا عتبہ سے مقابلہ ہوا اور ہر ایک دوسرے کی تلوار سے نیم جان ہو گیا پھر حضرت حمزہ اور حضرت علی نے عتبہ پر حملہ کیا اور اسے بالکل ہی جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر جب مدینہ کو واپس ہو رہے تھے تو مقام صفراء میں حضرت عبیدہ کی وفات ہو گئی، حضرت علی فرماتے تھے کہ یہ آیت ہماری ان دونوں جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲/ ۵۶۵ البدایۃ والنھایہ والتفصیل فی القسطلانی) سبب نزول خواہ انہیں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہو جن کا ذکر اوپر گزرا جیسا کہ حضرت علی نے ارشاد فرمایا لیکن آیت کا عموم یہ بتا رہا ہے کہ اہلِ ایمان اور اہل کفر کی دونوں جماعتیں آپس میں اپنے اپنے دین وملت کے لیے لڑ رہی ہیں، بدر کا مذکورہ واقعہ بھی اسی دینی دشمنی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتائی، اہل کفر کے بارے میں فرمایا: فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ کہ ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے یعنی جس طرح کپڑے کا تھان بیونت کر

کاٹا جاتا ہے تاکہ پہننے کے لیے سیا جائے اسی طرح کافروں کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ کر تیار کیے جائیں گے، یہ تو ان کا بس ہوگا اس کے ساتھ دوسری سزائیں بھی دی جائیں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا۔ اسی کو فرمایا: يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ مزید فرمایا: يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک کھولتا ہوا پانی ضرور دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں پہنچ کر ان تمام چیزوں کو کاٹ دے گا جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں اور آخر میں قدموں سے نکل جائے گا اس کے بعد پھر دوزخی کو ویسا ہی کر دیا جائے گا جیسا تھا پھر ارشاد فرمایا کہ آیت میں جو لفظ: يُصْهَرُ ہے اس کا یہی مطلب ہے (رواہ الترمذی) پھر دوزخیوں کے ایک اور عذاب کا تذکرہ فرمایا: وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ (اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (جب کبھی بھی وہ گھٹن کی وجہ سے اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں لوٹا دیے جائیں گے) یعنی لوہے کے گرز مار کر انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ (اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو)۔

جن گرزوں سے مارنے کا ذکر ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کا لوہے والا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور اگر اس کو تمام جنات اور انسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے والا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو کر راکھ ہو جائے۔ (راجع الترغیب والترہیب ص ۲۷٤ ج ٤)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا بِالْجَرِّ اَیْ مِنْهُمَا بِاَنْ يُّرَصَّعَ اللُّؤْلُؤَ بِالذَّهَبِ وَبِالنَّصْبِ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ اَسَاوِرَ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ هُوَ الْمُحَرَّمُ لُبْسُهٗ عَلَى الرِّجَالِ فِي الدُّنْيَا وَهُدُوْٓا فِي الدُّنْيَا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اَیْ طَرِيْقِ اللّٰهِ الْمَحْمُوْدِ وَدِيْنِهٖ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَاعَتِهٖ وَعَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ مُنْسِكًا وَّمُتَعَبَّدًا لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ الْمُقِيْمُ فِيْهِ وَالْبَادِ الطَّارِیْ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ بِظُلْمٍ اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ اِرْتَكَبَ مَنْهِيًّا وَلَوْ شَتْمَ الْخَادِمِ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ مُؤْلِمٍ اَیْ بَعْضَهٗ وَمِنْ هٰذَا يُؤْخَذُ خَبَرُ اِنَّ اَیْ نُذِيْقُهُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۳ ع ۳ ۱۰

ترجمہ: اہل ایمان کے متعلق ارشاد ہے! بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو داخل کرے گا جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے (بہشت کے) ایسے باغوں میں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے (یعنی سونے اور موتی دونوں میں تیار کیے ہوئے بایں طور موتی سونے کے کنگن پر جڑے ہوئے ہوں گے یہ بحالت جر کی صورت ہے اور اگر نصب کے ساتھ ہو تو اساور کے محل پر عطف ہے) اور پوشاک ان کی وہاں ریشم ہوگی (اور وہ دنیا میں مردوں پر حرام

ہے) اور راہ پائی انھوں نے (دنیا میں) کلمہ طیب کی (اور وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے) اور ان کو اس (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے! (یعنی اللہ کے پسندیدہ راستہ اور اللہ کے دین کی!) بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے (اللہ کی طاعت) اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جو ہم نے بنائی عبادت کی جگہ سب لوگوں کے واسطے برابر ہے، اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے (مسافر) آنے والا بھی اور جو کوئی اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کام کرنے کا ارادہ کریگا (مثلاً یہاں کوئی ممنوع کام کریگا اگر چہ حرم کے خادم کو گالی ہی دے گا تو) ہم اس شخص کو عذاب دردناک چکھادیں گے (یعنی عذاب کا بعض حصہ اور اس کا قول نُذِقْهُ سے ان کی خبر معلوم ہوگئی یعنی نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵ خبر ہے

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: الطَّيِّبِ: طیب ہر پاکیزہ نافع چیز کو کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس جگہ مراد کلمہ طیبہ ہے اور بعض نے قرآن مراد لیا ہے۔

قوله: وَيَصُدُّوْنَ: میں تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ عطف کرنے کی صورت میں تین تاویلات کی گئی ہیں۔ کیونکہ معطوف علیہ ماضی ہے اور یہ مضارع ہے تو ایک تاویل تو یہ ہے کہ یہ صورۃً تو مضارع ہے لیکن اس میں حال یا استقبال کا معنی نہیں ہے بلکہ استمرار کے معنی میں ہے۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ مضارع کا صیغہ ہی ہے اور اس سے پہلے جو ماضی ہے وہ مستقبل کے معنی میں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کفروا کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے لیکن بظاہر یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ مضارع مثبت پر واؤ داخل نہیں ہوتا ہے۔ درآنحالیکہ یہاں واؤ داخل ہو رہا ہے۔ اور ان دو صورتوں میں خبر محذوف ہے۔ تیسری ترکیب کے مطابق واؤ یصدون میں زائد ہے۔ کوفیین کے خیال کے مطابق تقدیر عبارت یوں ہے۔ ان الذین کفروا یصدون۔

قوله: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: مسجد حرام سے مراد پورا رقبہ حرم ہے۔ ابوحنیفہ، امام مالک اور ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اور امام شافعیؒ و احمدؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف حصہ مسجد مراد ہے۔

قوله: بِظُلْمٍ: ظلم سے مراد شرک بھی لیا گیا ہے اور بِالْحَادٍ میں با زائد ہے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کا انعام، جنت کا داخلہ انکے کنگنوں اور لباس کا تذکرہ:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل

کیے، یہ حضرات جنت کے باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کا لباس سونے کا ہوگا اور ان کو کنگنوں کا زیور بھی پہنایا جائے گا۔

ان کنگنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ سونے کے کنگن ہوں گے جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے، دنیا میں تو عورتیں ریشم پہنتی ہیں اور زیور پہنتی ہیں اور شرعاً مردوں کو ان کا پہننا ممنوع ہے لیکن جنت میں مرد بھی ریشم کے کپڑے پہنیں گے اور زیور بھی پہنیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے اور ریشم کو میری امت کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا اور مردوں پر حرام قرار دیا گیا (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح) اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا (رواہ البخاری) یعنی وہاں اس نعمت سے محروم رہے گا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم چاہتے ہو تو ان کو دنیا میں مت پہننا۔ (رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۳۷۹)

اہل جنت کو کنگن پہنائے جانے کی حکمت:

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ کنگن ہاتھوں میں پہننا عورتوں کا کام اور انہیں کا زیور ہے۔ مردوں کے لئے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن استعمال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور سفر ہجرت میں آپ کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے، جب ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا اور اس نے توبہ کی تو آنحضرت ﷺ کی دعا سے گھوڑا نکل گیا اس وقت سراقہ بن مالک سے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مال غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے وہ تمہیں دیئے جائیں گے اور جب فاروق اعظم کے زمانے میں فارس کا ملک فتح ہوا اور ایران کے یہ کنگن دوسرے اموال غنیمت کے ساتھ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا اور ان کو دے دیے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں، شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں اس لئے اہل جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے۔ کنگن کے متعلق اس آیت میں اور سورۂ فاطر میں تو یہ ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے اور سورۂ دھر میں یہ کنگن چاندی کے بتلائے گئے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں تین طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک سونے کا، دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں کا جیسا کہ اس آیت میں موتیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ (قرطبی)

آیت مذکورہ میں ہے کہ اہل جنت کا لباس ریشم کا ہوگا مراد یہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ بہتر لباس سمجھا جاتا ہے اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔

امام نسائی اور بزار اور بیہقی نے بسند جید حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کا ریشمی لباس جنت کے پھلوں میں سے نکلے گا اور حضرت جابر کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ایک درخت

ایسا ہوگا جس سے ریشم پیدا ہوگا اہل جنت کا لباس اسی سے تیار ہوگا۔ (مظہری)

حدیث میں امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الاخرة و من شرب الخمر فی الدنیا لم یشرب بها فی الاخرة و من شرب فی انیة الذهب و الفضة لم یشرب فیها فی الاخرة ثم قال رسول الله ﷺ لباس اهل الجنة و شراب اهل الجنة و انیة اهل الجنة (از قرطبی بحوالہ نسائی)

جو شخص ریشمی کپڑا دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا اور جو دنیا میں شراب پیئے گا وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں (کھائے) پیئے گا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لئے مخصوص ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں یہ کام کئے اور توبہ نہیں کی وہ جنت کی ان تین چیزوں سے محروم رہے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی، پھر اس سے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا (رواہ الائمہ۔ قرطبی) نیز ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الاخرة و ان دخل الجنة لبسه اهل الجنة و لم یلبسه هو رواه ابو داؤد الطیالسی فی مسنده و قال القرطبی اسناده صحیح۔

جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پہنے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے دوسرے اہل جنت ریشم پہنیں گے یہ نہیں پہن سکے گا۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص جنت میں داخل کر لیا گیا پھر اگر وہ کسی چیز سے محروم کیا گیا تو اس کو حسرت و افسوس رہے گا اور جنت اس کی جگہ نہیں۔ وہاں کسی شخص کو کسی کا غم و افسوس نہ ہونا چاہئے اور اگر یہ حسرت و افسوس نہ ہو تو پھر اس محرومی کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ اس کا جواب قرطبی نے اچھا دیا ہے کہ اہل جنت کے جس طرح مقامات اور درجات مختلف اور متفاوت اعلیٰ و ادنیٰ ہوں گے۔ ان کے تفاوت کا احساس بھی سب کو ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ شانہ اہل جنت کے قلوب ایسے بنا دے گا کہ ان میں حسرت و افسوس کسی چیز کا نہ رہے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

یعنی جن کو دنیا میں اچھی بات یعنی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی طرف رہبری کی گئی اس کو انہوں نے قبول کیا اللہ کی توحید کے قائل ہوئے اور اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے جن کے ذریعہ انہیں ہدایت ہوئی، اب انہیں اس کا یہ پھل ملے گا کہ جنت میں آرام سے نعمتوں میں رہیں گے وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو تعریف کے لائق ہے اور سب تعریفیں اسی کو زیبا ہیں، دنیا میں جب اس کی راہ پر چلے آخرت میں اس کی طرف سے انعام پائیں گے وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کو محروم نہ فرمائے گا۔

مسجد حرام حاضر اور مسافر سب کیلئے برابر ہے، اس میں الحاد کرنا عذاب الیم کا سبب ہے:

(ربط) اوپر کی آیتوں میں فریق کفار کی خصومت اور جدال اور اضلال کا ذکر تھا کہ کفار مکہ اہل اسلام کی عداوت اور خصومت پر تلے ہوئے ہیں اب ان آیات میں ان کی دوسری قسم کی خصومت اور جدال کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں اور ان کو حج اور عمرہ کے ارکان ادا کرنے نہیں دیتے، حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اس بیت حرام یعنی خانہ کعبہ کے اولیاء یعنی متولی ہم ہیں۔ کما قال تعالی: إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور مشرک تو کبھی بھی اس کے متولی نہ تھے اس کے اولیاء یعنی متولی تو فقط متقی لوگ ہیں پس اس مناسبت سے آئندہ آیات میں مسجد حرام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مقدس مقام کی فضیلت اور ان ایام کی برکت اور حج اور عمرہ اور قربانی کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں کہ یہ مقدس عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے مگر کفار قریش اس عبادت میں مانع اور مزاحم ہیں اور اپنے افعال شرکیہ سے باز نہیں آتے حالانکہ خانہ کعبہ کی بنیاد ہی خالص توحید پر رکھی گئی ہے کہ اس گھر میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے اور رسوم شرکیہ سے اس گھر کو پاک رکھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور اسلام اور اہل اسلام کی عداوت اور خصومت پر اس درجے تلے ہوئے ہیں کہ وہ فقط اپنے کفر اور شرک اور اپنی گمراہی پر قانع نہیں بلکہ شدت اختصام اور جذبہ انتقام کی بناء پر اہل اسلام کی ہدایت میں مزاحم بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے یعنی دین اسلام اور طریق حق سے اور مسجد حرام کی زیادت اور حاضری سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں جا کر کوئی خالص اللہ کی عبادت نہ کر سکے اور اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ ہم نے سب لوگوں کے لیے اس کو قبلہ اور معبد بنایا ہے کہ اس میں مقیم یعنی مکہ کا متوطن اور باشندہ اور باہر سے آنے والا برابر ہے مقیم اور مسافر اور شہری اور پردیسی سب کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں ہر ایک وہاں جا کر عبادت کر سکتا ہے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں اس میں سب کا حق مساوی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسجد حرام کے بارے میں شہری اور بیرونی کو برابر قرار دیا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مساوات اور برابری مراد ہے۔

سواء العاکف میں اقوال:

قول اول: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں آکر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم: اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سرزمین حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور سواء ن العاکف فیہ والباد۔ میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارے میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی

زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایا لینا جائز نہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلیل تو یہ آیت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اس کا ثمن کھانا حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علقمہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور نہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر "سوائب" جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور سوائب کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوائب کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳ ج ۱۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۴ ج ۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع و شراء کا اور اپنے مکانات کا کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند حجتیں قائم فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے: اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت ان کی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھر ان کے مملوک تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

(۳) صحیحین میں اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروری ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ ہے کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو عقیل اس وقت کفر پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اسلام پر تھے تو ابوطالب کی میراث عقیل کو پہنچی کیونکہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ میراث اسی چیز میں جاری ہوتی ہے جس کا میت مالک ہو

(٤) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں قید خانہ کے لیے ایک مکان خرید فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ غیر مالک ہی مالک سے خریدار کرتا ہے تاکہ مالک بن جائے۔

لیکن ان دلائل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیار کی نسبت سے یہ لازم نہیں کہ یہ اضافت ملک ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اضافت باعتبار سکونت اور عمارت کے ہو کہ وہ عمارت تو بہر حال ان ہی کی ملک تھی۔ علاوہ ازیں زمانہ اسلام سے پہلے ان مکانات کو اپنی املاک جانتے تھے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ بیوت مکہ کی عمارت فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ولیکن زمین سمیت عمارت کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زمین کے فروخت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ مکہ کی زمینوں کی

بیع اور مکانات کا کرایہ جائز ہے اور کتب فتاویٰ میں یہ بھی آیا ہے کہ اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔ دیکھو روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۱۷ اور تفصیل کے لیے ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ دیکھیں اور مزید تفصیل کے لیے شروح ہدایہ اور شروح بخاری دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ مسجد حرام کی یہ شان ہے اور اس درجہ اس کا احترام واجب ہے اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے تو جو شخص مسجد حرام میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کج روی اور راہ حق سے عدول اور انحراف کا ارادہ بھی کرے تو ایسے ظالم کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ ''الحاد'' سے دین سے عدول اور انحراف اور مسجد حرام کی بے حرمتی مراد ہے اور ظلم کے معنی زیادتی اور ستمگاری کے ہیں یہاں بظلم سے عمداً اور قصداً اور دیدہ دانستہ حرم میں الحاد کا ارادہ کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حرم محترم میں الحاد اور بے دینی کا ارادہ سخت ترین اور شدید ترین جرم ہے جو اس پاک مقام میں الحاد کا ارادہ کرے اگرچہ اس کو نہ کرے تو اس پر دردناک عذاب ہوگا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حرم محترم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اسکا ارتکاب نہ کرے اور حدود حرم سے باہر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک محض ارادہ اور خیال پر وہ عذاب کا مستحق نہیں ہوتا

ان آیات میں مسجد حرام سے روکنے کو ظلم قرار دیا اور حرام میں الحاد اور بے دینی کے ارادہ پر وعید فرمائی۔

اب آئندہ آیات میں اس مقام محترم میں ظلم عظیم یعنی شرک کونے پر وعید اور تہدید فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس محترم مقام کی ابتداء اور بنیادی توحید اور خالص اللہ کی عبادت سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کی جگہ ابراہیم کے لئے اس جگہ کعبہ بناؤ اور یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے اس گھر کو کفر اور شرک کی نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے اور نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ اللہ کا گھر تیار ہو گیا اور اس کا حج فرض ہے ابراہیم علیہا السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز لوگوں کو کیسے پہنچے گی۔ حکم ہوا کہ تمہارے ذمہ صرف پکار دینا ہے۔ پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام جبل ابوقبیس پر کھڑے ہوئے اور پکارا اے لوگو! تمہارے پروردگار نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر اس کی زیارت فرض کی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ آواز تمام اقطار زمین تک پہنچ گئی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں نے اس آواز کو سنا جس کے مقدر میں اللہ نے حج لکھ دیا تھا اس نے لبیک کہا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے لوگو! تم پر اللہ نے اپنے گھر کا حج فرض کیا ہے پس تمہارے اس اعلان کے بعد لوگ آئیں گے تیرے پاس پا پیادہ اور بعضے سوار ہو کر دبلے دبلے اور کمزور اونٹوں پر۔ چلی آئیں گی یہ سواریاں ہر دور دراز راہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے مکہ جانا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا ہے اور ان کی زیارت کرنا ہے اور وہ لوگ اس لیے آئیں گے تاکہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدوں پر حاضر ہوں اور وہاں پہنچ کر دنیا و آخرت کے منافع حاصل کریں، دنیا کی تجارت بھی کریں اور آخرت کی بھی تجارت کریں اور منافع حاصل کریں اور اس لیے آویں تاکہ مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان ہیں یعنی اونٹ اور گائے اور بکری اور بھیڑ پر ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں ''ایام معلومات'' سے بعض مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک عشرہ ذی الحج مراد ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایام نحر یعنی ایام قربانی مراد ہیں۔ دسویں اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحج مراد ہے۔ کفار

بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اللہ نے حکم دیا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لو پھر اس قربانی کے گوشت سے تم خود بھی کھاؤ اور عاجز اور درماندہ فقیر کو بھی اس میں میں سے کھلاؤ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا اور کھلانا مستحب ہے واجب نہیں اور اعلیٰ ہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ اس میں سے فقیر ہی کو کھلائے بلکہ غنی کو بھی کھلانا جائز ہے پھر قربانی کے بعد اپنے بدن کا میل کچیل دور کریں یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر کے بال منڈوائیں اور ناخن ترشوائیں اور بغلوں کے بال صاف کرائیں اور مونچھیں کروائیں اس کے لئے دسویں ذی الحج مقرر ہے۔ ہدی ذبح کرنے کے بعد ان میلوں کو دور کریں اور احرام سے باہر ہو جائیں اور اپنی نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو منتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذور سے مناسک حج اور نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو منتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذور سے مناسک حج اور واجبات حج مراد ہے جب سے احرام شروع ہوا تھا اور لبیک اللھم لبیک کہا تھا اس وقت سے بالوں کا کتوانا اور ناخنوں کا ترشوانا ممنوع ہو گیا تھا۔ اس مدت میں بدن پر میل کچیل چڑھ گیا تھا۔ جب دسویں تاریخ ذی الحجہ کو قربانی کر کے احرام ختم ہوا تو حکم ہوا کہ اب حجامت بنواؤ اور بدن کا میل کچیل دور کرو۔ اور غسل کرو اور خوشبو لگاؤ اور اپنی منتیں پوری کرو اور پھر قربانی کے بعد انہی ایام معلومات میں اس قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ اس طواف کو طواف زیارت اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں جو فرض ہے اور رمی جمار اور قربانی اور حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن، ادریس کاندھلوی)

وَاذْكُرْ اِذْ بَوَّاْنَا لبينا بَيَّنَاهُ لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ لِيَبْنِيَهُ وَكَانَ قَدْرُفِعَ زَمَنُ الطُّوْفَانِ وَاَمَرْنَاهُ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ مِنَ الْاَوْثَانِ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ الْمُقِيْمِيْنَ بِهٖ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ اَيِ الْمُصَلِّيْنَ وَ اَذِّنْ نَادِ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ فَنَادٰى عَلٰى جَبَلِ اَبِيْ قُبَيْسٍ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بَنٰى بَيْتًا وَاَوْجَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ اِلَيْهِ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُمْ وَالْتَفَتَ بِوَجْهِهٖ يَمِيْنًا وَ شِمَالًا وَ شَرْقًا وَغَرْبًا فَاَجَابَهُ كُلُّ مَنْ كُتِبَ لَهُ اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ الْاُمَّهَاتِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَجَوَابُ الْاَمْرِ يَاْتُوْكَ رِجَالًا مُشَاةً جَمْعُ رَاجِلٍ كَقَائِمٍ وَقِيَامٍ وَّ رُكْبَانًا عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ اَيْ بَعِيْرٍ مَهْزُوْلٍ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى يَّاْتِيْنَ اَيِ الضَّوَامِرُ حَمْلًا عَلَى الْمَعْنٰى مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ طَرِيْقٍ بَعِيْدٍ لِّيَشْهَدُوْا اَيْ يَحْضُرُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالتِّجَارَةِ اَوْفِي الْاٰخِرَةِ اَوْفِيْهِمَا اَقْوَالٌ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ اَيْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ اَوْ يَوْمِ عَرَفَةَ اَوْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلٰى اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ اَقْوَالٌ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الَّتِيْ تُنْحَرُ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ وَمَا بَعْدَهُ مِنَ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا فَكُلُوْا مِنْهَا اِذَا كَانَتْ

مُسْتَحِبَّةٌ وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ اَيِ الشَّدِيْدَ الْفَقْرِ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ اَيْ يُزِيْلُوْا اَوْسَاخَهُمْ وَشَعْثَهُمْ
كَطُوْلِ الظُّفْرِ وَلْيُوْفُوْا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ نُذُوْرَهُمْ مِنَ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا وَلْيَطَّوَّفُوْا طَوَافَ الْاِفَاضَةِ
بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ اَيِ الْقَدِيْمِ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ بَيْتٍ وُضِعَ ذٰلِكَ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْاَمْرُ اَوِ الشَّاْنُ ذٰلِكَ
الْمَذْكُوْرُ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ هِيَ مَا لَا يَحِلُّ اِنْتِهَاكُهٗ فَهُوَ اَيْ تَعْظِيْمُهَا خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ فِي
الْاٰخِرَةِ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تَحْرِيْمُهٗ فِيْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الْاٰيَةُ
فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيْمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهٖ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ
الْاَوْثَانِ مِنْ لِلْبَيَانِ اَيِ الَّذِيْنَ هُوَ الْاَوْثَانُ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ اَيِ الشِّرْكِ فِيْ تَلْبِيَتِهِمْ اَوْ شَهَادَةِ الزُّوْرِ
حُنَفَآءَ لِلّٰهِ مُسْلِمِيْنَ عَادِلِيْنَ عَنْ كُلِّ سِوٰى دِيْنِهٖ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَهٗ وَهُمَا حَالَانِ مِنَ الْوَاوِ
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ سَقَطَ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَيْ تَاْخُذُهٗ بِسُرْعَةٍ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ اَيْ
تُسْقِطُهٗ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ بَعِيْدٍ اَيْ فَهُوَ لَا يُرْجٰى خَلَاصُهٗ ذٰلِكَ يُقَدَّرُ قَبْلَهُ الْاَمْرُ مُبْتَدَاءٌ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ
اللّٰهِ فَاِنَّهَا اَيْ فَاِنَّ تَعْظِيْمَهَا وَهِيَ الْبُدْنُ الَّتِيْ تُهْدٰى لِلْحَرَمِ بِاَنْ تُسْتَحْسَنَ تُسْتَسْمَنَ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾
مِنْهُمْ وَسُمِّيَتْ شَعَائِرَ لِاِشْعَارِهَا بِمَا يُعْرَفُ بِهٖ اِنَّهَا هَدْيٌ كَطَعْنٍ حَدِيْدَةٍ بِسَنَامِهَا لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
كَرُكُوْبِهَا وَالْحَمْلِ عَلَيْهَا مَا لَا يَضُرُّهَا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَقْتَ نَحْرِهَا ثُمَّ مَحِلُّهَا اَيْ مَكَانُ حِلِّ نَحْرِهَا
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ اَيْ عِنْدَهٗ وَالْمُرَادُ الْحَرَمُ جَمِيْعُهٗ ع ۴ ۸ ۱۱

ترجمہ: اور (اس قصہ کا تذکرہ کیجئے) جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (تا کہ اس کی تعمیر کریں؟ جو طوفان نوحؑ کی وقت وہ اٹھالیا گیا تھا اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے (بتوں سے) پاک رکھنا رکھے جمع رکع کی اور سجود جمع ہے ساجد کی اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو (چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے جبل ابی قبیس پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا اے لوگو! بیشک تمہارے رب نے ایک مکان تعمیر کیا ہے اور تم لوگوں پر اس کی جانب حج کا وجوب فرمایا لہٰذا تم لوگ اپنے رب کے حکم کو قبول کرو اور حضرت ابراہیم نے داہنی اور بائیں اور مشرق و مغرب ہر چہار جانب متوجہ ہو کر یہ اعلان فرمایا تو جس شخص کے حق میں حج کرنا مقدر فرمایا اور لکھدیا گیا تھا اس نے باپ کی صلب اور ماؤں کے رحم سے جواب دیا لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ جواب یہ کلام ہے) لوگ

تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی (رجالا اجل کی جمع پیدل چلنا جیسے قائم اور قیام) اور اونٹنیوں پر بھی (سوار ہو کر ضامر دبلے اونٹ اور اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر آتا ہے) جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ضامر کی صفت یاتین با لجمع لائے حالانکہ وہ مفرد ہے لہٰذا معنی میں الضو امیر کے ہے کیونکہ وہ بکثرت ہوں گی) تا کہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر (دنیا میں تجارت اور یا آخرت میں ثواب کا یا دنیا اور آخرت دونوں کا منافع مراد ہے کہ اس میں یہ اقوال ہیں) اور تا کہ ایام مقررہ (عشرۂ ذی الحجہ یا یوم عرفہ یا یوم نحر ایام تشریق کے اختتام تک یہ اقوال مختلف ہیں) میں ان مخصوص چوپاؤں (اونٹ گائیں، بھینس، بکرا کہ جو عید قربان میں ذبح ہوتے ہیں اور اس کے بعد یعنی ہدی اور قربانی کے جانور) پر اللہ کا نام لیں جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں ان (قربانی کے مستحبہ جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو بھی)۔ پھر (قربانی کے بعد) لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (جیسے بالوں کی پراگندگی اور ناخونوں کا بڑھنا وغیرہ اور پوری کردیں اپنی منتیں یوفوا تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ (ہدی اور قربانی وغیرہ) اور طواف کریں اس قدیم گھر کا (کیونکہ یہ سب سے پہلے گھر ہے جو بنایا گیا یہ بات ہو چکی (ذلک خبر اور مبتداء محذوف الامر یا الشان ہے یہ مذکورہ بات اور بیان تو سن چکے ہو! اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا (وہ امور کے جن کی بے حرمتی کرنا حلال نہیں) سو یہ (ان تعظیم کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے (آخرت میں) اور ان مخصوص چوپاؤں کو باستثنائی ان بعض احکام کے جو تم (اس آیت اور حرمت علیکم الخ میں) پڑھ سنا دیئے گئے ہیں ان کے سوا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے (پس یہ استثناء منقطع ہے اور متصل ہونا بھی ممکن ہے اور حرمت موت کی وجہ سے ہوئی یا کسی اور سبب سے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو (من برائے بیان ہے یعنی وہ گندگی بت ہیں) اور جھوٹی بات (یعنی اپنے تلبیہ کے شرک سے یا جھوٹی گواہی) سے بچتے ہو۔ اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو (اطاعت شعار بنکر اللہ کے دین کے علاوہ ہر چیز سے عدول کرتے بے رخی کرتے ہوئے) اسکے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (ماقبل کے مضمون کی تاکید ہے اور یہ دونوں واؤ سے حال میں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گو یا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں (یعنی تیزی کے ساتھ اس کو دبوچ لیا) یا اسکو ہوا نے کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹک دیا (یعنی اب اس کو نجات کی کوئی امید نہ ہوگی) یہ بات بھی ہو چکی (ذلک سے قبل الامر مبتدا ء محذوف ہے) اور جو شخص دین خداوندی کے ان مذکورہ یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اس کا یہ لحاظ یہ رکھنا دل کے ساتھ خدا سے ڈرنے سے حاصل ہوتا ہے (اس مقام پر شعائر الٰہی سے مخصوص طور پر وہ اونٹ کے ہدایا مراد ہیں جو حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ان کی تعظیم یہ ہے کہ وہ جانور بہت عمدہ اور فربہ ہوں اور ان کو شعائر کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کوئی علامت اس طرح کی جاتی ہے مثلاً اونٹ کی کوہان میں نیزہ مار دینا کہ اس سے یہ شناخت ہو جاتی ہے کہ یہ ہدی کے جانور ہیں) تم کو ان سے ایک معین وقت (وقت ذبح) تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے (جیسے ان پر سوار ہونا اور ان پر وہ بوجھ لادنا کہ ان کو اس سے ضرر نہ پہنچے) پھر ان (ہدی کے جانوروں کے) ذبح حلال ہونے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے (اور مراد اس سے تمام حرم ہے!)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَاَمَرْنَاهُ: ان مفسرہ ہے اِذْ بَوَّاْنَا یہ امرنا کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: المُصَلِّيْنَ: ارکان سے نماز کی تعبیر فرمائی۔

قوله: الضَّوَامِرُ: ضامر کل کے داخل ہونے کی وجہ سے معنی کے لحاظ سے جمع بن گیا۔

قوله: طَرِيْقٍ بَعِيْدٍ: اور گہری وادیاں فج کی یہ تفسیر عمدہ ہے۔

قوله: عَشْرَ ذِي الْحَجَّةِ: یہ اس صورت میں ہے جبکہ الذکر کی تفسیر ہدایا کو اشعار کرنے سے کی جائے۔

قوله: اَوْيَوْمِ عَرَفَةَ: یہ اس وقت الذکر سے مراد قربانی کے جانور تیار کرنے کا وقت لیا جائے۔

قوله: اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ: جبکہ ذکر سے ذبح کی تکبیر مراد لی جائے۔

قوله: الابل والبقر: فعل ذکر کو مرزوق سے متعلق کرکے پھر بہیمہ سے اس کی وضاحت کی تاکہ مقتضی ذکر پر خبردار کردیا جائے کہ وہ تقرب الی اللہ ہے۔

قوله: اَطْعِمُوْا: یہ امر عند الشافعیؒ وجوب کے لئے باقی کے ہاں واجب سے سوائے تمتع وقرآن کے کھانا درست نہیں۔

قوله: يُزِيْلُوْا الْوَسَاخَهُمْ: وسخ عموماً میل کو کہا گیا ہے۔

قوله: الْهَدَايَا: نذور کی قربانیاں مراد ہیں۔

قوله: ذٰلِكَ: یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے الامر ذلک۔

قوله: حُرُمٰتِ: اس مراد وہ سب ہیں جو حلال نہیں فقط حج وغیرہ سے متعلق مراد نہیں۔

قوله: خَيْرٌ لَّهٗ: یعنی باعث ثواب۔

قوله: اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ: مضاف کو حذف کیا کیونکہ حلت وحرمت افعال میں ذبح کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

قوله: اِلَّا مَا يُتْلٰى: یہ استثناء منقطع ہے متصل بھی ہوسکتا ہے۔

قوله: مِنَ الْاَوْثَانِ: بتوں کو نجس قرار دے کر ان کی تعظیم سے مبالغۃً ممانعت کردی۔

قوله: فَكَاَنَّمَا خَرَّ: کیونکہ وہ ایمان کی بلندی سے گرا ہے۔

قوله: الطَّيْرُ: اس کی سوچ ختم ہوگئی اور یہ او تخییر کے لئے ہے جیسے او کصیب۔

قوله: فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ: شیطان نے اس کو گمراہی میں پھینک دیا۔

قوله: فَاِنَّ تَعْظِيْمَهَا: اس میں مضاف محذوف ہے۔

قوله: مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ: اس میں کئی مضاف محذوف ہیں ای من افعال ذوی تقوی القلوب۔ یہ متقی دل والوں کے افعال سے ہے۔

قوله: وَ سُمِّيَتْ شَعَائِرَ: یہ شعیرۃ کی جمع ہے۔ وہ شعور بمعنی علم ہے۔

قوله: مَكَانِ: المحل یہ ظرف مکان ہے مصدر نہیں۔

قوله: إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ: الی یہ عند کے معنی میں ہے اور البیت سے مراد تمام حرم ہے۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ....

مسجد حرام کی اولین بنیاد توحید:

یہاں مشرکین کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے اللہ کی توحید پر رکھی گئی ہے تم نے اس میں شرک جاری کر دیا۔ اس گھر کے بانی خلیل اللہ علیہ السلام ہیں سب سے پہلے آپ نے ہی اسے بنایا۔ آنحضور ﷺ سے ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ حضور ﷺ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا بیت المقدس۔ میں نے کہا ان دونوں کے درمیان کس قدر مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا چالیس سال کا۔ اللہ کا فرمان ہے: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾ (آل عمران) دو آیتوں تک۔ اور آیت میں ہے ہم نے ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ کرایا کہ میرے گھر کو پاک رکھنا الخ بیت اللہ شریف کی بنا کا کل ذکر ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا اسے صرف میرے نام پر بنا اور اسے پاک رکھ یعنی شرک وغیرہ سے اور اسے خاص کر دے ان کے لئے جو موحد ہیں۔ طواف وہ عبادت ہے جو ساری زمین پر بجز بیت اللہ کے میسر ہی نہیں نا جائز ہے۔ پھر طواف کے ساتھ نماز کو ملایا قیام، رکوع، سجدے، کا ذکر فرمایا اس لئے کہ جس طرح طواف اس کے ساتھ مخصوص ہے نماز کا قبلہ بھی یہی ہے ہاں اس کی حالت میں کہ انسان کو معلوم نہ ہو یا جہاد میں ہو یا سفر میں ہو نفل نماز پڑھ رہا ہو تو بیشک قبلہ کی طرف منہ نہ ہونے کی حالت میں بھی نماز ہو جائے گی واللہ اعلم۔ اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمہ صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے۔ آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر ابوقبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا با آواز لبیک پکارا۔ بہت سے سلف سے یہ منقول ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا۔ تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدر دانی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری یہ تمنا رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔ لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ

رسول اللہ ﷺ نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پاپیادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور ﷺ کی پوری اقتدا ہے پھر فرمایا دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا بھی یہی تھی کہ (فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم) لوگوں کے دلوں کو اے اللہ تو ان کی طرف متوجہ کردے۔آج دیکھ لو وہ کونسا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔(اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے، آمین ثم آمین)

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

پھر فرمایا: وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا .... جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ ملا کر کعبہ شریف کی تعمیر پوری کر لی تو اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو یعنی پکارو کہ حج کے لیے چلے آؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں لوگوں میں اس بات کا کیسے اعلان کروں حالانکہ میری آواز نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تم پکارو آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ صفا پر اور ایک قول کے مطابق جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر انہوں نے یوں آواز دے دی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ قَدِ اتَّخَذَ بَيْتًا فَحُجُّوْهُ (اے لوگو! یقین جانو تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے لہٰذا تم اس کا حج کرو) ان کے اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام گوشوں میں پہنچا دیا اور ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج کرنا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنوا دی حتیٰ کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جو ماؤں کے رحموں میں تھے اور باپوں کی پشتوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت ابراہیم کی آواز پہنچا دی۔اور جس جس کے لیے قیامت تک حج کرنا مقرر اور مقدر تھا ان سب نے اسی وقت لبيك اللهم لبيك پڑھ لیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔گزشتہ زمانہ میں تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص کی آواز بیک وقت پورے عالم میں کیسے پہنچی ہوگی؟ لیکن اب تو جدید آلات نے سب پر واضح کر دیا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، ایک شخص ایشیا میں بولتا ہے تو اسی وقت اس کی آواز امریکہ میں سنی جاتی ہے اور امریکہ میں بولتا ہے تو ایشیا والے گھروں میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم حج کی دعوت دے دو گے تو تمہاری اس دعوت پر آواز سننے والے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سفر کر کے دور دراز راستوں سے حج کے لیے چلے آئیں گے اس مضمون کو يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ میں بیان فرمایا ہے، ضَامِرٍ سے دبلی اونٹنیاں مراد ہیں کیونکہ اس کی صفت میں يَّاْتِيْنَ جمع مونث غائب لایا گیا ہے، عرب کے لوگ تیز رفتاری کی ضرورت سے گھوڑوں کو اور اونٹوں کو کم کھلاتے تھے کیونکہ موٹے ہوں گے تو بوجھل ہونے کی وجہ سے چل نہ سکیں گے، ایسے جانوروں کو ضامر کہا جاتا ہے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ....

حج کی دنیوی برکات ومنافع کا ذکر: سو حج کی دنیاوی برکات ومنافع کے ذکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ یہ سب حاضر ہوں اپنے طرح طرح کے فائدوں کیلئے جو کہ دنیوی بھی ہیں اور اخروی بھی۔دنیوی یہ کہ اس میں طرح طرح کی تجارت کے بڑے مواقع ہوتے ہیں جو کہ بالاجماع جائز ہے۔جبکہ تجارت کو مقصود اصلی نہ بنایا جائے۔بلکہ یہ اس لحاظ سے مستحسن بھی ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔اور اس میں مسلمانوں کی اقتصادی قوت کے حصول کے

مسلمان بھائیوں سے ملنے ان سے متعارف ہوئے اور ان کے دکھ درد سننے اور احوال جاننے کا موقع ملتا ہے۔ نیز قربانیوں کے گوشت کھانے کھلانے اور اس طرح ثواب کمانے کا موقع بھی ملتا ہے۔ اور حج کی اس عظیم الشان عبادت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت نصیب ہوتی ہے جو کہ بدنی اور مالی دونوں عبادتوں اور ان کی برکات کی جامع عبادت ہے اور اخروی فوائد یہ کہ اپنے گناہوں کی بخشش اور رب کی رضا مندی نصیب ہوتی ہے جو کہ سب سے بڑا، حقیقی اور اصلی مقصد ہے کہ انسان گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ، تفث کے لغوی معنے میل کچیل کے ہیں جو انسان کے بدن پر جمع ہوجاتا ہے حالت احرام میں چونکہ بالوں کا مونڈنا، کاٹنا، نوچنا اسی طرح ناخن تراشنا، خوشبو لگانا یہ سب چیزیں حرام ہوتی ہیں تو ان کے نیچے میل کچیل جمع ہونا طبعی امر ہے اس آیت میں یہ فرمایا کہ جب حج میں قربانی سے فارغ ہوجاؤ تو اس میل کچیل کو دور کرو مطلب یہ ہے کہ اب احرام کھول ڈالو اور سر منڈالو ناخن تراشو۔ زیر ناف کے بال صاف کرلو۔ آیت مذکورہ میں پہلے قربانی کرنے کا ذکر آیا اس کے بعد احرام کھولنے کا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے کام کرنا چاہئے قربانی سے پہلے حلق کرنا یا ناخن کاٹنا وغیرہ ممنوع ہے اور جو ایسا کرے گا اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

افعال حج میں ترتیب کا درجہ:

جو ترتیب افعال حج کی قرآن وحدیث میں آئی اور فقہاء نے اس کو منضبط کیا اسی ترتیب سے افعال حج ادا کرنا باتفاق امت کم از کم سنت ضرور ہے واجب ہونے میں اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے ایک دم جنایت لازم ہوتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سنت ہے اس لئے اس کے خلاف کرنے سے ثواب میں کمی آتی ہے مگر دم لازم نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے: ((من قدم شيئاً من نسكه او اخره فليهرق دما. رواه ابن ابی شیبة موقوفا و هو فی حکم المرفوع)) (مظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا موخر کردیا اس پر لازم ہے کہ ایک دم دے۔ یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل کی ہے اور حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، نخعی، حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ خلاف ترتیب کرنے والے پر دم لازم کرتے ہیں۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ اس مسئلہ کی پوری تفصیل وتحقیق مذکور ہے۔ نیز دوسرے مسائل حج بھی مفصل لکھے ہیں۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ، نذور، نذر کی جمع ہے جس کو اردو میں منت کہا جاتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام شرعاً کسی شخص پر لازم، واجب نہیں تھا اگر وہ زبان سے یہ نذر کرلے اور منت مان لے کہ میں یہ کام کروں گا یا اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ فلاں کام کروں تو یہ نذر ہوجاتی ہے۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے اگرچہ اصل سے واجب نہیں تھا مگر اس کے واجب ہوجانے کے لئے یہ شرط تو باتفاق امت ہے کہ وہ کام شرعاً گناہ اور ناجائز نہ ہو۔ اگر کسی شخص نے گناہ کے کام کی نذر مان لی تو اس پر وہ گناہ کرنا اس سے لازم نہیں ہوجاتا ہے بلکہ اس کے خلاف کرنا واجب ہے البتہ اس پر کفارہ قسم لازم ہوجائے

گا۔ اور ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ فقہاء کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام ایسا ہو جس کی جنس میں کوئی عبادت مقصودہ شرعیہ پائی جاتی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ کہ ان کی جنس میں کچھ شرعی واجبات اور عبادات مقصودہ ہیں۔ تو اگر کوئی شخص نفلی نماز روزے صدقہ وغیرہ کی نذر مان لے تو وہ نفل اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم و واجب ہے۔ آیت مذکورہ سے بھی حکم ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں نذر کے ایفاء یعنی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسئلہ: یہ یاد رہے کہ صرف دل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرنے سے نذر نہیں ہوتی جب تک زبان سے الفاظ نذر ادا نہ کرے۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ نذر اور منت کے احکام و مسائل بڑی تفصیل سے جمع کر دیئے ہیں جو اپنی جگہ بہت اہم ہیں مگر یہاں ان کی گنجائش نہیں۔

ایک سوال اور جواب:

اس آیت سے پہلے بھی اعمال حج قربانی اور احرام کھولنے وغیرہ کا ذکر ہوا ہے اور آگے بھی طواف زیارت کا بیان ہے درمیان میں ایفاء نذر کا ذکر کس مناسبت سے ہوا جبکہ ایفائے نذر ایک مستقل حکم ہے حج میں ہو یا حج کے بغیر اور حرم شریف میں ہو یا باہر کسی ملک میں۔

جواب یہ ہے کہ اگرچہ ایفاء نذر ایک مستقل حکم شرعی ہے ایام حج اور افعال حج یا حرم کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اس کا ذکر یہاں افعال حج کے ضمن میں شاید اس وجہ سے ہے کہ انسان جب حج کے لئے نکلتا ہے تو دل کا داعیہ ہوتا ہے کہ اس سفر میں زیادہ سے زیادہ نیک کام اور عبادات ادا کرے اس میں بہت سی چیزوں کی نذر بھی کر لیتا ہے خصوصاً جانوروں کی قربانی کی نذر کرنے کا تو عام رواج ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہاں نذر سے مراد قربانی ہی کی نذر قرار دی ہے۔ اور ایک مناسبت نذر کی احکام حج سے یہ بھی ہے کہ جس طرح نذر اور قسم سے انسان پر بہت سی چیزیں جو اصل شرع کی رو سے واجب نہیں تھیں واجب ہو جاتی ہیں ۔اور بہت سی چیزیں جو اصل احکام کی رو سے حرام نا جائز نہیں تھیں وہ اس شخص پر نا جائز و حرام ہو جاتی ہیں۔ احرام کے تمام احکام تقریباً ایسے ہی ہیں کہ سلے ہوئے کپڑے، خوشبو کا استعمال بال مونڈنا، ناخن تراشنا وغیرہ فی نفسہ کوئی نا جائز کام نہ تھے مگر اس نے احرام باندھ کر یہ سب کام اپنے اوپر حرام کر لئے۔ اسی طرح حج کے دوسرے اعمال و افعال جو فرض تو عمر میں ایک ہی مرتبہ ہوتے ہیں مگر بعد میں حج و عمرہ کے لئے احرام باندھ کر یہ سب کام اس کے لئے فرض ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عکرمہ نے اس جگہ نذور کی تفسیر میں یہی فرمایا کہ اس سے مواجب حج مراد ہیں جو حج کی وجہ سے اس پر لازم ہو گئے ہیں۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾، یہاں طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحجہ کو رمی جمرہ اور قربانی کے بعد کیا جاتا ہے یہ طواف حج کا دوسرا رکن اور فرض ہے پہلا رکن وقوف عرفات ہے جو اس سے پہلے ادا ہو جاتا ہے۔ طواف زیارت پر احرام کے سب احکام مکمل ہو کر پورا احرام کھل جاتا ہے۔ (روی ذلك عن ابن عباس و مجاهد و الضحاك و جماعة بل قال الطبري و ان لم يسلم له لا خلاف بين المتاولين في انه طواف الافاضه و يكون ذلك يوم النحر از روح المعانی)

بیت عتیق، بیت اللہ کا نام بیت عتیق اس لئے ہے کہ عتیق کے معنے آزاد کے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے گھر کا نام بیت عتیق اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفار و جبابرہ کے غلبہ اور قبضہ سے آزاد کر دیا ہے (رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ وابن جریر والطبرانی وغیرھم از روح المعانی) کسی کافر کی مجال نہیں کہ اس پر قبضہ یا غلبہ کر سکے۔ اصحاب فیل کا واقعہ اس پر شاہد ہے واللہ اعلم۔ تفسیر مظہری میں اس موقع پر طواف کے مفصل احکام ومسائل جمع کر دیے ہیں جو بہت اہم قابل دید ہیں۔ واللہ اعلم

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَيْ جَمَاعَةٍ مُؤْمِنَةٍ سَلَفَتْ قَبْلَكُمْ جَعَلْنَا مَنْسَكًا بِفَتْحِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وَبِكَسْرِهَا اِسْمُ مَكَانٍ أَيْ ذِبْحًا قُرْبَانًا أَوْ مَكَانَهُ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ عِنْدَ ذَبْحِهَا فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ أَسْلِمُوْا ۗ اِنْقَادُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الْمُطِيْعِيْنَ الْمُتَوَاضِعِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ خَافَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ مِنَ الْبَلَايَا وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ فِيْ أَوْقَاتِهَا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ يَتَصَدَّقُوْنَ وَالْبُدْنَ جَمْعُ بَدَنَةٍ وَهِيَ الْإِبِلُ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ أَعْلَامِ دِيْنِهٖ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ نَفْعٌ فِي الدُّنْيَا كَمَا تَقَدَّمَ وَأَجْرٌ فِي الْعُقْبٰى فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا عِنْدَ نَحْرِهَا صَوَآفَّ ۚ قَائِمَةٌ عَلٰى ثَلٰثٍ مَعْقُوْلَةُ الْيَدِ الْيُسْرٰى فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا سَقَطَتْ إِلَى الْأَرْضِ بَعْدَ النَّحْرِ وَهُوَ وَقْتُ الْأَكْلِ مِنْهَا فَكُلُوْا مِنْهَا إِنْ شِئْتُمْ وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ الَّذِيْ يَقْنَعُ بِمَا يُعْطٰى وَلَا يَسْأَلُ وَلَا يَتَعَرَّضُ وَالْمُعْتَرَّ ۚ السَّائِلَ أَوِ الْمُتَعَرِّضَ كَذٰلِكَ أَيْ مِثْلَ ذٰلِكَ التَّسْخِيْرِ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ بِأَنْ تُنْحَرَ وَتُرْكَبَ وَإِلَّا لَمْ تُطِقْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ إِنْعَامِيْ عَلَيْكُمْ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا أَيْ لَا يُرْفَعَانِ إِلَيْهِ وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۗ أَيْ يَرْفَعُ إِلَيْهِ مِنْكُمُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ الْخَالِصُ لَهٗ مَعَ الْإِيْمَانِ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ أَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ وَمَنَاسِكِ حَجِّهٖ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ أَيِ الْمُوَحِّدِيْنَ إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ
ع ۵ ۱۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ غَوَائِلَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ فِيْ أَمَانَتِهٖ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ لِنِعْمَتِهٖ وَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ الْمَعْنٰى أَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ

ترجمہ: اور (جس قدر تم سے قبل اہل ایمان کی ملتیں گذر چکیں ان میں سے) ہر امت کے لیے قربانی کرنا (سین پر فتحہ مصدر اور سین پر کسرہ تو اسم مکان) اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں (ان کو ذبح کرنے کے وقت) جو

اس نے ان کو عطا فرمایا تھا سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو (فرمانبرداری قبول کرو) اور آپ گردن جھکا دے (اطاعت شعار اور تواضع کرنے) والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ جو ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ (صدقہ وغیرہ) کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹ بدن کی بدنہ کی جمع ہے (اور گائے بکری بھیڑ) ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے تمہارے واسطے اس میں فائدے ہیں دنیوی منافع جن تذکرہ گذر چکا اور آخرت میں اجر (ثواب) سو تم ان پر (بوقت نحر وذبح) قطار باندھ کر (تین ہاتھ پاؤں پر کھڑے کر کے کہ بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو اللہ کا نام لیا کرو پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں (ذبح نحر کے بعد زمین پر اور وہ کھانے کا وقت ہے ان میں سے) تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے (ہوئے کو کہ جو کچھ دیا جائے اس پر قناعت کرلے اور وہ سوال نہ کرے اور نہ تعرض کرتا ہے تو ایسے شخص) کو اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔ ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کردیا (کہ تم نحر اور ذبح کرتے اور سوار ہوتے ہو) اس پر قادر نہ ہوتے) اب اس کا حق یہ ہے کہ اس پر شکر گذاری کیا کرو، تاکہ تم شکر کرو (میرے انعام کا جو تم پر ہوئے) اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ انکا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے (یعنی تمہاری جانب سے اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا عمل صالح پہنچتا ہے جو ایمان کے ساتھ خالصتاً اسی کے لیے کیا ہو (اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا کہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تم کو راہ سمجھائی (اپنے دین کی نشانی اور اپنے لیے حج کے ارکان واحکام کی توفیق دی) اور اے محمد ﷺ اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے (مشرکوں کی بلاؤں کو) ہٹا دیگا، بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والوں کو نہیں چاہتا (کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہو اور یہ مشرک لوگ ہیں مطلب یہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا!

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: جَمَاعَةٍ: امة سے یہاں جماعت مؤمنہ مراد ہے افعال حج مؤمن کے لئے ہیں۔

قوله: مَنْسَكًا: یہ نسک کے معنی میں ہے وہ خون بہانے کو کہتے ہیں۔

قوله: اسْمَ اللهِ: فقط اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کے وقت ذبح قرار پائے گا۔

قوله: الْبُدْنَ: اس سے مراد اونٹ ہے یہ بدنة کی جمع ہے گائے وغیرہ بھی اسی حکم میں ہے۔ یہ جعلنا ھا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: سَقَطَتْ: یہ گرنا موت سے کنایہ ہے۔

قوله: وقت الاکل: کہہ کر بتلایا کیونکہ جانور اضطراب سے قرار میں آگیا اب کاٹ کر کھانے کے لئے استعمال میں لاؤ۔

قوله: إِنْ شِئْتُمْ: اس سے اباحت کی طرف اشارہ کیا۔

قوله: تَشْكُرُوْنَ: تقرب واخلاص کے ذریعہ میرے انعام کا شکر بجالاؤ۔ اس کا مفعول انعامی محذوف ہے۔

قوله: كَذٰلِكَ: اس کو تذکیر نعمت اور تکبر کی تعلیل کے طور پر دوبارہ لائے۔ لتکبروا یعنی تا کہ اس کے اقتدار کی وجہ سے اس کی عظمت کو پہچانو۔

قوله: الْمُوَحِّدِيْنَ: مراد مطلق مؤمن ہیں محسن سے مراد موحد ہیں۔

قوله: يُدٰفِعُ: یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دفاع میں مبالغہ فرمائے گا۔

قوله: غَوَائِلَ الْمُشْرِكِيْنَ: یہ مفعول کا بیان ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ....

قربانی ہر امت پر فرض قرار دی گئی:

فرمان ہے کہ کل امتوں میں ہر مذہب میں ہر گروہ کو ہم نے قربانی کا حکم دیا تھا۔ ان کے لئے ایک دن عید کا مقرر تھا۔ وہ بھی اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ سب کے سب مکے شریف میں اپنی قربانیاں بھیجتے تھے۔ تا کہ قربانی کے چوپائے جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام ذکر کریں۔ حضور علیہ السلام کے پاس دو مینڈھے چتکبرے بڑے بڑے سینگوں والے لائے گئے آپ نے انہیں لٹا کر ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا ہمیں اس میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ دریافت کیا اور اون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ان کے روئیں کے بدلے ایک نیکی۔ اسے امام ابن جریر رحمۃ اللہ بھی لائے ہیں۔ تم سب کا اللہ ایک ہے گو شریعت کے بعض احکام ادل بدل ہوتے رہے لیکن توحید میں، اللہ کی یگانگت میں، کسی رسول کو کسی نیک امت کو اختلاف نہیں ہوا۔ سب اللہ کی توحید، اسی کی عبادت کی طرف تمام جہان کو بلاتے رہے۔ سب پر اول وحی یہی نازل ہوتی رہی۔ پس تم سب اس کی طرف جھک جاؤ، اس کے ہو کر رہو، اس کے احکام کی پابندی کرو، اس کی اطاعت میں استحکام کرو۔ جو لوگ مطمئن ہیں، جو متواضع ہیں، جو تقوے والے ہیں، جو ظلم سے بیزار ہیں مظلومی کی حالت میں بدلہ لینے کے خوگر نہیں، مرضی مولا، رضائے رب پر راضی ہیں انہیں خوشخبریاں سنا دیں، وہ مبارکباد کے قابل ہیں۔ جو ذکر الٰہی سنتے ہیں دل نرم، اور خوف الٰہی سے پر کر کے رب کی طرف جھک جاتے ہیں، کٹھن کاموں پر صبر کرتے ہیں، مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واللہ اگر تم نے صبر و برداشت کی عادت نہ ڈالی تو تم برباد کر دیئے جاؤ گے

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ یعنی فریضہ الٰہی کے پابند ہیں اور اللہ کا حق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا دیتے رہتے ہیں، اپنے گھرانے کے لوگوں کو، فقیروں محتاجوں کو اور تمام مخلوق کو جو بھی ... کے ساتھ سلوک واحسان ...

پیش آتے ہیں۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں منافقوں کی طرح نہیں کہ ایک کام کریں تو ایک کو چھوڑیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ....

ذبح اور نحر کے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی تعلیم و تلقین:

اَلْبُدْن۔ بَدَنَۃٌ کی جمع ہے جیسے خُشُب خشبۃ کی۔ جزری نے نہایہ میں لکھا ہے بدنہ کا اطلاق اونٹ اونٹنی اور گائے بیل بھینس پر ہوتا ہے اور اس کا زیادہ استعمال اونٹوں اونٹنیوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی وجہ سے ان کو بدنہ کہا جاتا ہے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے بدنۃ (بحرکت ثلاثہ) اونٹ اونٹنی اور گائے بھینس۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء اور سدی نے کہا اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بدن کا لفظ اونٹنی اور اونٹ کے لئے مخصوص ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کلانی جسم کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ بدن، بدانتہ وہ کلاں جسم ہو گیا۔ بغوی نے لکھا ہے بڑی جسامت اور ضخامت کی وجہ سے بدنہ کہا جاتا ہے یعنی بدن سے مراد ہے بڑی جسامت والے اونٹ۔ جب آدمی خوب جسیم و ضخیم ہو جائے تو بدن الرجل بدانۃ کہا جاتا ہے۔ جو زیادہ عمر رسیدہ ہو جائے، گوشت ڈھیلا پڑ جائے تو باب تفصیل سے "بدن الرجل تبدینا" کہا جاتا ہے۔

سوارشاد فرمایا کہ تم۔ انہیں ذبح کرتے وقت۔ ان پر اللہ کا نام لو۔ کھڑا کر کے قطار میں یا اگلی طرف کا بایاں پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اونٹوں کے نحر یعنی ذبح کرنے میں سنت طریقہ یہی ہے کہ ان کو کھڑا کر کے نحر یعنی ذبح کیا جائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے نحر کی اس سنت کی اپنے قول سے بھی توضیح فرمائی اور اپنے فعل سے بھی۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو آپ نے اس کو فرمایا کہ اس کو سنت ابوالقاسم کے مطابق کھڑا کر کے اور باندھ کر نحر کر۔ (بخاری کتاب الحج، باب نحر الابل مقیدۃ مسلم کتاب الحج حدیث نمبر 358)۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹوں کو کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے نحر فرمایا۔ (مسلم کتاب الحج حدیث 147) یعنی اپنی عمر مبارک کے سالوں کے اعتبار سے۔ ہر سال کی طرف سے ایک اونٹ۔ سبحان اللہ۔ پیغمبر کا ہر کام اعلیٰ نمونے کا اور بے مثال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اول المسلمین کے تاج امتیاز کے مالک تھے اور آپ ﷺ کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے اسی کا حکم بھی ہوا تھا۔ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ (الزمر:12) صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَالَاهُ وَدَعَا بِدَعْوَتِهٖ وَبِهُدٰهُ اهْتَدٰى اِلٰى يَوْمِ الْعَرْضِ عَلَى اللّٰهِ وَاللِّقَاء۔ بہرکیف اونٹوں کے نحر کے بارے میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ ان کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کیا جائے اور پھر دعا پڑھ کر ان کو نحر کیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ۧ

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دیگا، اسے خائن اور کفور پسند نہیں ہیں:

چند صفحات پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کے لیے تشریف

لے گئے تھے تو مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک دیا تھا ان لوگوں نے بڑی ضد کی اور کسی صلح بھی کر لی لیکن اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ آپ اسی سال عمرہ کریں آپ نے احصار ہو جانے کی وجہ سے وہیں جانور ذبح کر دیئے اور احرام سے نکل کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر آئندہ سال ۷ھ میں آپ نے اس عمرہ کی قضا کی، آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ مشرکین جو مؤمنین کو تکلیف دیتے ہیں اور انہیں حرم شریف کے داخلہ سے روکتے ہیں یہ کچھ دن کی بات ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو ہٹا دے گا اور مؤمنین امن وامان کے ساتھ چلے پھریں گے اور حج وعمرہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا) ہر کافر اور مشرک خیانت کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہے کہ اپنے خالق ومالک وحدہ لاشریک کی عبادت کرے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو مانے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا لہٰذا وہ بہت بڑا خائن ہے۔ اسی لیے لفظ خوان مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور ہر کافر کفور یعنی ناشکرا بھی ہے پیدا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی اور ان دینوں کو اختیار کرتا ہے جنہیں لوگوں نے خود تراشا ہے یہ خالق جل مجدہ کی بہت بڑی ناشکری ہے کہ نعمتیں اس کی کھائیں اور اسی کے دین سے منحرف رہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں فرماتا مشرک اور کافر سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں آخر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور اللہ کے مؤمن بندے ہی کامیاب ہوں۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ اَیْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يُّقَاتِلُوْا وَهٰذِهٖ اَوَّلُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ فِی الْجِهَادِ بِاَنَّهُمْ اَیْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ ظُلِمُوْا بِظُلْمِ الْكَافِرِيْنَ اِيَّاهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ اِلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ فِی الْاِخْرَاجِ مَا اُخْرِجُوْا اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا اَیْ بِقَوْلِهِمْ رَبُّنَا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَهٰذَا الْقَوْلُ حَقٌّ وَالْاِخْرَاجُ بِهٖ اِخْرَاجٌ بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ بِالتَّشْدِيْدِ لِلتَّكْثِيْرِ وَبِالتَّخْفِيْفِ صَوَامِعُ لِلرُّهْبَانِ وَبِيَعٌ كَنَائِسُ لِلنَّصَارٰی وَّصَلَوٰتٌ كَنَائِسُ لِلْيَهُوْدِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَّمَسٰجِدُ لِلْمُسْلِمِيْنَ يُذْكَرُ فِيْهَا اَیِ الْمَوَاضِعِ الْمَذْكُوْرَةِ اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَتَنْقَطِعُ الْعِبَادَاتُ بِخَرَابِهَا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اَیْ يَنْصُرُ دِيْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَلٰی خَلْقِهٖ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ مَنِيْعٌ فِیْ سُلْطَانِهٖ وَقُدْرَتِهٖ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ بِنَصْرِهِمْ عَلٰی عَدُوِّهِمْ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ جَوَابُ الشَّرْطِ وَهُوَ وَجَوَابُهٗ صِلَةُ الْمَوْصُوْلِ وَيُقَدَّرُ قَبْلَهٗ هُمْ مُبْتَدَاءٌ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ اَیْ اِلَيْهِ مَرْجِعُهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

تانیث قوم باعتبار المعنٰی وَعَادٌ قوم ھود وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ قوم صالح وَقَوْمُ اِبْرٰھِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَاَصْحٰبُ
مَدْیَنَ قوم شعیب وَكُذِّبَ مُوْسٰى كذبه القبط الا قومه بنو اسرائيل اى كذب هؤلاء رسلهم فلك
اسوة بهم فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ امهلتهم بتاخير العقاب لهم ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ بالعذاب فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ اى
انكارى عليهم بتكذيبهم باهلاكهم والاستفهام للتقرير اى هو واقع موقعه فَكَاَيِّنْ اى كم مِّنْ قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَا وفى قراءة اهلكناها وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ اى اهلها بكفرهم ساقطة عَلٰى عُرُوْشِهَا سقوفها
وَ كم من بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ متروكة بموت اهلها وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ رفيع خال بموت اهله اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اى
كفار مكة فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ ما نزل بالمكذبين قبلهم اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا
اخبارهم بالاهلاك وخراب الديار فيعتبروا فَاِنَّهَا اى القصة لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى
الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ تاكيد وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ بانزال العذاب فانجزه يوم بدر وَاِنَّ
يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ من ايام الآخرة بالعذاب كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ بالتاء والياء فى الدنيا وَكَاَيِّنْ مِّنْ
ع ۶ ۱۰ ۱۲ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا المراد اهلها وَاِلَىَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ المرجع

ترجمہ: لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے کافر لڑتے ہیں اہل ایمان (کہ وہ ان کفار سے قتال کریں اور یہ جہاد کے سلسلہ میں پہلی آیت ہے) اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے (کفار کی جانب سے ان اہل ایمان پر) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے (نہیں نکالے گئے اگر نکالے گئے ہیں تو) محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ایک) اللہ ہے (اور یہ بات حق ہے اور اس وجہ سے نکالنا ناحق نکالنا ہے) اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو ھدمت تخفیف اور تشدید دونوں طرح ہے نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے (اور ان عبادت خانوں کے منہدم اور ویران ہو جانے کی وجہ سے عبادات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے) اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کریگا جو کہ اللہ (کے دین) کی مدد کریگا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا ہے (اور) غلبہ والا ہے (اپنی سلطنت اور قدرت میں بڑا غالب ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ دے کر تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں (یہ کلام جواب شرط ہے اور شرط ہے اور جواب شرط موصول کا صلہ ہے اور اس سے قبل

مبتداء ھم مقدر ہے) اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے (اس کی جانب آخرت میں لوٹتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو تسلی کے طور پر اشارد ہوا اور یہ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اہل مدین (قوم شعیب) بھی تکذیب کر چکے ہیں اور موسیٰ کو بھی کاذب قرار دیا گیا ہے (کہ حضرت موسیٰ کو قوم فرعون نے جھٹلایا نہ کہ ان کی قوم بنی اسرائیل نے یعنی ان تمام قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا لہٰذا آپ کے لیے ان کا اسوہ ہے) پھر میں نے ان کافروں کو مہلت دی (ان پر عذاب میں تاخیر کرنے کے ساتھ) جیسے آج کے منکروں کو مہلت دے رکھی ہے پھر میں نے ان کو پکڑ لیا (عذاب کے ساتھ) تو کیسا ہوا میرا انکار (یعنی ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر میرا انکار کرنا ان کو ہلاک کرنے کی صورت میں۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی وہ واقع ہونے والا ہے غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیا (اور ایک قراءت میں اھلکتھا ہے) جن کی حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں (یعنی اس بستی کے رہنے والے اپنے کفر میں مبتلا رہتے ہوئے) تو وہ اپنی چھتوں پر گر پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں (کہ جو پڑے ہوئے ہیں ان کے مالک مرجانے کی وجہ سے) بہت سے پختہ چونے کے محل اس زمانے میں پختہ مکانات اور (قصور) شاہی ان اشیاء سے بنائے جاتے تھے (اونچے اونچے کہ جو خالی پڑے ہوئے ہیں ان کے مالک مرجانے کی وجہ سے) تو کیا یہ (مکہ میں رہنے والے) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہو جائیں کہ ان سے سمجھنے لگیں (ان سے قبل تکذیب کرنے والے لوگوں سے متعلق کیا نازل ہوا ہے) یا ان کے کان ایسے ہو جاویں کہ ان سے سننے لگیں (اہلاک کی خبریں اور بستیوں کے اجڑنے کے حالات تاکہ پھر وہ ان سے عبرت لیں) بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں (یہ تاکید ہے) اور آپ سے یہ لوگ عذاب جلدی طلب کر رہے ہیں درآنحالیکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا عذاب نازل کرنے میں (اور پھر وہ بدر کی صورت میں پورا ہو کر رہا) اور آپ کے پروردگار کے پاس ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق (یعنی آخرت کے عذاب کا ایک دن دُنیا کے دنوں کے ایک ہزار سال کے برابر ہے تعدون، یعدون دونوں قراءت ہیں) اور کتنی ہی بستیاں ہیں (جن کے باشندوں کو) میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَنْ يُقَاتِلُوْا: یہ مفعول محذوف کا بیان ہے، ان کا حذف یقاتلون کی دلالت کی وجہ سے ہے۔

قوله: فِي الْاِخْرَاجِ: بالاخراج سے متعلق ہے۔ یہ نہیں کہ دیار کی اضافت اس کی طرف ہے۔

قوله: بِقَوْلِهِمْ: باالصاق کے لئے ہے یا استثناء متصل درست ہو سکے۔

قوله: الْمَوَاضِعُ الْمَذْكُوْرَةُ: یہ اربع کی صفت ہے۔

قوله: يَنْصُرُ: اللہ تعالیٰ نے دعویٰ نصرت پورا کیا کہ مہاجرین وانصار کو صنادید قریش پر مسلط کر دیا۔

قولہ: نصرت: سے نصرت دین ہے اللہ تعالیٰ کسی کی نصرت کا محتاج نہیں۔

قولہ: بِنَصْرِهِمْ: یہاں تمکین سے نصرت کے طریقہ سے۔

قولہ: قَوْمُ: یہ معنی کے لحاظ سے مونث ہے۔ فعل بھی اس کے لئے مونث لاتے ہیں معنی سے مراد یہ جماعت کے معنی میں ہے۔

قولہ: كَذَّبَهُ الْقِبطُ: بناء فعل مفعول کے لئے ہے۔

قولہ: اِنْكَارِيْ عَلَيْهِمْ: نکیر بمعنی انکار ہے نکارت کے معنی میں نہیں۔

قولہ: اَهْلَكْنٰهَا: کا مطلب وہاں کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

قولہ: فَهِيَ خَاوِيَةٌ: اس کا عطف اھلکنا پر ہے نہ کہ حال ہے۔

قولہ: وَكَمْ مِنْ: لفظ کم ومن مقدر ہے اس سے اشارہ ہے وبئر معطلۃ کا عطف ومن قریہ پر ہے۔

قولہ: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا: اس میں ان کو ہلاک ہونے والے کے مقامات دیکھنے پر ابھارا تا کہ عبرت حاصل کریں۔

قولہ: مَا نَزَلَ: یہ یعقلون کا مفعول ہے۔ اَخْبَارُهُمْ یہ یسمعون کا مفعول ہے لیکن عبرت سے ان کے دل اندھے ہیں۔

قولہ: تَاكِيْدٌ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ آنکھوں کا اندھا پن مراد نہیں۔

قولہ: بِالْعَذَابِ: اس سے مراد وہ عذاب جس سے ڈرایا گیا یہ باسببیہ ہے۔

قولہ: كَاَلْفِ سَنَةٍ: اس سے عذاب کی طوالت مراد ہے۔

قولہ: اَلْمُرَادُ اَهْلُهَا: مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنا دیا۔

قولہ: اِلَيَّ الْمَصِيْرُ: اس سے حکم کی طرف لوٹنا مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝

جہاد کی اجازت اور اس کے فوائد، اصحاب اقتدار کی ذمہ داریاں:

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا آپ کی دعوت پر شروع میں ان لوگوں نے لبیک کہی جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف تھے۔ ان حضرات کے پاس مال بھی نہ تھا اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مشرکین کے غلام تھے اور بعض پردیسی تھے مشرکین مکہ ان حضرات کو بہت بہت تکلیف دیتے اور بری طرح مارتے پیٹتے تھے حتیٰ کہ ان میں بہت سے حضرات حبشہ کو ہجرت کر گئے اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے جب تک یہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے ان کو صبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی جب مدینہ منورہ میں مسلمان جمع ہو گئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہو گئی جس میں اپنا اقتدار بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیدی، حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کو شہر بدر کر دیا ہے یہ لوگ ضرور ہلاک ہونگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ نازل فرمائی حضرت ابوبکر صدیق نے آیت سن کر یوں فرمایا کہ میں آیت کے نازل ہونے سے سمجھ گیا کہ اب (مشرکین سے ہماری) جنگ ہوگی چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا اور باذن اللہ تھوڑے سے مسلمان کافروں کی تین گنا تعداد پر غالب آ گئے اس کے بعد اگلے سال غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا اور غزوات کے مواقع پیش آتے رہے اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے قدرت ہے کہ جس کی چاہے مدد فرمائے۔ مکہ مکرمہ میں وہ مسلمانوں کو کافروں کی ایذاؤں سے محفوظ رکھنے پر قادر تھا اور اس کے بعد بھی اسے قدرت تھی کہ جنگ کیے بغیر مسلمان مدینہ منورہ میں آرام سے رہیں اور دشمن چڑھ کر نہ آئے اور ان سے مقابلہ نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ مسلمان کے جان و مال اللہ کی راہ میں خرچ ہوں اور ان کو بہت زیادہ ثواب دیا جائے۔ مشرکین مکہ نے جو اہل ایمان سے دشمنی کی اور ان کو تکلیفیں دیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ حضرات اللہ کا نام لیتے تھے اللہ کو اپنا رب مانتے تھے دین توحید قبول کر لیا تھا کسی کا بگاڑا کچھ نہیں تھا کسی قسم کا کوئی جرم نہیں کیا تھا کافروں کے نزدیک ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے

اسی کو فرمایا: الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ .... اس میں جہاد اور قتال کی حکمت بیان فرمائی اور یہ بتایا کہ قتال اور جہاد صرف اسی امت کے لیے مشروع اور مامور نہیں ہے اس امت سے پہلے جو مسلمان تھے ان کے لیے بھی قتال مشروع تھا۔ بات یہ ہے کہ کفر اور اسلام کی ہمیشہ دشمنی رہی ہے اسی وجہ سے کافروں اور مؤمنوں میں لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اپنے اپنے زمانہ میں حضرت انبیاء کرامؑ کی امتوں نے کافروں سے جنگ کی ہے اور اس کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے، اللہ جل شانہٗ کی یہ عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت کو دفع فرمایا ہے اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادت گاہوں کو گرا کر ختم کر دیتے۔ یہود نے (جو اپنے زمانہ میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادت گاہوں کو بچایا پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانے کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادت خانوں کی حفاظت کی، وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں اب امت محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمانوں کی جنگ ہے اگر مسلمان جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرا دی جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے، کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور ان میں جماعت سے نمازیں پڑھیں مسلمانوں کے جہاد سے ڈرتے رہتے ہیں اس لیے دنیا جہاں میں مسجدیں قائم ہیں اور پورے عالم میں برابر ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

خلفائے راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور اس کا ظہور:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ اس آیت میں اَلَّذِینَ صفت ہے ان لوگوں کی جن کا ذکر اس سے پہلے آیت میں ان الفاظ سے آیا ہے: الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ. یعنی وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے ظلماً بغیر کسی حق کے نکال دیا

گیا۔ ان لوگوں کے بارے میں اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت واقتدار دے دیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے کہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں برے کاموں سے روکیں۔ اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیات ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی ہیں جبکہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت واقتدار حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دے دی کہ جب ان کو اقتدار حکومت ملے گا تو یہ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے اسی لئے حضرت عثمان غنی نے فرمایا ثناء قبل بلاء، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے عمل کرنے والوں کی مدح وثناء ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا کے مصداق صحیح تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کو سب سے پہلے زمین کی مکنت وقدرت یعنی حکومت وسلطنت عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا برے کاموں کا راستہ بند کیا۔

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانے میں قائم ہوا وہ حق وصحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے۔

(روح المعانی)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ وَ اَنَا بَشِیْرٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِنَ الذُّنُوْبِ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ هُوَ الْجَنَّةُ وَ الَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا اَلْقُرْاٰنِ بِاِبْطَالِهَا مُعٰجِزِیْنَ مَنِ اتَّبَعَ النَّبِیَّ اَیْ یَنْسِبُوْنَهُمْ اِلَی الْعَجْزِ وَ یُثَبِّطُوْنَهُمْ عَنِ الْاِیْمَانِ اَوْ مُقَدِّرِیْنَ عِجْزَنَا عَنْهُمْ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ مُعَاجِزِیْنَ مُسَابِقِیْنَ لَنَا یَظُنُّوْنَ اَنْ یَفُوْتُوْنَ بِاِنْكَارِهِمُ الْبَعْثَ وَ الْعِقَابَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ اَلنَّارِ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ هُوَ نَبِیٌّ اُمِرَ بِالتَّبْلِیْغِ وَّ لَا نَبِیٍّ اَیْ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّبْلِیْغِ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی قَرَاَ اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ قِرَاءَتِهٖ مَا لَیْسَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مِمَّا یَرْضَاهُ الْمُرْسَلُ اِلَیْهِمْ وَ قَدْ قَرَاَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فِیْ سُوْرَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ غَیْرِ عِلْمِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ شَعُرَ بِهٖ تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ ثُمَّ اَخْبَرَهٗ جِبْرَئِیْلُ بِمَا اَلْقَاهُ الشَّیْطَانُ عَلٰی لِسَانِهٖ مِنْ ذٰلِكَ فَحَزِنَ فَسُلِّیَ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ لِیَطْمَئِنَّ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ یُبْطِلُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ یُثَبِّتُهَا وَ اللّٰهُ

عَلِيْمٌ بِالْقَاءِ الشَّيْطَانِ مَاذُكِرَ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ فِى تَمْكِيْنِهِ مِنْهُ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً
مِحنَةً لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ شَكٌّ وَنِفَاقٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۚ اَيِ الْمُشْرِكِيْنَ عَنْ قُبُوْلِ الْحَقِّ وَاِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ خِلَافٍ طَوِيْلٍ مَعَ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ جَرٰى عَلٰى لِسَانِهِ ذِكْرُ
اٰلِهَتِهِمْ بِمَا يُرْضِيْهِمْ ثُمَّ اَبْطَلَ ذٰلِكَ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ التَّوْحِيْدَ وَالْقُرْاٰنَ اَنَّهُ اَيِ الْقُرْاٰنُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ تَطْمَئِنَّ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ طريق مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾ اى
دِيْنَ الْاِسْلَامِ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ شَكٍّ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اَيِ الْقُرْاٰنُ بِمَا اَلْقَاهُ الشَّيْطٰنُ عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَبْطَلَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَىْ سَاعَةُ مَوْتِهِمْ اَوِ الْقِيٰمَةُ فَجْاَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ
عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ لَا خَيْرَ فِيْهِ لِلْكُفَّارِ كَالرِّيْحِ الْعَقِيْمِ الَّتِىْ لَا تَاْتِىْ بِخَيْرٍ اَوْهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَا
لَيْلَ لَهٗ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ اَىْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لِّلّٰهِ ۚ وَحْدَهٗ وَمَاتَضَمَّنَهٗ مِنَ الْاِسْتِقْرَارِ نَاصِبٌ لِلظَّرْفِ يَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ ۚ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ بِمَا بَيَّنَ بَعْدَهٗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِنَ
ع ٩ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ شَدِيْدٌ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ

ترجمہ: آپ ان اہل مکہ سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو تمہارے لیے صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والا سو جولوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت ہے اور جولوگ ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے رہتے ہیں انھوں نے مؤمین کو عاجز سمجھ رکھا ہے اور انھیں ایمان سے روکنے کی سعی کرتے ہیں یا یہ کہ انھوں نے خدا تعالیٰ کو عاجز سمجھ لیا ہے اور ایک قرأت میں معجزین کے بجائے معاجزین ہے مسابقین کے معنی میں گویا ان منکرین نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے حشر ونشر کے انکار کے باوجود خدا تعالیٰ ان پر عذاب لانے پر قادر نہیں ہیں وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا، رسول اسے کہتے ہیں جنھیں تبلیغ پر مامور کیا گیا ہو اور نبی اسے کہتے ہیں جنھیں تبلیغ پر مامور نہ کیا گیا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا اور قرآن میں غیر قرآن کو شامل کر دیتا جس سے مشرکین خوش ہوتے ایک مرتبہ جب آنحضور ﷺ قریش کی مجلس میں سورہ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے افرئیتم الات والعزی ومنات الثلثۃ الاخری کے بعد غیر شعوری طور پر تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی بھی تلاوت کردی جو شیطان کی طرف سے اضافہ تھا تو کفار بہت خوش ہوئے جس پر جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ یہ قرآن کی آیت نہیں ہے بلکہ شیطان کی طرف سے اضافہ ہے یہ معلوم ہو کر

آنحضرت ﷺ نہایت غمزدہ ہوئے تو آپ کو آنے والی آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی اور مطمئن کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے جانتا ہے اس اضافہ کو جو شیطان کی طرف سے کیا گیا خوب حکمت والا ہے لہٰذا شیطان کو جو کچھ انھوں نے اختیار دے رکھا ہے اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی اور یہ سب اس لیے ہے تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنادے جن کے دل میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل سخت ہیں حق بات کے قبول کرنے کے سلسلہ میں اور واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں آنحضرت ﷺ اور مؤمنین کی اس وجہ سے کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا تذکرہ آیا لیکن خدا تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا اور یہ سب اس لیے بھی کہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے توحید و قرآن کا وہ یقین کرلیں کہ یہ قرآن آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے سو اس کے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں پھر اسکی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں اور عمل پر مطمئن ہو جائیں بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں یعنی قرآن کے بارے میں اور اس چیز کے بارے میں جس کا شیطان نے قرآن میں اضافہ کر دیا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا (یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آپہنچے) یعنی مرنے کے وقت یا اچانک قیامت یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آپہنچے اور وہ یوم بدر ہے جس دن کہ کفار کے لیے کوئی خیر نہیں تھی جیسا کہ ریح عقیم کوئی خیر نہیں لاتی یا وہ قیامت کا دن ہے حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی اور جو لفظ استقر کے معنی کو متضمن ہے وہی ظرف (یومئذ) کا ناصب ہوگا وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا یعنی مؤمنین و کافرین کے درمیان اور وہ فیصلہ کیا ہوگا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ کے باغوں میں ہوں گا اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لیے عذاب ذلت والا ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَنَا بَشِيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان والوں اور ان کی بشارت کا تذکرہ کفار کو مزید غصہ دلانے کے لئے ہے۔

قوله:: تعجیز سے مراد نسبت الی التعجیز ہے۔

قوله: مُقَدِّرِيْنَ: یہ حال مقدر ہے تعجیز سبق کے معنی میں ہے مگر ان کو اس کی قدرت ہے۔

قوله: مُسَابِقِيْنَ: عاجز کرنے والے ہر ایک دوسرے کو درماندی کرنا چاہتا ہے۔

قوله:: مسابقت یہاں ان کے ظن کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔

قوله: رَّسُوْلٍ: وہ نبی جس کو احکام وتبلیغ کا حکم ہو یا کتاب ملے، مگر ایک دوسرے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

قوله: اِذَا تَمَنّٰى: قراءت کرنا دل میں بات لانا۔

قوله: اُمْنِيَّتِهٖ: جو دنیا میں اس کی مشغولیت کے لائق ہو۔

قولہ: فَذَفَرَأَ: یہ محققین کے ہاں مردود قصہ ہے۔

قولہ: الظّٰلِمِیْنَ: سے مراد منافق اور مشرک دونوں فریق۔

قولہ: لَفِیْ شِقَاقٍ: یہ اختلاف اصلاح نہیں بلکہ اختلاف بعد ودوری والا۔

قولہ: لهادی: یعنی اشکال والی بات میں راہنمائی کرنے والے ہیں۔

قولہ: یَوْمٍ عَقِیْمٍ: یعنی جنگ کا دن وہ بدر کا دن تھا یا پھر ساعت سے قیامت کا دن مراد ہے۔

قولہ: یوم یزول: جس دن ان کی ٹھاٹھ ختم ہو جائے۔

قولہ: فَضْلًا مِنَ اللّٰہِ: فا کا اس کی خبر میں نہ آنا اس پر خبردار کرنے کے لئے کہ ایمان والوں کا ثواب محض فضل الٰہی ہے اور کافروں کا عذاب تو اس کا سبب کفار کی بداعمالیاں۔

قولہ: بِسَبَبِ کُفْرِھِمْ: خبر میں فا کے داخل کرنے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا کہ ان کا کفر عذاب کا سبب ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

مشرکین ہی عذاب آنے کی جلدی مچاتے تھے اور خطاب کا رخ بھی انہی کی طرف تھا اہل ایمان کے ثواب کا ذکر تو کافروں کے غصہ اور بھڑکانے والا تھا اس لئے صرف نذیر کا ذکر کیا نذیر کے ساتھ بشیر نہیں فرمایا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بشارت سے تخویف مقدم ہوتی ہے بشارت تو صرف فرماں برداروں کے لئے ہوتی ہے اور تخویف دونوں فریقوں کے لئے عام ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جو (پیام) مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی اور میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنی قوم کو آ کر (متنبہ کیا اور) کہا میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کے) لشکر کو (پہاڑ کے اس طرف) دیکھا ہے اور میں تمہارے لئے نذیر عریاں ہوں پس جلدی کرو۔ جلدی کرو (اور بھاگو بھاگو) کچھ لوگوں نے اطلاع دینے والے کی بات مان لی اور رات سے ہی چل دیئے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر روانہ ہو گئے اور بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس کے کہے کو سچا نہ جانا اور صبح تک وہ اپنی جگہ پر رہے نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو (دشمن کے) لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو غارت کر دیا اور ان کی جڑ اکھاڑ کر رکھ دی۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میرا کہا مانا اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر چلے اور ان لوگوں کی جنہوں نے میرا کہا نہ مانا اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کی انہوں نے تکذیب کی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ ....

ذکر فتنہ شیطان برائے امتحان مخلصین ومنافقین:

(ربط) گزشتہ آیات: وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ میں اس بات کا بیان تھا کہ مجادلین اور معاندین ہمیشہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور دین حق کی تخریب کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اب

آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جد وجہد ان مجادلین اور معاندین کی قدیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبے ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے، جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو شیطان نے آیات الٰہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہٰذا اے نبی آپ ﷺ اس قسم کے فتنہ کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

شان نزول: مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ ﷺ اس آیت یعنی: افرأیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری پر پہنچے تو شیطان نے اس کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔ یہ شہباز (بت) بڑے بلند پرواز اور معظم ومحترم ہیں اور ان کی سفارش قبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

شیطان نے یہ عبارت آپ ﷺ کے لہجے میں آپ ﷺ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ ہی کی زبان سے نکلے ہیں، کافران الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد ﷺ ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھر لی اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمد ﷺ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اثناء تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور خوف زدہ اور پریشان ہو گئے۔ اس پر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

اس قصہ کے بارے میں علماء کے دوگروہ:

چونکہ یہ قصہ بظاہر منصب نبوت اور شان عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ نبی کی

اثناء تلاوت میں اپنی طرف سے کوئی آمیزش کر سکے اس لیے اس قصہ کی روایت کے بارے میں علماء کے دوگروہ ہو گئے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل باطل اور بے اصل اور موضوع ہے اور علماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو روایت کی تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ تفسیر درمنثور کو دیکھے۔

بہرحال اس قصہ کی روایت کے بارے میں علماء کے دوگروہ ہو گئے اور ہر گروہ نے اپنے اپنے مسلک کی بناء پر آیت کی اس طرح تفسیر کی کہ جو منصب نبوت اور عصمت کے خلاف نہ ہو کیونکہ عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے اصول مسلمہ میں سے ہے جس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے۔ علماء کا جو گروہ کسی درجہ میں فی الجملہ اس قصہ کے ثبوت کا قائل ہے عصمت انبیاء کے اجماعی مسئلہ سے وہ بھی غافل نہیں یہ گروہ کثرت طرق اور تعدد اسانید سے مجبور ہو کر اس قصہ کو فی الجملہ ثابت ماننے کے بعد آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے کہ جو عصمت نبوت کے منافی نہ رہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

گروہ اول: امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ اور قاضی عیاض اور امام رازی اور امام بزار اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اور دیگر حضرات محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل ہے اور ملاحدہ اور زنادقہ (بے دین لوگوں) کا بنایا ہوا گھڑا ہوا ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ سے ثابت ہے۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بالفرض پیغمبر ہماری نسبت کوئی غلط بات کہتے تو یقیناً ہم ان کو پکڑتے اور ہلاک کر ڈالتے۔

معلوم ہوا کہ نبی کی زبان سے خدا کی نسبت غلط بات کا نکلنا محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقول (افتراء) کو بصیغہ لو تعبیر فرمایا ہے جو محالات اور ناممکنات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) قل ما یکون لی ان ابدله من تلقای نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی۔

اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قرآن میں اپنی طرف سے ذرہ برابر تغیر و تبدل کر سکوں میں تو صرف اللہ کی وحی کا تابع ہوں۔

یعنی میں خدا کے کلام میں ایک شوشہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

(۳) وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی۔

خدا کی قسم آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے آپ جو کہتے ہیں وہ محض خالص اللہ کی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے۔

یعنی آپ کی زبان مبارک سے جو نکلتا ہے وہ سرتاپا وحی ہوتا ہے اور نفسانی اور شیطانی آمیزش سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے یہ سورۂ نجم کی آیت ہے جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ستارہ کی کہ تمہارا پیغمبر کبھی گمراہ اور بے راہ نہیں ہوا کوئی بات اس کی زبان سے ہوائے نفسانی سے نہیں نکلتی وہ جو بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

پس جب اسی صورت میں خدا تعالیٰ نے قسم کھا کر آپ ﷺ کی نزاہت اور عصمت کو بیان فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ

اس سورت کے اثناء تلاوت میں شیطان لعین آپ ﷺ کو کچھ القاء کرے اور بتوں کی مدح کے الفاظ اس میں ملا دے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلوا دے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

ایک صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو نکلتا وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں۔ سوتم آپ ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذات مبارک کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے بتوں کی تعریف میں کوئی لفظ نکل سکے۔

(٤) نیز اسی سورت میں شرک اور مشرکین کی مذمت ہی مذکور ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سورت کی اثناء تلاوت میں بتوں کی مدح کے متعلق آپ ﷺ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلیں۔

(٥) نیز نبی تو توحید کی دعوت اور کفر وشرک سے زجر اور ممانعت کے لیے مبعوث ہوتا ہے اس کی زبان سے بتوں کی مدح میں کسی لفظ کا نکلنا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکلنا جن میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو بلاشبہ محال اور ناممکن ہے۔ ایسا کلمہ تو نبی کی زبان سے نہ قصداً نکل سکتا ہے۔ اور نہ سہواً اور نہ نسیاناً نکل سکتا ہے اور نہ جبراً وقہراً نکل سکتا ہے کہ نفس اور شیطان آپ کو اس کلمہ کے تلفظ پر مجبور کردے جس میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو۔ (۱) قصداً اور عمداً تو ایسا کلمہ نبی کی زبان سے اس لیے نہیں نکل سکتا کہ قصداً بتوں کی تعظیم اور اس کی مدح کفر اور شرک ہے اور نبی کی زبان سے قصداً تو کیا سہواً بھی کفر وشرک کا کلمہ نکلنا قطعاً محال ہے اور جو شخص نبی کی زبان پر بتوں کی تعظیم اور مدح کو جائز قرار دے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ نبی کی تمام تر سعی اور جدوجہد شرک اور بت پرستی کے مٹانے کے لیے ہے نہ کہ ان کی مدح اور تعظیم کے لیے۔
(۲) اور سہواً اس وجہ سے محال ہے کہ تلاوت وحی اور امور تبلیغیہ میں نبی سے سہو اور نسیان اور غفلت کا صدور ناممکن اور محال ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ....

ہم آپ کو یہ قرآن پڑھائیں گے پس آپ اس میں سے کوئی حرف نہیں بھولیں گے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ ہی کسی حکمت اور مصلحت سے اس لفظ کو باقی نہ رکھنا چاہے۔

حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین علیہ السلام وحی لیکر آتے تو حضور پرنور ﷺ بھی جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے کہ کہیں کوئی حرف بھول نہ جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ یعنی جب جبریل علیہ السلام وحی قرآنی آپ ﷺ کے سامنے پڑھا کریں تو آپ ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ قرآن کا آپ ﷺ کے سینہ میں بتمام وکمال جمع کردینا اور اس کا

محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے آپ ﷺ بے فکر رہے قرآن کا کوئی لفظ آپ ﷺ بھول نہیں سکتے۔

غرض یہ کہ تلاوت وحی اور دعوت وتبلیغ میں نبی کو سہو ونسیان کا پیش آ جانا بالاجماع ناممکن اور محال ہے البتہ نبی کو اپنے ذاتی افعال میں جیسے نماز وغیرہ میں سہو ونسیان کا لاحق ہونا ممکن ہے جیسا کہ نماز ظہر یا عصر میں آپ ﷺ نے بھولے سے دو رکعت یا تین پر سلام پھیر دیا اور بعد یاد آنے کے سجدہ سہو کیا تو یہ سہو ونسیان بھی حکمت ومصلحت پر مبنی تھا جس سے سجدہ سہو کی تشریع مقصود تھی کہ اگر نماز میں سہو پیش آ جائے تو امت کو کیا کرنا چاہئے۔ اور لیلۃ التعریس میں جو حضور پر نور ﷺ کی نماز فوت ہوئی تو اس سے قضاء فائتہ کی تشریع مقصود تھی کہ اگر بھولے سے نماز قضا ہو جائے تو کس طرح اس کی قضا کی جائے یہ سہو ونسیان جو آپ ﷺ کو پیش آیا اس کا وحی رسالت اور تبلیغ شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۳) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ شیطان جبراً وقہراً کسی بہانہ یا دھوکہ سے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ نکلوادے اس لیے کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے: ان عبادی لیس لك علیهم سلطن۔ اے شیطان میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ اور زور نہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے: انه لیس له سلطن علی الذین امنوا وعلی ربهم یتوکلون انما سلطانه علی الذین یتولونه والذین هم به مشرکون اور شیطان کا خود اقرار ہے: الا عبادك منهم المخلصین۔ اے پروردگار میرا اغواء تیرے عباد مخلصین پر نہیں چل سکے گا اور آنحضرت ﷺ تو سید المخلصین تھے۔ آپ ﷺ پر شیطان کے کسی زور اور زور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ جبراً بلا اختیار آپ کی زبان مبارک پر ایسے کفر وشرک کے الفاظ جاری کر سکے اگر خدانخواستہ شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو کوئی کلمہ حق آپ ﷺ کی زبان سے جاری نہ ہونے دیتا پھر یہ کہ جب شیطان کو آپ ﷺ پر یہ قدرت حاصل ہوگئی تو خدا کے خاص اور مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان کو قدرت اور غلبہ نہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ اگر نبی اور رسول پر بھی شیطان کا زور چل سکے تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہا۔ نیز نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اس وقت کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں کوئی پر مار سکے یا اس کے قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورۂ جن میں ہے: الا من ارتضی من رسول فانه یسلك من بین یدیه ومن خلفه رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسلت ربهم واحاط بما لدیهم۔ یعنی جب وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القاء نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغام کو بلا کم وکاست بندوں تک پہنچا دے پس اگر نبی القاء شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱٦٤ ج ۱۷ وص ۱٦٥ ج ۱۷)

نیز قرآن میں ہے: وانه لکتب عزیز لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید۔ یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ خود ذمہ دار ہے کسی باطل کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آ سکے بہر حال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت ﷺ شیطان کے القاء سے کسی چیز کا تلفظ کر دیں اور آپ کو القاء شیطانی اور وحی جبریل علیہ السلام میں اور قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی زبان سے قرآن میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ ہو جائے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور آپ ﷺ کو اس

پر تنبیہ نہ ہوا اور آپ ﷺ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ مزید القاء شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ امر ناممکن ہے کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے قلت بصیرت کی اور اللہ کا نبی اس سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ قرآن کریم اور وحی الٰہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائیگا اور امان اور اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری جگہ بھی القاء شیطانی سے وحی الٰہی اور پیغام خداوندی میں کمی اور زیادتی کا جواز اور امکان نکل جائیگا کہ ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی القاء شیطانی سے احکام الٰہیہ اور پیغامات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے گا کہ حسب حکم خداوندی یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ احکام خداوندی کی پوری پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں وحی الٰہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہ وہی پوری وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القاء شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہو گئی ہو غرض یہ کہ ایسی صورت میں وحی الٰہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الٰہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۴ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۱۷)

(۷) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ نظم قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ افرء یتم اللات والعزی الخ سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تلک الغرانیق العلی سے بتوں کی مدح مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی اکرم ﷺ پر کیسے مخفی رہا یہ ناممکن ہے کہ صاحب نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

(۸) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تلک الغرانیق العلی ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیا حاضرین مجلس پر ان دو مختلف النوع کلاموں کا تفاوت مخفی رہا اور وہ اس فرق پر متنبہ نہ ہوئے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ پر وحی الٰہی مشتبہ ہو گئی اور آپ ﷺ کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں فرق نہ معلوم ہوا اور قرآن اور غیر قرآن اور منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ میں آپ ﷺ کو فرق نہ معلوم ہوا اور فرشتہ اور شیطان آپ پر کیسے ملتبس اور مشتبہ ہو گئے اور ملک معصوم اور شیطان خبیث میں آپ ﷺ وسلم نے فرق نہ کیا اور توحید اور شرک اور فرشتہ اور شیطان کا فرق آپ ﷺ پر ملتبس ہو گیا۔ (روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۱۷)

(۹) نیز اس آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت حضور پر نور ﷺ کی تسلی کے لیے نازل ہوئی نہ کہ عتاب اور تنبیہ کے لیے مقصود آیت آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان معاجزین اور معاندین کی سعی فی ابطال الآیات سے رنجیدہ نہ ہوں پس اگر واقعہ مذکورہ صحیح ہوتا تو آپ ﷺ پر عتاب نازل ہوتا۔

نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((من رانی فی المنام فقد رانی حقا فان الشیطن لا یتمثل بی)) یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے۔ پس جب شیطان عام مؤمنین کے لیے بشکل نبی متمثل اور متشکل نہیں ہو سکتا تا کہ اہل ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت

ﷺ کے لیے بشکل جبرئیل متمثل اور متشکل ہونا بدرجہ اولیٰ محال اور ناممکن ہوگا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی ص ...
عشرۃ کاملۃ) پس یہ دس دلیلیں جو زیادہ تر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر روح المعانی سے ماخوذ
ہیں اور کچھ حصہ شرح بیضاوی سے بھی ماخوذ ہے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر دیا ہے۔ حضرات اہل علم
تفاسیر مذکورہ بالا کی مراجعت فرمالیں۔ دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی دلائل ملیں گے جن کو ہم نے اختصار کی بنا پر چھوڑ دیا۔

بہرحال اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور صحیح روایتوں میں صرف اس قدر ہے
کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا سب نے سجدہ کیا مگر قریش
کے ایک شیخ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور ان کو اپنی پیشانی پر اٹھایا اور ان پر سجدہ کیا۔ صرف اتنی روایت صحیح ہے اور باقی بے اصل
اور باطل ہے۔ تمام روایات صحیحہ میں واقعہ غرانیق العلیٰ کا کہیں ذکر نہیں۔

آمدیم برسر مطلب

اب ہم آیت ہذا کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن تفسیر آیت سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں
دو لفظ مذکور ہیں ایک ''تَمَنّٰی'' دوسرا ''اَلْقَی'' آیت تفسیر سے پہلے ان دونوں لفظوں کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

لفظ ''تَمَنّٰی'' سو جاننا چاہئے کہ لفظ ''تَمَنّٰی'' دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک بمعنی قراءت وتلاوت جس کے معنی
پڑھنے کے ہیں اور دوسرے معنی دلی آرزو اور تمنا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ کلام عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے سورۂ نجم
میں ہے۔ ام للانسان ما تمنی یہاں ''تَمَنّٰی'' سے دلی خواہش اور آرزو کے معنی مراد ہیں اور سورۂ بقرہ میں ومنھم
امیون لا یعلمون الکتب الا امانی۔ یہاں امنیہ سے صرف زبان سے الفاظ توریت پڑھنے کے معنی مراد ہیں۔

لفظ اَلْقَی: لفظ اَلْقَی کے اصل معنی ڈالنے کے ہیں اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ آیت میں اَلْقَی سے لفظ کے اعتبار سے
اَلْقَی مراد ہے یعنی شیطان ایسے الفاظ القاء کرتا ہے جن کو سن کر لوگ فتنہ میں پڑ جائیں یا معنی کے اعتبار سے اَلْقَی مراد ہے یعنی
شیطان کفار کے دلوں میں کوئی ایسی چیز القاء کرے جو ان کے فتنہ کا سبب بن جائے تو آیت میں تَمَنّٰی اور اَلْقَی کے دونوں
معنوں میں جونسے معنی بھی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔

تفسیر اول:

اکثر مفسرین کے نزدیک تمنی کے معنی قراءت کے ہیں اور القاء سے القاء معنوی مراد ہے یعنی جب کبھی کسی نبی نے خدا
کی وحی کی قراءت کی تو شیطان نے ان کی قراءت اور تلفظ میں کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال
دیئے پس اگر اس آیت میں تمنی سے تلاوت اور قراءت کے معنی مراد لیے جائیں اور امنیہ کو بمعنی متلو اور مقروء لیا جائے یعنی
الفاظ مراد لیے جائیں جن کو نبی نے پڑھا ہے اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد لیا جائے یعنی شیطان نے انبیاء کی قراءت
کے بعد لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہ اور وسوسہ ڈال دیا جس سے وہ وحی متلو اور مقروء لوگوں پر مشتبہ ہوگئی تو اس صورت میں آیت
کی صحیح تفسیر اس طرح ہوگی اور اے نبی آپ ﷺ ان کفار معاجزین یعنی معاندین کے مجادلہ سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ

لوگ جو ابطال آیات کی سعی اور جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اس کی فکر میں نہ پڑیئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا یا اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو اس وقت شیطان نے اس کی تلاوت کردہ چیز کے بارے میں لوگوں کے دل میں بذریعہ وسوسہ کچھ شکوک اور شبہات ڈال دیئے جس سے لوگ نبی کی تلاوت کردہ یعنی اس کی پڑھی ہوئی اور سنائی ہوئی چیز کے بارے میں شک اور شبہ میں پڑ گئے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی اللہ کے کسی رسول اور نبی نے کوئی آیت تلاوت کی یا اللہ کا کوئی حکم پڑھ کر سنایا یا کوئی بات بیان کی تو شیطان نے اللہ کے حکم اور اللہ کی بات اور نبی کی بیان کردہ چیز کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بذریعہ وسوسہ، شکوک اور شبہات ڈال دیئے بعدازاں کفار شیاطین کے انہی القاء کردہ شبہات اور اعتراضات کی بناء پر انبیاء ورسل سے مجادلہ کرتے تھے اور اپنے اس مجادلہ باطلہ سے انبیاء ورسل کی بیان کردہ چیزوں کے ابطال اور محو کی سرتوڑ کوشش کرتے تھے مگر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی سعی اور جدوجہد ناکام ہوتی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وان الشیاطین لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم وقال اللہ تعالیٰ وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا۔

پس اسی قسم کے شبہات سے کفار مکہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں لگے ہوئے ہیں جیسا کہ: والذین سعوا فی ایتنا معاجزین میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۱) مثلاً جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آیت: انما حرم علیکم المیتۃ پڑھ کر سنائی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ دیکھو مسلمان اپنی ماری (یعنی ذبیحہ) کو تو حلال بتاتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیز (یعنی میتہ اور مردار) کو حرام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل کر کے اس کو منسوخ یعنی زائل اور باطل کر دیا یعنی: ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ نازل کر کے ان کے شبہ کو زائل کر دیا اور بتلا دیا کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے۔ باقی مارنے والا اور جان نکالنے والا ہر حال میں اللہ ہی ہے۔ جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے بندہ کا کام ذبح کرنا یعنی چھری چلانا ہے اس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چھری چلاؤ تو جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

(۲) اور مثلاً جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم۔ تو شیطان نے اس میں یہ شبہ القاء کیا کہ: وما تعبدون من دون اللہ۔ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ملائکہ کرام بھی داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شیطانی شبہ کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون۔ مطلب یہ تھا کہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں کلمہ "ما" سے ان کے اصنام اور بت مراد ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندے سے مراد نہیں۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ بر تفسیر بیضاوی ص ۳۹۰ ج ۳)

پس اس طرح اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو مٹا دیتا ہے یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات اور اعتراضات کو محکم اور قطعی دلائل سے اور کافی وشافی جوابات سے دور کر دیتا ہے اور ان کو بالکل نیست ونابود کر دیتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قطعی دلیل اور محکم

جواب کے بعد شبہ اور اعتراض کی بیخ و بن بھی باقی نہیں رہتی پس حق جل شانہ کے اس قول فینسخ اللہ میں نسخ سے لغوی معنی مراد
شرعی معنی مراد نہیں۔ نسخ کے لغوی معنی محو اور ازالہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کی تاثیر کو باطل اور زائل کرتا
ہے اور شیطانی خلط و ملط کو مٹا دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے نسخ کی حقیقت رفع اور ازالہ ہے سو آیت میں نسخ سے لغوی معنی مراد
ہیں عرفی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے جو وحی نازل کرتا ہے اس کی حفاظت اور نگہبانی
کرتا ہے اور اگر کوئی دوسری چیز اس میں خلط ملط ہو جائے تو اس کو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص۱۹۷ ج٦)

پھر شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ازالہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ان آیات بینات کے مضامین کو جن کو نبی
نے پڑھ کر سنایا تھا پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیتا ہے وہ آیتیں اگرچہ پہلے سے محکم اور مضبوط تھیں مگر قطعی اور شافی جواب
کے بعد انکا استحکام اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے جس سے القاء شیطانی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور شیطان کے القاء کردہ شکوک
شبہات یکلخت کافور ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے جواب کے بعد کسی شک و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہتی اور اللہ جاننے
والا اور حکمت والا ہے یعنی شیطان نے جو القاء کیا۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور شیطان کو جو اس القاء پر قدرت دی اس میں اللہ
کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اس کا ہر حکم اور ہر کام حق ہوتا ہے اور حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ شیطان کو اس القاء کی اس
لیے قدرت دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القاء کردہ چیز کو ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بنائے جن کے دلوں میں
شک اور نفاق کی بیماری ہے اور تردد اور تذبذب کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور نیز ان لوگوں کے لیے بھی آزمائش بنائے جن
کے دل بالکل ہی سخت ہیں یعنی کھلم کھلا کافر ہیں اور اپنے کفر پر پختگی سے قائم ہیں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو دار ابتلاء اور دار امتحان
بنایا ہے۔ شیطان کے ذریعہ لوگوں کا امتحان کرتا ہے اللہ نے شیطان کو پیدا ہی بندوں کے ابتلاء اور آزمائش کے لیے کیا ہے۔
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں جیسے منافقین اور مذبذبین جو تاہنوز حیرت
سے پڑے ہوئے ہیں اور وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ سے وہ سخت دل اور سنگ دل لوگ مراد ہیں جو باطل پر جمے ہوئے ہیں اور ان
کے دل بالکل سیاہ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ سو القاء شیطانی کا یہ فتنہ ان دونوں گروہوں کی آزمائش کے لیے ہے تاکہ
خبیث اور طیب ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو جائیں اور حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں مذکورہ گروہ
(١) منافقین جو دل کے بیمار ہیں اور (٢) کفار مجاہرین جو سنگ دل ہیں۔ واقعی یہ دونوں ظالم گروہ حد درجہ کی مخالفت میں ہیں جو
حق سے بہت دور و دراز نکل گئے ہیں ظاہر اسباب میں حق کی طرف ان کی واپسی بہت بعید ہے اور اسی طرح القاء شیطانی میں
ایک حکمت یہ ہے کہ تاکہ وہ لوگ جن کو من جانب اللہ صحیح علم اور صحیح فہم عطا کیا گیا ہے اس بات کو جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہی
حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ جتنی مقدار میں انہوں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا
ہے اور سمجھا ہے صرف اتنا ہی حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب غلط ہے پس جو نبی سے سنیں اور سمجھیں اس پر ایمان
لائیں اور اسی کو حق جانیں۔ ایمان تو پہلے ہی سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو جائے پھر نبی نے جو ان کو پڑھ کر
سنایا ہے اس کے سامنے اس کے دل جھک جائیں اور دل و جان سے اس کے حکم کی تعمیل کریں پس اس القاء شیطانی اور اس کے

ازالہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اہل ایمان کا ایمان اور ایقان پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط ہو گیا اور یہی صراط مستقیم ہے جو نہایت باریک ہے اور اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر انہیں بندوں کو چلاتا ہے جو اسکی باتوں کو مانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اس آیت میں اہل ایمان کی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے سے ان کی استقامت اور حفاظت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کو ہدایت پر محفوظ اور مستقیم رکھتا ہے اور معاندین اور مجادلین اور معاجزین کو اپنی توفیق سے سرفراز نہیں کرتا۔

یہاں تک آیت کی پہلی تفسیر ختم ہوئی اور یہ تمام تفسیر اس صورت میں تھی کہ آیت میں تمنی سے قراءت اور تلاوت یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے از روئے معنی القاء مراد لیا جائے یعنی وسوسہ شیطانی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ شیطان کی قدیم عادت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر کوئی چیز لوگوں کو پڑھ کر سناتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں اپنی تلاویلات فاسدہ اور شبہات واہیہ کا القاء کرتا جس سے نبی کی تلاوت کردہ چیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی اور لوگ شبہ میں پڑ جاتے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ تاویلات باطلہ، تسویلات مہملہ کو منسوخ یعنی نیست اور نابود کر دیتا ہے جس سے وہ تمام القاء شیطانی باطل اور زائل ہو جاتا ہے اور حق پہلے سے زیادہ واضح اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر:

اور اگر آیت میں تمنی کے معنی بجائے پڑھنے کے دل سے تمنا اور آرزو کرنے کے لیے جائیں اور القاء سے معنوی القاء مراد لیا جائے تو پھر آیت کی صحیح تفسیر دوسری ہوگی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہما نے اختیار فرمایا ہے جس کو اب ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں جس کو ہم ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اللہ کی بات ہوتی ہے اور ایک نبی کی طرف سے اس کے دل کا طبعی میلان اور خیال ہوتا ہے۔ اور اس کی دلی آرزو ہوتی ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ وہ نبی کی طبعی اور ذاتی آرزو ہوتی ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس میں فرق ہو سکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خواب تو صرف اسی قدر تھا جس میں کسی وقت کا ذکر نہ تھا مگر دلی آرزو اور شوق کی بناء پر یہ خیال آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہو جائے۔ اسی آرزو اور خیال کی بنا پر عمرہ کی نیت سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا مگر اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ نہ کر سکے۔ اور واپس آ گئے اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو کافروں پر غلبہ دے گا آپ کو خیال آیا کہ شاید اسی لڑائی میں فتح

ہو گئی مگر اس لڑائی میں آپ ﷺ کو غلبہ نہ ہوا بعد میں ہوا۔

غرض یہ کہ اس طرح گاہ بگاہ اصل وعدہ الٰہی کے ساتھ نبی کے خیال اور آرزو کی آمیزش ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ نبی نے جو کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا حالانکہ وہ نبی کی آرزو تھی وہ اگر پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تو جب لوگ نبی کی آرزو پوری نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شبہ میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ اس آمیزش کو دور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اللہ کا حکم اور اللہ کا وعدہ صرف اس قدر تھا وہ سرتا پا حق ہے اس میں سرمو فرق اور تفاوت نہیں اور اس قدر اس میں نبی کا ذاتی خیال اور دلی آرزو تھی۔ نبی نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تھی اور نبی کی آرزو اور اس کے طبعی خیال میں فرق نکل سکتا ہے کہ پورا نہ ہو۔ غرض یہ کہ جب اس قسم کا کوئی شبہ پیش آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اصل حکم الٰہی اور اصل وعدہ خداوندی صرف اس قدر تھا اور اس کے علاوہ نبی کی دلی تمنا اور آرزو تھی جو اس کے ساتھ مل گئی تھی کوئی خبر اور پیشنگوئی نہ تھی، اللہ تعالیٰ وحی نازل کر کے اصل وعدہ اور اصل حکم کو نبی کی طبعی آرزو سے جدا اور الگ کر دیتا ہے تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں اس سے اللہ کی بات کی مضبوطی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ہو بہو پوری ہوا اور بلاشبہ اللہ کی بات ضروری پوری ہو کر رہتی ہے البتہ نبی کی تمنا اور دلی آرزو کبھی کبھی پوری نہیں ہوتی اور اس سے پیغمبری میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اللہ نے پیغمبروں کو علم غیب عطا نہیں کیا۔ پیغمبر باقتضاء بشریت اپنے دل سے کچھ خیال باندھ لیتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کے ہر خیال اور آرزو کا پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ناممکن اور محال ہے کہ نبی کسی چیز کی خبر دے اور وہ غلط نکلے۔ خبر اور چیز ہے اور خیال اور آرزو اور چیز ہے آنحضرت ﷺ کی آرزو تو یہ تھی کہ سب ایمان لے آئیں مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی وما اکثر الناس ولو حرمت بمؤمنین آپ کی دلی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں مگر پوری نہیں ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ انک لا تهدی من احببت ولکن اللہ یهدی من یشاء۔ رہا یہ امر کہ اس صورت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی۔ سو جاننا چاہئے کہ اس آیت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہے جیسے کہ وما انسانیه الا الشیطن ان میں انساء (بھلا دینے) کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور سہو ونسیان نہ عصمت کے منافی ہے نہ نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء سے بمقتضائے بشریت کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو ادب خداوندی کی بناء پر اس کو شیطان کی طرف نسبت کر دیتے ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ یہ تمام کلام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے کلام کی توضیح وتشریح ہے۔ جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حقیقت رقم سے موضح القرآن میں نکلا ہے اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمان میں لکھتے ہیں۔

مترجم: گویہ مثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ ہجرت کردہ اند بزمینے کہ نخل بسیار دارد پس وہم بجانب یمامہ وہجر رفت در نفس الامر مدینہ بود۔ ومثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ بمکہ درآمدہ اند وحلق وقصر می کنند پس وہم آمد کہ درہماں سال ایں معنی واقع شود در نفس الامر بعد از سال ہائے چند متحقق شد ودر امثال ایں صورت امتحان مخلصان ومنافقان درمیان می آید۔ واللہ اعلم۔ (فتح الرحمن)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں آپ کو خیال آیا کہ عجب نہیں کہ وہ سرزمین ہجر یا یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بستی مدینہ ہے جس قدر وحی آسمانی تھی وہ حق تھی اس میں سر مو تفاوت نہیں ہوا۔ البتہ آپ ﷺ کے خیال اور وہم وگمان میں فرق نکلا اور پورا نہ ہوا اور آپ ﷺ نے ہجر اور یمامہ کی بابت جو خیال فرمایا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ جو خواب آپ ﷺ کو دکھلایا گیا تھا اس میں کسی بستی کی تعیین نہ تھی۔ صرف اس قدر تھا کہ آپ ﷺ نے ایسی بستی کی طرف ہجرت کی جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہیں چونکہ ہجر اور یمامہ میں بھی بکثرت کھجور کے درخت تھے اس لیے آپ کا خیال اس طرح گیا کہ شاید وہ بستی ہجر یا یمامہ ہو بعد میں یہ نکلا کہ وہ بستی مدینہ منورہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کبھی فرق نہیں نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے۔ البتہ نبی کے طبعی خیال اور دلی آرزو میں بایں معنی فرق نکل سکتا ہے کہ پوری نہ ہو اور اگر نبی کی کوئی آرزو پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نبی بمقتضائے بشریت کبھی کوئی آرزو کرتا ہے مگر کسی حکمت غیبی سے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ نبوت کے منافی نہیں۔ ابتداء میں اللہ کی طرف سے جو وعدہ ہوا وہ مجمل تھا اور اجمالی کی وجہ سے متعدد معانی کا اس میں احتمال تھا اللہ کی طرف سے کوئی تعیین نہ تھی۔ ایسے مجمل اور محتمل وعدہ میں نبی کا خیال اور اس کی آرزو کسی ایک معنی کی طرف چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اس مجمل اور محتمل سے ہماری مراد فلاں معنی ہیں۔ سو یہ نہ کوئی خطا ہے اور نہ کوئی غلطی ہے اور نہ نبوت اور عصمت کے منافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تمنا سے پہلے معنی یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد ہو تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جس کو سب سے پہلے ہم نے جمہور مفسرین سے نقل کیا اور اگر تمنا سے آرزو اور دلی خواہش کے معنی مراد ہوں تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جو ہم نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی اور یہ دوسری تفسیر تھی اور یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے وہ یہ ہے۔

تیسری تفسیر:

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں تَمَنّٰی سے اپنی قوم کے ایمان کی حرص اور تمنا مراد ہے یعنی ہر نبی اپنی قوم کے ایمان اور ہدایت کی تمنا کرتا ہے مگر شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہ ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان شبہات کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ:

ابتداء کلام میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ قصہ غرانیق علیٰ کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس قصہ کو بالکل باطل اور موضوع قرار دیتا ہے جمہور کا یہی مسلک ہے اور گزشتہ تین تفسیریں اسی قول پر مبنی تھیں جو گزر گئیں دوسرا گروہ علماء کا وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ پورا صحیح نہیں مگر بالکلیہ باطل اور بے اصل بھی نہیں بلکہ فی الجملہ ثبوت رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اسی طرف ہے اس لیے کہ یہ قصہ متعدد اسانید سے منقول ہے اگرچہ ان میں سے

بعض روایتیں مرسل ہیں اور بعض منقطع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اس گروہ کے نزدیک یہ
آیت ہذا کی تفسیر میں مختلف اقوال ہو گئے ہیں جن کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ
اگر کسی درجہ میں اس قصہ کو ثابت مانا جائے تو بر تقدیر ثبوت آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت
ﷺ نے ایک مرتبہ مجلس میں سورۃ نجم پڑھی تو وہاں بشکل انسان شیطان بھی حاضر تھا جب آپ ﷺ پڑھتے پڑھتے وَمَنٰوۃَ
الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ۝ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے حسب عادت سکوت فرمایا اس لیے کہ آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر
کر پڑھتے تھے شیطان نے آپ کے اس وقفہ کو غنیمت اور فرصت جانا اور آپ ﷺ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ﷺ کی
قراءت کے متصل ان الفاظ کو یعنی تلک الغرانیق العلی کو پڑھ دیا۔ نیز قریش کا یہ طریقہ تھا جب آپ ﷺ قرآن
پڑھتے تو بہت شور و غل مچاتے تا کہ آپ ﷺ کی قراءت کسی کو سنائی نہ دے۔ پس ایسی حالت میں شیطان نے آپ کی
آواز بنا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے جو کفار اور مشرکین شیطان کے قریب تھے انہوں نے ان الفاظ کو سنا اور گمان کیا کہ یہ الفاظ حضور
پُرنور ﷺ نے اسی طرح پڑھے ہیں مشرکین ان الفاظ کو سن کر خوش ہو گئے کہ آج تو ہمارے بتوں کی تعریف کی گئی اور تمام مکہ
میں اس کو مشہور کر دیا اور شیطان کی یہ آواز صرف ان چند کفار نے سنی جو شیطان کے قریب تھے باقی مسلمانوں نے صرف اسی
قدر سنا جو آپ ﷺ نے ان کو پڑھ کر سنایا اس کے سوا کچھ نہیں سنا۔ مشرکین کی مشہور کردہ خبر کو جب مسلمانوں نے سنا تو تعجب
اور حیرت میں پڑ گئے کہ ہم نے تو یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبان سے نہیں سنے اور آنحضرت ﷺ کو جب اس شہرت کا علم ہوا
کہ مکہ میں آپ ﷺ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آج آپ ﷺ نے اس طرح پڑھا ہے تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ اور غمگین
ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل کیں کہ اے نبی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ
ﷺ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ جب اللہ کے پیغمبر نے خدا کی طرف سے کوئی
بات بیان کی تو شیطان نے موقع پا کر وحی الٰہی کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی بات ملا دی اور اپنی جانب سے اس میں کچھ الفاظ کا
اضافہ کر دیا تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر دے مگر شیطان کا یہ فتنہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کبھی ایسا فتنہ پیش آتا ہے تو اللہ
تعالیٰ اس القاء شیطانی کی نیست و نابود کر دیتا ہے یعنی اپنے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اتنا حصہ القاء شیطانی ہے اور اتنا حصہ وحی
ربانی اور القاء آسمانی ہے پس اس طرح وحی ربانی۔ القاء شیطانی سے جدا اور ممتاز ہو جاتی ہے اور دونوں کا فرق لوگوں پر واضح ہو
جاتا ہے اور اس وقتی خلط ملط اور عارضی آمیزش سے جو اشتباہ ہوا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر مظہری ص ۳۳۹ ج ۶)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جب مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو شیطان نے موقع پا کر آپ کی آواز میں آواز ملا کر اس قسم کا
کلام ان مشرکین کے کانوں میں ڈالا جو اسکے قریب تھے جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ کلام بھی آنحضرت ﷺ کی
زبان سے نکلا ہے حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہ تھا بلکہ وہ شیطان کی کاری گری تھی۔ اور شیطان کی عادت ہے کہ وہ اس قسم کے
جھوٹ کے لئے موقع کا متلاشی رہتا ہے اور انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر کفار کی مجالس میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ان کو مشورے
دیتا ہے۔ مثلاً مشرکین دار الندوہ میں حضور پر نور ﷺ کے قتل کے مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو شیطان شیخ نجدی کی صورت میں
ظاہر ہوا اور ان کو مشورہ دیا۔

اور اسی طرح جب قریش جنگ بدر میں جانے کے ارادہ کر رہے تھے تو اس موقع پر شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو غلبہ اور کامیابی کا اطمینان دلایا کما قال اللہ تعالیٰ: وَ اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۟ تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں آپ کی قراءت کے وقت شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۹۰ ج ۳۔

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پرنور ﷺ نے ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حضور ﷺ کو تو اس کا علم بلکہ تصور بھی نہ تھا شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جن کو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا کہ یہ سب القاء شیطانی تھا وحی ربانی نہ تھی اور بتلا دیا کہ ہماری یہ قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اسی قسم کے القاء پر اول قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتا ہے جس سے سچے اور پکے ایمان والوں اور مذبذب اور کچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے لہٰذا اے نبی آپ ﷺ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ حضرات اہل علم تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲۔ اور احکام القرآن لابن العربی ص ۲۹۱ ج ۳۔ اور احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۷ ج ۳ اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۸۹ ج ۳ ضرور دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علماء کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصہ مذکورہ بالکل باطل ہے، اول کی تین تفسیریں اس مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ اصلیت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بناء پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں اس تفسیر سے اگرچہ پورے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر ان شاء اللہ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ بن عربی نے یہی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی اس طرح تفسیر کی جائے تاکہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

دوسری اور تیسری تفسیر:

جن لوگوں نے اس قصہ کو بدرجہ مجبوری کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرانیق علیٰ سے ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرانیق جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے ہرگز نہیں، مگر یہ دونوں قول سراسر

تکلف ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

تتمہ بیان سابق:

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تتمہ ہیں جن میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار مجادلین اور معاجزین ہمیشہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ سے مجادلہ کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے یا ان کو موت آجائے اس لیے فرماتے ہیں اور ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا القاء شیطانی کی وجہ سے شک اور شبہ ہی میں یا ہمیشہ جدال وخصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ آ پہنچے ان پر ناگہانی قیامت کبری یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آ پہنچے ان پر ایک منحوس دن کی آفت "منحوس دن" سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قحط کا زمانہ مراد ہے۔ "عقیم" اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بانجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاجزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال وخصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدہ عذاب کے کفر اور عناد سے باز آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام ونشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلت وخواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیاء کا مقابلہ کیا سو ان کے استکبار کے مقابلہ میں ان کو ذلت وخواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذلیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہونگے۔ (روح المعانی ص ۱٦٤ ج ۱۷)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيْ طَاعَتِهٖ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾ اَفْضَلُ الْمُعْطِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَيْ اِدْخَالًا اَوْ مَوْضِعًا يَّرْضَوْنَهٗ وَهُوَ الْجَنَّةُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ بِنِيَّاتِهِمْ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ عَنْ عِقَابِهِمُ الْاَمْرُ ذٰلِكَ الَّذِيْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمَنْ عَاقَبَ جَازٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ظُلْمًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَيْ قَاتَلَهُمْ كَمَا قَاتَلُوْهُ فِي الشَّهْرِ الْمُحَرَّمِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ مِنْهُمْ اَيْ ظُلِمَ بِاِخْرَاجِهٖ مِنْ مَنْزِلِهٖ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ لَهُمْ عَنْ قِتَالِهِمْ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ ذٰلِكَ النَّصْرُ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِيْ

النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ اَيْ يُدْخِلُ كُلًّا مِنْهُمَا فِي الْاٰخَرِ بِاَنْ يَزِيْدَ بِهٖ وَذٰلِكَ مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهِ الَّتِيْ بِهَا
النَّصْرُ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ دُعَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَصِيْرٌ ۝ بِهِمْ حَيْثُ جَعَلَ فِيْهِمُ الْاِيْمَانَ فَاَجَابَ دُعَاءَهُمْ ذٰلِكَ
النَّصْرُ اَيْضًا بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَهُوَ الْاَصْنَامُ هُوَ
الْبَاطِلُ الزَّائِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ اَيِ الْعَالِيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ بِقُدْرَتِهِ الْكَبِيْرُ ۝ اَلَّذِيْ يَصْغُرُ كُلُّ شَيْءٍ
سِوَاهُ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مَطَرًا فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً بِالنَّبَاتِ وَهٰذَا مِنْ اَثَرِ
قُدْرَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ فِيْ اِخْرَاجِ النَّبَاتِ بِالْمَاءِ خَبِيْرٌ ۝ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ عِنْدَ تَاخِيْرِ الْمَطَرِ لَهٗ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ عَلٰى جِهَةِ الْمِلْكِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ عَنْ عِبَادِهِ الْحَمِيْدُ ۝ لِاَوْلِيَائِهٖ ع ۸ ۱۵

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے پھر وہ مارے گئے یا مر گئے اللہ تعالیٰ یقیناً انھیں بہترین رزق دے کر رہے گا اور وہ جنت کی نعمت ہوگی اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے اور وہ انھیں جگہ داخل کرے گا جسے وہ بہت پسند کریں گے یعنی جنت میں مدخلا میم کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح ہے اور بیشک اللہ بڑا علم والا ہے لوگوں کی نیتوں سے واقف ہے بڑا حلم والا ہے ان کو سزا دینے میں یہ بات سن چکے ہو تمہارے سامنے ہم نے بیان کی اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی تکلیف اسے پہنچائی گی یعنی مؤمنین کو جتنی تکلیف پہنچی تھی اس کے برابر انھوں نے بدلہ لے لیا اور معاملہ برابر ہو گیا لیکن اگر پھر اس پر زیادتی کی جائے اور انھیں ان کے گھروں سے نکالا جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے یہ مؤمنین کی نصرت اور غلبہ اسی سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو داخل کرتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں اور اس طرح پر کبھی دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور کبھی رات چھوٹی ہو جاتی ہے تو جو ہستی اس پر قادر ہے ہو سکتی ہے وہ مؤمنین کی مدد پر کیوں قادر نہیں ہو سکتی ہے؟ اور اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے اہل ایمان کی دعاء کو بڑا دیکھنے والا ہے اہل ایمان کی ضرورتوں کو اس وجہ سے ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان تھا یہ نصرت اس لیے بھی ہوگی کہ اللہ ہی تو بس حق ہے اور اس کے سوا جس کو یہ پکار رہے ہیں) بتوں میں (وہ بالکل باطل ہے اور اللہ ہی تو عالیشان ہے) سب سے بڑا ہے اس کے سوا جو چیز بھی ہے سب اس سے کمتر ہے کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے سو زمین سرسبز ہو جاتی ہے یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرت میں ہے بیشک اللہ بڑا مہربان ہے اپنے بندوں پر کہ پانی برسا کر سبزہ اگا دیتا ہے بڑا خبر رکھنے والا ہے ان چیزوں کی جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں بارش میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے اپنے بندوں سے اور ہر تعریف کا سزاوار ہے اپنے دوستوں کی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: ثُمَّ قُتِلُوْا: یہاں قتل وموت میں برابری ذکر کی کیونکہ دونوں قصد ودیت میں برابر ہیں۔
قوله: مُّدْخَلًا: میم کے ضمہ سے مصدر ہے اور فتحہ کے ساتھ ظرف ہے۔
قوله: هُوَ الْجَنَّةُ: اس میں وہ کچھ ہے جس کو وہ پسند کرے گا۔
قوله: الْاَمْرُ ذٰلِكَ: یہ مبتداء خبر ہیں۔
قوله: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: اس میں موصول کا بیان ہے۔
قوله: ظُلْمًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: ابتداء ظلم کو عقاب سے تعبیر کیا کیونکہ وہ فعل کے بعد ہے۔ جزاء کو بھی عقاب کہتے ہیں مراد اس کا بدلہ لینا ہے۔
قوله: الْحَقُّ: یعنی ثابت یعنی واجب الوجود۔
قوله: الَّذِيْ يَصْغُرُ: اس کے سواء ہر چیز چھوٹی اور حقیر ہے۔
قوله: اَلَمْ تَرَ: یہ استفہام تقریری ہے۔ فتصبح الارض اس کا عطف انزل پر اور عائد مقدر ہے۔
قوله: عَلٰى جِهَةِ الْمِلْكِ: یعنی بطریق انتفاع نہیں بلکہ حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ مِنَ الْبَهَائِمِ وَ الْفُلْكَ السُّفُنُ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ لِلرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ
بِاَمْرِهٖ بِاِذْنِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ مِنْ اَنْ اَوْلِئَلَّا تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَتَهْلِكُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ فِي التَّسْخِيْرِ وَالْاِمْسَاكِ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ بِالْاِنْشَاءِ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ عِنْدَ انْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيْكُمْ عِنْدَ الْبَعْثِ اِنَّ الْاِنْسَانَ اَيِ الْمُشْرِكُ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِنِعَمِ اللّٰهِ بِتَرْكِهٖ تَوْحِيْدَهٗ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
بِفَتْحِ السِّيْنِ وَ كَسْرِهَا شَرِيْعَةً هُمْ نَاسِكُوْهُ عَامِلُوْنَ بِهٖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ يُرَادُ بِهٖ لَا تُنَازِعْهُمْ فِي الْاَمْرِ اَمْرِ
الذَّبِيْحَةِ اِذْ قَالُوْا مَا قَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاْكُلُوْهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اَيْ اِلٰى دِيْنِهٖ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى دِيْنٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فِيْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ
بِالْقِتَالِ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكَافِرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ بِاَنْ يَّقُوْلَ
كُلٌّ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ خِلَافَ قَوْلِ الْاٰخَرِ اَلَمْ تَعْلَمْ اَلْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّقْرِيْرِ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اِنَّ ذٰلِكَ اَیْ مَا ذُکِرَ فِیْ کِتٰبٍ ؕ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ اِنَّ ذٰلِكَ اَیْ عِلْمُ مَا ذُکِرَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ سَهْلٌ وَ
یَعْبُدُوْنَ اَیِ الْمُشْرِکُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ هُوَ الْاَصْنَامُ سُلْطٰنًا حُجَّةً وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ
اَنَّهَا اٰلِهَةٌ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ بِالْاِشْرَاكِ مِنْ نَّصِیْرٍ ۝ یَمْنَعُ عَنْهُمْ عَذَابَ اللّٰهِ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ
بَیِّنٰتٍ ظَاهِرَاتٍ حَالٌ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ اَیِ الْاِنْکَارَ لَهَا اَیْ اَثَرَهٗ مِنَ الْکَرَاهَةِ وَالْعُبُوْسِ
یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ اَیْ یَقَعُوْنَ فِیْهِمْ بِالْبَطْشِ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَیْ
بِاَکْرَهَ اِلَیْکُمْ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمَتْلُوِّ عَلَیْکُمْ هُوَ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ بِاَنَّ مَصِیْرَهُمْ اِلَیْهَا وَ بِئْسَ
الْمَصِیْرُ ۝ؒ هِیَ

ع ۸ ۹/۱۶

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ زمین میں ہے چوپائے وغیرہ اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے سواری اور سامان کو لانے لے جانے کی غرض سے اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر ہاں کہ اسی کا حکم ہو جائے تو وہ آسمان گر پڑے اور ہلاک ہو جائیں بیشک اللہ انسانوں پر بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے کہ چیزوں کو انسان کے قبضہ میں دے رکھا ہے اور آسمان کو روک رکھا ہے اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا جب تمہاری عمر پوری ہو جائے گی پھر تم کو جلائے گا حشر ونشر کے وقت بیشک انسان یعنی مشرک بڑا ناشکرا ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے باوجود ایمان نہیں لاتا ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ ذبح کا مقرر رکھا ہے مَنْسَکًا میں سین کا کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں بمعنی طریقہ وہ اس پر چلنے والے ہیں سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں اس امر ذبح میں اور یہ کہیں کہ خدا کا مارا ہوا زیادہ مستحق ہے کھائے جانے کے بمقابلہ ان جانوروں یا پرندوں کے کہ جس کو انسان نے مارا ہے اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہے امور دین میں تو کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو وہی تم کو اس کا بدلہ دے گا یہ حکم احکامات جنگ سے پہلے کا ہے اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیگا قیامت کے دن اے مومنین ومشرکین جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو اور ایک دوسرے کے قول کی مخالفت کرتے رہتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے استفہام تقریری ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے یہ سب قول وفعل کتاب نامہ اعمال میں بھی درج ہیں بیشک یہ یعنی فیصلہ اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے یہ لوگ مشرکین اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے جواز عبادت پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے اور وہ بت ہیں اور نہ ان کے پاس اس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ان ظالموں مشرکوں کا کوئی مددگار ہوگا جو اللہ کے عذاب کو ان سے روک سکے اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن کے مضامین خوب واضح ہیں حال واقع تو آپ کافروں کے چہروں پر بوجہ ناگواری کے برے اثرات دیکھتے ہیں ان آیتوں کے انکار میں یعنی ناگواری اور شدت ناراضگی

کے اثرات گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں شدت ناراضگی کی وجہ سے آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس قرآن سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں وہ دوزخ ہے اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے بطور ٹھکانہ کے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْفُلْكَ: یہ ذوالحال اور تجری حال ہے۔

قوله: اِلَّا بِاِذْنِهٖ: اللہ تعالیٰ آسمان کو تھامنے والے ہیں نہ خود یہ تھما ہوا ہے۔

قوله: عَامِلُوْنَ بِهٖ: بطور وسعت یہاں جار کو حذف کیا گیا ہے۔

قوله: یُرَادُ بِهٖ: اس سے مراد بطریق کنایہ کفار کی منازعت سے ممانعت فرمائی ہے یہ مہربانی کے لئے مناسب ہے۔

قوله: لَا یُنَازِعُنَّكَ: اس میں دونوں کرنے والوں کو دوسرے جیسے فعل سے کنایۃً روکا گیا ہے اور افعال مغالبہ میں ایسا ہوتا ہے۔

قوله: اِنْ جٰدَلُوْكَ: اس میں اشارہ ہے کہ حق ظاہر ہو چکا اگر وہ مجادلہ کریں تو تم کہو اللہ تعالیٰ تم سے خود جان لے گا۔

قوله: بِمَا تَعْمَلُوْنَ: اس سے مراد باطل مجادلہ وغیرہ ہے۔

قوله: یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ: یعنی ثواب وعقاب سے وہ تمہارے مابین فیصلہ کرلے گا جس کے تم حقدار ہو گے۔

قوله: مَاذُكِرَ: جو کچھ کہ آسمان وزمین میں ہے۔

قوله: هُوَ اللَّوْحُ: یہ لوح محفوظ ہے جس میں وجود سے پہلے سب کچھ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق لکھ دیا۔ ان کا معاملہ آپ کو ہمارے علم کے ہوتے ہوئے پریشان نہ کرلے۔

قوله: عِلْمِ مَاذُكِرَ: وہ علم مراد نہیں جو اس کی ذات کا مقتضی ہے اور تمام سے برابر متعلق ہے۔

قوله: حُجَّةً: ایسی دلیل جو اس کی عبادت کے جواز کو ثابت کرتی ہے۔

قوله: لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ: یعنی وہ علم جس کی ہدایت عقل اور اس کے استدلال سے حاصل ہوا۔

قوله: بِالْاِشْرَاكِ: ورنہ تو ہر گناہ گناہ کرنے والے کا اپنے نفس پر ظلم ہے شرک کے علاوہ کبیرہ کی معافی اعلان فرمایا یغفر مادون ذلک لمن یشاء۔

قوله: ظَاهِرَاتٍ: اس سے مراد دلالتیں ہیں الانکار۔ اس سے اشارہ ہے کہ المنکر مصدر میمی رہے یہ اسم مفعول نہیں نہ جو منکر معروف کے ضد آتا ہے اس سے مراد شر سے جو ان کا مقصد تھا وہ ہے کیونکہ تو چہرے پر نظر نہیں آتا۔

قوله: بِالْبَطْشِ: سختی سے پکڑنا۔

قوله: هُوَ النَّارُ: گویا یہ سائل کی بات کا تر کی بتر کی جواب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ وَهُوَ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ
وَهُمُ الْاَصْنَامُ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا اِسْمُ جِنْسٍ وَاحِدُهٗ ذُبَابَةٌ يَقَعُ عَلَى الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ
اَىْ لِخَلْقِهٖ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا مِمَّا عَلَيْهِمْ مِنَ الطِّيْبِ وَالزَّعْفَرَانِ الْمُلَطَّخُوْنَ بِهٖ لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ
يَسْتَرِدُّوْهُ مِنْهُ ؕ لِعَجْزِهِمْ فَكَيْفَ يَعْبُدُوْنَ شُرَكَاءَ لِلّٰهِ تَعَالٰى هٰذَا اَمْرٌ مُسْتَغْرِبٌ عَبَّرَ عَنْهُ بِضَرْبِ مَثَلٍ
ضَعُفَ الطَّالِبُ الْعَابِدُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ الْمَعْبُوْدُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ عَظَّمُوْهُ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ عَظَمَتِهٖ اِذْ اَشْرَكُوْا بِهٖ مَا لَمْ
يَمْتَنِعْ مِنَ الذُّبَابِ وَلَا يَنْتَصِفُ مِنْهُ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ غَالِبٌ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ
رُسُلًا نَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُشْرِكُوْنَ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِمَقَالَتِهِمْ بَصِيْرٌ ۝ بِمَنْ يَتَّخِذُهٗ
رُسُلًا كَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدٍ وَغَيْرِهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ ؕ اَىْ مَا قَدَّمُوْا وَمَا خَلَّفُوْا اَوْ مَا عَمِلُوْا وَمَا هُمْ عَامِلُوْنَ بَعْدُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا اَىْ صَلُّوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَحِّدُوْهُ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ كَصِلَةِ الرَّحِمِ وَمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تَفُوْزُوْنَ بِالْبَقَاءِ فِى الْجَنَّةِ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ بِاسْتِفْرَاغِ الطَّاقَةِ
فِيْهِ وَنَصْبُ حَقَّ عَلَى الْمَصْدَرِ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ اِخْتَارَكُمْ لِدِيْنِهٖ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ اَىْ
ضِيْقٍ بِاَنْ سَهَّلَهٗ عِنْدَ الضَّرُوْرَاتِ كَالْقَصْرِ وَالتَّيَمُّمِ وَاَكْلِ الْمَيْتَةِ وَالْفِطْرِ لِلْمَرَضِ وَالسَّفَرِ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ
مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْكَافِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ عَطْفُ بَيَانٍ هُوَ اَىِ اللّٰهُ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اَىْ قَبْلَ
هٰذَا الْكِتَابِ وَفِىْ هٰذَا اَىِ الْقُرْاٰنِ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَّهٗ بَلَّغَكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ ۚ اَنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ دَاوِمُوْا عَلَيْهَا وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ ثِقُوْا بِهٖ هُوَ
مَوْلٰىكُمْ ۚ نَاصِرُكُمْ وَمُتَوَلِّىْ اُمُوْرِكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى هُوَ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ اَىِ النَّاصِرُ هُوَ لَكُمْ ع ١٠ ٦ ١٧

ترجمہ: اے لوگو! اہل مکہ! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے سو غور سے سنو! وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور ان کی پرستش کرتے ہو یعنی یہ بت وغیرہ وہ ایک مکھی تک کو پیدا نہیں کر سکتے ذبابا اسم جنس ہے واحد ذبابۃ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے ہے بمعنی مکھی چاہے سب کے سب اس غرض کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے

ان چیزوں میں سے جن پر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے خوشبو اور زعفران جو رس سے ان پر ملی ہوئی ہوتی ہے تو وہ اسے چھڑا نہیں سکتے ان کے عجز کا تو یہ عالم ہے کہ مکھی کو بھی نہ بھگا سکیں حیرت ہے کہ پھر بھی یہ اس کی پوجا پاٹ میں ہیں یہ ایسا عجیب و غریب معاملہ ہے کہ جس کو ضرب المثل سے تعبیر کیا ہے طالب ایسا لچر یعنی پوجا کرنے والا اور مطلوب بھی ویسا ہی یعنی جس کی پوجا ہو رہی ہے ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرا کر جو مکھی کو بھی نہ بھگا سکیں بیشک اللہ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والا اور آدمیوں میں سے بھی جسے چاہتا ہے یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کیا یہی رہ گئے تھے ہم میں سے جن کے اوپر قرآن نازل ہو بیشک اللہ خوب سننے والا ہے ان کی باتوں کو اور خوب جاننے والا ہے اس کو جس کو رسول بناتا ہے جیسا کہ (فرشتوں میں سے) جبرئیل اور میکائیل اور (انسانوں میں سے) حضرت ابراہیمؑ اور محمد ﷺ وغیرہ کو جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور یہ کہ یہ ابتک کیا کر چکے ہیں اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں اور اللہ ہی پر تمام کاموں کا مدار ہے۔ اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو یعنی نمازیں پڑھا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے رہو مثلاً دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی اور اپنے عمدہ اخلاق کا مظاہر کیا کرو تا کہ کچھ فلاح پا جاؤ اور دائمی جنت مل جائے اور اللہ کے کام میں کوشش کرتے رہو جو اس کی کوشش کا حق ہے اور دین قائم کرنے کی جدوجہد میں مکمل طور پر لگ جاؤ حق مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس نے تمہیں برگزیدہ کیا اپنے دین کے لیے اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی یعنی شدت نہیں برتی بلکہ سہولت سے کام لیا اور وقت ضرورت نمازوں میں قصر اور وضوء کے بجائے تیمم کی اجازت دی اور اسی طرح بیماری یا سفر کی حالت میں روزہ کے افطار کی بھی اجازت دیدی اور ضرورت پڑنے پر مردار کو بھی جائز قرار دیا۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی سنت پر قائم رہو لفظ ملة منصوب ہے کاف حرف جر ہٹا دینے کی وجہ سے اور ابراہیم عطف بیان ہے اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا نزول قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں قیامت کے دن کے انھوں نے تم کو پیغام پہنچا دیا تھا اور تم سب لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو اس بات پر کہ ان کے پیغمبروں نے ان کے پاس تبلیغ پہنچا دی تھی۔ تم لوگ نماز کی پابندی کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑو یعنی اس پر بھروسہ کرو وہ تمہارا مولیٰ یعنی تمہارا مددگار اور تمہارا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے اور وہ تمہارے لیے کیسا اچھا ناصر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: ضُرِبَ: یعنی تمہیں عجیب حالت یا شاندار قصہ سنایا۔ اسی وجہ سے اس کو مثال کہا۔

قوله: فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ: اس سننے سے تدبر و تفکر کا سننا ہے۔

قوله: لَنْ يَّخْلُقُوْا: یعنی اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود اس کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے نفی تاکید بلن یہ اور منفی عنہ کے مابین خوب منافات ثابت کرتا ہے۔

قوله: إسْمُ جِنْسٍ: ذباب اسم جنس ہے کیونکہ اس کا ہٹایا جاتا ہے۔

قوله: وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ: یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جب اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قوله: اَلْعَابِدُ: یا الذباب۔ مکھی جو کھانا یا خوشبو وغیرہ ذباب اس سے چھین کر لے جاتی ہے وہ صنم اس سے لے نہیں سکتا۔ مکھی، صنم یا عابد صنم و صنم دونوں کمزور۔

قوله: رُسُلًا: جو وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کا بندوں کے لئے واسطہ بنتے ہیں۔

قوله: صَلُّوا: نماز کو رکوع وسجدہ سے تعبیر ان کے اہم رکن ہونے کی وجہ سے ہے۔

قوله: فِي اللهِ: اس میں فی لام کے معنی میں ہے۔

قوله: لِإِقَامَةِ دِيْنِهِ: جہاد سے مراد دینی دعوت پر ثابت قدم رہنا اور دوسروں کو مشرکین کی طرف سے آمدہ مشقتوں کو برداشت کی تلقین کرنا۔

قوله: عَلَى الْمَصْدَرِ: اے جهادا حقا۔ سچا جہاد کرو۔

قوله: اَلْخَافِضِ الْكَافِ: یعنی تمہارے باپ کی ملت کی طرح یعنی تمہارے دین میں توسع ملت ابراہیمی کے توسع کی طرح ہے۔ ابراہیم کو امت کا باپ کہا کیونکہ وہ آپ کے باپ ہوئے اور آپ امت کے باپ ہیں تو وہ امت کے بھی باپ ہوئے۔

قوله: قَبْلَ هٰذَا الْكِتَابِ: یعنی گزشتہ کتب میں۔

قوله: لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ: یہ سماکم سے متعلق ہے اور لیکون کا لام لام عاقبت ہے۔

قوله: اَنَّهٗ بَلَّغَكُمْ: اس سے یہ دلالت ملتی ہے کہ آپ کی شہادت آپ کی ذات کے حق میں آپ کی عصمت کی وجہ سے قبول کی جائے گی۔

تفسیر مقبولین

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا ....

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، ہجرت کرنے والوں کے لیے رزق حسن ہے:

اسلام کے عہد اول میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکلیفیں دی جاتی تھی جن کی وجہ سے بہت سے صحابہ نے حبشہ کو ہجرت کی اور بہت سے حضرات نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا وطن مالوف مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، جب مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا تو مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کے لوگ بھی مدینہ منورہ آ گئے محض اللہ کے لیے وطن کو چھوڑنا وطن میں جو کچھ اموال واملاک گھر جائیداد ساز وسامان ہو اس سب کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر بس جانا اس میں بڑا امتحان ہے، بعد میں جو لوگ مختلف علاقوں میں مسلمان ہوئے ان میں

سے بھی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، ہجرت کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اگر ہجرت کرنے والا مقتول ہو جائے تو اس کا مزید ثواب ہوگا، اگر مقتول نہ ہوا اپنی طبعی موت مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی بھی بہت قیمت ہے اس کو فرمایا: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ (اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مقتول ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا) اور اس سے جنت کے ماکولات اور مشروبات اور دیگر نعمتیں مراد ہیں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (اور اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے)

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

چند آیات پہلے یہ مضمون مذکور ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کی مدد کرتا ہے: وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ مگر مظلوم کی دو قسم ہیں ایک تو وہ جس نے دشمن سے ظلم کا کوئی انتقام اور بدلہ لیا ہی نہیں بلکہ معاف کر دیا یا چھوڑ دیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنے دشمن سے برابر سرابر بدلہ اور انتقام لے لیا جس کا مقتضٰی یہ تھا کہ اب دونوں برابر ہو گئے آگے یہ سلسلہ ختم ہو مگر دشمن نے اس کے انتقام لینے کی بنا پر مشتعل ہو کر دوبارہ حملہ کر دیا اور مزید ظلم کیا تو یہ شخص پھر مظلوم ہی رہ گیا۔ اس آیت میں اس دوسری قسم کے مظلوم کی امداد کا بھی وعدہ ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیہ یہ ہے کہ آدمی پہلے ہی ظلم پر صبر کرے اور معاف کر دے انتقام نہ لے جیسا کہ بہت سی آیات میں اس کا ذکر ہے مثلاً: فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ اور وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اور وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ، ان سب آیات میں ترغیب اس کی دی گئی ہے کہ ظلم کا بدلہ نہ لے بلکہ معاف کر دے اور صبر کرے۔ قرآن کریم کی ان ہدایات سے اسی طرز کا افضل واولیٰ ہونا ثابت ہوا۔ شخص مذکور جس نے اپنے دشمن سے برابر کا بدلہ لے لیا اس نے اس افضل واولیٰ اور قرآنی ہدایات مذکورہ پر عمل ترک کر دیا تو اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ اب یہ شاید اللہ کی نصرت سے محروم ہو جائے اس لئے آخر آیت میں ارشاد فرمادیا: اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ، یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کی اس کوتاہی پر کہ افضل واولیٰ پر عمل نہیں کیا اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمائے گا بلکہ اب بھی اگر مخالف نے اس پر دوبارہ ظلم کر دیا تو اس کی امداد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ (روح المعانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

اللہ کی قدرت کا ایک عظیم الشان مظہر:

فرمایا کہ اللہ ہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ سو رات اور دن کا یہ عظیم الشان ادل بدل اللہ پاک کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وعنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے جو دنیا کے سامنے آتا ہے اور لگاتار اور پوری پابندی کے ساتھ آتا ہے اور اپنی زبان بے زبانی میں ان کو دعوت غور وفکر دیتا ہے مگر غافل دنیا ہے کہ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتی اور وہ اپنی غفلت سے چونکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ سو ایسا قادر مطلق جو چاہے کرے اس کی قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں نیز رات دن کے اس ہیر پھیر اور ادل بدل میں تمہارے لئے یہ عظیم الشان اور بصیرت افروز درس بھی ہے کہ اس کی کارستانی د

کارفرمائی اور توجہ وعنایت اس کائنات میں ہر لحظہ جاری اور برابر جاری رہتی ہے۔ورنہ یہ سارا کارخانہ ہست و بود مٹ کر رہ جائے، پس بندے کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ رجوع رہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

یعنی اللہ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہ ہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں۔اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہیے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

مظاہر قدرت میں غور وفکر کی دعوت وترغیب:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم دیکھتے نہیں قدرت کے ان عظیم الشان مظاہر میں۔یعنی ان میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے' تاکہ تم اس وحدہ لاشریک کی عظمت' قدرت' اور بے پایاں رحمت کے جابجا بکھرے اور نکھرے آثار ونشانات دیکھ سکو' اور اس کی معرفت سے سرشار ہو کر دارین کی سعادت اور حقیقی فوز وفلاح سے سرفراز ہو سکو' سو اگر تم کائنات کی اس عظیم الشان اور کھلی کتاب کے انہی چند مظاہر کو دیکھو، اور ان میں غور وفکر سے کام لو جو ہر وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں، یعنی آسمان سے پانی اتارنے کے اور اس کے ذریعے مردہ پڑی زمین کو زندگی بخشنے، اور اس سے طرح طرح کی پیداواریں نکالنے اور خوشنما فصلوں، کھیتوں اور باغوں کے لہلہا اٹھنے ہی کو دیکھ لو، اور ان میں صحیح طریقے سے غور وفکر سے کام لو تو تمہیں نظر آئے گا کہ تمہارا وہ خالق و مالک جسکی قدرت اور رحمت وعنایت کے یہ عظیم الشان مظاہر تمہارے سامنے رہتے ہیں، کیسی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا مالک ہے، تو تم اس کی وحدانیت کیلئے دل سے پکار اٹھو اور دل سے اس کے حضور جھک جاؤ۔۔مردہ زمین کا جی اٹھنا قدرت کا ایک اور عظیم الشان مظہر: سو مردہ پڑی زمین کا جی اٹھنا قادر مطلق کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے۔سو تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین جو بالکل مردہ پڑی ہوئی تھی بارش کے حیات آفریں قطرات کے پڑتے ہی زندہ ہو جاتی ہے۔اور اس میں قسما قسم کی وہ انگوریاں نکل آتی ہیں جن سے تم طرح طرح کے فائدے اٹھاتے اور منافع کماتے ہو' مگر اس کے باوجود تم لوگ اے غافلو اس واہب مطلق کو بھولے ہوئے ہو' والعیاذ باللہ سو یہ کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر ناشکری ہے' والعیاذ باللہ، مگر اس کے باوجود اس کی طرف سے یہ ڈھیل؟ اسی وحدہ لاشریک کی شان ہو سکتی ہے سبحانہ وتعالیٰ، نیز اس آفاقی دلیل کی شہادت سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی گھٹا کسی بھی وقت اور کسی بھی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہے۔لہٰذا نہ تو کوئی اس کو بعید سمجھے اور نہ اس سے مایوس ہو بلکہ ہمیشہ اس کی امید بھی رکھے اور اس واہب مطلق۔جل جلالہ۔کی طرف دل وجان سے متوجہ بھی رہے۔بلاشبہ اللہ بڑا ہی مہربان نہایت ہی باخبر ہے: جو اپنے بندوں کو ایسی عظیم الشان اور بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے' اور اس قدر پر حکمت نظام کے تحت نوازتا ہے' سبحانہ وتعالیٰ اور ایسا کہ اس کی ان عنایات اور نوازشات کا یہ سلسلہ برابر اور لگاتار جاری ہے، اور یہ سب کچھ اس قدر لطافت اور باریک بینی سے انجام پاتا ہے کہ انسان اس کے ادراک واحاطہ سے عاجز

ہے، سوایسے لطیف وخبیر خداوند قدوس سے منہ موڑنا اور اس کے حق اطاعت وبندگی سے غفلت برتنا اور اس سے بڑھ کر دوسری بے بنیاد اور بے حقیقت چیزوں کو اس کا شریک قرار دیا جائے، جن کا ان نعمتوں کو عطا کرنے میں سرے سے کوئی دخل ہی نہ ہو کس قدر ظلم ہے، والعیاذ باللہ العظیم۔ نیز وہ اپنے بندوں کے تمام احوال وکوائف اور ظواہر و بواطن سے پوری طرح ہے اور ایسا کہ جو کچھ ماضی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے پوری طرح باخبر وآگاہ ہے اور جو کچھ مستقبل کی اوٹ میں ہے وہ اس سے بھی پوری طرح واقف وآگاہ اور باخبر ہے: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ پس بندے کا کام یہ ہے کہ ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے اور اس سے ہر خیر کی توقع اور امید رکھے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ....

یعنی اس کو تمہاری یا کسی کی کیا پرواہ تھی۔ محض شفقت ومہربانی دیکھو کہ کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے تابع کر دیا۔ پھر اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدون کسی ظاہری کھمبے ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر گر اور ٹکرا کر تمہاری زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ جب تک حکم نہ ہو یہ کرات یونہی اپنی جگہ قائم رہیں گے مجال نہیں کہ ایک انچ سرک جائیں۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کا استثناء محض اثبات قدرت کے لیے ہے۔ یا شاید قیامت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ ....

ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کیے گئے ہیں:

(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں ہر امت کو ایک خاص شریعت عطاء کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپ کو یہ شریعت عطاء کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اس کا اتباع واجب ہے کسی کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں، ہر امت کے لئے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ مقرر کر دی جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح ہم نے آپ کو ایک شریعت عطاء کی پس لوگوں کو چاہئے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور طمع میں نہ پڑیں کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ ﷺ کو پھسلا دیں بلکہ چاہیے کہ آپ کی شریعت کی پیروی کریں اور آپ ﷺ ان کی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ ﷺ حق پر ہیں اور آپ ﷺ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپ ﷺ اپنے حق پر قائم رہیے اور اسی پر جمے رہیے اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاطفت اور نرمی کی کچھ نہیں توحید اور اصول دین میں تمام انبیاء متفق رہے، البتہ ہر امت کے لیے عبادت اور بندگی کے طریقے بدلتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص شریعت عطاء کی ہے جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصول دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ ﷺ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ ﷺ سے کیوں جھگڑا لگاتے ہیں۔ توحید تو ایک مسلم امر

ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اسکا حق ہونا روز روشن کی طرف واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ﷺ ان کے جواب میں فقط اتنا کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "منسک" سے شریعت اور منہاج یعنی طریقہ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسك، نسك سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبائح بھی داخل ہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۰۳ ج ۶ اور روح المعانی ص ۱۷۸ ج ۱۷)

اب آئندہ آیات میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا جاننا اور از روئے علم انکا احاطہ کرنا اور لوح محفوظ میں انکا ثبت کرنا اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود و متناہی بالفعل ہے وہاں کسی وقت اور مشقت کا کوئی امکان ہی نہیں اب آگے مشرکین کی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی۔ بے دلیل ان کو پوجتے ہیں اور اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی بابت ان کو کوئی علم نہیں۔ یعنی محض جہالت کی بناء پر ان کی عبادت کرتے ہیں کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بناء پر نہیں کرتے غرض یہ کہ جن بتوں کو انہوں نے معبود بنایا ہوا ہے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب سے بچا سکے یا چھڑا سکے اور ان ظالموں کے ظلم اور عناد کا حال یہ ہے کہ جب ان پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو اس کی الوہیت اور وحدانیت کی روشن دلیلیں ہوتی ہیں تو اے دیکھنے والے تو اس وقت ان کافروں میں ناگواری کو اچھی طرح پہچان لے گا کہ اس قسم کی آیات بینات کو سنتے ہی ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور ناگواری اور ترشروئی سے بڑبڑانے لگتے ہیں اور کمال نفرت سے حال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہوتا ہے ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں یعنی غیظ وغضب میں آ کر اس کے قریب ہو جاتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر حملہ کردیں اور یہی حالت ان کی حالت کی واضح دلیل ہے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو اس سے بری اور ناگوار چیز کی خبر نہ دوں۔ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے تو اس قرآن سے کیا ناخوش ہوتے ہو۔ ناگواری اور ناخوشی کی چیز تو وہ آگ ہے جو تمہارے لیے مہیا ہے اس ناگواری کی کچھ فکر کرو اور سوچو کہ یہ قرآن تمہارے حق میں زیادہ برا ہے یا وہ آگ زیادہ بری ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ....

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال:

غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کے بارے میں عجیب بات بیان فرمائی ہے اور اس کو مثل سے تعبیر فرمایا مثل کہاوت کو کہتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جسے مشرکوں کے سامنے بار بار ذکر کرنا چاہیے۔ مشرکوں کو سنائیں اور ان سے کہیں کہ خوب دھیان سے سنو تا کہ تمہیں اپنی حماقت اور گمراہی کا خوب پتہ چل جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو اور جنہیں مدد کے لیے پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اتنی بڑی کائنات کا خالق ہے اس کی عبادت چھوڑ کر عاجز مخلوق کی عبادت کرنا اور عاجز مخلوق سے مرادیں مانگنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں یہ مکھی پیدا تو کیا کرتے اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مشرکین بتوں کے جسموں پر زعفران لگا دیتے تھے اور ان کے سروں پر شہد ل دیتے تھے پھر دروازہ بند کر کے یہ چلے جاتے تھے۔ اور ادھر روشن دانوں سے مکھی آ جاتی تھی جو شہد کو کھا جاتی تھی (ہندوستان کے مشرکوں کا اب بھی یہ طریقہ ہے کہ بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ان کے سامنے مٹھائیاں رکھتے ہیں مکھیوں کے مزے آ جاتے ہیں اور یہ باطل معبود بے جان عاجز مکھی تک کے سامنے کچھ بھی نہیں) اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی حالت خود آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی پوجا پاٹ اور ان کے سامنے ڈنڈوٹ کرنے سے باز نہیں آتے۔

جو شخص حضرات انبیاء کرامؑ کی دعوت توحید سے منہ موڑے گا وہ اسی طرح عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوگا، جو لوگ خالق و مالک کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کی ذات پاک کو سجدہ نہیں کرتے وہ یوں ہی مارے پھرتے ہیں اور اپنے سے بھی زیادہ عاجز مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿ (طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ طالب سے مشرک یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والا اور مطلوب سے معبود باطل مراد ہیں اور مطلب یہ ہے جیسا عابد ویسا ہی معبود دونوں ہی ضعیف ہیں، معبود تو ضعیف اس لیے ہیں کہ وہ مکھی تک سے مٹھائی بھی نہیں چھڑا سکتے اور اس کی عبادت کرنے والا اس لیے کمزور ہے اس کی کمزوری عقل کے اعتبار سے ہے وہ ایسی چیز سے نفع کا امیدوار ہے جو اپنے چڑھاوے کی چیز کو مکھی تک سے نہیں چھڑا سکتا۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ....

لفظ جہاد جہد سے مشتق ہے عربی زبان میں محنت و مشقت اور کوشش کو جہد کہا جاتا ہے یہ لفظ اپنے عام معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو، جہاد جو قتال یعنی جنگ کرنے کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی اس محنت اور کوشش کا ایک شعبہ ہے مسلمان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے یعنی نفس کی ناگواریوں کے باوجود نیک کاموں میں لگتا ہے گناہوں کو چھوڑتا ہے نفس روڑے اٹکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو بھی عمل ہو دنیاداری کے لیے ہو ذاتی شہرت اور حصول

جاہ اور لوگوں سے تعریف کرانے کے لیے ہو اس موقعہ پر نفس سے جہاد کرنا ہوتا ہے، پوری طرح اس کے تقاضوں کو دبا کر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جو کام کیا یہ سب جہاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ اَلْسِنَتِكُمْ)) اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے مشرکین سے جہاد کرو اس سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کو زک دینے کے لیے ان کا زور توڑنے کے لیے مالوں کو خرچ کرنا اپنی جانوں کو اس کام میں لگا دینا اور اپنی زبانوں سے مقابلہ کرنا بحث اور مناظرہ میں ہرا دینا دشمن کے اشعار کا اشعار سے جواب دینا یہ سب جہاد ہے، دشمنان دین کے مقابلہ میں کتابیں لکھنا ان کو شائع کرنا ان کو تبلیغ کرنا اسلام کی دعوت پہنچانا اس سب کو جاهدوا في الله کا عمومی حکم شامل ہے، اخلاص کے ساتھ جو شخص جتنا اپنی طاقت کے بقدر کرے گا اس کا جہاد حق جهاده کا مصداق ہو جائے گا بعض مرتبہ بات کہہ دینا یہ بڑے مرتبہ کا عمل ہو جاتا ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ((افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر)) (سب جہادوں سے افضل اس شخص کا جہاد ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دے خلاصہ یہ کہ جو بھی کوئی مؤمن اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جس طرح کی بھی محنت کرے گا وہ جہاد ہوگا پھر مختلف احوال کے اعتبار سے درجات بھی مختلف ہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر اخلاص کے ساتھ اعمال واشغال میں لگے۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا) سابقہ تمام امتوں پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو فضیلت دی تمہیں سید الانبیاء ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہوا ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا جسے با آسانی حفظ کر لیتے ہیں دنیا میں آخر میں آئے اور جنت میں پہلے داخل ہونگے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت: (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سترویں امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے زیادہ مکرم ہو۔ (قال الترمذی هذا حدیث حسن) جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی فضیلت دی اب اس انعام واکرام اور اجتباء اور اصطفاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خوب بڑھ کر خدمت کریں۔

دین میں تنگی نہیں ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے تم پر تمہارے دین میں تنگی نہیں فرمائی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو جو احکام عطا فرمائے ہیں ان میں تنگی نہیں رکھی جسے جو بھی حکم دیا ہے وہ اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز احکام کی بجا آوری میں سہولت ہے اور احوال کی رعایت رکھی گئی ہے، بنی اسرائیل پر جو سختیاں تھیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ کی آخری آیت: (رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا) میں گزر چکا ہے وہ اس امت پر نہیں ہیں، بنی اسرائیل پر بہت سی پاکیزہ چیزیں حرام تھیں مال غنیمت میں سے کچھ بھی ان کے لیے حلال نہیں تھا زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لیے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا، اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے۔ امت

محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لیے مال غنیمت بھی حلال ہے زکوٰۃ بھی تھوڑی سی مقدار میں فرض ہے، یعنی چاند کے اعتبار سے نصاب پر ایک سال گزر جائے تو کھانے پینے اور خرچ کرنے سے جو بچا اس کا ۱/۴۰ فرض ہے وہ بھی ہر مال پر فرض نہیں ہے صرف سونا چاندی نقد کیش اور مال تجارت پر فرض ہے، زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دینا فرض ہے رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ لیکن شرعی مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں قضا رکھ لیں اور شیخ فانی کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیدے۔ اور ایسے شخص کو بعد میں قضاء رکھنے کا بھی حکم نہیں ہے، حج اس شخص پر فرض ہے جو سواری پر مکہ مکرمہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو وہ بھی زندگی میں ایک بار اگرچہ بہت بڑا مالدار ہو۔

رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں ان میں یہ آسانی رکھی گئی کہ فجر سے ظہر تک کوئی فرض نہیں اور ظہر سے عصر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ پورا وقت حلال کمائی کے لیے اور تعلیم وتعلم کے لیے فارغ ہے پھر عشاء سے فجر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ وقت آرام وراحت اور سونے کے لیے ہے اور جو فرض نمازیں ہیں ان کی تمام رکعتیں بشمول فرض اور واجب اور سنن مؤکدہ صرف بتیس رکعتیں ہیں سفر میں فرض نماز چار رکعتوں کے بدلے دو رکعتیں کردی گئی ہیں اور مریض کو حسب طاقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لے وضو اور غسل کوئی مشکل کام نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کا ثواب مزید ہے اگر پانی نہ ہو یا پانی تو ہو لیکن مرض کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو تو غسل و وضو دونوں کی جگہ تیمم کر لینا ہی کافی ہے حلال جانوروں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی اجازت دی گئی ہے خبیث اور نجس چیزوں اور ان جانوروں کے کھانے کی اجازت نہیں دی جن کے کھانے سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے جن افعال اور اعمال سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا ہے ان میں بنی آدم کا بھلا ہے۔

جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور اگر دشمن چڑھ آئیں تو فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت اپنی جان اور دوسرے مسلمان مردوں عورتوں بچوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے پھر اگر جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ ہزاروں سال دنیا کی زندگی کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دین کے آسان ہونے اور دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی عمل کے کرنے میں کچھ بھی تکلیف نہ ہو اور ساری چیزیں حلال ہوں اور جو جی چاہے کر لیا کریں، اگر ایسا ہوتا تو نہ فجر کی نماز فرض ہوتی جس میں اٹھنا دشوار ہے نہ عصر کی نماز فرض ہوتی جو کاروبار کا خاص وقت ہوتا ہے اور نہ حرام وحلال کی تفصیلات ہوتیں بلکہ احکام ہی نازل نہ کیے جاتے۔ آسان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، آج کل ایسے بے پڑھے مجتہدین نکل آئے ہیں جو سود قمار حرام گوشت کھانے اور صریح گناہوں کے ارتکاب کو جائز کہہ رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں آسانی ہے، یہ لوگ اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، جو لوگ قرآن کے حامل ہیں اور اسلام کے عالم ہیں ان کے پاس یہ جہالت کے مارے نہ خود جاتے ہیں نہ عامۃ المسلمین کو جانے دیتے ہیں، عوام کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ان کے ہمدرد نہیں ہے ان کی آخرت تباہ کرنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ قال البغوی فی معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۰۰ معناہ ان المؤمن لا یبتلی بشیء من الذنوب الا جعل اللہ لہ منہ مخرجا بعضھا بالتوبۃ و بعضھا برد المظالم و القصاص و بعضھا بانواع

الکفارات فلیس فی دین الاسلام مالا یجد العبد سبیلا الی الخلاص من العقاب فیه و قیل من ضیق فی اوقات فروضکم مثل ھلال شھر رمضان و الفطر و وقت الحج اذا التلبس ذالک علیکم وسع اللہ علیکم حتی تتیقنوا و قال: مقاتل یعنی الرخص عند الضرورات کقصر الصلوٰۃ فی السفر و التیمم عند فقد الماء و اکل المیتۃ عند الضرورۃ و الافطار فی السفر و المرض و الصلوٰۃ قاعدًا عند العجز عن القیام و ھو قول الکلبی و روی عن ابن عباس انہ قال الحرج ما کان علی بنی اسرائیل من الاعمال التی کانت علیھم و ضعھا اللہ عن ھذہ الامۃ (مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ) (تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعد جتنے بھی نبی اور رسول آئے وہ ان سب کے باپ ہیں یعنی ان کی نسل اور ذریت سے ہیں عرب کے لوگ انہیں کی ذریت سے ہیں انہیں میں سے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ تھے چونکہ قرآن کے اولین مخاطبین اہل عرب ہی تھے اس لیے یوں فرمایا کہ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو دوسری آیت میں جو ملت ابراہیم کے اتباع کا حکم آیا ہے اس میں لفظ ابیکم نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا سب سے بڑا رکن توحید ہی ہے جس کی تمام انبیاء کرام نے دعوت دی ہے اس کے لیے انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام میں شامل ہے۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ (اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے) یعنی قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے جو کتابیں نازل فرمائیں، ان میں اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے (وَ فِيْ هٰذَا) (اور اس قرآن میں بھی اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا) کما قال تعالیٰ: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) اس نام اور لقب پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور اس لقب کی لاج بھی رکھیں یعنی سچے پکے فرماں بردار بن کر رہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے مانیں اور خوشی و بشاشت کے ساتھ احکام کی پیروی کرتے رہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ میں ضمیر مرفوع مستتر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارے وجود آنے سے پہلے ہی تمہارا نام ''مسلمین'' رکھ دیا تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام دونوں کی دعا نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: (رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ) اور چونکہ ان کی یہ دعا قرآن مجید میں منقول ہے لہٰذا اس اعتبار سے انہوں نے اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمین کا لقب دیا لیکن اس میں تکلیف ہے تھوڑی سی تاویل کرنی پڑتی ہے۔ (لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ) (تاکہ رسول تمہارے لیے گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو) اس کا تعلق (وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ) سے بھی ہوسکتا ہے اور (هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ) سے بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے تمہارا یہ عمل تمہیں اس مرتبہ پر پہنچا دے گا کہ اللہ کے رسول سید الاولین والآخرین تمہارے لیے گواہ بنیں گے۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین یعنی فرمانبردار رکھا پرانی کتابوں میں بھی اور قرآن کریم میں بھی، جب اس نام کی قدر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن کر رہو گے تو اس قابل ہو گے رسول اللہ ﷺ تمہارے حق میں گواہی دیں گے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: (وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ

ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا) حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام قیامت کے دن جب یہ فرمائیں گے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے اس پر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے اس کے بعد اس امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی امت کو تبلیغ کی۔

(فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ) سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہارا اتنا بڑا مرتبہ کر دیا کہ میدان قیامت میں حضرات انبیاء کرام کے گواہ بنو گے اور تمہاری گواہی سے سابقہ امتوں پر حجت قائم کی جائے گی تو اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ خاص بندے بنو اس کے دین پر پوری طرح عمل کرو خاص کر اس دین کے جو ارکان ہیں ان میں سے دو بڑے رکن یہی ہیں۔ (وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ) (اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کو پکڑے رہو) یعنی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھو۔ اس سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو دنیا و آخرت کی خیر اسی سے طلب کرو (هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝) (وہ تمہارا مولیٰ ہے سو خوب مولیٰ ہے اور خوب مدد کرنے والا ہے) مولیٰ کا معنی ہے کام بنانے والا، اہل ایمان کا کام بنانے والا ہی کام بناتا ہے اہل ایمان کے لیے اسی کی مدد کافی ہے، وہ مؤمنین کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں، کما قال تعالی: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝

سورة المؤمنون

سورة المؤمنون ۲۳ مكية ۷۴ — بسم الله الرحمن الرحيم — اٰياتها ۱۱۸ ركوعاتها ۶

سورۂ مومنون مکہ میں اتری — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

قد للتحقيق أفلح فاز المؤمنون ۝ الذين هم في صلاتهم خاشعون ۝ متواضعون والذين هم عن اللغو من
الكلام وغيره معرضون ۝ والذين هم للزكوة فاعلون ۝ مؤدون والذين هم لفروجهم حافظون ۝ عن الحرام
إلا على أزواجهم أي من زوجاتهم أو ما ملكت أيمانهم أي السراري فإنهم غير ملومين ۝ في إتيانهن
فمن ابتغى وراء ذلك أي من الزوجات والسراري كالاستمناء بيده فأولئك هم العادون ۝ المتجاوزون
إلى ما لا يحل لهم والذين هم لأمانتهم جمعا ومفردا وعهدهم فيما بينهم وبين الله من صلوة
وغيرها راعون ۝ حافظون والذين هم على صلوتهم جمعا ومفردا يحافظون ۝ يقيمونها في أوقاتها
أولئك هم الوارثون ۝ غيرهم الذين يرثون الفردوس هو جنة أعلى الجنان هم فيها خالدون ۝ في ذلك
إشارة إلى المعاد ويناسبه ذكر المبدأ بعده والله لقد خلقنا الإنسان آدم من سللة هي من سللت
الشيء من الشيء أي استخرجته منه وهو خلاصته من طين ۝ متعلق بسلالة ثم جعلناه أي الإنسان
نسل آدم نطفة منيا في قرار مكين ۝ هو الرحم ثم خلقنا النطفة علقة دما جامدا فخلقنا العلقة
مضغة لحمة قدر ما يمضغ فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما وفي قراءة عظما في الموضعين و
خلقنا في المواضع الثلاثة بمعنى صيرنا ثم أنشأناه خلقا آخر بنفخ الروح فيه فتبارك الله أحسن
الخالقين ۝ أي المقدرين ومميز أحسن محذوف للعلم به أي خلقا ثم إنكم بعد ذلك لميتون ۝ ثم إنكم
يوم القيمة تبعثون ۝ للحساب والجزاء ولقد خلقنا فوقكم سبع طرائق أي سموات جمع طريقة لأنها

طُرُقُ الْمَلَائِكَةِ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ تَحْتَهَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَنْ تَسْقُطَ عَلَيْهِمْ فَتُهْلِكَهُمْ بَلْ نُمْسِكُهَا كَاٰيَةِ
يُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ مِنْ كِفَايَتِهِمْ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى
ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَيَمُوْتُوْنَ مَعَ دَوَابِّهِمْ عَطَشًا فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ هُمَا اَكْثَرُ فَوَاكِهِ
الْعَرَبِ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ صَيْفًا وَشِتَاءً وَ انشانا شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاءَ جَبَلٌ
بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَمَنْعُ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيْثِ لِلْبُقْعَةِ تَنْۢبُتُ مِنَ الرُّبَاعِي وَالثُّلَاثِي بِالدُّهْنِ
اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ عَلَى الْاَوَّلِ وَمُعَدِّيَةٌ عَلَى الثَّانِي وَهِيَ شَجَرَةُ الزَّيْتُوْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ عَطْفٌ عَلَى الدُّهْنِ
اَيْ اِدَامٌ يَصْبَغُ اللُّقْمَةَ بِغَمْسِهَا فِيْهِ هُوَ الزَّيْتُ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ لَعِبْرَةً عِظَةً
تَعْتَبِرُوْنَ بِهَا نُسْقِيْكُمْ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَضَمِّهَا مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا اَيِ اللَّبَنَ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ مِنَ
الْاَصْوَافِ وَالْاَوْبَارِ وَالْاَشْعَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا اَيِ الْاِبِلِ وَعَلَى الْفُلْكِ اَيِ السُّفُنِ
ع ۲۲ ۱ تُحْمَلُوْنَ ۝ عِقَابَهٗ فَتُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع (تواضع) کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں (وغیرہ) سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی (فعل حرام سے) سے حفاظت رکھنے والے ہیں۔ اپنی بیبیوں سے یا اپنی شرعی ہاتھ کے مال باندیوں سے (کہ جو قیدی ہو کر ملی ہوئی ہوں) کیونکہ ان پر (ان سے جماع کرنے میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (یعنی بیبیوں اور باندیوں کے علاوہ جیسے ہاتھ کے ذریعہ اخراج منی) طلبگار رہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں (ایسی چیز کی طرف جو ان کے لیے حلال نہیں) اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا (کہ جو ان کے مابین ہوا ہو یا بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ہوا ہو جیسے نماز وغیرہ ان کا) خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنا فرض نمازوں (بصیغہ جمع اور مفرد دونوں طرح کی قراءتوں کے ساتھ ثابت ہے) کی پابندی (کے ساتھ ان کے اوقات میں ادا) کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں (نہ کہ ان کے علاوہ) جو فردوس کے وارث ہوں گے (جو تمام جنتوں میں اعلیٰ ترین جنت ہے) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اس آیت میں تو اشارۃ معاد کا بیان ہے اور اس کے بعد بیان مبدا کی مناسبت (ان آیات میں آخرت کا ذکر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ابتدائے آفرینش کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔ تو ارشاد ہوا کہ) بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا (من طین متعلق ہے سلالۃ کے اور سلالۃ کے معنی کسی چیز کے خلاصہ کے ہیں) پھر ہم نے اس (نسل آدم) کو نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں (اور وہ رحم مادر ہے) پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت

چڑھادیا (عظاماً ایک قرأت میں عظماً ہے اور خلقنا تینوں جگہ پر صیرنا کے معنی میں ہے) پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر۔ پھر تم اس (تمام قصہ) کے بعد ضرور ہی مر کر رہوگے۔ پھر تم قیامت کے دن ازسرنو اٹھائے جاؤ گے۔ (جزا و سزا کیلئے) اور ہم نے تمہارے اوپر سات بنائے (طریقة کی جمع چونکہ ملائکہ کی آمد و رفت کے لیے راہیں ہیں اس وجہ سے ان کو اس سے موسوم کیا) اور ہم نہیں ہیں (ان کے تحت میں) خلق سے بے خبر (کہ آسمان نیچے کی مخلوق پر گر پڑیں جس سے کہ وہ ہلاک ہوجائیں بلکہ ہم ان کو روکے ہوئے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے (یمسک السماء الخ) اور ہم نے آسمان سے (انسانوں کی کفایت وضرورت کی) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کردینے پر قادر ہیں (سو وہ مع اپنے چوپاؤں کے مرجائیں گے پیاس کی وجہ سے) پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے باغ پیدا کیے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے (یہ دونوں پھل عرب میں بکثرت ہوتے ہیں) ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے (گرمی و سردی میں) کھاتے بھی ہو اور (پیدا کیا ہم نے اس پانی سے) ایک درخت بھی جو کہ سینا میں بکثرت پیدا ہوتا ہے (ایک پہاڑ ہے سین پر فتحہ اور کسرہ دونوں قراءتیں ثابت ہیں اور غیر منصرف ہے تانیت اور علیت کی وجہ سے کہ ایک بقعہ کا نام ہے (تنبت رباعی اور ثلاثی دونوں سے آتا ہے) تیل لیے ہوئے (رباعی کی صوت میں باء زائد ہے اور ثلاثی ہوتے ہوئے برائے متعدی ہے اور یہ زیتون کا درخت ہے) اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے (الدھن پر عطف ہوا ہے یعنی سالن کہ اس میں لقمہ ترکرکے چبایا اور بسہولت کھایا جاتا ہے روٹی ڈبوئی جاتی ہے وہ زیتون کا تیل ہے) اور تمہارے لیے مواشی اونٹ بکری گائے میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے (کہ جن سے تم عبرت لے سکتے اور نصیحت پکڑ سکتے ہو) پلاتے ہیں ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیز (دودھ) سے اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدے ہیں (جیسے اون اونٹ کے بال اور بکری کے بال وغیر ذلک سے فوائد حاصل ہوتے ہیں) اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر (جیسے اونٹ پر) اور کشتیوں پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: أَفْلَحَ: ای فاز یعنی وہ لوگ اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہوگئے۔ قد نے ماضی کو حال کے قریب کردیا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے فلاح کی توقع لیے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت سے نوازا۔

قوله: مُؤَدُّونَ: اس سے اشارہ کردیا کہ فاعلون خود اپنے معنی میں نہیں بلکہ موقعہ محل پر ادائیگی مراد ہے فاعل تو محل وبے محل کام کرنے والے پر بولا جاتا ہے۔

قوله: إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یا یہ اس قبیل سے ہے: لا عیب فیهم غیر ان سیو فهم بها فلول من قراع الكتائب، گویا ان کی پاکیزگی کو اجاگر کیا۔

قوله: مِنْ زَوْجَاتِهِمْ: یہاں علی عن کے معنی میں ہے کیونکہ حافظ کا صلہ علی نہیں آتا۔

قوله: فِيْ اِتْيَانِهِنَّ: یعنی تمام افعال نہیں بلکہ صرف جماع مقام جماع میں۔
قوله: اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ: یعنی وہ دشمنی میں انتہاء کو پہنچنے والے ہیں۔ یہ مقدر اس لئے مانا گیا تا کہ مبتغین میں دشمنی کو محصور نہ مانا پڑے کیونکہ دیگر گناہ گاروں میں بھی عدوان تو پایا جاتا ہے۔
قوله: هُمْ فِيْهَا: ضمیر لائے کیونکہ یہ جنت کا نام ہے۔
قوله: سُلٰلَةٍ: یہ مسلولہ کے معنی میں ہے پس یہ مشتق ہے جار کا تعلق اس سے درست ہوا۔ محذوف سے متعلق نہیں۔
قوله: اَلْاِنْسَانَ: ضمیر کا مرجع انسان ہے نہ کہ سلالہ اس لئے کہ ضمیر مذکر اور وہ مونث ہے۔
قوله: نَسْلَ اٰدَمَ: مضاف محذوف مانا کیونکہ آدم علیہ السلام نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے۔
قوله: هُوَالرَّحِمُ: مکین دراصل مستقر کی صفت ہے لیکن تمکن کے معنی میں ہے اس لیے۔
قوله: عِظٰمًا: اس طرح کہ اس کو سخت کر دیا۔
قوله: خَلَقْنَا: تینوں مقام پر صیرنا کے معنی میں ہونے کی وجہ سے دو مفعول کا محتاج ہوا۔
قوله: اَلْمُقَدِّرِيْنَ: کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے فرض کرنے والے مراد ہیں وہ تو کثرت سے پائے جاتے ہیں۔
قوله: اَحْسَنَ: کا ممیز خالقین کی دلالت سے حذف کر دیا وہ خلقاً ہے۔
قوله: تَحْتِهَا: اس سے اشارہ کہ مخلوقات یہاں وہ مراد ہے جو آسمانوں کے نیچے ہے، نفس سموٰت نہیں۔
قوله: عَلٰى ذَهَابٍ: یعنی جس طرح اتارنے کی ہم قدرت رکھتے ہیں اس طرح اس کے لے جانے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔
قوله: مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ: ھا کا مرجع جنات یعنی باغات کے پھلوں اور کھیتوں سے تم کھاتے ہو۔ یہ ضمیر جنات کی طرف راجع ہے۔
قوله: والطور: طور پہاڑ کا نام اور سیناء وادی کا نام ہے یہ مرکب علم ہے۔
قوله: للبقعه: اس کی تانیث بقعہ کی تاویل سے ہے نہ کہ وزن کے لحاظ سے۔
قوله: تنبت: یہ رباعی بنفسہ متعدی ہے اور ثلاثی سے باز ائدہ کی وجہ سے متعدی ہے۔
قوله: وصبغ: وھن پر اس کا عطف جس کی وجہ سے مجرور ہے یہ ایک چیز کے دو وصف ایک دوسرے پر عطف کیے گئے۔
صبغ: ڈبونا۔
قوله: عظة: یعنی تم اس کی حالت سے عبرت حاصل کرتے ہو۔
قوله: اَلْاِبِلِ: ھا ضمیر یہاں اس لحاظ سے ہے کہ عام کا ذکر کر کے خاص مراد لیا جیسے لعو لتھن احق میں ہے۔

تفسیر مقبولین

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اہل ایمان کی صفات اور ان کی کامیابی کا اعلان:

ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی کا اعلان فرمایا ہے اور اہل ایمان کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جن کا اہل ایمان کو

بتانے میں زیادہ داخل ہے۔ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (تحقیق اہل ایمان کامیاب ہو گئے) اس میں ان لوگوں
کامیاب بنانے ہیں جو دنیاوی چیزوں کو دیکھ کر کامیابی کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کامیاب ہے کوئی سمجھتا ہے مالدار
کی نزدیک ہے اور کوئی گمان کرتا ہے کہ بہت بڑی جائداد والا کامیاب ہے کسی کے نزدیک وزیر کامیاب ہے کسی کے نزدیک ۔فیر
کامیاب ہیں اور کسی کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص دنیاوی ہنر اور کمال میں ماہر ہو وہ کامیاب ہے۔ اللہ جل شانہٗ
کوئی جمال کو کامیابی کا سبب سمجھتا ہے۔ کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے وہاں کی
نے فرمادیا کہ اہل ایمان کامیاب ہیں۔ کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے وہاں کی
کامیابی کے بارے میں فرمایا: (فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ) (جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت
میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا)۔ اس کے بعد اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے

پہلا وصف:

ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا: الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ (جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں)
خشوع کا اصل معنی ہے قلب کا جھکاؤ، جب مؤمن بندے نماز پڑھیں، ان کا پورا دھیان ظاہراً اور باطناً نماز کی طرف رہنا
چاہئے۔ نماز پڑھتے ہوئے نماز سے غافل نہ ہوں اور یہ ذہن میں رہے کہ میری نماز قبولیت کے لائق ہو جائے غفلت کی نماز
خشوع کی نماز نہیں ہے جس میں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا پڑھا رکوع سجدہ ''تو چل میں آیا'' کے طریقے پر جلدی جلدی کر لیا، سجدہ
میں مرغ کی طرح ٹھونگیں مار لیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھ لی، بار بار کپڑوں کو سنبھالا۔ مٹی سے بچایا داڑھی کو کھجایا۔ یہ
سب چیزیں خشوع کے خلاف ہیں۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور داڑھی سے کھیل رہا تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ
ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لو خشع قلبه لخشعت جوارحه)) (اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی
خشوع ہوتا یعنی اس کے اعضاء شریعت کے قواعد کے مطابق نماز میں اپنی اپنی جگہ ہوتے) نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے
اس لیے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے، کھانے کا اور
پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، چونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں۔ ان کی وجہ سے خشوع و
خضوع باقی نہیں رہتا جو دربار عالی کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو برابر اس کی طرف اللہ
تعالیٰ کی توجہ رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے، جب بندہ توجہ ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۱)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں
کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

دوسرا وصف:

اہل ایمان کا دوسرا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ (اور جو لوگ لغو باتوں سے

اعراض کرنے والے ہیں) لغو ہر اس بات اور ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا دنیا وآخرت میں کوئی فائدہ نہیں، مؤمن بندے نہ لغو بات کرتے ہیں نہ لغو کام کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان سے لغو باتیں کرنے لگے یا کچھ لوگ لغو کاموں میں لگے ہوں تو یہ حضرات اعراض کر کے کنارہ ہو کر گزر جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں فرمایا ہے: (وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ) (اور جب لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ ہو جاتے ہیں)

اور سورۂ فرقان میں فرمایا: (وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا) (اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو بات پر گزرتے ہیں تو کریموں کے طریقہ پر گزر جاتے ہیں)۔

غور کر لیا جائے کہ جب لغو بات اور لغو کام (جس میں نہ گناہ ہے نہ ثواب ہے) سے بچنے کی اتنی اہمیت ہے تو گناہوں سے بچنے کی کتنی اہمیت ہوگی؟ لغو بات لغو کام میں اگرچہ گناہ نہ ہو لیکن اس سے دل کی نورانیت جاتی رہتی ہے اعمال صالحہ کا ذوق نہیں رہتا زبان کو لغو باتوں کی عادت ہوتی ہے پھر یہ لغو باتیں گناہوں میں مشغولیت کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں اور لغو بات اور لغو کام کا کیا یہ نقصان کم ہے کہ جتنے وقت لغو بات یا کوئی لغو کام کیا اتنی دیر میں قرآن مجید کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو بہت بڑی دولت سے مالا مال ہو جاتے، لغو باتوں سے بہت بڑی دولت کو گنوا دیا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات ہو گئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے جنت کی خوشخبری دے رہے ہو ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی لایعنی بات کی ہو یا کسی ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کیا جو خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳)

(جیسے علم سکھانا تھوڑا سا نمک دیدینا کھانا پکانے کے لیے کسی کو آگ یا ماچس کی تیلی دیدینا وغیرہ وغیرہ) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ)) (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے ایک یہ بات ہے کہ جو چیز اس کے کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے) حضرت لقمان سے کسی نے کہا کہ آپ کو جو یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کیسے حاصل ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچی بات کہنے سے امانت ادا کرنے سے اور لایعنی کے چھوڑنے سے مجھے یہ مرتبہ ملا ہے۔ (موطاء مالک)

تیسرا وصف:

اہل ایمان کا تیسرا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (اور جو لوگ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں) لفظ زکوٰۃ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے پاک صاف ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے (اور اسی لیے مال کا ایک حصہ بطور فرض فقراء اور مساکین کو دینے کا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ اس سے نفس بھی بخل سے پاک ہوتا ہے اور مال میں بھی پاکیزگی آ جاتی ہے) لغوی معنی کے اعتبار سے بعض مفسرین کرام نے آیت کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک رکھنے والے ہیں، انسان کے اندر سے بخل، حسد، حب جاہ، حب مال، ریا کے جذبات امنڈ کر آتے ہیں ان رذائل سے پاک ہونا اور نفس کو دبانا، نفس کی اصلاح کرنا یہ بھی لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کا مصداق ہے اسی کو سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

تزکّی) (وہ شخص کامیاب ہوگیا جو پاک صاف ہوا)۔

چوتھا وصف:

اہل ایمان کا چوتھا وصف یوں بیان فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ (الایات الثلاث) اور جو لوگ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرتے ہیں یہ لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے تو شرعی اصول کے مطابق شہوت پوری کر لیتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال نہیں کرتے، بیویوں اور لونڈیوں سے شہوت پوری کرنا چونکہ حلال ہے اس لیے اس پر انہیں کوئی ملامت نہیں ان کے علاوہ اور کسی جگہ کو استعمال کیا تو یہ حد شرعی سے آگے بڑھ جانے والی بات ہوگی جس کی سزا دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

آیت کی تصریح سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا بھی حرام ہے (جس کا روافض میں رواج ہے) کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ بیوی نہیں ہوتی اسی طرح جانوروں سے شہوت پوری کرنا یا کسی بھی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج کرنا یہ سب ممنوع ہے کیونکہ ان سب صورتوں میں شرم کی جگہ کا استعمال نہ بیوی سے ہے نہ باندی سے، باندیوں سے قضائے شہوت کرنے کے کچھ احکام ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، یاد رہے کہ گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں اگر ان سے کوئی شخص شہوت پوری کرے گا تو صریح زنا ہوگا کسی بھی آزاد عورت کو اگر کوئی شخص بیچ دے تو اس کا بیچنا اور خریدنا دونوں حرام ہیں اور اس کی قیمت بھی حرام ہے اگر کوئی شخص خرید لے گا اور اس خریدی ہوئی عورت سے شہوت والا کام کرے گا تو زنا ہوگا۔

مسئلہ: جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اگر ان سے نکاح کر بھی لے تب بھی ان سے شہوت پورا کرنا حرام ہی رہے گا۔

مسئلہ: حیض و نفاس کی حالت میں اپنی بیوی اور شرعی لونڈی سے بھی شہوت والا کام کرنا حرام ہے اور یہ بھی فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ میں شامل ہے۔

پانچواں اور چھٹا وصف:

اہل ایمان کا پانچواں اور چھٹا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں) اس میں امانتوں کی حفاظت کا اور جو کوئی عہد کر لیا جائے اس کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان دونوں کی رعایت اور حفاظت کو مؤمنین کی صفات خاصہ میں شمار فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یوں نہ فرمایا ہو کہ: (اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّآ اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ) (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔
(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ شانہٗ کے جو اوامر و نواہی ہیں ان کے متعلق جو شرعی ذمہ داریاں ہیں ان کا پورا کرنا فرائض و واجبات کا احترام کرنا اور محرمات و مکروہات سے بچنا یہ سب امانتوں کی حفاظت میں داخل ہے۔

اسی طرح بندوں کی جو امانتیں ہیں خواہ مالی امانت ہو یا کسی بات کی امانت ہو کسی بھی راز کی امانت ہو ان سب کی رعایت

کرنا لازم ہے مالوں کی ادائیگی کو کچھ لوگ امانت داری سمجھتے ہیں لیکن عام طور سے دوسری چیزوں میں امانت داری نہیں سمجھتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں۔(یعنی مجلسوں کی بات آگے نہ بڑھائی جائے) ہاں اگر کسی مجلس میں حرام طریقے پر کسی کا خون کرنے یا زنا کرنے یا ناحق کسی کا مال لے لینے کا مشورہ کیا تو ان چیزوں کو آگے بڑھادیں۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص بات کہہ دے پھر ادھر ادھر متوجہ ہو (کہ کسی نے سنا تو نہیں) تو یہ بات امانت ہے۔(رواہ الترمذی وابوداؤد) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے جس میں وہ تجھے سچا سمجھ رہا ہو اور تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔(مشکوٰۃ المصابیح)

ایک حدیث میں ارشاد ہے:((ان المستشار موتمن))(بلاشبہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے) یعنی مشورہ لینے والے کو وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔(رواہ الترمذی)

امانت داری بہت بڑی صفت ہے خیانت منافقوں کا کام ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔

(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۲) جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔

(۳) اور اگر اس کے پاس امانت رکھ دی جائے تو خیانت کرے۔(رواہ مسلم)

امانتوں کی حفاظت کے ساتھ عہد کی حفاظت کو بھی مؤمنین کی صفات خاص میں شمار فرمایا ہے مؤمن بندوں کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ اس کے فرمان کے مطابق چلیں گے تمام اعمال واحوال میں اس کا خیال رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان برادر ہو کر رہیں اور نافرمانی نہ کریں اور بندوں سے جو کوئی معاہدہ ہو جائے کسی بات کا وعدہ کر لیں تو اس کو پورا کریں بشرطیکہ گناہ کا معاہدہ نہ ہو۔بہت سے لوگ قرض لے لیتے ہیں اور ادائیگی کی تاریخ مقرر کر دیتے ہیں پھر تاریخ آ جانے پر ادائیگی کا انتظام نہیں کرتے بلکہ انتظام ہوتے ہوئے بھی ٹالتے ہیں یہ سب بدعہدی میں آتا ہے،اور اس کے علاوہ بہت سی صورتیں ہیں جو روزمرہ پیش آتی رہتی ہیں،جن لوگوں کا دینی مزاج نہیں ہوتا وہ عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی کو کوئی وزن نہیں دیتے۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا،اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی اس کے اندر منافقت کی ایک خصلت شمار ہوگی وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۱) جب بات کرو تو سچ بولو۔(۲) وعدہ کرو تو پورا کرو۔(۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرو۔(۴) اپنی شرم کی جگہوں کو محفوظ رکھو۔(۵) اپنی آنکھوں کو نیچے رکھو۔(یعنی کسی جگہ ناجائز نظر نہ ڈالے۔)(۶) اور اپنے ہاتھوں کو (بچا

استعمال کرنے سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ٤١٥)

اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ (اور وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں) اس میں تمام نمازیں پابندی سے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ جولوگ ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی وہ لوگ اس فضیلت کے مستحق نہیں جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور انہیں بروقت ادا کیا اور ان کا رکوع اور سجود پورا کیا اس کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ اس کی مغفرت فرما دے گا، اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے اس کی مغفرت فرما دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (رواہ ابوداؤد)۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی قیامت کے دن اس کے لیے نماز نور ہوگی اور (ایمان کی) دلیل ہوگی اور جو بے نمازی ہے وہ قیامت کے دن قارون فرعون ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الدارمی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ)

مؤمنین کے خاص سات اوصاف بیان فرمانے کے بعد (جن میں اول نمبر خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا اور آخر میں نماز کی پابندی کرنا ہے) ان مؤمنین کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ (یہ وہ لوگ ہیں جو فردوس کے وارث ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے بلند مقام ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں۔ (رواہ البخاری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾

انسان کی پیدائش مرحلہ وار:

اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی ابتدا بیان کرتا ہے کہ اصل آدم مٹی سے ہیں، جو کیچڑ کی اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پانی سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے پھر انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا ہے۔ مسند میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کی ایک مٹھی سے پیدا کیا، جسے تمام زمین پر سے لیا تھا۔ پس اسی اعتبار سے اولاد آدم کے رنگ روپ مختلف ہوئے، کوئی سرخ ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی اور رنگ کا ہے۔ ان میں نیک ہیں اور بد بھی ہیں۔ آیت: ثُمَّ جَعَلْنٰهُ میں ضمیر کا مرجع جنس انسان کی طرف ہے جیسے ارشاد ہے: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (السجدہ:۸) اور آیت میں ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (المرسلات:۲۰) پس انسان کے لئے ایک مدت معین تک اس کی ماں کا رحم ہی ٹھکانہ ہوتا ہے جہاں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نطفے کی جو ایک اچھلنے والا پانی ہے جو مرد کی پیٹ سے عورت کے سینے سے نکلتا ہے شکل بدل کر سرخ رنگ کی بوٹی کی شکل میں بدل جاتا ہے پھر اسے گوشت کے ایک ٹکڑے کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے جس میں کوئی

شکل اور کوئی خط نہیں ہوتا۔ پھران میں ہڈیاں بنادیں سر ہاتھ پاؤں ہڈی رگ پٹھے وغیرہ بنائے اور پیٹھ کی ہڈی بنائی۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں انسان کا تمام جسم سڑگل جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے۔ اسی سے پیدا کیا جاتا ہے اور اسی سے ترکیب دی جاتی ہے۔ پھران ہڈیوں کو وہ گوشت پہناتا ہے تاکہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں۔ پھراس میں روح پھونکتا ہے جس سے وہ ہلنے جلنے چلنے پھرنے کے قابل ہوجائے اور ایک جاندار انسان بن جائے۔ دیکھنے کی سننے کی سمجھنے کی اور حرکت وسکون کی قدرت عطا فرماتا ہے۔ وہ بابرکت اللہ سب سے اچھی پیدائش کا پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب نطفے پر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھجتا ہے جو تین تین اندھیریوں میں اس میں روح پھونکتا ہے یہی معنی ہے کہ ہم پھرا سے دوسری ہی پیدائش میں پیدا کرتے ہیں یعنی دوسری قسم کی اس پیدائش سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے پس ایک حالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف ماں کے پیٹ میں ہی ہیر پھیر ہونے کے بعد بالکل ناسمجھ بچہ پیدا ہوتا ہے پھروہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ جوان بن جاتا ہے پھرادھیڑ پن آتا ہے پھر بوڑھا ہوجاتا ہے پھر بالکل ہی بڈھا ہوجاتا ہے الغرض روح کا پھونکا جانا پھران کے انقلابات کا آنا شروع ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ صادق ومصدوق آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی ہے پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور بحکم الٰہی چار باتیں لکھ لی جاتی ہیں روزی، اجل، عمل، اور نیک یا بد، برا یا بھلا ہونا پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ ایک شخص جنتی عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا وہ لکھا غالب آجاتا ہے اور خاتمے کے وقت دوزخی کام کرنے لگتا ہے اور اسی پر مرتا ہے اور جہنم رسید ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان برے کام کرتے کرتے دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا آگے بڑھ جاتا ہے اور جنت کے اعمال پر خاتمہ ہوکر داخل فردوس بریں ہوجاتا ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں نطفہ جب رحم میں پڑتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن کی جگہ پہنچ جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اس کی شکل جمے ہوئے خون جیسی ہوجاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے اصحاب سے باتیں بیان کررہے تھے کہ ایک یہودی آگیا تو کفار قریش نے اس سے کہا یہ نبوت کے دعویدار ہیں اس نے کہا اچھا میں ان سے ایک سوال کرتا ہوں جسے نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ کی مجلس میں آکر بیٹھ کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا مرد وعورت کے نطفے سے۔ مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ اس نے کہا۔ آپ سچے ہیں اگلے نبیوں کا بھی یہی قول ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب نطفے کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے کہ اے اللہ یہ نیک ہوگا یا بد؟ مرد ہوگا یا عورت؟ جو جواب ملتا ہے وہ لکھ لیتا ہے اور عمل، عمر، اور نرمی گرمی سب کچھ لکھ لیتا ہے پھر دفتر لپیٹ لیا جاتا ہے اس میں پھر کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی بزار کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے اے اللہ اب نطفہ ہے، اے اللہ اب لوتھڑا ہے، اے اللہ اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب جناب باری تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوچھتا ہے اے اللہ مرد ہو یا عورت، شقی ہو یا

سعید؟ رزق کیا ہے؟ اجل کیا ہے؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں لکھ لی جاتی ہیں ان سب باتوں اور اتنی کامل قدرتوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ سب سے اچھی پیدائش کرنے والا اللہ برکتوں والا ہے حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے جب یہ آیت اتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا ہے تو بے ساختہ میری زبان سے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ نکلا اور وہی پھر اترا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اَطِيْعُوْهُ وَوَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَهُوَ اسْمُ مَا وَمَا قَبْلَهُ الْخَبَرُ وَمِنْ زَائِدَةٌ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَخَافُوْنَ عُقُوْبَتَهٗ بِعِبَادَتِكُمْ غَيْرَهٗ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِاَتْبَاعِهِمْ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ يَتَشَرَّفَ عَلَيْكُمْ ؕ بِاَنْ يَكُوْنَ مَتْبُوْعًا وَاَنْتُمْ اَتْبَاعَهٗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اَنْ لَّا يُعْبَدَ غَيْرُهٗ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ بِذٰلِكَ لَا بَشَرًا مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا الَّذِىْ دَعَا اِلَيْهِ نُوْحٌ مِنَ التَّوْحِيْدِ فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَىِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ اِنْ هُوَ نوح اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ حَالَةُ جُنُوْنٍ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ انتظروه حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ اِلٰى زَمَنِ مَوْتِهٖ قَالَ نُوْحٌ رَبِّ انْصُرْنِىْ عَلَيْهِمْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ اَىْ بِسَبَبِ تَكْذِيْبِهِمْ اِيَّاىَ بِاَنْ تُهْلِكَهُمْ قَالَ تَعَالٰى مُجِيْبًا دُعَائَهٗ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ السَّفِيْنَةَ بِاَعْيُنِنَا بِمَرْاىً مِّنَّا وَحِفْظِنَا وَوَحْيِنَا اَمْرِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاكِهِمْ وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوْحٍ فَاسْلُكْ فِيْهَا اَىْ اَدْخِلْ فِى السَّفِيْنَةِ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ ذَكَرًا وَاُنْثٰى مِنْ كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا اثْنَيْنِ ذَكَرًا وَاُنْثٰى وَهُوَ مَفْعُوْلٌ وَمِنْ مُتَعَلِّقٌ بِاُسْلُكْ وَفِى الْقِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِىْ كُلِّ نَوْعٍ فَيَقَعُ يَدُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْاُنْثٰى فَيَحْمِلُهُمَا فِى السَّفِيْنَةِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ كُلٍّ بِالتَّنْوِيْنِ فَزَوْجَيْنِ مَفْعُوْلٌ وَاثْنَيْنِ تَاكِيْدٌ لَهٗ وَاَهْلَكَ اَىْ زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ بِالْاِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ كَنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَافِثَ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةٌ وَفِىْ سُوْرَةِ هُوْدٍ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ قِيْلَ كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاؤُهُمْ وَقِيْلَ جَمِيْعُ مَنْ كَانَ فِى السَّفِيْنَةِ ثَمَانِيَةٌ وَسَبْعُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَاءٌ وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِمْ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اعْتَدَلْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

الْكَافِرِيْنَ وَاهْلَاكِهِمْ وَقُلْ عِنْدَ نُزُوْلِكَ مِنَ الْفُلْكِ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِ الزَّاىِ مَصْدَرٌ
اَوِاسْمُ مَكَانٍ وَبِفَتْحِ الْمِيْمِ وَكَسْرِ الزَّاىِ مَكَانُ النُّزُوْلِ مُّبٰرَكًا ذٰلِكَ الْاِنْزَالُ اَوِ الْمَكَانُ وَّاَنْتَ خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ مَاذُكِرَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنْ اَمْرِ نُوْحٍ وَالسَّفِيْنَةِ وَاهْلَاكِ الْكُفَّارِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى
قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَّاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا ضَمِيْرُ الشَّانِ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ مُخْتَبِرِيْنَ قَوْمَ نُوْحٍ
بِاِرْسَالِهِ اِلَيْهِمْ وَوَعْظِهِ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ هُمْ عَادٌ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هُوْدًا
اَنِ اَىْ بِاَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲ ۱۰ ۲

ترجمہ: اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس سو انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لیے معبود بنانے کے لائق نہیں (لفظ اله ما کا اسم اور اس کا ماقبل خبر ہے اور من زائدہ ہے) پھر کیا ڈرتے نہیں ہو (کسی دوسری چیز کی عبادت کر کے اس کے عذاب سے؟) پس ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے (اپنے اتباع کرنے والوں سے) کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک معمولی آدمی ہے اور کچھ نہیں ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (بایں طور کہ وہ تو متبوع ہو جائے اور تم سب اس کی اتباع کرو) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا (کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے) تو فرشتوں کو بھیجتا (اس کام کے لیے نہ کہ کسی انسان کو) ہم نے یہ بات (کہ جس طرف حضرت نوحؑ بلا رہے ہیں یعنی توحید) اپنے بڑوں میں (جو قومیں گذر گئی ہیں، بھی) نہیں سنی بس یہ (نوحؑ) ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک وقت خاص تک اس (کی حالت جنون) کا اور انتظار کرلو (یعنی زمانہ تک یہ سن کر حضرت نوحؑ نے جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا اے میرے رب (ان لوگوں سے) میرا بدلہ لے لو بوجہ اس کے کہ انھوں نے مجھکو جھٹلایا ہے (بایں طور کہ ان کو ہلاک کردے۔ حق تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعاء قبول فرمائی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا!) پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو ہماری نگرانی میں (اور ہماری حفاظت میں) اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم (ان کی ہلاکت) آپہنچے اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے (اور یہ حضرت نوح کے لیے علامت تھی) تو ہر قسم میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد (مذکر اور مؤنث کی ہر دو انواع میں سے وہ مفعول ہے اور من اسلک کے متعلق ہے اور حضرت نوح کے اس واقعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے لیے ان کے پاس درندوں پرندوں اور ان دونوں کے علاوہ اور دوسرے حیوانات کو جمع کر دیا پس حضرت نوحؑ ہر نوع پر اپنے دونوں ہاتھوں کو مارتے تو داہنا ہاتھ تو نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر گرتا تھا اور ان کو کشتی میں سوار کر لیتے تھے (اور ایک قراءت میں کل تنوین کے ساتھ ہے اور زوجین مفعول اور اثنین اس کی تاکید ہے) اس میں داخل کرلو اور اپنے گھر والوں (یعنی اپنی زوجہ اور اپنی اولاد) کو بھی (اور وہ حضرت نوح کی زوجہ کافرہ اور آپ کا لڑکا کنعان برخلاف سام حام یافث کے کہ ان کو سوار کرلیا اور ان ہر سہ کی بیبیوں کو بھی اور سورۂ ہود میں ہے ومن امن الخ بعض

فرماتے ہیں چھ مرد اور ان چھ ازواج اور بعض نے فرمایا کہ تمام جو کشتی میں موجود تھے وہ ۷۸ تھے ان میں نصف مرد اور نصف عورتیں) اور مجھ سے کافروں (کے ترک اہلاک) کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا کیونکہ وہ سب غرق کیے جاویں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافر لوگوں سے اور ان کو ہلاک کرنے سے نجات دی اور (اور کشتی سے باہر نکلتے وقت) یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو زمین پر برکت کا اتارنا اتاریو (کہ اتارنا بابرکت ہو جائے نزول بابرکت منزلا میں میم پر ضمہ اور زاء پر فتحہ مصدر یا اسم مکان ہے اور دوسری قراءت میم پر فتحہ اور زاء پر کسرہ تو مکان نزول کے معنی ہوں گے!) اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں (جس قدر بھی مذکور ہے!) اس (واقعہ مذکور حضرت نوحؑ اور ان کی کشتی اور کفار کی ہلاکت اور غرقاب کیے جانے) میں بہت سی نشانیاں (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی موجود) ہیں اور ہم (قوم نوحؑ کو ان کے پاس رسول کو بھیج کر اور حضرت نوح کا نصیحت کرنے کے ساتھ) جانچنے والے ہیں ان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ پھر ہم نے (قوم نوح) کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا (وہ قوم عاد ہے) پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں کے تھے (یعنی حضرت ہود (انھوں نے کہا!) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ: یہ امر کی علت کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ لایا گیا ہے۔

قوله: مِنَ التَّوْحِيْدِ: ھذا کا مشار الیہ دعویٰ توحید نہ کہ نبوت۔

قوله: حَالَةُ جُنُوْنٍ: جنة بروزن فعلة یہ نوع کے لئے آیا ہے۔

قوله: اِلٰى زَمَنِ مَوْتِهٖ: شاید کہ کسی وقت افاقہ ہو جائے اس لئے انتظار کرو۔

قوله: بِاَعْيُنِنَا: یعنی ہماری حفاظت میں کہ کشتی بنانے میں کوئی غلطی ہو یا کوئی مفسد تمہارے خلاف بگاڑ کی کوشش کرے۔

قوله: امرنا: یعنی ہماری تعلیم سے کہ تم نے کس طرح بنانا ہے۔

قوله: عَلَامَةً لِنُوْحٍ: یعنی طوفان نوح علیہ السلام کی علامت تھی۔

قوله: ذَكَرًا وَاُنْثٰى: یعنی دونوں قسموں میں ایک جوڑا۔

قوله: كُلٍّ بِالتَّنْوِيْنِ: تنوین یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔ مراد ہر نوع کا جوڑا ہے۔

قوله: اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ: اس سے بتلایا کہ ان کو شرک وکفر کی وجہ سے ڈبو دیا جائے گا اور مشرک اس قابل نہیں کہ اس کے متعلق سفارش کی جائے۔ غرق سے محفوظ رہنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

قوله: مُنْزَلًا: یہ باب افعال سے ظرف مکان ہے، مجرد سے مقام نزول۔

قوله: فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ: قرن کو موضع ارسال بنایا اس سے اشارہ کیا کہ وہ انہی میں موجود تھے کہ ان کی طرف وحی کی۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا، اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق آب ہونا:

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید اور ان کی قوم کی تکذیب کی وجہ سے طوفان میں غرق کیے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی ان کے بتوں کے نام سورۂ نوح کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرو تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اللہ کی طرف سے تمہاری گرفت ہو جائے اور تم پر عذاب آ جائے۔ ہر قوم کے سردار اور چودھری حق قبول کرنے سے بچتے ہیں نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے عوام کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ عوام میں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں وہ آگے بڑھنے اور حق قبول کرنے کی ہمت کر لیتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے چودھری اور سرداروں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص جو اپنے بارے میں کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اس میں ہمیں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی جیسے تم آدمی ہو ایسا ہی یہ آدمی ہے، مقصد اس کا یہ ہے کہ تمہارا بڑا بن کر رہے اور تم اس کے ماتحت رہو اگر اللہ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو اس کے لیے فرشتوں کو نازل فرما دیتا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا یہ جو کہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور صرف ایک معبود کی عبادت کرو اور اسی ایک معبود کو تنہا وحدہٗ لاشریک بتاتا ہے یہ بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی جو ہم سے پہلے گزر گئے، ان چودھریوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ اس شخص پر دیوانگی سوار ہے دیکھو اس کا معاملہ کس کل بیٹھتا ہے تم انتظار کر لو۔

ممکن ہے کہ اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور بہر حال اس کو موت تو آ ہی جائے گی موت پر اس کے سارے دعوے رکھے کے رہ جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے میری مدد فرمایئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور عظیم طوفان آیا جس میں سب کافر غرق ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انہیں کشتی بنانے کا حکم فرمایا پھر جب کشتی بنالی تو حکم فرمایا کہ اس میں اپنے اہل وعیال کو اور تمام مؤمنین کو (جو تھوڑے سے تھے) ساتھ لے کر سوار ہو جاؤ۔ ہاں تمہارے اہل وعیال میں سے جو شخص ایمان نہیں لایا اسے اپنے ساتھ نہ کرنا اور ان کے بارے میں مجھ سے خطاب بھی نہ کرنا یعنی ان کی نجات کے بارے میں درخواست نہ کرنا کیونکہ یہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں، (حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور ایک بیٹا ایمان نہیں لایا تھا) جو جانور چرندے پرندے اور دوسری چیزیں زمین پر بسنے والی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک ایک جوڑا لے کر کشتی میں سوار کر لو، کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ طوفان کے بعد ان کے بھی نسلیں چلیں، چنانچہ حضرت نوح

علیہ السلام نے ان کو بھی کشتی میں سوار فرمالیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی اچھی طرح کشتی میں سوار ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہنا: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم قوت سے نجات دی) اور مزید یہ دعا بھی تلقین فرمائی (رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ) (اے میرے رب مجھے ایسی جگہ میں اتاریئے جو مبارک ہو اور آپ سب بہتر اتارنے والوں میں سے ہیں)

جب کشتی میں سوار ہوئے تو (بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا) (اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا) اور سوار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھی جو ابھی اوپر مذکور ہوئی، طوفان کی ابتداء کس طرح ہوگی یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ پہلے تنور سے پانی ابلنا شروع ہوگا تنور سے پانی کی ابتداء ہوئی اور زمین کے دوسرے حصوں سے بھی خوب پانی نکلا اور آسمان سے بھی خوب پانی برسا۔ کافر سارے ڈوب گئے کشتی والوں کو نجات ہوئی اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی پھر اہل ایمان زمین پر آئے دوبارہ آبادی شروع ہوئی جس کی تفصیل سورۂ ھود کے چوتھے رکوع کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں) وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ (اور بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو آزمایا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے انہیں نصیحت فرمائی اور توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں ان کا امتحان تھا انہوں نے ظاہری دنیا ہی کو دیکھا اپنے سرداروں کی بات مانی حق کو قبول نہ کیا ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ سلسلہ آزمائش اب بھی جاری ہے۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

حضرت نوح کے بعد رسول کی آمد کا ذکر:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان میں ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو کہ اللہ پاک کی قدیمی سنت اور ہمیشہ کا دستور رہا کہ ہر قوم کا پیغمبر انہی میں سے ہوا ہے۔ سو اسی بناء پر قوم عاد اور قوم ثمود کی طرف حضرت ھود اور حضرت صالح کو رسول بنا کر بھیجا گیا جن کی سرگزشتیں پہلے گزر چکی ہیں۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرت نوح کے بعد جن قوموں کو اٹھایا گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بھی اپنے رسول بھیجے تاکہ وہ ان کو حق و ہدایت کی تعلیمات مقدسہ سے آگاہ کر سکیں۔ کیونکہ حق و ہدایت کی ضرورت انسان کے لیے اس کی دوسری تمام جسمانی اور مادی ضرورتوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مادی اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان تو کرے لیکن ان کی روحانی اور معنوی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی سامان نہ کرے۔ جبکہ اس کا اپنا ارشاد ہے اور صریح ارشاد ہے کہ ہدایت ہمارے ذمے ہیں۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے اندر انہی میں کا ایک رسول بھیجا۔

حضرات انبیائے کرام کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی: کہ ان سب نے اپنی قوموں کو توحید ہی کی دعوت دی اور ان سے کہا

کہ تم سب ایک اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ اپنے اس کفر و شرک کے انجام اور اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی ان انبیائے کرام نے بھی اپنی اپنی قوموں کو وہی پیغام دیئے جو ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو دیئے کہ ان سب حضرات کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی۔ یعنی توحید خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی دعوت۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:۲۵) یعنی ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے اس کی طرف ہم یہی وحی کرتے رہے کہ کوئی بھی معبود نہیں سوائے میرے۔ پس تم سب لوگ میری ہی بندگی کرو۔ سو عقیدۂ توحید پر دین سماوی کی اصل اور اساس رہی ہے۔ اور ہر پیغمبر نے اپنی امت کو اسی کی دعوت دی ہے۔ نیز یہ کہ معبود برحق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے اور ہر قسم کی عبادت و بندگی صرف اسی وحدہ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَیْ بِالْمَصِیْرِ اِلَیْهَا اَتْرَفْنٰهُمْ اَنْعَمْنَاهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ اَللّٰهِ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ فِیْهِ قَسَمٌ وَ شَرْطٌ وَالْجَوَابُ لِاَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ جَوَابِ الثَّانِیْ اِنَّكُمْ اِذًا اَیْ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُ لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَیْ مَغْبُوْنُوْنَ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هُوَ خَبَرُ اَنَّكُمُ الْاُوْلٰی وَاَنَّكُمُ الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لَهَا لِمَا طَالَ الْفَصْلُ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اِسْمُ فِعْلٍ مَاضٍ بِمَعْنٰی مَصْدَرٍ اَیْ بَعُدَ بَعُدَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ مِنَ الْاِخْرَاجِ مِنَ الْقُبُوْرِ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِّلْبَيَانِ اِنْ هِیَ اَیْ مَا الْحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا بِحَيٰوةِ اَبْنَائِنَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اَیْ مَا الرَّسُوْلُ اِلَّا رَجُلُ اِۨفْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ اَیْ مُصَدِّقِيْنَ فِی الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ مِنَ الزَّمَانِ وَمَا زَائِدَةٌ لَّيُصْبِحُنَّ يَصِيْرُوْنَ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰی كُفْرِهِمْ وَ تَكْذِيْبِهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ صَيْحَةُ الْعَذَابِ وَالْهَلَاكِ كَائِنَةً بِالْحَقِّ فَمَاتُوْا فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً وَهُوَ نَبْتٌ يَبِسَ اَیْ صَيَّرْنَاهُمْ مِثْلَهٗ فِی الْيُبْسِ فَبُعْدًا مِنَ الرَّحْمَةِ لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ اَلْمُكَذِّبِيْنَ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اَیْ اَقْوَامًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا بِاَنْ تَمُوْتَ قَبْلَهٗ وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ عَنْهُ ذُكِرَ الضَّمِيْرُ بَعْدَ تَانِيْثِهٖ رِعَايَةً لِلْمَعْنٰی ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا بِالتَّنْوِيْنِ وَعَدَمِهٖ اَیْ مُتَتَابِعِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اِثْنَيْنِ زَمَانٌ طَوِيْلٌ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا

وَبَيْنَ الزَّاوِ رَسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا فِى الْهَلَاكِ وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ حُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَهِىَ الْيَدُ وَالْعَصَا وَغَيْرُهُمَا
مِنَ الْاٰيَاتِ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا وَبِاللّٰهِ وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَاهِرِيْنَ بَنِىْ
اِسْرَائِيْلَ بِالظُّلْمِ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ مُطِيْعُوْنَ خَاضِعُوْنَ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا
مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ لَعَلَّهُمْ اَىْ قَوْمُهٗ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ
وَاُوْتِيَهَا بَعْدَ هِلَاكِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ جُمْلَةً وَّاحِدَةً وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ عِيْسٰى وَ اُمَّهٗٓ اٰيَةً لَمْ يَقُلْ اٰيَتَيْنِ لِاَنَّ
الْاٰيَةَ فِيْهِمَا وَاحِدَةٌ وَلَادَتُهٗ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ وَّ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ مَكَانٍ مُّرْتَفِعٍ وَهُوَ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ اَوْ دِمَشْقُ اَوْ
فَلَسْطِيْنُ اَقْوَالٌ ذَاتِ قَرَارٍ اَىْ مُسْتَوِيَةٍ لِيَسْتَقِرَّ عَلَيْهَا سَاكِنُوْهَا وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ اَىْ مَاءٍ جَارٍ ظَاهِرٍ تَرَاهُ الْعُيُوْنُ ع ۱۸ ۳ ۳

ترجمہ: اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا یعنی اس کی طرف رجوع کرنے کو اور ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں خوشحالی عطا کی تھی یعنی انعامات سے نوازا تھا، کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری ایک معمولی آدمی ہیں یہو ہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور (قسم اللہ تعالیٰ کی) اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو اس میں قسم اور شرط ہے اور ان میں سے پہلی کا جواب ہے جو کہ دوسری کے جواب سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ تو بیشک تم (نے اگر اطاعت قبول کر لی تو) بے شک گھاٹے میں ہو کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو دوبارہ زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے (وہ ان اول کی خبر ہے اور ثانی ان اول کی تاکید کے لیے ہے چونکہ ان اور اس کی خبر میں فصل زائد ہو گیا ہے) بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے (اسم فعل ماضی مصدر کے معنی میں ای بعد بعد) جو تم سے وعدہ ہوتا ہے (کہ قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے نکالے جاؤ گے لام زائد بیان کے لیے آیا ہے) بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کیے جاویں گے، بس یہ ایک ایسا شخص کے ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور اس کو ہم نہیں (سچا) ماننے والے (اس قول میں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے!) پیغمبر نے دعاء کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہوں گے (اپنے کفر پر اور اپنے فعل تکذیب پر) چنانچہ ان کو ایک سخت آواز (عذاب اور ہلاکت) نے موافق وعدہ برحق (ہونے والا تھا) آ پکڑا (جس سے کہ وہ مر گئے) پھر ہم نے ان کو کوڑا کر دیا (غثاء وہ خشک اور سوکھا ہوا گھانس یعنی ان کو ہلاک کر کے مثل خس و خاشاک بنا دیا ہم نے) سو دور ہو جائیں (رحمت خداوندی سے) کافر (رسول کو جھٹلانے والے) لوگ پھر ان عاد یا ثمود کے بعد ہم نے اور (دوسری) امتوں کو پیدا کیا کوئی امت اپنی مدت معینہ سے نہ پیش دستی کر سکتی تھی (کہ وقت سے

پہلے مرجائے) اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے (وقت سے) ضمیر مذکر لائی گئی تانیث کے بعد معنیٰ کی رعایت کی وجہ سے پھر ہم نے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے تترا تنوین کے ساتھ اور تنوین کے بغیر ہے جب کسی امت کے پاس اس امت کا خاص رسول آیا دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ ہے ہمزہ اور واؤ کے درمیان انھوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا تار باندھ دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بنادیں سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہ لائے تھے!۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل (اور وہ ید بیضاء اور عصا و دیگر معجزات دیکر) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے (اللہ تعالیٰ اور ان رسولوں پر ایمان لانے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر (بنی اسرائیل پر ظلم کرنے میں قاہر و جابر) چنانچہ وہ باہم کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہے ایمان لے آویں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے تابعدار (زیر حکم) ہیں غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس اس تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیے گئے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا فرمائی تا کہ وہ لوگ (یعنی ان کی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پائیں (اس کتاب کے ذریعہ گمراہی سے فرعون اور اسکی قوم کی ہلاکت کے بعد تمام کی تمام کتاب تورات عطاء کی گئی ایک ہی مرتبہ میں) اور ہم نے مریم کے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا ہے (اپنی قدرت کی آیتین یعنی دو نشانیاں نہیں فرمایا کیونکہ ان دونوں میں ایک ہی نشانی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے جنا) اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین (اور وہ بیت المقدس یا دمشق یا فلسطین شہر ہے جیسا کہ اس میں اقوال مفسرین ہیں) پر لے جا کر پناہ دی (جو برابر تھی تا کہ اس پر اطمینان قرار پائیں) جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی (جہاں جاری نہر جس سے فرحت و سرور ہوتا ہے اور وہ پانی صاف و شفاف اور نظر آنے والا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَقَالَ الْمَلَأُ: سورۂ ہود میں بغیر واؤ کے لائے کیونکہ وہاں سرداروں کا کلام ان کی بات سے متصل تھا اور متصل نہ تھا اس لئے واو کے ساتھ لائے۔ واللہ اعلم

قوله: مِمَّا تَشْرَبُوْنَ: اس میں ضمیر عائد محذوف ای منہ ہو۔

قوله: هَيْهَاتَ: یعنی اس کی تصدیق یا نبوت کا درست ہونا بعید تر ہے۔

قوله: هَيْهَاتَ: یہ معنی بعد مصدر ہے وہ مبتداء ہے اور لما توعدون اس کی خبر ہے۔

قوله: نَمُوْتُ وَنَحْيَا: یعنی بعض ہمارے مرتے اور بعض پیدا ہوتے ہیں۔

قوله: بِمَا كَذَّبُوْنِ: میری ان کے تکذیب کرنے کے باعث۔

قوله: وَمَا زَائِدَةٌ: جو کہ قلت کے معنی کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ عن اس کا متعلق لیصبحن ہے۔

قوله: نٰدِمِيْنَ: یعنی جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کفر و تکذیب پر شرمندہ ہوں گے۔

قولہ: بِالْحَقِّ: یعنی اس ثابت شدہ وجہ کے سبب جس کو کوئی دور کرنے والا نہ تھا یا حق عدل کے معنی میں ہے۔

قولہ: صَیَّرْنَا: یہ تشبیہ پر محمول ہے یعنی خشک گھاس کی طرح کر دیا۔

قولہ: فَبُعْدًا: یہ خبر ہے اور بددعا ہے ہلاکت کے معنی میں یہ مصدر ہے۔

قولہ: قُرُوْنًا: اس سے قوم صالح، لوط، شعیب مراد ہیں۔

قولہ: مِنْ اُمَّةٍ: اس میں من زائدہ ہے بمعنی قوم ہے۔

قولہ: تَتْرًا: تنوین کے ساتھ یہ مصدر ہے اس کا معنی متواترات ہے بلاتنوین متواترین: یکے بعد دیگرے۔

قولہ: رَسُوْلُهَا: رسول کی نسبت ارسال کے اعتبار سے مرسل کی طرف اور آنے کے اعتبار سے لوگوں کی طرف ہوتی ہے۔

قولہ: اَحَادِيْثَ: کہانیاں یعنی ان کے صرف واقعات رہ گئے۔

قولہ: سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ: سے معجزہ عصاء مراد ہے۔

قولہ: عٰبِدُوْنَ: یعنی غلاموں کی طرح مطیع ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ....

ہلاکت ومحرومی کے تین بڑے سبب: سو اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کفر وشرک کی ظلمت ونحوست، آخرت کی تکذیب اور دنیاوی عیش پرستی، تباہی وبربادی کے تین بنیادی اسباب ہیں- کیونکہ جب انسان دنیاوی عیش وعشرت میں کھو جاتا ہے تو وہ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ ورنہ مجھے یہ دنیا کیوں ملتی اور آخرت واخرت کچھ نہیں اور اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں بھی مجھے اچھائی اور کامیابی ملے گی۔ اور اس طرح وہ ہمیشہ کی ہلاکت میں پڑ کر رہتا ہے۔ اور وہ استکبار کے اس ہولناک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے بعد کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ اور نتیجۃً ایسا شخص ہلاکت وتباہی کے اس ہولناک گڑھے میں گر کر رہتا ہے جس جیسا ہولناک گڑھا دوسرا کوئی ہو سکتا ہی نہیں۔ اور اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ بیماری کو بھی صحت اور ہلاکت کو بھی نجات سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح وہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کا مصداق بن جاتا ہے- اللہ فساد وبگاڑ کے ہر سبب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

منکرین کا انکار پیغمبر کی بشریت ظاہرہ کی بنا پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ یہ شخص تو تم ہی جیسا ایک بشر ہے۔ تو پھر یہ نبی اور رسول کس طرح ہو سکتا ہے۔ یعنی وہی غلط فہمی جو ان سے پہلے کے کافروں کو رہی اور جو ان کے بعد کے ہر دور میں بھی رہی کہ جو ہم ہی جیسا انسان اور کھانے پینے والا شخص ہو وہ نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نبی ورسول کوئی ایسی نوری ہستی ہی ہو سکتی ہے جو کھانے پینے اور شادی بیاہ وغیرہ کے جملہ انسانی عوارض اور بشری تقاضوں سے پاک اور مبرا ہو۔ اور اسی قدیم غلط فہمی کے جراثیم آج تک موجود ہیں۔ (تفسیر مدنی کبیر)

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ....

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمانے کے بعد ایک اور رسول کی تشریف آوری کا اور ان کی امت کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے ان کے بعد اور بہت سی جماعتیں پیدا کیں، ان سے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قومیں اور ان کے علاوہ جو قومیں تھیں حضرات انبیاء کرام کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر میں جس امت کے ہلاک ہونے کا جو وقت مقرر تھا ہر امت ٹھیک اسی وقت میں ہلاک کی گئی۔ نہ وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوئی اور نہ اس وقت سے موخر ہوئی۔

قوله تعالى: ''تَتۡرَا'' من المتواترة وهو التتابع مع فصل و مهلة و التاء الاولى بدل من الواو كما في تراث و جمهور القراء و العرب على عدم تنوينه فالفه للتانيث كالف دعوى و ذكرى و معناه ثم ارسلنا رسلنا متواترين و قرأ ابن كثير و ابو عمرو تترا بالتنوين و هو لغة كنانة۔ (راجع روح المعانی ج ۱۸ صفحہ ۳٤)

(فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا) (سو ہم بعض کو بعض کے بعد وجود لاتے رہے) یعنی ایک قوم گئی اور اس کے بعد دوسری قوم آ گئی برابر ایسا ہی ہوتا رہا جیسے وجود میں آنا آگے پیچھے تھا اسی طرح ہلاک ہونے میں بھی آگے پیچھے تھے، ایک قوم آئی رسول کو جھٹلایا وہ ہلاک ہوئی دوسری قوم آئی اس نے بھی اپنے رسول کو جھٹلایا وہ بھی ہلاک ہو گئی اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔

جَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ : (اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا) یعنی وہ لوگ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ایسے برباد ہوئے اور ایسے گئے کہ بعد کے آنے والے صرف کہانیوں کے طور پر ان کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نام کی بھی کوئی قوم تھی اور فلاں علاقے میں بھی کبھی لوگ آباد تھے، کیا تو ان کے بڑے بڑے دعوے تھے اور کیا ان کا انجام ہوا کہ بس کہانیوں کی طرح لوگ ان کا تذکرہ کرتے ہیں: فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ (سو دوری ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں کیونکہ غیر مؤمن کو اللہ کی رحمت شامل نہ ہوگی وہ ہمیشہ لعنت میں رہیں گے۔

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ ....

یعنی مذکورہ اقوام کے بعد ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی آیات اور سلطان مبین دے کر بھیجا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو سورۃ انفال کی آیت: (وَ لَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ) اور اس کی بعد آیت میں مذکور ہیں اور سلطان مبین (حجت واضحہ) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مراد ہے۔ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا ان لوگوں نے تکبر اختیار کیا انہیں دنیا میں جو برتری حاصل تھی اس کی وجہ سے اپنے کو بڑا سمجھتے تھے اور تکبر انہیں لے ڈوبا کہنے لگے یہ دونوں آدمی جو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کیا ہم ان پر ایمان لے آئیں حالانکہ دونوں جس قوم کے فرد ہیں یعنی بنی اسرائیل وہ تو ہمارے فرماں بردار ہیں، یہ ان کی پوری قوم جن میں یہ بھی شامل ہیں ہم سے بہت زیادہ کمتر ہیں ہم مخدوم ہیں یہ خادم ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس قوم کے دو آدمیوں کو پیغمبر مان لیں جو ہمارے ماتحت ہیں جو لوگ ہم سے دب کے رہتے ہیں ان کو اپنے سے برتر کیسے سمجھ لیں؟ وہ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے رہے، اللہ تعالیٰ کے دونوں پیغمبروں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے یعنی سمندر

میں ڈبو دیئے گئے۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ .....

حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ:

آخر میں فرمایا: (وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً) (اور ہم نے ابن مریم اور ان کی والدہ کو نشانی بنا دیا) ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہونا جبکہ کسی بشر نے ان کی والدہ کو چھوا تک نہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے (جو سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ میں بیان ہو چکے ہیں) ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں یاد رہے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کا ابن فلاں کہہ کر تذکرہ نہیں فرمایا اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جگہ جگہ ابن مریم فرمایا ہے اور سورۂ مریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن اب بعض ملحد اور زندیق یوں کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف تھا اس طرح سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام پر بھی بدکرداری کی تہمت دھرتے ہیں۔ لعنهم الله تعالیٰ۔

مزید فرمایا: (وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝) (اور ہم نے ان دونوں کو اونچی جگہ پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کی جگہ تھی اور جس میں پانی جاری تھا) مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں رہنے کے لیے بلند جگہ عطا کی (جہاں اچھی طرح رہ سکتے تھے وہاں کھیتیاں تھیں پھل پھول تھے) نیز پانی بھی جاری تھا پانی جو کھیتوں کو اور باغات کو سیراب کرتا تھا اور اس کے دیکھنے سے دل خوش ہوتا۔ اس بلند جگہ سے کون سی جگہ مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن سلام صحابی (جو پہلے یہود میں سے تھے) انہوں نے فرمایا کہ اس سے دمشق مراد ہے، حضرت سعید بن المسیب تابعی کا بھی یہ قول ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس سے رملہ مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے بیت المقدس مراد ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ صفحہ ۳۱)

یہ تو اکابر کے اقوال ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ہیں، اب دور حاضر کے بعض زندیقوں کی بات سنو وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی قبر کشمیر میں ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل نہیں اور سورۂ نساء میں جو (وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ) فرمایا ہے اس کے منکر ہیں۔ فلعنة الله على الكاذبين۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس تھا جو نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کی سرداری ہوگی صغر سن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا الہام ربانی سے حضرت مریم علیہا السلام ان کو لے کر مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں چلی آئیں (كذا في الروح و فتح المنان عن انجيل متى وروى في الدر المنثور تفسير الربوة عن ابن عباس و وهب و ابن زيد بمصر و عن زيد بن اسلم بالاسكندرية ايضا بمصر) اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ماء معین رود نیل ہے۔ واللہ اعلم انتہی۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ الْحَلَالَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا مِنْ فَرْضٍ وَنَفْلٍ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

اَفَاُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَ اعْلَمُوْا اِنَّ هٰذِهٖٓ اَىْ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ اُمَّتُكُمْ دِيْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَىْ يَجِبُ اَنْ
تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا اُمَّةً وَّاحِدَةً حَالٌ لَازِمَةٌ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ وَفِىْ اُخْرٰى بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَةً اِسْتِئْنَافًا
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَاحْذَرُوْنِ فَتَقَطَّعُوْٓا اَىِ الْاَتْبَاعُ اَمْرَهُمْ دِيْنَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تَقَطَّعُوْا
اَىْ اَحْزَابًا مُتَخَالِفِيْنَ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمَا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ اَىْ عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ
فَرِحُوْنَ ۝ مَسْرُوْرُوْنَ فَذَرْهُمْ اُتْرُكْ كُفَّارَ مَكَّةَ فِىْ غَمْرَتِهِمْ ضَلَالَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اَىْ حِيْنِ مَوْتِهِمْ
اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ نُعْطِيْهِمْ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا نُسَارِعُ نُعَجِّلُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ۭ لَا بَلْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ۝ اَنَّ ذٰلِكَ اِسْتِدْرَاجٌ لَهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ خَوْفِهِمْ مِنْهُ مُّشْفِقُوْنَ ۝ خَائِفُوْنَ مِنْ
عَذَابِهٖ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ الْقُرْاٰنِ يُؤْمِنُوْنَ ۝ يُصَدِّقُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ مَعَهُ غَيْرَهُ وَ
الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ يُعْطُوْنَ مَآ اٰتَوْا اَعْطَوْا مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ خَائِفَةٌ اَنْ لَا تُقْبَلَ
مِنْهُمْ اَنَّهُمْ يُقَدَّرُ قَبْلَهُ لَامُ الْجَرِّ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ فِىْ عِلْمِ
اللّٰهِ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اَىْ طَاقَتَهَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُصَلِّىَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ
اَنْ يَصُوْمَ فَلْيَاْكُلْ وَلَدَيْنَا عِنْدَنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ بِمَا عَمِلَتْهُ وَهُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ تُسْطَرُ فِيْهِ
الْاَعْمَالُ وَهُمْ اَىِ النُّفُوْسُ الْعَامِلَةُ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ شَيْئًا مِنْهَا فَلَا يُنْقَصُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِ الْخَيْرِ وَلَا يُزَادُ
فِى السَّيِّئَاتِ بَلْ قُلُوْبُهُمْ اَىِ الْكُفَّارِ فِىْ غَمْرَةٍ جَهَالَةٍ مِّنْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ
الْمَذْكُوْرِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ فَيُعَذَّبُوْنَ عَلَيْهَا حَتّٰٓى اِبْتِدَائِيَّةٌ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ اَغْنِيَائَهُمْ
وَرُؤَسَائَهُمْ بِالْعَذَابِ اَىِ السَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ يَضِجُّوْنَ يُقَالُ لَهُمْ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۣ اِنَّكُمْ
مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ لَا تُمْنَعُوْنَ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ مِنَ الْقُرْاٰنِ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝
تَرْجِعُوْنَ قَهْقَرٰى مُسْتَكْبِرِيْنَ ۤ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ اَىْ بِالْبَيْتِ اَوِ الْحَرَمِ بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ فِىْ اَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ
النَّاسِ فِىْ مَوَاطِنِهِمْ سٰمِرًا حَالٌ اَىْ جَمَاعَةٌ يَتَحَدَّثُوْنَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ الْبَيْتِ تَهْجُرُوْنَ ۝ مِنَ الثُّلَاثِىِّ

تنکرون القرآن ومن الرباعی ای تقولون غیر الحق فی النبی والقرآن قال تعالی اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا اصلہ
یتدبروا فادغمت التاء فی الدال القَوْلَ ای القرآن الدال علی صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمْ
جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
الاستفهام فیه للتقریر بالحق من صدق النبی ومجیء الرسل للامم الماضیة ومعرفة رسولهم
بالصدق والامانة وان لا جنون به بَلْ للانتقال جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ ای القرآن المشتمل علی التوحید
وشرائع الاسلام وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ ای القرآن اَهْوَآءَهُمْ بان جاء بما یهوونه من
الشریك والولد للہ تعالی عن ذلك لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ ای خرجت عن نظامها
المشاهد لوجود التمانع فی الشیء عادة عند تعدد الحاکم بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ ای بالقرآن الذی فیه
ذکرهم وشرفهم فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا اجرا علی ما جئتهم به من الایمان فَخَرَاجُ
رَبِّكَ اجره وثوابه ورزقه خَیْرٌ ۖ وفی قراءة خرجا فی الموضعین وفی قراءة اخری خراجا فیهما وَهُوَ
خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿٧٢﴾ افضل من اعطی واجر وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ طریق مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٧٣﴾ ای دین الاسلام وَ
اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ بالبعث والثواب والعقاب عَنِ الصِّرَاطِ ای الطریق لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾ عادلون وَلَوْ
رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ ای جوع اصابهم بمکة سبع سنین لَّلَجُّوْا تمادوا فِیْ طُغْیَانِهِمْ
ضلالتهم یَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾ یترددون وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ الجوع فَمَا اسْتَكَانُوْا تواضعوا لِرَبِّهِمْ وَمَا
یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ یرغبون الی اللہ فی الدعا حَتّٰی ابتدائیة اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا صاحب عَذَابٍ شَدِیْدٍ هو
یوم بدر بالقتل اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ؑ آیسون من کل خیر

ترجمہ: اے پیغمبرو تم نفیس (حلال) چیزیں کھاؤ اور نیک کام (فرائض ونوافل کو اختیار) کرو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں (لہٰذا میں تم کو اس پر بدلہ دونگا) اور (جان لو!) تمہارا طریقہ (تمہارا دین اے مخاطبین! کہ اس پر تم لوگوں کو چلنا واجب ہے) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے (یہ حال لازمہ ہے اور ایک قراءت میں ان تخفیف نون کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں ان نون مکسور تشدید کے ساتھ جملہ استینافیہ ہے) میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو سو ان لوگوں نے اپنے دین اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا (زبرا فعل تقطعوا کے فاعل کا حال ہے یعنی ایک دوسرے کے بالمقابل جدا جدا

جماعتیں جیسے جماعت یہود اور جماعت نصاری وغیرہ وغیرہ) ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی پر مگن اور خوش ہے تو آپ ان (کفار مکہ) کو ان کی جہالت میں ایک خاص وقت تک (یعنی ان کی موت کے وقت تک) رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے ہیں (دنیا میں) تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے نہیں پہنچا رہے ہیں (؟ یہ بات نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے (کہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں (عذاب الٰہی سے) اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں قرآن پر یقین کرتے (اور تصدیق کرتے) ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں صدقہ اور اعمال صالحہ کرتے) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈول رہے ہیں انهم سے پہلے لام جار مقدر ہے اسلئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اور اندیشہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ قبول نہ کیا جائے) یہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں (اللہ تعالیٰ کے علم مطابق!) اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اسکی گنجائش (وطاقت) کے موافق (چنانچہ جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور جو شخص روزہ نہیں رکھ سکتا بوجہ بیماری وغیرہ کے تو وہ کھائے!) اور ہمارے پاس ایک دفتر ہے جس میں سب کچھ لکھا ہوا ہے جو بولتا ہے ٹھیک (جو بھی عمل کیا ہوگا اور لوح محفوظ ہے جس میں اعمال لکھے جاتے ہیں) اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا (کہ اعمال خیر میں سے ثواب کم نہ ہوگا اور برائیوں میں اضافہ نہ ہوگا یہ نہیں بلکہ ان کفار کے قلوب اس (قرآن اور) دین کی طرف سے جہالت میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی عمل ہیں (کہ جو اہل ایمان کے اعمال ذکر کیے گئے) جن کو یہ کرتے رہتے ہیں (لہٰذا ان کی وجہ سے وہ عذاب دیئے جائیں گے) یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو (مالداروں اور سرداروں) کو عذاب میں دھر پکڑیں گے (عذاب دنیوی بالسیف غزوہ بدر میں) تو فوراً چلا اٹھیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی (اور عذاب سے بچائے نہ جاؤ گے) میری (قرآنی) آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جایا کرتی تھیں تو تم الٹے پاؤں پشت کی طرف لوٹنا اعراض کرنا) بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے (ایمان سے) قرآ کا مشغلہ بناتے ہوئے (بیت اللہ کے ارد گرد رات میں ایک جماعت باہم گفتگو کرتے اور اس قرآن کی شان میں) بیہودہ بکتے ہوئے (نبی اکرم ﷺ اور قرآن کریم کی شان میں ناحق اور فحش گوئی کرتے ہوئے) یہ بقراءت رباعی ہے اور بقراءت ثلاثی قرآن کریم کو چھوڑتے ہوئے قصہ گوئی میں مصروف ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ! سو کیا انھوں نے کلام الٰہی قرآن میں غور نہیں کیا (کہ جو نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتا ہے یَدَّبَّرُوا اصل میں یَتَدَبَّرُوا ہے دال میں تاء کا ادغام کر دیا گیا) یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے منکر ہیں لوگ نعوذ باللہ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (اس میں استفہام برائے تقریر بالحق ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور گذشتہ امتوں کے لیے رسول کا آنا (اور ان کا اپنے رسولوں کی صداقت وامانت کا پہچاننا اور جنون کا نہ ہونا) بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں (یعنی قرآن کریم جو کہ توحید اور احکام اسلام پر مشتمل ہے)۔ اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں اور (بفرض محال) اگر دین حق (اور قرآن) ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا (بایں طور کہ قرآن کا نزول ان کی تمنا اور خواہش کے موافق ہوتا ہے جیسے شرک اور اللہ کے لیے اولاد لِلّٰهِ تَعَالٰی عَنْ ذٰلِكَ) تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں

آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے (تمام عالم کا نظام مشاہد ختم ہو جاتا کہ عادۃ وعقلا یہ مسلم ہے کہ کسی بھی شئی میں تمانع کی صورت متعدد حاکم پائے جانے کی صورت میں نظام فاسد ہو جاتا ہے!) بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی (قرآن کے ساتھ جس میں انکا ذکر اور ان کا شرف) سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ یا آپ ان سے کچھ آمدنی مانگتے ہیں (بطور اجرت اس پر جو ان کے پاس لے کر تشریف لائے ہیں یعنی ایمان وغیرہ) تو آمدنی تو آپؐ کے رب کی سب سے بہتر ہے (یعنی اجر وثواب اور اس کا عطاء کردہ رزق) اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے اور آپ تو ان کو سیدھے راستہ (دین اسلام) کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت (اور آخرت کے ساتھ متعلق اور مثلاً ثواب وعذاب) پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس رستہ سے ہٹے جاتے ہیں اگر ہم ان پر مہربانی فرما دیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں ہم نے ان کو گرفتار عذاب (کہ جو قحط سے بھوک مری جو ان کو سات سال تک مکہ میں پہنچی اس سے) بھی کیا ہے اور ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی (کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع اور رغبت کرتے) یہاں تک کہ جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اسوقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے (اور ہر نوع کی خیر سے ناامید ہو جائیں گے چنانچہ وہ دن بدر میں قتل کی صورت میں ہوا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَآيُّهَا الرُّسُلُ : یہ خطاب تمام انبیاء علیہم السلام سے ان کے اپنے اپنے زمانہ میں کیا گیا پس عیسیٰ علیہ السلام اور محمد علیہ السلام اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔

قوله: اعْمَلُوا : اس کو مقدر مانا تاکہ کلوا اعملوا پر درست ہو سکے۔

قوله: اُمَّتُكُمْ : یہاں یہ ملت کے معنی میں ہے۔

قوله: وَّاحِدَةً : یہ حال لازم لاکر انکا عقائد واصول میں ایک ہونا واضح کر دیا۔

قوله: الْخَيْرٰتِ : وہ چیز جس میں ان کے لئے خیرات دنیوی جس کا نیک اعمال پر وعدہ ہوا اور اکرام دنیا میں مراد ہے یہ مؤمنون کے لئے ہے۔

قوله: سٰبِقُوْنَ : یعنی بھلائیاں حاصل کرنے کی خاطر وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں۔

قوله: يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ : سچی بات بتاتی ہے اس میں کوئی چیز خلاف واقعہ نہیں۔

قوله: وَلَهُمْ اَعْمَالٌ : اس سے کفار کے اعمال خبیثہ مراد ہیں۔

قوله: لَهَا عٰمِلُوْنَ : یعنی ان کے عادی ہیں حتیٰ ابتدائیہ ہے جارہ اور عاطفہ نہیں۔

قوله: يُقَالُ لَهُمْ : یہ اس لئے مقدر مانا تاکہ لا تجروا جواب شرط بن سکے۔

قوله: لَا تُنْصَرُوْنَ : کا مجازاً معنی یہاں نہ معنی کرنا اور روکنا ہے۔

قوله: تَنْكِصُوْنَ: الٹے پاؤں سننے سے پلٹنا۔

قوله: بِهٖ: یہ باسبیہ ہے وہ مسجد حرام کے باسی ہونے پر تکبر کرتے تھے۔

قوله: سٰمِرًا: یہ مصدر ہے عافیہ کی طرح اور حال واقع ہے۔

قوله: تَهْجُرُوْنَ: یعنی تتکرون۔ یہ الهجرة قطع کرنا یا ہذیان بکنا۔

قوله: اگر الهجرة: سے لیں تو فحش گوئی کرنا۔

قوله: مَّا لَمْ يَاْتِ: نہیں آیا رسول اور کتاب ان کے آباء کے پاس کہ انہوں نے اسے انوکھا قرار دیا۔

قوله: اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا: کیا یہ ان کی امانت سچائی، حسن خلق، کمال علم وعقل باوجود امی ہونے کے نہیں جانتے۔

قوله: فَهُمْ لَهٗ: ضمیر آپ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے لام تقویت عمل کے لئے ہے اور انکار سے آپ کے دعویٰ نبوت کا انکار مراد اور فاسبیہ ہے استفہام تقریری ہے کہ حق کا اقرار کرلو۔

قوله: كٰرِهُوْنَ: کیونکہ وہ ان کی شہوات وخواہشات کے خلاف ہے اکثر کی قید بڑھا کر اشارہ کیا کہ بعض چند لوگوں نے قوم کی توبیخ کی وجہ سے اسلام سے نفرت کی۔

قوله: اَجْرًا: خرج یہ دخل کا مقابل ہے خرچ وآمدنی۔

قوله: طَرِيْقٍ: سیدھا راستہ۔

قوله: عَادِلُوْنَ: منہ موڑنے والے حالانکہ خوف آخرت تو طلب حق کا بڑا باعث ہے۔

قوله: يَعْمَهُوْنَ: متردد وحیران ہونا۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال، صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی امتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مؤمنین کو دیا گیا ہے۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، حرام کا ہو، اسے اپنی دعاء کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہیے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے آگاہ ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے۔ العیاذ باللہ۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

تمام انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی رہی:

سو ارشاد فرمایا گیا اور بلاشبہ تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں۔ پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو۔ امت کا لفظ ایسی جماعت اور گروہ کے لئے آتا ہے جو ایک خاص عقیدۂ و مسلک کے رشتے میں منسلک ہوں۔ اور حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ چونکہ سب کے سب ایک ہی دین پر تھے جو کہ اسلام ہے، جو کہ عبارت ہے اسلام لوجہ اللہ ہے۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ پاک کے حوالے اور سپرد کر دینا۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ سو تمام انبیائے کرام کا دین یہی ایک دین تھا جس کی اصل اور اساس متین توحید رب العٰلمین ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سب نے اسی کی دعوت دی۔ اور جو کچھ اختلاف اس ضمن میں تھا وہ صرف فروع میں تھا۔ اس لئے ان تمام حضرات کو ایک ہی امت قرار دیا گیا۔ (ابن جریر، روح، قرطبی، محاسن اور مراغی وغیرہ) اس کے علاوہ امت کے اور بھی کئی معنی آتے ہیں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ بہر کیف حضرات انبیائے کرام کا دین ایک ہی دین رہا۔ اور ان سب کی ملت ایک ہی ملت کہ معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ پس سب بندگی بھی اسی کی کرو اور ہمیشہ ڈرتے بھی اسی سے رہا کرو کہ وہی ہے جو ڈرنے کے لائق ہے۔ اور وہی ہے جو بخشنے کے لائق ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ، زبر، زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنے میں آتا ہے اس معنے کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب انبیاء اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا اور آپس میں ٹکڑے مختلف ہو گئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی۔ اور زبر کبھی زبرہ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنے قطعہ اور فرقہ کے ہیں۔ یہی معنے اس جگہ زیادہ واضح ہیں اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فروعی اختلاف ائمہ مجتہدین کا اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ ان اختلافات سے دین وملت الگ نہیں ہو جاتا اور ایسا اختلاف رکھنے والے الگ الگ فرقے نہیں کہلاتے۔ اور اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

لفظ يُؤْتُوْنَ ، ایتاء سے مشتق ہے جس کے معنے دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اس لئے اس کی تفسیر صدقات کے ساتھ کی گئی ہے اور حضرت صدیقہ عائشہ سے ایک قرات اس کی یاتون ما اتو بھی منقول ہے یعنی عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اس میں صدقات نماز، روزہ اور تمام نیک کام شامل ہو جاتے ہیں اور مشہور قرات پر اگرچہ ذکر یہاں صدقات ہی کا ہوگا مگر مراد بہر حال عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی

لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ مظہری) اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ (قرطبی)

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾

آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تا کہ کوئی طاعت فوت نہ ہوجائے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر، خیرات، حسن سلوک) اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا جیسا آیت:

فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿۶۷﴾: اس میں لفظ بہ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کی طرف راجع قرار دی جو اگرچہ اوپر کہیں مذکور نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور ان پر ان کا ناز اتنا معروف ومشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور معنے اس کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا اللہ کی آیتیں سن کر پچھلے پاؤں بھاگنے اور نہ ماننے کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا۔ اور سَامِرًا، سمر سے مشتق ہے جس کے اصل معنے چاندنی رات کے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانیاں کہا کرتے تھے اس لئے لفظ سمر قصہ کہانی کے معنے میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنے سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مشرکین کا ایک حال جو آیات الٰہیہ سے انکار کا سبب بنا ہوا تھا حرم مکہ کی نسبت وخدمت پر ان کا ناز تھا۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ بے اصل اور بے بنیاد قصے کہانیوں میں مشغول رہنے کے عادی ہیں ان کو اللہ کی آیات سے دلچسپی نہیں۔

تَهْجُرُونَ ﴿۶۷﴾ یہ لفظ ہجر بضم الہاء سے مشتق ہے جس کے معنے فضول بکواس اور گالی گلوچ کے ہیں یہ تیسرا حال ان مشرکین کا بیان کیا گیا کہ یہ لوگ فضول بکواس اور گالی گلوچ کے عادی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بعض ایسے ہی گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں۔

عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت اور خاص ہدایات:

رات کو افسانہ گوئی کا مشغلہ عرب وعجم میں قدیم سے چلا آتا ہے اور اس میں بہت سے مفاسد اور وقت کی اضاعت تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اس رسم کو مٹانے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا۔ حکمت یہ تھی کہ عشاء کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہورہے ہیں جو دن بھر کے گناہوں کا بھی کفارہ ہوسکتا ہے۔ یہی اس کا آخری عمل اس دن کا ہو تو بہتر ہے اگر بعد عشاء فضول قصہ گوئی میں لگ گیا تو اولاً یہ خود فعل عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایک برا انجام اس کا یہ ہے کہ رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح کو

سویرے نہیں اٹھ سکے گا اسی لئے حضرت فاروق اعظم جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصوں میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے۔ (قرطبی)

اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶۸﴾

بیان اسباب جہالت وضلالت متکبرین ومعرضین:

(ربط) گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجوہ اور اسباب کی بنا پر کفر اور انکار پر آمادہ ہوئے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کیا جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور ہر شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی بعثت کو بدعت اور امر غریب جانا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے حال سے اور آپ ﷺ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں کہ امی ہیں۔ پڑھا لکھا کچھ نہیں مگر علم اور حکمت کے چشمے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

(٤) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور پر نور ﷺ مجنون اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پر نور ﷺ تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلا دیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں یا آپ کی صداقت اور امانت سے یا آپ کی فہم و فراست سے واقف نہیں یا آپ کو پہچانتے نہیں یا آپ ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار ہیں ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے یہ ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے، بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلاء آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔

(دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۰۷ ج ۳ وحاشیہ صاوی علی تفسیر جلالین)

چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر تلے ہوئے ہیں آخر اس کا کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ (۱) یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا تا کہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سرتاپا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ (۲) یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تا کہ یہ عذر کریں کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آ چکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

یا تکذیب کہ وجہ (۳) یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست کو نہیں جانا پس اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ ﷺ کو اور آپ کے حسب و نسب کو اور صدق و راستی اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ۔ سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں یعرفونه کما یعرفون ابناءهم اور ہرقل شاہ روم کا آپ ﷺ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابو سفیانؓ کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو جنون ہے سو یہ امر بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے جن مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ آپ ﷺ آراستہ ہیں اور جن کا آپ ﷺ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یہ سب آپ ﷺ کے کمال عقل اور کمال حکمت کی روشن دلیل ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی باتوں کو جنون اور دیوانگی بتلانا یہ خود جنون اور دیوانگی ہے یہ سب باتیں غلط ہیں بلکہ تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ نبی ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے جس کی صحت اور حسن اور خوبی میں کسی عاقل کو کلام نہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے متنفر اور بیزار ہیں کیونکہ وہ حق بات ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے اور نفس پرستوں کا کسی چیز سے ناخوش ہونا بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ حق کا پیرو بنے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو حق کے تابع کر دے۔ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ سب تباہ و برباد ہو جائیں یہ کارخانہ عالم عجیب و غریب حکمتوں اور مصلحتوں پر چل رہا ہے اور لوگوں کی خواہش اور اغراض مختلف ہیں اور عالم میں جو بھی فساد ہے وہ نفسانی خواہشوں کی بنا پر ہے پس ہم نے ان کو ایسی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں۔ یعنی ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ان کے لیے وعظ و نصیحت ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے پاس ان کی عزت اور شرف کی چیز لائے ہیں پس وہ لوگ اپنی نصیحت کی چیز سے یا اپنی عزت و شرف کی چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی نصیحت سے اور اپنی عزت اور شرف کی چیز سے روگردانی سخت حماقت ہے۔

یا تکذیب کی وجہ (۵) یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ان سے اجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ ﷺ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں پس ان لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کی اجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے، آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے آپ ﷺ ان سے کیا اجرت مانگتے، آپ ﷺ تو علی الاعلان فرماتے تھے: قل لا اسألکم علیه اجرا۔ قل ما اسالکم علیه من اجر وما انا من

اور تحقیق آپ ﷺ تو ان کو سیدھے راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ ﷺ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ ﷺ کا مقصود نہیں اور آپ ﷺ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقول سلیمہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ راہ راست ہے، اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور آخرت کے راستہ سے بھاگ رہے ہیں اور آنکھ بند کر کے دنیا کے راستہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کی آسمانی آفتیں اور مصیبتیں سامنے آ رہی ہیں مگر ہوش میں نہیں آتے۔

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور قحط کی تکلیف اور سختی جو ان پر پہنچ رہی ہے اس کو دور کر دیں تو تب بھی احسان نہ مانیں اور برابر اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں اور مصیبت کے وقت جو خدا سے وعدے کیے تھے وہ سب طاق نسیان میں رکھ دیئے۔ کما قال اللہ تعالی: واذا مس الانسان الضر دعانا۔ وقال اللہ تعالی: اذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝

اَلْعَذَاب یعنی بدر کی لڑائی میں مارا جانا یا قحط پڑنا:

فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ: یعنی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ اپنے رب کی طرف رجوع نہیں ہوئے بلکہ اپنی سرکشی پر قائم رہے۔

اِسْتَكَانُوْا یا باب استفعال سے ہے اس کا مادہ کون ہے محتاج بھی ایک کون سے دوسرے کون کی طرف اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ (ہر دم ایک نئے تغیر کا طلبگار رہتا ہے) یا استکانوا باب افتعال سے ہے اس کا مادہ سکن ہے کاف کے بعد الف اشباعی ہے۔

وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ یعنی وہ زاری کرنے، عاجزی کرنے اور خشوع کرنے سے مانوس ہی نہیں ہیں۔ (خشوع وخضوع کا مادہ ہی ان کے اندر نہیں ہے)۔

بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ: کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ نے اس سے وعدہ لے کر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر آ بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا، قریش بھوکے مرنے لگے یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے، مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ: کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آبا و اجداد کو تو تلوار سے قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔

ایک شبہ تفسیر مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے خوشحال کافروں کو جس عذاب میں گرفتار کیا تھا وہ عذاب دور نہیں کیا حالانکہ بغوی نے صراحت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کیلئے بددعا کی، اور فرمایا اے اللہ! دو ریوسفی کی طرح ان کو

بھی قحط سالیوں میں مبتلا کردے اور قریش قحط زدہ ہو گئے۔ پھر ابو سفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ سے اللہ اور قرابت داری کے حوالے سے پوچھتا ہوں کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابو سفیان نے کہا تو آپ نے باپوں کو تلوار سے قتل کرادیا اور ان کی اولاد کو قحط سے۔ اب اللہ سے دعا کیجئے کہ خدا اس قحط کو دفع کردے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ نے قحط کو دور کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بددعا کی وجہ سے جو قحط قریش پر پڑا تھا وہ حضور ﷺ کی دعا سے اللہ نے دور کردیا (اور آپ کا بیان کردہ تفسیری مطلب بتارہا ہے کہ قحط سالی دور نہیں کی گئی)۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ان پر رحم نہیں کیا گیا اور عذاب دور نہیں کیا گیا کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ عذاب دور ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کفر پر اڑے رہیں گے لیکن عذاب (کبھی) دفع نہ ہوگا آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے چنانچہ پہلے ان سے عذاب دور نہیں کیا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے دور کردیا گیا لیکن انہوں نے پھر بھی توبہ نہیں کی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے اور گمراہی میں ہی سرگرداں گھومتے رہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ خَلَقَ لَكُمُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ الْقُلُوْبَ قَلِیْلًا مَّا تَاكِيْدٌ لِلْقِلَّةِ
تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ خَلَقَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تُبْعَثُوْنَ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِی
الْمُضْغَةِ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ بِالسَّوَادِ وَالْبَيَاضِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٨٠﴾ صُنْعَهُ
تَعَالٰى فَتَعْتَبِرُوْنَ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٨١﴾ قَالُوْٓا اَيِ الْاَوَّلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٨٢﴾ لَا وَفِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى
الْوَجْهَيْنِ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ لَقَدْ اَيِ الْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلُ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِیْرُ كَاَذِيْبُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿٨٣﴾ كَالْاَضَاحِيْكِ وَالْاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ قُلْ لَهُمْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ
مَنْ فِیْهَآ مِنَ الْخَلْقِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ خَالِقُهَا وَمَالِكُهَا سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ لَهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ بِاِدْغَامِ
التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الذَّالِ تَتَعِظُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْخَلْقِ ابْتِدَاءً قَادِرٌ عَلَى الْاِحْيَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ قُلْ
مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿٨٦﴾ الْكُرْسِيِّ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ تَحْذَرُوْنَ عِبَادَةَ
غَيْرِهٖ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ مُلْكُ كُلِّ شَیْءٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ يَحْمِيْ وَلَا يُحْمٰى عَلَيْهِ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ وَفِيْ قِرَاءَةٍ لِلّٰهِ بِلَامِ الْجَرِّ فِي الْمَوْضَعَيْنِ نَظْرًا اِلٰى اَنَّ الْمَعْنٰى مَنْ لَهُ

مَا ذُكِرَ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝۸۹ تُخْدَعُوْنَ وَتُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَحْدَهٗ اَیْ كَیْفَ یُخَیَّلُ لَكُمْ اَنَّهٗ
بَاطِلٌ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۹۰ فِیْ نَفْیِهٖ وَهُوَ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ
اِذًا اَیْ لَوْ كَانَ مَعَهٗ اِلٰهٌ لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ اَیْ اِنْفَرَدَ بِهٖ وَمَنَعَ الْاٰخَرَ مِنَ الْاِسْتِیْلَاءِ عَلَیْهِ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ مُغَالَبَةً كَفِعْلِ مُلُوْكِ الدُّنْیَا سُبْحٰنَ اللّٰهِ تَنْزِیْهًا لَهٗ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۹۱ بِهٖ مِمَّا ذُكِرَ عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ
الشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ هُوَ مُقَدَّرًا فَتَعٰلٰى تَعَظَّمَ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۹۲ مَعَهٗ
ع ۵ ۱۵ ۵

ترجمہ: اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (مَا قلت کی تاکید کے لیے) اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب (موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور) اسی کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے (گوشت کے ٹکڑے میں روح ڈال کر) اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا (بدلنا کہ بوقت لیل سیاہی اور دن میں سفیدی (سو کیا تم نہیں سمجھتے (اللہ تعالیٰ کی صنعت گری کو کہ غور وفکر کر کے عبرت پکڑتے) پھر بھی مانتے نہیں بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے لوگ کہتے چلے آئے ہیں (یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جاویں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جاویں گے یہ نہیں ہوگا نعوذ باللہ اور ہمزہ میں دونوں جگہوں پر تحقیق ہے اور معانی ہمزہ کی تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں الف داخل کرنا) اس کا تو ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ (حیات بعد الموت) کچھ بھی نہیں محض بے سند (جھوٹ) باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں (کہ جس طرح ہنسی کی باتیں اور تعجب خیز افسانے ہوتے ہیں اَسَاطِیْرُ. اُسْطُوْرَةٌ بالضم کی جمع ہے ان لوگوں سے آپؐ یہ کہہ دیجیے کہ یہ زمین اور جو (مخلوق) اس میں ہے کس کی ملک ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے (اس کے خالق اور مالک ہونے کی تو بتلاؤ؟) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ سب کچھ اللہ کا ہے (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں غور نہیں کرتے (تا کہ تم لوگ اس حقیقت کو جان لو کہ جو ذات ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ موت کے بعد بھی زندہ کر دینے پر قادر ہے اور) آپؐ یہ بھی کہئے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے (اس کا بھی جواب دو! تو اس کا بھی) وہ یہی ضرور جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے (تو اس وقت) آپؐ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے غیر اللہ کی عبادت سے احتراز کیوں نہیں کرتے؟) آپؐ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے (تا برائے مبالغہ ہے ملک کے معنی میں ہی ہے) اور پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں (ایک قراءت میں ہر ایک وہ جگہ لام جر کے ساتھ للہ ہے نظر کرتے ہوئے اس بات کی جانب کہ معنی من لہ ماذکر کے ہے!۔ آپؐ کہئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے (کہ امیر حق ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھرے جاتے ہو اور تم کو کس طرح یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ یہ باطل ہے؟) بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے) اور یقیناً یہ (اس امیر حق کی نفی کرنے میں) جھوٹے ہیں (اور وہ بات یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا

ہے اگر ایسا ہوتا ہے (کہ اس کے ساتھ اور کوئی خدا ہوتا) تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا (دوسرے سے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے سے روکتا) اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا (جس طرح دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان مکروہ باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا (اگر جر کے ساتھ پڑھا جائے تو صفت اور اگر رفع ہو تو ھو محذوف مبتداء کی خبر ہے) وہ بالاتر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں (اس کے ساتھ اور اس سے منزہ ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلسَّمْعَ: یہاں سمع بمعنی اسماع ہے ابصار واقتۃ بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں تا کہ کانوں سے سنو اور دلوں سے سوچ اور بچار کرو۔

قوله: تَشْكُرُوْنَ: کسی چیز کے شکر میں سب سے اعلیٰ چیز یہ ہے کہ جس کے لئے وہ بنی اسی کے لئے استعمال ہو۔

قوله: اِذَا مِتْنَا: کفار نے یہ بطور تعجب کہا۔

قوله: وَّهُوَ يُجِيْرُ: جس کی چاہتا ہے فریاد رسی کرتا ہے اور اس کے خلاف فریاد نہیں کی جا سکتی۔ مضرت کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے علی سے متعدی ہوا۔

قوله: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ: کیونکہ وہ مماثلت سے پاک ہے۔

قوله: لَوْ كَانَ: یہ کفار کی حجت بازی کا جواب ہے اور ماقبل کی دلالت سے جزاء شرط محذوف ہے۔ اذا یہ شرط وجزاء پر داخل ہوتا ہے۔

قوله: عٰلِمِ الْغَيْبِ: یہ نفی شرک کی دوسری دلیل ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا منفرد ہونا وہ بھی مانتے تھے۔

تفسیر مقبولین

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

اللہ کی تخلیق کے مظاہر، منکرین بعث کی تردید:

گزشتہ آیات میں منکرین کے کفر اور عناد کا ذکر تھا ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور امکان بعث پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات جلیلہ کا اقرار کرایا ہے اور انہیں بار بار متوجہ فرمایا ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے اللہ کی توحید کے منکر ہو رہے ہیں۔

اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سننے کی قوت دی ہے آنکھیں عطا فرمائی ہیں تمہارے اندر دل پیدا فرمائے ہیں دیکھو یہ کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کی وجہ سے تم پر شکر واجب ہوتا ہے لیکن کم شکر ادا کرتے ہو یوں ہی چلتی ہوئی بات کی طرح کہہ دیتے ہو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن اللہ کے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان نہیں لاتے، اس کی عبادت میں نہیں لگتے اس کے

ساتھ شرک کرتے ہو، پھر فرمایا کہ ان سے فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے یعنی زمین میں رہتے بستے ہو اس میں تمہاری نسلیں چل رہی ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہو جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا وہی موت دیتا ہے اور رات دن کا مختلف ہونا یعنی ایک دوسرے کے بعد آنا جانا یہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے تم اس بات کو سمجھو اگر سمجھتے ہو تو اس کی توحید اور عبادات سے کیوں دور بھاگتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مردہ ہوکر دوبارہ زندہ ہونے کے بارے منکرین بعث وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی ان کا کہنا ہے کہ مرجانے کے بعد جب مٹی ہوجائیں گے اور گوشت پوست ختم ہوکر ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا ہم پھر زندہ ہوکر اٹھائے جائیں گے یہ بات کہہ کر ان کا مقصد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا ہے انہوں نے اپنی اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ یوں بھی کہا کہ اس طرح کی باتیں پہلے بھی کہی گئی ہیں ہمارے باپ دادوں سے بھی اس طرح کا وعدہ کیا گیا ہے سینکڑوں سال گزر گئے آج تک تو قیامت آئی نہیں آنی ہوتی تو اب تک آجاتی یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آرہی ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق جو قیامت کا وقت مقرر ہے اس وقت قیامت آجائے گی اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے پورا ہوکر رہے گا لوگوں کے کہنے سے وقت سے پہلے قیامت نہیں آئے گی دیر میں آنا دلیل اس بات کی نہیں کہ آنی ہی نہیں ہے منکرین کا یہ کہنا ہے چونکہ اب تک نہیں آئی اس لیے آنی ہی نہیں محض جہالت کی بات ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے اس کے جواب میں وہ یوں ہی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لیے ہے، ان کی طرف سے یہ جواب مل جانے پر سوال فرمایا پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے پھر فرمایا آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ اسکا جواب بھی یہی دیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ان کے اس جواب پر ان سے سوال فرمایئے کہ تم اس سب کا اقرار کرتے ہو پھر اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے، جاننے اور ماننے کے باوجود اس کی قدرت کا اور وقوع قیامت کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ آپ ان سے دریافت فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہی پناہ دیتا ہے۔ (جس کو چاہتا ہے) اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اس کے جواب میں بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، ان کے اس جواب پر سوال فرمایئے کہ پھر تم کیوں منکر ہو رہے ہو یعنی تمہارا ایسا ڈھنگ ہے جیسے تم پر جادو کردیا گیا ہو حق اور حقیقت واضح ہوجانے کے باوجود کیوں مخبوط الحواس بنے ہوئے ہو۔

حق اور حقیقت واضح ہوتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی حق کے منکر ہیں اس لیے آخر میں فرمایا: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ (بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچادیا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں)۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ ....

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے، وہ مشرکوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے:

مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بھی مانتے تھے آج بھی دنیا میں

لاکھوں ایسے افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص کر نصاریٰ تو اس میں بہت آگے ہیں، یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سب لوگوں کی تردید فرما دی جو قرآن کریم میں کئی جگہ مذکور ہے، یہاں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور یہ بھی فرمایا کہ صرف وہی معبود حقیقی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، جو لوگ اس کے علاوہ معبود مانتے ہیں ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور اس لائق ہوتا کہ اس کی عبادت کی جائے تو خالق بھی ہوتا خود کسی کی مخلوق نہ ہوتا کیونکہ جس میں خالق ہونے کی اہلیت نہیں وہ معبود ہونے کا اہل نہیں سو بالفرض اگر کوئی دوسرا معبود ہوتا تو اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو اپنے قبضہ میں رکھتا۔ اور اپنی مخلوق کو دوسرے خالق سے علیحدہ رکھتا اور اپنی مخلوق پر کسی کا اختیار نہ چلنے دیتا اور مزید براں یہ ہوتا کہ ہر معبود دوسرے معبود پر چڑھائی کرتا اور دوسرے کی مخلوق پر بھی قبضہ کرنے کا نظام بناتا، لیکن سب جانتے ہیں جو کچھ وجود میں ہے ساری اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے جس کا سب کو اقرار بھی ہے اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ پورے عالم کا نظام یکسانیت کے ساتھ چل رہا ہے اس میں نہ کوئی کھینچ کھانچ ہے نہ کوئی معارضہ ہے نہ مقابلہ، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت وارادہ کے موافق ساری مخلوق کا نظام چل رہا ہے جس کو اس نے جس طرح مسخر فرمایا ہر ایک اپنے اپنے کام میں اسی طرح لگا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے موافق ہے، اس کو دیکھتے ہیں پھر بھی شرک کرتے ہیں، یہ سراپا گمراہی ہے (سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝) (اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں) یعنی نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے (عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ) (ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کو جانتا ہے) اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے (فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝) (سو اللہ تعالیٰ اُن سے پاک ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں) یعنی لوگوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا فِيهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ مِنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَتْلِ بِبَدْرٍ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَهْلِكْ بِهَلَاكِهِمْ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اَيِ الْخُلَّةُ مِنَ الصَّفْحِ وَالْاِعْرَاضِ عَنْهُمُ السَّيِّئَةَ اِذَاهُمْ اِيَّاكَ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ اَيْ يَكْذِبُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ فَنُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ اَعْتَصِمُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ نَزَغَاتِهِمْ بِمَا يُوَسْوِسُوْنَ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ فِيْ اُمُوْرِيْ لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا يَحْضُرُوْنَ بِسُوْءٍ حَتّٰٓى اِبْتِدَائِيَّةٌ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ وَرَاٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنَ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ اَلْجَمْعُ لِلتَّعْظِيْمِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا بِاَنْ اَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَكُوْنُ فِيْمَا تَرَكْتُ ضَيَّعْتُ مِنْ عُمُرِيْ اَيْ فِيْ مُقَابَلَتِهٖ قَالَ تَعَالٰى كَلَّا اَيْ لَا رُجُوْعَ اِنَّهَا اَيْ رَبِّ ارْجِعُوْنِ كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَلَا فَائِدَةَ

لَا فِيْهَا وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ أَمَامِهِمْ بَرْزَخٌ حَاجِزٌ يَصُدُّهُمْ عَنِ الرُّجُوْعِ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَا رُجُوْعَ بَعْدَهُ
وَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ الْقَرْنِ النَّفْخَةُ الْأُوْلٰى أَوِ الثَّانِيَةُ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَتَفَاخَرُوْنَ بِهَا وَ
لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنْهَا خِلَافَ حَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغَلُهُمْ مِنْ عِظَمِ الْأَمْرِ عَنْ ذٰلِكَ فِيْ بَعْضِ مَوَاضِعِ
الْقِيٰمَةِ وَفِيْ بَعْضِهَا يُفِيْقُوْنَ وَفِيْ اٰيَةٍ أُخْرٰى وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَآءَلُوْنَ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ
بِالْحَسَنَاتِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ الْفَائِزُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ بِالسَّيِّئَاتِ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَهُمْ
فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ تُحْرِقُهَا وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ شُمِّرَتْ شِفَاهُهُمُ الْعُلْيَا وَالسُّفْلٰى
عَنْ أَسْنَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ أَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ مِنَ الْقُرْاٰنِ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ تُخَوَّفُوْنَ بِهَا فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ قَالُوْا
رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ شَقَاوَتُنَا بِفَتْحِ أَوَّلِهِ وَأَلِفٍ وَهُمَا مَصْدَرَانِ بِمَعْنًى وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝
عَنِ الْهِدَايَةِ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا إِلَى الْمُخَالَفَةِ فَإِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ بَعْدَ قَدْرِ
الدُّنْيَا مَرَّتَيْنِ اخْسَئُوْا فِيْهَا اقْعُدُوْا فِي النَّارِ أَذِلَّاءَ وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ فِيْ رَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَيَنْقَطِعُ رَجَاؤُهُمْ
إِنَّهُ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ هُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ
الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا بِضَمِّ السِّيْنِ وَكَسْرِهَا مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْهُزْءِ مِنْهُمْ بِلَالٌ وَصُهَيْبٌ وَعَمَّارٌ
وَسَلْمَانُ حَتّٰٓى أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ فَتَرَكْتُمُوْهُ لِاشْتِغَالِكُمْ بِالْاِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ فَهُمْ سَبَبُ الْإِنْسَاءِ فَنُسِبَ إِلَيْهِمْ وَ
كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ إِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ النَّعِيْمَ الْمُقِيْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا عَلَى اسْتِهْزَائِكُمْ بِهِمْ وَأَذٰىكُمْ
إِيَّاهُمْ أَنَّهُمْ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ بِمَطْلُوْبِهِمْ اِسْتِئْنَافٌ وَبِفَتْحِهَا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ لِجَزَيْتُهُمْ قَالَ
تَعَالٰى لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ فِي الدُّنْيَا وَفِيْ قُبُوْرِكُمْ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ تَمْيِيْزٌ
قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا شَكُّوْا فِيْ ذٰلِكَ وَاسْتَقْصَرُوْهُ لِعِظَمِ مَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الْعَذَابِ أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝
أَيِ الْمَلَائِكَةَ الْمُحْصِيْنَ أَعْمَالَ الْخَلْقِ قٰلَ تَعَالٰى بِلِسَانِ مَالِكٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ قُلْ إِنْ أَيْ مَا لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا
لَّوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مِقْدَارَ لُبْثِكُمْ مِنَ الطُّوْلِ كَانَ قَلِيْلًا بِالنِّسْبَةِ إِلٰى لُبْثِكُمْ فِي النَّارِ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا

خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا لَا لِحِكْمَةٍ وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ لَا بَلْ لِنَتَعَبَّدَكُمْ بِالْاَمْرِ
وَالنَّهْيِ وَ تَرْجِعُوْا اِلَيْنَا وَ نُجَازِيْ عَلٰى ذٰلِكَ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَنِ
الْعَبَثِ وَغَيْرِهٖ مِمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ اَلْكُرْسِيُّ هُوَ السَّرِيْرُ الْحَسَنُ
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ صِفَةٌ كَاشِفَةٌ لَا مَفْهُوْمَ لَهَا فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ جَزَاؤُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ لَا يُسْعِدُوْنَ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الرَّحْمَةِ زِيَادَةً عَلَى الْمَغْفِرَةِ وَاَنْتَ
ع ۶ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اَفْضَلُ رَحْمَةً

ترجمہ: آپ (حق تعالیٰ سے یہ) دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں (کہ وہ سچا ہے) تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے (کہ ایسا نہ ہو جائے کہ میں بھی ان کے ساتھ ہلاک ہو جاؤں (اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں گے قادر ہیں، آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا (اور درگذر و اعراض پرستی) (اذیت وغیرہ جو آپ کو ان سے پہنچی ہیں ان) ہو ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں (وتکذیب کرتے ہیں لہٰذا ہم ان کو اسپر بدلہ دیں گے) اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب آپ کی پناہ مانگتا (حفاظت چاہتا) ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے (کہ جن وسوں کے ذریعہ وہ ابھارتے ہیں) اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں (میرے کاموں میں کیوں کہ وہ برائی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے (اور وہ اپنا مقام نار دیکھتا ہے اور اگر ایمان لے آئے ہوتے تو جنت کا مقام دیکھتا) اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس (دنیا کی زندگی میں نے اپنی عمر ضائع کی ہے یعنی اس کے بالمقابل برائی کی اور جس) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں) بایں طور کہ کلمہ شہادت قبول کروں اللہ تعالیٰ کا ارشاد) ہرگز نہیں (ہوگا کہ دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے رب ارجعون کی) یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے (اور اس کو اس سے کوئی فائدہ ہوگا نہیں) اور ان لوگوں کے پیچھے پردہ (آڑ جیسے ایک چیز جو ان کو دنیا کی طرف واپس لوٹنے سے روکنے والی) ہے قیامت کے دن تک (اور قیامت کے بعد تو واپسی ہے ہی نہیں! پھر جب صور میں پھونک ماریں گے (یہ نفخہ اول ہے یا ثانی) تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے (جن پر فخر کرتے تھے) اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (ان رشتوں اور نسبوں کو کہ دنیا میں جو صورت حال تھی اس کے برعکس کے اس وجہ سے کہ قیامت کے بعض مواقع میں اس سے بڑے امور میں انسان گھرا ہوا ہوگا البتہ بعض مواقع میں صورت حال سکون پر ہو گی اور دوسری آیت میں ہے واقبل بعضہم الخ) سو جس شخص کا پلہ (حسنات کے ساتھ) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا (برائیوں کی وجہ سے نیکیوں سے) سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم

میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ جھلستی ہوگی اور اس نار جہنم میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے (کہ اوپر کے اونٹ تو اوپر کے جانب ہو جائیں گے اور نیچے کے ہونٹ اور دانتوں سے نیچے گر جائیں گے اور ان سے یوں کہا جائے گا) کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں قرآن کی پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری بدبختی نے ہم کو ہمارے ہاتھوں گھیر لیا تھا اور ایک قراءت میں شقاوتنا ہے پہلے کے زبر اور الف کے ساتھ وہ دونوں ہم معنی مصدر ہیں اور بیشک ہم گمراہ لوگ تھے (راہِ ہدایت سے!) اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے اب نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (مخالفت کی طرف عوف) کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں (تو ان سے بذریعہ فرشتہ دنیا کی دوگنی مقدار کی برابر جواب میں یہ) ارشاد ہوگا کہ اسی جہنم میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو (عذاب کے اٹھائے جانے پر تم لوگوں سے، لہٰذا ان کی امیدیں جو وابستہ تمہیں وہ منقطع ہو جائیں گی! میرے بندوں میں ایک گروہ (مہاجرین کا) تھا جو عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم بخشد یجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (مثلاً حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار، اور حضرت سلمان) سخریا سین پر ضمہ اور دوسری قراءت بالکسر جو کہ مصدر ہے معنی میں الهزء منهم کے اور) یہاں تک کہ ان کے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی (لہٰذا ان کے ساتھ استہزاء اور مذاق کے اشتغال وانہماک کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی یاد کو چھوڑ دیا سو وہ سب ہیں ان شاء کے لہٰذا اس وجہ سے ان کی طرف نسبت ہوئی ہے) اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے میں نے آج ان کو تمہارے استہزاء اور ایذاء پر صبر کا یہ (نعیم مقیم یعنی دائمی نعمت) بدلہ دیدیا کہ وہی کامیاب ہوئے (اپنے مطلوب کو حاصل کر کے ان بالکسر ہونے کی صورت میں جملہ مستانفہ ہے اور بالفتح ہونے کی صورت میں جریتهم کا مفعول ثانی ہے بذریعہ فرشتہ ان کو) ارشاد باری تعالیٰ ہوگا اور ایک قراءت میں قل ہے) کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدرت مدت زمین میں رہے ہوں گے (؟ یعنی دنیا میں یا اپنی قبروں! میں سنین تمیز ہے) وہ جواب دیں گے کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ہم رہے ہوں گے (انہوں نے جو یہ شک اس مقدار میں کیا ہے اور اس وجہ سے کہ وہ جس عذاب میں گرفتار ہیں وہ عظیم منظر ہے) سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے (یعنی فرشتوں سے جو مخلوق کے اعمال کی حفاظت کرنے والے ہیں! ایک قراءت میں قل ہے بواسطہ مالک نامی فرشتہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم دنیا میں بہت نہیں تھوڑی ہی مدت رہے (کہ نار جہنم کی طویل زمانہ قیام کے بالمقابل قلیل زمانہ رہنا ہو) سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو (نہ کہ کسی خاص حکمت کے لیے؟) اور تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے (مبنی للفاعل اور مبنی للمعفول دونوں قراءتیں اس میں ثابت ہیں یہ خیال کرنا درست نہیں بلکہ پیدا کیا ہم نے تاکہ تم اوامر اور نواہی کے امتثال کے ساتھ بندگی کرو اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری طرف تم لائے جاؤ گے اور اس پر ہم بدلہ دیں گے قال تعالیٰ: فی آیۃ وما خلقت الجن الخ) سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے (عبث وغیرہ نامناسب امور سے جو کہ اس کی شایان شان نہیں وہ اس سے صادر ہوں) جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اسکی سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے (وہ تخت حسن کی صفت سے متصف ہے عرش اور کرسی ایک ہی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں (لا برهان صفت کاشفہ یعنی بیان واقعہ ہے جس کا کوئی جداگانہ مفہوم نہیں) سو اس کا حساب (اس کا

بدلہ) اس کے رب کے یہاں ہوگا یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (اہل ایمان کی خطائیں) معاف کرا اور رحم کر (مغفرت پر رحمت میں زیادتی ہے) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا! (آپ افضل الرحمت ہیں!)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَهْلِكَ: یہ فلا تجعلنی یا تو نفس کو مٹانے کے لئے ہے، یا ظلمت کی نحوست کبھی کبھی اطراف میں بھی پھیل جاتی ہے۔

قوله: لَقٰدِرُوْنَ: مگر جانتے ہوئے موخر کرتے ہیں ان کے بعض ایمان لائیں گے۔

قوله: یَکْذِبُوْنَ: یہاں وہ باتیں مراد ہیں جو آپ کی حالت کے خلاف کفار بکتے تھے۔

قوله: لَارُجُوْعَ اِنَّهَا: یعنی یہ مکمل مایوسی ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یوم بعث کے بعد دنیا کی طرف رجوع نہیں۔

قوله: تُتْلٰی عَلَیْکُمْ: یہ اس پر سرزنش ہے کہ اس عذاب کے مقدر کیونکہ بنے۔

قوله: شِقْوَتُنَا: ہماری ہلاکت اس حد تک پہنچی کہ ہمارے حالات برے انجام تک پہنچانے والے ہیں۔

قوله: فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ: یعنی پھر ہم اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے۔

قوله: اخْسَئُوْا فِیْهَا: خاموش ہو جاؤ۔ یہ سوال کا موقع ہی نہیں خساءت الکلب سے ہے۔

قوله: اِنَّهٗ کَانَ: ضمیر شان ہے۔

قوله: سِخْرِیًّا: یہ مصدر ہے جس میں یا نسبت مبالغہ کے لئے بڑھائی ہے۔

قوله: تَضْحَکُوْنَ: یعنی استہزاء ہنستے تھے۔

قوله: اَفَحَسِبْتُمْ: یہ دلیل بعث اور تغافل پر توبیخ ہے، عبثاً یہ حال ہے۔

قوله: وَ اَنَّکُمْ: اس کا عطف خلقنا کم پر ہے۔

قوله: الْمَلِكُ الْحَقُّ: ایسا بادشاہ ہر اعتبار سے جس کو بادشاہی لائق ہے وہ مالک بقیہ سب مملوک ہیں۔

قوله: رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ: الکریم سے عرش کی صفت لائے کیونکہ اس سے محکم فیصلے اور احکام اترتے ہیں جن میں مخلوقات مصالح و رحمتیں ہیں۔

قوله: لَا بُرْهَانَ: یہ صفت کاشفہ ہے لازمہ ہے مگر مقیدہ نہیں کیونکہ باطل کی کوئی دلیل نہیں دوسرا مقدمہ بھی باطل ہے۔

قوله: عِنْدَ رَبِّهٖ: یہ مجاز ہے اور اس کی ایک مقدار ہے جو بندے کو قرب کا حقدار بناتی ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

برائی کے بدلے اچھائی:

سختیوں کے اترنے کے وقت کی دعا تعلیم ہو رہی ہے کہ اگر تو ان بدکاروں پر عذاب لائے اور میں ان میں موجود ہوں۔ تو مجھے ان عذابوں سے بچا لینا۔ مسند احمد اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ اے اللہ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے، تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ ہم ان عذابوں کو تجھے دکھا دینے پر قادر ہیں۔ جو ان کفار پر ہماری جانب سے اترنے والے ہیں۔ پھر وہ بات سکھائی جاتی ہے جو تمام مشکلوں کی دوا، اور رفع کرنے والی ہے اور وہ یہ کہ برائی کرنے والے سے بھلائی کی جائے۔ تاکہ اس کی عداوت محبت سے اور نفرت الفت سے بدل جائے۔ جیسے ایک اور آیت میں بھی ہے کہ بھلائی سے دفع کر تو جانی دشمن، دلی دوست بن جائے گا۔ لیکن یہ کام انہیں سے ہو سکتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔ یعنی اس کے حکم کی تعمیل اور اس کی صفت کی تحصیل صرف ان لوگوں سے ہو سکتی ہے جو لوگوں کی تکلیف کو برداشت کر لینے کے عادی ہو جائیں۔ اور گو وہ برائی کریں لیکن یہ بھلائی کرتے جائیں۔ یہ وصف انہی لوگوں کا ہے جو بڑے نصیب دار ہوں۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی جن کی قسمت میں ہو۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

شیطان سے بچنے کی دعائیں:

انسان کی برائی سے بچنے کی بہترین ترکیب بتا کر پھر شیطان کی برائی سے بچنے کی ترکیب بتائی جاتی ہے کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں شیطان سے بچا لے۔ اس لئے کہ اس کے فن فریب سے بچنے کا ہتھیار تمہارے پاس سوائے اس کے اور نہیں۔ وہ سلوک و احسان سے بس میں نہیں آنے کا استعاذہ کے بیان میں ہم لکھ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ دعا (اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم) من ہمزہ و نفخہ و نفثہ پڑھا کرتے تھے۔ اور ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے۔ کھانا پینا جماع ذبح وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی ایک دعا یہ بھی تھی۔ (اللھم انی اعوذبک من الھرم و اعوذ من الھدم و من الغرق و اعوذبک ان یتخبطنی الشیطان عند الموت)۔ اے اللہ میں تجھ سے بڑے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکا دے۔ مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کے مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں۔ دعا (بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و عقابہ و من شر عبادہ و من ہمزات الشیاطین و ان یحضرون)۔ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے انہیں یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے نا سمجھ ہوتے یاد نہ کر سکتے ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتاتے ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

بیان ہو رہا ہے کہ موت کے وقت کفار اور بدترین گناہگار سخت نادم ہوتے ہیں اور حسرت و افسوس کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں۔ تا کہ ہم نیک اعمال کرلیں۔ لیکن اس وقت وہ امید فضول یہ آرزو لاحاصل ہے چنانچہ سورۂ منافقون میں فرمایا جو ہم نے دیا ہے ہماری راہ میں دیتے رہو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اس وقت وہ کہے کہ اے اللہ ذرا سی مہلت دے دے تو میں صدقہ خیرات کرلوں اور نیک بندہ بن جاؤں لیکن اجل آجانے کے بعد کسی کو مہلت نہیں ملتی تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ مثلاً: وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (ابراہیم: ۴۴) اور: يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (الاعراف: ۵۳) اور (السجدہ: ۱۲)، (الانعام: ۳۰) (الشوریٰ: ۴۴)، (غافر: ۱۱) اور اس کے بعد کی آیت (فاطر: ۳۷) وغیرہ ان آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کو دیکھ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے کی پیشی کے وقت جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے اور نیک اعمال کرنے کا وعدہ کریں گے۔ لیکن ان وقتوں میں ان کی طلب پوری نہ ہوگی۔ یہ تو وہ کلمہ ہے جو بہ مجبوری ایسے آڑے وقتوں میں ان کی زبان سے نکل ہی جاتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کہتے ہیں مگر کرنے کے نہیں۔ اگر دنیا میں واپس لوٹائے بھی جائیں تو عمل صالح کر کے نہیں دینے کے بلکہ ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہے تھے یہ تو جھوٹے اور لپاڑیے ہیں کتنا مبارک وہ شخص ہے جو اس زندگی میں نیک عمل کرلے اور کیسے بدنصیب یہ لوگ ہیں کہ آج نہ انہیں مال و اولاد کی تمنا ہے۔ نہ دنیا اور زینت دنیا کی خواہش ہے صرف یہ چاہتے ہیں کہ دو روز کی زندگی اور ہو جائے تو کچھ نیک اعمال کرلیں لیکن تمنا بیکار، آرزو بے سود، خواہش بے جا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کی تمنا پر انہیں اللہ ڈانٹ دے گا اور فرمائے گا کہ یہ بھی تمہاری بات ہے عمل اب بھی نہیں کرو گے۔ حضرت علا بن زیاد کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں، تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آچکی تھی، لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دے دی جائے تا کہ میں نیکیاں کرلوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعت اللہ میں بسر کرو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹا دے میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گناہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہیں ہوتی ہیں ان

کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے ایک اتنا ہی بڑا پاؤں کی طرف ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے اور یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے من ورائھم کے معنی کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان وہ نہ تو صحیح طور دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے بدلے میں آ جائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالم برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے جیسے فرمان ہے: مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (الجاثیہ:۱۰) ان کے آگے جہنم ہے اور آیت میں ہے: وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ (ابراہیم:۱۷) ان کے آگے سخت عذاب ہے برزخ کا۔ قبر کا یہ عذاب ان پر قیامت کے قائم ہونے تک برابر جاری رہے گا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ وہ اس میں برابر عذاب میں رہے گا یعنی زمین میں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ (يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۙ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس: ۳۴ تا ۳۷) اس کے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ: (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ) (الطور:۲۱) (تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) اِلَّا نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کو شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

تہدید اہل غفلت از حساب آخرت:

(ربط) اب سورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزاء اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور انہ لا یفلح الکافرون سے بتلا دیا کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس روز فلاح ان اہل ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع وخضوع

کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت کی ابتداء قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے فرمائی اور اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ پر اس سورت کو ختم فرمایا۔ شروع سورت میں اہل ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی۔ اور وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دارومدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے۔ لہٰذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ استغفار کی راہ اختیار کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی۔ تمہارے دونوں خیال غلط ہیں۔ تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ اہل عقل کہتے ہیں: ربنا ما خلقت هذا باطلا۔

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزا و سزا کچھ نہیں۔ دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر و نشر کا امکان ہے اور کل انبیاء و مرسلین نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے اور بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ سلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازم سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرش عظیم کا جو تمام آسمانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے۔ جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے یہاں ضرور حساب و کتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کہ جس خدا کی وحدانیت کے لئے شمار دلائل تھے اس کے ساتھ بے دلیل کسی کو شریک ٹھہرا لیا۔ ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔

بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ ابد الآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: واستغفر لذنبك. وسبح بحمد ربك بالعشي والابكار۔

فائدہ جلیلہ: اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے لیے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا

کہ صبح و شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا.....
صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے اخرجہ ابن السنی وابن منده وابو نعیم بسند حسن۔ (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعودؓ نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔
آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجه الحكيم۔ الترمذی وابن المنذر وابو نعيم فی الحلیۃ واخرون عن ابن مسعود رضی الله عنہما۔ (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸) وتفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۲۔

سُوْرَةُ النُّوْرِ

سُوْرَةُ النُّوْرِ ۲۴ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۶۴	رُكُوْعَاتُهَا ۹
سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی	شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے	اور اس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں	

هٰذِهٖ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا مُخَفَّفًا وَ مُشَدَّدًا لِكَثْرَةِ الْمَفْرُوْضِ فِيْهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتِ الدَّلَالَةِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ اَيْ غَيْرُ الْمُحْصَنَيْنِ لِرَجْمِهِمَا بِالسُّنَّةِ وَاَلْ فِيْمَا ذُكِرَ مَوْصُوْلَةٌ وَهُوَ مُبْتَدَاءٌ وَلِشُبْهِهٖ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِيْ خَبَرِهٖ وَهُوَ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ اَيْ ضَرْبَةٍ يُقَالُ جَلَدَهٗ ضَرَبَ جِلْدَهٗ وَيُزَادُ عَلٰى ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَالرَّقِيْقُ عَلَى النِّصْفِ مِمَّا ذُكِرَ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَيْ حُكْمِهٖ بِاَنْ تَتْرُكُوْا شَيْئًا مِنْ حَدِّهِمَا اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ اَيْ يَوْمَ الْبَعْثِ فِيْ هٰذَا تَحْرِيْضٌ عَلٰى مَا قَبْلَ الشَّرْطِ وَهُوَ جَوَابُهٗ اَوْ دَالٌّ عَلٰى جَوَابِهٖ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا اَيِ الْجَلْدَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قِيْلَ ثَلَاثَةٌ وَقِيْلَ اَرْبَعَةٌ عَدَدَ شُهُوْدِ الزِّنَا اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ يَتَزَوَّجُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ اَيِ الْمُنَاسِبُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا مَا ذُكِرَ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ اَيْ نِكَاحُ الزَّوَانِيْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلْاَخْيَارِ نَزَلَ ذٰلِكَ لَمَّا هَمَّ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اَنْ يَتَزَوَّجُوْا بَغَايَا الْمُشْرِكِيْنَ وَهُنَّ مُوْسِرَاتٌ لِيُنْفِقْنَ عَلَيْهِمْ فَقِيْلَ التَّحْرِيْمُ خَاصٌّ بِهِمْ وَقِيْلَ عَامٌّ وَ نُسِخَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْعَفِيْفَاتِ بِالزِّنَا ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ عَلٰى زِنَاهِنَّ بِرُؤْيَتِهِمْ فَاجْلِدُوْهُمْ اَيْ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً فِيْ شَيْءٍ اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لِاِتْيَانِهِمْ كَبِيْرَةً اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ قَذْفَهُمْ رَّحِيْمٌ ۝ بِهِمْ بِاِلْهَامِهِمُ التَّوْبَةَ فَبِهَا يَنْتَهِيْ فِسْقُهُمْ وَ

تقبل شهادتهم وقيل لا تقبل رجوعا بالاستثناء الى الجملة الاخيرة و الذين يرمون ازواجهم بالزنا و لم يكن لهم شهداء عليه الا انفسهم وقع ذلك لجماعة من الصحابة فشهادة احدهم مبتداء اربع شهدت نصب على المصدر بالله انه لمن الصدقين ۝ فيما رمى به زوجته من الزنا والخامسة ان لعنت الله عليه ان كان من الكذبين ۝ في ذلك وخبر المبتداء يدفع عنه حد القذف ويدرؤا عنها العذاب اى حد الزنا الذى ثبت بشهادته ان تشهد اربع شهدت بالله انه لمن الكذبين ۝ فيما رماها به من الزنا و الخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصدقين ۝ فى ذلك ولولا فضل الله عليكم ورحمته بالستر فى ذلك وان الله تواب بقبوله التوبة فى ذلك وغيره حكيم ۝ فيما حكم به فى ذلك وغيره لبين الحق فى ع
ذلك وعاجل بالعقوبة من يستحقها

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کو ہم نے مقرر کیا ہے (تخفیف اور تشدید والی دونوں قراءتیں ہیں اس سورت میں کثیر مفروض مذکور ہیں) اور ہم نے اس سورت میں صاف آیتیں نازل کی ہیں (کہ جو واضح الدلالت ہیں) تا کہ تم سمجھو (نصیحت پکڑو)۔ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (کہ جو غیر محصن ہوں سنت سے ثابت ہے زانی مرد اور زانی عورت دونوں کو رجم کرنا اور الف لام آیت میں موصولہ بمعنی الذی ہے اور وہ مبتداء ہے اور چونکہ مشابہ شرط کے ہے اس وجہ سے اس کی خبر میں فاء داخل ہوئی ہے اور وہ خبر فَاجْلِدُوْا الخ) سو ان میں سے ہر ایک کے سو درے مارو (کہا جاتا ہے جلد ضرب اور اس حد پر ایک سال تک جلا وطن کرنا حدیث سے ثابت ہے کہ وہ مزید ہے! عند الشافعیؒ) اور غلام پر مذکورہ حد سے نصف یعنی پچاس کوڑے) اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے (کہ حکم الٰہی میں تم کچھ ان کی حد میں سے چھوڑ دو) اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو (اس جملہ میں تحریض اور ابھارنا ہے اس کو اختیار کرنے پر جو شرط سے قبل مذکور ہے اور وہ ماقبل شرط یا تو جواب شرط ہے اور یا اس کے جواب پر دلالت کرنے والا ہے) اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے بعض حضرات نے فرمایا کہ تین اور یا چار گواہ جو کہ زنا کے ثبوت کے ہیں وہ کم از کم حاضر ہوں۔ زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں اخیار اور صالح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔ یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جب کہ فقراء مہاجرین نے مشرکین کی زانیہ عورتوں سے نکاح کرنے کا قصد کیا اور یہ وہ عورتیں تھیں جو قیدی تھیں تا کہ ان فقراء مہاجرین پر وہ مصارف کریں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ تحریم انھیں کے ساتھ مخصوص تھی اور بعض حضرات نے فرمایا تحریم تو عام تھی البتہ یہ منسوخ ہے اس آیت: وانکحوا الایامی منکم سے اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو (زناء) تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں (ان عورتوں پر زناء کے الزام کی

اپنے دیکھنے پر) تو مارو (ان میں سے ہر ایک) کو اسی درّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی (کسی بھی چیز میں) کبھی قبول مت کرو، اور وہی لوگ (گناہ کبیرہ اختیار کرنے کیوجہ سے) نافرمان ہیں مگر جنھوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی (عملی حالت کی) اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ ضرور (ان کی الزام تراشی کے گناہ کی ان کے حق میں) مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ (ان پر ان کی توبہ کی توفیق اور توبہ کا الہام فرما کر۔ پس توبہ سے اس کے فسق کی انتہاء ہو جاتی ہے اور توبہ کے بعد ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی اور بعض حضرات جو اپنی بیویوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس (اس تہمت پر) بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہوں (چنانچہ اس قسم کا واقعہ حضرات صحابہؓ کی جماعت کو پیش آیا) تو ان کی شہادت (یہ تو مبتداء ہے) یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں (اس زنا کے الزام میں کہ جو میں نے اپنی زوجہ کو لگایا ہے) اور پانچویں مرتبہ یہ کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں (اس تہمت میں) اور مبتداء کی خبر اس شخص سے حد تہمت کو دفع کرتی ہے) اور اس عورت سے سزا (یعنی حد زنا جو کہ اس شوہر کی شہادتوں سے ثابت ہوتی ہے) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے (اس تہمت میں کہ اس نے مجھ کو زنا کا الزام دیا ہے) اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد سچا ہو (اس الزام میں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے اس میں پردہ پوشی کے ساتھ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے اس سلسلہ میں جو اس نے حکم فرمایا اور اس کے علاوہ دوسرے امور میں تاکہ اس سلسلہ میں حق کو واضح کر دے اور جو بھی مستحق سزا ہو اس کو جلد دنیا میں سزا دے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَرَضْنٰهَا: یعنی اس میں جو احکامات ہیں وہ فرض کیے۔

قوله: تَذَكَّرُوْنَ: یعنی تاکہ محارم سے پوچھو۔

قوله: فِيْ خَبَرِهٖ: خلیلؒ کے ہاں مبتداء و مضاف، مضاف الیہ محذوف ہے اور خبر بھی محذوف ہے تقدیر یہ ہے: ان حکم الزانية والزاني فيما فرضنا۔

قوله: رَاْفَةٌ: رحمت و مہربانی۔

قوله: اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ: ایمان کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی خاطر حد مارنا اور جہاد میں کافر کو قتل کرنا۔

قوله: الْجَلْدَ: یہ تنکیل میں اضافہ ہے۔ رسوائی کبھی عبرت بنتی ہے اور کبھی نہیں۔

قوله: اِلَّا زَانِيَةً: غالب حالات میں زانی نیک عورت سے نکاح کی طرف مائل نہیں ہوتا یا مشاکلت، تقابل کے طور پر کہا گیا۔

قوله: الْاَخْيَارِ: سے اشارہ کیا کہ اس سے غیر زانی مؤمن مراد ہیں۔

قوله: بِالزِّنَا: یعنی جو اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں نہ کہ کوئی اور اس سے لعان نہیں۔

قوله: فَاِنَّ اللّٰهَ: یہ استثناء کی علت ہے۔

قوله: اَنْفُسُهُمْ: یہ شہدائے بدل۔
قوله: بِالْجَمَاعَةِ: یہ اربع پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔
قوله: لتبین الحق: یہ ترک تعظیم کا جواب ہے۔

تفسیر مقبولین

سورہ نور کی بعض خصوصیات

اس سورت میں زیادہ تر احکام عفت کی حفاظت اور ستر وحجاب کے متعلق ہیں اور اسی کی تکمیل کے لئے حد زنا کا بیان آیا۔
پچھلی سورت یعنی مؤمنون میں مسلمانوں کی فلاح دنیا وآخرت کو جن اوصاف پر موقوف رکھا گیا ہے ان میں ایک اہم وصف شرمگاہوں کی حفاظت تھی جو خلاصہ ہے ابواب عفت کا۔ اس سورت میں عفت کے اہتمام کے لئے متعلقہ احکام ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے عورتوں کو اس سورت کی تعلیم کی خصوصی ہدایات آئی ہیں۔

حضرت فاروق اعظم نے اہل کوفہ کے نام اپنے ایک فرمان میں تحریر فرمایا: علموا نساء کم سورۃ النور، یعنی اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔

خود اس سورت کی تمہید جن الفاظ سے کی گئی ہے کہ: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا، یہ بھی اس سورت کے خاص اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا

یہ سورت بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصلاحات پر مشتمل ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ افک سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی۔ جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد وشرف تک پہنچتا تھا، اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لیے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ رفیع یا امہات المؤمنین کی پاک ومحترم حیثیت ایسی نہیں جس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا سا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لیے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا الخ تاکہ مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔

اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لیے اس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین و دنیا کی تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ....

زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی سزا:

ان آیات میں زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی سزا بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سزا جاری کرنے میں تمہیں ان پر رحم نہ آئے۔

اللہ کے قانون کے سامنے کسی کی رو رعایت اور کسی پر کوئی رحم کرنا ترس کھانا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ ارحم الرحمین ہے جب اس نے سزا کا حکم دیدیا گو وہ سزا تمہاری نظروں میں سخت ہے تو اسے نافذ ہی کرنا ہے، اس نے انسان کو پیدا کیا وہ انسان کے مزاج عادت وخصلت کو پوری طرح جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ انسان اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے کون سی سزا سے زنا کاری کے جرم سے رک سکتا ہے چونکہ اس میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا کے ساتھ دوسروں کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے اس لیے یہ بھی حکم دیا کہ جب ان کو زنا کی سزا دی جائے تو اس وقت مؤمنین کی ایک جماعت حاضر رہے، بہت لوگ حاضر ہوں گے تو انہیں بھی عبرت حاصل ہوگی اور سزا کا واقعہ اپنی مجلسوں اور قبیلوں میں باہر سے آنے جانے والے مسافر کی ملاقاتوں میں ذکر کریں گے تو سب میں عبرت ناک سزا کا چرچا ہوگا جس سے عمومی طور پر پورے ملک میں عفت وعصمت کی فضا بنے گی اور لوگ زنا کاری سے باز رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دور اور نزدیک اللہ کی حدود قائم کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اللہ کے حکم کے بارے میں تمہیں نہ پکڑے۔ (رواہ ابن ماجہ) تمہیں کسی کی ملامت نہ پکڑے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کیا کرو، دشمن اعتراض کریں گے اس کو نہ دیکھو۔

آج کل حکومتیں مخلوق کے طعن وتشنیع سے ڈرتی ہیں اور دشمنوں کے اعتراضات کا خیال کر کے شرعی حدود قائم نہیں کرتیں۔ شرعی حدود قائم کرنے میں بہت بڑی خیر ہے حدود قائم ہوں گی تو گناہ ختم ہوں گے یا کم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین میں ایک حد قائم کی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چالیس دن بارش برستی رہے۔ (رواہ ابن ماجہ) یعنی چالیس دن بارش ہونے کا جو نفع ہے اس سے کہیں زیادہ خیرات وبرکات کا نزول ہوگا جبکہ اللہ کی ایک حد قائم کردی جائے گی۔

موجودہ حکومتوں نے رضامندی سے زنا کرنے کو تو قانونی طور پر جائز ہی کر رکھا ہے اور فاحشہ عورتوں کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر لائسنس دیتی ہیں اور تھوڑی بہت جو قانونی گرفت ہے وہ زنا بالجبر پر ہے۔ لیکن بالجبر زنا کرنے والا بھی پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑا گیا تو مختصر سی جیل میں رہنے کی سزا دی جاتی ہے اس سزا سے بھلا زنا کار اپنی عادت بد کہاں چھوڑ سکتے ہیں۔ جو حکومتیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجرمین پر شرعی سزائیں نافذ کرو، ڈاکوؤں کو قتل کرو، چوروں کا ہاتھ کاٹو، زنا کار مرد اور عورت کو زنا کاری کی سزا دو، (غیر محصن ہیں تو سو کوڑے لگاؤ اگر محصن ہیں تو سنگسار کر

پر ان لوگوں کو چوروں اور ڈاکوؤں اور زنا کاروں پر رحم آ جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا (ہے) تو اس پر وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (اور تمہیں اللہ کے دین کے بارے میں ان دونوں کے ساتھ رحم کے برتاؤ کا جذبہ نہ پکڑے) اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ جو سراپا کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جاری فرمودہ حدود کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہہ دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ پھر بھی مسلمانی کے دعویدار ہیں، مجرمین کو شرعی سزائیں نہیں دی جاتی ہیں اس کی وجہ سے ڈاکہ اور زنا کی کثرت ہے چوریاں بھی بہت ہو رہی ہیں زنا کاری کے اڈے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان اڈوں کے علاوہ جگہ جگہ زنا کاری ہوتی رہتی ہے۔ اور اپنے عوام کو اور دشمنان اسلام کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ اور حکومت باقی رکھنے کے جذبات لیے پھرتے ہیں جب یہ صورت حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے: فَتَذَكَّرُوْا يَآ اُولِي الْاَلْبَابِ۔

چند مسائل متعلقہ حد زنا:

مسئلہ: جو مرد و عورت آزاد ہو یعنی کسی کا مملوک نہیں عاقل ہو بالغ ہو مسلمان ہو اس کا نکاح شرعی ہوا ہو پھر آپس میں میاں بیوی والا کام بھی کیا ہو تو ایسے مرد و عورت کو محصن کہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی زنا کرے تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا (یعنی پتھر مار مار کر) ہلاک کر دینا ہے اور جو مرد و عورت محصن نہ ہو اگر وہ زنا کرے تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں۔

مسئلہ: کوڑے لگاتے وقت یہ خیال کر لیا جائے کہ اگر مرد کو کوڑے لگائے جا رہے ہیں تو ستر عورت کے لیے جتنے کپڑے کی ضرورت ہے وہ اس پر باقی رہے باقی کپڑے اتار دیئے جائیں، اور اگر عورت کو کوڑے لگاتے جائیں تو اس کے عام کپڑے نہ اتارے جائیں ہاں اگر اس نے لحاف اوڑھ رکھا ہے یا کوئی اور ایسی چیز پہن رکھی ہے جو مارنے کی تکلیف سے بچا سکتی ہے تو اس کے بدن سے نکال لی جائے گی۔

مسئلہ: مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں۔

مسئلہ: ایسے کوڑے سے مارا جائے گا جس کے آخر میں گرہ لگی ہوئی نہ ہو اور یہ مارنا درمیانی درجہ کا ہو اور ایک ہی جگہ کوڑے نہ مارے جائیں بلکہ متفرق طور پر اعضائے جسم پر مارے جائیں البتہ سر چہرہ اور شرم گاہ پر کوئی کوڑا نہ مارا جائے۔

مسئلہ: جس زنا کار مرد یا عورت کو رجم یعنی سنگسار کرنا ہے اسے باہر میدان میں لے جائیں جن لوگوں نے زنا کی گواہی دی تھی پہلے وہ پتھر ماریں پھر امیر المؤمنین پتھر مارے اور اس کے بعد دوسرے لوگ ماریں اگر گواہ ابتداء کرنے سے انکاری ہو جائیں تو جرم ساقط ہو جائے گا اگر زانی کے اقرار کی وجہ سے سنگسار کیا جانے لگے تو پہلے امیر المؤمنین پتھر مارے اس کے بعد دوسرے لوگ اور عورت کو رجم کرنے لگیں تو اس کے لیے گڑھا کھود کر اس میں کھڑی کر کے رجم کریں تو یہ بہتر ہوگا۔

مسئلہ: جب کسی مرد یا عورت کے بارے میں چار شخص گواہی دیدیں کہ اس نے زنا کیا ہے اور یوں کہیں کہ ہم نے ان کو یہ عمل کرتے ہوئے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تو امیر المؤمنین یا قاضی ان چاروں گواہوں کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کرے گا اگر ان کا سرا اور علانیہ عادل اور صالح سچا ہونا ثابت ہو جائے تو امیر المؤمنین یا قاضی زنا کرنے والے پر حد شرعی حسب قانون (کوڑے یا سنگسار) نافذ کر دے اگر چار گواہ نہ ہوں یا چار تو ہوں لیکن ان کا فاسق ہونا ثابت ہو جائے تو اس

پر حد جاری نہ ہوگی جس کے بارے میں ان لوگوں نے زنا کی گواہی دی۔ بلکہ ان لوگوں کو حد قذف لگائی جائے گی جنہوں نے گواہی دی۔ (حد قذف سے مراد تہمت لگانے کی سزا ہے جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں) چند اوراق کے بعد اسی رکوع میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذکر آئے گا۔

مَسْئَلَۃ: زانی کے اپنے اقرار سے بھی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے (مرد ہو یا عورت) جب اقرار کرنے والا عاقل بالغ ہو اور چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرے تو قاضی اس سے دریافت کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور تو نے کس سے زنا کیا اور کہاں زنا کیا اقرار کرنے والا جب یہ باتیں بتادے تو قاضی اس پر بھی حسب قواعد شرعیہ حد نافذ کر دے گا۔

دورِ حاضر کے مدعیان علم کی جاہلانہ باتیں:

آج کل بہت سے مدعیان علم ایسے نکلے ہیں جو اپنی جہالت کے زور پر شریعت اسلامیہ میں تحریف کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ دشمنان اسلام اور بہت سے اصحاب اقتدار ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کو رشوت دے کر ان سے ایسی باتیں لکھواتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوتی ہیں۔ چودہ سو سال سے تمام عوام اور خواص یہی جانتے اور سمجھتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں زانی غیر محصن کی سزا سو کوڑے اور زانی محصن کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ اپنے علم کو جاہلانہ دعاوی میں استعمال کرنے والے اب یوں کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے ان لوگوں سے سوال ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ قرآن میں نہ ہو وہ دین اسلام نہیں ہے قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ: (وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا) (جو کچھ رسول اللہ ﷺ دیں اسے پکڑ لو اور جس سے روکیں رک جاؤ)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے بعض زانیوں کو ثبوت زنا اور محصن ثابت ہونے پر سنگسار فرمادیا تو اب کس کا مقام ہے جو اس کی تردید کرے اور اسے اللہ کے دین سے نکال دے۔ حضرت عمر کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی تھی کہ بعد میں آنے والے رجم کی سزا کے منکر ہوں گے اس لیے انہوں نے ایک دن منبر پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی کتاب اللہ میں جو کچھ نازل ہوا اس میں رجم یعنی سنگسار کرنے کی آیت بھی تھی ہم نے اس آیت کو پڑھا اور سمجھا اور یاد کیا رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانہ دراز گزرنے پر کوئی کہنے والا یوں نہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ہم رجم کی آیت کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے (یہ کہہ کر وہ دین اسلام میں رجم کی مشروعیت کا منکر ہوگا) جس کی وجہ سے لوگ ایک ایسے فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ نے مشروع فرمایا، رجم اللہ کی کتاب میں ہے (یعنی اس کی مشروعیت منسوخ نہیں ہوئی) حق ہے اس کو مرد عورت پر جاری کیا جائے گا جو محصن ہو جبکہ گواہ قائم ہو جائیں یا اقرار ہو یا کسی عورت کو حمل ہو جائے (جس حمل کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہو) (رواہ البخاری ۱۰۰۹) حضرت عمرؓ نے یہ جو فرمایا رجم، اللہ کی کتاب میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آیت میں یہ مضمون تھا اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہے اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا جن حضرات نے علم اصول فقہ پڑھا ہے وہ اس کا مطلب سمجھتے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے سورۂ نساء کی آیت (اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا) کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرا مطلب

یہ ہے کہ اگر اللہ کی کتاب میں واضح طور پر موجود نہیں ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دین اسلام میں رجم نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو مشروع فرمایا تو اللہ کی کتاب میں ہو گیا کیونکہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اللہ کے رسول کی اطاعت کتاب اللہ کے مضمون میں شامل ہے۔

یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ رجم قرآن کریم میں نہیں ہے اول تو ان سے یہ سوال ہے کہ ظہر عصر اور عشاء کی چار رکعتیں مغرب کی تین اور فجر کی دو رکعتیں ہیں اسی کو کسی آیت میں دکھا دیں۔ زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے اس کو کسی آیت سے ثابت کریں۔ کیا وجہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جو اسلام میں سے ہیں قرآن مجید کی آیت تلاش نہیں کی جاتی ان پر عمل کرنے کے لیے تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہی کافی ہے اور رجم کو دین میں مشروع سمجھنے کے لیے آیات قرآنیہ کی تلاش ہے۔ ملحد اور زندیق کا کوئی دین نہیں ہوتا اسی لیے یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ رجم اگر قرآن مجید میں نہیں ہے تو سو سو کوڑے لگانا تو ہے ارے زندیقو! تم جن حکومتوں کے نمائندے ہو ان سے سو سو کوڑے لگواؤ اپنے ذرا سے علم کو منکرین اسلام کی تائید کے لیے خرچ کرنا اسی کو تو قرآن مجید نے (اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ) فرمایا ہے حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے بارے میں من العلم جہلا وارد ہوا ہے۔

زنا کاری کی مضرتیں اور عفت وعصمت کے فوائد، نکاح کی فضیلت:

کافروں اور ملحدوں، زندیقوں کو اسی پر تعجب ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کو کیوں حرام قرار دیا گیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مرد وعورت کا اپنا ذاتی معاملہ ہے جس کا جس سے چاہے لذت حاصل کرلے ان لوگوں کی یہ بات جہالت ضلالت اور غوایت پر مبنی ہے یہ کہنا کہ بندوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں یہ بہت بڑی گمراہی ہے جب خالق کائنات جل مجدہ نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہیں تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ خالق اور مالک کے بتائے ہوئے قانون کے خلاف زندگی گزارے کوئی انسان خود اپنا نہیں ہے نہ اس کے اعضاء اپنے ہیں وہ تو خالق جل مجدہ کی ملکیت ہے ان اعضاء کو قانون الٰہی کے خلاف استعمال کرنا بغاوت ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی طبعی موانست کے لیے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا پھر ان سے انسانوں کی نسل کو جاری فرمایا، مرد وعورت میں جو ایک دوسرے کی طرف فطری اور طبعی میلان ہے اس کے لیے نکاح کو مشروع فرمایا اور نکاح کے اصول وقوانین مقرر فرمائے جب مرد وعورت کا نکاح ہو جائے تو آپس میں ایک دوسرے سے قانون شریعت کے مطابق استمتاع اور استلذاذ جائز ہے۔ اس میں جہاں نفسیاتی ابھار کا انتظام ہے وہاں بنی آدم کی نسل چلنے اور نسل و نسب کے پاک رکھنے اور آپس میں رحمت اور شفقت باقی رکھنے کا اور عورت کے گھر میں عزت و آبرو کے ساتھ رہنے اور گھر بیٹھے ہوئے ضروریات زندگی پوری ہونے اور عفت وعصمت سے رہنے کا انتظام ہے، مرد کما کر لائے عورت گھر میں بیٹھے اور کھائے لباس بھی شوہر کے ذمہ اور رہنے کا گھر بھی، اولاد پیدا ہو تو ماں باپ کی شفقت میں پلے بڑھے۔ کوئی چچا ہو کوئی ماموں ہو کوئی دادا ہو کوئی دادی ہو کوئی خالہ ہو کوئی پھوپھی ہو ہر ایک بچے کو پیار کرے گود میں لے اور ہر ایک اس کو اپنا سمجھے صلہ رحمی کے اصول پر

سب رشتہ دار دور کے ہوں یا قریب کے آپس میں ایک دوسرے سے محبت بھی کریں مالی امداد بھی کریں نکاحوں کی مجلسوں میں جمع ہوں ولیمہ کی دعوتیں کھائیں عقیقے ہوں جب کوئی مرجائے کفن دفن میں شریک ہوں یہ سب امور نکاح سے متعلق ہیں اگر نکاح نہ ہوا اور عورت مرد یوں ہی آپس میں اپنی نفسیاتی خواہشات پوری کرتے رہیں تو جو اولاد ہوگی وہ کسی باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور جب عورت زنا کار ہے تو یہ پتہ بھی نہ چلے گا کہ کس مرد کے نطفہ سے حمل قرار پایا جب باپ ہی نہیں تو بچہ کی پرورش کون کرے بچہ کو کچھ معلوم نہیں میں کس سے پیدا ہوا۔ میرے ماں باپ کون ہیں چونکہ باپ ہی نہیں اس لیے انگلینڈ وغیرہ میں بچوں کی ولدیت ماں کے نام سے لکھ دی جاتی ہے رشتہ داروں کی جو شفقتیں تھیں باپ کی جانب سے ہوں ماں کی جانب سے بچہ ان سب سے محروم رہتا ہے زنا کار عورتوں کے بھائی بہن بھی اپنی بہن کی اولاد کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جو شفقت بھری نگاہ ماں کی اولاد پر نانا نانی اور خالہ ماموں کی ہوتی ہے، ہر سمجھ دار آدمی غور کر سکتا ہے کہ نکاح کی صورت میں جو اولاد ہو اس کی مشفقانہ تربیت اور ماں باپ کی آغوش میں پرورش پانا انسانیت کے اکرام کا سبب ہے یا زنا کاروں کی اولاد کی حکومتوں والی پرورش اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے؟

پھر جب نکاح کا سلسلہ ہوتا ہے تو ماں باپ لڑکا لڑکی کے لیے جوڑا ڈھونڈتے ہیں اور آزاد لڑکے اور لڑکیاں نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لیے دوست (فرینڈ) تلاش کرتے پھرتے ہیں یہ عورت کی کتنی بڑی ذلت اور حقارت ہے کہ وہ گلی کوچوں میں کپڑے اتارے کھڑی رہے اور مردوں کو اپنی طرف لبھائے اور جو شخص اس کی طرف جھکے اس کو کچھ دن کے لیے دوست بنالے پھر جب چاہے یہ چھوڑ دے اور جب چاہے وہ چھوڑ دے، اب پھر دونوں تلاش یار میں نکلے ہیں کیا اس میں انسانیت کی مٹی پلید نہیں ہوتی پھر چونکہ عورت کا کوئی شوہر نہیں ہوتا اور جن کو دوست بنایا جاتا ہے وہ قانونا اس کے خرچ کے ذمہ دار نہیں ہوتے اس لیے عورتیں خود کمانے پر مجبور ہو جاتی ہیں شوروموں پر کھڑی ہوئی مال سپلائی کرتی ہیں روڈ پر بیٹھ کر آنے جانے والے لوگوں کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ عورتوں کو یہ ذلت اور رسوائی منظور ہے اور نکاح کرکے گھر میں ملکہ بن کر بچوں کی ماں ہو کر عفت و عصمت کے ساتھ زندگی گزارنے کو ناپسند کرتی ہیں۔

اسلام نے عورت کو بڑا مقام دیا ہے وہ نکاح کر کے عفت و عصمت کی حفاظت کے ساتھ گھر کی چار دیواری میں رہے اور اس کا نکاح بھی اس کی مرضی سے ہو جس میں مہر بھی اس کی مرضی سے مقرر ہو پھر اسے ماں باپ اور اولاد اور بہن بھائی سے میراث بھی ملے۔ یہ زندگی اچھی ہے یا در بدر یار ڈھونڈتی پھریں اور زنا کرتی پھریں یہ بہتر ہے؟

کچھ تو سوچنا چاہیے، فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

اس تمہید کے بعد اب ایک سمجھدار آدمی کے ذہن میں زنا کی شناعت اور قباعت پوری طرح آ جاتی ہے اسلام کو یہ گوارا نہیں ہے کہ نسب کا اختلاط ہو پیدا ہونے والے بچوں کے باپ کا پتہ نہ چلے یا کوئی شخص دعویدار ہو جائیں کہ یہ بچہ میرے نطفے سے ہے۔

جو مرد عورت زنا کاری کی زندگی گزارتے ہیں ان سے حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں انسانیت کی اس سے زیادہ کیا مٹی پلید ہو گی کہ بچہ ہو اور اس کا باپ کوئی نہ ہو اہل نظر اسے حرامی کہتے ہوں یا کم از کم یوں سمجھتے ہوں کہ دیکھو وہ حرامی آ رہا ہے، یہ بات

کے لیے موت سے بہتر ہے لیکن اگر طبعی شرافت باقی نہ رہے دلوں میں انسانیت کا احترام نہ ہو تو معاشرہ میں حرامی حلالی شریفوں ہی کی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ جن ملکوں میں زنا کاری عام ہے ان کے یہاں حرامی ہونا کوئی عیب اور حلالی ہونا کوئی ہنر نہیں۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی ہماری ہاں میں ہاں ملادیں اور قرآن سے باغی ہو کر ہماری طرح زنا کار ہو جائیں اور زنا کاری کی سزا منسوخ کر دیں بھلا مسلمان یہ کیسے کر سکتا ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

اسلام جو عفت وعصمت کا دین ہے اس کے ماننے والے شہوت پرستوں کا ساتھ کہاں دے سکتے ہیں زنا کاری میں چونکہ مزا ہے شہوت پرستی ہے اس لیے شہوت پرست اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں، معاشرہ اسلامیہ نے زنا کی سزا سخت رکھی ہے پھر اس میں فرق رکھا گیا ہے غیر شادی شدہ مرد عورت زنا کرلے تو سو کوڑے لگانے پر اکتفا کیا گیا اور شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کی سزا رجم مقرر کی گئی ہے مرد ہو یا عورت، جو لوگ شہوت پرست ہیں ان کے تقاضوں پر کافر ملکوں کی پارلیمنٹوں نے نہ صرف یہ کہ مرد عورت کے لیے باہمی رضامندی سے زنا کو قانوناً جائز قرار دیدیا ہے بلکہ عورت کو بھی اجازت دیدی ہے کہ وہ کسی مرد کی بیوی بن کر رہے، ان لوگوں کو نہ انسانیت کی ضرورت ہے نہ شرافت کی نہ نسب محفوظ رکھنے کی نہ عفت وعصمت کے ساتھ جینے کی نہ عورتوں کو اچھا مقام دینے کی، شہوت پرست ہیں شہوت کے بندے ہیں اس شہوت پرستی کے نتیجے میں جو ایڈز وغیرہ کی نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے سارا معاشرہ متاثر ہوتا جا رہا ہے اور جس کی روک تھام سے حکومتیں عاجز ہیں ان پر نظر نہیں، بس شہوت پوری ہونی چاہئے یہ ان لوگوں کا مزاج بن گیا ہے۔

یہ زنا کی کثرت، کثرت اموات کا بھی سبب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جس کسی قوم میں زنا پھیل جائے اس میں موت کی کثرت ہوگی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا یعنی زرق کم ملے گا اور اس کی برکت ختم کر دی جائے گی اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو قوم بدعہدی کریگی ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی آبادی میں زنا اور سود خوری کا رواج ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ کا عذاب نازل کرلیا۔ (الترغیب والترہیب ۲۷۸ ج ۳)

حضرت میمونہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کی کثرت نہ ہو جائے سو جب ان میں اولاد الزنا کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر عنقریب عام عذاب بھیج دے گا۔ (رواہ احمد اسنادہ حسن کما فی الترغیب ص ۲۸۸ ج ۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا کہ اس میں بہت سی چیزیں دیکھیں ان میں ایک یہ بھی دیکھا کہ تنور کی طرح ایک سوراخ ہے اس کا اوپر کا حصہ تنگ اور نیچے کا حصہ وسیع ہے اس کے نیچے آگ جل رہی ہے جو لوگ اس تنور میں ہیں وہ آگ کی تیزی کے ساتھ اوپر کو آجاتے ہیں جب آگ دھیمی پڑتی ہے تو نیچے کو واپس چلے جاتے ہیں یہ لوگ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ہیں ان کی چیخ پکار کی آوازیں بھی آرہی ہیں آپ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں میں نے اپنے ساتھیوں (حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں انہوں نے بتایا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔

زنا امراض عامہ کا سبب ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے کہ تم مبتلا ہو تو پانچ چیزیں بطور نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی (پھر ان کی تفصیل فرمائی) (۱) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کا کام ہونے لگے تو اس میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہیں ہوئیں (۲) اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی (۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی (حتیٰ کہ) اگر چوپائے (گائے بیل گدھا گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ (۴) اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے گی اللہ ان پر غیروں میں سے دشمن مسلط فرما دے گا جو ان کی بعض مملوک چیزوں پر قبضہ کر لے گا (۵) اور جس قوم کے با اقتدار لوگ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلے دیں گے (اور احکام خداوندی میں اپنا اختیار وانتخاب جاری کریں گے) تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں جن گناہوں اور معصیتوں پر ان کے مخصوص نتائج کا تذکرہ فرمایا ہے اپنے نتائج کے ساتھ اس زمین پر بسنے والے انسانوں میں موجود ہیں۔ سب سے پہلی بات جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی یہ ہے کہ جس قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں گے ان میں ضرور طاعون پھیلے گا اور ایسی ایسی بیماریاں بکثرت ظاہر ہوں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔

آج بے حیائی کس قدر عام ہے سڑکوں پارکوں کلبوں اور نام نہاد قومی اور ثقافتی پروگراموں میں، عرسوں اور میلوں میں ہوٹلوں اور دعوتی پارٹیوں میں کس قدر بے حیائی کے کام ہوتے ہیں اس کے ظاہر کرنے اور بتانے کی چنداں ضرورت ہے جاننے والے اور اخبارات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں، پھر اس بے حیائی اور فحش کاری کے نتیجے میں وبائی امراض طاعون ہیضہ انفلوئنزا ایڈز پھیلتے رہتے ہیں اور ایسے ایسے امراض سامنے آ رہے ہیں جن کے طبعی اسباب اور معالجہ کے سمجھنے سے ڈاکٹر قاصر ہیں، ڈاکٹری ترقی پذیر ہے اسی قدر نئے امراض ظاہر ہوتے جاتے ہیں ان امراض کے موجود ہونے کا سبب جو خالق عالم جل مجدہ کے سچے پیغمبر ﷺ نے بتایا ہے یعنی بے حیائیوں کا پھیلنا جب تک وہ ختم نہ ہوگا نئے نئے امراض کا آنا بھی ختم نہیں ہو سکتا دور حاضر کے لوگوں کا اب یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک شہوت پرستی ہی سب کچھ ہے زندگی کا خلاصہ شہوت پرستوں کے نزدیک صرف یہی رہ گیا ہے کہ مرد اور عورت بغیر کسی پابندی کے آپس میں ایک دوسرے سے شہوت پوری کیا کریں پہلے تو بعض یورپین ممالک نے اس قسم کے قوانین بنا دیئے تھے لیکن اب وہ بین الاقوامی کانفرنسیں بلا بلا کر سارے عالم کے انسانوں کو اس بیہودگی میں لپیٹنا چاہتے ہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ اس قسم کی کانفرنس منعقد کرنے والے انسانیت کے دائرہ ہی سے باہر ہو چکے ہیں اور انہیں اس پر ذرا بھی رنج نہیں ہے کہ ہم انسانیت کھو بیٹھے ہیں۔

نفس پرستوں کو لذت چاہیے انسانیت باقی رہے یا نہ رہے:

یہ لوگ اس مقام پر اتر آئے ہیں کہ ہم انسان نہ رہے تو کیا حرج ہے مزہ تو ملے گا۔ انسان بننے اور انسانی تقاضے پورے کرنے میں نفس کی آزادی میں فرق آتا ہے لہٰذا انسانیت کی ضرورت کیا ہے؟ جانور بھی تو دنیا میں رہتے ہیں اور جیتے ہیں ہم بھی جانور ہو گئے تو کیا ہوا؟ یہ بات یہ لوگ زبان سے کہیں یا نہ کہیں ان کا طریقہ کار اور رنگ ڈھنگ ایسا ہی ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا: (وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ) (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایسے متمتع ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے)۔

انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم سے نوازا اور اسے جو شرف بخشا اس شرف کی وجہ سے اسے اونچا رکھنے کے لیے احکام عطا فرمائے۔ اس کے لیے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا اور کچھ چیزوں کو حلال قرار دیا۔ مرد اور عورت کا آپس میں استمتاع بھی حلال ہے لیکن نکاح کرنے کے بعد، پھر اس نکاح اور انعقاد نکاح کے بھی قوانین ہیں تمام انبیاء کرامؑ نکاح کرتے تھے۔ سوائے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان دونوں حضرات نے نہ نکاح کیا نہ عورتوں سے استمتاع کیا۔ افسوس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی جو قومیں دعویٰ کرنے والی ہیں وہ ان کی طرف بغیر نکاح کے عورتوں سے استمتاع کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو دجال کو قتل کریں گے اور نکاح بھی فرمائیں گے آپ کی اولاد بھی ہوگی (کما ذکرہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء) جب وہ تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور اس طرح اپنے عمل سے دین نصرانیت کو باطل قرار دیں گے۔ (رواہ مسلم)

فائدہ: قرآن مجید میں عموماً عورتوں کو مردوں ہی کے صیغے میں شریک کر کے احکام شرعیہ بتائے گئے ہیں مثلاً جہاں جہاں (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) ہے اس میں گو اسم موصول مذکر ہے لیکن عورتوں کو بھی ان کا مضمون شامل ہے اور جہاں کہیں صیغہ تانیث لایا گیا وہاں مردوں کا ذکر مقدم ہے جیسا کہ (اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ) اور جیسے (وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا) لیکن زنا کی حد بیان کرتے ہوئے دو باتیں زیادہ قابل توجہ ہیں اول تو یہ کہ صرف مذکر کا صیغہ لانے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ الزانیہ مستقل ذکر کیا گیا دوسرا الزانیہ کو الزانی پر مقدم فرمایا ہے۔

اب کسی بھی مرد یا عورت کو یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہی کہ شاید زنا کی حد جاری کرنا مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ نیز قرآن مجید کے انداز بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عورتوں میں زنا کی رغبت بنسبت مردوں کے زیادہ ہے ان کی حفاظت کا زیادہ اہتمام کیا جائے چوری میں مرد پیش پیش ہوتے ہیں اس لیے سورۂ مائدہ کی آیت میں لفظ السارق کو مقدم فرمایا اور زنا کی طرف مائل ہونے میں عورتوں کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اس لیے حد زنا بیان فرماتے ہوئے پہلے لفظ الزانیة کو مقدم فرمایا۔

فائدہ: شریعت اسلامیہ نے جو زنا کی حد مقرر فرمائی ہے بظاہر یہ سخت ہے اور سختی اس لیے ہے کہ لوگوں کی عفت وعصمت محفوظ رہے اور اس جرم کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو، اگر کسی غیر محصن کو لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے کوڑے لگائے جائیں اور کسی محصن کو سنگسار کر دیا جائے اور اس کی شہرت ہو جائے تو برس ہا برس کے لیے دور دراز علاقوں کے رہنے والوں کے لیے ایک

ہی سزا عبرت کا سامان بن جائے گی۔

اسلام نے اول تو ایسے احکام وضع کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے زنا کا صدور ہی آسان نہیں نظروں پر پابندی ہے عورتوں کی بے حجابی پر پابندی ہے نامحرموں سے پردہ ہے محرم بدنفس سے بھی پردہ کا حکم ہے ان سب امور کے باوجود زنا صادر ہو جائے تو اس کی سزا کے لیے ویسی شرطیں لگائی ہیں جن کا وجود میں آنا ہی مشکل ہے اگر چار گواہ گواہی دیں کہ ہم نے فلاں مرد وعورت کو اس طرح زنا کرتے ہوئے دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تب زنا کا ثبوت ہوگا، ظاہر ہے ایسے چار گواہ ملنا عادتاً ناممکن ہے ہاں اگر کوئی مرد عورت زنا کا اقرار کر لے تو اس پر سزا جاری ہوگی لیکن اس میں بھی امیر المؤمنین اور قاضی کو حکم دیا گیا کہ معمولی شبہات پر حد کو ساقط کر دیں مقصود لوگوں کی پٹائی کرنا اور سنگسار کرنا نہیں بلکہ زنا سے بچانا مقصود ہے اس سب کے باوجود پھر بھی کوئی شخص زنا کے جرم میں پکڑا جائے تو اصول شریعت کے مطابق اس کا زنا ثابت ہو جائے تو امیر المؤمنین اور قاضی لامحالہ اس پر حد جاری کردے گا۔ کیونکہ یہ شخص مسلمانوں کے معاشرے کا ایک ایسا عضو ہے جو بالکل ہی سڑ چکا ہے جسے کاٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔ لوگ زنا کی سزا کی سختی کو تو دیکھتے ہیں اس سزا کی حکمتوں کو نہیں دیکھتے۔ (تفسیر انوار البیان)

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ...

اس آیت میں زانی اور زانیہ کے ساتھ نکاح کرنے سے متعلق حکم ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ مشرک مرد یا مشرک عورت سے نکاح کا بھی حکم ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے اقوال بہت مختلف ہیں ان سب میں سہل اور اسلم تفسیر وہی معلوم ہوتی ہے جس کو خلاصہ تفسیر میں بین القوسین کی وضاحتوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آیت کا شروع حصہ کوئی حکم شرعی نہیں بلکہ ایک عام مشاہدہ اور تجربہ کا بیان ہے جس میں زنا کا فعل خبیث ہونا اور اس کے اثرات کی دور رس مضرتوں کا ذکر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اس کے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ برائی اور خباثت ہی مرغوب ہو جاتی ہے حلال حرام کی بحث نہیں رہتی۔ اور جو عورت اس کو پسند آتی ہے اس کا اصلی مقصود اس سے زنا کرنا اور اس کو زنا کاری پر راضی کرنا ہوتا ہے اگر زنا کے ارادے میں ناکام ہو جاوے تو مجبوری سے نکاح پر راضی ہوتا ہے مگر نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتا کیونکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں کہ آدمی عفیف ہو کر رہے اور اولاد صالح پیدا کرے اور اس کے لئے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ کا ہمیشہ کے لئے پابند ہو جاوے یہ ایسے شخص کو وبال معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ ایسے شخص کو دراصل نکاح سے کوئی غرض ہی نہیں اس لئے اس کی رغبت صرف مسلمان عورتوں ہی کی طرف نہیں بلکہ مشرک عورتوں کی طرف بھی ہوتی ہے اور مشرک عورت اگر اپنے مذہب کی وجہ سے یا کسی برادری کی رسم کی وجہ سے نکاح کی شرط لگا لے تو مجبوراً وہ اس سے نکاح پر بھی تیار ہو جاتا ہے اس کی اس کو کچھ بحث ہی نہیں کہ یہ نکاح حلال اور صحیح ہوگا یا شرعاً باطل ٹھہرے گا۔ اس لئے اس پر یہ بات صادق آ گئی کہ اس کی جس عورت کی طرف اصلی رغبت ہوگی اگر وہ مسلمان ہے تو زانیہ کی طرف رغبت ہوگی خواہ پہلے سے زنا کی عادی ہو یا اسی کے ساتھ زنا کر کے زانیہ کہلائے یا پھر کسی مشرک عورت کی طرف رغبت ہوگی جس کے ساتھ نکاح بھی زنا ہی کے حکم میں ہے یہ معنی ہوئے آیت کے پہلے جملہ کے یعنی: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً

اسی طرح جو عورت زنا کی خوگر ہو اور اس سے توبہ نہیں کرتی تو سچے مؤمن مسلمان جن کا مقصود اصلی نکاح اور نکاح کے شرعی فوائد و مقاصد ہیں وہ ایسی عورت سے متوقع نہیں اس لئے ان کو ایسی عورت کی طرف اصلی رغبت نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عورت نکاح کے بعد بھی اپنی بری عادت زنا نہ چھوڑے گی۔ ہاں ایسی عورت کی طرف رغبت یا تو زانی کو ہوگی جس کا اصلی مقصد اپنی خواہش پوری کرنا ہے نکاح مقصود نہیں۔ اس میں اگر وہ زانیہ کسی اپنی دنیوی مصلحت سے اس کے ساتھ ملنے کے لئے نکاح کی شرط لگا دے تو بادل ناخواستہ نکاح کو بھی گوارا کر لیتا ہے یا پھر ایسی عورت کے نکاح پر وہ شخص راضی ہوتا ہے جو مشرک ہو۔ اور چونکہ مشرک سے نکاح بھی شرعاً ناجائز ہے اس لئے اس میں دو چیزیں جمع ہو گئیں کہ مشرک بھی ہے اور زانی بھی۔ یہ معنے ہیں آیت کے دوسرے جملے کے یعنی وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ۔

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کر لے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کر لے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔

جمہور فقہاء امت امام اعظم ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے اب رہا آیت کا آخری جملہ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اس میں بعض حضرات مفسرین نے تو ذالک کا اشارہ زنا کی طرف قرار دیا ہے تو معنے جملے کے یہ ہو گئے کہ جب زنا ایسا خبیث فعل ہے تو زنا مؤمنین پر حرام کر دیا گیا۔ اس تفسیر پر معنے میں تو کوئی اشکال نہیں رہتا لیکن ذلک سے زنا مراد لینا سیاق آیت سے کسی قدر بعید ضرور ہے اس لئے دوسرے مفسرین نے ذلک کا اشارہ نکاح زانی وزانیہ اور مشرک ومشرکہ کی طرف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مشرکہ سے مسلمان مرد کا نکاح اور مشرک سے مسلمان عورت کا نکاح حرام ہونا تو دوسری نصوص قرآن سے بھی ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے اور زانی مرد سے پاکدامن عورت کا نکاح یا زانیہ عورت سے عفیف مرد کا نکاح حرام ہونا جو اس جملے سے مستفاد ہو گا وہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ عفیف مرد زانیہ عورت سے نکاح کر کے اس کو زنا سے نہ روکے بلکہ نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے کیونکہ اس صورت میں یہ دیوثیت ہوگی جو شرعاً حرام ہے۔ اسی طرح کوئی شریف پاکدامن عورت زنا کے خوگر شخص سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے یہ بھی حرام ہے یعنی ان لوگوں کا یہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا باہمی نکاح صحیح نہ ہو، باطل ہو جائے۔ لفظ حرام شریعت کی اصطلاح میں دو معنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ گناہ ہے اس کا کرنے والا آخرت میں مستحق سزا ہے اور دنیا میں بھی یہ عمل بالکل باطل کالعدم ہے اس پر کوئی شرعی ثمرہ احکام دنیا کا بھی مرتب نہیں ہوگا جیسے کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہوگی۔ اسی طرح

زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ ان کا مقصود اصلی زنا ہی ہو، نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کریں ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کالعدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ نفقہ، مہر ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔ اس طرح لفظ حرم اس آیت میں مشرکہ کے حق میں پہلے معنے کے اعتبار سے اور زانیہ اور زانی کے حق میں دوسرے معنے کے اعتبار سے صحیح اور درست ہو گیا۔ اس تفسیر پر آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہ رہی جیسا کہ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ....

پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے والوں کی سزا:

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؁ یہ لوگ فاسق ہیں اب اخیر میں الا الذین تابوا کا استثناء مذکور ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہے پس توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی اور قاضی شریح اور ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر اور مکحول اور ابن زید رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضاء بھی یہ ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آ رہا ہے یا تو تینوں سے متعلق کرو۔ یا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کرو۔ اور اول آیت میں یہ استثناء بالا جماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا محتمل رہا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثناء اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر ہے اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ نہ کہ دنیوی احکام سے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثناء فقط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے متعلق اور مربوط ہے کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے اور درمیانی جملہ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم ثمانین جلدۃ احکام دنیا سے متعلق ہے، پس بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ کو فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے اور تابین کے استثناء کو فقط اخیری جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؁ سے متعلق رکھا جائے۔ نیز وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ کی جزاء تو فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ پر پوری ہوئی اور وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؁ جملہ مستانفہ ہے جو قذف کے جزا اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے اس لیے کہ فَاجْلِدُوْهُمْ اور لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور دونوں جملے، جملہ انشائیہ میں ایک امر ہے اور ایک نہی ہے اور جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؁ مستقل جملہ ہے جو سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ فعلیہ نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؁ کا عطف شروع جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

پر کیا جائے اور لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا جو کہ جملہ انشائیہ فعلیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ ....

جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں ان کے لیے لعان کا حکم:

کوئی مرد عورت کو زنا کی تہمت لگا دے اور اپنی بات کے سچا ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری ہوگی یعنی اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے (جس کی تفصیل اوپر گزری) لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہے کہ اس نے زنا کیا ہے اور عورت اس کو جھٹلائے اور شوہر کے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی بلکہ امیر المؤمنین یا قاضی شوہر سے کہے گا کہ تو لعان کر یا یہ اقرار کر کہ تو نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر وہ دونوں میں سے کسی بات پر راضی نہ ہو تو قاضی اسے بند کر دے گا۔ یہاں تک کہ لعان کرنے پر راضی ہو جائے یا یوں کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر اس دوسری بات کا اقرار کرے تو پھر اسے حد قذف لگائی جائے گی، اگر وہ اپنے نفس کو نہیں جھٹلاتا اور اسے برابر اس بات پر اصرار ہے کہ میری بیوی نے زنا کیا ہے تو قاضی دونوں کے درمیان لعان کرنے کا حکم دے گا۔

لعان کا طریقہ:

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ مرد کھڑا ہوگا اور چار مرتبہ یوں کہے گا: اشهد بالله انی لمن الصادقين فی ما رميت هذه من الزنا (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتا ہوں کہ میں اس عورت کے بارے میں جو کہہ رہا ہوں کہ اس نے زنا کیا ہے میں اس بات میں سچا ہوں) یا پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے: لعنت الله علی ان كان من الكذبين فيما رميت هذا من الزنا (اس عورت کے بارے میں جو میں نے کہا ہے کہ اس نے زنا کیا اس بارے میں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو) پانچوں مرتبہ جب بھی لفظ هذه (اس عورت) کے الفاظ ادا کرے تو ہر مرتبہ عورت کی طرف اشارہ کرے جب مرد پانچوں مرتبہ مذکورہ الفاظ کہہ چکے تو اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے: اشهد بالله انه لمن الكاذبين فيما رمانی به من الزنا (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے اس بارے میں یہ جھوٹا ہے) پھر پانچوں مرتبہ یوں کہے: ان غضب الله علي ان كان من الصادقين فيما رماني به من الزنا (مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ اپنی اس بات میں سچا ہو جو اس نے میری طرف زنا کی نسبت کی ہے)۔

جب دونوں لعان کر لیں تو اب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ اور یہ تفریق کرنا طلاق بائن کے حکم میں ہو گا۔ اور اگر لعان اس لیے تھا کہ نومولودہ بچہ کے بارے میں شوہر نے یوں کہا تھا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو لعان کے بعد تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی اس بچہ کا نسب اس مرد سے ختم کر دے گا اور یہ حکم نافذ کر دے گا کہ یہ بچہ اپنی ماں کا ہے اس عورت کے شوہر کا نہیں ہے۔ لعان کرنے کے بعد اگر شوہر اپنی تکذیب کر دے یعنی یوں کہہ دے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی تو پھر

قاضی اسے حد قذف یعنی اسی کوڑے لگادے گا۔

حدیث کی کتابوں میں عویمر عجلانی اور ھلال بن امیہؓ کے اپنی اپنی بیوی سے لعان کرنے کا تذکرہ ملتا ہے صحیح بخاری ص ۷۹۹ وص ۱۸۰۰ صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۹۵ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ھلال بن امیہ نے جو اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے فلاں شخص سے زنا کیا ہے تو آیات لعان وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (الایات) نازل ہوئیں۔

لعان کی کچھ شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی نابالغہ نہ ہو دیوانی نہ ہو اور شوہر نابالغ اور دیوانہ نہ ہو اور اگر گونگا شوہر اشاروں سے اپنی بیوی کو تہمت لگادے تو اس کی وجہ سے قاضی لعان کا حکم نہیں دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ اَسْوَءِ الْكِذْبِ عَلٰى عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا بِقَذْفِهَا عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُبَيٍّ وَمِسْطَحٌ وَحَمْنَةُ بِنْتُ حَجْشٍ لَا تَحْسَبُوْهُ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ غَيْرَ الْعُصْبَةِ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ يَاجُرُكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَيُظْهِرُ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ وَمَنْ جَاءَ مَعَهَا مِنْهُ وَهُوَ صَفْوَانُ فَاِنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ بَعْدَمَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَفَرَغَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَاٰذِنَ بِالرَّحِيْلِ لَيْلَةً فَمَشَيْتُ وَقَضَيْتُ شَانِيْ وَاَقْبَلْتُ اِلَى الرَّحْلِ فَاِذَا عِقْدِيْ اِنْقَطَعَ هُوَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ الْقِلَادَةُ فَرَجَعْتُ اَلْتَمِسُهٗ وَحَمَلُوْا هَوْدَجِيْ هُوَ مَا يُرْكَبُ فِيْهِ عَلٰى بَعِيْرِيْ يَحْسَبُوْنَنِيْ فِيْهِ وَكَانَتِ النِّسَاءُ خِفَافًا اِنَّمَا يَاكُلْنَ الْعُلْقَةَ هُوَ بِضَمِّ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطَّعَامِ اَيِ الْقَلِيْلِ وَوَجَدْتُ عِقْدِيْ وَجِئْتُ بَعْدَمَا سَارُوْا فَجَلَسْتُ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ وَظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ سَيَفْقِدُوْنَنِيْ فَيَرْجِعُوْنَ اِلَيَّ فَغَلَبَتْنِيْ عَيْنَايَ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَرَاءِ الْجَيْشِ فَادَّلَجَ هُمَا بِتَشْدِيْدِ الرَّاءِ وَالدَّالِ اَيْ نَزَلَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ فَسَارَ مِنْهُ فَاَصْبَحَ فِيْ مَنْزِلِيْ فَرَاٰى سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ اَيْ شَخْصَهٗ فَعَرَفَنِيْ حِيْنَ رَاٰنِيْ وَكَانَ يَرَانِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ عَرَفَنِيْ اَيْ قَوْلَهٗ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ اَيْ غَطَّيْتُهٗ بِالْمُلَاءَةِ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِيْ بِكَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ وَوَطِئَ عَلٰى يَدِهَا رَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُوْدُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَمَا نَزَلُوْا مُوْغِرِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ اَيْ مِنْ اَوْغَرَ وَاقِفِيْنَ فِيْ مَكَانٍ وَغْرٍ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ فِيَّ وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ عَبْدُاللّٰهِ

بْنُ اُبَیِّ بْنِ سَلُوْلٍ اِنْتَھٰی تَوَلُّھَا رَوَاہُ الشَّیْخَانِ قَالَ تَعَالٰی لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ اَیْ عَلَیْہِ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ
فِیْ ذٰلِکَ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ اَیْ تَحَمَّلَ مُعْظَمَہٗ فَبَدَأَ بِالْخَوْضِ فِیْہِ وَاَشَاعَہٗ وَھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اُبَیٍّ لَہٗ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑪ ھُوَ النَّارُ فِی الْاٰخِرَۃِ لَوْلَآ ھَلَّا اِذْ حِیْنَ سَمِعْتُمُوْہُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِھِمْ
اَیْ ظَنَّ بَعْضُھُمْ بِبَعْضٍ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا ھٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ ⑫ کِذْبٌ بَیِّنٌ فِیْہِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَیْ ظَنَنْتُمْ
اَیُّھَا الْعُصْبَۃُ وَقُلْتُمْ لَوْلَا ھَلَّا جَآءُوْ اَیِ الْعُصْبَۃُ عَلَیْہِ بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ ۚ شَاھَدُوْہُ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّھَدَآءِ
فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ اَیْ فِیْ حُکْمِہٖ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ⑬ فِیْہِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمْ
فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْہِ اَیُّھَا الْعُصْبَۃُ اَیْ خُضْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑭ فِی الْاٰخِرَۃِ اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ اَیْ یَرْوِیْہِ
بَعْضُکُمْ عَنْ بَعْضٍ وَحُذِفَ مِنَ الْفِعْلِ اِحْدَی التَّائَیْنِ وَاِذْ مَنْصُوْبٌ بِمَسَّکُمْ اَوْ بِاَفَضْتُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ
بِاَفْوَاھِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَہٗ ھَیِّنًا ۖ وَّ لَا اِثْمَ فِیْہِ وَّھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ ⑮ فِی الْاِثْمِ وَلَوْلَآ ھَلَّا اِذْ
حِیْنَ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ مَا یَنْبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا ۖ سُبْحٰنَکَ ھُوَ لِلتَّعَجُّبِ ھُنَا ھٰذَا بُھْتَانٌ کِذْبٌ
عَظِیْمٌ ⑯ یَعِظُکُمُ اللّٰہُ یَنْھَاکُمْ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖٓ اَبَدًا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ⑰ تَتَّعِظُوْا بِذٰلِکَ وَیُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ
الْاٰیٰتِ ۭ فِی الْاَمْرِ وَالنَّھْیِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَاْمُرُ بِہٖ وَیَنْھٰی عَنْہُ حَکِیْمٌ ⑱ فِیْہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ
بِاللِّسَانِ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِنِسْبَتِھَا اِلَیْھِمْ وَھُمُ الْعُصْبَۃُ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا بِالْحَدِّ لِلْقَذْفِ وَالْاٰخِرَۃِ ۭ
بِالنَّارِ لِحَقِّ اللّٰہِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنْتِفَاءَھَا عَنْھُمْ وَاَنْتُمْ اَیُّھَا الْعُصْبَۃُ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ وُجُوْدَھَا فِیْھِمْ وَلَوْلَا فَضْلُ
اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اَیُّھَا الْعُصْبَۃُ وَرَحْمَتُہٗ وَاَنَّ اللّٰہَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ⑳ بِکُمْ لَعَاجَلَکُمْ بِالْعُقُوْبَۃِ ع ۸

ترجمہ: جولوگ لائے ہیں یہ بہتان حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین پر کہ بدترین جھوٹ اختیار کیا ان پر تہمت لگا کردہ) تمہیں میں ایک جماعت ہیں (یعنی جماعت مومنین) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وہ حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی سردار منافق اور مسطحؓ اور حمنہ بنت جحشؓ یہ مومن مخلص تھے) تم اہل ایمان بہتان لگانے والوں کے علاوہ اس بہتان بندی کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے (کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کے ذریعہ اجر عطاء فرمائیں گے اور حضرت عائشہؓ کی براءت ظاہر کی جائے گی اور ان صاحبؓ کی بھی جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ آئے تھے اور وہ حضرت صفوانؓ ہیں واقعہ کی تفصیل حضرت عائشہؓ نے اسطرح بیان فرمائی! پردہ کے حکم نازل ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھی پس جب

آپؐ غزوہ سے فارغ ہو گئے اور واپس آئے اور مدینہ منورہ کے قریب ہوئے ایک رات میں آپؐ نے کوچ کرنے کا قصد فرمایا میں تنہا قضاء حاجت کے لیے گئی اور قضاء حاجت کی اور میں جائے قیام کی طرف واپس آئی تو میرا ہار ٹوٹا ہوا تھا بکسر العین تو میں اس کو تلاش کرنے کے لیے واپس گئی ادھر خدام نے میرے ہودج کو اٹھالیا کہ ان کا خیال تھا کہ میں ہودج میں موجود ہوں ہودج وہ جس میں سوار ہوا جاتا ہے میرے اونٹ پر اور عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں کیونکہ بہت قلیل مقدار کھانا کھاتی تھیں میں نے اپنا ہار تلاش کر لیا قافلہ کے چلے جانے کے بعد وہاں پہنچی لہٰذا میں جس مقام پر پڑاؤ تھا وہاں مقیم ہو گئی اور میں نے خیال کر لیا کہ جب لوگ مجھ کو نہ پائیں گے تو وہ میری طرف لوٹیں گے پس مجھ پر میری آنکھوں نے غلبہ پایا اور میں سو گئی اور حضرت صفوانؓ نے لشکر السلام کے پیچھے شب میں قیام کیا اور آخری حصہ شب روانہ ہوئے اور وہاں سے چل دئے میری منزل تک صبح کے وقت آ پہنچے عرس اور ادلج را اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے عرس کے معنی آخر شب میں استراحت کے لیے قیام کرنا اور ادلج بمعنی روانہ ہونا۔ تو انھوں نے ایک انسانی جسم کو سوتا ہوا پایا اور جس وقت انھوں نے مجھ کو دیکھا تو پہچان لیا اور وہ پردہ کے حکم سے قبل مجھ کو دیکھتے تھے پس میں ان کے اناللہ پڑھنے کی وجہ سے بیدار ہو گئی یعنی انھوں نے جس وقت مجھ کو شناخت کر لیا تو اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھی میں نے فوراً اپنے چہرہ کو چادر سے چھپالیا۔ قسم بخدا انھوں نے مجھ سے ایک کلمہ کے برابر بھی بات نہیں کی اور میں نے ان سے بجز استرجاع کوئی اور کلمہ نہیں سنا۔ جس وقت حضرت صفوانؓ نے اپنی سواری کو بٹھایا اور وہ سواری اپنے ہاتھوں پر جھک کر بیٹھ گئی تو میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ مجھ کو بٹھا کر سواری کے آگے چلنے لگے یہاں تک کہ ہم لشکر تک پہنچ گئے دوپہر کی شدید تر گرمی موغرین او غر سے مشتق ہے سخت گرمی کے وقت گرم جگہ میں فروکش ہونے والے تھے کے وقت تک پہنچنے کے بعد جہاں انھوں نے قیام کیا ہوا تھا پھر میرے سلسلہ میں جو ہلاک و برباد ہوا پس وہ ہلاک ہوا اور وہ شخص جس نے اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا عبداللہ بن اب ابن سلول تھا حضرت عائشہؓ کا کلام پورا روایت کیا ہے اس کو شیخین نے۔ (بخاری ومسلم) ارشاد باری تعالیٰ! ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا (اس سلسلہ میں اسپر) گناہ ہوا اور ان میں جس نے اس بہتان میں سب سے بڑا حصہ لیا (اور اس میں مشغول ہوا اور اس کچھ پھیلایا اور وہ عبداللہ بن ابی ہے) اس کو سخت سزا ہوگی (اور وہ نار جہنم ہے آخرت میں) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ (یعنی اپنے لوگوں پر آپس میں) گمان نیک کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (اس میں صیغہ خطاب سے التفات فرمایا یعنی یہ گمان تم نے کیوں نہ کیا اور تم نے یہ جواب کیوں نہ دیا اے جماعت اہل ایمان بہتان لگانے والے) یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے کہ جو اس کی شہادت دیتے) پھر جب نہ لائے شاہد تو بس وہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (اس بہتان والے قصہ میں) اور اگر تم پر (اے جماعت اہل ایمان!) اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے (یعنی مصروف کار ہوئے تھے) اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا (آخرت میں) جب کہ تم اس جھوٹ بات کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے (کہ ایک دوسرے سے اس جھوٹ کو نقل کر رہا تھا فعل سے ایک تاء حذف کر دی گئی اور مسکم کی وجہ سے یا افضتم کی وجہ سے منصوب ہے) اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات (کہ اسمیں کوئی گناہ نہیں) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی (

گناہ ہونے ہیں!) اور تم نے جب اس بات کو اول سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ (یہ کلمہ اس مقام پر برائے تعجب ہے) یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت (منع) کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو (تو یہ نصیحت قبول کرو) اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے (امر اور نہی میں) اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا (ہے اس چیز میں جس بات کا حکم کرتا ہے اور جس چیز سے منع کرتا ہے) حکمت والا ہے (اس میں) جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو (کہ زبان سے اس بہتان والی بات کی نسبت حضرات کی طرف ہو اور اس سے وہ جماعت مراد ہے کہ جو اس جھوٹ اور فحش بات کے پھیلنے کو پسند کرتے ہیں تو) ان کے لیے دنیا و آخرت میں سزائے دردناک ہے (کہ یہاں حد قذف اور وہاں حق اللہ ہونے کی وجہ سے نار جہنم) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے (ان لوگوں سے اس کا منتفی ہونا) اور تم (اے جماعت) نہیں جانتے (اسکے وجود کو ان کے حق میں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور یہ کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو تم بھی نہ بچتے (تم کو جلد عذاب ہوتا!)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِالْاِفْكِ: بدترین جھوٹ۔

قوله: عُصْبَةٌ: یہ ان کی خبر ہے اور لا تحسبوا یہ جملہ مستانفہ۔

قوله: اشاعة: یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں اس کو نشر کیا۔

قوله: فِي الْاٰخِرَةِ: دنیا میں عبداللہ بن ابی کی بخشے نہ جانے اور آخرت میں عذاب عظیم کے مستحق ہونے کا اعلان ہوا۔ حسان رضی اللہ عنہ آخر عمر میں اندھے ہو گئے اور دو ہاتھ شل ہو گئے اور مسطح رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند ہو گئیں باوجودیکہ انہوں نے توبہ کر لی تھی۔

قوله: اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ: یہ کلام میں اس لئے لائے تاکہ توبیخ میں مبالغہ ہو۔

قوله: قُلْتُمْ: اس میں اشارہ کیا کہ لو لا جاؤ۔ یہ من جملہ مقولہ سے ہے اور اس کے کذب ہونے کو پختہ کر رہا ہے۔

قوله: فِي حُكْمِهٖ: مراد یہ ہے کہ اس پر شرعی حکم لگائیں گے کہ اس کی خبر واقعہ کے مطابق نہیں حکم کا مدار ظاہری شہادت پر ہے۔

قوله: فِي الْاٰخِرَةِ: یعنی عفو و مغفرت دونوں مقدر کیے گئے ہیں۔

قوله: بِاَلْسِنَتِكُمْ: زبان سے بیان کرنا۔

قوله: مَّا لَيْسَ لَكُمْ: تم منہ سے ایک خاص بات دہراتے تھے جس میں دلوں کی مساعدت نہ تھی کیونکہ اس کے جاننے سے تمہارے دلوں میں کوئی تغیر نہ تھا۔

قوله: هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ: یہ تین گناہ ہیں جن سے عذاب سے معلق کیا۔ (۱) زبان سے افک کا دہرانا (۲) بلا تحقیق اس کی بات کرنا (۳) اس کو معمولی قرار دینا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے گناہ ہیں۔

قوله: بِهٰذَا: اس سے قذف کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: سُبۡحٰنَكَ: یہ تعجب کے لئے ہے۔ان لوگ کے متعلق جو یہ بات کرر ہے تھے۔

قوله: كِذۡبٌ عَظِيۡمٌ: اس سے اشارہ کیا کہ گناہ کی حقارت اور بڑھائی یہ متعلقات کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

قوله: وَلَوۡلَا فَضۡلُ: اس کا جواب لعاجلکم بالعقوبہ حذف کر دیا۔ یہ ارشاد جلد کی سزا کے ترک کرنے کو احسان کے طور پر ذکر کیا۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ ....

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کی شہادت:

اس آیت سے لے کر دسویں آیت تک ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا جس پر اللہ کو بہ سبب قرابت داری رسول اللہ ﷺ غیرت آئی اور یہ آیتیں نازل فرمائیں تا کہ رسول اللہ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے۔ان بہتان بازوں کی ایک رٹی تھی۔اس لعنتی کام میں سب سے پیش پیش عبداللہ بن ابی بن سلول تھا جو تمام منافقوں کا گرو گھنٹال تھا۔اس بے ایمان نے ایک ایک کان میں بنا بنا کر اور مصالے چڑھا چڑھا کر یہ باتیں خوب گھڑ گھڑ کر پہنچائی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کی زبان بھی کھلنے لگی تھی اور یہ چہ میگوئیاں قریب قریب مہینے بھر تک چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس واقعے کا پورا بیان صحیح احادیث میں موجود ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر میں جانے کے وقت آپ ﷺ اپنی بیویوں کے نام کا قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ایک غزوے کے موقعہ پر میرا نام نکلا۔میں آپ کے ساتھ چلی، یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے۔میں اپنے ھودج میں بیٹھی رہتی اور جب قافلہ کہیں اترتا تو میرا ھودج اتار لیا جاتا۔میں اسی میں بیٹھی رہتی جب قافلہ چلتا یونہی ھودج رکھ دیا جاتا۔آنحضرت ﷺ غزوے سے فارغ ہوئے، واپس لوٹے، مدینے کے قریب آ گئے رات کو چلنے کی آواز لگائی گئی میں قضاء حاجت کیلئے نکلی اور لشکر کے پڑاؤ سے دور جا کر میں نے قضاء حاجت کی۔ پھر واپس لوٹی، لشکر گاہ کے قریب آ کر میں نے اپنے گلے کو ٹٹولا تو ہار نہ پایا۔میں واپس اس کے ڈھونڈنے کیلئے چلی اور تلاش کرتی رہی۔ یہاں یہ ہوا کہ لشکر نے کوچ کر دیا جو لوگ میرا ھودج اٹھاتے تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں حسب عادت اندر ہی ہوں۔ھودج اٹھا کر اوپر رکھ دیا اور چل پڑے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت تک عورتیں نہ کچھ ایسا کھاتی پیتی تھیں نہ وہ بھاری بدن کی بوجھل تھیں۔تو میرے ھودج کے اٹھانے والوں کو میرے ہونے نہ ہونے کا مطلق پتہ نہ چلا۔اور میں اس وقت اوائل عمر کی تو تھی ہی۔ الغرض بہت دیر کے بعد مجھے میرا ہار ملا جب میں یہاں پہنچی تو کسی آدمی کا نام ونشان بھی نہ تھا نہ کوئی پکارنے والا، نہ جواب دینے والا، میں اپنے نشان کے مطابق وہیں پہنچی، جہاں ہمارا اونٹ بٹھایا گیا تھا اور وہیں انتظار میں بیٹھ گئی تا کہ آپ ﷺ جب آگے چل کر میرے نہ ہونے کی خبر پائیں گے تو مجھے تلاش کرنے کیلئے یہیں آئیں گے۔

مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ اتفاق سے حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانیؓ جو لشکر کے پیچھے رہے تھے اور پچھلی رات کو چلے تھے،
صبح کی روشنی میں یہاں پہنچ گئے۔ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھ کر خیال آنا ہی تھا۔ غور سے دیکھا تو چونکہ پردے کے حکم سے
پہلے مجھے انہوں نے دیکھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی پہچان گئے اور با آواز بلند ان کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا ان کی آواز
سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر سنبھل بیٹھی۔ انہوں نے جھٹ اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے
ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہوگئی۔ انہوں نے اونٹ کو کھڑا کر دیا اور بھگاتے ہوئے لے چلے۔ قسم اللہ کی نہ وہ
مجھ سے کچھ بولے، نہ میں نے ان سے کوئی کلام کیا نہ سوائے انا للہ کے میں نے ان کے منہ سے کوئی کلمہ سنا۔ دوپہر کے قریب ہم
اپنے قافلے سے مل گئے۔ پس اتنی سی بات کا ہلاک ہونے والوں نے بتنگڑ بنالیا۔ ان کا سب سے بڑا اور بڑھ بڑھ کر باتیں
بنانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ مدینے آتے ہی میں بیمار پڑگئی اور مہینے بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی، نہ میں نے
کچھ سنا، نہ کسی نے مجھ سے کہا جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا، میں اس سے محض بے خبر تھی۔ البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا
اوقات گزرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر ومحبت میں کمی کی کیا وجہ ہے؟ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور ﷺ کو میرے
ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ پس آنحضرت ﷺ تشریف
لاتے سلام کرتے اور دریافت فرماتے طبیعت کیسی ہے! اور کوئی بات نہ کرتے اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی
تہمت سے میں بالکل غافل تھی۔ اب سنئے اس وقت تک گھروں میں پاخانے نہیں ہوتے تھے اور عرب کی قدیم عادت کے
مطابق ہم لوگ میدان میں قضاء حاجت کیلئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں پاخانے بنانے
سے عام طور پر نفرت تھی۔ حسب عادت میں، ام مسطح بنت ابی رہم بن عبدالمطلب بن عبدالمناف کے ساتھ قضائے حاجت کیلئے
چلی۔ اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی یہ ام مسطح میرے والد صاحبؓ کی خالہ تھیں ان کی والدہ صخر بن عامر کی لڑکی تھیں،
ان کے لڑکے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو حضرت ام مسطح کا پاؤں چادر کے دامن
میں الجھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ مسطح غارت ہو۔ مجھے بہت برا لگا اور میں نے کہا کہ تم نے بہت برا کلمہ بولا، توبہ
کرو، تم اسے گالی دیتی ہو، جس نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اس وقت ام مسطحؓ نے کہا بھولی بیوی آپ کو کیا معلوم؟ میں نے کہا
کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے جو آپ کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی میں ان
کے سر ہوگئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان باز لوگوں کی تمام کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں
کے طوطے اڑ گئے، رنج وغم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا، مارے صدمے کے میں تو اور بیمار ہوگئی۔ بیمار تو پہلے سے ہی تھی، اس خبر نے تو
نڈھال کر دیا، جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا میں اپنے میکے جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کرلوں کہ کیا واقعی میری
نسبت ایسی افواہ پھیلائی گئی ہے؟ اور کیا کیا مشہور کیا جا رہا ہے؟ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، سلام کیا اور
دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو اپنے والد صاحب کے ہاں ہو آؤں۔ آپ ﷺ نے
اجازت دیدی، میں یہاں آئی، اپنی والدہ سے پوچھا کہ اماں جان لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی یہ تو
نہایت معمولی بات ہے تم اتنا اپنا دل بھاری نہ کرو، کسی شخص کی اچھی بیوی جو اسے محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں وہاں ایسی

باتوں کا کھڑا ہونا تو لازمی امر ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا واقعی لوگ میری نسبت ایسی افواہیں اڑا رہے ہیں؟ اب تو مجھے غم و رنج نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت سے جو رونا شروع ہوا واللہ ایک دم بھر کیلئے میرے آنسو نہیں تھمے، میں سر ڈال کر روتی رہتی۔ کس کا کھانا پینا، کس کا سونا بیٹھنا، کہاں کی بات چیت، غم و رنج اور رونا ہے اور میں ہوں۔ ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسو کی لڑی نہ تھمی دن کو بھی یہی حال رہا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بلوایا، وحی میں دیر ہوئی، اللہ کی طرف سے آپ کو کوئی بات معلوم نہ ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات سے مشورہ کیا کہ آپ مجھے الگ کر دیں یا کیا؟ حضرت اسامہؓ نے تو صاف کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی اہل پر کوئی برائی نہیں جانتے۔ ہمارے دل ان کی عفت، عزت اور شرافت کی گواہی دینے کیلئے حاضر ہیں۔ ہاں حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی تنگی نہیں، عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ اگر آپ گھر کی خادمہ سے پوچھیں تو آپ کو صحیح واقعہ معلوم ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت گھر کی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ عائشہ کی کوئی بات شک وشبہ والی کبھی بھی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ بریرہ نے کہا اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ان سے کوئی بات کبھی اس قسم کی نہیں دیکھی۔ ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آٹا یونہی رکھا رہتا ہے اور سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے، اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا۔ چونکہ کوئی ثبوت اس واقعہ کا نہ ملا اس لئے اسی دن رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کون ہے؟ جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری گھر والیوں میں بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں۔ واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنی گھر والیوں میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں، جس شخص کا نام یہ لوگ لے رہے ہیں، میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں موجود ہوں اگر وہ قبیلہ اوس کا شخص ہے تو ابھی ہم اس کی گردن تن سے الگ کرتے ہیں اور اگر وہ ہمارے خزرج بھائیوں سے ہے تو بھی آپ ﷺ جو حکم دیں ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ سن کر حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو گئے یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ تھے تو یہ بڑے نیک بخت مگر حضرت سعد بن معاذؓ سے کہنے لگے نہ تو تو اسے قتل کرے گا نہ اس کے قتل پر تو قادر ہے اگر وہ تیرے قبیلے کا ہوتا تو تو اس کا قتل کیا جانا کبھی پسند نہ کرتا۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیرؓ کھڑے ہو گئے یہ حضرت سعد بن معاذؓ کے بھتیجے ہوتے تھے کہنے لگے اے سعد بن عبادہ تم جھوٹ کہتے ہو، ہم اسے ضرور مار ڈالیں گے آپ منافق آدمی ہیں کہ منافقوں کی طرف داری کر رہے ہیں۔ اب ان کی طرف سے ان کا قبیلہ اور ان کی طرف سے ان کا قبیلہ ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گیا اور قریب تھا کہ اوس وخزرج کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑ پڑیں۔ حضور ﷺ نے منبر پر سے ہی انہیں سمجھانا اور چپ کرانا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں طرف خاموشی ہو گئی۔ حضور ﷺ بھی چپکے ہو رہے یہ تو تھا وہاں کا واقعہ۔ میرا حال یہ تھا کہ یہ سارا دن بھی رونے میں ہی گزرا۔ میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کے بھی ہوش گم کر دیئے تھے، وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ رونا میرا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا اتنے میں انصار کی ایک عورت آئی

اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی ہم یونہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے میرے پاس بیٹھ گئے۔ قسم اللہ کی جب سے یہ بہتان بازی ہوئی تھی آج تک رسول اللہ ﷺ میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے۔ مہینہ بھر گزر گیا تھا کہ حضور ﷺ کی یہی حالت تھی۔ کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے۔ آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر اما بعد فرما کر فرمایا کہ اے عائشہ! تیری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ اگر تو واقعی پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر فرما دے گا اور اگر فی الحقیقت تو کسی گناہ میں آلودہ ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور توبہ کر، بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ اللہ کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ آپ اتنا فرما کر خاموش ہو گئے یہ سنتے ہی میرا رونا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو آپ ہی جواب دیجئے لیکن انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیا جواب دوں؟ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا۔ میری عمر کچھ ایسی بڑی تو نہ تھی اور نہ مجھے زیادہ قرآن حفظ تھا۔ میں نے کہا، آپ سب نے ایک بات سنی، اسے آپ نے دل میں بٹھالیا اور گویا سچ سمجھ لیا۔ اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو تم ابھی مان لو گے۔ میری اور تمہاری مثال تو بالکل حضرت ابو یوسف علیہ السلام کا یہ قول ہے: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ پس صبر ہی اچھا ہے جس میں شکایت کا نام ہی نہ ہو اور تم جو باتیں بناتے ہو ان میں اللہ ہی میری مدد کرے، اتنا کہہ کر میں نے کروٹ پھیر لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اللہ کی قسم مجھے یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری براءت اپنے رسول ﷺ کو ضرور معلوم کرا دے گا لیکن یہ تو میرے شان و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر جانتی تھی کہ میرے بارے میں کلام اللہ کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو میری براءت دکھا دے۔ واللہ ابھی تو نہ رسول ﷺ اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر سے باہر نکلا تھا کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہو گئی۔ اور چہرہ پر وہی آثار ظاہر ہوئے جو وحی کے وقت ہوتے تھے اور پیشانی سے پسینے کی پاک بوندیں ٹپکنے لگیں۔ سخت جاڑوں میں بھی وحی کے نزول کی یہی کیفیت ہوا کرتی تھی، جب وحی اتر چکی تو ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ ہنسی سے شگفتہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا عائشہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت نازل فرما دی۔ اسی وقت میری والدہ نے فرمایا بچی حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے جواب دیا کہ واللہ نہ تو میں آپ کے سامنے کھڑی ہوں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی تعریف کروں گی اسی نے میری براءت اور پاکیزگی نازل فرمائی ہے۔ پس آیت (ان الذین جاء و بالافك) سے لے کر دس آیتوں تک نازل ہوئیں۔ ان آیتوں کے اترنے کے بعد اور میری پاک دامنی ثابت ہو چکنے کے بعد اس شر کے پھیلانے میں حضرت مسطح بن اثاثہ بھی شریک تھے اور انہیں میرے والد صاحب ان کی محتاجی اور ان کی قرابت داری کی وجہ سے ہمیشہ کچھ دیتے رہتے تھے۔ اب انہوں نے کہا جب اس شخص نے میری بیٹی پر تہمت باندھنے

میں حصہ لیا تو اب میں اس کے ساتھ کچھ بھی سلوک نہ کروں گا۔ اس پر آیت (ولا یاتل اولو الفضل الخ)، نازل ہوئی یعنی تم میں سے جو لوگ بزرگی اور وسعت والے ہیں، انہیں نہ چاہئے کہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ کے مہاجروں سے سلوک نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ یہ بخشش والا اور مہربانی والا اللہ تمہیں بخش دے؟ اسی وقت اس کے جواب میں صدیق اکبرؓ نے فرمایا قسم اللہ کی میں تو اللہ کی بخشش کا خواہاں ہوں۔ چنانچہ اسی وقت حضرت مسطحؓ کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ واللہ اب عمر بھر تک اس میں کمی یا کوتاہی نہ کروں گا۔ میرے اس واقعہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی جو آپ کی بیوی صاحبہ تھیں دریافت فرمایا تھا۔ یہی بیوی صاحبہ تھیں جو حضور کی تمام بیویوں میں میرے مقابلے کی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیزگاری اور دین داری کی وجہ سے صاف بچ گئیں اور جواب دیا کہ حضور ﷺ میں تو سوائے بہتری کے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔ میں اپنے کانوں کو اور اپنی نگاہ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ گو انہیں ان کی بہن حمنہ بنت جحش نے بہت کچھ بہلاوے بھی دیئے بلکہ لڑ پڑیں لیکن انہوں نے اپنی زبان سے میری برائی کا کوئی کلمہ نہیں نکالا۔ ہاں ان کی بہن نے تو زبان کھول دی اور میرے بارے میں ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگئی۔ یہ روایت بخاری مسلم وغیرہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں ہے۔ ایک سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ سفر حضر میں میرے ساتھ رہا میری عدم موجودگی میں کبھی میرے گھر نہیں آیا اس میں ہے کہ سعد بن معاذؓ کے مقابلہ میں جو صاحب کھڑے ہوئے انہی کے قبیلے میں ام مسطح تھیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اسی خطبہ کے دن کے بعد رات کو میں ام مسطح کے ساتھ نکلی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہ پھسلیں اور انہوں نے اپنے بیٹے مسطح کو کوسا، میں نے منع کیا پھر پھسلیں، پھر کوسا، میں نے پھر روکا۔ پھر الجھیں، پھر کوسا تو میں نے انہیں ڈانٹنا شروع کیا۔ اس میں ہے کہ اسی وقت سے مجھے بخار چڑھ آیا۔ اس میں ہے کہ میری والدہ کے گھر پہنچانے کیلئے میرے ساتھ حضور ﷺ نے ایک غلام کر دیا تھا۔ میں جب وہاں پہنچی تو میرے والد اوپر کے گھر میں تھے۔ تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور والدہ نیچے کے مکان میں تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی میری والدہ نے دریافت فرمایا! آج کیسے آنا ہوا؟ تو میں نے تمام بپتا کہہ سنائی لیکن میں نے دیکھا کہ انہیں یہ بات نہ کوئی انوکھی بات معلوم ہوئی نہ اتنا صدمہ اور رنج ہوا جس کی توقع مجھے تھی۔ اس میں ہے کہ میں نے والدہ سے پوچھا کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا اور رسول اللہ ﷺ تک بھی یہ بات پہنچی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ اب تو مجھے پھوٹ پھوٹ کر رونا آنے لگا یہاں تک کہ میری آواز اوپر میرے والد صاحب کے کان میں بھی پہنچی وہ جلدی سے نیچے آئے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے کہا کہ انہیں اس تہمت کا علم ہوگیا ہے جو ان پر لگائی گئی ہے، یہ سن کر اور میری حالت دیکھ کر میرے والد صاحبؓ کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور مجھ سے کہنے لگے بیٹی میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ ابھی اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس چلی گئی۔ یہاں میرے پیچھے گھر کی خادمہ سے بھی میری بابت رسول اللہ ﷺ نے اور لوگوں کی موجودگی میں دریافت فرمایا۔ جس پر اس نے جواب دیا کہ میں عائشہ میں کوئی برائی نہیں دیکھتی بجز اس کے کہ وہ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، بے خبری سے سو جاتی ہیں۔ بسا اوقات آٹا بکریاں کھا جاتی ہیں۔ بلکہ اسے بعض لوگوں نے بہت ڈانٹا ڈپٹا بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ سچ بات جو ہو بتا دے اس

ہے۔ لیکن اس نے کہا واللہ ایک سنار خالص سونے میں جس طرح کوئی عیب کسی طرح تپا تپا کر بھی بتا نہیں سکتا۔ اسی طرح صدیقہ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتی۔ جب اس شخص کو یہ اطلاع پہنچی جنہیں بدنام کیا جارہا تھا تو اس نے کہا قسم اللہ کی میں نے تو آج تک کسی عورت کا بازو بھی کھولا ہی نہیں۔ بالآخر یہ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے (رضی اللہ عنہ) اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس عصر کی نماز کے بعد تشریف لائے تھے۔ اس وقت میری ماں اور میرے باپ میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ انصاریہ عورت جو آئی تھیں وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی تھیں اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے مجھے نصیحت شروع کی اور مجھ سے حقیقت حال دریافت کی تو میں نے کہا ہائے کیسی بے شرمی کی بات ہے؟ اس عورت کا بھی تو خیال نہیں؟ اس میں ہے کہ میں نے بھی اللہ کی حمد وثناء کے بعد جواب دیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس وقت ہر چند حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تلاش کیا لیکن واللہ وہ زبان پر نہ چڑھا، اسلئے میں نے ابو یوسف کہہ دیا۔ اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وحی کے اترنے کے بعد مجھے خوشخبری سنائی واللہ اس وقت میرا غم بھرا غصہ بہت ہی بڑھ گیا تھا۔ میں نے اپنے ماں باپ سے بھی کہا تھا کہ میں اس معاملے میں تمہاری بھی شکر گزار نہیں۔ تم سب نے ایک بات سنی لیکن نہ تم نے انکار کیا نہ تمہیں ذرا غیرت آئی۔ اس میں ہے کہ اس قصے کو زبان پر لانے والے حمنہ بنت جحش، مسطح، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ یہ سب کا سرغنہ تھا اور یہی زیادہ تر لگاتا بجھاتا تھا اور حدیث میں ہے کہ میرے عذر کی یہ آیتیں اترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو تہمت کی حد لگائی یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر تہمت لگنے کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ اس کا علم آپ کے والد اور حضور ﷺ کو ہو چکا ہے تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ذرا ہوش میں آئیں تو سارا جسم تپ رہا تھا اور زور کا بخار چڑھا ہوا تھا اور کانپ رہی تھیں۔ آپ کی والدہ نے اسی وقت لحاف اوڑھا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ آئے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا جاڑے سے بخار چڑھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید اس خبر کو سن کر یہ حال ہو گیا ہوگا؟ جب آپ کے عذر کی آیتیں اتریں اور آپ نے انہیں سن کر فرمایا کہ یہ اللہ کے فضل سے ہے نہ کہ آپ کے فضل سے۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا تم رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کہتی ہو؟ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہاں۔ اب آیتوں کا مطلب سنئے جو لوگ جھوٹ بہتان گھڑی ہوئی بات لے آئے اور وہ ہیں بھی زیادہ اسے تم اے آل ابی بکرؓ اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ انجام کے لحاظ سے دین ودنیا میں وہ تمہارے لئے بھلا ہے۔ دنیا میں تمہاری صداقت ثابت ہوگی، آخرت میں بلند مراتب ملیں گے۔ حضرت عائشہ کی براءت قرآن کریم میں نازل ہوگی، جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابن عباسؓ اماں صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المؤمنین آپ خوش ہو جایئے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ رہیں اور حضور ﷺ محبت سے پیش آتے رہے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت

قرآن میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطلؓ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا تو بتاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مؤمنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا۔ اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے، جو اسے ادھر ادھر پھیلا تا رہا ہے اس کیلئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے گو کسی کسی نے کہا کہ مراد اس سے حسان ہیں لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ چونکہ یہ قول بھی ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں بیان کر دیا ورنہ اس کے بیان میں بھی چنداں نفع نہیں کیونکہ حضرت حسانؓ بڑے بزرگ صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی بہت سی فضیلتیں اور بزرگیاں احادیث میں موجود ہیں۔ یہی تھے جو کافر شاعروں کی ہجو کے شعروں کا اللہ کے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے تھے۔ انہی سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم کفار کی مذمت بیان کرو جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت مسروقؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا۔ حکم دیا کہ ان کیلئے گدی بچھا دو، جب وہ واپس چلے گئے تو میں نے کہا کہ آپ انہیں کیوں آنے دیتی ہیں؟ ان کے آنے سے کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ان میں سے جو تہمت کا والی ہے اس کیلئے بڑا عذاب ہے تو ام المؤمنین نے فرمایا اندھا ہونے سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا یہ نابینا ہو گئے تھے۔ تو فرمایا شاید یہی عذاب عظیم ہو۔ پھر فرمایا تمہیں نہیں خبر؟ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کافروں کے ہجو والے اشعار کا جواب دینے پر مقرر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسانؓ نے اس وقت حضرت عائشہ کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاکدامن، بھولی، تمام اوچھے کاموں سے، غیبت اور برائی سے پرہیز کرنے والی ہیں، تو آپ نے فرمایا تم تو ایسے نہ تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھے حضرت حسانؓ کے شعروں سے زیادہ اچھے اشعار نظر نہیں آتے اور میں جب کبھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان جنتی ہیں۔ وہ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو خطاب کر کے اپنے شعروں میں فرماتے ہیں تو نے محمد ﷺ کی ہجو کی ہے، جس کا میں جواب دیتا ہوں اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے پاؤں گا۔ میرے باپ دادا اور میری عزت آبرو سب محمد ﷺ پر قربان ہے، میں ان سب کو فنا کر کے بھی تمہاری بدزبانیوں کے مقابلے سے ہٹ نہیں سکتا۔ تجھ جیسا شخص جو میرے نبی ﷺ کے کف پا کی ہمسری بھی نہیں کر سکتا حضور ﷺ کی ہجو کرے؟ یاد رکھو کہ تم جیسے بد حضور ﷺ جیسے نیک پر فدا ہیں۔ جب تم نے حضور ﷺ کی ہجو کی ہے تو اب میری زبان سے جو تیز دھار اور بے عیب تلوار سے بھی تیز ہے۔ بچ کر تم کہاں جاؤ گے؟ ام المؤمنین سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں لغو کلام تو شاعروں کی وہ بکواس ہے جو عورتوں وغیرہ کے بارے میں ہوتی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا قرآن میں نہیں کہ اس تہمت میں بڑا حصہ لینے والے کیلئے برا عذاب ہے؟ فرمایا ہاں لیکن کیا جو عذاب انہیں ہوا بڑا نہیں؟ آنکھیں ان کی جاتی رہیں، تلوار ان پر اٹھی، وہ تو کہئے حضرت صفوان رک گئے ورنہ عجب نہیں کہ ان کی نسبت یہ بات سن کر انہیں قتل ہی کر ڈالتے۔

(تفسیر ابن کثیر)

وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾

اخلاق و آداب کی تعلیم:

ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ یہ کلام سنتے ہی اپنی شرعی ماں کے ساتھ کم از کم وہ خیال کرتے جو اپنے نفسوں کے ساتھ کرتے، جب کہ وہ اپنے آپ کو بھی ایسے کام کے لائق نہ پاتے تو شان ام المؤمنین کو اس سے بہت اعلیٰ اور بالا جانتے۔ ایک واقعہ بھی بالکل اسی طرح کا ہوا تھا۔ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ سے ان کی بیوی صاحبہ ام ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے وہ بھی سنا جو حضرت عائشہ کی نسبت کہا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور یہ یقینا جھوٹ ہے۔ ام ایوب تم ہی بتاؤ کیا تم کبھی ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ نعوذ باللہ ناممکن۔ آپ نے فرمایا پس حضرت عائشہ تو تم سے کہیں افضل اور بہتر ہیں۔ پس جب آیتیں اتریں تو پہلے تو بہتان بازوں کا ذکر ہوا۔ یعنی حضرت حسانؓ اور ان کے ساتھیوں کا پھر ان آیتوں کا ذکر ہوا۔ حضرت ابوایوبؓ اور ان کی بیوی صاحبہ کی اس بات چیت کا جو اوپر مذکور ہوئی۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ مقولہ حصرت ابی بن کعبؓ کا تھا۔ الغرض مؤمنوں کو صاف باطن رہنا چاہئے اور اچھے خیال کرنے چاہئیں بلکہ زبان سے بھی ایسے واقعہ کی تردید اور تکذیب کر دینی چاہئے۔ اس لئے کہ جو کچھ واقعہ گزرا اس میں شک شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھلم کھلا سواری پر سوار دن دیہاڑے بھرے لشکر میں پہنچی ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اگر اللہ نہ کرے خاکم بدہن کوئی بھی ایسی بات ہوتی تو یہ اس طرح کھلے بندوں عام مجمع میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہو جاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں کی زبان نے جو قصہ گھڑا وہ محض جھوٹ بہتان اور افترا ہے۔ جس سے انہوں نے اپنے ایمان اور اپنی عزت کو غارت کیا۔ پھر فرمایا کہ ان بہتان بازوں نے جو کچھ کہا اپنی سچائی پر چار گواہ واقعہ کے کیوں پیش نہیں کئے؟ اور جب کہ یہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو شرعاً اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔ فاسق و فاجر ہیں۔

پہلے تحقیق کرو پھر بولو:

پہلے تو نیک گمانی کا حکم دیا۔ یہاں دوسرا حکم دے رہا ہے کہ بھلے لوگوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بغیر تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہئے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے۔ کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہئیں گو دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرما لیا ہے، جب تک وہ زبان سے نہ کہیں یا عمل میں نہ لائیں (بخاری ومسلم) تمہیں چاہئے تھا کہ ایسے بے ہودہ کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ہم ایسی لغویات سے اپنی زبان نہیں بگاڑتے۔ ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے خلیل اور اس کے رسول ﷺ کی بیوی صاحبہ کی نسبت کوئی ایسی لغویات کہیں، اللہ کی ذات پاک ہے۔ دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایمان سے ہی کورا ہو تو

وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ احکام شرعیہ کو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ ...

اس آیت میں بطور قاعدہ کلیہ ایک بات بتا دی اور یہ فرمایا کہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ کو تہمت لگانے میں حصہ لیا اس میں ان کو بھی تنبیہ ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی تنبیہ ہے تہمت لگانا تو گناہ ہے ہی اگر کوئی شخص کسی کو تہمت لگا دے یا کسی شخص سے بے حیائی کا گناہ صادر ہو ہی جائے اور اس کا کسی کو پتہ چل جائے تب بھی اس بات کو نہ اچھالے گناہ گار کی پردہ پوشی کرے ہاں سمجھانے کا اہل ہو تو اصلاح کی نیت سے احسن طریقہ پر سمجھا دے اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص نے بے حیائی کا کام کیا ہے تو امیر المؤمنین یا قاضی حسب قانون شرعی حد جاری کر دے اس حد جاری کرنے میں بھی بے حیائی کی روک تھام ہے۔ بے حیائی کا عملی طور پر پھیلانا یا کسی بے حیائی والے کام کا چرچا کرنا اور شہرت دینا یہ سب يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ میں داخل ہے جو لوگ ایسی حرکت کریں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم کی وعید بیان فرمائی۔

آج کل فواحش اور منکرات کا زور ہے یہود و نصاریٰ مسلمانوں میں بے حیائی کا رواج دینے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمان خود بھی ایسی ایسی فلمیں دیکھتے اور بناتے ہیں اور ایسے ایسے اخبار و رسالے شائع کرتے ہیں اور ایسے ایسے ناول اور افسانے لکھتے ہیں جن سے مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہوتا ہے ان کو سب (لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) کی وعید شامل ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقِ الشَّيْطٰنِ ۭ اَيْ تَزْيِيْنِهٖ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ اَيِ الْمُتَّبَعُ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ اَيِ الْقَبِيْحِ وَالْمُنْكَرِ ۭ شَرْعًا بِاتِّبَاعِهَا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ بِمَا قُلْتُمْ مِنَ الْاِفْكِ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ اَيْ مَاصَلَحَ وَطَهُرَ مِنْ هٰذَا الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ مِنْهُ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ يُطَهِّرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ مِنَ الذَّنْبِ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهٖ مِنْهُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لِمَا قُلْتُمْ عَلِيْمٌ ۝ بِمَا قَصَدْتُمْ وَلَا يَاْتَلِ يَحْلِفْ اُولُوا الْفَضْلِ اَيْ اَصْحَابُ الْغِنٰى مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ نَزَلَتْ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ حَلَفَ اَنْ لَا يُنْفِقَ عَلٰى مِسْطَحٍ وَهُوَ ابْنُ خَالَتِهٖ مِسْكِيْنٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِيٌّ لِمَا خَاضَ فِي الْاِفْكِ بَعْدَ اَنْ كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَنَاسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا يَتَصَدَّقُوْا عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ مِنَ الْاِفْكِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ عَنْهُمْ فِيْ ذٰلِكَ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِلْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ بَلٰى اَنَا اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ وَرَجَعَ اِلٰى مِسْطَحٍ مَا كَانَ يُنْفِقُهٗ عَلَيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ بِالزِّنَا

الْمُحْصَنٰتِ الْعَفَائِفَ الْغٰفِلٰتِ عَنِ الْفَوَاحِشِ بِاَنْ لَا يَقَعَ فِي قُلُوْبِهِنَّ فِعْلُهَا الْمُؤْمِنٰتِ بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَوْمَ نَاصِبُهُ الْاِسْتِقْرَارُ الَّذِيْ تَعَلَّقَ بِهٖ لَهُمْ تَشْهَدُ بِالْفَوْقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَةِ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مِنْ قَوْلٍ وَفِعْلٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ يُجَازِيْهِمْ جَزَاءَهُ الْوَاجِبَ عَلَيْهِمْ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ حَيْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِيْ كَانُوْا يَشُكُّوْنَ فِيْهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللهِ ابْنُ اُبَيٍّ وَالْمُحْصَنٰتُ هُنَا اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُذْكَرْ فِيْ قَذْفِهِنَّ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذُكِرَ فِيْ قَذْفِهِنَّ اَوَّلَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ غَيْرُهُنَّ اَلْخَبِيْثٰتُ؟ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنَ الْكَلِمٰتِ لِلْخَبِيْثِيْنَ مِنَ النَّاسِ وَالْخَبِيْثُوْنَ مِنَ النَّاسِ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ مِمَّا ذُكِرَ وَالطَّيِّبٰتُ مِمَّا ذُكِرَ لِلطَّيِّبِيْنَ مِنَ النَّاسِ وَالطَّيِّبُوْنَ مِنْهُمْ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ مِمَّا ذُكِرَ اَيِ اللَّائِقُ بِالْخَبِيْثِ مِثْلُهٗ وَبِالطَّيِّبِ مِثْلُهٗ اُولٰٓئِكَ الطَّيِّبُوْنَ وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَصَفْوَانُ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ اَيِ الْخَبِيْثُوْنَ وَالْخَبِيْثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ فِيْهِمْ لَهُمْ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ النِّسَآءِ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ فِي الْجَنَّةِ وَقَدِ افْتَخَرَتْ ع ۳ ۶ ۹
عَائِشَةُ بِاَشْيَاءَ مِنْهَا اَنَّهَا خُلِقَتْ طَيِّبَةً وَّوُعِدَتْ مَغْفِرَةً وَّرِزْقًا كَرِيْمًا

ترجمہ: اے ایمان والوں تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو (یعنی شیطانی راستہ پر جو اس کا مزین کیا ہوا ہے) اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ (متبوع شیطان) بے حیائی اور نا معقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا (اے جماعت مومن جو کچھ تم نے تہمت کے سلسلہ میں کہا تھا توبہ کر کے) تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا (اس گناہ کی گندگی سے) اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک وصاف کر دیتا ہے (گناہ سے اس کی توبہ قبول کر کے اس سے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا (ہے جو کچھ بھی تم نے کہا) سب کچھ جانتا ہے (جس چیز کا بھی تم نے قصد کیا) اور جو لوگ تم میں وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت والوں کو اپنے سے قسم نہ کھا بیٹھیں (یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے اس واقعہ میں نازل ہوئی کہ انھوں نے حضرت مسطحؓ کے بارے میں فرمایا: (جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے مسکین اور مہاجر بدری تھے جنھوں نے قصہ افک میں حصہ لیا تھا) کہ وہ ان پر خرچ نہ کریں گے اور اس پر قسم کھائی اور نیز کچھ اور حضرات صحابہؓ نے بھی قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا ہے وہ ان پر صدقہ نہیں کریں گے اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں (ان قصور کرنے والوں سے اس سلسلہ میں) کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے بیشک اللہ تعالیٰ مومنین کے حق میں) غفور ورحیم ہے (حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کو سنکر ارشاد فرمایا جی ہاں میں پسند کرتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے اور جو کچھ وہ حضرت مسطحؓ پر صرف فرماتے تھے اس کو جاری فرمادیا اور جو لوگ زنا کاری تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں اور ایسی باتوں سے بھی محض بے خبر ہیں (کہ اس فعل فحش کو اختیار کرنے کا خیال تک بھی ان کے دلوں میں نہیں گذرتا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول پر) ایمان رکھنے والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا جس روز (یوم کو نصب فعل استقر محذوف نے نصب دیا ہے کہ جس کا تعلق اس کے ساتھ لھم سے ہے یشھد یاء اور تاء کے ساتھ ہے) ان کے خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی ان کاموں کی کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے (قولی ہوں یا فعلی اور وہ قیامت کا دن ہے) اس روز اللہ ان کو انکا واجبی بدلہ (الذین جزاء کے معنی اور الحق ثابت واجب کے معنی میں ہے) پورا پورا دے گا اور ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور بات کی حقیقت کو کھولدینے والا ہے (بایں صورت کہ جس بدلہ اور جزاء سے متعلق وہ لوگ شک وشبہ کرتے تھے جن میں رئیس منافق عبداللہ بن ابی بھی ہے ان پر ان کا بدلہ اور جزاء متحقق ہوجائے گی اور اس آیت میں والمحصنت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ازواج ہیں کہ ان کی تہمت کے باب میں توبہ کا ذکر نہیں اور جن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے حق میں توبہ کا تذکرہ سورت کے ابتدائی حصہ میں ہوا ہے وہ ازواج مطہرات کے علاوہ ہیں۔ گندی عورتیں (اور گندے کلمات) گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ خبیث کے لیے خبیث ہی لائق اور طیب اور پاکیزہ کے لیے طیب اور پاکیزہ ہی لائق ہوتے ہیں) یہ (پاکیزہ مرد اور عورتیں اور ان میں حضرت عائشہؓ اور حضرت صفوانؓ بھی ہیں) اس بات سے پاک ہیں جو یہ خبیث مرد عورتیں بکتے پھرتے ہیں ان حضرات کے لیے آخرت میں مغفرت اور عزت کی روزی (جنت میں) ہے۔ حضرت عائشہؓ چیزوں پر فخر فرماتی تھیں ان میں سے یہ بھی کہ میں پاکیزہ پیدا ہوئی ہوں اور مغفرت ورزق کریم کا وعدہ دے گئی ہوں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: خُطُوٰتِ: راستے، یعنی بے حیائی کو ہوا دے کر شیطانی راہ مت چلو۔

قولہ: مَنْ یَّتَّبِعْ: اس سے اتباع کی ممانعت کی علت بتائی۔

قولہ: رَحْمَتُہٗ: توبہ کی توفیق دی۔

قولہ: اَصْحَابُ الْغِنٰی: اس سے صدیق اکبرؓ کا مقام ومرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔

قولہ: وَلْیَعْفُوْا: جو ان سے زیادتی ہوگئی وہ چشم پوشی کریں۔

قولہ: اَلْاِسْتِقْرَارُ: یوم کو الاستقرار نے نصب دیا جس کے ساتھ لھم کا تعلق ہے۔ نہ کہ عذاب نے۔

قولہ: تَشْھَدُ عَلَیْھِمْ اَلْسِنَتُھُمْ: ایک موقعہ پر زبان گواہی دے گی دوسرے موقعہ پر بند کردی جائے گی۔

قولہ: ھُوَ الْحَقُّ: وہ اپنی ذات کے لحاظ سے ثابت اور اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

قولہ: غیر ھنی: یہ من مبتداء کی خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ : یعنی شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہیے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں۔ تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا سا چرکا لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اسکے قدم پر چل پڑے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝: یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑ تا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہیے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ....

حضرت عائشہ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکر ؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبر ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابو بکر ؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انھیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لیے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہیے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خو اختیار کرنی چاہیے۔ گویا اس میں تخلق باخلاق اللہ کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے جب سنا (اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ) (النور: ۲۲) (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟) تو فوراً بول اٹھے: بَلٰی یَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ....

اس آیت میں بظاہر مکرر وہ مضمون بیان ہوا ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آیات قذف میں آ چکا ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ لیکن درحقیقت ان دونوں میں ایک بڑا فرق ہے کیونکہ آیات حد قذف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء، اوران کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے۔ اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم بلا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی اور پھر اس سے توبہ نہیں کی، یہاں تک کہ قرآن میں ان کی براءت نازل ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اس افتراء پر قائم اور تہمت کا چرچا کرنے میں مشغول رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کسی مسلمان سے ممکن نہیں اور جو مسلمان بھی نصوص قرآن کا ایسا خلاف کرے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اس لئے یہ مضمون ان منافقین کے بارے میں آیا ہے جنہوں نے آیات براءت صدیقہ نازل ہونے کے بعد بھی اس مشغلہ تہمت کو نہیں چھوڑا ان کے کافر منافق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں تائبین کے لئے اللہ تعالیٰ نے فضل اللہ ورحمتہ، فرما کر مرحوم دارین قرار دیا اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو اس آیت میں ملعون دنیا و آخرت فرمایا۔ تائبین کو عذاب سے نجات کی بشارت دی اور غیر تائبین کے لئے عذاب عظیم کی وعید فرمائی۔ تائبین کو فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ فرما کر مغفرت کی بشارت دی اور غیر تائبین کو اگلی آیت يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ میں معافی نہ ہونے کی وعید فرمائی۔ (کذا ذکرہ سیدی فی بیان القرآن) (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ ....

اس آیت میں فرمایا کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، اس میں اول تو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعتوں میں جوڑ رکھا ہے گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی اور بدکار عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اسی طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کی طرف اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی طبعی رغبت کی مناسبت کی وجہ سے اچھوں کو اچھا جوڑ مل جاتا ہے اور بروں کو برا جوڑ احاصل ہوتا ہے اس سے معلوم ہو گیا حضرات انبیاء کرام کو جو اللہ تعالیٰ نے بیویاں عطا فرمائیں وہ پاکیزہ بیویاں تھیں رسول اللہ ﷺ جو تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں ان کی ازواج بھی طاہرات اور مطہرات اور پاکیزہ ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں سردار انبیاء ﷺ کی زوجیت کا شرف عطا فرمادیا تو اب ان کے بارے میں بری بات کا خیال کرنا اور زبان پر لانا رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس پر حملہ کرنے کے مترادف ہوا۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں (جنہوں نے بری بات کو اٹھایا اور آگے بڑھایا اور پھیلایا اور پھر آیت قرآنیہ نازل ہونے پر بھی توبہ نہ کی) لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فرمادیا اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ (یہ پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورتیں ان چیزوں سے بری ہیں جو لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں تہمت لگاتے ہیں) (لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞ (ان کیلئے گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے) یعنی ان کیلئے جنت ہے جس میں عزت کے ساتھ کھائیں گے۔

مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ میں حضرت عائشہؓ کی برأت کی تصریح کے ساتھ حضرت صفوان بن معطلؓ کی برأت کی بھی تصریح آ گئی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۵)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے چند چیزوں پر فخر ہے پھر اس کو اس طرح بیان فرماتی تھیں: (۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے علاوہ کسی باکرہ یعنی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا (۲) رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ میری گود میں تھے۔ (۳) اور آپ میرے گھر میں دفن ہوئے۔ (٤) اور آپ کے اوپر (بعض مرتبہ) ایسی حالت میں وحی آتی تھی کہ آپ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتے تھے۔ (٥) اور آسمان سے میری برأت نازل ہوئی۔ (٦) میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور دوست (یار غار) کی بیٹی ہوں۔ (۷) اور میں پاکیزہ پیدا کی گئی۔ (۸) اور مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا۔

اور الاصابہ میں بحوالہ طبقات ابن سعد حضرت عائشہؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ مجھے چند ایسی نعمتیں عطا کی گئی ہیں جو میرے علاوہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ (۱) میں سات سال کی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا ہے۔ (۲) فرشتہ میری صورت آپ کے پاس ایک ریشمی کپڑے میں لے کر آیا تاکہ آپ ﷺ مجھے دیکھ لیں۔ (۳) میں نو سال کی تھی جب زفاف ہوا۔ (٤) میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ (٥) میں بیویوں میں آپ کی سب سے زیادہ محبوب تھی۔ (٦) میں نے آپ کی آخری حیات میں آپ کی تیمارداری کی میرے ہی پاس آپ کی وفات ہوئی آپ کی وفات کے وقت میرے اور فرشتوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ (انتھی) (وراجع الدر المنثور ج ٥ ص ۳٦)

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچہ کو قوت گویائی دی اور اس کے ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جبکہ وہ گود ہی میں تھے) ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی اور ان کی برأت ظاہر فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد آیات نازل فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جو تہمت لگائی گئی تھی قرآن مجید میں ان کی برأت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو جھوٹا قرار دیا اور جنہوں نے آیت نازل ہونے کے بعد بھی اعتقاداً تہمت سے توبہ نہ کی ان کے لیے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے لیے عذاب عظیم ہے اور یہ بھی فرمایا ان کی حرکت کا اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا اَیْ تَسْتَاْذِنُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا فَيَقُوْلُ الْوَاحِدُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَ اَدْخُلُ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنَ الدُّخُوْلِ بِغَيْرِ اِسْتِئْذَانٍ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الذَّالِ خَيْرِيَّتَهٗ فَتَعْمَلُوْنَ بِهٖ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا يَاْذَنُ لَكُمْ فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ بَعْدَ الْاِسْتِئْذَانِ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَيِ الرُّجُوْعُ اَزْكٰى اَیْ خَيْرٌ

لَكُمْ ۚ مِنَ الْقُعُوْدِ عَلَى الْبَابِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مِنَ الدُّخُوْلِ بِاِذْنٍ وَغَيْرِ اِذْنٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ اَىْ مُنْفَعَةٌ لَكُمْ ۚ بِاسْتِكْنَانٍ وَغَيْرِهٖ كَبُيُوْتِ
الرُّبُطِ وَالْخَانَاتِ الْمُسَبَّلَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ تُظْهِرُوْنَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾ تُخْفُوْنَ فِيْ دُخُوْلِ غَيْرِ بُيُوْتِكُمْ
مِنْ قَصْدِ صَلَاحٍ اَوْ غَيْرِهٖ وَسَيَاْتِيْ اَنَّهُمْ اِذَا دَخَلُوْا بُيُوْتَهُمْ يُسَلِّمُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا
مِنْ اَبْصَارِهِمْ عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ نَظَرُهٗ وَمِنْ زَائِدَةٌ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ فِعْلُهٗ بِهَا ذٰلِكَ اَزْكٰى
اَىْ خَيْرٌ لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ بِالْاَبْصَارِ وَالْفُرُوْجِ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُنَّ نَظَرُهٗ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ عَمَّا لَا يَحِلُّ فِعْلُهٗ بِهَا وَلَا يُبْدِيْنَ يُظْهِرْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ فَيَجُوْزُ نَظَرُهٗ لِاَجْنَبِيٍّ اِنْ لَمْ يَخَفْ فِتْنَةً فِيْ اَحَدِ الْوَجْهَيْنِ
وَالثَّانِيْ يَحْرُمُ لِاَنَّهٗ مَظَنَّةُ الْفِتْنَةِ وَرُجِّحَ حَسْمًا لِلْبَابِ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ اَىْ يَسْتُرْنَ
الرُّءُوْسَ وَالْاَعْنَاقَ وَالصُّدُوْرَ بِالْمَقَانِعِ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ الْخَفِيَّةَ وَهِيَ مَا عَدَا الْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ اِلَّا
لِبُعُوْلَتِهِنَّ جَمْعُ بَعْلٍ اَىْ زَوْجٍ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ فَيَجُوْزُ لَهُمْ نَظَرُهٗ اِلَّا مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ فَيَحْرُمُ
نَظَرُهٗ لِغَيْرِ الْاَزْوَاجِ وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الْكَافِرَاتُ فَلَا يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمٰتِ الْكَشْفُ لَهُنَّ وَشَمَلَ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُنَّ الْعَبِيْدَ اَوِ التّٰبِعِيْنَ فِيْ فُضُوْلِ الطَّعَامِ غَيْرِ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ اُولِي الْاِرْبَةِ اَصْحَابِ
الْحَاجَةِ اِلَى النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ بِاَنْ لَمْ يَنْتَشِرْ ذَكَرُ كُلٍّ اَوِ الطِّفْلِ بِمَعْنَى الْاَطْفَالِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
يَطَّلِعُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ لِلْجِمَاعِ فَيَجُوْزُ اَنْ يُبْدِيْنَ لَهُمْ مَا عَدَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ
لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ مِنْ خَلْخَالٍ يَتَقَعْقَعُ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ
النَّظَرِ الْمَمْنُوْعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾ تَنْجُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ لِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ مِنْهُ وَفِي الْاٰيَةِ تَغْلِيْبُ
الذُّكُوْرِ عَلَى الْاِنَاثِ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ جَمْعُ اَيِّمٍ وَهِيَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَمَنْ

لَيْسَ لَهٗ زَوْجَةٌ وَهٰذَا فِي الْأَحْرَارِ وَالْحَرَائِرِ وَالصّٰلِحِيْنَ أَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ وَعِبَادٌ مِنْ
جُمُوْعِ عَبْدٍ إِنْ يَّكُوْنُوْا أَيِ الْأَحْرَارُ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ بِالتَّزَوُّجِ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٢﴾ بِهِمْ وَ
لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا أَيْ مَا يَنْكِحُوْنَ بِهٖ مِنْ مَهْرٍ وَنَفَقَةٍ مِنَ الزِّنَا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ يُوَسِّعَ
عَلَيْهِمْ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ فَيَنْكِحُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ
وَالْإِمَاءِ فَكَاتِبُوْهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ أَيْ أَمَانَةً وَقُدْرَةً عَلَى الْكَسْبِ لِأَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيْغَتُهَا مَثَلًا
كَاتَبْتُكَ عَلٰى أَلْفَيْنِ فِيْ شَهْرَيْنِ كُلَّ شَهْرٍ أَلْفٌ فَإِذَا أَدَّيْتَهُمَا فَأَنْتَ حُرٌّ فَيَقُوْلُ قَبِلْتُ ذٰلِكَ وَآتُوْهُمْ أَمْرٌ
لِلسَّادَةِ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتٰىكُمْ ۗ مَا يَسْتَعِيْنُوْنَ بِهٖ فِيْ أَدَاءِ مَا الْتَزَمُوْهُ لَكُمْ وَفِيْ مَعْنَى الْإِيْتَاءِ حَطُّ شَيْءٍ مِّمَّا
الْتَزَمُوْهُ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ أَيْ إِمَائِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ أَيِ الزِّنَا إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهٰذِهِ الْإِرَادَةُ
مَحَلُّ الْإِكْرَاهِ فَلَا مَفْهُوْمَ لِلشَّرْطِ لِّتَبْتَغُوْا بِالْإِكْرَاهِ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ نَزَلَتْ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ كَانَ
يُكْرِهُ جَوَارِيَ لَهٗ عَلَى الْكَسْبِ بِالزِّنَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ لَهُنَّ رَّحِيْمٌ ﴿٣٣﴾ لَهُنَّ وَ
لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بُيِّنَ فِيْهَا مَا ذُكِرَ أَوْ بَيِّنَةً وَّمَثَلًا أَيْ خَبَرًا
عَجِيْبًا وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ أَيْ مِنْ جِنْسِ أَمْثَالِهِمْ أَيْ
أَخْبَارِهِمُ الْعَجِيْبَةِ كَخَبَرِ يُوْسُفَ وَمَرْيَمَ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ ع ۸ ۴ ۱۰
دِيْنِ اللّٰهِ الخ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ الخ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا الخ وَ
تَخْصِيْصُهَا بِالْمُتَّقِيْنَ لِأَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور سلام نہ کرلو، ان کے رہنے والوں کو (چنانچہ ایک شخص یوں کہے السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے) یہی تمہارے لیے بہتر ہے (بغیر اجازت داخل ہونے سے) تاکہ تم خیال رکھو (تذکرون میں تائے ثانیہ کو ذال میں ادغام کرکے) یاد رکھو اس کی عمدگی کو اور اس پر عمل کرو پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اجازت نہ دیا جائے اور اگر (اجازت طلب کرنے کے بعد) تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تم لوٹ آیا کرو یہی (لوٹ جانے والی) بات تمہارے لیے بہتر ہے (دروازہ پر بیٹھے رہنے سے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی (جو تم کرتے ہو (جیسے اجازت اور بغیر

اجازت کے داخل ہونا) خبر ہے اور تم کو ایسے مکانات میں بلا اجازت چلے جانے میں گناہ نہ ہوگا جن میں گھر کے طور پر کوئی نہ رہتا ہو اس میں کچھ چیز (منفعت کی) ہو تمہاری (جیسے گرمی وسردی وغیرہ سے بچاؤ اور رکھ رکھاؤ کے لیے اور جیسے جانوروں کے باندھنے جگہیں اور سرائیں برائے مسافر) اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے دوسرے کے گھروں میں اصلاح یا غیر اصلاح کے ارادے سے داخل ہونے کو قریب میں اس کا امر کا بیان آنے والا ہے کہ جب اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفوس کو سلام کرلو۔ آپ ﷺ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (ان سے کہ ان پر نظر کرنا ان کے لیے حلال نہیں اور من زائدہ ہے) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (ان سے کہ ان کے لیے حلال نہیں ان شرم گاہوں کے ساتھ فعل کرنا) یہ ان کے لیے زیادہ صفائی (یعنی خیر) کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں (نگاہوں کے ذریعہ اور فروج کے ساتھ لہٰذا اس پر ان کو بدلہ دیا جائے گا) اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے کہہ دیئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (ان چیزوں سے جنکو دیکھنا حلال نہیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (ان سے کہ جو فعل ان شرمگاہوں کے ساتھ کرنا ان کے لیے حلال نہیں) اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس موقع زینت میں سے کھلا ہی رہتا ہے (اور وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں پس اجنبی کے لیے اس کو دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ہر دو جانب میں سے کسی بھی ایک جانب اور دوسرے حرام ہوگا کیونکہ فتنہ کا محل ہے اور فتنہ کے دروازہ کو بند اور ختم کرنے کی وجہ سے ثانی راجح ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں (سروں اور گردنوں (گریبان) اور سینوں کو اوڑھنیوں چادروں سے چھپالیں) اور اپنی (خفیہ) زینت کے مواقع مذکورہ کو کسی پر ظاہر ہونے دیں (اور وہ چہرہ اور کفین کے علاوہ ہے) مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹے پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر (پس جائز ہے ان سب کے لیے اس کو دیکھنا البتہ ناف اور گھٹنے کے درمیانی جگہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے پس شوہر کے علاوہ اس درمیانی جگہ کو دیکھنا حرام ہے اور (نسائھن) سے کافرات خارج ہوگئیں لہٰذا مسلمانوں عورتوں کے لیے کافرات کے لیے بدن کھولنا جائز نہیں ہے اور ما ملکت میں غلام بھی شامل ہیں) یا ان مردوں پر جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو (یعنی عورتوں کی طرف میلان رکھنے کی صلاحیت والے نہ ہوں بایں طور کہ ذکر میں انتشار نہ ہوتا ہو) یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے (جماع وغیرہ تو ان بچوں پر ناف سے گھٹنہ تک کی درمیانی جگہ کے علاوہ ظاہر کرنا جائز ہے) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے (جیسے پازیب کہ جس کی آواز نکلتی ہے) اور مسلمانوں تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو (جو (خلاف شرع تمہاری نظر پڑ گئی ہو یا اور اس کے علاوہ کوئی گناہ ہوا ہو (تا کہ تم فلاح پاؤ) اس سے نجات پاسکو توبہ کے قبول ہو جانے کی وجہ سے اور اس آیت میں عورتوں پر مردوں کو تغلیب حاصل ہے اور جو بے نکاح ہوں اپنے اندر تم ان کا نکاح کر دیا کرو (ایم کی جمع وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہوں یا کہ باکرہ یا ثیبہ اور وہ جس کی زوجہ نہ ہو اور یہ آزاد مردوں اور آزاد عورتوں دونوں کے حق میں یہ ہے) اور تمہارے غلام (مومن) اور لونڈیوں میں جو اس کے لائق ہوں ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو اور عباد، عبد کی جمع ہے) اگر وہ آزاد لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل [illegible] غنی کر [illegible] کرنا تھ اور اللہ

تعالیٰ (اپنی مخلوق کے سلسلہ میں) وسعت والا ہے (مخلوق کے حال) خوب جاننے والا ہے اور ایسے لوگوں کو ان کے نکاح کا سامان (یعنی وہ چیز جس سے نکاح کریں جیسے مہر نفقہ) نہیں ملتا (تو) ان کو چاہئے کہ (زنا میں مبتلاء ہونے سے) اپنے آپ کو قابو میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے (ان پر وسعت کھولدے تو پھر وہ نکاح کرلیں) اور تمہارے مملوکوں میں سے (خواہ غلام ہوں یا باندیاں) جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری کے آثار پاؤ (یعنی امانت اور مال کتابت کی ادائیگی کے لیے قدرت اکتساب نظر آئے اور صیغہ کتابت مثلاً میں نے تجھ کو دو ہزار روپے کے عوض مکاتب کردیا دو ماہ کی ادائیگی ہر ماہ ایک ہزار ادا کرنے کی شرط کے ساتھ لہٰذا اگر تو نے میری یہ رقم ادا کردی تو تو آزاد اس پر وہ غلام جواباً کہے کہ میں نے قبول کیا اس عقد کتابت کو!) اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (جس رقم کی ادائیگی تمہارے لیے اس غلام نے اپنے ذمہ لی ہے اس میں تعاون کرتے ہوئے ان کو تم بھی کچھ دو اور الایتاء کے معنی میں ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جس قدر بدل کتابت ان پر لازم کیا ہے اس میں سے کچھ معاف کردو گھٹا دو) اور اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں (زنا سے اور اس آیت میں ارادۂ احصان محل اکراہ میں ہے مطلب یہ ہے کہ بطور شرط نہیں) محض اس لیے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (زنا پر مجبور کرکے مال) تمکو حاصل ہو جائے (یہ آیت عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی وہ اپنی باندیوں پر زنا کے ذریعہ اکتساب مال پر مجبور کیا کرتا تھا) اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ان باندیوں کو بخشنے والا (اور ان پر) مہربان ہے اور ہم نے تمہارے پاس کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں (اس سورہ میں یاء پر فتحہ یعنی مذکورہ احکام اس میں نازل کیے گئے اور دوسری قراءت بالکسر ہے یعنی واضح اور کھلی ہوئی آیات) اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی (یا ان کے ہم جنس لوگوں کی عجیب خبریں حالات اور) بعض حکایات (جیسے حضرت یوسفؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات عجیب اور ان پر جھوٹ الزمات اسی طرح حضرت عائشہ کا واقعہ ہے جس کا تذکرہ اس سورت میں مذکور ہے وافتراء اور جھوٹ الزام میں مماثلث رکھتا ہے) اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت کی باتیں (نازل کی چنانچہ ان آیات میں ارشادات خداوندی مذکور ہیں جو خاص طور پر اہل تقویٰ کو نصائح پر مشتمل ہے چونکہ اہل تقویٰ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں بایں وہ خصوصیت کے ساتھ ان کا ہی تذکرہ ہے وہ آیات یہ ہیں: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ ......

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: غَيْرَ بُيُوتِكُمْ: اس جائے سکونت والے گھر مراد ہیں۔

قوله: تَسْتَأْنِسُوا: یہ اجازت طلب کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: ذٰلِكُمْ: اس کا مشار الیہ، استیذان اور سلام ہے۔

قوله: حَتّٰى يُؤْذَنَ: یعنی یہاں تک اجازت دینے والا شخص آئے۔

قوله: مِنَ الْقُعُوْدِ: اس لئے کہ یہ ترک مروت ہے۔

قوله: الرُّبُطِ: اصطبل، جانور باندھنے کا مقام۔ خانات، سرائیں۔

قوله: زِيْنَتَهُنَّ: اس سے زیورات اور کپڑے اور برق مراد ہیں۔

قوله: حَسْمًا لِلْبَابِ: قطع کرنا ختم کرنا۔ باب سے فتنہ کا دروازہ مراد ہے۔

قوله: بِاَنْ لَمْ يَنْتَشِرْ: یعنی مرد وعورت میں سے کسی کو شہوت نہ ہوتی ہو۔

قوله: خَلْخَالٍ: پازیب مردوں میں میلان پیدا کرتے ہیں۔ یہ اظہار زینت کی ممانعت سے بلیغ تر ہے۔ يَتَقَعْقَعُ حرکت کرنا۔

قوله: مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ: اس لئے کہ کوئی شخص کی کوتاہی سے بچا نہیں تو جو نظر وغیرہ پڑ گئی اس سے توبہ کرو۔

قوله: الصّٰلِحِيْنَ: اہتمام شان کی وجہ سے ان کا ذکر کیا یا نکاح اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے قابل۔

قوله: فَكَاتِبُوْهُمْ: یہ خبر ہے فا اس لئے ہے کہ مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: هٰذِهِ الْاِرَادَةُ: یہ ارادہ نہی کی شرط نہیں۔

قوله: الْاِكْرَاهِ: مواخذہ بالذات کے منافی نہیں اس وجہ سے مکرہ پر قتل کو حرام کیا گیا اور قصاص کو واجب کیا گیا۔

قوله: وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا: یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کے واقعہ کی طرح ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا ....

(ربط) گزشتہ آیات میں زنا کی تہمت کے احکام بیان کئے اب اس آیت میں کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرماتے ہیں تا کہ زنا اور بدگمانی اور تہمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔

یہاں سے سورۂ نور کا تیسرا رکوع شروع ہو رہا ہے شروع سورت سے فواحش اور بے حیائی کی روک تھام اور بے حیائی والے کام کی سزا اور تہمت لگانے کی مذمت کا بیان تھا۔ جو فواحش اور منکرات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ یوں ہی آن واحد میں موجود نہیں ہو جاتے، ان سے پہلے کچھ ایسے اسباب اور دواعی ہوتے ہیں جو قریب کرتے کرتے ایک دن بے حیائی کے کام پر ڈال دیتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا سبب ایسی جگہ نظر کا پڑ جانا بھی ہے جہاں نظر کا ڈالنا ممنوع ہے نظر کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے گھروں میں داخل ہونے کے واسطے اجازت لینے کا حکم دیا ہے اور ان آیات میں اجازت لینے کا قانون بتایا ہے، ارشاد فرمایا ہے کہ جو گھر تمہارے نہیں ہیں (یعنی جن میں تم نہیں رہتے) ان میں انسیت حاصل کیے بغیر داخل مت ہو۔ انسیت حاصل کرنے سے اجازت لینا مراد ہے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر (حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا) سے کی ہے۔ جو شخص اندر آنا چاہتا ہے اجازت لیتا ہے نام بتاتا ہے وہ صاحب خانہ سے مانوس ہوتا ہے اور انہیں اپنی ذات سے مانوس کرتا ہے اس لیے (حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا) فرمایا اور ساتھ ہی (وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا) بھی فرمایا یعنی اجازت لینے کے ساتھ سلام کرنے کا حکم دیا ایک صحابی

سلام کیے بغیر اور اجازت لیے بغیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہو گئے آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور یوں کہو السلام علیکم ادخل (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں)۔ (رواہ ابوداؤد)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ((لا تاذنو المن لم یبدا بالسلام)) (اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو جو سلام سے ابتدا نہ کرے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۱)

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا ....

(سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے) خالی گھر دیکھ کر اندر نہ چلے جاؤ کیونکہ اولاً تو یہ احتمال ہے کہ اس میں اندر کوئی آدمی موجود ہو لیکن تمہیں پتہ نہ چلا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مکان خالی ہی ہو تو تب بھی بلا اجازت اندر چلے جانا درست نہیں ہے کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں ایک طرح کا بلا اجازت تعرف کرنا ہوگا، جس گھر میں یہ احتمال ہے کہ کوئی شخص اندر نہیں ہے جب اس میں بلا اجازت اندر جانا ممنوع ہے تو جس مکان میں کسی مرد یا عورت کے موجود ہونے کا علم ہو اس میں بلا اجازت اندر جانا کیسے جائز ہوگا؟ اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ (اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لیے پاکیزہ ترین بات ہے)۔

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ جب کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت مانگو اور اندر سے یوں کہہ دیا جائے کہ واپس تشریف لے جائیے۔ (اس وقت موقع نہیں ہے یا ہماری اور آپ کی ایسی بے تکلفی نہیں جس کی وجہ سے اندر بلائیں زبان قال سے کہیں زبان حال سے محسوس ہو یا اور کوئی سبب ہو) تو واپس ہو جائیں اس میں خفت اور ذلت محسوس نہ کریں یہ جو فرمایا: فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ اس میں بتا دیا کہ جب اجازت مانگنے پر واپس ہونے کو کہہ دیا جائے تو واپس ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہیں دھرنا دیکر بیٹھ جائے اور وہاں سے نہ ٹلے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی۔ اگر پہلی ہی بار اندر سے جواب مل جائے تو آگے اجازت لینے کی فکر ہی میں نہ پڑے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی اور اگر پہلی بار اجازت لینے پر واپس ہونے کو کہہ دیا گیا تو اب اندر آنے کی ممانعت کے بعد بھی اجازت پر اصرار کرے تو اسے ذلیل ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

جب کسی گھر میں اندر جانے کی اجازت مانگی اور کوئی اندر سے نہ بولا پھر دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا اور تیسری بار بھی تو واپس ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اذا استاذن احد کم ثلاثا فلم یوذن فلیرجع))۔

(رواہ البخاری ص ۹۲۳)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے تین بار اجازت طلب فرمائی اندر سے جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے اندر سے حضرت سعد ؓ جلدی سے نکلے اور آپ کو اندر لے گئے اور آپ کی خدمت میں کھانے کے لیے کشمش پیش کیے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۹)

اس سے معلوم ہوا جب تین بار اجازت طلب کر لے پر بھی اجازت نہ ملے تو اس کے بعد اجازت لینے کے لیے چیختے رہنا مسلسل گھنٹیاں بجانا کواڑ پیٹنا یہ سب خلاف شریعت ہے اس میں اپنی جان کو بھی بے آبرو ہونے کے لیے پیش کرنا ہے اور

صاحب خانہ کو بھی دکھ دیتا ہے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا ...

اس آیت میں ان گھروں میں اجازت طلب کیے بغیر اندر جانے کی اجازت دیدی جن میں عموماً سب کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور جو کسی خاص فرد یا خاندان کی رہائش کے لیے مخصوص نہیں ہوتے جیسے رباطیں اور مسافر خانے اور مدرسے خانقاہیں ہسپتال ان میں اصول شریعت کے مطابق آنے جانے والوں کو نفع حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے ان میں داخل ہونے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہاں مسجد میں امام کا کمرہ مدرسوں میں طلبہ کے حجرے خانقاہوں میں ذاکرین کے خاص غرفے اداروں کے دفاتر جن میں سب کو آنے کی اجازت نہیں ان میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ تفسیر جلالین میں (بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: ای منفعۃ لکم باستکنان وغیرہ کبیوت الربط و الخانات المسبلۃ۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۷)

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے: ھی الخانات و البیوت و المنازل المبنیہ للسابلۃ لیاوو الیھا و یووا امتعتھم الیھا فیجوز دخولھا بغیر استئذان و للمنفعۃ فیھا بالنزول و ایواء المتاع و الاتقاء من الحر و البرد۔

اور حضرت عطا نے (بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے مراد ان گھروں سے ٹوٹے پھوٹے گرے پڑے ویران کھنڈر ہیں اور متاع سے تقاضائے حاجت مراد ہے مطلب یہ کہ ٹوٹے پھوٹے ویران کھنڈر گھروں میں پیشاب پاخانہ کی حاجت پورا کرنے کے لیے جاؤ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل ایضا)

تفسیر درمنثور میں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجر مکہ مدینہ اور شام اور بیت المقدس کے درمیان سفر کرتے ہیں اور راستوں میں گھر بنے ہوئے ہیں انہیں میں ٹھہر جاتے ہیں ان میں کوئی رہتا ہی نہیں ہے تو کس سے اجازت لیں کس کو سلام کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ نازل فرمائی اور مذکورہ گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دیدی۔ (درمنثور ج ۵ ص ۴۰)

احادیث شریفہ میں استئذان کے احکام و آداب:

ذیل میں چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جن میں کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت لینے کے احکام و آداب مذکور ہیں حضرت عبداللہ بسر نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی خاندان کے دروازہ پر تشریف لاتے (اور اجازت لینے کے لیے کھڑے ہوتے) تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کے دائیں جانب یا بائیں کھڑا ہو کر السلام علیکم فرماتے تھے اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہیں تھے۔ (رواہ ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ جب اندر آنے کی اجازت لینے لگے تو اپنی نظر کی حفاظت کرے تاکہ کھلے دروازے کے اندر سے یا کواڑوں کی شگاف سے اندر نظر نہ جائے، حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں

جو کسی کے لیے حلال نہیں ہیں (۱) کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ کچھ لوگوں کا امام بنے پھر دعا کرنے لگے تو انہیں چھوڑ کر اپنے ہی نفس کو دعاء کے لیے مخصوص کر لے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کی خیانت کی۔ (۲) اور اجازت سے پہلے کسی گھر کے اندر نظر نہ ڈالے اگر ایسا کیا تو اس گھر کے رہنے والوں کی خیانت کی۔ (۳) اور کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جب کہ پیشاب پاخانہ کو روکے ہوئے ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دروازہ کے سوراخ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں نظر ڈالی اس وقت آپ کے ہاتھ میں کنگھی کی قسم کی ایک چیز تھی جس سے سر مبارک کو کھجا رہے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو اس کنگھی کرنے کی چیز سے تیری آنکھوں کو زخمی کر دیتا، اجازت تو نظر ہی کی وجہ سے رکھی گئی ہے۔

(رواہ البخاری ص ۹۲۲)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: فان فعل فقد دخل یعنی جس نے اندر نظر ڈال دی تو وہ تو داخل ہی ہو گیا۔ (رواہ ابوداؤد) مطلب یہ ہے کہ دیکھ رہا ہے تو اجازت کیوں لے رہا ہے اجازت اسی لیے رکھی گئی ہے کہ صاحب خانہ اپنے خانگی احوال کو دکھانا نہیں چاہتا۔ جب اجازت سے پہلے دیکھ لیا تو گویا اندر ہی چلا گیا۔

جب اجازت لینے کے لیے کسی کا دروازہ یا گھنٹی بجائے اور اندر سے کوئی سوال کرے کہ کون ہے تو واضح طور پر اپنا نام بتا دے اور اہل خانہ نام سے بھی نہ پہچانتے ہوں تو اپنا صحیح پورا تعارف کرا دے۔ حضرت جابرؓ نے بیان فرمایا کہ میں اپنے والد کی قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے اندر سے فرمایا کون ہے؟ میں نے جواب میں عرض کر دیا انا (یعنی میں ہوں) آپ نے کراہت کے انداز میں فرمایا انا انا (رواہ البخاری ص ۹۲۳) مطلب یہ ہے کہ میں میں کرنے سے اہل خانہ کیا سمجھیں کہ کون ہے میں تو ہر شخص ہے۔

جس گھر میں کوئی شخص خود اکیلا ہی رہتا ہو اس میں تو اسے کسی استیذان یعنی اجازت لینے کی ضرورت نہیں دروازہ کھولے اندر چلا جائے۔ لیکن جس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہیں اگرچہ اپنے محارم ہوں (والدین بہن بھائی وغیرہ) تب بھی اندر جانے کی اجازت لے۔ حضرت عطاء بن یسار (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں آپ نے فرمایا اندر جانے کے لیے والدہ سے بھی اجازت لو اس شخص نے کہا میں تو والدہ کے ساتھ گھر میں رہتا ہی ہوں آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس سے اجازت لے کر اندر جاؤ اس شخص نے کہا کہ میں اپنی والدہ کا خدمت گزار ہوں (جس کی وجہ سے اکثر اندر آنا جانا پڑتا ہے) آپ نے فرمایا بہر صورت اجازت لے کر داخل ہو کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھ لے اس نے کہا یہ تو پسند نہیں ہے آپ نے فرمایا بس تو اس کے پاس اجازت لے کر جاؤ۔ (رواہ مالک وھو حدیث مرسل)

اگر کسی گھر میں صرف میاں بیوی رہتے ہوں تب بھی مستحب یہ ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے داخل ہونے سے پہلے کھانس سے کھنکار سے یا پاؤں کی آہٹ سے باخبر کر دے کہ میں آ رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ محترمہ نے بیان کیا کہ عبداللہ جب کبھی بھی باہر سے گھر میں آتے تو دروازے سے باہر کھنکار کے پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع دے دیتے

تھے تا کہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو ناپسند ہو۔ (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ)

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بیوی یہ سمجھ کر کہ میاں کو جلدی آنا نہیں ہے بناؤ سنگار کے بغیر گھر میں رہتی ہے ایسی حالت میں اچانک شوہر کی نظر پڑ جائے تو ایک طرح کی وحشت معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کے امور کی وجہ سے اسے بھی مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے کہ جس گھر میں صرف بیوی ہو اس میں بھی کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع دیکر داخل ہو گو میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں ہے۔

عورتیں بھی عورتوں کے پاس اجازت لے کر جائیں چونکہ معلوم نہیں کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کس حال میں ہے عورت کو بھی دوسری عورت کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے اگر وہ غسل کر رہی ہو یا کپڑے بدل رہی ہو تو بلا اجازت اس کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں بدن کے اس حصہ پر نظر پڑ جانے کا احتمال رہے گا جسے دوسرے عورت کو شرعاً دیکھنا جائز نہیں ہے (اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی) پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کسی ایسے شغل میں ہو جس کی وجہ سے بات کرنے کی فرصت نہ ہو یا اپنی مشغولیت سے کسی عورت کو باخبر کرنا مناسب نہ جانتی ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ام ایاس سے نقل کیا ہے کہ ہم چار عورتیں تھیں جو اکثر حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوا کرتی تھیں گھر میں جانے سے پہلے ہم ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کیا کرتی تھی جب اجازت دیتی تھیں تو ہم اندر چلی جاتی تھیں۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اجازت لینے والے کی آواز باہر سے پہنچ سکتی ہے ایسی صورت میں اجازت لینے والے کو السلام علیکم کہکر اور اپنا نام بتا کر اجازت لینا چاہیے تا کہ اندر سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے کہ تم کون ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے گئے تو باہر سے یوں کہا: السلام علیکم ھذا عبداللہ ابن قیس السلام ھذا ابو موسیٰ السلام علیکم ھذا الاشعری۔ (رواہ مسلم ج۲ ص۲۱۱)

اگر کسی شخص کو بلا کر بھیجا ہو اور جسے بلایا ہو وہ اسی وقت قاصد کے ساتھ آ گیا اور قاصد بغیر اجازت اسے اپنے ساتھ اندر لیجانے لگے تو اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ فقد روی ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دعی احدکم فجاء مع الرسول لہ اذن۔ (رواہ ابوداؤد) (وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بلانے گیا ہے وہی ساتھ لے کر اندر داخل ہو رہا ہے اسے معلوم ہے کہ اندر بلا اجازت چلے جانے کا موقع ہے)

فائدہ (۱): بعض متعلقین سے بہت زیادہ بے تکلفی ہوتی ہے اور ایسے دوست کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جاؤں گا تو صاحب خانہ کو تکلیف نہ ہوگی اور یہ موقع عورتوں کے پاس ہونے کا اور کسی راز کی بات کا نہیں ہے۔ ایسا شخص اپنے دوست کی عام اجازت پر (جو خاص طور سے اسے دی گئی ہو) نئی اجازت لیے بغیر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یوں ہی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے لیے میرے پاس آنے کی بس یہی اجازت ہے کہ تمہیں میری آہستہ کی آواز سن کر یہ پتہ چل جائے کہ میں اندر موجود ہوں تم پردہ اٹھاؤ اور تم اندر آ جاؤ۔ ہاں اگر میں منع کروں تو اور بات ہے۔ (رواہ مسلم)

فائدہ (۲): اجازت دینے کے لیے زبان ہی سے اجازت دینا ضروری نہیں اگر اجازت دینے کے لیے آپس میں کوئی

اصطلاح مقرر کر رکھی ہو اس کے مطابق عمل کر لیا جائے تو وہ بھی اجازت میں شمار ہوگا۔ حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا ایک بار دن کو ایک بار رات کو جانا ہوتا تھا جب میں رات کو جاتا تھا تو آپ کھنکار دیتے تھے۔

(رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۰۱)

فائدہ (۳): اگر کوئی شخص کسی شیخ یا استاد کے پاس جائے اور دروازہ بجائے بغیر وہیں دروازہ سے ہٹ کر ایک طرف اس انتظار میں بیٹھ جائے کہ اندر سے نکلیں گے تو بات کرلوں گا یا کوئی مسئلہ پوچھ لوں گا یا آپ کے ساتھ مدرسہ یا بازار جانے کے لیے ہمراہ ہو جاؤں گا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس سے اہل خانہ کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں ہوگی۔

فائدہ (۴): اگر کسی کے کواڑوں پر دستک دیں تو اتنے زور سے ہاتھ نہ ماریں کہ اہل خانہ پریشان ہو جائیں۔ سوتے ہوئے جاگ اٹھیں یا نماز پڑھنے والے تشویش میں پڑ جائیں اتنے آہستہ سے بجائے کہ اندر آواز پہنچ جائے کہ کوئی شخص دروازہ پر ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ....

نظر کی حفاظت اور عفت وعصمت کا حکم، محارم کا بیان:

ان دونوں آیتوں میں پردہ کے احکام بیان فرمائے ہیں اور اول تو مردوں اور عورتوں کو نظریں پست یعنی نیچی رکھنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں یعنی زنا نہ کریں۔ دونوں باتوں کو ساتھ جوڑ کر یہ بتا دیا کہ نظر کی حفاظت نہ ہوگی تو شرم گاہوں کی حفاظت بھی نہ رہے گی۔ گھروں میں جانے کے لیے جو اجازت لینے کا حکم ہے اس میں جہاں دیگر امور کی رعایت ملحوظ ہے وہاں حفاظت نظر بھی مطلوب ہے، جب نظر کی حفاظت ہوگی تو مرد عورت کا میل جول آگے نہیں بڑھے گا اور زنا تک نہ پہنچیں گے۔ چونکہ نظر کو بھی مزہ آتا ہے اور نظر بازی سے دواعی زنا کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نظر پر پابندی لگائی ہے اور نظر کو بھی زنا قرار دیا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچا کر دیتی ہے۔ (رواہ مسلم ج ۳۳۶)

مطلب یہ ہے کہ زنا سے پہلے جو زانی مرد اور زانی عوت کی طرف سے نظر بازی اور گفتگو اور چھونا اور پکڑنا اور چل کر جانا ہوتا ہے یہ سب زنا میں شمار ہے اور یہ چیزیں اصل زنا تک پہنچا دیتی ہیں بعض مرتبہ اصل زنا کا صدور ہو ہی جاتا ہے (جس کے بارے میں فرمایا کہ شرمگاہ تصدیق کر دیتی ہے) اور بعض مرتبہ اصلی زنا رہ جاتا ہے مرد عورت اسے نہیں کر پاتے (جس کو یوں بیان فرمایا کہ شرمگاہ جھٹلا دیتی ہے۔ یعنی اعضاء سے زنا کا صدور تو ہو گیا لیکن اس کے بعد اصلی زنا کا موقع نہیں لگتا) حفاظت نظر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے۔ نظر کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں، عورت عورت کے کس حصے پر نظر ڈال سکتی ہے اور مرد مرد کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے اس کے بھی قوانین ہیں اور شہوت کی نظر تو بجز میاں بیوی کے کسی کے لیے حلال نہیں۔ جس نظر سے نفس کو مزہ آئے وہ شہوت کی نظر ہے اگر عورت پردہ نہ کرے مردوں کو تب بھی نظر ڈالنا ممنوع ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ راستوں میں مت بیٹھا کرو، صحابہ نے

عرض کیا ہمارے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے ہم راستوں پر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے؟ فرمایا نظریں پست رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم کرنا، گناہ سے روکنا۔ (رواہ البخاری) اپنے محرموں سے پردہ نہیں ہے لیکن اگر وہاں بھی شہوت کی نظر پڑنے لگے تو پردہ لازم ہے اگر کوئی عورت یہ سمجھتی ہو کہ میرا فلاں محرم مجھ پر بری نظر ڈالتا ہے تو پردہ کرے۔ اگر بے دھیانی سے کہیں ایسی نظر پڑ جائے، جو حلال نہیں ہے تو فوراً نظر کو ہٹا لیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپ نے فرمایا کہ نظر کو پھیر لو۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے علی نظر پڑ جانے کے بعد نظر کو باقی نہ رکھو یعنی جو نظر بے اختیار پڑ جائے اس کو فوراً ہٹا لو کیونکہ بے اختیار جو نظر پڑی اس پر مواخذہ نہیں اگر نظر کو باقی رکھا تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ فان لک الا ولی ولیست لک الاخرۃ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۶۹) حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہو جاتا ہوں۔ (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) جب وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو (۴) اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو (۵) اور اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم و زیادتی سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۵)

حفاظت نظر اور حفاظت شرمگاہ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے۔ جب عورت اچھی طرح کپڑوں میں لپٹ کر چوڑی چکلی چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر کسی ضرورت سے باہر نکلے گی تو اوپر کی چادر پر مردوں کی نظر پڑے گی، چونکہ عورت مجبوری سے نکلی ہے اور اوپر کی چادر پر شہوت کی نظر بھی نہیں پڑتی اس لیے اس طرح کا نکلنا ممنوع نہیں ہے۔ اس پر نظر پڑ جائے تو یہ اس اظہار میں شامل نہیں ہے جو ممنوع ہے۔ اظہار زینت کی ممانعت کے بعد فرمایا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (اور چاہیے کہ مؤمن عورتیں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہا کریں) اس میں سینہ ڈھانپ کے رہنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ گریبان عموماً سینے پر ہی ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر دوپٹے ڈال کر دونوں کنارے پشت کی طرف چھوڑ دیا کرتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مؤمن عورتوں کو حکم دیا کہ ان چیزوں کو چھپا کر رکھیں۔

صحیح بخاری (ص ۷۰۰ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ کا حکم نازل فرمایا تو صحابی عورتوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنا لیے، یہ حدیث سنن ابی داؤد (کتاب اللباس ج ۲ ص ۲۱۱) میں بھی ہے اس میں یہ لفظ ہے کہ: شققن اکنف مروطهن فاختمرن بها کہ انہوں نے اپنی موٹی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لیے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ سروں کے دوپٹے ایسے ہوں جن میں بال نظر نہ آئیں اور انہیں اس طرح اوڑھا جائے کہ سر گردن اور کان اور سینہ سب ڈھکا رہے) یاد رہے کہ یہ عام حالات میں گھروں میں رہتے ہوئے عمل کرنے کا حکم ہے باہر نکلنے کا اس میں ذکر نہیں ہے باہر نکلنے میں چہرہ ڈھانکنا بھی لازم ہے جبکہ نامحرموں کی نظریں پڑنے کا

اندیشہ ہو۔ دور حاضر کی فیشن ایبل عورتیں جنہیں قرآن وحدیث کے احکام کا دھیان نہیں ہے اول تو انہوں نے باریک دوپٹے بنا لیے ہیں جن میں بال نظر آتے ہیں انہیں اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی دوسرے ذرا سے حصے پر کپڑا ڈال کر چل دیتی ہیں زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح آدھے آدھے سینے تک سب کچھ کھلا رہتا ہے۔ ان کو گرمی کھائے جاتی ہے، اسلام کے تقاضوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتی ہیں۔

اس کے بعد ان مردوں کا ذکر فرمایا جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔ یہ وہ مرد ہیں جو شرعاً محرم مانے جاتے ہیں ان سے فتنے کا خطرہ نہیں کیونکہ محرم خود ان عورتوں کی عصمت وعفت کے محافظ ہوتے ہیں پھر ان کا رشتہ ایسا ہے کہ رہن سہن میں ان سے پردہ کا اہتمام کرنا دشوار بھی ہے۔ اب اس کی تفسیر سنئے اوّلاً یوں فرمایا: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر) میاں بیوی کا آپس میں کسی جگہ کا کوئی پردہ نہیں لیکن اعضائے مخصوصہ کو نہ دیکھنا پھر بھی افضل ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: مانظرت فرج رسول الله ﷺ قط، میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کی شرم کی جگہ کو نہیں دیکھا۔ بلکہ بیوی کا بے تکلفی والا جو خاص کام ہے اس وقت بھی پوری طرح ننگے ہونے سے منع فرمایا ہے۔

أَوْ آبَائِهِنَّ (یا اپنے باپوں پر)

أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ (یا اپنے شوہروں کے باپوں پر)

أَوْ أَبْنَائِهِنَّ (یا اپنے بیٹوں پر)

أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ (یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر) اپنے بیٹے ہوں یا دوسری بیوی سے ہوں۔

أَوْ إِخْوَانِهِنَّ (یا اپنے بھائیوں پر)

أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ (یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر)

أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ (یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر)

آیت کریمہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کا اپنا باپ (جن میں دادا بھی شامل ہے) اور شوہر کا باپ اور اپنے لڑکے اور شوہر کے لڑکے (جو کسی دوسری بیوی سے ہوں) اور اپنے بھائی (خواہ حقیقی بھائی ہوں خواہ باپ شریک بھائی ہوں خواہ ماں شریک) اور اپنے بھائیوں کے لڑکے اور اپنی بہنوں کے لڑکے (اس میں تینوں قسم کے بہن بھائی داخل ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا) ان لوگوں کے سامنے عورت زیب وزینت کے ساتھ آسکتی ہے اور یہ لوگ عورت کے محارم کہلاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو بھی اپنی محرم عورتوں کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے یہ لوگ اپنی محرم عورت کا چہرہ اور سر اور باز و و پنڈلیاں دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ عورت کو دیکھنے والے مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہو یعنی جانبین میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اپنی محرم عورت کی پشت اور پیٹ ان کو دیکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ شہوت کا اندیشہ نہ بھی ہو۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح کرنا حلال نہ ہو، جن لوگوں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ چچا ماموں بھی محارم ہیں۔ دودھ شریک بھائی بہن اور رضاعی بیٹا (جسے دودھ پلایا ہو) بھی محرم ہیں۔ ان لوگوں کے بھی وہی احکام ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ خالہ، ماموں، پھوپھی اور چچا تایا کے لڑکے اور بہنوئی محرم نہیں ہیں۔ ان کا وہی حکم ہے جو غیر محرم کا حکم ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اَوْ نِسَآئِهِنَّ (یا اپنی عورتوں کے سامنے) یعنی مسلمان عورتیں مسلمان عورتوں کے سامنے اظہار زینت ظاہر کرسکتی ہیں، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد بھی مرد کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح عورت بھی دوسری عورت کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو نہیں دیکھ سکتی اور ان دونوں مسئلوں میں بھی وہی قید ہے کہ شہوت کی نظر نہ ہو۔ بہت سی عورتیں ولادت کے وقت بہت زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ دائی اور نرس کو بچہ پیدا کرانے کے لیے بقدر ضرورت صرف پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے۔ آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہن ہی ہوں وہ بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک حصہ کو نہ دیکھیں کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ نرس اور دائی کو مجبوراً نظر ڈالنی پڑتی ہے دوسری عورتوں کو کوئی مجبوری نہیں ہے لہٰذا انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں، یہ جو دستور ہے کہ ولادت کے وقت عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتی ہیں اور عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

آیت شریفہ میں جو اَوْ نِسَآئِهِنَّ (اپنی عورتیں) ہے اس میں لفظ اپنی سے حضرات مفسرین عظام اور فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ جو کافر عورتیں ہیں ان کے سامنے مسلمان عورتیں بے پردہ ہو کر نہ آئیں کیونکہ وہ اپنی عورتیں نہیں ہیں۔ مفسرین ابن کثیر نے حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ: لا تضع المسلمة خمارها عند مشركة لان الله تعالى يقول او نساءهن (یعنی مسلمان عورت اپنا دوپٹہ کسی مشرک عورت کے سامنے اتار کر نہ رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اَوْ نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے اور مشرک عورتیں مسلمان عورتوں میں سے نہیں ہیں) ہر کافرہ عورت مشرکہ یا غیر مشرکہ سب کا یہی حکم ہے۔ معالم التنزیل میں ہے۔ و الكافرة ليست من نسائنا لانها اجنبية فى الدين كتب عمر بن الخطاب الى ابى عبيدة ابن الجراح رضى الله عنهما ان يمنع نساء اهل الكتاب ان يدخلن الحمام مع المسلمات (کافر عورت ہماری عورتوں میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عمر نے ابوعبیدہ بن جراح کو لکھا تھا کہ اہل کتاب عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمامات میں داخل ہونے سے منع کریں)۔

درمختار کتاب الحظر والاباحہ میں ہے: الذمية كالرجل الاجنبى فلا تنظر الى بدن المسلمة (ذمی عورت یعنی کافر عورت جو مسلمانوں کی عملداری میں رہتی ہو وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے) اس کے ذیل میں صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے: لا يحل للمسلمة ان تنكشف بين يدى يهودية او نصرانية او مشركة الا ان تكون امة لها كما فى السراج و نصاب الاحتساب و لا ينبغى للمرءة الصالحة ان تنظر اليها المراة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها و لا خمارها كما فى السراج (مسلمان عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ یہودیہ یا نصرانیہ یا مشرکیہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو ہاں اگر اس کی اپنی مملوکہ باندی ہو تو اس کے سامنے آنا مستثنیٰ ہے اور کسی نیک عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ فاجرہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو جائے کیونکہ وہ مردوں کے سامنے اس کا حال بیان کرے گی اس کے سامنے اپنی چادر اور دوپٹے کو نہ اتارے۔) (ردالمحتار)

مسلمان عورت کافر عورت کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے تمام غیر مسلم عورتیں بھنگن گھوبن نرس لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلق وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بچے پیدا کرانے کے لیے مسلمان دائیاں اور نرسیں

بلائیں اور یہ بھی بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ نظر ڈال سکتی ہیں اور اگر کسی غیر مسلم عورت کو بچہ جنوانے کے لیے بلوائیں تو اس کے سامنے کوئی عورت سر نہ کھولے اور جہاں تک ممکن ہو کافر عورت کو بلانے سے پرہیز کریں۔ ذکر ابن کثیر فی تفسیرہ عن مکحول و عبادۃ بن نسی انہما کرھا ان تقبل ای لا تکون قابلۃ حاضرۃ عند الولاد لتعمل عمل الاستیلاد حینا تلد المسلمۃ النصرانیۃ والیھودیۃ وللمجوسیۃ المسلمۃ۔

(اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ) (یا ان کے سامنے جو ان کی مملوک ہیں) ابھی پردہ کا بیان جاری ہے جب مسلمان شرعی جہاد کرتے ہیں تو غلاموں باندیوں کے مالک ہوتے تھے جب سے شرعی جہاد کو چھوڑا ہے اور کافروں کے ساتھ معاہدوں میں بندھے ہیں پست ہو رہے ہیں۔ جب باندی اور غلام ہوتے تھے تو عورتیں بھی ان کی مالک ہوتی تھیں اس وقت یہ سوال بھی در پیش ہوتا تھا کہ عورت کا اپنے غلام سے اور اپنی باندی سے کتنا پردہ ہے (اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ) میں اسی کو بیان فرمایا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اس سے صرف باندیاں مراد ہیں، مرد مملوک یعنی غلام مراد نہیں ہیں۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب پہلے یوں کہتے تھے کہ غلام اور باندی کا ایک ہی حکم ہے (یعنی کسی مسلمان عورت کا اس کے اپنے مملوک غلام یا باندی سے وہ پردہ نہیں جو اجانب سے ہے) بعد میں انہوں نے رجوع فرمایا اور فرمایا: لا یغرنکم آیۃ النور فانہا فی الاناث دون الذکور (یعنی تم سورۂ نور کی آیت کی وجہ سے دھوکہ میں مت پڑنا کیونکہ وہ مملوکہ عورتوں کے بارے میں ہے مملوک مردوں کے بارے میں نہیں ہے) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کا غلام اگرچہ اس کا مملوک ہے لیکن وہ مرد ہے نہ محرم ہے نہ شوہر ہے اور شہوت متحقق ہے لہٰذا مملوک غلام کا وہی حکم ہے جو اجنبی مردوں کا حکم ہے۔ علامہ قرطبی نے احکام القرآن جلد ۱۲، ص ۲۳۲، ۲۳۳ میں حضرت ابن عباس، حضرت عامر شعبی اور حضرت مجاہد اور حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ غلام مملوک اپنی آقا عورت کے بالوں پر نظر نہ ڈالے۔

گھروں میں کام کرنے والے جو نوکر چاکر ہیں ان کا حکم بھی بالکل وہی ہے جو اجنبی مردوں کا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح جو عورتیں گھروں میں کام کرتی ہیں وہ مملوک اور باندیاں نہیں ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ مردوں سے پردہ کریں جن کے گھروں میں کام کرتی ہیں اور مردوں پر بھی لازم ہے کہ ان پر نظریں نہ ڈالیں۔

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (یا ان مردوں کے سامنے جو طفیلیوں کے طور پر ہوں جنہیں حاجت نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ بدحواس اور مغفل قسم کے لوگ ہوں جن کو شہوت سے کوئی واسطہ نہیں عورتوں کے احوال اور اوصاف سے کوئی دلچسپی نہیں انہیں بس کھانے پینے کو چاہئے طفیلی بن کر پڑے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے سامنے عورتیں اگر زینت ظاہر کر دے تو یہ بھی جائز ہے یعنی یہ لوگ بھی محارم کے درجہ میں ہیں آیت کا یہ مطلب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: ھذا الرجال یتبع القوم و ھو مغفل فی عقلہ لا یکترث للنساء و لا یشتھی عن نساء۔ (در منثور ص ۴۳ ج ۵)

حضرت طاؤس تابعی سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں انہوں نے فرمایا: ھو الاحمق الذی لا حاجۃ لہ فی النساء۔ (حوالہ بالا)

یاد رہے کہ اگر مذکورہ مردوں کے سامنے عورت گھر میں پردہ کا اہتمام نہ کرے (محرموں کی طرح سمجھے) تو اس کی اجازت

تو ہے لیکن عورتوں کو ان پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔
قرآن مجید کے الفاظ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان مردوں کے سامنے عورتیں آسکتی ہیں جو غافل ہوں مغفل ہوں بے عقل ہوں نہ ان میں شہوت ہو نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو، ان میں بوڑھے ہوش گوش عقل سمجھ اور شہوت والے ہیجڑے داخل نہیں ہیں۔ عورتیں ایسے لوگوں کو بوڑھا سمجھ کر یا بابا دادا کہہ کر سامنے آجاتی ہیں یہ گناہ کی بات ہے نیز اگر کوئی شخص نامرد ہو یا اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو وہ بھی غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ میں شامل نہیں ہے۔ اور اس کے سامنے آنا بھی ممنوع ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ مطہرہ ام سلمہ کے پاس تھے وہاں گھر میں اس وقت ایک مخنث (ہیجڑہ) بھی تھا اس ہیجڑہ نے حضرت ام سلمہ کے بھائی سے کہا کہ اے عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح فرمادیا میں تجھے غیلان کی بیٹی بتادوں گا وہ جب سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ میں چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس کی کمر سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں نہ آئیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ۲۷ از بخاری و مسلم)

قال صاحب الهداية الخصى فى النظر الى الاجنبية كالفحل لقول عائشة رضي الله عنها الخصاء مثلة لا يبيح ما كان حراما قبله و لانه فحل يجامع و كذا المجبوب لانه يسحق و ينزل و كذا المخنث فى الردئى من الافعال لانه فحل و الحاصل انه يوخذ فيه بحكم كتاب الله المنزل۔

أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی چیزوں پر مطلع نہیں ہوئے) یعنی وہ نابالغ لڑکے جو عورتوں کے مخصوص حالات اور صفات سے بالکل بے خبر ہیں ان کے سامنے عورت آسکتی ہے اور جو لڑکا عورتوں سے متعلقہ احوال اور اوصاف کو جانتا اور سمجھتا ہو اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ (اور عورتیں اپنے پاؤں نہ ماریں یعنی زور سے نہ رکھیں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور معلوم نہ ہو جائے) عورتوں کو زیور پہننا تو جائز ہے بشرطیکہ دکھاوے کے لیے نہ ہو اور جو زیور پہنے اس میں یہ شرط ہے کہ بجنے والا زیور نہ ہو تو زیور کے اندر کوئی بجنے والی چیز ڈالے اور نہ زور سے پاؤں مار کر چلے کیونکہ ایسا کرنے سے غیر محرم زیور کی آواز سن لیں گے جو آپس میں ٹکرا کر بج سکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس ایک لڑکی لائی گئی وہ بجنے والا زیور پہنے ہوئے تھی حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب تک اس کا یہ زیور نہ کاٹ دو ہرگز میرے پاس نہ لاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں بجنے والی چیز ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

جب زیور کی آواز سنانا نامحرموں کو ممنوع ہے تو عورت کے لیے اپنی آواز سنانے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بدرجہ مجبوری نامحرموں سے ضرورت کی کوئی بات کی جائے تو اس کی گنجائش ہے اس کو سمجھ لیا جائے۔ عورت اگر باہر نکلے تو خوب اہتمام کے ساتھ پردہ میں نکلے اور پردہ کے لیے جو بڑی چادر یا برقعہ استعمال کرے وہ بھی مزین اور کامدار اور بیل بوٹے والا مردوں کی نظر کو لبھانے والا نہ ہو۔ اور جب زیور کی آواز سنانا جائز نہیں تو نامحرموں کو خوشبو سنگھانا بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہے اور کوئی عورت عطر لگا کر

(مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔ (رواہ ابوداؤد)۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (اے مؤمنو! تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ) اس میں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو حکم دیا کہ سب اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔ توبہ کرنے میں کامیابی ہے۔ ہر طرح کے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور نفس ونظر سے جو گناہ صادر ہو گئے ہوں ان سے خاص طور پر توبہ کریں نفس ونظر کا ایسا گناہ ہے جس پر دوسروں کی اطلاع نہیں ہوتی اور نظروں کو اور نفسوں کے ارادوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جو مبتلائے معصیت ہو۔ کسی مرد نے کسی مرد یا عورت کو بری نظر سے دیکھ لیا یا کسی عورت نے کسی مرد پر نفسانیت والی نظر ڈال دی تو اس کا اس شخص کو پتہ نہیں چلتا جس پر نظر ڈالی ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو پتہ چلتا ہے اپنے نفس ونظر کی خود ہی نگرانی کرتے رہیں اور ہر گناہ سے توبہ کریں۔

بے پردگی کے حامیوں کی جاہلانہ باتیں اور ان کی تردید:

جب سے لوگوں میں صرف اسلام کا دعویٰ رہ گیا ہے اور اسلام پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ دیندار بھی رہیں اور آزاد بھی رہیں ایسے لوگ بے پردگی کے حامی ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں کافر عورتوں کی طرح گلی کوچوں میں پھریں اور بازاروں میں گشت لگائیں ان آزاد منش جاہلوں کی جہالت کا ساتھ دینے والے بعض مصری قلم کار بھی مل گئے پھر مصر کے ان نام نہاد آزاد خیال لوگوں کا اتباع ہند و پاک کے ناخدا ترس مضمون نگار بھی کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اور تو کچھ نہ ملا (اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) مل گیا اور اِلَّا مَا ظَهَرَ کی تفسیر جو حضرت ابن مسعود نے کی ہے کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے چونکہ یہ ان لوگوں کے جذبات نفسانیہ کی خلاف تھی اس لیے اس سے تو اعراض کیا اور حضرت ابن عباس سے جو اس کی تفسیر میں وجہ اور کفین منقول ہے اسے لے اڑے، کیا وجہ ہے حضرت ابن مسعود کی تفسیر کو چھوڑا جبکہ وہ پرانے صحابی ہیں سابقین اولین میں سے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تمسکوا بعهد ابن ام عبد کہ ام عبد کے بیٹے (ابن مسعود) کی طرف سے جو دینی حکم ملے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (مشکوۃ ص ۵۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن تھے اور بڑے عالم تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو (اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ) کی دعا بھی دی تھی اگر ان کی اس تفسیر کو لیا جائے جو انہوں نے الوجہ والکفان سے کی ہے تب بھی اس سے عورتوں کو بے پردہ ہو کر نکلنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اول تو آیت شریفہ میں اِلَّا مَا ظَهَرَ فرمایا ہے (اَلَا مَا اَظْهَرْنَ) نہیں فرمایا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ عورتیں ظاہر کیا کریں بلکہ یوں فرمایا کہ جو ظاہر ہو جائے) اب سمجھ لیں جب عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی تو اظہار ہوگا یا ظہور ہوگا؟ کیا اس کو یوں کہیں گے کہ بلا اختیار ظاہر ہو گیا ہے؟ پھر یہ بھی واضح رہے کہ آیت میں نامحرم کے سامنے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں ہے، عورتوں کی پردہ دری کے حامی یہاں نامحرموں کو گھسیٹ کر خود سے لے آئے، حضرت ابن عباس ؓ کے کلام میں نامحرموں کے سامنے عورت کے چہرہ اور کفین کے ظاہر ہونے اور ظاہر کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے ان کی بات کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو عام حالات میں جبکہ وہ گھر میں کام کاج میں لگی ہوئی ہو سارے کپڑے پہنے رہنا چاہئے اگر چہرہ اور ہاتھ کھلا رہے اور

گھر کی عورتیں اور باپ بیٹے اور دوسرے محرموں کی نظر پڑ جائے تو یہ جائز ہے۔

لوگوں میں یوں ہی بے دینی ہے اور عفت وعصمت سے دشمنی ہے اوپر سے انہیں یہ مفت کے مفتی بھی مل گئے جنہوں نے کہہ دیا کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے اگر ہے تو درجہ استحباب میں ہے ان جاہل مفتیوں نے نہ آیات اور احادیث کو دیکھا کر اور نہ یہ سوچا کہ عورت بے پردگی کو صرف چہرہ تک محدود نہ رکھے گی عورت کا مزاج تو بننے ٹھننے اور دکھانے کا ہے اب دیکھ لو بے پردہ باہر نکلنے والی عورتوں کا کیا حال ہے کیا صرف چہرہ ہی کھلا رہتا ہے؟ ان لوگوں نے حضرت ابن عباس کے قول کو دیکھ لیا اور ان کا مطلب غلط لے لیا پھر اپنی ذاتی رائے کو عورتوں میں پھیلا یا اور ان من العلم جہلا کا مصداق بن گئے۔

سورۂ احزاب میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم:

اول سورۂ احزاب کی آیت (وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ) (اور جب تم ان سے کوئی برتنے کا سوال کرو تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگو) پڑھیے اور غور کیجیے کہ اگر چہرہ پردہ میں نہیں ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں بھی عورتیں عام طور سے گھروں میں ننگی تو نہیں رہتی ہیں عموماً ہاتھ اور چہرہ کھلا رہتا ہے اگر چہرہ کا پردہ نہیں تو نامحرم مردوں کو کوئی چیز لینے کے لیے پردہ کے باہر سے طلب کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ تو معلوم ہوا کہ چہرہ ہی اصل پردہ کی چیز ہے پھر اس میں صیغہ امر بھی ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے ان جاہلوں کی بات کی تردید ہو گئی جو یوں کہتے ہیں کہ چہرہ کا ڈھانپنا اعلیٰ و افضل ہے واجب بھی نہیں ہے، اب سورۂ احزاب کی ایک اور آیت سنئے ارشاد باری ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ) (اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کو نیچا کر لیا کریں) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: امر نساء المؤمنين ان يغطين رء وسهن و وجوهن بالجلابيب الا عينا واحدة ليعلم انهن حرائر (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۴) یعنی مؤمنین کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی چوڑی چکلی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ باندیاں نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جن کی طرف اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر الوجہ والکفان منسوب ہے معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ جو فرمایا ہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے وجہ و کفین مراد ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھلا چہرہ لے کر نامحرموں کے سامنے آجایا کریں یا چہرہ کھول کر باہر نکلا کریں جب انہوں نے اس دوسری آیت کی تفسیر میں یہ فرمادیا کہ بڑی چادروں سے اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانپ کے رہیں اور دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھلی رہے تو معلوم ہوا کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر میں جو انہوں نے وجہ اور کفین فرمایا ہے اس سے ان کے نزدیک گھروں میں رہتے ہوئے چہرہ اور ہاتھ کھلے رہنے کی اجازت مراد ہے۔ شیطان بڑے بڑے وسوسے ڈالتا ہے اور گمراہی کے راستے دکھاتا ہے اس نے پردہ کے مخالفین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ پردہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے ہے اور انہیں کے لیے مخصوص ہے ان لوگوں کی اس جاہلانہ بات کی تردید سورۂ احزاب کے لفظ سے واضح طور پر ہو رہی ہے کیونکہ اس میں لفظ (وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ) موجود ہے پھر

ایک موٹی سمجھ والا انسان (جسے خوف خدا ہو) یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم ہے جن کے بارے میں (وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ) (اور آپ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں) فرمایا ہے جن پر کسی مومن کی بری نظر پڑنے کا احتمال ہی نہ تھا تو ان عورتوں کے بارے میں پردہ کا حکم کیونکر نہ ہوگا جن کی طرف قصداً بری نظریں اٹھائی جاتی ہیں اور جو خود مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں، کیا کسی صحیح العقل انسان کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ خاندان نبوت کی چند خواتین کو پردہ کا حکم دیکر امت کی کروڑہا عورتوں کو قدیم زمانہ کی جاہلیت اولیٰ کی طرح بے پردہ ہو کر باہر پھرنے کی اجازت دیدی ہو۔

احادیث میں پردہ کا حکم:

اب احادیث شریفہ کا مطالعہ کیجیے ان ہی اوراق میں گزر چکا ہے کہ جب غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نظر پڑی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھنے کی آواز سنی تو حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً اپنا چہرہ ڈھانپ لیا وہ فرماتی ہیں کہ صفوان نے مجھے پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا تھا وہ چہرہ سے بھی تھا ورنہ انہیں چہرہ ڈھانپنے کی اور یہ بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ انہوں نے مجھے نزول حجاب کے حکم سے پہلے دیکھا تھا۔

نیز چند صفحات پہلے یہ واقعہ بحوالہ صحیح بخاری گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے وہیں ایک ہیجڑا بھی تھا اس نے حضرت ام سلمہ کے بھائی سے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح کر دیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی بتادوں گا جو ایسی ایسی ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس (اندرون خانہ) اچھے برے لوگ آتے جاتے ہیں۔ (وہاں امہات المؤمنین بھی ہوتی ہیں) اگر آپ امہات المؤمنین کو پردہ کرنے کا حکم دیدیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ والی آیت نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۷۰۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ کی آیت میں نامحرموں کے سامنے چہرہ ڈھانپنے کا حکم نازل ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کپڑے پہنے ہوئے ہی بیٹھی رہتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اور سنئے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شب گزار کر صبح کو ولیمہ کیا تو خوب بڑی دعوت کی لوگ آتے رہے کھاتے رہے اور جاتے رہے کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے لیکن تین اصحاب رہ گئے وہ باتیں کرتے رہے آپ کے مزاج میں حیاء بہت تھی آپ نے ان سے نہیں فرمایا کہ تم چلے جاؤ بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چلے گئے۔ جب میں نے آپ کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس تشریف لے آئے میں آپ کے ساتھ (حسب عادت) داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور فرمایا آیت حجاب یعنی آیت کریمہ: (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ) (آخر تک) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادی۔
(صحیح بخاری ص ۷۰۷، ۷۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ پرانے خادم تھے دس برس تک انہوں نے آپ کی خدمت کی جب پردہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پردہ

ڈال دیا اور حضرت انس کو اندر آنے نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے جو حضرت انس گھروں میں اندر آتے جاتے تھے کیا ازواج مطہرات کپڑے نہیں پہنتی تھیں، کیا چہرہ کے سوا کسی اور جگہ بھی ان کی نظر پڑتی تھی؟ اگر چہرہ پردہ میں نہیں تو ان کو اندر جانے سے کیوں روکا گیا۔ ازواج مطہرات سے فرمادیتے کہ اس کو آنے جانے دو صرف چہرہ کھلے رکھا کرو لیکن وہاں مستقل داخل ہونے پر پابندی لگادی گئی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا حکم نازل ہوا اس میں اصل چہرہ ہی کا چھپانا ہے اور جسم کے دوسرے حصے پہلے بھی نامحرموں کے سامنے ظاہر نہیں کیے جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے کہ حضرت ام خلاد کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقعہ پر شہید ہوگیا تھا وہ چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لیے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلاد نے جواب دیا اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہوگئی ہوں تو اپنی شرم وحیاء کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی (یعنی حیاء کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کردینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہوجانا) حضرت ام خلاد کے پوچھنے پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لیے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لیے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص ۳۳۶)

اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہوکر آنا منع ہے بہت سے مرد اور عورتیں ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا مصیبت کے وقت شریعت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہے جب گھر میں کوئی موت ہوجائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں جنازہ گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازے کے ساتھ باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں خوب یاد رکھو غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت ہر حال میں احکام شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرہ کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: لا تنتقب المراة المحرمة (مشکوۃ المصابیح ص ۲۳۵) یعنی احرام والی عورت نقاب نہ ڈالے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ نبوت میں عورتیں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں یاد رہے کہ حکم یہ ہے کہ عورت حالت احرام میں چہرہ پر کپڑا نہ ڈالے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے یہ عورتوں میں مشہور ہے کہ حالت احرام میں پردہ نہیں غلط فہمی ہے اس غلط فہمی کو حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث سے دور کرلیں انہوں نے فرمایا کہ ہم حالت احرام میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے گزرنے والے اپنی سواریوں پر ہمارے پاس سے گزرتے تھے تو ہم اپنی چادر کو اپنے سر سے آگے بڑھا کر چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے تھے۔ جب وہ لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۳۶)

مسئلہ یہ ہے کہ احرام والی عورت اپنے چہرہ کو کپڑا نہ لگائے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے اس فرق کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے واضح فرمادیا جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں مذکور ہے۔

بے پردگی کے حامی اپنی دلیل میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء

بنت ابوبکر سے فرمایا کہ اے اسماء جب عورت کو حیض آ جائے یعنی بالغ ہو جائے تو اس کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ نظر آ جائے اول تو یہ حدیث ہی منقطع الاسناد ہے حضرت امام ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے: خالد بن دریک لم یسمع من عائشہ ؓ پھر اس میں بھی نامحرموں کو دیکھنے دکھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پردہ کے مخالفوں کو یہ منظور ہے کہ ان کی ماں، بہنیں، بہو، بیٹیاں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں، خود تو بے شرم ہیں ہی اپنی خواتین کو بھی شرم کے حدود سے پار کرنا چاہتے ہیں۔ پردہ شکنی کی دلیل کے لیے کچھ بھی نہ ملا تو حضرت ابن عباس کے قول کو حجت بنا لیا اور اسے قرآن کریم کے ذمہ لگا دیا حالانکہ قرآن مجید میں وجہ اور کفین کا کہیں ذکر نہیں ہے ان لوگوں کی وہی مثال ہے کہ چوہے کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو وہ جلدی سے پنساری بن بیٹھا۔

نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھانے والوں کی گمراہی:

بعض لوگوں نے نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھایا ہے خود سے دھوکہ کھانے کا بہانہ بنایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر میں داخل نہیں ہے اس سے بھلا نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے ثابت ہوا؟ نماز میں جسم ڈھکنے کا مسئلہ اور ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا یہ دوسری بات ہے، دیکھئے صاحب درمختار شروط الصلاۃ کے بیان میں حرہ یعنی آزاد عورت کی نماز میں پردہ پوشی کا حکم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: وللحرۃ جمیع بدنھا حتی شعرھا النازل فی الاصح خلا الوجہ و الکفین و القدمین علی المعتمد اس میں یہ بتایا کہ نماز میں آزاد عورت کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں اور دونوں قدم کے علاوہ سارے بدن کا ڈھانکنا لازم ہے یہاں تک کہ جو بال سر سے لٹکے ہوئے ہوں ان کا ڈھانکنا بھی ضروری ہے اس کے بعد لکھتے ہیں: و تمنع المرءۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ کمسہ و ان امن الشہوۃ لانہ اغلظ و لذا ثبتت بہ حرمۃ المصاھرۃ و لا یجوز النظر الیہ بشہوۃ کوجہ الامرد فانہ یحرم النظر الی وجھھا و وجہ الامرد اذا شک فی الشہوۃ اما بدونہا فیباح ولو جمیلا کما اعتمدہ الکمال۔ فقہاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو نماز کے مسئلے سے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے پر استدلال کر سکتے ہیں اس لیے انہوں نے کتاب الصلوٰۃ ہی میں نماز میں ستر عورت کا حکم بتا کر فوراً اسی جگہ یہ بھی بتا دیا کہ جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں فتنہ کا ڈر ہے اور جوان عورت کے چہرہ کی طرف اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت سے دیکھنا جائز نہیں ہے جبکہ اس میں شک ہو کہ شہوت یعنی نفس کی کشش ہوگی جب اس میں شک ہو کہ دیکھنے میں شہوت ہوگی یا نہیں اس صورت میں نہ صرف یہ کہ عورت کے چہرہ پر نظر ڈالنا حرام ہے بلکہ بے ریش کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ پھر جب شہوت کا یقین ہو یا غالب گمان ہو تو نظر ڈالنا کیونکر حرام نہیں ہوگا؟

اب سمجھ لیا جائے کہ اس زمانہ میں جو عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی اس پر نظریں ڈالنے والے مرد عموماً شہوت والے ہیں یا بلا شہوت والے ہیں۔

صاحب جلالین کی عبارت پڑھیے وہ لکھتے ہیں: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ و هو الوجه والكفان فيجوز نظره لاجنبي ان لم يخف فتنة في احد الوجهين والثاني يحرم لانه مظنة الفتنة ورجح حسماللباب یعنی مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے (حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں لہٰذا اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی کو دیکھنا جائز ہے یہ (شافعیہ کے نزدیک) ایک رائے ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ چہرہ کو دیکھنے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لیے اجنبی کو نامحرم عورت کا چہرہ دیکھنا حرام ہے اس رائے کو ترجیح دی گئی ہے تا کہ فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے (معلوم ہوا کہ محققین شافعیہ کا بھی یہی فرمانا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنا لازم ہے)۔

تکمیل:

اسلام میں حیا اور شرم کی بہت اہمیت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ہیں جب ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۲)

حیا کے تقاضوں میں جہاں نامحرموں سے پردہ کرنا ہے وہاں مردوں کے آپس کے اور عورتوں کے آپس کے پردہ کے بھی احکام ہیں حضرت ابوسعید خدری ؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کوئی مرد کسی مرد کی شرم کی جگہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرم گاہ کی جگہ کو دیکھے اور نہ دو مرد (کپڑے اتار کے) ایک کپڑے میں لیٹیں۔ اور نہ دو عورتیں (کپڑے اتار کر) ایک کپڑے میں لیٹیں۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے لیکن پردوں میں تفصیل ہے۔ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے ختم تک کسی بھی مرد کو کسی مرد کے طرف دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آپس میں زیادہ دوستی ہو جانے پر پردہ کی جگہ ایک دوسرے کو بلا تکلیف دکھا دیتے ہیں یہ سراسر حرام ہے اسی طرح عورت کو عورت کے سامنے ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کھولنا حرام ہے۔

مسئلہ: جتنی جگہ میں نظر کا پردہ ہے اتنی جگہ کو چھونا بھی درست نہیں ہے چاہے کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کسی بھی مرد کو یہ جائز نہیں کسی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کہ حصہ کو ہاتھ لگائے۔ اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کے ناف کے نیچے کے حصہ کو گھٹنوں کے ختم تک ہاتھ نہیں لگا سکتی اسی وجہ سے حدیث بالا میں دو مردوں کو ایک کپڑے میں لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہی ممانعت عورتوں کے لیے بھی ہے یعنی دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ لیٹیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ضرورت اور مجبوری کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، مجبوری صرف دو جگہ پیش آتی ہے۔ اول تو بچہ پیدا کرانے کے وقت اس میں بھی دائی جنائی لیڈی ڈاکٹر صرف بقدر ضرورت پردہ کی جگہ پر نظر ڈال سکتی ہے اور کسی کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری مجبوری علاج کے مواقع میں پیش آتی ہے اس میں بھی الضرورة تقدر بقدر الضرورة کا لحاظ کرنا لازم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہو۔ معالج اسی قدر دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً اگر ران میں زخم ہو تو حکیم یا ڈاکٹر

صرف اتنی جگہ دیکھ سکتا ہے جس کا دیکھنا ضروری ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے پھر اسے صرف معالج دیکھ لے جیسے مثلاً آپریشن کرنا ہے یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگانا ہے تو صرف انجکشن لگانے کے لیے ذرا سی جگہ کھولی جائے جس کا طریقہ اوپر مذکور ہے اور جس جگہ کو علاج کی مجبوری سے ڈاکٹر یا حکیم کو دیکھنا جائز ہے دوسرے لوگوں کو دیکھنا جائز نہیں جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دیکھنا بلاضرورت ہے۔ اگر کسی حکیم کو ایسی عورت کے نبض دکھانی ہو جو حکیم کی محرم نہ ہو تو نبض کی جگہ پر انگلی رکھ سکتا ہے اس سے زیادہ مریضہ کے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔ ان باتوں کو خوب سمجھ لیا جائے۔

تذییل:

اگر کوئی نامحرم عورت اپنے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار سے پردہ نہ کرے تو نامحرم مردوں کو اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہو جاتا پردہ حکم شرعی ہے خود عورت سے یا اس کے شوہر کی اجازت سے یا کسی بھی شخص کے کہنے یا اجازت دینے سے محرموں کو اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح ملازمت کے کام انجام دینے کی وجہ سے بے پردہ ہو کر نامحرموں کے سامنے آ جانا گناہ ہے لوگ مسلم خواتین کو بے حیاء نصرانی لیڈیوں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں ایک مسلمان عورت کسی کافر عورت کی نقل کیوں اتارے؟ ہمارا دین کامل ہے ہمیں اپنے دینی امور میں یا دنیاوی مسائل میں کافروں کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یاد رہے کہ جیسے نامحرم عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بے ریش لڑکوں پر یا باریش نوجوانوں پر یا داڑھی منڈائے خوبصورت مردوں پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ شہوت کی نظر وہ ہے جس میں نفس اور نظر کو مزا آئے اور آج کل لڑکوں اور مردوں کی کسی ہوئی پتلون نے جو ننگا ہونے کے برابر ہے، بدنظری کے مواقع بہت زیادہ فراہم کر دیئے ہیں۔ ہر مؤمن بدنظری سے بچے بدنظری گناہ بھی ہے اور اس سے دل کا ناس ہو جاتا ہے نماز اور ذکر تلاوت میں دل نہیں لگتا۔ اور اس کے برخلاف نا جائز نظر پڑ جانے پر نظر پھیر لینے سے ایسی عبادت کے نصیب ہونے کا وعدہ ہے جس کی حلاوت یعنی مٹھاس محسوس ہوگی۔

(رواہ احمد کمافی المشکوۃ ۱۷۲)

حضرت حسن سے (مرسلاً) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۰ از بیہقی فی شعب الایمان)

یہ حدیث بہت سے جزئیات پر حاوی ہے جس پر بطور قاعدہ کلیہ ہر نظر حرام کو سبب لعنت بتایا ہے بلکہ اس پر بھی لعنت بھیجی ہے جو اپنی خوشی اور اختیار سے ایسی جگہ کھڑا ہو جائے جہاں دیکھنے والے ایسی نظر ڈال سکیں جو شریعت میں حلال نہ ہو، ننگوں کے جو کلب ہیں ان کے ممبر بننا ناچنے والی عورتوں کا اور ناچنے والے مردوں کا نظارہ کرنے والے سب لعنت کے مستحق ہیں۔

اگر کوئی عورت بغیر پردہ کے بازار میں یا میلہ میں یا پارک میں چلی گئی جس کی وجہ سے غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرد اور عورت لعنت کے مستحق ہوئے اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی سے یا برآمدہ سے باہر تکتی جھانکتی ہے تو یہ عورت بد نظری کی وجہ سے مستحق لعنت ہے اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے کی وجہ سے بھی لعنت کی مستحق ہوتی ہے اسی طرح شادی

کے موقع پر سلامی کے لیے جب دولہا اندر گھر میں آیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے کی وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں، اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی مرد کے سامنے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک پورا حصہ یا کچھ حصہ کھول دیا تو دکھلانے والا اور دیکھنے والا دونوں لعنت کے مستحق ہوئے۔ کسی عورت نے اپنے محرم یعنی باپ بھائی وغیرہ کے سامنے اپنا پیٹ یا پیٹھ یا ران یا گھٹنا کھول دیا تو دیکھنے والا اور دکھانے والی دونوں نے لعنت کا کام کرلیا۔ بہت سے مغربیت زدہ گھرانوں میں یہ آفت ہے کہ انگریز عورتوں کی دیکھا دیکھی صرف ایک فراک پہنے ہوئے گھروں میں رہتی ہیں اور پائجامہ یا ساڑھی کی جگہ ذرا سی لنگوٹی یا جانگیا پہنے رہتی ہیں جس کی وجہ سے رانیں اور گھٹنے گھر کے مردوں کے سامنے بلکہ نوکروں کے سامنے بھی (جن کو گھروں میں رکھنا حرام ہے) کھلے رہتے ہیں۔ اس طرز عمل سے گھر کے سب مرد وعورت لعنت کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ (تفسیر انوارالبیان)

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ ....

نکاح کی ضرورت اور عفت وعصمت محفوظ رکھنے کی اہمیت:

ان آیات میں ان لوگوں کا نکاح کردینے کا حکم فرمایا ہے جو بانکاح نہ ہوں جس کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ اب تک نکاح ہوا ہی نہ ہو، دوسری یہ کہ نکاح ہو کر چھوٹ چھٹراؤ ہو گیا ہو یا میاں بیوی میں سے کسی کی وفات ہوگئی ہو۔ آیت شریفہ میں جو لفظ ایامی وارد ہوا ہے یہ ایم کی جمع ہے۔ عربی میں ایم اس مرد کو کہتے ہیں جس کا جوڑا نہ ہو، چونکہ نکاح ہو جانے سے مرد اور عورت کے نفسانی ابھار کا انتظام ہو جاتا ہے اور نکاح پاکدامن رہنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں اپنا نکاح کرنے اور دوسروں کا نکاح کرادینے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ نکاح ہو جانے سے نفس ونظر پاک رہتے ہیں گناہ کی طرف دھیان چلا بھی جائے تو اپنے پاس نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے انتظام ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو آدھے دین کو کامل کرلیا لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوۃ المصابیح ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے کا مقدور ہو وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نظروں کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو پاک رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور جسے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو وہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزے رکھنے سے اس کی شہوت دب جائے گی۔
(رواہ البخاری ص ۷۰۸ ج ۲)

مستقل طور پر قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نسل بڑھانا مقصود ہے اور مسلمان کی جو اولاد ہوتی ہے عموماً مسلمان ہی ہوتی ہے اور اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جس سے دل لگے اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کرونگا۔
(رواہ ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اگر مردانہ قوت زائل نہ کی جائے پھر کبھی نکاح کا مقدور ہو جائے تو اس میں اولاد سے محروم نہ ہوگا۔ حضرت عثمان بن

مظعون ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دیجیے آپ نے فرمایا: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اِخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِيْ اَلصِّيَامُ))۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲۹ از شرح السنہ) یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی بنے، بے شک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔

عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے حضرات انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں انبیاء کرامؑ نے اختیار فرمایا تھا (۱) شرم کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (٤) نکاح کرنا (رواہ الترمذی وھو اول حدیث من ابواب النکاح فی کتابہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو شہوت کا غلبہ ہو اور اسے غالب گمان ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہ رہ سکے گا نفس ونظر کو محفوظ نہ رکھ سکے گا اور اس کے پاس نکاح کرنے کے وسائل بھی موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہے اور نکاح کے وسائل نہیں یا کوئی عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہیں تو گناہ میں مبتلا ہونا پھر بھی حلال نہیں شہوت دبانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھنے کا نسخہ بتایا ہے اس پر عمل کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ توفیق دے دے تو نکاح کرلیں۔

چونکہ عام طور پر اپنے نکاح کی کوشش خود نہیں کی جاتی اور خاص کر عورتیں اور ان میں بھی کنواری لڑکیاں اپنے نکاح کی خود بات چلانے سے شرماتی ہیں اور یہ شرم ان کے لیے بہترین ہے جو ایمان کے تقاضوں کی وجہ سے ہے اس لیے اولیاء کو لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرنے کے لیے متفکر رہنا لازم ہے اسی طرح بڑی عمر کے بے شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کے لیے فکر مند رہنا چاہیے۔ آیت شریفہ میں جو وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى فرمایا ہے آج کل لوگوں نے نکاح کو ایک مصیبت بنا رکھا ہے دیندار جوڑا نہیں ڈھونڈتے اور اور دنیاداری اور ریاکاری کے دھندے پیچھے لگا رکھے ہیں جن کی وجہ سے بڑی بڑی عمروں کے مرد اور عورت بے نکاح کے بیٹھے رہتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں بے شرم ہو کر خود سے اپنا جوڑ ڈھونڈ لیتی ہیں اور کورٹ میں جا کر قانونی نکاح کرلیتی ہیں اب ماں باپ چونکتے ہیں کہ ہائے ہائے یہ کیا ہوا۔ اور بعض مرتبہ یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوتا اولاد کے نکاحوں کے سلسلے میں لوگوں کی بے دھیانی اور بے راہی کی وجہ سے بڑے بڑے نتائج سامنے آرہے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو تم اس سے نکاح کردو اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے (۱) اس کے مال کی وجہ سے (۲) اس کے مرتبہ کی وجہ سے (۳) اس کی خوبصورتی کی وجہ سے (٤) اس کے دین کی وجہ سے، سو تو دین والی عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہوجا اللہ تجھے سمجھ دے۔ (رواہ البخاری)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا ہے کہ مرد یا عورت دونوں کے لیے دیندار اور حسن اخلاق سے متصف جوڑا تلاش کیا جائے۔ آج کل دینداری کی بجائے دوسری چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے خرچوں کے انتظام میں دیر لگنے کی وجہ سے لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں ریاکاری کے جذبات سادہ شادی نہیں کرنے دیتے۔ ہیں تو سید صاحب لیکن اپنی ماں فاطمہؓ کے مطابق بیٹا

بیٹی کے نکاح کرنے کو عار سمجھتے ہیں اگر کوئی توجہ دلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آج کل کا دور ہی ایسا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس دور کو لانے والا کون ہے خود ہی ریاکاری کا رواج ڈالا اور اب کہہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے اخراجات نہ ہوں تو لڑکی کا نکاح کیسے کریں اور کس سے کریں؟ مسلمانو! ایسی باتیں چھوڑو، سادگی میں آجاؤ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں خرچہ کم سے کم ہو۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۶۸)

غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا: (وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ) یعنی اپنے غلاموں میں سے ان غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دیا کرو جو صالح ہوں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالحین سے وہ غلام اور باندیاں مراد ہیں جن میں نکاح کی صلاحیت ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے صالح کے معروف معنی یعنی نیک ہونا مراد ہے، جو معنی بھی مراد لیا جائے غلام اور باندی کے آقا کے لیے مستحب ہے کہ ان میں صلاح اور صلاحیت دیکھے تو نکاح کر دے۔ قال فی روح المعانی: والامر هنا قيل للوجوب و اليه ذهب اهل الظاهر و قيل للندب واليه ذهب الجمهور غلاموں اور باندیوں کے نکاحوں اور ان سے پیدا شدہ اولاد کے مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ آزاد مرد اور عورت اور مملوک مرد اور عورت کے نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا (اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ (اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنی فضل سے غنی فرمادے گا) وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والے کی مالی امداد فرمائے گا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کرنے سے باز نہ رہیں اگر کوئی مناسب عورت مل جائے تو نکاح کرلیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کرلیا ہے۔

(۱) وہ مکاتب جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے (عنقریب ہی مکاتب کا معنی معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(۳) وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ (رواہ النسائی کتاب النکاح)

پھر فرمایا: (وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ کہ جو لوگ نکاح پر قدرت نہ رکھتے ہوں ان کے پاس مال و اسباب نہیں گھر در نہیں تو وہ اس کو عذر بنا کر اپنی عفت اور عصمت کو داغدار نہ کریں۔ نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کا اہتمام کریں یوں نہ سمجھ لیں کہ جب میں نکاح نہیں کر سکتا تو نفس کے ابھار و خواہشات کو زنا کے ذریعہ پورا کرلوں۔ زنا بہرحال حرام ہے اس کے حلال ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار کریں۔ جب مقدور ہو جائے تو نکاح کریں اور صبر سے کام لیں اور نفس کے جذبات کو دبانے کی تدبیر حدیث شریف میں گزر چکی ہے کہ روزے رکھا کریں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ ...

غلاموں اور باندیوں کا مکاتب بنانے کا حکم

پچھلی آیت میں مملوک غلاموں اور لونڈیوں کو اگر نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو آقاؤں کو ہدایت کی گئی تھی کہ ان کو نکاح کا

اجازت دیدینا چاہئے اپنی مصلحت کے لئے ان کے طبعی مصالح کو مؤخر نہ کریں یہ ان کے لئے فاضل اور بہتر ہے۔ خلاصہ اس ہدایت کا اپنے مملوک غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن معاملہ اور ان کو تکلیف سے بچانا ہے اس کی مناسبت سے آیت مذکورہ میں ایک دوسری ہدایت ان کے آقاؤں کے لئے یہ دی گئی ہے کہ اگر یہ مملوک غلام یا لونڈی آقاؤں سے معاملہ مکاتبت کا کرنا چاہیں تو ان کی اس خواہش کو پورا کر دینا بھی آقاؤں کے لئے افضل اور مستحب موجب ثواب ہے۔ صاحب ہدایہ اور عامہ فقہاء نے اس حکم کو حکم استحباب ہی قرار دیا ہے یعنی آقا کے ذمہ واجب تو نہیں کہ اپنے مملوک کو مکاتب بنادے لیکن مستحب اور افضل ہے اور معاملہ مکاتبت کی صورت یہ ہے کہ کوئی مملوک اپنے آقا سے کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کر دیں کہ وہ رقم میں اپنی محنت وکسب سے حاصل کر کے آپ کو ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں اور آقا اس کو قبول کرے، یا معاملہ برعکس ہو کہ آقا چاہے کہ اس کا غلام کچھ معینہ رقم اس کو دیدے تو آزاد ہو جائے اور غلام اس کو قبول کرے۔ اگر آقا اور مملوک کے درمیان ایجاب وقبول کے ذریعہ یہ معاملہ مکاتبت کا طے ہو جاتا ہے تو وہ شرعاً لازم ہو جاتا ہے آقا کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا جس وقت بھی غلام معینہ رقم کما کر اس کو دیدے گا خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

یہ رقم جو بدل کتابت کہلاتی ہیں شریعت نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی خواہ غلام کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم یا زیادہ جس پر فریقین میں بات طے ہو جائے وہ بدل کتابت ٹھہرے گا۔ اپنے مملوک غلام یا لونڈی کو مکاتب بنا دینے کی ہدایت اور اس کو مستحب اور افضل قرار دینا شریعت اسلام کے ان ہی احکام میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام کا مقتضی یہ ہے کہ جو لوگ شرعی حیثیت سے غلام ہیں ان کی آزادی کے زیادہ سے زیادہ راستے کھولے جائیں۔ تمام کفارات میں ان کے آزاد کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ ویسے بھی غلام آزاد کرنے میں بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہے مکاتبت کا معاملہ بھی اسی کا ایک راستہ ہے اس لئے اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ البتہ اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی کہ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا یعنی مکاتب بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اس کو مکاتب بناؤ ورنہ جو اس قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اس کے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ۔ یعنی بخشش کرو ان پر اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ یہ خطاب مسلمانوں کو عموماً اور آقاؤں کو خصوصاً کیا گیا ہے کہ جب اس غلام کی آزادی ایک معینہ رقم جمع کر کے آقا کو دینے پر موقوف ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس میں اس کی مدد کریں زکوٰۃ کا مال بھی ان کو دے سکتے ہیں اور آقاؤں کو اس کی ترغیب ہے کہ خود بھی ان کی مالی امداد کریں یا بدل کتابت میں سے کچھ کر دیں۔ صحابہ کرام کا معمول اسی لئے یہ رہا ہے کہ بدل کتابت میں جو رقم اس پر لگائی ہوئی تھی اس میں سے تہائی چوتھائی یا اس سے کم حسب استطاعت کم کر دیا کرتے تھے۔ (مظہری)

فن معاشیات کا ایک اہم مسئلہ اور اس میں قرآنی فیصلہ:

آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا معاد و آخرت کو بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے ان کی علمی تحقیقات اور غور وفکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریئے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں ان کے تصادم نے اقوام دنیا میں تصادم اور جنگ وجدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہوگئی۔

ایک نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے جس کو اصطلاح میں کیپٹل ازم کہا جاتا ہے۔ دوسرا نظام اشتراکیت کا ہے جس کو کمیونزم یا سوشل ازم کہا جاتا ہے۔ اتنی بات تو مشاہدہ کی ہے جس کا دونوں نظاموں میں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اس دنیا میں انسان اپنی محنت اور کوشش سے جو کچھ کماتا اور پیدا کرتا ہے اس سب کی اصل بنیاد قدرتی وسائل پیداوار زمین، پانی اور معادن میں پیدا ہونے والی قدرتی اشیاء پر ہے۔ انسان اپنے غور وفکر اور محنت و مشقت کے ذریعہ انہیں وسائل پیداوار میں جوڑ توڑ اور تحلیل و ترکیب کے ذریعہ اپنی ضرورت کی لاکھوں اشیاء پیدا کرتا اور بناتا ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ دونوں نظام پہلے یہ سوچتے کہ یہ قدرتی وسائل خود تو پیدا نہیں ہو گئے ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کا اصل مالک بھی وہی ہوگا جو ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ ہم ان وسائل پر قبضہ کرنے اور ان کے مالک بننے یا استعمال کرنے میں آزاد نہیں بلکہ اصل مالک و خالق نے اگر کچھ ہدایات دی ہیں تو ان کے تابع چلنا ہمارا فرض ہے۔ مگر مادہ پرستی کے جنون نے ان سبھی کو اصل خالق و مالک کے تصور ہی سے غافل کر دیا۔ ان کے نزدیک اب بحث صرف یہ رہ گئی کہ وسائل پیداوار پر قبضہ کر کے ان سے ضروریات زندگی پیدا کرنے والا ان سب چیزوں کا خود بخود آزاد مالک و مختار ہو جاتا ہے، یا یہ سب چیزیں وقف عام اور مشترک ہیں ہر ایک کو ان سے نفع اٹھانے کا یکساں حق حاصل ہے؟

پہلا نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے جو انسان کو ان چیزوں پر آزاد ملکیت کا حق دیتا ہے کہ جس طرح چاہے اس کو حاصل کرے اور جہاں چاہے اس کو خرچ کرے اس میں اس پر کوئی روک ٹوک برداشت نہیں۔ یہی نظریہ قدیم زمانے کے مشرکین و کفار کا تھا جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ مال ہمارے ہیں ہم ان کے مالک ہیں آپ کو کیا حق ہے کہ ہم پر پابندی لگائیں کہ فلاں کام میں خرچ کرنا جائز اور فلاں میں حرام ہے۔ آیت: اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا کا یہی مطلب ہے۔ اور دوسرا نظریہ اشتراکیت کا ہے جو کسی کو کسی چیز پر ملکیت کا حق نہیں دیتا بلکہ ہر چیز کو تمام انسانوں میں مشترک اور سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حقدار قرار دیتا ہے اور اصل نظریہ اشتراکیت کی بنیاد یہی ہے۔ مگر پھر جب دیکھا کہ یہ ناقابل عمل تصور ہے اس پر کوئی نظام نہیں چلایا جا سکتا تو پھر کچھ اشیاء کو ملکیت کے لئے مستثنیٰ بھی کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے ان دونوں بیہودہ نظریوں پر رد کر کے اصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز در اصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے۔ پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس

قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔

آیت مذکورہ اگرچہ ایک اور مضمون کے لئے آئی ہے مگر اس کے ضمن میں اسی اہم معاشی مسئلہ کے چند اصول بھی آ گئے ہیں، الفاظ آیت پر نظر کیجئے: وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ یعنی دو ان حاجتمند لوگوں کو اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے دیا ہے اس میں تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ اصل مالک مال اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے دوسرے یہ کہ اسی نے اپنے فضل سے اس کے ایک حصہ کا تمہیں مالک بنا دیا ہے تیسرے یہ کہ جس چیز کا تم کو مالک بنایا ہے اس پر کچھ پابندیاں بھی اس نے لگائی ہیں بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو ممنوع قرار دیا اور بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو لازم و واجب اور بعض میں مستحب اور افضل قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا حکم اس آیت میں ایک جاہلیت کی رسم مٹانے اور زنا و فواحش کے انسداد کے لئے یہ دیا گیا ہے۔ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ یعنی اپنی لونڈیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زناکاری کے ذریعہ مال کما کر تمہیں دیا کریں۔ جاہلیت میں بہت سے لوگ لونڈیوں کو اسی کام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے جب زنا پر سخت سزائیں جاری کیں، آزاد اور غلام سب کو اس کا پابند کیا تو ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے خاص احکام دے۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا، یعنی جبکہ وہ لونڈیاں زنا سے بچنے اور پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں تو تمہارا ان کو مجبور کرنا بڑی بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے۔ یہ الفاظ اگرچہ بصورت شرط آئے ہیں مگر باجماع امت درحقیقت مراد ان سے شرط نہیں کہ لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور نہ کیا جائے ورنہ مجبور کرنا جائز ہے بلکہ بتلانا یہ ہے کہ عام عرف و عادت کے اعتبار سے لونڈیوں میں حیا اور پاکدامنی زمانہ جاہلیت میں نابود تھی۔ اسلام کے احکام کے بعد انہوں نے توبہ کی۔ ان کے آقاؤں نے مجبور کرنا چاہا تو اس پر یہ احکام آئے کہ جب وہ زنا سے بچنا چاہتی ہیں تو تم مجبور نہ کرو۔ اس میں ان کے آقاؤں کو زجر و تنبیہ اور تشنیع کرنا ہے کہ بڑی بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے کہ لونڈیاں تو پاک رہنے کا ارادہ کریں اور تم انہیں زنا پر مجبور کرو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ سے مغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیں گے اور اس کا سارا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ (مظہری) واللہ اعلم

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَیْ مُنَوِّرُهُمَا بِالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ مَثَلُ نُوْرِهٖ اَیْ صِفَتُهٗ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ۭ هِیَ الْقِنْدِيْلُ وَالْمِصْبَاحُ السِّرَاجُ اَیِ الْفَتِيْلَةُ الْمَوْقُوْدَةُ وَالْمِشْكٰوةُ

الطَّاقَةُ غَيْرُ النَّافِذَةِ اَيِ الْاُنْبُوْبَةِ فِي الْقَنْدِيْلِ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا وَالنُّوْرَ فِيْهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ اَيْ مُضِيٌّ بِكَسْرِ
الدَّالِ وَضَمِّهَا مِنَ الدَّرْءِ بِمَعْنَى الدَّفْعِ لِدَفْعِهِ الظَّلَامَ وَبِضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِ الْيَاءِ مَنْسُوْبٌ اِلَى الدُّرِّ اللُّؤْلُؤِ
يُوْقَدُ الْمِصْبَاحُ بِالْمَاضِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِمُضَارِعِ اَوْقَدَ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِيْ اُخْرٰى بِالْفَوْقَانِيَّةِ
اَيِ الزُّجَاجَةُ مِنْ زَيْتِ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ بَلْ بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْهَا حَرٌّ وَلَا بَرْدٌ
مُضِرَّيْنِ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ لِصَفَائِهِ نُوْرٌ بِهِ عَلٰى نُوْرٍ ۭ بِالنَّارِ وَنُوْرُ اللّٰهِ اَيْ هُدَاهُ
لِلْمُؤْمِنِ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ يُبَيِّنُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
لِلنَّاسِ ۭ تَقْرِيْبًا لِاَفْهَامِهِمْ لِيَعْتَبِرُوْا فَيُؤْمِنُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ مِنْهُ ضَرْبُ الْاَمْثَالِ فِيْ بُيُوْتٍ مُتَعَلِّقٌ
بِيُسَبِّحُ الْاٰتِيْ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ تُعَظَّمَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ بِتَوْحِيْدِهٖ يُسَبِّحُ بِفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ وَكَسْرِهَا اَيْ
يُصَلِّيْ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْغَدَوَاتِ اَيِ الْبُكَرِ وَالْاٰصَالِ ۝ الْعَشَايَا مِنْ بَعْدِ الزَّوَالِ رِجَالٌ ۙ
فَاعِلُ يُسَبِّحُ بِكَسْرِ الْبَاءِ وَعَلٰى فَتْحِهَا نَائِبُ الْفَاعِلِ لَهٗ وَرِجَالٌ فَاعِلُ فِعْلٍ مُقَدَّرٍ جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ
كَاَنَّهٗ قِيْلَ مَنْ يُسَبِّحُهٗ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ اَيْ شِرَاءٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ حُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ
تَخْفِيْفًا وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۽ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ تَضْطَرِبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ مِنَ الْخَوْفِ الْقُلُوْبُ بَيْنَ
النَّجَاةِ وَالْهَلَاكِ وَالْاَبْصَارِ بَيْنَ نَاحِيَتَيِ الْيَمِيْنِ وَالشِّمَالِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا اَيْ
ثَوَابَهٗ وَاَحْسَنُ بِمَعْنٰى حَسَنٍ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ يُقَالُ فُلَانٌ يُنْفِقُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ اَيْ يُوَسِّعُ كَاَنَّهٗ لَا يَحْسُبُ مَا يُنْفِقُهٗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ جَمْعُ قَاعٍ اَيْ
فِيْ فَلَاةٍ وَهُوَ شُعَاعٌ يُرٰى فِيْهَا نِصْفَ النَّهَارِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ يُشْبِهُ الْمَاءَ الْجَارِيَ يَّحْسَبُهُ يَظُنُّهُ الظَّمْاٰنُ اَيِ
الْعَطْشَانُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا مِمَّا حَسِبَهٗ كَذٰلِكَ الْكَافِرُ يَحْسِبُ اَنَّ عَمَلَهٗ كَصَدَقَةٍ تَنْفَعُهٗ
حَتّٰى اِذَا مَاتَ وَقَدِمَ عَلٰى رَبِّهٖ لَمْ يَجِدْ عَمَلَهٗ اَيْ لَمْ يَنْفَعْهُ وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِنْدَ عَمَلِهٖ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ اَيْ
اَنَّهٗ جَازَاهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَيِ الْمُجَازَاةِ اَوْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمُ السَّيِّئَةُ كَظُلُمٰتٍ

فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ عَمِيْقٍ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ اَىِ الْمَوْجُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ اَىِ الْمَوْجُ الثَّانِىْ سَحَابٌ ؕ اَىْ غَيْمٌ
هٰذِهٖ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ ظُلْمَةُ الْبَحْرِ وَظُلْمَةُ الْمَوْجِ الْاَوَّلِ وَظُلْمَةُ الْمَوْجِ الثَّانِىْ وَظُلْمَةُ السَّحَابِ
اِذَاۤ اَخْرَجَ النَّاظِرُ يَدَهٗ فِىْ هٰذِهِ الظُّلُمٰتِ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ اَىْ لَمْ يَقْرُبْ مِنْ رُؤْيَتِهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ
نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۟ ع اَىْ مَنْ لَّمْ يَهْدِهِ اللّٰهُ لَمْ يَهْتَدِ

ع ٥ ٦ ١١

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا (یعنی ان دونوں کو سورج اور چاند سے منور کرنے والے ہیں) اس کے نور کی حالت ایسی ہے (قلب مومن میں) جیسے فرض کرو ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ رکھا ہے اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (السراج کے لغوی معنی فتیلہ اور المشکوۃ کے لغوی طاقہ غیر نافذہ یعنی قندیل میں فتیلہ کی جگہ زجاجہ کے معنی قندیل یعنی شیشہ کا قندیل۔ وہ قندیل ایسا صاف وشفاف ہے جیسا کہ ایک چمکدار ستارہ ہے (دری دال پر کسرہ معنی مضیئ اور اگر بالضم ہے تو الدرء مشتق ہے معنی الدفع چونکہ روشنی تاریکی کو دور کرتی ہے اور تیسری قراءت دال پر ضمہ اور یاء مشدد جو کہ الدر کی طرف منسوب ہے بمعنی موتی) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو زیتون کا درخت ہے (ماضی کے ساتھ اور مضارع کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں۔ یوقد، اوقد بصیغہ مجہول یاء کے ساتھ اور دوسری قراءت میں تاء کے ساتھ یعنی وہ قندیل نما چراغ) جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے (بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ہے پس اس روشن چراغ سے نہ گرمی اور نہ ٹھنڈک کہ جو نقصان دہ پڑتی ہے اور) قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اسمیں آگ (چونکہ وہ تیل بہت ہی صاف وشفاف ہے روشنی پر روشنی (یعنی ایک روشنی تیل سے اور ایک روشنی نار سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور یعنی ہدایت خداوند نور علی نور الایمان ہے) اللہ تعالیٰ اپنے اس نور ہدایت یعنی دین اسلام تک جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت تقریب فہم) کے لیے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (اسی میں یہ مثالوں کا بیان کرنا بھی ہے۔ وہ ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جاوے اور ان میں اللہ کا نام لیا جاوے (خالص اس کی توحید کے ساتھ) ان (مساجد) میں ایسے لوگ صبح غدو مصدر ہے غدوات کے معنی میں یعنی صبح وشام آصال یعنی شام زوال کے بعد اللہ کی پاکی بیان کرتے (نماز پڑھتے ہیں) ہیں جن کو اللہ کی یاد اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (فی بیوت بعد میں مذکور یسبح کے متعلق ہے رجال یسبح بالکسر کا فاعل ہے اور دوسری قراءت بفتح الیاء تو اس کا نائب فعل ہوگا۔ اس قراءت کی بیاد پر رجال فعل مقدر کا فاعل ہے اور فعل مقدر جواب ہے سوال مقدر کا گویا کہ سوال کیا گیا ہے "من یسبحہ"؟۔ تو جواب یہ ویسبح رجال الخ! بوجہ تخفیف اقامۃ کی تاء حذف کردی گئی) وہ ایسے دن کی دارو گیر یعنی روز قیامت سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی (خوف کی وجہ سے، یعنی قلوب نجات اور ہلاک کے درمیان مبتلاء اضطراب ہوں گے اور نگاہیں دائیں بائیں کناروں کے درمیان چکراتی اور لگی ہوئی ہوں گی۔ قیامت

کے دن کی ہولناکی کی وجہ سے) تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر کاموں کا اور زیادتی دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار (مشہور مقولہ ہے کہ فلاں شخص بے حساب خرچ کرتا ہے یعنی اخراجات میں خوب وسعت کرتا ہے گویا کہ جو خرچ کرتا ہے حساب نہیں کرتا! اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت (قاع) کی جمع یعنی شکل میں اور سراب وہ شعاعیں ہیں کہ جو سخت ترین گرمی کے موسم میں نصف النہار کے وقت جنگل میں دکھلائی دیتی ہیں۔ کہ وہ جاری پانی کے مشابہ ہوتی ہیں) کہ یہاں آدمی اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا (اس میں سے کہ جو اس نے گمان کیا، پس یہی صورت حال کافر ہوگی کہ وہ گمان کرے گا کہ اس کا عمل مثلاً صدقہ کرنا اس کو نفع دے گا، یہاں تک کہ جب وہ مریگا اور اپنے رب کے سامنے پہنچے گا تو اپنے عمل کو نہ پائے گا یعنی اس کو کچھ نفع نہ دے گا) اور اللہ کو پایا اپنے عمل کے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا (ہوا یعنی دنیا میں ہی اس کے عمل کا بدلہ پورا کر دیا حساب چکا دیا) اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ یا وہ (کافر لوگ کہ ان کے برے اعمال) ایسے ہیں جیسے برے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی موج نے ڈھنک لیا ہوا اس (موج) اوپر دوسری موج (ہو پھر) اس کے اوپر بادل (ہو، یہ) اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں (سمندر کی تاریکی اور موج اول کی تاریکی اور موج کی تاریکی پھر بادل کی تاریکی) کہ اگر اس قدر اندھیروں میں کوئی آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں (یعنی اس کو دیکھنا ممکن نہیں) اور اس کو دیکھنا ممکن نہیں) اور جس کو اللہ ہی نور ہدایت نہ دے اس کو کہیں سے بھی ہدایت کا نور نہیں حاصل ہو سکتا جس کو اللہ نے ہدایت نہ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُنَوِّرُ هُمَا: نور مجازی طور پر منور کے معنی میں ہے نور وہ کیفیت جس کا ادراک باصرہ کرلے۔

قوله: الْأُنْبُوْبَة: پوری، مصباح الزجاجہ۔ چراغ دان۔

قوله: الغد: مصدر ہے اس کا اطلاق وقت پر کیا گیا۔

قوله: بَيْنَ النَّجَاةِ: یعنی نجات کی توقع اور ہلاکت کا خوف۔

قوله: لِيَجْزِيَهُمُ: یہ یسبح سے متعلق ہے یا لا تلیهم یا یخافون سے۔

قوله: ثَوَابَهُ: وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا۔

قوله: مِّنْ فَضْلِهٖ: سے ان اشیاء کا ثواب جن پر نہ وعدہ ثواب ہے اور نہ ان کا کبھی خیال گزرا۔

قوله: قَاعٍ: برابر زمین، یسرب، چلنا۔

قوله: الظَّمْاٰنُ: سخت رسوائی میں کافر کو اس سے تشبیہ دی اسی وجہ سے اس کو خاص کیا۔

قوله: كَظُلُمٰتٍ: اس کا عطف سراب پر ہے تخییر کے لئے آیا ہے۔

قولہ: النَّاظِرِ: تمام ضمائر ناظر کی طرف راجع ہیں جس کا ذکر دلالۃً پایا جاتا ہے۔

تفسیر مقبولین

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔۔

نور کی تعریف:

امام غزالی نے یہ فرمائی: الظاہر بنفسہ والمظہر لغیرہ، یعنی خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ اور تفسیر مظہری میں ہے کہ نور دراصل اس کی کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ نور کا اپنے لغوی اور عرفی معنے کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات سب سے بری اور وراء الوریٰ ہے اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنے باتفاق ائمہ تفسیر منور یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر صیغہ مبالغہ کی طرح صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا جیسے صاحب کرم کو کرم اور صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے۔ اور معنے آیت کے وہ ہیں جو خلاصہ تفسیر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور بخشنے والے ہیں آسمان و زمین کو اور اس میں بسنے والی سب مخلوق کو اور مراد اس نور سے نور ہدایت ہے۔ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اللّٰہ ھادی اھل السموات والارض۔

نور مؤمن:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو مؤمن کے قلب میں آتا ہے۔ یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر نے حضرت ابی بن کعب سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: ھو المؤمن الذی جعل اللّٰہ الایمان والقران فی صدرہ فضرب اللّٰہ مثلہ فقال اللّٰہ نور السموت والارض فبداء بنور نفسہ ثم ذکر نور للمؤمن فقال مثل نور من امن بہ فکان ابی بن کعب یقراءھا مثل نور من امن بہ (ابن کثیر)

یعنی یہ مثال اس مؤمن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈال دیا ہے اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پھر قلب مؤمن کے نور کا ذکر فرمایا: مَثَلُ نُوْرِهٖ اور اس آیت کی قرات بھی حضرت ابی ابن کعب کی مثل نورہ کے بجائے مثل نور من امن بہ کی ہے اور سعید بن جبیر نے یہی قرات اور آیت کا یہی مفہوم حضرت ابن عباس سے بھی روایت کیا ہے ابن کثیر نے یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مثل نورہ کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا

نور ہدایت جو مؤمن کے قلب میں فطرتاً رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کمشکوٰۃ الخ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر ہی مؤمن کی طرف راجع ہو جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے۔ اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ وتابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مؤمن ہی اٹھاتا ہے۔ ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جائے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب ومشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نور ہدایت کی وجہ سے اس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جب انبیاء اور ان کے نائبوں کے ذریعے وحی الٰہی کا علم ان کو پہنچتا ہے تو وہ اس کو بسہولت قبول کر لیتے ہیں بجز ان ممسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاء نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے مؤمن کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور آخر آیت میں یہ فرمایا: يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے یہاں مشیت الٰہی کی قید اس نور فطرت کے لئے نہیں جو ہر انسان میں رکھا ہے بلکہ نور قرآن کے لئے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بجز اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو۔ ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیق الٰہی بیکار بلکہ بعض اوقات مضر بھی پڑ جاتی ہے۔

اذا لم یکن عون من اللہ للفتی فاول مایجنی علیہ اجتہادہ

یعنی اگر اللہ کی طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو تو اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے۔

نور نبی کریم ﷺ:

اور امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا

کہتے ہیں مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ الآیۃ کعب احبار جو تورات و انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ آپ کا سینہ اور زجاجہ (قندیل) آپ کا قلب مبارک، اور مصباح (چراغ) نبوت ہے اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہوجاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اظہار نبوت و بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب و غریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جن کو اصطلاح محدثین میں ارہاصات کہا جاتا ہے کیونکہ معجزات کا لفظ تو اس قسم کے ان واقعات کے لئے مخصوص ہے جو دعوائی نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں۔ اور دعوائی نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو ارہاصات کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے خصائص کبری میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کردیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کردیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات:

شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بیشمار منافع اور فوائد رکھے ہیں اس کو چراغوں میں روشنی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی روشنی ہر تیل کی روشنی سے زیادہ صاف شفاف ہوتی ہے اس کو روٹی کے ساتھ سالن کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے پھل کو بطور تفکہ کے کھایا بھی جاتا ہے اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کے لئے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں خود بخود اس کے پھل سے نکل آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ ہے۔
(رواہ البغوی والترمذی عن عمر مرفوعا مظہری)

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

مؤمن کے دل سے مماثلت:

مؤمن کے دل کی اور اس میں جو ہدایت و علم ہے اس کی مثال اوپر والی آیت میں اس روشن چراغ سے دی تھی جو شیشہ کی ہانڈی میں ہو اور صاف زیتون کے روشن تیل سے جل رہا ہے۔ اس لیئے یہاں اس کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کی توحید بیان کی جاتی ہے۔ جن کی نگہبانی اور پاک صاف رکھنے کا اور بیہودہ اقوال و افعال سے بچانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان ترفع کے معنی اس میں بیہودگی نہ کرنے کے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس سے یہی مسجدیں ہیں جن کی تعمیر، آبادی، ادب اور پاکیزگی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ کعب رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ زمین پر

مسجدیں میرا گھر ہیں، جو بھی باوضو میرے گھر پر میری ملاقات کے لئے آئے گا، میں اس کی عزت کرونگا ہر اس شخص پر جس سے ملنے کے لئے کوئی اس کے گھر آئے حق ہے کہ وہ اس کی تکریم کرے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم)

مسجدوں کے بنانے اور ان کا ادب احترام کرنے انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جنہیں بحمد اللہ میں نے ایک مستقل کتاب میں لکھا ہے یہاں بھی ان میں سے تھوڑی بہت وارد کرتا ہوں، اللہ مدد کرے اسی پر بھروسہ اور توکل ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس جیسا گھر جنت میں بناتا ہے (بخاری ومسلم) فرماتے ہیں نام اللہ کے ذکر کئے جانے کے لئے جو شخص مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (ابن ماجہ) حضور ﷺ نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں اور پاک صاف اور خوشبودار رکھی جائیں (ترمذی شریف) حضرت عمرؓ کا فرمان ہے لوگوں کے لئے مسجدیں بناؤ جہاں انہیں جگہ ملے لیکن سرخ یا زرد رنگ سے بچو تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑیں۔ (بخاری شریف) ایک ضعیف سند سے مروی ہے کہ جب تک کسی قوم نے اپنی مسجدوں کو ٹیپ ٹاپ والا، نقش ونگار اور رنگ روغن والا نہ بنایا ان کے اعلام برے نہیں ہوئے (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے مسجدوں کو بلند وبالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ابن عباس راوی حدیث فرماتے ہیں کہ تم یقیناً مسجدوں کو مزین، منقش اور رنگ دار کرو گے جیسے کہ یہود ونصاریٰ نے کیا (ابوداؤد) فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے پر فخر وغرور نہ کرنے لگیں۔ (ابوداؤد وغیرہ)

ایک شخص مسجد میں اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا آیا اور کہنے لگا ہے کوئی جو مجھے میرے سرخ رنگ کے اونٹ کا پتہ دے۔ آپ نے بددعا کی کہ اللہ کرے تجھے نہ ملے۔ مسجدیں تو جس مطلب کے لئے بنائی گئی ہیں، اسی کام کے لئے ہیں (مسلم) حضور ﷺ نے مسجدوں میں خرید وفروخت، تجارت کرنے سے اور وہاں اشعار کے گائے جانے سے منع فرما دیا ہے (احمد وغیرہ) فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ کرے نہ ملے۔ (ترمذی) بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے، نہ تیر پھیلائے جائیں نہ کچا گوشت لایا جائے، نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو، دیوانوں کو، خرید وفروخت کو، لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حد جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو۔ ان کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکاؤ (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ بعض علماء نے بلاضرورت کے مسجدوں کو گزرگاہ بنانا مکروہ کہا ہے۔ ایک اثر میں ہے کہ جو شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے گزر جائے، فرشتے اس پر تعجب کرتے ہیں۔ ہتھیاروں اور تیروں سے جو منع فرمایا یہ اس لئے کہ مسلمان وہاں بکثرت جمع ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے لگ جائے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا حکم ہے کہ تیر یا نیزہ لے کر گزرے تو اسے چاہئے کہ اس کا پھل اپنے ہاتھ میں رکھے تاکہ کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ کچا گوشت لانا اس لئے منع ہے کہ خوف ہے اس میں سے خون نہ ٹپکے جیسے کہ حائضہ عورت کو بھی اسی وجہ سے مسجد میں آنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مسجد میں حد لگانا اور قصاص لینا اس

لئے منع کیا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شخص مسجد کو نجس نہ کردے۔ بازار بنانا اس لئے منع ہے کہ وہ خرید وفروخت کی جگہ ہے اور مسجد میں یہ دونوں باتیں منع ہیں۔ کیونکہ مسجدیں ذکر اللہ اور نماز کی جگہ ہیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا، جس نے مسجد کے گوشے میں پیشاب کر دیا تھا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، بلکہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز کی جگہ ہے۔ پھر اس کے پیشاب پر ایک بڑا ڈول پانی کا بہانے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں ہے اپنے بچوں کو اپنی مسجدوں سے روکو اس لئے کہ کھیل کود ہی ان کا کام ہے اور مسجد میں یہ مناسب نہیں۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ جب کسی بچے کو مسجد میں کھیلتا ہوا دیکھ لیتے تو اسے کوڑے سے پیٹے اور عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں کسی کو نہ رہنے دیتے۔ دیوانوں کو بھی مسجدوں سے روکا گیا کیونکہ وہ بے عقل ہوتے ہیں اور لوگوں کے مذاق کا ذریعہ ہوتے ہیں اور مسجد اس تماشے کے لائق نہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ ان کی نجاست وغیرہ کا خوف ہے۔ بیع شراء سے روکا گیا کیونکہ وہ ذکر اللہ سے مانع ہے۔ جھگڑوں کی مصالحتی مجلس منعقد کرنے سے اس لئے منع کر دیا گیا کہ اس میں آوازیں بلند ہوتی ہیں ایسے الفاظ بھی نکل جاتے ہیں جو آداب مسجد کے خلاف ہیں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ فیصلے مسجد میں نہ کئے جائیں اسی لئے اس جملے کے بعد بلند آواز سے منع فرمایا۔ سائب بن یزید کندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطابؓ تھے مجھ سے فرمانے لگے، جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ، جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہاں رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا تم مسجد نبوی میں اونچی اونچی آوازوں سے بول رہے ہو؟ (بخاری) ایک شخص کی اونچی آواز سن کر جناب فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا۔ جانتا بھی ہے تو کہاں ہے۔ (نسائی) اور مسجد کے دروازوں پر وضو کرنے والے اور پاکیزگی حاصل کرنے کی جگہ بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبوی کے قریب ہی کنویں تھے جن میں سے پانی کھینچ کر پیتے تھے اور وضو اور پاکیزگی حصل کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن اسے خوشبودار کرنے کا حکم ہوا ہے کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابو یعلی موصلی میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ہر جمعہ کے دن مسجد نبوی کو مہکایا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز انسان کی اکیلی نماز پر جو گھر میں یا دوکان پر پڑھی جائے، پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے، یہ اس لئے کہ جب وہ اچھی طرح سے وضو کر کے صرف نماز کے ارادے سے چلتا ہے تو ہر ایک قدم کے اٹھانے پر اس کا ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور جب نماز پڑھ چکتا ہے پھر جت تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہے، فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر۔ اور جب تک جماعت کے انتظار میں رہے نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ دار قطنی میں ہے مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی۔ سنن میں ہے اندھیروں میں مسجد جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا۔ یہ بھی مستحب ہے کہ مسجد میں جانے والا پہلے اپنا داہنا قدم رکھے اور یہ دعا پڑھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مسجد میں آتے یہ کہتے دعا: (اعوذ باللہ العظیم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم) فرمان ہے کہ جب کوئی شخص یہ پڑھتا ہے شیطان کہتا ہے میرے شر سے یہ تمام دن محفوظ ہو گیا۔ مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی مسجد میں جانا چاہے یہ دعا پڑھے: (اللهم افتح لی ابواب رحمتک)

اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی ﷺ پر سلام بھیجے پھر دعا (اللھم افتح لی ابواب رحمتک) پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی ﷺ پر سلام بھیج کر دعا (اللہم اعصمنی من الشیطان الرجیم) پڑھے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ جب آپ مسجد میں آتے تو درود پڑھ کر دعا (اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک) پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو درود کے بعد دعا (اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک) پڑھتے۔ اس حدیث کی سند متصل نہیں۔ الغرض یہ اور ان جیسی اور بہت سی حدیثیں اس آیت کے متعلق ہیں جو مسجد اور احکام مسجد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور آیت میں ہے تم ہر مسجد میں اپنا منہ سیدھا رکھو۔ اور خلوص کے ساتھ صرف اللہ کو پکارو۔ ایک اور آیت میں ہے کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کا نام ان میں لیا جائے یعنی کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے۔ صبح شام وہاں اس اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آصال جمع ہے اصیل کی، شام کے وقت کو اصیل کہتے ہیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں جہاں کہیں قرآن میں تسبیح کا لفظ ہے وہاں مراد نماز ہے۔ پس یہاں مراد صبح کی اور عصر کی نماز ہے۔ پہلے پہلے یہی دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پس وہی یاد دلائی گئیں۔ ایک قراءت میں یسبح ہے اور اس قراءت پر آصال پر پورا وقف ہے اور رجال سے پھر دوسری بات شروع ہے گویا کہ وہ مفسر ہے فاعل محذوف کے لئے۔ تو گویا کہا گیا کہ وہاں تسبیح کون کرتے ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ ایسے لوگ اور یسبح کی قراءت پر رجال فاعل ہے تو وقف فاعل کے بیان کے بعد چاہئے۔

کہتے ہیں رجال اشارہ ہے ان کے بہترین مقاصد اور ان کی پاک نیتوں اور اعلیٰ کاموں کی طرف یہ اللہ کے گھروں کے آباد رکھنے والے ہیں۔ اس کی عبادت کی جگہیں ان سے زینت پاتی ہیں، توحید اور شکر گزاری کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ‌(الاحزاب: ۲۳) یعنی مؤمنوں میں ایسے بھی مرد ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کئے تھے انہیں پورے کر دکھایا۔ ہاں عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی ؓ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا حضور ﷺ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا بہت پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ مجھے بھی معلوم ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تیری اپنے گھر کی نماز صحن کی نماز سے اور حجرے کی نماز گھر کی نماز سے اور گھر کی کوٹھڑی کی نماز حجرے کی نماز سے افضل ہے۔ اور محلے کی مسجد سے افضل گھر کی نماز ہے اور محلے کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ نے اپنے گھر کے بالکل انتہائی حصے میں ایک جگہ کو بطور مسجد کے مقرر کر لیا اور آخری گھڑی تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ہاں البتہ عورتوں کے لئے بھی مسجد میں مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ضرور ہے۔ بشرطیکہ مردوں پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور نہ خوشبو لگا کر نکلیں۔

صحیح حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو (بخاری مسلم وغیرہ) ابوداؤد میں ہے کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر افضل ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ وہ خوشبو استعمال کر کے نہ نکلیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد آنا چاہے تو خوشبو کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ

رات کے اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جونئی باتیں نکالیں ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو پالیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔(بخاری مسلم)

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ ....

ایسے لوگ جنہیں خرید وفروخت یاد الٰہی سے نہیں روکتی۔جیسے ارشاد ہے ایمان والو، مال واولاد تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کردے۔سورۂ جمعہ میں ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر ذکر اللہ کی طرف چل پڑو اور تجارت چھوڑ دو۔مطلب یہ ہے کہ ان نیک لوگوں کو دنیا اور متاع آخرت اور ذکر اللہ سے غافل نہیں کرسکتی، انہیں آخرت اور آخرت کی نعمتوں پر یقین کامل ہے اور انہیں ہمیشہ رہنے والا سمجھتے ہیں اور یہاں کی چیزوں کو فانی جانتے ہیں اس لئے انہیں چھوڑ کر اس طرف توجہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو، اس کی محبت کو، اس کے احکام کو مقدم کرتے ہیں۔حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ تجارت پیشہ حضرات کو اذان سن کر اپنے کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ لوگ انہی میں سے ہیں۔ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں سوداگری یا تجارت کروں اگرچہ اس میں مجھے ہر دن تین سو اشرفیاں ملتی ہوں لیکن میں نمازوں کے وقت یہ سب چھوڑ کر ضرور چلا جاؤں گا۔میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تجارت کرنا حرام ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم میں یہ وصف ہونا چاہئے، جو اس آیت میں بیان ہورہا ہے۔سالم بن عبداللہ نماز کے لئے جارہے تھے۔دیکھا کہ مدینہ شریف کے سوداگر اپنی اپنی دوکانوں پر کپڑے ڈھک کر نماز کے لئے گئے ہوئے ہیں اور کوئی بھی دوکان پر موجود نہیں تو یہی آیت پڑھی اور فرمایا یہ انہی میں سے ہیں جن کی تعریف جناب باری نے فرمائی ہے۔اس بات کا سلف میں یہاں تک خیال تھا کہ ترازو اٹھائے تول رہے ہیں اور اذان کان میں پڑی تو ترازو رکھ دی اور مسجد کی طرف چل دیئے فرض نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا انہیں عشق تھا۔وہ نماز کے اوقات کی ارکان اور آداب کی حفاظت کے ساتھ نمازوں کے پابند تھے۔یہ اس لئے کہ دلوں میں خوف الٰہی تھا قیامت کا آنا برحق جانتے تھے اس دن کی خوفناکی سے واقف تھے کہ سخت تر گھبراہٹ اور کامل پریشانی اور بے حد الجھن کی وجہ سے آنکھیں پتھرا جائیں گی، دل اڑ جائیں گے، کلیجے دہل جائیں گے۔جیسے فرمان ہے کہ میرے نیک بندے میری محبت کی بنا پر مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے کھلا رہے ہیں، ہمارا مقصد تم سے شکریہ طلب کرنے یا بدلہ لینے کا نہیں۔ہمیں تو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جب کہ لوگ مارے رنج وغم کے منہ بسورے ہوئے اور تیوریاں بدلے ہوئے ہوں گے۔پس اللہ ہی انہیں اس دن کی مصیبتوں سے نجات دے گا اور انہیں تر وتازگی بشاشت، ہنسی خوشی اور راحت وآرام سے ملادے گا۔اور ان کے صبر کے بدلے انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کی نیکیاں مقبول ہیں، برائیاں معاف ہیں ان کے ایک ایک عمل کا بہترین بدلہ مع زیادتی اور اللہ کے فضل کے انہیں ضرور ملنا ہے۔جیسے فرمان ہے اللہ تعالیٰ بقدر ایک ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا۔اور آیت میں ہے نیکی دس گناہ کردی جاتی ہے۔اور آیت میں ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے گا، اسے اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر زیادہ سے زیادہ کر کے دے گا۔فرمان ہے: يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرہ:۲۶۱) وہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔یہاں فرمان ہے وہ جسے چاہے

بے حساب دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا، آپ نے اپنی مجلس کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو پلانا چاہا مگر سب روزے سے تھے۔ اس لئے آپ ہی کے پاس پھر برتن آیا۔ آپ نے یہی آیت یخافون سے پڑھی اور پی لیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن جب کہ اول آخر سب جمع ہو نگے، اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم دے گا جو با آواز بلند ندا کرے گا جسے تمام اہل محشر سنیں گے کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ بزرگ کون ہے ؟ پھر فرمائے گا وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جنہیں لین دین اور تجارت ذکر اللہ سے روکتا نہ تھا پس وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے سب سے پہلے انہیں حساب سے فارغ کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں ان کی نیکیوں کا اجر یعنی جنت بھی انہیں ملے گی اور مزید فضل الٰہی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ احسان کئے ہوں گے اور وہ مستحق شفاعت ہونگے ان سب کی شفاعت کا منصب انہیں حاصل ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ ...

کافروں کے اعمال ریت کی طرح سے ہیں جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہے:

اہل ایمان کے اعمال کی جزا بتانے کے بعد کافروں کے اعمال کا تذکرہ فرمایا اور آخرت میں ان کے منافع سے محرومی ظاہر کرنے کے لیے دو مثالیں ظاہر فرمائیں۔ کافر لوگ دنیا میں بہت سے اعمال کرتے ہیں۔ مثلاً صلہ رحمی بھی کرتے ہیں۔ جانوروں کو کھلاتے ہیں،

چیونٹیوں کے بلوں میں آٹا ڈالتے ہیں مسافر خانے بناتے ہیں کنویں کھدواتے ہیں اور پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے موت کے بعد فائدہ پہنچے گا ان کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کے لیے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ پہلی مثال یہ کہ ایک شخص پیاسا ہو وہ دور سے سراب یعنی ریت کو دیکھے اور اسے یہ سمجھے یہ پانی ہے (سخت دوپہر کے وقت جنگلوں کے چٹیل میدانوں میں سے دور سے ریت پانی معلوم ہوتا ہے) اب وہ جلدی جلدی اپنے خیال میں پانی کی طرف چلا وہاں پہنچا تو جو کچھ اس کا خیال تھا اس کے مطابق کچھ بھی نہ پایا وہاں تو ریت نکلی (جو سخت گرم تھی نہ اسے کھا سکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے) جس طرح پیاسے کا گمان جھوٹا نکلا اسی طرح کافروں کا یہ خیال کہ ظاہری صورت میں جو اچھے اعمال کرتے ہیں یہ موت کے بعد نفع بخش ہونگے غلط ہے کیونکہ اعمال صالحہ کے اخروی ثواب کے لیے ایمان شرط ہے وہاں پہنچیں گے تو کسی عمل کا جسے نیک سمجھ کر کیا تھا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا کما قال تعالیٰ: (وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا) (اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار)۔ لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو جو بظاہر نیک ہوں بالکل ضائع نہیں فرماتا ان کا بدلہ دنیا میں دے دیتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کسی مؤمن پر ایک نیکی کے بارے میں بھی ظلم نہیں فرمائے گا دنیا میں بھی اس کا بدلہ دے گا اور آخرت میں بھی اس کا اَجر دے گا لیکن کافر جو نیکیاں اللہ کے لیے کرتا ہے دنیا میں اس کا بدلہ دے دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی بھی نیکی نہ بچی ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (رواہ مسلم)

وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ (اور اس نے اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا سو اس نے اس کا حساب پورا کر دیا) یعنی دنیا میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جا چکا ہوگا قال صاحب معالم التنزیل ص ۳۴۹ ج ۳ و وجد الله عنده ای عند عمله فوفه حسابه ای جزاء عمله اه و قال صاحب الروح ۸۸۷ ج ۱۸ و قیل و جد الله تعالی محاسبا ایاه علی ان العندية بمعنى الحساب لذكر التوفية بعد بقوله سبحانه فوفاه حسابه ای اعطاه وافيا كاملا حساب عمله وجزاءه او اتم حسابه بعرض الكتبة ما قدمه۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِنَ التَّسْبِيْحِ صَلٰوةٌ وَّالطَّيْرُ جَمْعُ طَائِرٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ صٰٓفّٰتٍ حَالٌ بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتِهِنَّ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ اللّٰهُ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۝ فِيْهِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۝ الْمَرْجِعُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا يَسُوْقُهٗ بِرِفْقٍ ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ يَضُمُّ بَعْضَهٗ اِلٰى بَعْضٍ فَيَجْعَلُ الْقِطَعَ الْمُتَفَرِّقَةَ قِطْعَةً وَاحِدَةً ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطَرَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ مَخَارِجِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ زَائِدَةٌ جِبَالٍ فِيْهَا فِي السَّمَاءِ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الْجَارِ مِنْۢ بَرَدٍ اَيْ بَعْضُهٗ مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ يَكَادُ يَقْرُبُ سَنَا بَرْقِهٖ لَمَعَانُهٗ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ۝ النَّاظِرَةِ لَهٗ اَنْ يَخْطَفَهَا يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اَيْ يَاْتِيْ بِكُلٍّ مِنْهُمَا بَدَلَ الْاٰخَرِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ التَّقْلِيْبِ لَعِبْرَةً دَلَالَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۝ لِاَصْحَابِ الْبَصَائِرِ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ اَيْ حَيَوَانٍ مِّنْ مَّاۗءٍ اَيْ نُطْفَةٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ كَالْحَيَاتِ وَالْهَوَامِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ كَالْاِنْسَانِ وَالطَّيْرِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ كَالْبَهَائِمِ وَالْاَنْعَامِ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ اَيْ بَيِّنَاتٍ هِيَ الْقُرْاٰنُ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَيَقُوْلُوْنَ اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِاللّٰهِ بِتَوْحِيْدِهٖ وَبِالرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ وَاَطَعْنَا هُمَا فِيْمَا حَكَمَا بِهٖ ثُمَّ يَتَوَلّٰى يُعْرِضُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَنْهُ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ الْمُعْرِضُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۝ الْمَعْهُوْدِيْنَ الْمُوَافِقِ قُلُوْبُهُمْ لِاَلْسِنَتِهِمْ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الْمُبَلِّغِ عَنْهُ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ عَنِ الْمَجِيْءِ اِلَيْهِ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ۝ مُسْرِعِيْنَ طَائِعِيْنَ اَفِيْ

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ كُفْرٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَیْ شَكُّوْا فِیْ نُبُوَّتِهٖ اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ فِی الْحُكْمِ اَیْ

يُظْلَمُوْا فِيْهِ لَا بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ بِالْاِعْرَاضِ عَنْهُ ع ۱۲

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین ہیں (اور تسبیح میں نماز بھی ہے) اور پرندے بھی جو پھیلائے ہوئے ہیں طیر طائر کی جمع ہے صافات حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ اپنے بازو کھولے ہوئے ہیں (آسمان وزمین کے درمیان اڑتے ہوئے) سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے (من میں ذوالعقول کا غلبہ ہے) اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں (بارش اور رزق اور نباتات کے خزانے سب پر اسی کا حکم واقتدار ہے) اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے کیا تجھ کو اے مخاطب! یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادل کو چلتا کرتا ہے (نرمی اور ہلکا پن کے ساتھ) پھر اس بادل کو باہم (بعض کو بعض پر) ملا دیتا ہے (کہ متفرق ٹکڑوں کو ایک ہی ٹکڑا کر دیتا ہے (پھر اس کو تہہ بہ تہہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس بادل کے بیچ سے (یعنی اس کے مخرج) میں سے نکل کر آتی ہے اور اس بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے (ھا ضمیر آسمان کی جانب سے ہے اور اس پر حرف جر کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے (من برد میں من برائے بعض ہے) پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے (دیکھنے والا کی) آب بینائی کو اچک لیا (اور) اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے بدل لاتا ہے اس لوٹ پھیر میں اہل دانش کے لیے (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر) استدلال ہے اور اللہ ہی نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا ہے پھر ان میں بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں (مثلاً سانپ اور حشرات الارض) اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے) اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں (جیسے چوپائے اور جانور) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔ ہم نے حق کے سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں (وہ آیات قرآنی ہیں) جس کو اللہ چاہتا ہے راہ راست یعنی دین اسلام کی طرف خاص ہدایت فرماتا ہے اور یہ منافق لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول ﷺ پر ایمان لے آئے اور (خدا اور رسولؐ کے) حکم (کو جس چیز سے متعلق بھی حکم دیں) مانا پھر اس کے بعد ان کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے (اس سے) اور یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے (جو اعراض کرنے والے ہیں کہ ان کے قلوب ان کی زبانوں کے موافق نہیں) یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں تو ان میں ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے (آپ ﷺ کی طرف آنے میں) اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر (تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے) کیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہیں (آپؐ کی نبوت کے سلسلہ میں) یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ان پر ظلم کرنے لگیں (فیصلہ میں یعنی ان کو یہ خیال ہے کہ فیصلہ میں وہ ظلم کیے جائیں گے) نہیں بلکہ یہ لوگ برسر ظلم ہیں (اس سے اعراض کر کے!)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ : ان ضمائر کے بارے میں متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ تمام ضمائر کل قد علم کی طرف راجع ہوں۔ یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں سب ضمائر متفق ہو جاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو ضمیر: لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ہے وہ خدا کی طرف لوٹتی ہو اور صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ کی ضمیر کل کی طرف لوٹتی ہو اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر لہ کی المسبح کی طرف لوٹتی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر چیز اس تسبیح کے طور وطریق کو جانتی ہے جس کا اسے حکم کیا گیا ہے۔ علم میں جو ضمیر ہے اور صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ میں ان کا مرجع کل ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو بھی تسبیح اسی طرح الہام کی ہے۔ جیسا کہ انسانوں کو علوم کا الہام کیا گیا ہے۔

قوله: يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ : یعنی مختلف اجزاء کو جمع کرتا ہے اور اجزاء کے متعدد ہونے کی بناء پر بین کا استعمال صحیح ہے۔ مختلف بادل کے ٹکڑے ایک ٹکڑے کے حکم میں ہیں اور اگر سحاب، سحابۃ کی جمع ہے تو بات صاف ہے کوئی چیز مقدر نہیں ماننا پڑے گی۔

قوله: وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ : اَلسَّمَاءِ سے بدل بعض واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں من زائدہ ہے اور رابط دونوں کے درمیان فِيْهَا ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ جار مجرور یعنی من جبال پہلے جار مجرور یعنی مِنَ السَّمَاءِ کا بدل ہو اس صورت میں مِنْ ابتدائیہ ہوگا۔

تفسیر مقبولین

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے میں مشغول ہے۔ اس تسبیح کا مفہوم حضرت سفیان نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین، آفتاب و ماہتاب اور کل سیارے اور ستارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اس پر لگا ہوا ہے اس سے سر مو خلاف نہیں کرتا۔ اسی اطاعت و انقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح حالی ہے مقالی نہیں۔ ان کی زبان حال بول رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پاک و برتر سمجھ کر اس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادات ان کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہیں آخری جملے: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے: اعطی کل شئی خلقه ثم هدی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کی اپنی ضروریات زندگی کے متعلق بھی اس کو ایسی ہدایت دے دی ہے کہ بڑے بڑے عقلاء کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اپنے رہنے بسنے کے لئے کیسے کیسے گھونسلے اور بل وغیرہ بناتے ہیں اور اپنی غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔

منافقوں کی دنیا طلبی، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی اطاعت سے انحراف اور قبول حق سے اعراض:

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے واضح آیات کھلی کھلی نشانیاں نازل فرمائی ہیں جو حق اور حقیقت کو واضح کرنے والی ہیں جو عقل و فہم سے کام نہیں لیتا وہ دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمراہی کے راستے ہی اختیار کیے ہوئے رہتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے، اس کے بعد چار آیات ہیں ان کو سمجھنے کے لیے منافقین کے بعض واقعات کو سمجھنا چاہیے ایک واقعہ ہم سورۂ نساء کی آیت (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ) کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں وہ بشر نامی منافق کا قصہ ہے۔ ایک واقعہ بعض مفسرین نے ان آیات کے ذیل میں لکھا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مغیرہ بن وائل سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا دونوں نے آپس میں بخوشی اس زمین کو تقسیم کر لیا اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ تم اپنی زمین مجھے بیچ دو حضرت علی اس پر راضی ہو گئے بیع مکمل ہو گئی حضرت علیؓ نے قیمت پر اور مغیرہ نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کسی نے مغیرہ کو سمجھایا کہ تو نے یہ نقصان کا سودا کیا ہے۔ یہ شور زمین ہے اس پر اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ اپنی زمین واپس لے لیں کیونکہ میں اس سودے پر راضی نہیں تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تو نے اپنی خوشی سے یہ معاملہ کیا ہے اور اس زمین کا حال جانتے ہوئے تو نے خریدا ہے۔ مجھے اس کا واپس کرنا منظور نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ چل ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقدمہ پیش کریں اس پر وہ کہنے لگا کہ میں محمد ﷺ کے پاس نہیں جاتا وہ تو مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں مجھ پر ظلم کر دیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی چونکہ وہ شخص منافق تھا اس لیے اس نے مذکورہ بالا بے ہودہ گستاخی والی بات کہی۔ اور چونکہ منافقین آپس میں اندرونی طور پر ایک ہی تھے گھل مل کر رہتے تھے نیز ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے اس لیے آیت شریفہ میں طرز بیان اس طرح اختیار فرمایا کہ سب منافقین کو شامل فرما لیا۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت حسنؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب منافقین میں سے کسی سے جھگڑا ہوتا اور وہ جھگڑا نمٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آپ میرے ہی حق میں فیصلہ فرمائیں گے تو حاضر خدمت ہو جاتا اور اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ کسی پر ظلم کرے اور اسے خصومت کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے کہا جاتا تو اعراض کرتا تھا اور کسی دوسرے

شخص کے پاس چلنے کو کہتا تھا منافقین نے اپنا یہ طریقہ کار بنا کر رکھا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ سبب نزول سمجھے کے بعد اب آیات کا ترجمہ اور مطلب سمجھئے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہری طور پر زبان سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں اس ظاہری قول وقرار کے بعد عملی طور پر ان میں سے ایک جماعت منحرف ہو جاتی ہے چونکہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں اس لیے انہوں نے ایسا طرز عمل اپنا رکھا ہے جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو ان کی ایک جماعت اس سے اعراض کرتی ہے (کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ظلم کر رکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے تو فیصلہ ہمارے خلاف جائے گا) اور اگر ان کا حق کسی پر آتا ہو تو اس حق کے وصول کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بڑی ہی فرمانبرداری کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔ مقصد ان کا صرف دنیا ہے ایمان کا اقرار اور فرماں برداری کا قول وقرار دنیاوی منافع ہی کے لیے ہے۔ خدمت عالی میں حاضر ہونے کی صورت میں بھی طالب دنیا ہی ہیں اور حاضری دینے سے اعراض کرنے میں بھی دنیا ہی پیش نظر ہوتی ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ بِالْقَوْلِ اللَّائِقِ بِهِمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ بِالْإِجَابَةِ وَاُولٰۗىِٕكَ حِيْنَئِذٍ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ النَّاجُوْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ يَخَافُهُ وَيَتَّقْهِ بِسُكُوْنِ الْهَاءِ وَكَسْرِهَا بِاَنْ يُطِيْعَهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ بِالْجَنَّةِ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ غَايَتُهَا لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ بِالْجِهَادِ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّهُمْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ لِلنَّبِيِّ خَيْرٌ مِنْ قَسَمِكُمُ الَّذِيْ لَا تَصْدُقُوْنَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ مِنْ طَاعَتِكُمْ بِالْقَوْلِ وَمُخَالَفَتِكُمْ بِالْفِعْلِ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنْ طَاعَتِهِ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ خِطَابٌ لَهُمْ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ مِنَ التَّبْلِيْغِ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ مِنْ طَاعَتِهِ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَيِ التَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ بَدْلًا عَنِ الْكُفَّارِ كَمَا اسْتَخْلَفَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بَدْلًا عَنِ الْجَبَابِرَةِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَهُوَ الْاِسْلَامُ بِاَنْ يُظْهِرَهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ وَيُوَسِّعَ لَهُمْ فِي الْبِلَادِ فَيَمْلِكُوْهَا وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ اَمْنًا ۭ وَقَدْ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُ لَهُمْ بِمَا ذَكَرَهُ وَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهِ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ هُوَ مُسْتَانِفٌ فِيْ حُكْمِ التَّعْلِيْلِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْاِنْعَامِ مِنْهُمْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ وَاَوَّلُ مَنْ كَفَرَ بِهٖ قَتَلَةُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَارُوْا يَقْتَتِلُوْنَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اِخْوَانًا وَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ اَيْ رِجَاءَ الرَّحْمَةِ لَا تَحْسَبَنَّ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ
وَالْفَاعِلُ الرَّسُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ لَنَا فِي الْاَرْضِ ۚ بِاَنْ يَفُوْتُوْنَا وَمَاْوٰىهُمُ مَرْجِعُهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ
ع ۱۲ الْمَصِيْرُ۝ اَلْمَرْجِعُ هِيَ.

ترجمہ: ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلایا جائے ان کو اللہ اور رسولؐ کی طرف ان میں فیصلہ کرنے کو تو وہ کہہ دیتے تھے کہ ہم نے سن لیا اور اس کو مان لیا یعنی ایسا کہنا ہی مومنین کی شان کے لائق ہے اور ایسے ہی لوگ فلاح (ونجات) پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے یتقه هاء کے سکون اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی اطاعت کرے بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے (جنت کے حصول کے ساتھ) اور وہ منافق لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ اگر آپ ﷺ ان کو حکم دیں (جہاد میں جانے کا) تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت معلوم ہے۔ (جس میں تم لوگ سچے نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (قول سے دعویٰ تمہاری اطاعت کا اور فعل سے تمہاری مخالفت کا) آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ (اس کی اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو لوا میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ ان ہی کو خطاب ہے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی تبلیغ کا کام ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے یعنی تبلیغ کا اور تمہارے ذمہ وہی ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے (اس کی طاعت میں سے) اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پہنچا دینا ہے وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انھوں نے نیک کام کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرما دے گا (کفار کے بدل) جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ استخلف معروف و مجہول دونوں طرح ہے۔ (مثلاً بنی اسرائیل کو قوم جبار کے بدل میں) اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو ان کے نفع آخرت کے لیے قوت دے گا (اور وہ اسلام ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کو دیگر تمام ادیان پر غالب کر دیں گے اور بلاد اسلامی میں وسعت کر دیں گے کہ جس پر وہ حکومت کریں گے) اور ان کے اس خوف کے بعد (جو کفار سے ہے) اس کو امن سے بدل دے گا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا مذکورہ وعدہ پورا فرما دیا اور آئندہ ارشاد میں ان کی تعریف فرمائی) بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں (یہ جملہ مستانفہ علت کے حکم میں ہے) اور جو شخص (ان لوگوں میں سے انعام کے ظہور ہونے کے) بعد ناشکری کرے گا تو یہ لوگ نافرمان ہیں (چنانچہ جس شخص نے سب سے پہلے اس نعمت وعدہ کی ناشکری کی وہ ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، پھر اس کے بعد سلسلہ قتل و قتال شروع ہو گیا اگرچہ وہ اہل اسلام بھائی بھائی تھے آپس میں) ور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسولؐ کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر (کامل) رحم کیا جائے (رحمت کی امید ہے) اے مخاطب کافروں کی نسبت یہ خیال کرنا (تاء کے ساتھ اور یاء کے ساتھ دونوں

زانیں ہیں اور اس کا فاعل الرسول ہے) کہ زمین میں تھکا دیں گے (ہم کو کہ بھاگ جائیں، بچ کر نکل جائیں) اور ان کا ٹھکانا آخرت میں دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے، وہ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ: یعنی فرائض وسنن میں اللہ تعالیٰ اور اس کی رسول کی بات ماننا ہے۔

قوله: وَيَخْشَ اللّٰهَ: اپنے سے صادر ہونے والے گناہوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

قوله: لَيَخْرُجُنَّ: یہ اقسموا کا علی الحکایت جواب ہے۔

قوله: لَّا تُقْسِمُوْا: جھوٹی قسمیں مت کھاؤ۔

قوله: مَّعْرُوْفَةٌ: ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ طاعت وتقرب میں جانا پہچانا اور شریعت نے جس پر ابھارا یا ممانعت کی ہو۔

قوله: اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: یعنی رسول نے تو اپنی ذمہ داری پوری کردی اب تم پر جو تم نے ذمہ لیا اس کی ادائیگی ہے۔

قوله: مِنْكُمْ: اس سے خطاب جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت اجابت کو ہو یا فقط خطاب امت طاعت کو ہو۔

قوله: بما ذکرہ: پس اللہ تعالیٰ نے تمام عرب پر ان کو غلبہ دیا۔

قوله: يَعْبُدُوْنَنِيْ: یہ الذین سے حال ہے کیونکہ وعدہ توحید سے مقید ہے۔

قوله: لَا يُشْرِكُوْنَ: یہ واو سے حال ہے اور من کفر سے مراد وعدے سے پھرنے والے لوگ مراد ہیں۔

قوله: اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ: یعنی تمام مامورات میں۔

قوله: مُعْجِزِيْنَ: فی الارض یہ معجزین کا صلہ ہے اور اس قید کا مقصد نہی کو پختہ کرنا ہے۔

قوله: وَمَاْوٰىهُمُ: اس کا عطف و لا تحسبن پر ہے اور اس نہی کا مقصد یہ کہ وہ یقیناً ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ....

اوپر منافقین کا حال بیان فرمایا کہ وہ صرف زبان سے ایمان اور اطاعت کا اقرار اور اعلان کر دیتے ہیں پھر جب ان کے جھگڑوں کے فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو اعراض کرتے ہیں اور بچ کر چلے جاتے ہیں وہ اپنے ایمان کے اعلان واقرار میں جھوٹے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں سچے مؤمنین کا قول وعمل بتایا اور وہ یہ کہ جب انہیں

کسی فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ ہر موقعہ پر سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ہی کہتے ہیں ذرا بھی اعراض اور انحراف نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن بھی لیا مان بھی لیا یہ حضرات ہی کامیاب ہیں۔ یہ پہلی آیت کا مضمون ہے دوسری آیت میں اس بات کی مزید توضیح فرمائی اور دوبارہ کامیابی کی خوشخبری دی فرمایا کہ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے) وَ یَخْشَ اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرے) وَ یَتَّقْهِ (اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞ (سو یہی لوگ کامیاب ہیں) اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے اول اللہ تعالیٰ کی اطاعت دوم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت (اطاعت میں وہ سب مامورات داخل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا اور اطاعت میں ان اعمال سے بچنا بھی داخل ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا بلکہ سنن وآداب پر عمل کرنا بھی اطاعت کا جزو ہے) اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اس میں فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا داخل ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ تمام گناہوں سے بچتا رہے گو اطاعت میں گناہوں سے بچنا بھی داخل ہے لیکن مزید تاکید اور اہتمام کے لیے اس کا تذکرہ فرمایا۔ مختصر الفاظ میں مؤمن بندوں کی کامیابی بتادی۔ اسی لیے آیت کے ختم پر فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞ فرمادیا فائزین یعنی کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے: (فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ) (سو جو شخص دوزخ سے بچایا دیا گیا اور جنت میں داخل کرا دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا)۔

مفسر ابن کثیر (ص ۲۹۹ ج ۳) نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یَخْشَ اللّٰهَ سے ان گناہوں کے بارے میں ڈرنا مراد ہے جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں اور وَ یَتَّقْهِ سے یہ مراد ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچے۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ....

منافقوں کا جھوٹی قسمیں کھا کر فرمانبرداری کا عہد کرنا:

ان آیات میں بھی روئے سخن منافقین کی طرف ہے وہ زوردار طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تو سراپا اطاعت ہیں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں اگر آپ کا حکم ہو ہم گھر بار چھوڑ کر نکل جائیں تو ہم اس کے لیے بھی حاضر ہیں یہ تفسیر حضرت ابن عباس ؓ سے منقول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ جب بھی جہاد کے لیے باہر نکلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ ان کی تردید میں فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجیے قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری جانی پہچانی ہوئی ہے قسمیں کھانے کے باوجود بھی تم اپنے وعدہ پر پورے نہیں اتر سکتے، حکم سن کر پھر خلاف ورزی کرو گے اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جو شخص مخلص ہو اسے اپنی فرماں برداری ظاہر کرنے کے لیے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو حکم کو مانتا چلا جاتا ہے۔ اس کا عمل اور طرز عمل ہی بتا دیتا ہے کہ وہ مخلص ہے اور جس کا فرماں برداری کا صرف دعویٰ ہو وہ اپنے بھرم رکھنے کے لیے بار بار قسمیں کھاتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور ہر حکم کے لیے حاضر ہوں منافقین کا یہی طریقہ تھا کہ فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے پھر جب حکم ہوتا تھا تو منہ موڑ لیتے تھے اور

مؤمنین اخلاص کے ساتھ فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے انہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص کو آخرت میں بھی پیش ہونا ہے میدان قیامت میں جب حساب ہوگا تو یہ زبانی دعوے اور جھوٹی قسمیں اور دھوکہ دینے کے ارادے اور شر و فساد کی نیتیں سب ہی کا انجام دیکھ لیں اگر بندوں کو پتہ نہ چلے تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ خبر ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا۔ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ میں اس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ ....

رسول کے ذمے تبلیغ حق اور بس: سو ارشاد فرمایا گیا کہ رسول کے ذمے بس وہی کچھ ہے جسکی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی۔ یعنی حق کی تبلیغ جو کہ انہوں نے فرما دی۔ اور اپنی ذمہ داری سے وہ پوری طرح سبکدوش ہو گئے۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔ سو تم لوگ اگر سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا۔ اور اگر تم نے اعراض و روگردانی سے کام لیا تو خود اپنا ہی نقصان کرو گے۔ رسول کا بہرحال اس میں کوئی نقصان نہیں کہ ان کے ذمے تبلیغ حق کا جو کام تھا وہ انہوں نے پورا کر لیا۔ اب اگر تم لوگوں نے رسول کی اطاعت نہ کی تو خدا تعالیٰ کے یہاں جوابدہی تم ہی لوگوں کو کرنی ہے کہ تم نے رسول کی بات کیوں نہ مانی اور ان کی اطاعت کیوں نہ کی۔ تبلیغ کے بعد راہ حق پر ڈال دینا نہ رسول کے ذمے ہے اور نہ ہی ان کے بس میں۔ اور تمہارے ذمے ہے وہ کچھ جسکی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی۔ یعنی حق کو سننے اور ماننے کی ذمہ داری۔ اگر تم نے اس کو پورا کیا تو خود تمہارا ہی بھلا ہے کہ یہی چیز درحقیقت مفتاح اور کنجی ہے دونوں جہانوں کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی اور حقیقی کامیابی کی۔ اور اگر تم نے اس سے اعراض برتا اور روگردانی کی تو اس کا نقصان بھی خود تم ہی لوگوں کو ہوگا۔ سو ماننے یا نہ ماننے کا نفع و ضرر جو بھی کچھ ہے وہ تمہاری ہی طرف لوٹتا اور تم ہی لوگوں کو پہنچتا ہے۔ اب تم لوگ اپنے بارے میں خود ہی دیکھ اور سوچ لو کہ تم ان دونوں میں سے کونسا طریقہ اپناتے ہو۔ نفع کا یا نقصان کا اللہ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ....

شانِ نزول: قرطبی نے ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رہے تو ہر وقت کفار و مشرکین کے خوف میں رہے پھر ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو یہاں بھی مشرکین کے حملوں سے ہر وقت کے خطرہ میں رہے کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ کبھی ہم پر ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر امن و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (قرطبی و بحر) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو اس نے امت محمدیہ سے ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی تورات و انجیل میں فرمایا تھا۔ (بحر محیط)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت کو زمین کے خلفاء اور حکمراں بنایا جائے گا اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو غالب کیا جائے گا اور مسلمانوں کو اتنی قوت و شوکت دی جائے گی کہ ان کو دشمنوں کا کوئی خوف نہ

رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا فرما دیا کہ خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں مکہ، خیبر، بحرین اور باقی جزیرۃ العرب اور پورا ملک یمن آنحضرت ﷺ ہی کے ذریعہ فتح ہوا اور ہجر کے مجوسیوں سے اور ملک شام کے بعض علاقوں سے آپ نے جزیہ وصول فرمایا اور شاہ روم ہرقل نے اور شاہ مصر و اسکندریہ مقوقس اور شاہان عمان اور بادشاہ حبشہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کو ہدایا بھیجے اور آپ کی تعظیم و تکریم کی۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر نے جو خلیفہ ہوئے آپ کی وفات کے بعد جو کچھ فتنے پیدا ہو گئے تھے ان کو ختم کیا اور بلاد فارس اور بلاد شام و مصر کی طرف اسلامی لشکر بھیجے اور بصریٰ اور دمشق آپ ہی کے زمانے میں فتح ہوئے اور دوسرے ملکوں کے بھی بعض حصے فتح ہوئے۔

حضرت صدیق اکبر کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ بنا دینے کا الہام فرمایا۔ عمر بن خطاب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظام خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام نہیں دیکھا تھا ان کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ انہیں کے زمانے میں فتح ہو کر کسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق و مغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھا دیئے گئے ہیں اور میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرما دیا (یہ سب مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے۔)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافت راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر قائم رہی اور حضرت علی مرتضیٰ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

ابن کثیر نے اس جگہ صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کا کام چلتا رہے گا جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس امت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہی ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوئے ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن و سکون دنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان و عمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت و قوت میں بھی فرق و اختلاف لازمی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح

اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے:
ارشاد ہوا ہے اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ہُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

آیت مذکورہ سے خلفاء راشدین کی خلافت اور مقبولیت عند اللہ کا ثبوت:

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل بھی ہے کیونکہ جو پیش گوئی اس آیت میں فرمائی گئی تھی وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی۔ اسی طرح یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عند اللہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی امت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق وصحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ کہیں پورا نہیں ہوا اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری امت ذلت وخواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے ان کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وعد اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہیں حضرات میں سب سے زیادہ کامل ومکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا پورا انہیں کے عہد میں پورا ہوا ان کے بعد نہ ایمان وعمل کا وہ درجہ قائم رہا نہ خلافت وحکومت کا وہ وقار کبھی قائم ہوا۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ لفظ کفر کے لغوی معنے ناشکری کے اور اصطلاحی معنے ایمان کی ضد ہیں۔ یہاں لفظی معنے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اصطلاحی بھی، معنی آیت کے یہ ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ اپنا یہ وعدہ پورا کردے، مسلمانوں کو حکومت قوت اور امن واطمینان اور دین کو استحکام حاصل ہو جائے اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کرے یعنی اسلام سے پھر جائے یا ناشکری کرے کہ اس اسلامی حکومت کی اطاعت سے گریز کرے تو ایسے لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ پہلی صورت میں ایمان ہی سے نکل گئے اور دوسری صورت میں اطاعت سے نکل گئے کفر اور ناشکری ہر وقت ہر حال میں گناہ عظیم ہے مگر اسلام اور مسلمانوں کی قوت وشوکت اور حکومت قائم ہونے کے بعد یہ چیزیں دوہرے جرم ہو جاتی ہیں اس لئے بَعْدَ ذٰلِکَ سے موکد فرمایا گیا۔ امام بغوی نے فرمایا کہ علماء تفسیر نے کہا ہے کہ قرآن کے اس جملے کے سب سے پہلے مصداق وہ لوگ ہوئے جنہوں نے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی کو قتل کیا اور جب وہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ انعامات میں بھی کمی آ گئی آپس کے قتل وقتال سے خوف وہراس میں مبتلا ہو گئے اور بعد اس کے کہ سب آپس میں بھائی بھائی تھے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کر دے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اس

کے ہاتھ نہ ہوں اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی نیام میں نہ جاوے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔" (مظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنیؓ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا امت میں چلتا ہی رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيدِ وَالْإِمَاءِ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ مِنَ الْأَحْرَارِ وَعَرَفُوا أَمْرَ النِّسَاءِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فِي ثَلَاثَةِ أَوْقَاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَ أَيْ وَقْتِ الظُّهْرِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ بِالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ بَعْدَهُ مُضَافٌ وَقَامَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ مَقَامَهُ أَيْ هِيَ أَوْقَاتٌ وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِيرِ أَوْقَاتٍ مَنْصُوبًا بَدَلًا مِنْ مَحَلِّ مَا قَبْلَهُ قَامَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ مَقَامَهُ وَهِيَ لِإِلْقَاءِ الثِّيَابِ فِيهَا تَبْدُو فِيهَا الْعَوْرَاتُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ أَيِ الْمَمَالِيكِ وَالصِّبْيَانِ جُنَاحٌ فِي الدُّخُولِ عَلَيْكُمْ بِغَيْرِ اسْتِئْذَانٍ بَعْدَهُنَّ أَيْ بَعْدَ الْأَوْقَاتِ الثَّلَاثَةِ هُمْ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم لِلْخِدْمَةِ بَعْضُكُمْ طَائِفٌ عَلَىٰ بَعْضٍ وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا كَذَٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ أَيِ الْأَحْكَامَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِأُمُورِ خَلْقِهِ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾ بِمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وَآيَةُ الْاِسْتِئْذَانِ قِيلَ مَنْسُوخَةٌ وَقِيلَ لَا وَلَٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِي تَرْكِ الْاِسْتِئْذَانِ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ أَيُّهَا الْأَحْرَارُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا فِي جَمِيعِ الْأَوْقَاتِ كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَيِ الْأَحْرَارُ الْكِبَارُ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ قَعَدْنَ عَنِ الْحَيْضِ وَالْوَلَدِ لِكِبَرِهِنَّ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا لِذَٰلِكَ فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ مِنَ الْجِلْبَابِ وَالرِّدَاءِ وَالْقِنَاعِ فَوْقَ الْخِمَارِ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ مُظْهِرَاتٍ بِزِينَةٍ خَفِيَّةٍ كَقِلَادَةٍ وَسِوَارٍ وَخَلْخَالٍ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ بِأَنْ لَا يَضَعْنَهَا خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ لِقَوْلِكُمْ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾ بِمَا فِي قُلُوبِكُمْ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَ فِي مُوَاكَلَةِ مُقَابِلِيهِمْ لَا حَرَجَ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَيْ بُيُوتِ أَوْلَادِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

خلائکم اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَہٗٓ اَیْ خَزَنْتُمُوْہُ لِغَیْرِکُمْ اَوْ صَدِیْقِکُمْ وَھُوَ مَنْ صَدَقَکُمْ فِیْ مَوَدَّتِہٖ اَلْمَعْنٰی
یَجُوْزُ الْاَکْلُ مِنْ بُیُوْتِ مَنْ ذُکِرَ وَاِنْ لَمْ یَحْضُرُوْا اَیْ اِذَا عَلِمَ رِضَاءَھُمْ بِہٖ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا
جَمِیْعًا مُجْتَمِعِیْنَ اَوْ اَشْتَاتًا مُتَفَرِّقِیْنَ جَمْعُ شَتٍّ نَزَلَ فِیْمَنْ تَحَرَّجَ اَنْ یَّاْکُلَ وَحْدَہٗ وَاِذَا لَمْ یَجِدْ مَنْ
یُؤَاکِلُہٗ یَتْرُکُ الْاَکْلَ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا لَکُمْ لَا اَھْلَ فِیْھَا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ قُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی
عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَرُدُّ عَلَیْکُمْ وَاِنْ کَانَ بِھَا اَھْلٌ فَسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ تَحِیَّۃً مَصْدَرُ حَیَّ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً مُثَابٌ عَلَیْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ اَیْ یُفَصِّلُ لَکُمْ مَعَالِمَ دِیْنِکُمْ
ع ۸/۱۴ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور جو تم میں (آزاد ہوں اور وہ) حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (اور یہ نابالغ بچے عورتوں کے امور کو جان گئے ہوں تو ان خاص اوقات میں اجازت لینا چاہیے ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب دوپہر کو سونے لیٹنے کے لیے اپنے زائد کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں (بحالت رفع ثلث مبتداء محذوف اور خبر کا مضاف بھی مقدر ہے کہ اس کے قائم مقام مضاف الیہ ہو گیا یعنی ھی اوقات ثلاث الخ اور دوسری قراءت بالنصب ہے اور اوقات مقدر ہے بوجہ بدل ہونے کے منصوب ہے کہ اس کے ماقبل کا محل مبدل منہ ہے اور مضاف الیہ نے اس کی جگہ لی ہے اور یہ تین اوقات پردہ اس وجہ سے قرار دیئے گئے کہ ان اوقات میں کپڑے اتارے جاتے ہیں بدن عورت کھل جاتا ہے) ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر الزام ہے (یعنی غلام باندی اور بچوں پر بغیر اجازت تمہارے پاس اور کوئی کسی کے پاس (خدمت اور ضرورت کی وجہ سے ماقبل کے جملہ کی تاکید کے لیے یہ جملہ ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے! آیت استیذان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ منسوخ ہے اور کہا گیا کہ منسوخ نہیں ہے لیکن لوگ استیذان میں سستی کرنے لگے ہیں اور جب تمہارے لڑکے اے آزاد لوگو! حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو تمام اوقات میں ان کو بھی اجازت لینی چاہیے جیسا کہ ان کے ماقبل مذکور لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ احکام بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے (بوجہ بوڑھا ہو جانے کے ولادت اور حیض سے اور اب) جن کو توقع نہ رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے (زائد مثلاً چادر اور جلباب اور اوڑھنی کے اوپر جو پردہ پوش ہوتا ہے) بشرطیکہ زینت کے موقع کا اظہار نہ کریں (جیسے گلوبند چوڑیاں اور پازیب) اور اس سے بھی احتیاط رکھیں (کہ ان زائد کپڑوں کو نہ اتار رکھیں جن کا تذکرہ اوپر ہوا) تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (تمہاری) سب باتیں سنتا (اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو) جانتا ہے۔ نہ تو اندھے آدمی کے لیے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لیے اور نہ بیمار آدمی

کے لیے بکرمضائقہ ہے اپنے متعلقوں لیرمعذوروں کے ساتھ کھانے میں نہ خود تمہارے لیے اس بات میں کچھ [illegible]
اپنے گھروں سے کھانا کھالیا کرو (یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے [illegible]
کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپی کے گھر سے یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی [illegible]
گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یعنی ان میں سے جس کی تم غیر کے لیے حفاظت کرتے ہو یا اپنے دوست [illegible]
سے نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں سب مل کر یا الگ الگ (دوست یعنی جو اپنی محبت میں تمہارے حق میں سچا ہے [illegible]
کہ ان مذکورہ مکانات میں سے از خود کھانا جائز ہے اگرچہ صاحب خانہ موجود نہ ہو یعنی جب کہ تم کو اس بات کا علم اور یقین [illegible]
ان کی اس خورد و نوش میں رضاء و اجازت رہے گی اشنانا جمع ہے شت کی یہ آیت ان لوگوں کے حق نازل ہوئی کہ انہوں نے [illegible]
کھانے میں حرج خیال کیا جب کوئی شریک ہو کر کھانے والا نہ پایا جائے تو کھانا ترک کر دیا جائے جب تم گھروں میں جاؤ تو [illegible]
اپنے لوگوں کو (یعنی اس گھر کے اہل کو اگر وہاں موجود ہوں تو ان کو) سلام کر لیا (اور اگر موجود نہ ہوں تو خود کو اس طرح [illegible]
کرو "السلام علینا و علی عباد الله الصالحین" کیونکہ فرشتے تم کو جواب دیں گے اور یہ سلام کرنا) دعا کے طور پر [illegible]
کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے (جس پر ثواب عطاء ہوگا) اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے (تمہارے امور [illegible]
سے متعلق) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (ان احکام کو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: ثَلٰثَ مَرّٰتٍ: یعنی دن رات کے دورانیہ میں۔

قوله: مِنْ قَبْلِ: ثلاث مرات کا بدل ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قوله: صَلٰوةِ الْفَجْرِ: کیونکہ یہ اٹھ کر بیداری کا لباس پہننے کا وقت ہے۔

قوله: حِيْنَ تَضَعُوْنَ: یعنی قیلولہ کے لئے کپڑے زائد اتارتے ہو۔

قوله: مِّنَ الظَّهِيْرَةِ: یہ نصف النہار کی حد ہے۔ یہ حین کا بیان ہے۔

قوله: عَوْرٰتٍ لَّكُمْ: یہ تین اوقات ہیں جنہیں تمہارے ستر پوشی میں خلل پڑسکتا ہے۔ عورہ اصل میں خلل کو کہتے جیسے رجل اعور۔

قوله: هِیَ: یہ مبتداء محذوف اور ثلاث عورات یعنی اوقات عورات یہ خبر ہے۔

قوله: الْمَمَالِيْكِ: یہ آیت غلاموں، لونڈیوں اور بچوں کے متعلق ہے جبکہ پہلی احرار بالغوں سے متعلق ہے۔

قوله: هُمْ طَوّٰفُوْنَ: مبتداء محذوف اور طوافون اس کی خبر ہے۔

قوله: هی لالقاء الثیاب: ان اوقات میں نہی کی علت ہے۔

قوله: يُبَيِّنُ اللّٰهُ: اس کو دوبارہ مسئلہ استیذان میں مبالغہ کے لئے۔

قولہ: یرجون نکاحًا: یعنی ان کو نکاح کی طمع نہ رہی ہو۔

قولہ: فلیس علیہن: فا اس لئے ہوئی کیونکہ القواعد کی لام اسم موصول کے معنی میں ہے۔

قولہ: بیوتکم: اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں انت ومالك لابيك۔

قولہ: من عند اللہ: جار مجرو یہ ظرف مستقر یہ تحیۃ کی صفت ہے ای تحیة ثابته بامر الله مشروعة من الله تعالیٰ۔ طیبہ اس سے سننے والے کا دل خوش ہوتا ہے۔

قولہ: لکم الآیت: اس کو تیس مرتبہ لائے ایک تو مزید تاکید اور دوسرا احکام کی عظمت شان معلوم ہو۔

تفسیر مقبولین

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ....

گھروں میں داخل ہونے کے لیے خصوصی طور پر تین اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کیا جائے:

اسی سورۂ نور کے چوتھے رکوع میں کسی کے پاس اندر جانے کے لیے اجازت لینے اور اجازت نہ ملنے پر واپس ہو جانے کا حکم مذکور ہے وہ حکم اجانب کے لیے ہے جن کا اس گھر سے رہنے سہنے کا تعلق نہ ہوں جس میں اندر جانے کی اجازت طلب کرنا چاہتے ہوں۔

ان دو آیتوں میں ان اقارب اور محارم کا حکم فرمایا ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور ان سے عورتوں کو پردہ کرنا بھی واجب نہیں ہے ان میں ان بچوں کا حکم بیان فرمایا جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور غلاموں کا ذکر ہے (جنہیں کام کے لیے اپنے آقا کی خدمت کے لیے بار بار اندر آنا جانا پڑتا ہے) ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ تین اوقات میں تمہارے پاس اندر آنے کے سلسلے میں اجازت لینے کا خاص دھیان رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم انہیں یہ تعلیم دو اور انہیں سمجھاؤ اور سدھاؤ کہ وہ ان اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں ان اوقات میں سے پہلا وقت نماز فجر سے پہلے اور دوسرا دوپہر کا وقت ہے جب عام طور سے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد کا ہے۔ ان تینوں اوقات کے بارے میں فرمایا کہ (ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ) کہ یہ تینوں تمہارے پردہ کے اوقات ہیں کیونکہ ان اوقات میں عام عادت کے مطابق تخلیہ ہوتا ہے اور انسان بے تکلفی کے ساتھ آرام سے رہنا چاہتا ہے۔ تنہائی میں کسی وقت وہ اعضاء بھی کھل جاتے ہیں جن کا ڈھانکے رکھنا ضروری ہے اور سوتے وقت غیر ضروری کپڑے تو اتار ہی دیتے ہیں اور تنہائی کا موقع پا کر بعض مرتبہ میاں بیوی بھی بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمتع ہوتے ہیں۔ اگر آنے والا آزاد لڑکا ہو یا غلام یا لونڈی ہو اور اندر آنے کی اجازت نہ لے تو بعض مرتبہ ممکن ہے کہ ان کی نظر کسی ایسی حالت یا کسی ایسے عضو پر پڑ جائے جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے بالغ غلام مرد اپنے آقا کے پاس ان اوقات میں جائے تو وہ بھی اجازت لے۔ گو مرد کا مرد سے پردہ نہیں ہے لیکن ان اوقات میں کپڑے اتارے ہوئے ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بے دھیانی میں بعض وہ اعضاء کھل جاتے ہیں جن کا مرد کے سامنے بھی کھولنا جائز

نہیں ہے۔اس لیے مذکورہ اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں۔ معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج تھا حضرت عمرؓ کو بلانے بھیجا یہ دوپہر کا وقت تھا اس نے حضرت عمرؓ کو ایسی حالت میں دیکھ لیا جو انہیں ناگوار ہوا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

مضمون بالا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے ان اوقات کے علاوہ اگر یہ لوگ بلا اجازت آ جائیں تو اس میں تم پر کوئی الزام نہیں ہے پھر اس کی وجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ لوگ تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں) چونکہ ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے اس لیے مذکورہ بالا اوقات کے علاوہ بلا اجازت داخل ہونے کی گھر کے لڑکوں اور غلاموں کو اجازت دے دی گئی آخر میں فرمایا: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ اسی طرح تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ (اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے)۔

یاد رہے کہ عورت کا اپنا غلام ہو یا اس کے شوہر کا اگر نامحرم ہو تو اس سے پردہ کرنا اسی طرح واجب ہے جیسے نامحرموں سے پردہ واجب ہے۔

یہ پہلی آیت کا مضمون تھا دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ جب لڑکے بالغ ہو جائیں جنہیں بلوغ سے پہلے مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ بے اجازت اندر آنے کی اجازت تھی اب بالغ ہونے کے بعد اسی طرح اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے رہے یہ خیال نہ کریں کہ کل تک تو ہم یوں ہی چلے جاتے تھے اب اجازت کیوں لیں۔

فائدہ: پہلی آیت میں جو تین اوقات میں اجازت لینے کا حکم فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ رکھا ہے ایک تو یہی آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور دوسرے نساء کی آیت: (وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى) اور سورۂ حجرات کی آیت: (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ) نیز حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا (اکثر لوگ اس آیت پر عمل نہیں کرتے) (گویا کہ) اس پر ایمان ہی نہیں لائے اور میں تو اپنی اس باندی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ میرے پاس اجازت لے کر آئے۔ (ابن کثیر ص ۳۰۲ ج ۳)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ....

بوڑھی عورتیں پردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں تو گنجائش ہے

اَلْقَوَاعِدُ، قاعدۃ کی جمع ہے اس سے بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو گھر میں بیٹھ چکی ہیں نہ نکاح کے لائق ہیں نہ انہیں نکاح کی رغبت ہے نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کرنے کی طلب ہے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جن سے چہرہ چھپا رہتا ہے، چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیں یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول کر آ جائیں بشرطیکہ مواقع زینت کا اظہار نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم جوان عورتوں کا سا نہیں ہے اگر چہرہ اور ہتھیلیاں غیر محرم کے سامنے کھول دیں اس میں گناہ نہیں ہے البتہ جسم کے دوسرے حصوں کو نہ کھولیں اور یہ جو انہیں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دی گئی ہے یہ جائز ہونے کی حد تک ہے۔ بہتر ان کے لیے بھی یہی ہے کہ احتیاط کریں اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے سے بھی

احتراز کریں۔ بوڑھی عورتوں کو بھی اجازت دینے کے باوجود یہ فرمایا کہ ان کو بھی احتیاط کرنا بہتر ہے کہ چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے نہ آئیں تو اسی سے جب سمجھ لیا جائے کہ جوان عورتوں کو غیر محرموں کی سامنے چہرہ کھول کر آنا کیسے جائز ہوگا۔ هذا في القواعد فكيف في الكواعب۔ (روح المعانی ص ۲۱۷ ج ۱۸)۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ ....

گھروں میں داخل ہونے کے بعد کے بعض احکام اور آداب معاشرت:

پچھلی آیتوں میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس آیت میں وہ احکام و آداب مذکور ہیں۔ جو اجازت ملنے پر گھر میں جانے کے بعد مستحب یا واجب ہیں۔ اس آیت کا مفہوم اور اس میں مذکورہ احکام کو سمجھنے کے لئے پہلے ان حالات کو معلوم کر لینا مناسب ہے جن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی عام تعلیمات میں حقوق العباد کی حفاظت و رعایت کے لئے جتنی تاکیدات آئی ہیں ان سے کوئی مسلمان بے خبر نہیں۔ کسی دوسرے کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے کوئی تصرف کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی صحبت کے لئے ایسے خوش نصیب لوگوں کو چن لیا تھا کہ وہ اللہ و رسول کے فرمان پر ہر وقت گوش بر آواز رہتے اور ہر حکم کی تعمیل میں اپنی پوری توانائی صرف کرتے تھے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کیمیا اثر سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت تیار کر دی تھی کہ فرشتے بھی ان پر فخر کرتے ہیں۔ دوسروں کے مال میں ان کی مرضی و اجازت کے بغیر ادنیٰ قسم کا تصرف گوارا نہ ہونا کسی کو ادنیٰ سی تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا اور اس میں تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر قائم ہونا سبھی صحابہ کا وصف تھا۔ اسی سلسلے کے چند واقعات عہد رسالت میں پیش آئے جن کی وجہ سے آیت مذکورہ کے احکام نازل ہوئے۔ حضرات مفسرین نے یہ سب واقعات لکھے ہیں کسی نے ان میں سے کسی کو شان نزول قرار دیا کسی نے کسی دوسرے واقعہ کو مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، یہ مجموعہ واقعات ہی اس آیت کا شان نزول ہے۔ واقعات یہ ہیں۔

(۱) امام بغوی نے حضرت سعید بن جبیر اور ضحاک ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے کہ دنیا کی عرف عام اور اکثر لوگوں کی طبائع کا حال یہ ہے کہ لنگڑے لولے اندھے اور بیمار آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے گھن کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں۔ حضرات صحابہ میں سے جو ایسے معذور تھے ان کو یہ خیال ہوا کہ ہم کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے تو شاید اس کو تکلیف ہو اس لئے یہ لوگ تندرست آدمیوں کے ساتھ کھانے میں شرکت سے گریز کرنے لگے۔ نیز نابینا آدمی کو یہ بھی فکر ہوئی کہ جب چند آدمی کھانے میں شریک ہوں تو تقاضائے عدل و مروت یہ ہے کہ کوئی شریک دوسرے سے زیادہ نہ کھائے سب کو برابر حصہ ملے اور میں نابینا ہونے کی وجہ سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا ممکن ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ کھا لوں اس میں دوسروں کی حق تلفی ہوگی۔ لنگڑے آدمی نے خیال کیا کہ عام تندرست لوگوں کی طرح بیٹھ نہیں سکتا دو آدمی کی جگہ لیتا ہوں، کھانے پر دوسروں کے ساتھ

بیٹھوں گا تو ممکن ہے ان کو تنگی اور تکلیف پیش آئے، ان کی اس غایت احتیاط میں ظاہر ہے کہ خود ان کو تنگی اور تکلیف پیش آتی تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کو دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت اور ایسی دقیق احتیاط کو چھوڑنے کی تلقین فرمائی جس سے تنگی میں پڑ جائیں اور بغوی نے بروایت ابن جریر حضرت ابن عباس سے ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے جو واقعہ مذکورہ کا دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ قرآن کریم کی جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر۔ تو لوگوں کو اندھے، لنگڑے بیمار لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے میں یہ تردد پیش آنے لگا کہ بیمار تو عادۃً کم کھاتا ہے، نابینا کو کھانے کی چیزوں میں یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ کون سی چیز عمدہ ہے لنگڑے کو اپنی نشست ہموار نہ ہونے کے سبب کھانے میں تکلف ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ لوگ کم کھائیں ہمارے پاس زیادہ آجائے تو ان کی حق تلفی ہوئی کیونکہ مشترک کھانے میں سب کا حصہ مساوی ہونا چاہئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس تعمق اور تکلف میں پڑنے سے ان کو آزاد کر دیا گیا کہ سب مل کر کھاؤ معمولی کمی بیشی کی فکر نہ کرو اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ مسلمان جب کسی جہاد وغزوہ کے لئے جاتے تو اپنے گھروں کی کنجیاں ان معذوروں کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ تم لوگ کھا پی سکتے ہو، مگر یہ لوگ اس احتیاط کی بنا پر ان کے گھروں میں سے کچھ نہ کھاتے کہ شاید ان کی منشاء کے خلاف ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند بزار میں بسند صحیح حضرت عائشہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو عام صحابی کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ سب آپ کی رفاقت میں شریک جہاد ہوں اور اپنے مکانوں کی کنجیاں ان غریب معذورین کے سپرد کر دیتے تھے اور ان کو اجازت دیتے تھے کہ ہمارے پیچھے آپ ہمارے گھروں میں جو کچھ ہے کھا پی سکتے ہو مگر یہ لوگ غایت تقویٰ سے اس اندیشہ پر کہ شاید ان کی یہ اجازت بطیب خاطر نہ ہو اس سے پرہیز کرتے تھے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جو لفظ صَدِیْقِکُمْ کا آیا ہے یعنی اپنے دوست کے گھر سے بھی کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ حارث بن عمرو کے واقعہ میں نازل ہوا کہ وہ کسی جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے گئے اور اپنے دوست مالک بن زید کو اپنے گھر اور گھر والوں کی نگرانی سپرد کر دی۔ جب حارث واپس آئے تو دیکھا کہ مالک بن زید بہت ضعیف کمزور ہو رہے ہیں وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کے گھر سے کچھ کھانا آپ کے پیچھے مناسب نہیں سمجھا (یہ سب روایات تفسیر مظہری میں ہیں) اور صاف بات یہی ہے کہ اس قسم کے تمام واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوئے ہیں۔

مسئلہ: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جن گھروں میں سے بغیر اجازت خاص کے کھانے پینے کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے اس کی بناء اس پر ہے کہ عرب کی عام عادت کے مطابق ایسے قریبی رشتہ داروں میں کوئی تکلف بالکل نہ تھا ایک دوسرے کے گھر سے کچھ کھاتے پیتے تو گھر والے کو کسی قسم کی تکلیف یا ناگواری نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اس سے خوش ہوتا تھا۔ اسی طرح اس سے بھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی معذور، بیمار، مسکین کو بھی کھلا دے۔ ان سب چیزوں کی گو صراحۃً اجازت نہ دی ہو مگر عادۃً اجازت تھی اس علت جواز سے ثابت ہوا کہ جس زمانے یا جس مقام میں ایسا رواج نہ ہو اور مالک کی اجازت مشکوک ہو وہاں بغیر صریح اجازت مالک کے کھانا پینا حرام ہے۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر نہ یہ عادت رہی نہ کوئی اس کو گوارہ کرتا ہے کہ کوئی عزیز قریب

ان کے گھر میں جو چاہے کھائے پیئے یا دوسروں کو کھلائے پلائے اس لئے آج کل عام طور پر اس اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں بجز اس کے کہ کسی دوست عزیز کے متعلق کسی کو یقینی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اسکے کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے پلانے سے کوئی تکلیف یا ناگواری محسوس نہ کرے گا بلکہ خوش ہوگا تو خاص اس کے گھر سے کھانے پینے میں اس آیت کے مقتضی پر عمل جائز ہے۔

مسئلہ: مذکورہ بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا بلکہ حکم اول سے آج تک جاری ہے البتہ شرط اس کی مالک کی اجازت کا یقین ہے جب یہ نہ ہو تو وہ مقتضائے آیت میں داخل نہیں ہیں۔ (مظہری)

مسئلہ: اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حکم صرف ان مخصوص رشتہ داروں ہی میں منحصر نہیں بلکہ دوسرے شخص کے بارے میں اگر یہ یقین ہو کہ اس کی طرف سے ہمارے کھانے پینے اور کھلانے پلانے کی اجازت ہے وہ اس سے خوش ہوگا اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (مظہری) احکام مذکورہ کا تعلق ان کاموں سے ہے جو کسی کے گھر میں باجازت داخل ہونے کے بعد جائز یا مستحب ہیں ان کاموں میں بڑا مسئلہ کھانے پینے کا تھا اس کو پہلے ذکر فرمایا۔

دوسرا مسئلہ گھر میں داخل ہونے کے آداب کا یہ ہے کہ جب گھر میں باجازت داخل ہو تو گھر میں جو مسلمان ہوں ان کو سلام کرو۔ آیت عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ سے یہی مراد ہے کیونکہ مسلمان سب ایک جماعت متحدہ ہیں۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں مسلمان کے باہم ایک دوسرے کو سلام کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

لِكَيْ تَفْهَمُوْا ذٰلِكَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا اَيِ الرَّسُوْلِ مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ
كَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ لَمْ يَذْهَبُوْا لِعُرُوْضِ عُذْرٍ لَهُمْ حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ امرهم فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ بِالْاِنْصِرَافِ وَ
اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ بِاَنْ تَقُوْلُوْا
يَا مُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ لِيْنٍ وَتَوَاضُعٍ وَخَفْضِ صَوْتٍ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ
مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ اَيْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِي الْخُطْبَةِ مِنْ غَيْرِ اِسْتِئْذَانٍ خُفْيَةً مُسْتَتِرِيْنَ بِشَيْءٍ وَقَدْ
لِلتَّحْقِيْقِ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ بَلَاءٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝ فِي الْاٰخِرَةِ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ اَيُّهَا
الْمُكَلَّفُوْنَ عَلَيْهِ ۭ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَيَعْلَمُ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَيْ مَتٰى
يَكُوْنُ فَيُنَبِّئُهُمْ فِيْهِ بِمَا عَمِلُوْا ۭ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهَا عَلِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ: بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے ام
ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے (جیسے خطبۂ جمعہ) تو جب تک آپ ﷺ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے (بلا
پیش آ جانے کے) جو لوگ آپ سے (بوقت عذر ضرورت) اجازت طلب کریں تو ان میں آپ جس کے لیے چاہیں (ان
جانے کی) اجازت دیدیا کریں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے
لوگ رسول ﷺ کے بلانے کو ایسامت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے (مثلاً یوں کہو یا محمد بلکہ یوں کہو یا نبی اللہ یا
رسول اللہ ﷺ اور نرم گفتگو تواضع اور آواز کے پست کرنے میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو دوسرے کی آڑ
میں ہو کر تم میں سے مجلس نبوی سے کھسک جاتے ہیں (آنکھ بچا کر مسجد سے خطبہ میں بلا اجازت نکل جاتے ہیں اور قد برائے قتل
ہے) تو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر دنیا میں کوئی آفت آن پڑے یا ان پر
آخرت میں کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے ملکیت کے اعتبار
سے تخلیق کے اعتبار سے مملوک ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم اب ہو (اے مکلف یعنی ان
مومن اور کون منافق ہے) اور اس دن کو بھی (جانتا ہے) جس میں سب اس کے پاس لائے جاویں گے (کہ وہ کب آئے گا اس
صیغہ خطاب سے صیغہ غائب کی طرف التفات فرمایا) تو وہ ان کو سب جتلا دے گا۔ (اس دن میں) جو کچھ انہوں نے (خیر اور
شر) کیا تھا اللہ تعالیٰ (تو ان کے اعمال وغیرہ) سب کچھ جانتا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْمُؤْمِنُوْنَ: کامل مومن مراد ہیں۔

قوله: كَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ: امت کی صفت جامع کے لفظ سے بطور مبالغہ لائی گئی۔

قوله: لَا تَجْعَلُوْا: آپ کے بلانے کو ایک دوسرے کے بلانے پر قیاس کر کے اعراض مت کرو۔

قوله: لِوَاذًا: یہ حال ہے مستترین بشئی کا مطلب ایک دوسرے کے پیچھے چھپنا۔

قوله: فَلْيَحْذَرِ: یعنی وہ لوگ احتیاط کریں جن سے مخالفت کا وقوع ہو اور یہ اس لئے فرمایا تا کہ وہ توبہ اور رجوع سے تدارک
کرلیں یہ عذاب کے ہٹنے کا باعث بن جائے۔

قوله: عَنْ اَمْرِهٖ: اس کے مقتضیٰ کو چھوڑ کر اور آپ کے رخ سے دوسرے رخ پر جائیں۔ عن یہ اعراض کے معنی کو متضمن ہے
امر اللہ فی حقیقت تو حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

قوله: وَرَسُوْلِهٖ: یہ مقصود بالذکر ہے۔

قوله: مَتٰى يَكُوْنُ: اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کب قیامت کا دن ہوگا، اور کسی کو معلوم نہیں۔

تفسیر مقبولین

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ....

آداب مجلس نبوی ﷺ:

(ربط) گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان واجازت لینے کی ضرورت ہے اور آپ (ﷺ) کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ (ﷺ) کی مجلس سے بغیر اجازت لئے اٹھ کر چلے جانا یا آپ (ﷺ) کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آپ (ﷺ) کا ادب اور احترام ایمان کا جز ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جز ایں نیست کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ (ﷺ) کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ (ﷺ) کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لئے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اجازت لینا صدق اور اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ (ﷺ) کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بے شک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو بغیر آپ (ﷺ) کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں۔ اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ (ﷺ) کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لئے دعا مغفرت کیجئے، اس لئے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ (ﷺ) کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ پس اے نبی کریم ﷺ آپ ان مخلصین کے حق میں دعا مغفرت فرمائیے تاکہ آپ کے استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگذاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں تم رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض۔ بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا، چاہے نہ دیا۔ رسول ﷺ کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسول ﷺ تم کو بلائیں تو سب کام چھوڑ دو اور لبیک کہہ کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ تم رسول ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض۔ بعض کو پکارتے ہو، یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، اس طرح رسول ﷺ کو اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ یارسول اللہ، یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ یعنی تعظیمی الفاظ سے آپ کو خطاب کیا کرو۔ ہر حال میں رسول (ﷺ) کے ادب اور اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھو اور بلا اجازت آپ ﷺ کی مجلس سے ہرگز نہ اٹھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں چھپے چھپے کسی کی آڑ میں ہوکر۔ منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ (ﷺ) کے ساتھ ہوتے تو آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہوجاتے تاکہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا آخرت میں ان کو دکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہ تردید بطور منع خلو ہے ورنہ جمع ہونا دونوں کا جائز ہے کہ دنیا میں بھی مصیبت آئے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے جان لو کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک، اس لئے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو، یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے برے بھلے اعمال سے آگاہ کردے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ

سُوْرَةُ الفُرْقَان ٢٥ مَكِّيَّة ٤٢ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٧٧ رُكُوْعَاتُهَا ٦

سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ تَعَالَى الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ الْقُرْاٰنَ لِاَنَّهٗ فَرَقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ عَلٰى عَبْدِهٖ مُحَمَّدٍ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ
اَىِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ دُوْنَ الْمَلٰئِكَةِ نَذِيْرًا ۙ مُخَوِّنًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ ۙ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ مِنْ شَانِهٖ اَنْ يُّخْلَقَ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ سَوَّاهُ تَسْوِيَةً وَ
اتَّخَذُوْا اَىِ الْكُفَّارُ اَىْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ اٰلِهَةً هِىَ الْاَصْنَامُ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا
يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ اَىْ دَفْعَهٗ لَا نَفْعًا اَىْ جَرَّهٗ وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً اَىْ اِمَاتَةً لِاَحَدٍ وَاحْيَاءً
لِاَحَدٍ وَّلَا نُشُوْرًا ۝ اَىْ بَعْثًا لِلْاَمْوَاتِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اَىْ مَا الْقُرْاٰنُ اِلَّآ اِفْكُ كِذْبٌ اِفْتَرٰىهُ
مُحَمَّدٌ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ وَهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ تَعَالٰى فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ كُفْرًا مَعَ 10
وَكِذْبًا اَىْ بِهِمَا وَقَالُوْٓا اَيْضًا هُوَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اَكَاذِيْبُهُمْ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ اكْتَتَبَهَا انْتَسَخَهَا
مِنْ ذٰلِكَ الْقَوْمِ بِغَيْرِهٖ فَهِىَ تُمْلٰى تُقْرَأُ عَلَيْهِ لِيَحْفَظَهَا بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ غُدْوَةً وَّعَشِيًّا قَالَ تَعَالٰى رَدًّا
عَلَيْهِمْ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ الْغَيْبَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ بِهِمْ وَ
قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝
يُصَدِّقُهٗ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهٗ وَلَا يَحْتَاجُ اِلَى الْمَشْىِ فِى الْاَسْوَاقِ لِطَلَبِ الْمَعَاشِ اَوْ تَكُوْنُ
لَهٗ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ اَىْ مِنْ ثِمَارِهَا فَيَكْتَفِىْ بِهَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ نَاْكُلُ بِالنُّوْنِ اَىْ نَحْنُ فَيَكُوْنُ لَهٗ
مَزِيَّةٌ عَلَيْنَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ مَا تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ مَخْدُوْعًا

مَغْلُوْبًا عَلٰی عَقْلِہٖ قَالَ تَعَالٰی اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ بِالْمَسْحُوْرِ وَالْمُحْتَاجِ اِلٰی مَا يُنْفِقُهٗ وَاِلٰی
مَلَكٍ يَقُوْمُ مَعَهٗ بِالْاَمْرِ فَضَلُّوْا بِذٰلِكَ عَنِ الْهُدٰی فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ طَرِيْقًا اِلَيْهِ

ترجمہ: بڑی عالی شان ذات ہے جس نے فیصلہ کی کتاب اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی (چونکہ یہ کتاب حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے) تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کے لیے (انسان اور جنات، نہ کہ ملائکہ کے لیے) ڈرانے والا ہو یعنی اللہ کے عذاب سے ایسی ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی شریک ہے حکومت میں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا (جس چیز کا پیدا کیا جانا لائق ہے) پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا (درست کیا اس کو ناپ کر) اور ان مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور (اس کے علاوہ) ایسے معبود قرار دے لیے (وہ بت) ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لیے نہ کسی نقصان (کے دفع کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل اور جاری کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کا اور (قرآن کے بارے میں) کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں مگر جھوٹ ہی جھوٹ ہے جس کو اس شخص (یعنی محمدؐ) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں (اور وہ اہل کتاب ہیں جنھوں) نے اس میں اس کی مدد کی ہے (ارشاد خداوندی ہے۔ سو یہ لوگ بڑا ظلم اور جھوٹ (کفر اور جھوٹ دونوں ہی باتوں) کے مرتکب ہوئے اور یہ (کافر) لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ قرآن بے سند باتیں (پہلے لوگوں کی جھوٹی باتیں) ہیں جو اگلے لوگوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں (اساطیر جمع بالضم جھوٹی بات جو منقول ہو) جن کو اس شخص نے لکھوالیا (نقل کرالیا اس قوم سے جس قوم نے نقل کیا) ہے پھر وہی مضامین اس کو صبح شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (تاکہ محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رد فرمایا ارشاد ہے) آپؐ کہہ دیجیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے اتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کی خواہ آسمانوں میں یا زمین میں ہوں خبر ہے واقعی اللہ تعالیٰ (اہل ایمان پر) غفور رحیم ہے اور یہ کافر لوگ (آپ کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس رسول کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا (جو آپؐ کی رسالت کی تصدیق کرتا) یا کوئی خزانہ آ پڑتا ہے اس کے پاس (آسمان سے جو اس کو نفع دیتا اور بازاروں کی طرف جانے کی ضرورت نہ ہوتی طلب معاش کے لیے) یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس (کے پھلوں) سے یہ کھایا کرتا (اور وہ باغ اس کے لیے کافی ہوتا اور دوسری قراءت میں نون جمع کے ساتھ ناکل ہے یعنی ہم سب ہی کھاتے تو محمدؐ کو ہم پر ایک فضیلت اور بڑائی ہوتی) اور یہ ظالم (کافر مسلمانوں سے) یوں بھی کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک سلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو (اللہ تعالیٰ کا ارشاد) اے محمدؐ! دیکھتے تو یہ لوگ آپؐ کے لیے کیسی عجیب عجیب (تمثیلیں مثلاً مسحور، اشیاء ضروریہ کا محتاج اور فرشتہ کا ساتھ رہنا جو ضروریات کو پورا کرے اس طرح کی) باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ (ان باتوں کی وجہ سے ہدایات سے بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے (اس تک پہنچنے کی!)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تبارک: یعنی وہ اپنی صفات و افعال اور اپنی قرآن اتارنے کی ترتیب میں بلند و بالا ہے اس لئے یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی بڑائی پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: نَزَّلَ الْفُرْقَانَ: اس جملے نے اپنی قوت دلیل کے اعتبار سے معلوم کا مقام پا لیا ہے اور صلہ بنا دیا گیا۔

قوله: نَذِيْرًا: یہ فعیل بمعنی فاعل (منذر) ہے۔

قوله: الَّذِیْ: یہ موصول اول سے بدل ہے۔

قوله: شیئا تنسوبہ: بعض اوقات خلق کا لفظ اشتقاق کا لحاظ کیے بغیر بولا جاتا ہے اور وہ تقدیر کے معنی پر آتا ہے۔

قوله: مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ: اس سے یہود مراد ہیں۔

قوله: ظُلْمًا: یہ ظالم ہیں اس لئے کہ انہوں نے کلام معجز کو من گھڑت کلام قرار دیا۔

قوله: کفروا و کذبوا: یہ تکذیب و کفر کی بناء پر انہوں نے کہیں جس آپ ﷺ بری الذمہ ہیں۔

قوله: اَسَاطِیْرُ: اسطورۃ کی جمع سطر کتابت کو کہتے ہیں یعنی لکھے ہوئے کاغذ۔ جن کو (نعوذ باللہ) یہود سے لکھوالیا ہے۔

قوله: یحفظها: اس لئے کہ آپ امی ہیں لکھنے کی قدرت نہیں۔

قوله: هٰذَا الرَّسُوْلِ: یعنی جو رسالت کا دعوے دار ہے۔

قوله: من خمارها: یہ بات انہوں بر سبیل تنزل کہی کہ اگر اس پر خزانہ نہیں اتارا جاتا تو کم از کم باغ تو ہو جس سے اپنا گزر خوب ہو۔

قوله: قَالَ الظّٰلِمُوْنَ: ھم ضمیر کی بجائے ظاہر لفظ ظالم لا کر ان کا ظالم ہونا ثابت کر دیا۔

قوله: مَّسْحُوْرًا: وہ شخص جو مغلوب العقل ہو۔

تفسیر مقبولین

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ فرقان (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان علو صفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و رحمت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا تکفل اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا جس نعمت قرآن کی تذکیر و یاد دہانی: سو نعمت قرآن اور اس کی عظمت شان کی تذکیر و یاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ

نے اتارا اس فیصلہ کن کتاب کو اپنے بندۂ خاص پر۔ یعنی عبدہ کی اضافت تعظیم و تشریف کے لئے ہے۔ اور مراد اس سے ادہر کامل اور بندۂ خاص ہیں جو کہ عبدیت کاملہ کے کامل نمونہ اور عظیم مظہر تھے۔ ایسا کامل نمونہ اور عظیم مظہر کہ اس کی کوئی نظیر و مثال پوری تاریخ بشریت میں نہ اس سے پہلے کبھی پائی گئی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی پائی جا سکے گی۔ یعنی نبی امی محمد عربی ﷺ اور جن کی تعلیمات مقدسہ کے صدقے اور ارشادات عالیہ کے طفیل آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت میں بھی عبدیت عبودیت کے بے شمار ایسے کامل نمونے دنیا میں پائے گئے جن پر نوری فرشتے بھی رشک کریں اور حاملین عرش بھی ان کے لئے دعائیں کریں۔ اور آپ ﷺ کا یہ سلسلہ فیض۔ ان شاء اللہ العزیز۔ قیامت تک جاری رہے گا جو کہ دراصل نبوت معنویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کا ایک امتیازی وصف اور اعجازی پہلو ہے اور عبدیت میں کمال ہی اللہ پاک کے یہاں اصل میں مطلوب و محمود ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں جابجا اس کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے مگر اس کے باوجود آج کے کچھ جاہلوں کو پیغمبر کی اس عبدیت و بشریت کا انکار ہے۔ سو اس سے منکرین نبوت و رسالت کے شبہات کا جواب بھی دے دیا گیا اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ جس ہستی پر قرآن حکیم کے اس فرقان کامل و بے مثال کو نازل فرما دیا گیا اس کی صداقت و حقانیت کو جانچنے پرکھنے کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے باوجود جو ان کو ماننے اور ان پر ایمان لانے میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں وہ بڑے ہی حرماں نصیب ہیں۔

لِلْعٰلَمِیْنَ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور بعثت عام ہے اور آپ (ﷺ) جن و انس سب کے نبی اور رسول ہیں یہ رتبہ آپ (ﷺ) سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا گیا وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یعنی آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں.....۔

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ....

پھر قرآن نازل فرمانے والی ذات بابرکات کی صفات بیان فرمائیں جس کی طرف سے ہر طرح کی برکت اور خیر کثیر آتا ہے فرمایا: ۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (جس کے لیے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا (اور اس نے اپنے لیے کوئی اولاد تجویز نہیں کی) وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں) (وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ) (اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا) (فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا) یعنی جس چیز کو پیدا فرمایا اس کی ساخت اور شکل و صورت کا ایک خاص انداز بنایا اور اس کے آثار و خواص بھی پیدا فرمائے اور ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق اعمال و اشغال میں لگا دیا۔ آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اس کی ہیئت اس کے حال کے مناسب ہے اسی طرح سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی جس چیز پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت شکل و صورت، نرمی سختی وغیرہ ہر حالت اور ہر صفت اس کام کے مناسب بنائی ہے جس کے لیے اس کو پیدا فرمایا زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ بنایا کہ جو کچھ اس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے اور نہ پتھر اور لوہے کی طرح ایسا سخت بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں چونکہ اس سے

بھی متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی نکالا جا سکے اور بنیادیں کھود کر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کی جا سکیں اس لیے اس کو بقدر ضرورت ہی زمین کی تہہ پر رکھا گیا، پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں ہوا بھی سیال مادہ کی طرح ہے مگر پانی سے مختلف ہے پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے ہوا کو قادر مطلق نے اپنا ایسا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت و عمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

قال صاحب الروح فقدره ای هیاه لما اراده به من الخصائص والا فعال اللائقه به تقديرا بديعا لا يقادر قدره ولا يبلغ كنهه كهيئة الانسان للفهم والادراك والنظر والتدبر فی امور المعاد والمعاش واستنباط الصنائع المتنوعة ومزاولة الاعمال المختلفة الى غير ذلك۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهٖٓ اٰلِهَةً ....

اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ایک طرف تو اس پوری کائنات کے خالق و مالک کی قدرت و حکمت اور اس کی عظمت شان کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف غیر اللہ کے پجاریوں کی مت ماری کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو کہ وہ اس کے سوا ایسے من گھڑت اور خودساختہ معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے لیے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا اور نہ ہی وہ اپنی زندگی و موت کے مالک ہیں اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا۔ واضح رہے کہ یہاں پر گھڑے جاتے ہیں یا بنائے جاتے ہیں - يَصْنَعُوْنَ - نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ پیدا کئے جاتے ہیں - يُخْلَقُوْنَ - فرمایا گیا ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ نہ زندگی اور موت کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ دوبارہ اٹھنے کا۔ پس معلوم ہوا کہ اس سے صرف لکڑی پتھر وغیرہ کے وہ بے جان اور مصنوعی بت ہی مراد نہیں جن کو مشرک و بت پرست لوگ اپنے ہاتھوں سے تراش خراش کر کے بناتے اور پوجتے تھے اور پوجتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور اس طرح یہ لوگ مخلوق پرستی کا چور دروازہ اپنے لئے کھلا رکھنا چاہتے ہیں اور قرآن حکیم کی اس طرح کی آیات کریمہ کے بارے میں جو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو بتوں کے بارے میں ہیں اور بس۔ سو يُخْلَقُوْنَ کے اس ایک لفظ سے ایسے لوگوں کی اس طرح کی تمام تاویلات و تحریفات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے گئے کہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ پاک کے سوا کسی بھی مخلوق کو پوجنا پکارنا شرک ہے خواہ وہ کوئی بھی ہستی اور کیسی ہی مخلوق کیوں نہ ہو؟ - سبحان اللہ - کیا کہنے اعجاز قرآنی کے کہ ایک ہی لفظ سے شرک کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - بہر کیف یہاں پر خودساختہ اور فرضی معبودوں کے پجاریوں کی مت ماری اور ان کے اوندھے اور اندھے پن کے ایک نمونہ و مظہر کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ ایک طرف تو وہ خاص خالق و مالک حقیقی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرما کر اس کو ایک خاص اندازے پر رکھ دیا ہے۔ اور اس قدر باریکی، پابندی اور پختگی کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی بھی چیز اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ اور وہ خالق و مالک ہر کسی سے اور ہر طرح سے غنی و بے نیاز ہے اور زندگی و موت کے تمام اختیارات اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہیں۔ اور ہر کسی کے نفع و نقصان کا مالک وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اور دوسری طرف عقل کے اندھے اور مت کے مارے ان مشرکوں کے یہ خودساختہ اور فرضی معبود ہیں جو کہ عاجز و بے بس اور خود مخلوق ہیں۔ اور غنی و بے نیاز ہونے کی بجائے وہ خود محتاج، بلکہ سراپا احتیاج ہیں۔ اور دوسروں کو نفع نقصان کیا پہنچاتے وہ

خود اپنے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور کسی طرح کی زندگی و موت کا ان کو کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سوکس قدر اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو ان معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جن کی عاجزی اور بے بسی کا یہ عالم ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ....

اہل کفر کا شرک اختیار کرنے کی ضلالت اور سفاہت بیان کرنے کے بعد ان کا ایک اور عقیدہ کفریہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ یہ لوگ قرآن مجید کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کا یہ کہنا کہ یہ کتاب جو میں پڑھ کر سناتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے ایک افتراء ہے نازل تو کچھ بھی نہیں ہوا ہاں انہوں نے اپنے پاس سے عبارتیں بنالی ہیں اور اس بارے میں دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مدد کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا۝ کہ ان لوگوں نے بڑے ظلم کی بات کہی ہے اور بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے (اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کو مخلوق کی تراشیدہ بات بتادیا ہے)۔

ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ دوسرے لوگوں نے عبارتیں بنانے میں ان کی مدد کی ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مشرکین کا اشارہ یہود کی طرف تھا وہ کہتے تھے کہ انہیں یہودی پرانی امتوں کے واقعات سنا دیتے ہیں اور یہ انہیں بیان کر دیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان لوگوں کا اشارہ ان اہل کتاب کی طرف تھا جو پہلے سے توریت پڑھتے تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے وجہ انکار کے لیے ان لوگوں کو کچھ نہ ملا اور قرآن جیسی چیز بنا کر لانے سے عاجز ہو گئے تو اپنی خفت مٹانے کے لیے ایسی باتیں کرنے لگے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝

ان لوگوں کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (آپ فرما دیجیے کہ ان قرآن کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جسے ہر چھپی ہوئی بات کا علم ہے آسمانوں میں ہو یا زمین میں) تم جو خفیہ مشورے کرتے ہو اور آپس میں جو چپکے چپکے یوں کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے یا دوسروں سے لکھوالیا ہے قرآن نازل فرمانے والے کو تمہاری ان سب باتوں کا پتہ ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ (بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) اس میں یہ بتایا کہ تم نے جو باتیں کہی ہیں یہ کفریہ باتیں ہیں ان کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گئے ہو لیکن جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ بہت بڑا کریم ہے اگر اپنی کفریہ باتوں سے توبہ کرلو گے اور ایمان لے آؤ گے تو وہ پرانی تمام باتوں کو معاف فرمادے گا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ ....

منکرین نبوت یہ کہتے ہیں کہ یہ مدعی نبوت پانچ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ پانچوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی بنے۔ سوم یہ کہ آپ ﷺ کے ہمراہ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ (ﷺ) سے ڈرائے۔ چہارم

یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اترتا۔ جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیروں کو بھوک اور فاقہ سے بچائیں۔ پنجم یہ کہ اگر آپ (ﷺ) کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترتا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ بے فکری سے کھالیا کرتے، جب آپ (ﷺ) میں کوئی شان امتیازی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو نقل کر کے بتلا دیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، جزاء اور سزا کے قائل نہیں اس لئے احکام اور قوانین کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے۔ جب قیامت آئے گی تو پچھتائیں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر اخیر وما ارسلنا قبلك من المرسلين۔ میں ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک الزامی جواب دیا کہ دیکھو کہ اگلے پیغمبر بھی کھاتے اور پیتے تھے اور بشری ضرورتوں کے لئے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین وجائیداد کا مالک تھا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ نبوت ورسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا سرداران قریش نے جیسے ابوجہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کہ کیا حال ہے اس رسول کا کہ دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لئے اوروں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کو ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہوگئی اور یہ نبی کیسے ہوگیا یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے پس وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈرانے والا ہوتا یا یہی ہوتا کہ اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تاکہ تحصیل معاش کے لئے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہوجاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسب معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت ورسالت کو دنیاوی ریاست پر قیاس کیا اور نبی اور رسول میں دنیاوی امیروں اور رئیسوں کی طرح دنیاوی سامان عیش وعشرت کے طلبگار اور جویا بنے اور ان ظالموں نے تو ظلم وستم کی حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے یہ کہا کہ بس تم تو ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو کہ جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور وہ عجیب عجیب قسم کی باتوں سے تم کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ یہ کہتے کہ اس مدعی رسالت کو کوئی شان امتیازی حاصل نہیں، ہماری طرح یہ بھی کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور جب آپ (ﷺ) سے معجزات دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے اور کبھی کہتے کہ کاہن ہے اور کبھی کہتے کہ مجنون ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بات کی دلیل ہے کہ جو کہتے وہ آپ (ﷺ) پر منطبق نہیں ہوتا تھا کسی بات پر قرار نہیں تھا کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ کہتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی دیکھئے تو سہی کہ ان ظالموں نے کیسی کیسی مثالیں آپ کے لئے بنائی ہیں جو ان کے اضطراب اور سراسیمگی کی دلیل ہیں کسی بات پر ان کو قرار نہیں پس یہ لوگ حق سے بہک گئے پس اب راہ راست پر نہیں آسکتے بھٹکتے پھرتے ہیں اور پریشان باتیں بکتے ہیں کسی بات پر قائم نہیں ایسے کو راہ حق کہاں ملتی ہے۔

تَبٰرَكَ تَكَاثَرَ خَيْرُ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ الَّذِیْ قَالُوْا مِنَ الْكَنْزِ وَالْبُسْتَانِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ اَیْ فِی الدُّنْيَا لِاَنَّهٗ شَاءَ اَنْ يُّعْطِيَهٗ اِيَّاهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَيَجْعَلْ بِالْجَزْمِ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ اَيْضًا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اِسْتِئْنَافًا بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ الْقِيَامَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ نَارًا مُّسْعِرَةً اَیْ مُشْتَدَّةً اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا غَلَيَانًا كَالْغَضْبَانِ اِذَا غَلَا صَدْرُهٗ مِنَ الْغَضَبِ وَّزَفِيْرًا ۝ صَوْتًا شَدِيْدًا اَوْ سِمَاعُ التَّغَيُّظِ رُؤْيَتُهٗ وَعِلْمُهٗ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ بِاَنْ يُّضِيْقَ عَلَيْهِمْ وَمِنْهَا حَالٌ مِّنْ مَكَانًا لِاَنَّهٗ فِی الْاَصْلِ صِفَةٌ لَّهٗ مُّقَرَّنِيْنَ مُصَفَّدِيْنَ قَدْ قُرِنَتْ اَيْدِيْهِمْ اِلٰى اَعْنَاقِهِمْ فِی الْاَغْلَالِ وَالتَّشْدِيْدُ لِلتَّكْثِيْرِ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ هَلَاكًا فَيُقَالُ لَهُمْ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ لِعَذَابِكُمْ قُلْ اَذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْوَعِيْدِ وَصِفَةِ النَّارِ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ فِیْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى جَزَاۗءً ثَوَابًا وَّمَصِيْرًا ۝ مَرْجِعًا لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ حَالٌ لَازِمَةٌ كَانَ وَعْدُهُمْ مَا ذُكِرَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْــُٔوْلًا ۝ يَسْاَلُهٗ مَنْ وَّعَدَ بِهٖ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ اَوْ يَسْاَلُهٗ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ بِالنُّوْنِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرَهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَعِيْسٰى وَعُزَيْزٍ وَالْجِنِّ فَيَقُوْلُ تَعَالٰى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالنُّوْنِ وَالْمَعْبُوْدِيْنَ اِثْبَاتًا لِلْحُجَّةِ عَلَى الْعَابِدِيْنَ ءَاَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسْتَهَلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَوْقَعْتُمُوْهُمْ فِی الضَّلَالِ بِاَمْرِكُمْ اِيَّاهُمْ بِعِبَادَتِكُمْ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ طَرِيْقَ الْحَقِّ بِاَنْفُسِهِمْ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِیْ يَسْتَقِيْمُ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ اَیْ غَيْرِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ وَمِنْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ النَّفْیِ وَمَا قَبْلَهُ الثَّانِیْ فَكَيْفَ نَامُرُ بِعِبَادَتِنَا وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ بِاِطَالَةِ الْعُمُرِ وَسَعَةِ الرِّزْقِ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ تَرَكُوا الْمَوْعِظَةَ وَالْاِيْمَانَ بِالْقُرْاٰنِ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ هَلْكٰى قَالَ تَعَالٰى فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ اَیْ كَذَّبَ الْمَعْبُوْدُوْنَ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ بِالْفَوْقَانِيَّةِ اِنَّهُمْ اٰلِهَةٌ فَمَا

تَسْتَطِيْعُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ اَيْ لَا هُمْ وَلَا اَنْتُمْ صَرْفًا دَفْعًا لِلْعَذَابِ عَنْكُمْ وَّلَا نَصْرًا ۚ مَنْعًا لَكُمْ
مِنْهُ وَمَنْ يَّظْلِمْ يُشْرِكْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝ شَدِيْدًا فِي الْاٰخِرَةِ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ
اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَ فَاَنْتَ مِثْلُهُمْ فِي ذٰلِكَ وَقَدْ قِيْلَ لَهُمْ كَمَا قِيْلَ لَكَ جَعَلْنَا
بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ بَلِيَّةً اِبْتَلَى الْغَنِيَّ بِالْفَقِيْرِ وَالصَّحِيْحَ بِالْمَرِيْضِ وَالشَّرِيْفَ بِالْوَضِيْعِ يَقُوْلُ الثَّانِيْ
فِيْ كُلِّ مَالِيْ لَا اَكُوْنُ كَالْاَوَّلِ فِيْ كُلٍّ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ عَلٰى مَا تَسْمَعُوْنَ مِمَّنْ اُبْتُلِيْتُمْ بِهِمْ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَيْ
اِصْبِرُوْا وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝ بِمَنْ يَّصْبِرُ وَبِمَنْ يَّجْزَعُ

ع ۲ ۱۱ ۱۷

ترجمہ: بڑی برکت (خیر کثیر) ہے اس ذات کی کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے (جس کو کفار نے کہا ہے یعنی خزانہ اور باغ سے بھی) اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے غیبی باغات جن کے نیچ سے نہریں بہتی ہوں (دنیا میں عنایت کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ باغات آخرت میں عنایت کیا جانا تو چاہا ہے) اور آپ کو بہت سے محل دیدے (بالجزم اور دوسری قراءت بالرفع ہے تو جملہ مستانفہ ہوگا) کچھ نہیں (بلکہ) وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے ایسے شخص (کی سزا) کے لیے جو کہ قیامت کو جھوٹا سمجھے دوزخ (دہکتی ہوئی آگ والی) تیار رکھی ہے (وہ (دوزخ کی آگ) ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش وخروش سنیں گے (مثل غضبناک کے جس وقت کہ جہنم کا پیچ غصہ کی وجہ سے جوش مارتا ہوگا اور سماع تغیظ سے مراد اس کا اس حالت میں مشاہدہ کرنا اور اس کا معلوم ہو جانا ہے) اور پھر جب وہ اس دوزخ کی کسی تنگ جگہ (بایں صورت کہ وہ جگہ ان پر تنگ کر دی جائے گی منہا مکانا سے حال ہے اس لیے کہ منہا مکانا کی صفت ہے) میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر کہ ان کی گردنوں سے ملا کر جکڑ دیئے جائیں گے بیڑیوں سے اور راء پر تشدید کثرت کے لیے ہے) ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے (تو ان سے جہنم میں کہا جائے گا) ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو (اپنے عذاب کے لیے) پکارو۔ آپ کہیے کہ (یہ بتلاؤ کہ جو وعید اور نار جہنم کی صفت مذکور ہوئی) کیا یہ حالت اچھی یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (؟) جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے (اللہ تعالیٰ علم میں ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور انکا ٹھکانہ اور ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے۔ (اور اس میں) وہ ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر! جن چیزوں کا تذکرہ ہوا ہے ان لوگوں سے ان چیزوں کا وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ان اشیاء کے حصول کی درخواست کرتے ہیں ''ربنا واتنا الخ'' یا یہ مطلب ہے کہ ان بندوں کے لیے فرشتے درخواست کریں گے ''ربنا وادخلهم الخ'') اور ان کی وہ یاد دلائیے کہ جس روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اور وہ لوگ جن کو خدا کے سوا پوجتے تھے (جیسے ملائکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر اور جنات) ان سب کو جمع کرے گا پھر (ان معبودوں سے اللہ تعالیٰ عابدین پر حجت ثابت کرنے کی وجہ سے) فرماوے گا کیا تم نے ء انتم دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے میرے لیے ان بندوں

کو گمراہ کیا تھا (کہ تم نے ان کو اپنی عبادت کا حکم دیکر گمراہی میں ڈال دیا تھا) یا یہ خود ہی حق تعالیٰ اور صراط مستقیم) سے گمراہ ہو گئے تھے؟۔ عرض کریں گے تو پاک ہے (ہر اس چیز سے کہ جو آپ کے شان کے لائق نہیں) ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں (لہٰذا یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ہم حکم کرتے اپنی عبادت کا من زائد برائے تاکید نفی اور اولیاء مفعول اول اور اس قبل مفعول ثانی) ولیکن آپ نے (تو) ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودگی دی (ان سے پہلے رزق کی وسعت اور درازگیٔ عمر کی صورت میں مست ہوئے) یہاں تک کہ بھلا بیٹھے آپ کی یاد (نصیحت کو چھوڑ بیٹھے اور ایمان بالقرآن بھی) اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری سب باتوں میں جھوٹا ہی ٹھہرا دیا تقولون تاء کے ساتھ ہے (خاص کر اس بات میں کہ وہ ان کے معبود ہیں) سو اب تم نہ تو خود (اور نہ وہ عذاب کو اپنے اوپر سے) ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دیئے جا سکتے ہو تستطیعون تاء اور یاء دونوں کے ساتھ ہے (کہ تم کو عذاب سے بچا لیا جائے) اور جو تم میں ظالم (یعنی مشرک) ہوگا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے (آخرت میں) اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے (سو آپؐ بھی اس بات میں ان کے ہی مثل ہیں اور جس طرح آپ ﷺ کے لیے اعتراض کیا گیا اسی طرح ان حضرات کے لیے بھی یہ سب کچھ کہا گیا) اور ہم نے تم میں (کہ جس قدر مکلف قرار کیے گئے) ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے کہ غنی کی آزمائش فقر کے ساتھ اور تندرست کی بیمار کے ساتھ اور شریف کی ذیل کے ساتھ ثانی ہر بات میں کہتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ میں ہر معاملے میں اول کے جیسا ہوں کیا تم ان باتوں پر صبر کرو گے کو تم لوگوں سے سنتے ہو جن کے ذریعے تم کو آزمایا گیا ہے استفہام بمعنی امر ہے یعنی صبر کرو تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے کہ کون صبر کرتا ہے اور کون بے صبری کرتا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: جَنّٰتٍ: یہ خیر سے بدل ہے۔

قوله: بِالسَّاعَةِ: یعنی قیامت کو جھٹلانے کی وجہ سے ان کی نگاہیں دنیا کے مال پر مرکوز ہیں اس لئے آپ کے فقر پر طعن کیا ہے۔

قوله: اِذَا رَاَتْهُمْ: یعنی جب آگ کے اس قدر قریب ہو جائیں گے کہ جہاں سے ایک دوسرے کو دیکھا جا سکتا ہے تو وہ جوش زن ہوگی۔

قوله: مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ: اس قدر فاصلہ جس سے ایک دوسرے کو دیکھا جائے۔

قوله: غَلَاصُدُرُهٗ: آگ غضبناک کی طرح جوش مارے گی۔

قوله: صِفَةٌ لَهٗ: کیونکہ منہا میں مکان کا بیان تھا وہ حال بن گیا۔

قوله: لِعَذَابِكُمْ: کیونکہ عذاب کی تو بے شمار اقسام ہیں۔

قوله: اَذٰلِكَ: یہ استفہام تقریع کے لئے ہے۔

قوله: بِنِيْ عِلْمِهٖ: جنت کا متقین کی جزاء بننا غیر پر اللہ تعالیٰ کے تفضل کے لئے مانع نہیں۔

قوله: حَالٌ لَازِمَةٌ: یہ نہ کہ منتقلہ ہے۔

قوله: وَعْدًا: وعد بمعنی موعود ہے۔

قوله: بُوْرًا: یہ مصدر ہے جس سے صفت بیان کی گئی ہے، ہلاک ہونے والی ہے۔

قوله: بِمَا: با بمعنی فی۔

قوله: كَبِيْرًا: بمعنی شدید ہے۔

قوله: اِلَّآ اِنَّهُمْ: ای الا رسلا۔ موصوف محذوف اور صفت اس کے قائم مقام ہے۔

قوله: استفهام: پس استفہام ترغیب کے لئے ہے۔

تفسیر مقبولین

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ : اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشا بیان کرتے ہیں کہ آخر اس کی کیا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ (ﷺ) کی تکذیب پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشا یہ نہیں کہ آپ (ﷺ) کی شان درویشی وفقیری ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بنی ہوئی ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشاء تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حطام دنیا پر مقصور ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت وکرامت کا دارومدار اسی دنیا کی مال ودولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب اور عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاء وسزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام "سعیر" ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی۔ یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوش غضب سے بھڑک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوش غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا چلاتا ہے اور شیر غراتا ہے، اسی طرح جہنم ان منکرین قیامت کے دیکھ کر جوش میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ وغضب سے بھڑک اٹھے گی۔ کما قال تعالیٰ: اذا القوا فیھا سمعوا لھا شھیقا وھی تفور تکاد تمیز من الغیظ الایۃ

اور یہ منکرین قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ وتاریک جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آجا تاکہ یہ بلا ہم سے ٹلے اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیئے جائیں گے تو اس وقت اپنی

ہلاکت اور حسرت کو آواز دیں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع واقسام عذاب کی کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں لہٰذا تم ہزاراں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو۔ کتنا ہی پکارو۔ تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اے نبی! آپ ان منکرین قیامت کو یہ حال اور مآل سنا کر کہہ دیجئے کہ تم نے مکذبین کا انجام سن لیا اب تم فیصلہ کرلو کہ یہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار اور تکذیب کا نتیجہ ہے یا وہ جنت الخلد بہتر ہے جس کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ سے وعدہ ہو چکا ہے یہ جنت الخلد ان کے اعمال کا صلہ ہے اور ان کا آخری ٹھکانہ ہے ان کے لئے وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں کسی نعمت کو زوال نہ ہوگا۔ اے پیغمبر یہ تیرے پروردگار کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمہ ہے جو وعدہ کے مطابق اس سے مانگا جائے گا۔ اہل ایمان اس سے درخواست کریں گے ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک اور فرشتے بھی اہل ایمان کے لئے درخواست کریں گے: ربنا وادخلهم جنات عدن التی وعدتهم۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ....

انبیاء کرامؑ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے تم میں بعض بعض کے لیے آزمائش ہیں:

چند آیات پہلے مشرکین کا یہ قول گزرا ہے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے یہاں ان کی باتوں کا جواب دے دیا کہ کھانا کھانا اور بازاروں میں چلنا پھرنا نبوت ورسالت کے خلاف نہیں ہے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے گئے وہ کھانا کھانے والے تھے اور بازاروں میں بھی آتے جاتے اور چلتے پھرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول بھیجے اور انہیں ان صفات سے متصف فرمایا جو رسول کی شان کے لائق تھیں اور جن کا صاحب رسالت کے لیے ہونا ضروری تھا ان صفات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کسی کو اپنے پاس سے یہ طے کرنے کا حق نہیں کہ صاحب نبوت میں فلاں وصف ہونا چاہئے جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی کی صفات وشرائط میں یہ نہیں ہے کہ کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو تم اپنے پاس سے نبوت کی صفات کیسے طے کرتے ہو اور اس بنیاد پر کیسے تکذیب کرتے ہو کہ یہ کھانا کھاتے ہیں اور بازار میں جاتے ہیں انبیائے سابقینؑ بشر تھے آنحضرت ﷺ بھی بشر ہیں کھانا پینا، بازار جانا بشریت کے تقاضوں میں سے ہے ان تقاضوں کو پورا کرنا نبوت ورسالت کی شان کے خلاف نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً) (اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے فتنہ یعنی امتحان کا ذریعہ بنایا ہے) اس فتنہ میں تنگدستی بھی ہے اور مالداری بھی، غریبوں کو دیکھ کر مالدار یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کے مقبول بندے ہوتے تو غریب کیوں ہوتے اور رسول ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ رسول ﷺ ہوتے تو ان کے پاس خزانہ ہوتا۔ یا باغ ہوتا اس میں سے کھاتا پیتے، یہ سب باتیں مالداری کے کبر اور نخوت کی وجہ سے زبان سے نکلتی ہیں ان باتوں کو بہانہ بنا کر زمانہ نبوت کے مخالفین رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے تکذیب کرنے والوں کا مالدار ہونا اور اہل امتحان کا مالدار نہ ہونا

ذریعہ امتحان ہے ایمان لانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے مالدار ہونے کی شرط لگانا اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے ہے خود غریب ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت: (وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا) کے مضمون کے ہم معنی ہے جیسے فقراء مالداروں کے لیے فتنہ ہیں ایسے ہی مالدار بھی فقراء کے لیے فتنہ ہیں۔

صاحب روح المعانی نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے وہ لکھتے ہیں: و جعلنا اغنیاء کم ایها الناس ابتلاء لفقرائکم لننظر هل یصبرون ان تفسیر کی بنا پر اتصبرون کا تعلق ماقبل سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو مال نہیں دیا گیا ان کے لیے مالداروں کا وجود فتنہ ہے یعنی آزمائش ہے فقراء سے خطاب فرمایا: اَتَصْبِرُوْنَ (کیا تم صبر کرتے ہو) یعنی تمہیں صبر کرنا چاہیے فالاستفهام بمعنی الامر۔

وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا۟ (اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے) فتنہ میں پڑنے والوں کو بھی دیکھتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بھی جانتا ہے ہر ایک کو اس کی نیت اور اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَا يَخَافُوْنَ الْبَعْثَ لَوْلَآ هَلَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ فَكَانُوْا رُسُلًا اِلَيْنَا
اَوْ نَرٰى رَبَّنَا رَبَّنَا فَيُخْبِرُنَا بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ تَعَالٰى لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا تَكَبَّرُوْا فِيْٓ شَانِ اَنْفُسِهِمْ
وَ عَتَوْ طَغَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ بِطَلَبِهِمْ رُؤْيَةَ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا وَعَتَوْا بِالْوَاوِ عَلٰى اَصْلِهٖ بِخِلَافِ عُتِيَ بِالْاِبْدَالِ
فِيْ مَرْيَمَ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ فِيْ جُمْلَةِ الْخَلَائِقِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَ نَصْبُهٗ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُجْرِمِيْنَ اَيِ الْكَافِرِيْنَ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمُ الْبُشْرٰى بِالْجَنَّةِ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ عَلٰى
عَادَتِهِمْ فِي الدُّنْيَا اِذَا نَزَلَتْ بِهِمْ شِدَّةٌ اَيْ عَوْذًا مَعَاذًا يَسْتَعِيْذُوْنَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالَ تَعَالٰى وَ قَدِمْنَآ
عَمَدْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ مِنَ الْخَيْرِ كَصَدَقَةٍ وَ صِلَةِ رَحِمٍ وَقِرَى ضَيْفٍ وَاِغَاثَةِ مَلْهُوْفٍ فِي
الدُّنْيَا فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ هُوَ مَا يُرٰى فِي الْكُوَى الَّتِيْ عَلَيْهَا الشَّمْسُ كَالْغُبَارِ الْمُفَرَّقِ اَيْ مِثْلَهٗ فِيْ
عَدَمِ النَّفْعِ بِهٖ اِذْ لَا ثَوَابَ فِيْهِ لِعَدَمِ شَرْطِهٖ وَيُجَازَوْنَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا مِنَ الْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا مِنْهُمْ وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ اَيْ مَوْضَعَ قَائِلَةٍ فِيْهَا وَهِيَ الْاِسْتِرَاحَةُ
نِصْفَ النَّهَارِ فِي الْحَرِّ وَاُخِذَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْقِضَاءُ الْحِسَابِ فِيْ نِصْفِ نَهَارٍ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ وَ يَوْمَ
تَشَقَّقُ السَّمَآءُ اَيْ كُلُّ سَمَاءٍ بِالْغَمَامِ اَيْ مَعَهٗ وَهُوَ غَيْمٌ اَبْيَضُ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾
هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَ نَصْبُهٗ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا وَفِيْ قِرَائَةٍ بِتَشْدِيْدِ شِيْنِ تَشَقَّقُ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا وَ
فِيْ اُخْرٰى نُنْزِلُ بِنُوْنَيْنِ الثَّانِيَةِ سَاكِنَةٌ وَضَمِّ اللَّامِ وَ نَصْبِ الْمَلَائِكَةِ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ
لَا يُشْرِكُهٗ فِيْهِ اَحَدٌ وَ كَانَ الْيَوْمُ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ
الْمُشْرِكُ عُقْبَةُ بْنُ اَبِيْ مُعَيْطٍ كَانَ نَطَقَ بِالشَّهَادَتَيْنِ ثُمَّ رَجَعَ رِضَاءً لِاُبَيِّ بْنِ خَلْفٍ عَلٰى يَدَيْهِ نَدَمًا
وَتَحَسُّرًا فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لِلتَّنْبِيْهِ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْهُدٰى
يٰوَيْلَتٰى اَلِفُهٗ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ اَيْ وَيْلَتِيْ وَ مَعْنَاهُ هَلَكَتِيْ لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا اَيْ اُبَيًّا
خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ اَيِ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ بِاَنْ رَدَّنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى

كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ الْكَافِرِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ بِاَنْ يَتْرُكَهٗ وَيَتَبَرَّءَ مِنْهُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَقَالَ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ يٰرَبِّ
اِنَّ قَوْمِيْ قُرَيْشًا اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ مَتْرُوْكًا قَالَ تَعَالٰى وَكَذٰلِكَ كَمَا جَعَلْنَا لَكَ عَدُوًّا مِنْ
مُشْرِكِيْ قَوْمِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ قبلك عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ الْمُشْرِكِيْنَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا وَكَفٰى
بِرَبِّكَ هَادِيًا لك وَّ نَصِيْرًا ﴿٣١﴾ نَاصِرًا لَكَ عَلٰى اَعْدَائِكَ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا هَلَّا نُزِّلَ عَلَيْهِ
الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ قَالَ تَعَالٰى نَزَّلْنَاهُ كَذٰلِكَ ۚ اَيْ مُتَفَرِّقًا لِنُثَبِّتَ بِهٖ
فُؤَادَكَ نُقَوِّيْ قَلْبَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ اَيْ اَتَيْنَا بِهٖ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ بِتَمَهُّلٍ وَتُؤَدَةٍ لِيَتَيَسَّرَ فَهْمُهٗ وَحِفْظُهٗ
وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ فِيْ اِبْطَالِ اَمْرِكَ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ الدَّافِعِ لَهٗ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ؕ بَيَانًا هُمْ اَلَّذِيْنَ
يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَيْ يُسَاقُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جَهَنَّمُ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ اَخْطَاءُ ع ١٢ ٢ ١
طَرِيْقًا مِنْ غَيْرِهِمْ وَهُوَ كُفْرُهُمْ

تَرْجَمَہ: اوران لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (بعث بعد الموت کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے) کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا یہ کیوں نہ ہوا کہ ہم رب کو دیکھ لیتے، (تاکہ وہ خود اس کی اطلاع دے دیتے کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔ ارشاد ہوا کہ) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے ہیں (دنیا میں خدا تعالیٰ کی رویت کا مطالبہ کرکے عتو واو کے ساتھ اپنے اصل پر ہے بخلاف عتیّ کے سورۂ مریم میں کہ وہ بدل دیا گیا) جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (دیگر مخلوقات کے ساتھ قیامت کے دن) اس روز مجرموں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی (بخلاف مؤمنین کے کہ انہیں جنت کی خوشی ہوگی) اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ (جیسا کہ ان کی دنیا میں عادت تھی کہ انہیں جب کوئی تکلیف پہنچتی تو فرشتوں سے پناہ مانگتے۔ ارشاد باری ہے کہ) ہم ان کے ان اچھے کاموں کی طرف جو وہ دنیا میں کرچکے ہیں متوجہ ہوں گے مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی مہمان نوازی اور مظلوم کی فریاد رسی تو ہم ان (اعمال) کو کردیں گے پریشان غبار (جیسا کہ روشندان سے جب سورج کی شعاع پڑتی ہے تو اس سے منتشر گرد وغبار کی ایک لکیر نظر آتی ہے۔ اس تمثیل سے مقصد کفار کے اعمال کو ایمان کی عدم موجودگی میں غیر نفع بخش بتانا ہے) البتہ اہل جنت اس روز قیام گاہ (یعنی دنیا) میں بھی اچھے رہیں گے (کفار سے) اور آرام گاہ (یعنی جنت) میں بھی اچھے رہیں گے (ان کفار سے، مقیلاً سے مراد جنت میں قیلولہ کرنے کی جگہ، قیلولہ دوپہر میں آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ حساب وکتاب دوپہر تک ختم ہوجائے گا اور اس سے فراغت کے بعد مؤمنین کو قیلولہ کا موقع مل جائے گا۔ حدیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے) اور جس روز آسمان ایک

بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (آسمان سے زمین پر) بکثرت اتارے جائیں گے (اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔
یوم کو نصب اس وجہ سے ہے کہ اس سے پہلے اذکر مقدر ہے اور ایک قراءت میں تشقق کے شین کو تشدید ہے اور ایک قراءت میں ننزل میں دونون ہیں دوسرا نون ساکن اور ل کو ضمہ اور ملائکۃ کے تا کو فتحہ ہے) اس روز حقیقی حکومت خدائے رحمٰن ہی کی ہوگی۔ (اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا جس روز ظالم اپنا ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا۔ (جیسے عقبہ بن معیط وغیرہ جو کہ ایمان لے آنے کے بعد ابی بن خلف کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مرتد ہو گیا۔ وہ حسرت وندامت کے ساتھ کہے گا) کاش میں رسولؐ کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ جاتا۔ ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (یویلتا میں الف یاء اضافی کے بدلہ میں ہے اصل عبارت ہے ویلتی معنی ہلاکت کے ہیں) یقیناً اس کمبخت نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکا دیا (اور مرتد بنا دیا۔ ارشاد باری ہوا) شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے (اور ابتلاء و پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے) اور اس دن رسول کہیں گے اے میرے پروردگار میری اس قوم (قریش) نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا (ارشاد ہوا) اور ہم اس طرح (جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت رکھتے ہیں) ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں (تو جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا آپ بھی صبر سے کام لیجئے) اور ہدایت کرنے کو اور (دشمنوں کے مقابل میں) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر قرآن ایک بارگی پورا کیوں نہیں نازل کر دیا گیا (جیسا کہ توریت وزبور اور انجیل نازل ہوئیں ارشاد خداوندی ہوا کہ) اس طرح (تدریجاً) ہم نے اس لئے نازل کیا کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں۔ اور ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے (وقتاً فوقتاً تا کہ اس کا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے) اور یہ لوگ (آپ کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کیلئے) کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں۔ مگر ہم اس کا ٹھیک اور نہایت واضح جواب آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں (دوسروں سے اپنے کفر کے سبب)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَنْفُسِهِمْ: کفار نے اپنے نفوس کے بارے میں نزول ملائکہ کی تمنا کی حالانکہ وہ نزول انسانوں کامل ترین افراد انبیاء علیہم السلام پر ہوتا ہے وہ فرشتے ان پر کامل ترین اوقات اترتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ تکبر کیا کہ رویت باری تعالیٰ کا دنیا میں مطالبہ کر دیا۔

قوله: عَتَوْا: یعنی ظلم میں وہ حدود پھاند گئے جو انتہاء کو پہنچنے والا ہے۔

قوله: لَا بُشْرٰى: اس کو دوبارہ تاکید کے لئے لائے۔

قوله: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا: یہ کلمہ کافر قیامت کے روز فرشتوں کی ملاقات سے بچانے کے لئے کریں گے۔ دشمن کے ہجوم میں عرب یہ محاورہ بولتے ہیں۔ محجور سے اس کی صفت لاکر حجراً کی تاکید کردی جیسے کہتے ہیں موت مائت۔

قوله: فَجَعَلْنٰهُ: یہ حبط کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: لِعَدَمِ شَرْطِهٖ: ثواب کی شرط ایمان نہ پائے جانے کی وجہ سے ثواب نہ ملا۔

قوله: مُّسْتَقَرًّا: وہ آدمی جہاں اکثر مجلس جما کر بیٹھے۔

قوله: هِيَ الْاِسْتِرَاحَةُ: قیلولہ سے مجازی طور پر استراحت مراد ہے کیونکہ جنت میں نہ نیند نہ تھکاوٹ، اس میں تنزینات کی طرف بہترین رمز ہے۔

قوله: هُوَ غَيْمٌ اَبْيَضُ: یہ وہی غیم ہے جس کا تذکرہ هل ینظرون الا ان یاتیهم الله فی ظلل من الغمام میں ہے۔

قوله: اِلْحَقُّ: یہاں ثابت کے معنی میں ہے باقی سب کی ملکیتیں باطل ہو جائیں گے۔ الحق یہ خبر ہے الرحمان اس کا بیان ہے۔ یومئذ کا عامل الملک ہے کیونکہ مصدر بمعنی تصرف ہے نہ کہ الحق۔

قوله: نَدَمًا وَتَحَسُّرًا: عرب میں عض الیدین اکل البنان اور حرق الاسنان یہ تمام غصہ کے کنایات ہیں۔

قوله: فُلَانًا: یہاں جنس سے کنایہ ہے یہ نام سے بھی کنایہ آتا ہے۔

قوله: الخلیل: سے مرادلیاں گمراہ کرنے والا شیطان ہے۔

قوله: قَالَ الرَّسُوْلُ: ہر رسول مراد ہو تو القران مطلق کتاب کے معنی میں ہے۔ مہجور متروک کے معنی میں ہے۔

قوله: عَدُوًّا: یہ واحد جمع استعمال ہوتا ہے۔

قوله: نُزِّلَ: بمعنی انزل ہے۔

قوله: كَذٰلِكَ: اس میں قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: قَلْبَكَ: یعنی اس کے فقط وفہم پر آپ کے دل کو مضبوط کردیں۔

قوله: تُؤَدَةٍ: آہستگی۔

قوله: فِيْ اِبْطَالِ: نبوتک وہ آپ کی نبوت کے نقص نکالنا چاہتے ہیں۔

قوله: الدَّافِعِ: کفار کے سوال کے جواب میں دفاع کرنے والا۔

قوله: اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا: اچھا بیان یا عمدہ معنی۔

قوله: عَلٰى وُجُوْهِهِمْ: چہرے وسر کے بل چلاتے جائیں گے۔

قوله: اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾: سبیل کے لئے مجازی طور پر ضلال کی صفت لائی گئی ہے، یہ اس آیت کی طرح ہے: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا ....

یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہو کر حساب و کتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لیے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید و تصدیق کر رہا ہے

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے، لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا۔ حتی کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ فرشتے بھی حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت و کامیابی ہمیشہ کے لیے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾، حِجْرًا کے لفظی معنے محفوظ جگہ کے ہیں اور محجوراً اس کی تاکید ہے۔ یہ لفظ محاورہ عرب میں اس وقت بولا جاتا تھا جب کوئی مصیبت سامنے ہو۔ اس سے بچنے کے لیے لوگوں سے کہتے تھے کہ پناہ ہے پناہ، یعنی ہمیں اس مصیبت سے پناہ دو تو قیامت کے روز بھی جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب لاتا ہوا دیکھیں گے دنیا کی عادت کے مطابق یہ لفظ کہیں گے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے یہ معنے منقول ہیں حَرَامًا مُحَرَّمًا اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جانے کی درخواست کریں گے یا تمنا ظاہر کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے۔ (مظہری)

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

یہ بہت عبرتناک منظر کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جن کی بنیاد ایمان حقیقی پر نہیں رکھی گئی تھی۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی فضول اور قابل حقارت چیز کی سی ہوگی جسے کوئی دیکھتے ہی فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر ہوا میں اچھال دے۔ یہ ان دنیا پرست اور ریاکار لوگوں کے انجام کا نقشہ ہے جو ظاہر کی نیکیوں کے انبار لے کر میدان محشر میں آئیں گے۔ دنیا میں انہوں نے خیراتیں بانٹی تھیں، یتیم خانے کھولے تھے، ہسپتال بنائے تھے، مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، مدارس کی سرپرستی کی تھی، حج و عمرے کیے تھے، مگر ان اعمال کو سرانجام دیتے ہوئے اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر و ثواب کو کہیں بھی مدنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں عزت و شہرت حاصل کرنے کا جذبہ نیکی کا محرک بنا تھا تو کہیں پارسائی د

پرہیزگاری کا سکہ جمانے کی خواہش نے عبادات کا معمول اپنایا تھا۔ کبھی الیکشن جیتنے کی منصوبہ بندی نے خدمت خلق کا لبادہ اوڑھا تھا تو کبھی کاروباری ساکھ کو بہتر بنانے کے لالچ نے متقیانہ روپ دھارا تھا۔ غرض ہر نیکی کے پیچھے کوئی نہ کوئی دنیوی مفاد کارفرما تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے اس کے نزدیک ایسی کسی نیکی کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں۔ چنانچہ ایسے بد قسمت لوگوں کی نیکیوں کے انبار اور اعمال صالحہ کے پہاڑ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں گرد و غبار کے ذرات کی طرح تحلیل کر دیا جائے گا۔

هَبَآءً۔ اسم مفرد۔ باریک خاک۔ باریک ذرات۔ جو سورج کے رخ پر کواڑ کے سوراخوں میں سے دکھائی دیتے ہیں۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝

ان آیات میں قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی اور مصیبت کو بیان فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا قیامت کے دن آسمان کا پھٹنا دوسری آیات میں بھی مذکور ہے۔ کمافی قولہ تعالیٰ: (اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ) وقولہ تعالیٰ (اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ) اور یہاں لفظ بِالْغَمَامِ کا بھی اضافہ ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بظاہر آسمان سے یہی آسمان مراد ہے جو ہمارے اوپر سایہ فگن ہے اور الغمام سے سحاب معروف یعنی بادل مراد ہیں اور باء سببیت کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ اس دن آسمان بادلوں کے طلوع ہونے کے سبب پھٹ پڑے گا اور اس میں کوئی بعد نہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کو قدرت ہے کہ آسمان کو بادل کی وجہ سے اس طرح پھاڑ دے جیسے اونٹ کے کوہان کو چھری سے شق کر دیا جاتا ہے پھر یہ بتایا ہے کہ باء صرف ملابست کے لیے بھی ہو سکتی ہے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اس وقت وہ اس حالت میں ہوگا اس پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ السماء سے نہ صرف السماء الدنیا بلکہ سارے آسمان مراد ہیں۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۹)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط لعنۃ اللہ علیہ جب بھی سفر سے آتا کھانا پکاتا اور اہل مکہ کی دعوت کرتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زیادہ اٹھتا بیٹھتا تھا آپ کی باتیں اسے پسند آتی تھیں ایک مرتبہ جب وہ سفر سے واپس آیا تو کھانا تیار کیا اور حضور اقدس ﷺ کو کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے فرمایا میں تیرا کھانا نہیں کھا سکتا جب تک کہ تو لا الٰہ الا اللہ کی اور میرے رسول ہونے کی گواہی نہ دے اس نے پھر کھانے کو کہا آپ نے پھر وہی جواب دیا اس کے بعد اس نے شہادت کی گواہی دیدی اور آپ نے اس کا کھانا کھالیا اس واقعہ کی ابی بن خلف کو خبر ہوئی تو وہ عقبہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اے عقبہ کیا تو بد دین ہو گیا (مشرکین مکہ شرک میں غرق ہونے کی وجہ سے دین توحید کو بد دینی سے تعبیر کرتے تھے، العیاذ باللہ) اس پر عقبہ نے کہا کہ میں دل سے (بددین) تو نہیں ہوا لیکن بات یہ ہے کہ ایک شخص میرے گھر آیا میں نے اس سے کھانے کے لیے کہا کہ جب تک تو میرے کہنے کے مطابق گواہی نہ دے گا میں تیرا کھانا نہ کھاؤں گا مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے لہٰذا میں نے اس کے قول کے مطابق گواہی دیدی جس پر اس نے کھانا

کھالیا اس پر ابی بن خلف نے کہا کہ میں اس وقت تک تجھ سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک تو اس شخص کے پاس جا کر بدتمیزی والی حرکت نہ کرے چنانچہ عقبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بدتمیزی سے پیش آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو مجھے مکہ معظمہ سے باہر ملے گا تو میں تیری گردن ماردوں گا چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر اس کی گردن ماردی گئی اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن معیط اور فلان سے ابی ابن خلف مراد ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت ندامت و افسوس سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے یوں کہے گا: یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۝ کاش میں اللہ کے رسول کے ساتھ اپنا راستہ بنالیتا

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی صحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ....

نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا، برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ تعالیٰ کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد ﷺ سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

اس اعتراض کے جواب میں قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی حکمت یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی رکھنا مقصود ہے۔ نزول تدریجی میں آنحضرت ﷺ کی تقویت قلب کی چند وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ یاد رکھنا آسان ہو گیا، ایک ضخیم کتاب بیک وقت نازل ہو جاتی تو یہ آسانی نہ رہتی اور آسانی کے ساتھ یاد ہوتے رہنے سے دل میں کوئی پریشانی نہیں رہتی۔ دوسرے جب کفار آپ پر کوئی اعتراض یا آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ کی تسلی کے لیے قرآن میں آیت نازل ہو جاتی اور اگر پورا قرآن ایک دفعہ آ گیا ہوتا اور اس خاص واقعہ پر تسلی کا ذکر بھی نازل ہو گیا ہوتا تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور ذہن کا اس طرف متوجہ ہو جانا بھی عادۃً ضروری نہیں تھا۔ تیسرے پیغام خداوندی آنا تازہ شہادت ہے معیت خداوندی کی جو مدار اعظم ہے قوت قلب کا۔ اور اس جگہ جو حکمت تقویت قلب کی بتلائی گئی ہے نزول تدریجی کی حکمت اس میں منحصر نہیں دوسری حکمتیں بھی ہیں جن میں سے بعض سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ میں پہلے آ چکی ہے۔ (بیان القرآن)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ مُعِيْنًا فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اَيِ الْقِبْطِ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ فَذَهَبَا اِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَدَمَّرْنٰهُمْ
تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ اَهْلَكْنَاهُمْ اِهْلَاكًا وَاذْكُرْ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ بِتَكْذِيْبِهِمْ نُوْحًا لِطُوْلِ لُبْثِهٖ فِيْهِمْ
فَكَاَنَّهٗ رُسُلٌ اَوْ لِاَنَّ تَكْذِيْبَهٗ تَكْذِيْبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيْءِ بِالتَّوْحِيْدِ اَغْرَقْنٰهُمْ جَوَابُ
لَمَّا وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ بَعْدَهُمْ اٰيَةً ۭ عِبْرَةً وَاَعْتَدْنَا فِي الْاٰخِرَةِ لِلظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾
مُؤْلِمًا سِوٰى مَا يَحُلُّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَ اذْكُرْ عَادًا قَوْمَ هُوْدٍ وَّثَمُوْدَا قَوْمَ صَالِحٍ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اِسْمُ
بِئْرٍ وَنَبِيُّهُمْ قِيْلَ شُعَيْبٌ وَقِيْلَ غَيْرُهٗ كَانُوْا قُعُوْدًا حَوْلَهَا فَانْهَارَتْ بِهِمْ وَبِمَنَازِلِهِمْ وَقُرُوْنًا اَقْوَامًا بَيْنَ
ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ اَيْ بَيْنَ عَادٍ وَاَصْحٰبِ الرَّسِّ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ فِيْ اِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ فَلَمْ
نُهْلِكْهُمْ اِلَّا بَعْدَ الْاِنْذَارِ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ اَهْلَكْنَا اِهْلَاكًا بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَاءَهُمْ وَلَقَدْ اَتَوْا مَرُّوْا اَيْ
كُفَّارُ مَكَّةَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ مَصْدَرُ سَاءَ اَيْ بِالْحِجَارَةِ وَهِيَ عُظْمٰى قُرٰى قَوْمِ
لُوْطٍ فَاَهْلَكَ اللّٰهُ اَهْلَهَا لِفِعْلِهِمُ الْفَاحِشَةَ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ فِيْ سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ فَيَعْتَبِرُوْنَ
وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يَخَافُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾ بَعْثًا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ مَا
يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ بِهٖ يَقُوْلُوْنَ اَھٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾ فِيْ دَعْوَاهُ مُحْتَقِرِيْنَ لَهٗ عَنِ
الرِّسَالَةِ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اِنَّهٗ كَادَ لَيُضِلُّنَا يَصْرِفُنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَآ اَنْ
صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ لَصَرَفَنَا عَنْهَا قَالَ تَعَالٰى وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ عِيَانًا فِي الْاٰخِرَةِ مَنْ
اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ اَخْطَاُ طَرِيْقًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ اَرَءَيْتَ اَخْبِرْنِيْ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَيْ مَهْوِيَّهٗ قُدِّمَ
الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ لِاَنَّهٗ اَهَمُّ وَجُمْلَةُ مَنِ اتَّخَذَ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ لِرَاَيْتَ وَالثَّانِيْ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾
حَافِظًا تَحْفَظُهٗ عَنِ اتِّبَاعِ هَوَاهُ لَا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ سَمَاعَ تَفَهُّمٍ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ
مَا تَقُوْلُ لَهُمْ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٤﴾ اَخْطَاُ طَرِيْقًا مِنْهَا لِاَنَّهَا تَنْقَادُ لِمَنْ ع ۱۰

يَتَعَهَّدُهَا وَهُمْ لَا يُطِيْعُوْنَ مَوْلَاهُمُ الْمُنْعِمَ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی کو وزیر بنا دیا۔ پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے (یعنی فرعون اور اس کی قوم) باری تعالیٰ کے حکم پر یہ دونوں ان کے پاس پیغام خداوندی لے کر گئے۔ مگر انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا۔ سو ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کر دیا اور (یاد کیجئے) قوم نوحؑ کو...... کہ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (کذبوا الرسل۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حالانکہ پیغمبر صرف ایک یعنی حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت نوحؑ اپنی قوم میں اتنی لمبی مدت تک رہے کہ گویا کئی رسولوں کے قائم مقام ہو گئے۔ دوسرا جواب یہ کہ ان کا جھٹلانا گویا کہ انبیاء کی پوری جماعت کو جھٹلانا ہوا کیونکہ مقصد ہر نبی کا ایک ہوتا ہے یعنی توحید کی دعوت دینا۔ اس وجہ سے رسل جمع کا صیغہ لایا گیا) ہم نے ان کو (طوفان سے) غرق کر دیا اور ہم نے ان (کے واقعہ) کو لوگوں کیلئے ایک نشان عبرت بنا دیا (اغرقنا جواب ہے لما کذبوا کا) اور ہم نے ان ظالموں کیلئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دنیاوی عذاب کے علاوہ ہوگا) اور (یاد کیجئے) ہم نے اسی طرح عاد (یعنی قوم ہودؑ) اور ثمود (یعنی قوم صالحؑ) اور اصحاب الرس کو) یہ ایک قوم تھی جن کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور نبی تھے، اس ایک کنوئیں کا نام ہے یہ لوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے وہ کنواں ان کے اور ان کے مکانوں کے ساتھ دھنس گیا) اور ان کے درمیان میں بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے (امم مذکورہ میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کیلئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے (ان لوگوں کے اتمام حجت کیلئے اور (جب نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی برباد کر دیا (انبیاء کی تکذیب کی سزا میں) اور یہ (کفار مکہ) اس بستی پر سے گزر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے گئے تھے (مطر السوء میں سو مصدر ہے ساء کا معنی پتھر برسانا۔ یہ پتھروں کی بارش قوم لوط کے ایک بڑے گاؤں پر ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے پوری آبادی کو ہلاک کر کے رکھ دیا تھا اور یہ سزا تھی ان کے برے اعمال کی) سو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہتے (جب یہ ملک شام کی طرف سفر کرتے ہیں۔ پس انہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ یہاں استفہام تقریر کیلئے ہے) بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا خیال ہی نہیں رکھتے (گویا کہ آخرت کے منکر ہیں اس وجہ سے یہ لوگ ان چیزوں سے ڈرتے نہیں اور نہ ایمان لاتے ہیں) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں (اور مذاق بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (اور پھر حقارت کیساتھ کہتے ہیں کہ) اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر (مضبوطی سے) قائم نہ رہتے (ان کاد میں ان مخففه من الثقيله ہے اور اس کا اسم محذوف ہے جوانہ ہے۔ ان کے مذاق کے جواب میں ارشاد باری ہے کہ) عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب دیکھ لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا

تھا (یہ لوگ یا مؤمنین؟) اے پیغمبر آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے (مفعول ثانی کو اس کی اہمیت کی بناء پر مقدم کر دیا گیا ہے اور جملہ من اتخذ رایت کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی افانت تکون ہے) سو کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں (کہ انہیں ان کی خواہشات نفسانی سے باز رکھ سکیں نہیں ایسا نہیں آپ کر سکتے) آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں (جو کچھ آپ ان سے کہتے ہیں)، یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ (یہ تو اتباع کرتے ہیں ایسوں کی جو ان سے کسی چیز کا وعدہ کرتے ہیں نہ کہ اپنے منعم (حقیقی) کی)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَزِیْرًا: دعوت میں معین۔

قوله: فَدَمَّرْنٰهُمْ: فا تعقیبیہ اور تدمیر تکذیب کے بعد ہوئی ہے۔

قوله: کَانُوْا اَعْبُدُوْا: وہ بت پرست تھے۔

قوله: فَانْهَارَتْ: وہ گر پڑیں اور مکانات کو دھنسا دیا۔

قوله: کُلًّا ضَرَبْنَا: اول کل منصوب ہے ضربنا اس پر دلالت کرتا ہے دوسرا کلا تبرنا۔

قوله: اَهٰذَا الَّذِیْ: یہ اشارہ تحقیر پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: اِلٰهَهٗ: اس کی اطاعت کی اور اس پر اپنے دین کی بنیاد رکھی۔

قوله: لَا اَمْ تَحْسَبُ: اول استفہام تقریری اور دوسرا انکار کے لئے۔

قوله: اَوْ یَعْقِلُوْنَ: تم ان کو نشانات دیتے پھر تم ان کی حالت کا اہتمام کرتے اور ایمان کی توقع رکھتے ہیں۔

قوله: اِلَّا کَالْاَنْعَامِ: انہوں نے جو دلائل و معجزات کو مشاہدہ کر کے مسترد کر دیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝

انبیاء سے دشمنی کا خمیازہ:

اللہ تعالیٰ مشرکین کو اور آپ کے مخالفین کو اپنے عذابوں سے ڈرا رہا ہے کہ تم سے پہلے کے جن لوگوں نے میرے نبیوں کی نہ مانی، ان سے دشمنی کی ان کی مخالفت کی میں نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ فرعونیوں کا حال تم سن چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے نہ مانا جس کے باعث اللہ کا عذاب آ گیا اور سب ہلاک کر دیئے گئے۔ قوم

نوح کو دیکھو انہوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور چونکہ ایک رسول کا جھٹلانا تمام نبیوں کو جھٹلانا ہے اس واسطے یہاں رسل جمع کر کے کہا گیا۔ اور یہ اس لیے بھی کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھی بھیجے جاتے تو بھی یہ سب کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو نوح علیہ السلام نبی کے ساتھ کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ انکی طرف بہت سے رسول بھیجے گئے تھے بلکہ ان کے پاس تو صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی آئے تھے جو ساڑھے نو سو سال تک ان میں رہے ہر طرح انہیں سمجھایا بجھایا لیکن سوائے معدودے چند کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اس لیے اللہ نے سب کو غرق کر دیا۔ سوائے ان کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے ایک بنی آدم روئے زمین پر نہ بچا۔ لوگوں کے لیے انکی ہلاکت باعث عبرت بنادی گئی۔ جیسے فرمان ہے کہ پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تا کہ تم اسے اپنے لیے باعث عبرت بناؤ اور کشتی کو ہم نے تمہارے لیے اس طوفان سے نجات پانے اور لمبے لمبے سفر طے کرنے کا ذریعہ بنادیا تا کہ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے عالمگیر طوفان سے تمہیں بچالیا اور ایماندار اور ایمان داروں کی اولاد میں رکھا۔ عادیوں اور ثمودیوں کا قصہ تو بار ہا بیان ہو چکا ہے جیسے کہ سورۂ اعراف وغیرہ میں اصحاب الرس کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ فلج والے تھے جن کا ذکر سورۃ یاسین میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آذربائی جان کے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان کو کنویں والے اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن ان بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبی کو ایک غیر آباد کنویں میں ویران میدان میں ڈالدیا اور اس کے منہ پر ایک بڑی بھاری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مرجائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹ کر لاتا انہیں بازار میں فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنویں پر آتا اس پتھر کو سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبر علیہ السلام کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے۔ مدتوں تک یونہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا لکڑیاں کاٹیں، چنیں، جمع کیں، گٹھری باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا، سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند ڈال دی۔ سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی، انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے لکڑیوں کی گٹھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا۔ اسے یہی خیال تھا کہ ذرا سی دیر کے لیے سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں۔ حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا۔ دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ درحقیقت اس عرصہ میں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے، انہوں نے جا کر اپنے نبی کو کنویں سے نکالا۔ سب کے سب ایمان لائے پھر نبی فوت ہو گئے۔ نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اس غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس شخص کو نبی کے انتقال کے بعد اس کی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں غرابت ونکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے واللہ اعلم۔ اس روایت کو ان اصحاب رس پر چسپاں بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہاں مذکور ہے کہ انہیں ہلاک کیا گیا۔ ہاں یہ ایک توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ تو ہلاک کر دیئے گئے پھر ان کی نسلیں ٹھیک ہو گئیں اور انہیں

ایمان کی توفیق ملی۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ کا فرمان ہے کہ اصحاب رس وہی ہیں جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہے جنہوں نے خندقیں کھدائی تھیں۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اور بھی ان کے درمیان بہت سی امتیں آئیں جو ہلاک کردی گئیں۔ ہم نے ان سب کے سامنے اپنا کلام بیان کردیا تھا۔ دلیلیں پیش کردی تھیں۔ معجزے دکھائے تھے، عذر ختم کردئے تھے پھر سب کو غارت اور برباد کردیا۔ جیسے فرمان ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد کی بھی بہت سی بستیاں ہم نے غارت کردیں۔ قرن کہتے ہیں امت کو۔ جیسے فرمان ہے کہ ان کے بعد ہم نے بہت سی قرن یعنی امتیں پیدا کیں۔ قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سو بیس سال ہے کوئی کہتا ہے سو سال کوئی کہتا ہے اسی سال کوئی کہتا ہے چالیس سال اور بھی بہت سے قول ہیں۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ایک زمانہ والے ایک قرن ہیں جب وہ سب مرجائیں تو دوسرا قرن شروع ہوتا ہے۔ جیسے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ سدوم نامی بستی کے پاس سے تو یہ عرب برابر گزرتے رہتے ہیں۔ یہیں لوطی آباد تھے۔ جن پر زمین الٹ دی گئی اور آسمان سے پتھر برسائے گئے اور برا مینہ ان پر برسا جو سنگلاخ پتھروں کا تھا۔ یہ دن رات وہاں سے آمدورفت رکھتے پھر بھی عقلمندی کا کام نہیں لیتے۔ یہ بستیاں تو تمہاری گزرگاہیں ہیں ان کے واقعات مشہور ہیں کیا تم انہیں نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہو لیکن عبرت کی آنکھیں ہی نہیں کہ سمجھ سکو اور غور کرو کہ اپنی بدکاریوں کی وجہ سے وہ اللہ کے عذابوں کے شکار ہوگئے۔ بس انہیں اڑا دیا گیا بے نشان کردئے گئے۔ بری طرح دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ اسے سوچے تو وہ جو قیامت کا قائل ہو۔ لیکن انہیں کیا عبرت حاصل ہوگی جو قیامت ہی کے منکر ہیں۔ دوبارہ زندگی کو ہی محال جانتے ہیں۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنائیے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں، نافع ومضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا، نہ اس کے احسانات کو سمجھا۔ نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کیے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کررہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَنْظُرْ تَرَ ى فِعْلِ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ مِنْ وَقْتِ الْاِسْفَارِ اِلٰى وَقْتِ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ مُقِيْمًا لَا يَزُوْلُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ اَيِ الظِّلِّ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ فَلَوْلَا الشَّمْسُ مَا عُرِفَ الظِّلُّ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اَيِ الظِّلَّ الْمَمْدُوْدَ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ خَفِيًّا بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا سَاتِرًا كَاللِّبَاسِ وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا رَاحَةً لِلْاَبْدَانِ بِقَطْعِ الْاَعْمَالِ وَّ
جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ مَنْشُوْرًا فِيْهِ لِاِبْتِغَاءِ الرِّزْقِ وَ غَيْرِهٖ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ
الرِّيْحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ اَیْ مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ تَخْفِيْفًا وَفِیْ قِرَاءَةٍ
بِسُكُوْنِهَا وَ فَتْحِ النُّوْنِ مَصْدَرٌ وَ فِیْ اُخْرٰى بِسُكُوْنِهَا وَ ضَمِّ الْمُوَحَّدَةِ بَدَلَ النُّوْنِ اَیْ مُبَشِّرَاتٍ وَمُفْرَدًا
لِاُوْلٰى نَشُوْرٌ كَرَسُوْلٍ وَالْاَخِيْرَةُ بَشِيْرٌ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ مُطَهِّرًا لِّنُحْیَِ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا
بِالتَّخْفِيْفِ يَسْتَوِیْ فِيْهِ الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ ذَكَرَهٗ بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ وَّ نُسْقِيَهٗ اَیِ الْمَاءَ مِمَّا خَلَقْنَاۤ
اَنْعَامًا اِبِلًا وَ بَقَرًا وَ غَنَمًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ جَمْعُ اِنْسَانٍ وَاَصْلُهٗ اَنَاسِيْنُ فَاُبْدِلَتِ النُّوْنُ يَاءً وَاُدْغِمَتْ
فِيْهَا الْيَاءُ اَوْ جَمْعُ اِنْسِیٍّ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ اَیِ الْمَاءَ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا اَصْلُهٗ يَتَذَكَّرُوْا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِی الذَّالِ
وَفِیْ قِرَاءَةٍ لِيَذْكُرُوْا بِسُكُوْنِ الذَّالِ وَ ضَمِّ الْكَافِ اَیْ نِعْمَةَ اللّٰهِ بِهٖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾
جُحُوْدًا لِلنِّعْمَةِ حَيْثُ قَالُوْا مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ يُخَوِّفُ اَهْلَهَا
وَلٰكِنْ بَعَثْنَاكَ اِلٰى اَهْلِ الْقُرٰى كُلِّهَا نَذِيْرًا لِيَعْظُمَ اَجْرُكَ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ فِیْ هَوَاهُمْ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ اَیِ
الْقُرْاٰنِ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اَرْسَلَهُمَا مُتَجَاوِرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ الْعَذُوْبَةِ وَّ
هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ شَدِيْدُ الْمُلُوْحَةِ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا حَاجِزًا لَا يَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ وَّ حِجْرًا
مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ اَیْ سَتْرًا مَمْنُوْعًا بِهٖ اِخْتِلَاطُهُمَا وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا مِنَ الْمَنِیِّ اِنْسَانًا فَجَعَلَهٗ
نَسَبًا ذَا نَسَبٍ وَّ صِهْرًا ۚ بِاَنْ يَتَزَوَّجَ ذَكَرًا كَانَ اَوْ اُنْثٰى طَلَبًا لِلتَّنَاسُلِ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ قَادِرًا عَلٰى مَا
يَشَاءُ وَ يَعْبُدُوْنَ اَیِ الْكُفَّارُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ بِعِبَادَتِهٖ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ۚ بِتَرْكِهَا وَ هُوَ
الْاَصْنَامُ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ مُعِيْنًا لِلشَّيْطَانِ بِطَاعَتِهٖ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ وَّ
نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ مُخَوِّفًا مِنَ النَّارِ قُلْ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَیْ عَلٰى تَبْلِيْغِ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا لٰكِنْ مَنْ شَآءَ
اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ طَرِيْقًا بِاِنْفَاقِ مَالٍ فِیْ مَرْضَاتِهٖ تَعَالٰى فَلَا اَمْنَعُهٗ مِنْ ذٰلِكَ وَ تَوَكَّلْ عَلَى

الحی الذی لا یموت و سبح متلبسا ای بحمدہ ط قل سبحان اللہ والحمد للہ و کفی بہ بذنوب عبادہ خبیرا ﴿۵۸﴾ عالما تعلق بہ بذنوب ہو الذی خلق السموت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام من ایام الدنیا ای فی قدرھا لانہ لم یکن ثم شمس ولو شاء لخلقھن فی لمحۃ والعدول عنہ لتعلیم خلقہ التثبت ثم استوی علی العرش ج ھو فی اللغۃ سریر الملک الرحمن بدل من ضمیر استوی ای بلیق بہ فسئل ایھا الانسان بہ بالرحمن خبیرا ﴿۵۹﴾ یخبرک بصفاتہ و اذا قیل لھم لکفار مکۃ اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن انسجد لما تامرنا بالفوقانیۃ والتحتانیۃ والامر محمد ولا نعرفہ لا و زادھم ھذا القول لھم نفورا ﴿۶۰﴾ عن الایمان

ع ۵ ۱۶ ۳

ترجمہ: کیا تو نے اپنے پروردگار (کے کام) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا (اور یہ سایہ طلوع آفتاب کے نتیجہ میں غائب نہ ہوا کرتا) پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کمی) پر ایک علامت مقرر کر دیا۔ (پس اگر یہ آفتاب نہ ہوتا تو سایہ کی معرفت مشکل ہوتی) پھر ہم نے اس (سایہ کی درازی) کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا (سورج کو روشن کرکے) اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو (کام کاج کا سلسلہ منقطع کراکے) آرام کی چیز بنا دیا اور دن کو گویا جی اٹھنے کا وقت بنا دیا (تاکہ حصول معاش کرسکو) اور وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ (بارش کی امید لاکر) خوش کر دیتی ہیں (الریاح ایک قراءت میں الریح ہے۔ بشرا میں ایک قراءت باء اور شین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ دوسری قراءت شین کے سکون کے ساتھ ہے اور ایک قراءت شین کے سکون اور نون کے فتحہ کی ہے یعنی نشرا ہے) اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں خوب پاک وصاف کرنے والا تاکہ اس کے ذریعہ ہم مردہ بستی میں جان ڈال دیں (یہاں یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ بلدۃ جو کہ موصوف ہے تو صفت میتا کو بھی مؤنث لانا چاہیے تھا اس کا جواب دیا گیا کہ اس میں مذکر مؤنث دونوں برابر ہیں اور میتا کو مذکر باعتبار بلدۃ کے مکانیت کے استعمال کیا گیا) اور اپنی مخلوقات میں سے بہت مویشیوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کر دیں۔

(اناسی جمع ہے انسان کی اصل اس کی اناسین ہے۔ نون کو یا سے بدل دیا گیا اور اس یاء کو پہلے یا میں مدغم کر دیا گیا) اور ہم اس پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں۔ (لیذ کروا کی اصل یتذ کروا ہے تا کو ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قراءت میں لیذ کروا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے) سو (چاہیے تھا کہ اس نعمت کا حق ادا کرتے، لیکن) اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے (اس نعمت کا انکار کرکے اور کہتے ہیں کہ بارش نچھتر کی

وجہ سے ہوئی) اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (تا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو ڈرائے۔ لیکن ہم نے آپ ہی کو سارے بستی والوں کیلئے بھیجا تا کہ آپ کے اجر میں اضافہ کر دیں) سو آپ کافروں کا کہانہ مانئے۔ اور (قرآن کے ذریعہ سے) ان کا مقابلہ زور شور سے کیجئے اور وہی اللہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا (اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بہایا) جس میں ایک (کا پانی) شیریں، تسکین بخش ہے اور ایک (کا پانی) کھارا اور تلخ ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا ہے (جس سے کہ وہ ایک ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے نہیں) اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا (یعنی انسان منی سے جو کہ خود پانی ہی ہے) پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بنایا (اس طرح پر کہ مرد ہو یا عورت وہ ایک دوسرے سے افزائش نسل کیلئے شادیاں کرتے ہیں) اور آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے (وہ ہر چیز پر قادر ہے) اور (اس کے باوجود یہ مشرک) اللہ کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں (عبادت کرنے پر) اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں (ترک عبادت پر) اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے (اور شیطان کا معین و مددگار بنا ہوا ہے بتوں کی پرستش کر کے) اور ہم نے تو آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے (کہ اہل ایمان کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو جہنم سے) ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ تو مانگتا نہیں۔ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کر لے (انفاق فی سبیل اللہ کر کے) اور آپ بھروسہ اسی زندہ پر رکھئے۔ جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب خبردار ہے (بذنوب متعلق ہے خبیرا کے) وہ وہی ہے جس نے آسمان وزمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کر دیا چھ دنوں میں (یعنی چھ روز کی مقدار میں پیدا کر دیا۔ یہ جواب ہے اس اعتراض کا کہ دن اور رات کا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ پھر چھ دن کس طرح کہہ دیا گیا؟ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ان چیزوں کو ایک لمحہ میں پیدا کر سکتا تھا۔ مگر اس ترتیب سے مقصد مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینا ہے) پھر وہ تخت (شاہی) پر قائم ہو گیا۔ وہی ہے خدائے رحمٰن سو (اے انسان) اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے (جو اس کی صفات سے واقف ہے) اور جب ان (کفار مکہ) سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کیلئے تم ہمیں حکم دو گے (اے محمدؐ! حالانکہ ہم اسے جانتے بھی نہیں۔ تامر۔ تا اور یا دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور انہیں اور زیادہ نفرت ہو گئی ہے (ایمان سے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلَمْ تَنْظُرْ: یعنی اپنے رب کے فعل کی طرف کیونکہ اس کی ذات تو غیر مرئی ہے۔

قولہ: مَدَّ: سائے کو پھیلا دیا۔
قولہ: ساکنا: یعنی یہ لفظ سکنیٰ سے ہے سکون سے نہیں۔
قولہ: ماعرف الظل: طلوع آفتاب کے بغیر حسن کو سایہ معلوم نہ ہوسکتا۔
قولہ: قبضنٰہ: سورج کی روشنی ڈال کر اس کو زائل کر دیا۔
قولہ: یسیرا: آہستہ آہستہ جوں جوں آفتاب طلوع ہوتا ہے۔
قولہ: نشورا: لوگ معاش کے لئے اس میں پھیل جاتے ہیں۔
قولہ: بشر یا نشرا: جمع بشور، نشور۔
قولہ: ماءً طھورا: وہ پانی جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے۔
قولہ: لیذکروا: اس کا معنی تفکروا ہے سوچ و بچار کرنا۔
قولہ: النوء: جمع انواء گرنے والا ستارہ یا مغرب کی طرف جھکنا۔
قولہ: جھادا کبیرا: دلائل سے مجاہدہ۔
قولہ: ستراممنوعا: نمکین اور میٹھے پانی کے مابین روک ڈال دی جوان کو ملنے نہیں دیتی۔
قولہ: ظھیرا: دشمنی کے ذریعہ شیطان کا معاون۔
قولہ: علیہ: یعنی تبلیغ پر مزدوری نہیں مانگتا۔
قولہ: علی الحی: اس زندہ ذات پر بھروسہ کرو جو مخلوق کے شرور سے کفایت کرنے والا اور انکے اجور سے بے نیاز ہے۔
قولہ: الرحمٰن: مطلب یہ ہے کہ اگر وہ رحمان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر عجیب قرار دیں تو اس سے پوچھو جو اہل کتاب میں اپنی کتابوں سے مرادف کا اطلاق بتائے دراصل سوال سے امتناع مراد ہے اس کو مجازاً سوال سے تعبیر کیا۔
قولہ: وما الرحمٰن: کیونکہ کفار اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست قرار نہ دیتے تھے۔

تفسیر مقبولین

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلیلیں بیان ہو رہی ہے کہ مختلف اور متضاد چیزوں کو وہ پیدا کر رہا ہے۔ سائے کو وہ بڑھاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ وقت صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک کا ہے اگر وہ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر رکھ دیتا۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر وہ رات ہی رات رکھے تو کوئی دن نہیں کر سکتا اور اگر دن ہی دن رکھے تو کوئی رات نہیں لا سکتا۔ اگر سورج نہ نکلتا تو سائے کا حال ہی معلوم نہ ہوتا۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے سائے کے پیچھے دھوپ دھوپ کے پیچھے سایہ بھی قدرت کا انتظام ہے۔ پھر سہج سہج ہم اسے یعنی سائے کو یا سورج کو اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ ایک گھٹتا جاتا ہے تو دوسرا بڑھتا

جاتا ہے اور یہ انقلاب سرعت سے عمل میں آتا ہے کوئی جگہ سایہ دار باقی نہیں رہتی صرف گھروں کے چھپڑوں کے اور درختوں کے نیچے سایہ رہ جاتا ہے اور ان کے بھی اوپر دھوپ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہم اسے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝

رات میں نیند اور دن میں کام کی تخصیصات بھی بڑی حکمت پر مبنی ہیں:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا... اس آیت میں رات کو لباس کے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح لباس انسان کے پورے بدن کا ساتر ہے اسی طرح رات ایک قدرتی پردہ کی چادر ہے جو پوری کائنات پر ڈال دی جاتی ہے۔ سباتا، سبت سے مشتق ہے جس کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔ سبات وہ چیز ہے جس سے کسی دوسری چیز کو قطع کیا جائے۔

نیند کو اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ دن بھر کی محنتوں کا تکان اور کمزوری اس سے قطع ہو جاتی ہے۔ افکار وخیالات منقطع ہو کر دماغ کو آرام ملتا ہے اس لیے سبات کا ترجمہ راحت کا کیا جاتا ہے۔ معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ ہم نے رات کو ایک چھپانے والی چیز بنایا پھر اس میں انسان اور سارے جانداروں پر نیند مسلط کر دی جو ان کے آرام وراحت کا سامان ہے۔

یہاں کئی چیزیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی۔ ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون وتناصر اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہی اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سوئے کا وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اس پر کار بند رکھنے کے لیے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اس کے لیے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فتبارک اللہ احسن

الخالقین۔

اسی طرح وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا میں دن کو نشور یعنی زندگی فرمایا کیونکہ اس کا مقابل یعنی نیند ایک قسم کی موت ہے اوراس زندگی کے وقت کو بھی سارے انسانوں میں جبری طور پر ایک کردیا ہے ورنہ کچھ کارخانے اور دکانیں دن کو بند رہتیں، رات کو کھلتیں، اور جب وہ کھلتیں تو دوسری بند ہوجاتیں۔اس لحاظ سے دونوں میں کاروباری مشکلات پیش آتیں۔

جس طرح رات کو نیند کے لیے مخصوص فرما کر ایک بڑا انعام حق تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح دوسری ضروریات زندگی جو باہم اشتراک چاہتی ہیں ان کے لیے بھی تقریبی طور پر ایسے ہی متحد اور مشترک وقت مقرر کردیئے۔ مثلاً بھوک اور کھانے کی ضرورت صبح شام ایک امر مشترک ہے سب کو ان اوقات میں اس کی فکر ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں سب ضروریات کی فراہمی ہر ایک کے لیے آسان ہوجاتی ہیں کھانے کے ہوٹل اور دکانیں ان وقتوں میں تیار کھانے سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر گھر میں یہ اوقات کھانے کی مصروفیت کے لیے متعین ہیں۔ یہ تعیین کی بڑی نعمت ہے جو حق تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ نے فطری طور پر انسان کی طبیعت میں رکھ دی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا

ان آیات میں بارش کی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور بارش سے پہلے جو ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہوئی آتی ہیں ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا، ان ہواؤں سے لوگوں کو بارش کے آنے کی خوشخبری بھی مل جاتی ہے اور جن چیزوں کو بارش سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں (تاکہ بھیگ کر خراب نہ ہو) ان کے محفوظ کرنے کا وقت بھی مل جاتا ہے۔

یہاں بارش کے تین منافع بتائے اول یہ کہ اس پانی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے، یہ پانی ندیوں اور نہروں میں بھی آتا ہے تالابوں میں جمع ہوتا ہے پھر اس پانی سے غسل بھی کرتے ہیں وضو کے استعمال میں بھی لاتے ہیں اور میل کچیل بھی صاف کرتے ہیں کپڑے بھی دھوتے ہیں خاص کر طہارت حکمیہ تو پانی کے بغیر کسی دوسری سیال چیز سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

دوم یہ کہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے زمین سے سبزہ نکل آتا ہے کھیتیوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں تیسرے یہ فرمایا کہ بارش کے پانی کو ہم اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں، بارش کے پانی سے انسان اور ان کے مویشی سبھی سیراب ہوتے ہیں اس سے انسانوں کی بھی پیاس دور ہوتی ہے اور جانوروں کی بھی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا

مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ حکم الٰہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کردی کسی میں کم کردی۔ بعض اوقات کمی کرکے بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات

زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے۔ تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لیے اسی کو عذاب اور سزا بنا دیا جاتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾

(اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے) جس سے آپ کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہر نبی اپنی اپنی بستی میں دعوت کا کام کرتا اور آپ صرف ام القریٰ (مکہ معظمہ) یا مزید اس کے آس پاس کی چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، آپ کو خاتم النبیین بنایا اور سارے عالم کے انسانوں کی طرف رہتی دنیا تک کے لیے مبعوث فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے، اس انعام کی شکر گزاری بھی لازم ہے، اور دعوت الی الحق کا کام جو سپرد کیا گیا ہے اس میں بھی محنت اور کوشش کے ساتھ لگنا ضروری ہے، جب آپ محنت کریں گے تو اہل کفر آپ کو اس کام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے، وہ چاہیں گے کہ آپ اپنا کام چھوڑ دیں یا بعض باتوں میں مداہنت اختیار کر لیں، آپ ان کی بات بالکل نہ مانیں بلکہ خوب محنت اور مجاہدہ سے کام لیں، اور زوردار طریقہ پر قرآن کے ذریعہ ان کا مقابلہ کریں، جو خود بہت بڑا معجزہ ہے اور اس میں جو توحید پر دلائل قاہرہ بیان کیے ہیں ان کو پیش کرتے رہیے ان کی طرف سے جو مداہنت اور ترک تبلیغ کی درخواست سامنے آئے اس میں ان کی بات نہ مانیے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر، میٹھے اور کھارے سمندر میں امتزاج:

ان دونوں آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں، جو لوگوں کی نظر کے سامنے ہیں اور ان چیزوں کو لوگ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو سمندروں کو اس طرح ملا دیا کہ دونوں ساتھ چلتے ہیں ان میں سے ایک میٹھا ہے جس سے خوب اچھی طرح پیاس بجھتی ہے اور ایک خوب زیادہ شور ہے کڑوا ہے، ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایک آڑ بنا دی ہے اور رکاوٹ لگا دی ہے جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے میں گھلتے ملتے نہیں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ظاہری کوئی آڑ نہیں ہے، بس اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی نے ان کو اس طرح جاری کر رکھا ہے کہ میٹھے دریا کا پانی شور دریا کے پانی میں نہیں ملتا اور شور دریا کا پانی میٹھے دریا میں نہیں ملتا، سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے: (مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ) (اس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا دیا کہ وہ باہم ملے ہوئے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے وہ دونوں اپنی مقررہ بہنے کی جگہ سے تجاوز نہیں کرتے) بظاہر دیکھنے میں کوئی آڑ نہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے میں ملتا بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونوں کو اس حال میں رکھا ہے کہ ایک دوسرے میں نہیں ملتے یہی قدرتی آڑ ہے اور ظاہری کوئی آڑ نہیں ہے۔

جس نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جس مخلوق کو جس طرح چاہے رکھے جو طبیعتیں ہیں وہ بھی اسی کی بنائی ہوئی ہیں، عموماً مخلوقات اپنی طبیعت کے مطابق چلتی رہتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو طبیعت کے

خلاف بھی ظہور ہو جاتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا، پانی کا مزاج یہ ہے کہ ایک پانی دوسرے پانی میں مکمل مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے دو سمندر ساتھ ساتھ جاتے ہیں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے میں نہیں گھستا،

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مولانا محمد اسحق بردوانی رحمۃ اللہ علیہ بنگال کے دو معتبر عالموں مولانا عبدالغفور ارکانی اور مولانا روشن علی ارکانی کی شہادت سے نقل کیا ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانب بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید پانی میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا، اھ۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھارا بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر پانی کھاری رہتا ہے، نیچے پانی میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجری میں چلائے اور دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی، اس طرح آزادانہ چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لیے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری، یا کھاری میٹھا بن جائے، گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذلك، واللہ اعلم۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۞

قدرت کاملہ کا ایک بہت بڑا مظاہرہ یہ ہے کہ اس نے نطفہ منی سے انسان کی تخلیق فرمائی، انسان میں شہوت رکھ دی اس شہوت کی وجہ سے بیاہ شادی کی ضرورت پیش آئی جب نکاح ہوتے ہیں تو میاں بیوی کا اختلاط ہوتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے اور اس طرح سے خاندان بڑھتا چلا جاتا ہے اور آپس میں سلسلہ نسب چلتا ہے، ہر پیدا ہونے والے کے دو خاندان ہوتے ہیں ایک باپ کی طرف کا خاندان دوسرا ماں کی طرف سے، پھر شادیاں ایک خاندان کی دوسرے خاندان میں ہوتی ہیں اور غیر خاندانوں میں بھی ہوتی ہیں یہ سسرالی رشتے بھی نعمت عظیمہ ہیں ان کے ذریعہ مختلف خاندانوں میں محبتیں پیدا ہو جاتی ہیں وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۞ (اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے) اس نے جو کچھ پیدا فرمایا اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور اس کے علاوہ بھی جو چاہے گا پیدا فرمائے گا۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج وعواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

سوارشاد فرمایا گیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سجدہ کرو خدائے رحمان کو تو یہ لوگ کہتے ہیں رحمٰن کیا ہوتا ہے؟۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ رحمٰن کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ یہ تو خالص عربی زبان کا لفظ ہے اور ان کے کلام میں مستعمل تھا۔ اس کا مفہوم ان کے یہاں واضح تھا۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ فرعون نے کہا تھا۔ اور کیا ہوتا ہے رب العالمین۔ سواگر ان کی یہ بات کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوتی جس طرح کہ عام مفسرین کرام نے فرمایا ہے تو قرآن حکیم میں ان کو اس طرح ٹوکنے اور گرفت کرنے کی بجائے خدائے رحمٰن کے مفہوم ومطلب سے صاف اور سیدھے طریقے پر آگاہ کر دیتا۔ اس لیے عام طور پر اس بارے تفسیر کی کتابوں میں جو کہا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ اصل بات یہی ہے کہ یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسا کہتے تھے۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور فتنہ وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے ان منکروں کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کائنات کے خالق ومالک کی سب سے بڑی صفت رحمان جس کی شہادت وگواہی کائنات کی ایک ایک چیز دے رہی ہے۔ اور اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دے رہی ہے۔ اسی ذات اقدس واعلیٰ کے بارے میں اور اس کی اسی صفت رحمان کے بارے میں ان ظالموں کا کہنا تھا: وما الرحمٰن، کہ رحمان کیا ہوتا ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نور حق وہدایت سے محروم انسان کتنا اندھا اور کس قدر اوندھا ہو جاتا ہے اور وہ کیسے ہولناک ہاویے میں گر جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

قَالَ تَعَالٰى تَبٰرَكَ عَظُمَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا اِثْنَيْ عَشَرَ الْحَمَلَ وَالثَّوْرَ وَالْجَوْزَاءَ وَالسَّرَطَانَ وَالْاَسَدَ وَالسُّنْبُلَةَ وَالْمِيْزَانَ، وَالْعَقْرَبَ وَالْقَوْسَ وَالْجَدْيَ وَالدَّلْوَ وَالْحُوْتَ وَهِيَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّيَّارَةِ الْمِرِّيْخَ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَالزُّهْرَةُ وَلَهَا الثَّوْرُ وَالْمِيْزَانُ وَعُطَارِدُ وَلَهُ الْجَوْزَاءُ وَالسُّنْبُلَةَ وَالْقَمَرُ وَلَهُ السَّرَطَانُ وَالشَّمْسُ وَلَهُ الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِيْ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَزُحَلُ وَلَهُ الْجَدْيُ وَالدَّلْوُ وَّجَعَلَ فِيْهَا اَيْضًا سِرٰجًا هُوَ الشَّمْسُ وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ سُرُجًا بِالْجَمْعِ اَيْ نَيِّرَاتٍ وَخُصَّ الْقَمَرُ مِنْهَا بِالذِّكْرِ لِنَوْعِ فَضِيْلَةٍ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً اَيْ يَخْلُفُ

كُلٌ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ كَمَا تَقَدَّمَ مَا فَاتَهُ فِيْ اَحَدِهِمَا مِنْ خَيْرٍ
فَيَفْعَلُهُ فِي الْاٰخَرِ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (٦٢) اَيْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ رَبِّهِ عَلَيْهِ فِيْهِمَا وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ
صِفَاتٌ لَهُ اِلٰى اُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ غَيْرَ الْمُعْتَرِضِ فِيْهِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا اَيْ بِسَكِيْنَةٍ وَتَوَاضُعٍ
وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ بِمَا يَكْرَهُوْنَهُ قَالُوْا سَلٰمًا (٦٣) اَيْ قَوْلًا يَسْلِمُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْاِثْمِ وَ الَّذِيْنَ
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا جَمْعُ سَاجِدٍ وَّ قِيَامًا (٦٤) بِمَعْنٰى قَائِمِيْنَ اَيْ يُصَلُّوْنَ بِاللَّيْلِ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (٦٥) اَيْ لَازِمًا اِنَّهَا سَآءَتْ بِئْسَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ
مُقَامًا (٦٦) هِيَ اَيْ مَوْضِعُ اسْتِقْرَارٍ وَاِقَامَةٍ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا عَلٰى عِيَالِهِمْ لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا
بِفَتْحِ اَوَّلِهِ وَضَمِّهِ اَيْ يَضِيْقُوْا وَ كَانَ اِنْفَاقُهُمْ بَيْنَ ذٰلِكَ الْاِسْرَافِ وَالْاِقْتَارِ قَوَامًا (٦٧) وَسَطًا وَ الَّذِيْنَ لَا
يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ قَتْلَهَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اَيْ وَاحِدًا مِنَ الثَّلٰثَةِ يَلْقَ اَثَامًا (٦٨) اَيْ عُقُوْبَةً يُّضٰعَفْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُضَعَّفُ بِالتَّشْدِيْدِ لَهُ
الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهِ بِجَزْمِ الْفِعْلَيْنِ بَدَلًا وَبِرَفْعِهِمَا اسْتِئْنَافًا مُهَانًا (٦٩) حَالٌ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ
اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا مِنْهُمْ فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ الْمَذْكُوْرَةَ حَسَنٰتٍ ؕ فِي الْاٰخِرَةِ وَ
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (٧٠) اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَ مَنْ تَابَ مِنْ ذُنُوْبِهِ غَيْرَ مَنْ ذُكِرَ وَ عَمِلَ صَالِحًا
فَاِنَّهُ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (٧١) اَيْ يَرْجِعُ اِلَيْهِ رُجُوْعًا فَيُجَازِيْهِ خَيْرًا وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ اَيِ
الْكِذْبَ وَالْبَاطِلَ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مِنَ الْكَلَامِ الْقَبِيْحِ وَغَيْرِهِ مَرُّوْا كِرَامًا (٧٢) مُعْرِضِيْنَ عَنْهُ وَ الَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ اَيِ الْقُرْاٰنِ لَمْ يَخِرُّوْا يَسْقُطُوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا (٧٣) بَلْ خَرُّوْا سَامِعِيْنَ
نَاظِرِيْنَ مُنْتَفِعِيْنَ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ قُرَّةَ اَعْيُنٍ
لَنَا بِاَنْ نَرَاهُمْ مُطِيْعِيْنَ لَكَ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (٧٤) فِي الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الدَّرَجَةَ فِي
الْجَنَّةِ بِمَا صَبَرُوْا عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَ يُلَقَّوْنَ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مَعَ فَتْحِ الْيَاءِ فِيْهَا فِي الْغُرْفَةِ تَحِيَّةً وَّ

سَلٰمًا ﴿۷۵﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ مَوْضَعُ اِقَامَةٍ لَهُمْ وَاُولٰئِكَ وَمَا بَعْدَهُ
خَبَرِ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الْمُبْتَدَاءِ قُلْ يَامُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ مَا نَافِيَةٌ يَعْبَؤُا يَكْتَرِثُ بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا
دُعَاؤُكُمْ اِيَّاهُ فِي الشَّدَائِدِ فَيَكْشِفُهَا فَقَدْ اَيْ فَكَيْفَ يَعْبَؤُ بِكُمْ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ الرَّسُوْلَ وَالْقُرْاٰنَ فَسَوْفَ
ع ٦ ١٧ يَكُوْنُ الْعَذَابُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ مُلَازِمًا لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَعْدَ مَا يَحُلُّ بِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَقُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ
سَبْعُوْنَ وَجَوَابُ لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهَا

ترجمہ: (ارشاد باری تعالیٰ) بڑا عالی شان ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے (جن کی تعداد بارہ ہے اور وہ یہ ہیں حمل ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت اور یہ بارہ ستارے گویا کہ قیام گاہ ہیں۔ ساتوں سیارہ ستاروں کے اور وہ اس طرح پر کہ مریخ کا قیام گاہ حمل اور عقرب ہے۔ زہرہ کا قیام گاہ ثور و میزان ہے۔ عطارد کا قیام گاہ جوزا اور سنبلہ ہے۔ قمر کا قیام گاہ سرطان ہے...... شمس کا قیام گاہ اسد۔ مشتری کا قیام گاہ قوس وحوت ہے اور زحل کا قیام گاہ جدی اور دلو ہے) اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی سورج) اور نورانی چاند بنادیا (سراجا ایک قراءت میں سرجاً ہے جمع کے معنی میں یعنی روشن سیارے اور چاند کا تذکرہ خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ وہ زیادہ روشن ہے) اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنادیا (اس طرح پر کہ دن ختم ہوتے ہی رات اور رات ختم ہوتے ہی دن آجاتا ہے یہ سارے دلائل اس شخص کیلئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہیے (یذکر میں دو قراءت ہے ایک قراءت میں ذال اور کاف مشدد ہے اور دوسری قراءت میں ذال اور کاف بغیر تشدید کے۔ اس صورت میں ذال ساکن ہوگا اور کاف کو ضمہ ہوگا) اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں (عباد الرحمٰن مبتداء ہے اور اس کے بعد کی آیتیں اولئك يجزون تک اس کی صفت ہیں درمیان میں جملہ معترضہ مثلاً ان عذابها كان غراما اور ومن يفعل ذلك يلق اثاما وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جب ان سے جہالت والے لوگ (ناپسندیدہ) باتیں کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔ اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو۔ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے اور وہ لوگ جب (اپنے اہل وعیال پر) خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص (ان تینوں میں سے کوئی) کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا

جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا۔
(یضعف ایک قراءت میں عین کے تشدید کے ساتھ ہے یضعف اور یخلد ان دونوں کو جزم پڑھیں تو بدل واقع ہوگا یلق سے اور اگر ان دونوں کو رفع پڑھیں تو جملہ مستانفہ ہوگا) مگر ہاں (ان میں سے) جو توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے (یعنی وہ تو متصف ہی ہے صفت رحمت ومغفرت کے ساتھ) اور جو کوئی توبہ کرتا ہے (اس کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی) اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص رجوع کر رہا ہے اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں (یعنی جہاں بیہودہ باتیں وغیرہ ہو رہی ہوں۔ اس) کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ (اس سے منہ موڑے ہوئے) گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات (یعنی قرآن) کے ذریعہ تو یہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ یہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے نفع اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما (اس طرح پر کہ یہ آپ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں۔ ذریتنا میں جمع اور واحد دونوں قراءت ہیں) اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے۔ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے (جو جنت کا ایک درجہ ہے) بوجہ (اطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (جنت کے بالا خانے) میں (فرشتوں کی جانب سے) دعا وسلام ملے گا۔ ویلقون میں تشدید وتخفیف دونوں قرأت ہیں تخفیف کی صورت میں یا کو فتحہ ہوگا) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام (جو ان کے مقام کیلئے تجویز کیا گیا ہے۔ عباد الرحمٰن مبتدا ہے اور اولئك اور اس کے بعد کی آیتیں اس کی خبر میں) آپ (اے محمد کفار مکہ سے) کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہیں کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے (اور اگر عبادت کرو گے تو وہ تمہاری نشانیوں کو دور کر دے گا) سو تم (کس طرح لاپرواہ وبے فکر ہو حالانکہ) خوب جھٹلا چکے (رسول اور قرآن کو) سو عنقریب (یہ تکذیب) وبال بن کر رہے گی (آخرت میں جب کہ دنیا میں بھی سزا مل گئی جیسا کہ جنگ بدر میں یہ لوگ مارے گئے۔ لولا کا جواب اس سے پہلے کا جملہ یعنی مایعبوا بکم ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بُرُوْجًا: کواکب سیارہ کو قصور عالیہ سے تشبیہ دیتے ہوئے بروج فرمایا تبرج ظہور کو کہتے ہیں۔

قوله: نَیِّرَاتٍ: سورج اور بڑے ستارے۔

قوله: عِبَادُ الرَّحْمٰنِ: عباد کی نسبت تخصیص وامتیاز کے لئے ہے۔

قوله: هَوْنًا: یہ ھین آہستگی کے معنی میں ہے۔
قوله: قَائِمِیْنَ: یہ قائم کی جمع یا مصدر ہے جو اس کے قائم مقام لائے۔
قوله: اِنَّهَا سَآءَتْ: ضمیر مبہم کی تفسیر ممیز کر رہا ہے۔
قوله: مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا: یہ حال یا تمیز ہیں اور جملہ علت اولی کی تعلیل ہے۔
قوله: یُضٰعَفْ: معصیت کفر کے ساتھ مل کر تضاعف عذاب کا باعث بنی۔
قوله: مَتَابًا: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ، عذاب کو دور کرنے والا اور ثواب دلانے والا۔
قوله: کِرَامًا: یعنی اپنے نفوس اس کی اطلاع اور اس میں دخل دینے سے معزز رکھنے والے ہیں۔
قوله: عَلَیْهَا: اصل صما و عمیانا۔ حال ہیں ان کی نفی مقصود ہے۔
قوله: مُطِیْعِیْنَ: جب مؤمن کے ساتھ اس کے اہل نیکی میں شریک ہو جاتے ہیں تو اس سے اس کا دل راضی اور آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے۔
قوله: اِمَامًا: یہ جنس پر دلالت کرتا ہے جیسے ثم نخرج هم طفلاً۔
قوله: تَحِیَّةً: جنت کا اعلیٰ مقام۔
قوله: یَکْتَرِثُ: کوئی حیثیت نہیں دیتا۔
قوله: اَلْعَذَابُ: یکون کا اسم مرجع کا ذکر کیے بغیر مضمر مانا گیا۔ یہ تنبیہ و تہویل کے لئے ہے۔

تفسیر مقبولین

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

بُرُوْجًا: برج کی جمع۔ علم فلکیات کے مطابق یہ بارہ برج ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔ الحمل۔ الثور۔ الجوزاء۔ السرطان۔ الاسد۔ السنبلة۔ المیزان۔ العقرب۔ القوس۔ الجدی۔ الدلو۔ الحوت۔ اور جگہ قرآن مجید میں ہے: وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ (1:85) قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ برج بمعنی بلند عمارت اور محل بھی ہے جیسے: وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (78:4) خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں ہو۔

مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور شمس و قمر اور ان کے ذریعہ رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات اس لیے پیدا کئے ہیں کہ غور و فکر کرنے والے کو اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں۔ اور شکر گزار کے لیے شکر کے مواقع ملیں تو جس شخص کا وقت دنیا میں ان دونوں چیزوں سے خالی گزر گیا اس کا وقت ضائع ہو گیا اور اس کا راس المال بھی فنا ہو گیا۔ اللھم اجعلنا من الذاکرین الشاکرین۔

ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے شہید اکبر سے سنا ہے کہ بڑے غبن اور خسارہ میں ہے وہ آدمی جس کی عمر ساٹھ سال ہوئی۔ اس میں سے آدھا وقت تیس سال رات کو سونے میں گزر گئے اور چھٹا حصہ یعنی دس سال دن کو آرام کرنے میں گزر گیا تو ساٹھ میں سے صرف بیس سال کام میں لگے۔ قرآن حکیم نے اس جگہ بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں اور فلکیات کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ قرآن ان چیزوں کا ذکر بار بار اس لیے کرتا ہے کہ تم ان کی تخلیق اور ان کی حرکات ان سے پیدا ہونے والے آثار میں غور کر کے ان کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کو پہچانو اور شکر گزاری کے ساتھ اسے یاد کرتے رہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اجرام سماویہ اور فلکیات کی حقیقت اور ہیئت کیا ہے یہ آسمانوں کے جرم کے اندر سمائے ہوئے ہیں یا ان سے باہر کی فضائے آسمانی میں ہیں۔ انسان کے معاش یا معاد کا کوئی مسئلہ اس سے وابستہ نہیں اور ان کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے لیے آسان بھی نہیں۔ جن لوگوں نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کی ہیں ان کے اقرار سے ثابت ہے کہ وہ بھی کوئی قطعی اور آخری فیصلہ نہیں کر سکے اور جو فیصلے کئے وہ بھی خود دوسرے حکماء کی مخالف تحقیقات نے مخدوش و مجروح کر دیئے۔ اس لیے تفسیر قرآن میں اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنا بھی کوئی قرآن کی ضروری خدمت نہیں۔ لیکن اس زمانے کے ماہرین سائنس نے مصنوعی سیارات اڑانے اور چاند تک پہنچ جانے اور وہاں کی مٹی، پتھر، غاروں، پہاڑوں کے فوٹو فراہم کرنے میں بلاشبہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے مگر افسوس ہے کہ قرآن حکیم ان چیزوں سے انسان کو جس حقیقت شناسی کا سبق دینا چاہتا ہے یہ لوگ اپنی تحقیقی کاوشوں کے غرور میں مست ہو کر اس سے اور زیادہ دور ہو گئے اور عام لوگوں کے ذہنوں کو بھی بری طرح الجھا دیا، کوئی ان چیزوں کو قرآن کے خلاف سمجھ کر مشاہدات کا ہی انکار کر دیتا ہے کوئی قرآن کریم میں تاویلات کرنے لگتا ہے اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح کر دیا جائے۔ سورۂ حجر کی آیت: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا کے تحت اس کا وعدہ بھی کیا گیا کہ تھا کہ سورۂ فرقان میں اس کی تفصیل لکھی جاوے گی وہ حسب ذیل ہے واللہ الموفق۔

ستارے اور سیارے آسمانوں کے اندر ہیں یا باہر قدیم وجدید علم ہیئت کے نظریات اور قرآن کے ارشادات:

جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بروج یعنی سیارے آسمانوں کے اندر ہیں کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۂ نوح میں ہے: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا، وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا، اس میں فیھن کی ضمیر سبع سموات کی طرف راجع ہے جس سے ظاہراً یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند آسمانوں کے اندر ہے۔ لیکن یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول تو یہ کہ قرآن کریم میں لفظ سماء جس طرح اس عظیم الشان اور وہم و گمان سے زائد وسعت رکھنے والی مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں قرآن کی تصریحات کے مطابق دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کے پہرے ہیں جو خاص خاص اوقات میں کھولے جاتے ہیں اور جن کی تعداد قرآن کریم نے سات بتلائی ہے اسی طرح یہ لفظ سماء ہر بلند چیز جو آسمان کی طرف ہو اس پر بھی بولا جاتا ہے۔ آسمان وزمین کے درمیان کی فضا اور اس سے آگے جس کو آج کل کی اصطلاح میں خلا بولتے ہیں یہ سب دوسرے معنی کے

اعتبار سے لفظ سماء کے مفہوم میں داخل ہیں۔ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۔ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جن میں آسمان سے پانی برسانے کا ذکر ہے ان کو اکثر مفسرین نے اسی دوسرے معنی پر محمول فرمایا ہے کیونکہ عام مشاہدات سے بھی ثابت ہے کہ بارش ان بادلوں سے برستی ہے جو آسمان کی بلندی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور خود قرآن کریم نے بھی دوسری آیات میں بادلوں سے پانی برسانے کی تصریح فرمائی ہے ارشاد ہے: ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ اس میں مزن مزنۃ کی جمع ہے جس کے معنی سفید بادل کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ کیا بارش کو سفید بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم نے دوسری جگہ ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا. اس میں معصرات کے معنی پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے ہی پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔ قرآن مجید کی ان واضح تصریحات اور عام مشاہدات کی بناء پر جن آیات قرآن میں بارش کا آسمان سے برسانا مذکور ہے ان میں بھی اکثر مفسرین نے لفظ سماء کے یہی دوسرے معنی لیے ہیں یعنی فضاء آسمانی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اور لغت کی تصریحات کے مطابق لفظ سماء فضائے آسمانی کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور خود جرم آسمان کے لیے بھی۔ تو ایسی صورت میں جن آیات میں کواکب اور سیارات کے لیے فی السمآء کا لفظ استعمال ہوا ہے ان کے مفہوم میں دونوں احتمال موجود ہیں کہ یہ کواکب اور ستارے جرم آسمان کے اندر ہوں یا فضائے آسمانی میں آسمانوں کے نیچے ہوں اور دو احتمالوں کے ہوتے ہوئے کوئی قطعی فیصلہ قرآن کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن نے ستاروں اور سیاروں کو آسمان کے اندر قرار دیا ہے یا ان سے باہر فضائے آسمانی میں بلکہ الفاظ قرآن کے اعتبار سے دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ کائنات کی تحقیقات اور تجربے اور مشاہدے سے جو صورت بھی ثابت ہو جائے قرآن کی کوئی تصریح اس کے منافی نہیں ہے۔

حقائق کونیہ اور قرآن:

یہاں ایک بات اصولی طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت و حرکات وغیرہ کا بیان ہو مگر اس کے ساتھ ہی وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کائنات کا ذکر بار بار کرتا ہے ان میں غور و فکر کی طرف دعوت بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز ان حقائق کونیہ کے متعلق انسان کو صرف وہ چیزیں بتلانا چاہتا ہے جن کا تعلق اس کے عقیدے اور نظریئے کی درستی سے ہو یا اس کے دینی اور دنیوی منافع ان سے متعلق ہوں۔ مثلاً قرآن کریم نے آسمان و زمین اور ستاروں، سیاروں کا اور ان کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار ایک تو اس مقصد سے کیا ہے کہ انسان ان کی عجیب و غریب صنعت اور مافوق العادت آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہو گئیں ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم سب سے بڑا علیم اور سب سے بڑا صاحب قدرت و قوت ہے اور اس یقین کے لیے ہرگز اس کی ضرورت نہیں کہ آسمانوں کی اور فضائی مخلوقات اور ستاروں، سیاروں کے مادے کی حقیقت اور ان کی

اصلی ہیئت وصورت اوران کے پورے نظام کی پوری کیفیت اس کو معلوم ہو بلکہ اس کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے جس کو ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس وقمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب وغریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب امور سے ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا، کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لیے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصد یہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اسی حد تک ان چیزوں میں غور وفکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے آلات رصد یہ بنانے یا مہیا کرنے اور اجرام سماویہ کی ہیئتیں دریافت کرنے کا مطلقاً کوئی اہتمام نہیں فرمایا۔ اگر ان آیات کونیہ میں تدبر اور غور وفکر کا یہ مطلب ہوتا کہ ان کے حقائق اور ہیئات اوران کی حرکات کا فلسفہ معلوم کیا جائے تو یہ ناممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کا اہتمام نہ فرماتے، خصوصاً جبکہ ان فنون کا رواج اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ دنیا میں اس وقت موجود بھی تھا۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کے جاننے والے اوران پر کام کرنے والے موجود تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے فیثاغورس کا اور اس کے کچھ بعد بطلیموس کا نظریہ دنیا میں شائع اور رائج ہو چکا تھا اور اس زمانے کے حالات کے مناسب آلات رصد یہ وغیرہ ایجاد بھی ہو چکے تھے مگر جس ذات قدسی پر یہ آیات نازل ہوئیں اور جن صحابہ کرام نے بلا واسطہ آپ سے ان کو پڑھا انہوں نے کبھی اس طرف التفات تک نہیں فرمایا۔ اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ان آیات کونیہ میں تدبر اور غور وفکر کا وہ منشاء ہرگز نہ تھا جو آج کل کے بعض تجدد پسند علماء نے یورپ اور اس کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اختیار کیا ہے کہ خلائی سفر، چاند اور مریخ وزہرہ پر کمندیں پھینکنے کی مساعی قرآن کریم کے تقاضے کو پورا کرنا ہے۔

بس صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم نہ ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات قدیمہ یا جدیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے نہ ان سے بحث کرتا ہے اور نہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن کریم کا حکیمانہ اصول واسلوب کائنات ومخلوقات سے متعلقہ تمام فنون کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ہر فن کی چیزوں سے صرف اسی قدر لیتا اور بیان کرتا ہے جس قدر انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت سے متعلق ہے اور جس کو انسان آسانی سے حاصل بھی کر سکتا ہے اور جس کے حصول پر تخمیناً اس کو اطمینان بھی ہو سکتا ہے فلسفیانہ دوراز کار بحثوں سے اور ایسی تحقیقات سے جو عام انسانوں کے قابو سے باہر ہیں اور جن کو کچھ حاصل کر لینے کے بعد بھی قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہی صحیح ہیں بلکہ حیرانی اور شکوک بڑھتے ہیں، ایسی بحثوں میں انسان کو نہیں الجھاتا۔ کیونکہ قرآن کی نظر میں انسان کی منزل مقصود ان تمام زمینی اور آسمانی کائنات ومخلوقات سے آگے اپنے خلاق کی مرضیات پر چل کر جنت کی دائمی نعمتوں اور راحتوں کو حاصل کرنا ہے۔ حقائق کائنات کی بحث نہ اس کے لیے ضروری ہے اور نہ اس پر پورا عبور انسان کے بس میں ہے۔ ہر زمانے کے فلاسفروں اور ماہرین فلکیات کے نظریات میں شدید اختلافات اور روزمرہ کے نئے اکتشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات،

فضا، ابر و باراں، خلا، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات سے اور عام انسان اور انسانی علوم وفنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف ان کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اس قدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں فلسفی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار:

علماء اہل حق قدیم وجدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے، اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت: جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضائے آسمانی میں ہیں۔ آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے تو اس سے فیثاغورسی نظریہ کی تائید ہوگئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے ان میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔ لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہیئت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخل ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے ان آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت: كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے تو اس معاملہ میں بطلیموسی نظریہ کو غلط قرار دیا جائے گا جس کی رو سے ستارے آسمان کے جرم میں پیوست ہیں وہ خود حرکت نہیں کرتے بلکہ آسمان کی حرکت کے تابع ان کی حرکت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قدیم مفسرین میں سے بعض لوگ جو فلکیات کے متعلق بطلیموسی نظریے کے معتقد تھے انہوں نے ان آیات قرآنی میں تاویلات سے کام لیا جن سے بطلیموسی نظریہ کے خلاف کوئی چیز سمجھی جاتی تھی اسی طرح آج کے بعض مصنفین جن آیات کو جدید ہیئت کے نظریات سے مختلف سمجھتے ہیں ان میں تاویلات کر کے اس کے مطابق بنانے کی فکر کرتے

ہیں۔ یہ دونوں صورتیں درست نہیں سلف صالحین کے طریقے کے خلاف اور قابل تردید ہے۔ البتہ واقعہ یہی ہے کہ اس وقت تک ہیئت جدید نے جو نئی تحقیقات پیش کی ہیں ان میں آسمانوں کے انکار کے سوا کوئی بھی قرآن وسنت کے خلاف نہیں، بعض لوگ اپنے قصور علم سے ان کو قرآن یا سنت کے خلاف سمجھ کر تاویلات کے درپے ہوجاتے ہیں۔

زمانہ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماء سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عرب وعجم مشرق ومغرب میں مقبول ومستند تفسیر ہے۔ موصوف جس طرح قرآن وسنت کے متبحر عالم ہیں اسی طرح فلسفہ وہیئت قدیم وجدید کے بھی بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں تحقیقات فلسفیہ کے متعلق یہی اصول قرار دیا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اور ان کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مادل علیہ القرآن مما یعضد الھیئۃ الجدیدۃ القویمۃ البرھان جس میں ہیئت جدید کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ ان کے چند جملے اس جگہ نقل کردینا کافی ہیں جو ہیئت جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں:

رایت کثیرا من قواعدھا لا یعارض النصوص الواردۃ فی الکتاب والسنۃ علی انھا لو خالفت شیئا من ذلک لم یلتفت الیھا ولم نؤول النصوص لاجلھا والتاویل فیھا لیس من مذاھب السلف الحریۃ بالقبول بل لا بد ان نقول ان المخالف نھا مشتمل علی خلل فیہ فان العقل الصریح لا یخالف النقل الصحیح بل کل منھما یصدق الاخر ویؤیدہ۔ (مادل علیہ القران)

میں نے ہیئت جدیدہ کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہیں اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن وسنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف رخ نہ کریں گے اور قرآن وسنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن وسنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہیئات کے متعلق بحث وتحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثاغورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کروتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہیپرخوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثاغورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئت افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثاغورس کا نظریہ گوشہ گمنامی میں جا پڑا اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔

بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہی نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔ گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمنی میں کیلر اور طالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ انہوں نے ازسرنوان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثاغورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحٰق نیوٹن کی شہرت ہوئی۔ اس کی تحقیقات وایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آگرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکز عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃ رجوع کرتی ہیں بلکہ اس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب وکشش کا مادہ ہے زمین بھی اس طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے۔ جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہیں سے ہر وزنی چیز زمین پر آوے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرے سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان بیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اس کے ماہرین نے سیاروں تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق ومخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے، وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہورہی ہیں اور خلانوردی خلا پیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔

ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اور اس کا اردو ترجمہ امریکہ کے اردو ماہنامہ سیربین میں مفصل شائع ہوا ہے، یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیربین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

یہی وہ ایک واحد شئی ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔

آگے لکھا ہے کہ:

اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات وپیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ:

لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے تعیین رخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کررہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔

آگے سب سیر و سفر کے نتیجہ کے طور پر لکھتا ہے:

عیسائیت کے اصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجودیکہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بناء پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات جو آپ نے امریکی خلانورد کے بیان میں پڑھ لیں کہ اس تمام تگ و دو کے نتیجہ میں راز کائنات اور اس کی حقیقت تک رسائی تو کیا ہوتی، بے حد و بے حساب سیارات و نجوم کی گردشوں کا ادراک ہو کر اور حیرانی بڑھ گئی۔ سائنسی آلات سے ان کی پیمائش کے ناممکن ہونے اور اپنی سب کوششوں کی اس کے مقابلہ میں حقارت کا اقرار و اعتراف کرنا پڑا۔ بس حاصل اتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظام کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلا دیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لیے آسمان و زمین، نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم و سیارات کی تحقیقات و ہیئات پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا۔ اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

ان تحقیقات نے انسان اور انسانیت کو کیا بخشا:

جہاں تک انسانی جد و جہد اور فکری ارتقاء اور اس کی اعجوبہ کاری اور حیرت انگیز انکشافات کا معاملہ ہے وہ اپنی جگہ درست اور عام نظروں کے اعتبار سے قابل تحسین بھی ہے۔ لیکن اگر اس پر غور کیا جائے کہ بے مصرف شعبدہ گری اور تماش بینی جس سے انسان اور انسانیت کا کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہو وہ حکماء و عقلاء کا کام نہیں۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ اس پچاس سال کی جد و جہد اور اربوں کھربوں روپیہ جو بہت سے انسانوں کے مصائب دور کرنے کے لیے کافی ہوتا اس کو آگ کی نذر کر دینے اور چاند تک پہنچ کر وہاں کی خاک اور پتھر سمیٹ لانے سے انسان اور انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا۔ انسان کی بڑی بھاری تعداد ایسے لوگوں کی

ہے جو بھوک سے مرتے ہیں ان کو لباس اور سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں، کیا اس جد و جہد نے ان کے افلاس و مصیبت کا کوئی حل نکالا۔ یا ان کے امراض و آفات سے صحت و عافیت کا کوئی انتظام کیا ان کے لیے قلبی سکون و راحت کا کوئی سامان فراہم کیا؟ تو یقین ہے کہ کسی کے پاس اس کا جواب بجز نفی کے نہیں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت انسان کو ایسے لایعنی مشغلے میں مبتلا کرنے سے گریز کرتے ہیں اور کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبیر کی دعوت صرف دو حیثیتوں سے دیتے ہیں۔ پہلی حیثیت جو اصل مقصود ہے یہ ہے کہ ان آثار عجیبہ کو دیکھ کر مؤثر حقیقی اور اس غیر محسوس قوت کا یقین کرلیں جو اس سارے نظام کو چلا رہی ہے، اسی کا نام خدا ہے۔ دوسرے ان زمینی اور آسمانی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے ہر ضرورت کی چیز ودیعت فرما دی ہے انسان کا کام یہ ہے کہ اپنی عقل و شعور اور جد و جہد سے کام لے کر ان چیزوں کو زمین کے خزائن سے نکالنے اور استعمال کرنے کے طریقہ سیکھ لے۔ پہلی حیثیت اصل مقصود ہے اور دوسری حیثیت ثانوی رفع ضرورت کے لیے ہے اس لیے ضرورت سے زائد اس میں انہماک پسندیدہ نہیں اور کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبر کی دونوں حیثیتیں انسان کے لیے آسان بھی ہیں نتیجہ خیز بھی۔ اور ان دونوں حیثیتوں کے نتائج میں قدیم و جدید فلاسفہ کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ ان کے سب اختلافات افلاک اور سیارات کی ہیئت و حقیقت سے متعلق ہیں جن کو قرآن نے بے ضرورت اور ناقابل حصول قرار دے کر نظر انداز کر دیا ہے۔ علامہ بخیت مفتی مصر نے اپنی کتاب توفیق الرحمٰن میں علم ہیئت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک حصہ وصفی ہے جو اجرام سماویہ کی حرکات اور حسابات سے متعلق ہے۔ دوسرا عملی جو ان حسابات کو معلوم کرنے کے لیے آلات قدیمہ و جدیدہ سے متعلق ہے۔ تیسرا طبعی، جو افلاک و سیارات کی ہیئت و حقیقت سے متعلق ہے اور لکھا ہے کہ پہلی دونوں قسموں میں ماہرین قدیم و جدید میں اختلاف کالعدم ہے۔ آلات ادراک میں بہت بڑا اختلاف ہونے کے باوجود نتائج پر اکثر امور میں سب کا اتفاق ہے ان کا شدید اختلاف صرف تیسری قسم میں ہے۔

غور کیجئے تو انسانی ضرورت کے متعلق بھی یہی پہلی دو قسمیں ہیں۔ تیسری قسم دور از کار بھی ہے اور مشکل بھی۔ اسی لیے قرآن و سنت اور عام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات نے انسان کو اس تیسری بحث میں نہیں الجھایا، اور بزرگان سلف نے یہ نصیحت فرمائی۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو۔ مہندس بسے جو یداز راز شاں نداند کہ چوں کردی آغاز شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا

سخن از مطرب و می گوی راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک و فضاء اور کائنات اراضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ ان سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جا سکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن جا بجا

اس کی دعوت دے رہا ہے اور اس حیثیت سے کہ ان چیزوں سے انسان کے معاشی مسائل کا تعلق ہے وہ بھی ضرورت کی حد
تک منشاء قرآنی ہے اور قرآن اس کی طرف بھی دعوت دیتا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ معاش اور معاشی ضروریات کو اصل
مقصد قرار دے کر اس میں انہماک نہ کرے بلکہ اس موجودہ زندگی کو اصلی زندگی کی طرف ایک سفر کا درجہ قرار دے کر اس کے
مطابق اس میں مشغول ہو اور تیسری حیثیت چونکہ انسانی ضرورت سے زائد بھی ہے اور اس کا حصول بھی مشکل ہے اس میں عمر
عزیز صرف کرنے سے گریز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ موجودہ سائنس کی جدید ترقیات و
تحقیقات کو عین منشاء قرآنی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض تجدد پسند علماء نے لکھا ہے اور قرآن کو ان کا مخالف کہنا بھی غلط ہے
جیسا کہ بعض قدامت پسند علماء نے کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نہ ان چیزوں کے بیان کے لیے آیا ہے نہ یہ اس کا
موضوع بحث ہے نہ انسان کے لیے ان کا حاصل کرنا آسان ہے نہ انسانی ضروریات سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ قرآن ان
معاملات میں ساکت ہے۔ تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند
کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور
تجربے سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں
عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

عباد الرحمٰن کی صفات اور ان کے اخلاق و اعمال:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور انہیں عباد الرحمٰن کا معزز لقب دیا ہے ان
حضرات کی جو چند صفات ذکر فرمائی ہیں

پہلی صفت:

ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ انہیں رحمٰن کا بندہ بتایا یہ بہت بڑا وصف ہے اور بہت بڑا لقب ہے یوں تکوینی طور پر سب ہی
رحمٰن کے بندے ہیں لیکن اپنے اعتقاد سے اور اختیار سے اور اخلاص سے جس نے اپنی ذات کو سچے اعتقاد اور اخلاق کے
ساتھ رحمٰن جل مجدہ کی عبادت میں لگا دیا اور رحمٰن جل مجدہ نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ یہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑھ کر
بندہ کا کوئی اعزاز نہیں یہ بندے کا سب سے بڑا معزز لقب ہے اللہ تعالیٰ نے معراج کا تذکرہ شروع فرماتے ہوئے: (سُبْحَانَ
الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ) فرمایا ہے یہ شان عبدیت ہی تو بندہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتی ہے اور آخرت میں بلند درجات نصیب
ہونے کا ذریعہ ہے۔

دوسری صفت:

یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی غرور اور تکبر کے ساتھ اکڑتے ہوئے نہیں چلتے سورۂ
الاسراء میں فرمایا ہے: (وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا) (اور زمین میں

اکڑتا ہوا مت چل بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) جب کسی شخص میں تواضع کی شان ہوتی ہے اور تکبر کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اپنی رفتار میں بھی عاجزی اختیار کرتا ہے۔

تیسری صفت:

یہ بیان فرمائی کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو ان سے الجھتے نہیں نہ انہیں جواب دیتے ہیں اور نہ ان سے جھگڑا کرتے ہیں اس بات کو یہاں سورۂ فرقان میں دو جگہ بیان فرمایا ہے پہلے تو یوں فرمایا: (وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا) (کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بھیا ہمارا سلام ہے) یہ سلام وہ نہیں ہے جو ملاقات کے لیے کیا جاتا ہے بلکہ جان چھڑانے کے لیے یہ لفظ کہہ کر چلے جاتے ہیں اسی کو سورۂ قصص میں فرمایا: (وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ) دوسری جگہ اسی رکوع میں فرمایا: (وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا) (اور جب یہ لوگ بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں) بات یہ ہے کہ شریر اور کمینہ مزاج لوگ شریفوں کو تکلیف دینے پر تلے رہتے ہیں زبان سے تکلیف دینا، ان کی شان میں برے کلمات کہنا، طعنے دینا، اشاروں اور کنایوں سے ان کی برائی کرنا اس سے نہیں چوکتے۔ یہ لوگ بیہودہ کاموں میں لگے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں شرافت کے ساتھ آنکھیں نیچی کر کے گزر جاتے ہیں۔ اور اگر کسی نے چھیڑ ہی دیا تو یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے جواب دیا تو ان منہ پھٹ لوگوں کے درمیان آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

چوتھی صفت:

رحمٰن کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اس طرح رات گزارتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام میں، ان کا ذوق عبادت انہیں زیادہ آرام نہیں کرنے دیتا سورۃ الذاریات میں فرمایا: (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ) (بلاشبہ متقی لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے انہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے اسے لینے والے ہوں گے بلاشبہ وہ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے)۔

پانچویں صفت:

عباد الرحمٰن کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہتے ہیں وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کے عذاب کو ہٹائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب بالکل تباہ کرنے والا ہے یہ محاورہ کا ترجمہ ہے غَرَامًا، لزوم کے معنی میں آتا ہے اور جب عذاب کسی کو لازم ہوگا تو وہ پوری طرح تباہ ہوگا اس کے لیے چھٹکارا کا کوئی راستہ نہیں اس سے اہل کفر کا عذاب مراد ہے ساتھ ہی فرمایا: (اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا) (بلاشبہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے

کی بری جگہ ہے) اللہ تعالیٰ اس بری جگہ سے محفوظ فرمائے یہ مؤمنین مخلصین عابدین قانتین کا طریقہ ہے کہ وہ عبادت بھی خوب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی ہیں اور عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے رہتے ہیں سورۃ المومنون میں فرمایا ہے: (وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ) (اور وہ جو کچھ دیتے ہیں ان کے دل اس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں) یعنی انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ قبول ہوتا ہے یا نہیں نیک عمل کر کے بے فکر ہو جانا مومن کی شان نہیں مومن عمل بھی کرتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے کہ دیکھو میرے اعمال کو درجہ قبولیت نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟۔

چھٹی صفت:

یہ بیان فرمائی کہ جب رحمٰن کے بندے خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ کرنے میں کنجوسی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ درمیانی راہ چلنے کو قواما فرمایا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب استقامت رہتی ہے۔ کان کلا منهما یقاوم الاخر یہ میانہ روی شرعاً محمود ہے گناہوں میں تو مال خرچ کرنا جائز ہی نہیں حلال کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرے یہ میانہ روی مالی امور پر قابو پانے کا کامیاب ذریعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نصفُ الْمَعِيْشَةِ)) کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے یعنی کمانا اور محنت کرنا اس میں معیشت کا آدھا انتظام ہے اور آدھا انتظام میانہ روی سے خرچ کرنے میں ہے اپنی ذات پر اور اپنی آل اولاد پر والدین واقرباء پر خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے ہاں جن کا توکل بہت بڑھا ہوا ہے اور نیکیوں میں بیک وقت پورا یا آدھا مال خرچ کرنے میں ان کی اپنی ذات کو بھی تکلیف محسوس نہ ہو اور نفقات مفروضہ اور واجبہ کا کسی طرح حلال انتظام ہو سکتا ہو تو ایسے حضرات اللہ کی راہ میں پورا مال بھی خرچ کر سکتے ہیں جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پورا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا جب آپ نے ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کافی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۶)

ساتویں صفت:

عباد الرحمٰن کی ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے یعنی وہ مشرک نہیں ہیں توحید خالص اختیار کئے ہوئے ہیں۔

آٹھویں صفت:

اور آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ہاں اگر قتل بالحق ہے شریعت کے اصول کے مطابق ہے مثلاً اگر کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے یا کسی زانی کو رجم کرنا پڑے تو اس کی وجہ سے قتل کر دیتے ہیں۔

نویں صفت:

یہ بیان فرمائی کہ وہ زنا نہیں کرتے اس کے بعد فرمایا: یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ یَلۡقَ اَثَامًا ۙ (اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اثاماً کی یہ تفسیر حضرت قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر جزا سے کی ہے اور ابو مسلم کا قول ہے کہ اثاماً گناہ کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی یلق جزاء اثام اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اثام جہنم کے اسماء میں سے ہے یُّضٰعَفۡ لَهُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ (اس کے لیے قیامت کے دن دہرا عذاب بڑھتا چلا جائے گا) یعنی عذاب پر عذاب بڑھتا رہے گا۔ کما فی ایۃ اخری (زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ) مزید فرمایا (وَیَخۡلُدۡ فِیۡهٖ مُهَانًا) (اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہے گا ذلیل کیا ہوا) یعنی عذاب بھی دائمی ہوگا اور اس کے ساتھ ذلیل بھی ہوگا اس عذاب سے کافروں کا عذاب مراد ہے کیونکہ انہیں کو دائمی عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کے برابر تجویز کرے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں (اہل عرب تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے) سائل نے سوال کیا اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے (زنا تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے اور زیادہ گناہ گاری بڑھ جاتی ہے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ: (وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ) (آخر تک) نازل فرمائی۔ (رواہ البخاری ص ۷۰۱)

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝

اِلَّا مَنۡ تَابَ اس استثناء سے معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک کے لیے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے جو بھی کوئی کافر کفر سے توبہ کرے اس کی سابقہ تمام نافرمانیاں معاف فرما دی جائیں گی، حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور شرط یہ ہے کہ میری مغفرت ہو جائے آپ نے فرمایا: اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ (اے عمرو کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں)۔ (مسلم ج ۱ ص ۷۶)

یہ جو فرمایا کہ اللہ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھ دو لہٰذا اس سے کہا جائے کہ تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن ایسے ایسے کام کیے ہیں وہ اقرار کرے گا منکر نہ ہوگا۔ اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ بڑے گناہ باقی ہیں وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے

بدلہ اس کو ایک ایک نیکی دے دو یہ سن کر (خوشی کی وجہ سے اور یہ جان کر کہ ہر گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا ابھی
میرے گناہ اور باقی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ گناہ بھی پیش کیے جائیں اور ان کے بدلہ میں بھی ایک ایک نیکی دی
جائے) یہ بات بیان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو ایسی ہنسی آئی کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں نظر آ گئیں۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۱۹۲ از مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیئات کو حسنات سے بدلنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے اور ہر گناہ کی
جگہ ایک ایک نیکی کا ثواب دیدیا جائے یہ مطلب نہیں کہ گناہوں کو نیکیاں بنا دیا جائے گا۔ کیونکہ برائی کبھی اچھائی نہیں بن سکتی
اور بعض حضرات نے یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ کا یہ مطلب لیا ہے کہ گزشتہ معاصی توبہ کے ذریعہ ختم کر دیئے جائیں
گے اور ان کی جگہ بعد میں آنے والی طاعات لکھ دی جائیں گی۔ کما یشیر الیہ کلام کثیر من السلف (ذکرہ صاحب الروح)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں مسجد نبوی سے عشا کی نماز پڑھ کر پلٹا تو دیکھا کہ ایک عورت میرے
دروازے پر کھڑی ہے۔ میں اس کو سلام کر کے اپنے حجرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر کے نوافل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد
اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کیا چاہتی ہے؟ وہ کہنے لگی میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی
ہوں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا۔ ناجائز حمل ہوا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ
میرا گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی
گئی، اور کہنے لگی افسوس، یہ حسن آگ کے لیے پیدا ہوا تھا۔ صبح نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ کر جب میں فارغ ہوا تو میں نے
حضور ﷺ کو رات کا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا، غلط ابو ہریرہ تم نے جواب دیا، کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی: وَ
الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ...... اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا؟ حضور کا یہ جواب سن کر میں نکلا اور
اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشا ہی کے وقت وہ ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ سرکار رسالت مآب
ﷺ نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ وہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے
میرے لیے معافی کا دروازہ کھولا۔ پھر اس نے گناہ سے توبہ کی اور اپنی لونڈی کو اس کے بیٹے سمیت آزاد کر دیا۔ اس سے ملتا
جلتا واقعہ احادیث میں ایک بوڑھے کا آیا ہے جس نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ، ساری زندگی
گناہوں میں گزری ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا ارتکاب نہ کر چکا ہوں۔ اپنے گناہ تمام روئے زمین کے باشندوں پر بھی
تقسیم کر دوں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا اب بھی میری معافی کی کوئی صورت ہے؟ فرمایا کیا تو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ اس نے
عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا جا، اللہ معاف کرنے والا اور
تیری برائیوں کو بھلائی سے بدل دینے والا ہے۔ اس نے عرض کیا میرے سارے جرم اور قصور؟ فرمایا ہاں، تیرے سارے
جرم اور قصور۔ (ابن کثیر، بحوالہ ابن ابی حاتم)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝

دسویں صفت:

عباد الرحمٰن کی دسویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے) جھوٹ کے کاموں سے وہ تمام کام مراد ہیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں کوئی شخص گناہ کا کام کرے اس کی ممانعت سب ہی کو معلوم ہے جن مواقع میں گناہ ہو رہے ہوں ان مواقع میں جانا بھی ممنوع ہے، مشرکین کی عبادت گاہوں میں ان کے تہواروں میں اور ان کے میلوں میں نہ جائیں۔ جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو، ناچ رنگ کی محفل ہو، شراب پینے پلانے کی مجلس ہو، ان سب مواقع میں اللہ کے بندے نہیں جاتے، گو اپنے عمل سے گناہ میں شریک نہ ہوں لیکن جب اپنے جسم سے حاضر ہو گئے تو اول تو اہل باطل کی مجلس میں اپنی ذات سے ایک شخص کا اضافہ کر دیا، جبکہ برائی کی مجلسوں میں اضافہ کرنا بھی ممنوع ہے دوسرے ان مجالس میں شریک ہونے سے دل میں سیاہی اور قساوت آ جاتی ہے اور نیکیوں کی طرف جو دل کا ابھار ہوتا ہے اس میں کمی آ جاتی ہے اگر بار ہا ایسی مجلسوں میں حاضر ہو تو نیکیوں کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور نفس برائیوں سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے بیاہ شادیوں میں آج کل بڑے بڑے منکرات ہوتے ہیں ٹی وی ہے وی سی آر ہے تصویر کشی ہے فلمیں بنانا ہے اور بھی طرح طرح کے معاصی ہیں ان میں شریک ہونے سے بچیں اور اپنے نفس اور روح کی حفاظت کریں یورپ اور امریکہ میں مسلمان دوڑ دوڑ کر جا رہے ہیں وہاں ہوٹلوں میں اور کافروں کی محفلوں میں دوستوں کی مجلسوں میں طرح طرح کے گناہ ہوتے ہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے ننگے ناچ بھی ہوتے ہیں ان سب میں حاضر ہونے سے اپنی جان کو بچانا لازم ہے ورنہ چند دن میں انہیں جیسے ہو جائیں گے۔ اعاذنا اللہ تعالی من ذلك۔

بعض حضرات نے (لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ) کا مطلب یہ لیا ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے یہ مطلب بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہے جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض روایات میں اسے اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن نماز فجر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے پھر آپ نے سورۃ الحج کی یہ آیت پڑھی: (فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِهٖ) (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو اس حال میں کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہو اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

گیارھویں صفت:

عباد الرحمٰن کی گیارھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں) یعنی برائی کی مجلسوں میں شریک ہونا تو درکنار اگر کبھی لغو اور بے ہودہ مجلسوں میں اتفاق سے ان کا گزر ہو جائے تو بھلے مانس ہو کر گزر جاتے ہیں یعنی جو لوگ لغو اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہوں ان کے عمل کو نفرت کی چیز جانتے ہوئے ان پر نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بھلے آدمیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جو وہاں کھڑا ہو گیا وہ تو شریک ہو گیا اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شریر آدمی مجلس میں اندر

بلانے لگے یا بلاوجہ خواہ مخواہ کسی بات میں الجھ پڑے خیریت اسی میں ہے کہ ادھر سے اعراض کرتے ہوئے گزر جائے اگر ان میں سے کوئی شخص چلتے ہوئے کو چھیڑ دے تو یوں سمجھ لے کہ مجھے نہیں کہا۔

بارھویں صفت:

عبادالرحمٰن کی بارھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا۝

یعنی ان بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ تذکیر کی جاتی ہے یعنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور ان کے تقاضے پورے کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو ان پر گونگے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ ان آیات پر اچھی طرح متوجہ ہوتے ہیں ان کے سمجھنے اور تقاضے جاننے کے لیے سمع و بصر کو استعمال کرتے ہیں ایسا طرز استعمال نہیں کرتے جیسے سنا ہی نہیں اور دیکھا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا قرآن کے معاصی اور مفاہیم کو اچھی طرح سمجھا جائے اور ان کے تقاضوں پر پوری طرح عمل کیا جائے یہی اہل ایمان کی شان ہے۔

تیرھویں صفت:

عبادالرحمٰن کی تیرھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما) یعنی انہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اس کا مفہوم بہت عام ہے بیویاں اور بچے سکھ سے رہیں اور آرام سے جئیں فرمانبردار بھی ہوں نیک بھی ہوں دین دار بھی ہوں انہیں دیکھ دیکھ کر دل خوش ہوتا ہو یہ سب آنکھوں کی ٹھنڈک میں شامل ہے۔

جو بندے نیک ہوتے ہیں انہیں اپنی ازواج و اولاد کی دینداری کی بھی فکر رہتی ہے وہ جہاں ان کے کھانے پینے کا فکر کرتے ہیں وہاں انہیں دین سکھانے اور ان کی دینی تربیت کا بھی اہتمام کرتے ہیں اگر بیوی بچے جسمانی اعتبار سے صحت مند ہوں اور انہیں کھانے پینے کو خوب ملتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کے نافرماں ہوں تو آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں بنتے بلکہ وبال بن جاتے ہیں۔ جب اولاد کو دین پر ڈالیں گے اور انہیں متقی بنائیں گے اور زندگی بھر انہیں دین پر چلاتے رہیں گے تو ظاہر ہے کہ اس طرح متقیوں کے امام اور پیشوا بنے رہیں گے۔

عبادالرحمٰن یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ: وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝ (اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا دے) کوئی شخص متقیوں کا پیشوا اس وقت بن سکتا ہے جبکہ خود بھی متقی ہو دعا کا انحصار اسی پر نہیں ہے کہ ازواج اور اولاد ہی متقی ہوں انسان خود بھی متقی بنے جب انسان خود متقی ہوگا اور اپنے تقوے کو وہ ہر جگہ کام میں لائے گا تو اس کی ازواج و اولاد اور احباب واصحاب بھی متاثر ہوں گے اور اس کی دیکھا دیکھی تقوے پر آئیں گے اپنے خاندان اور کنبہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کا بھی پیشوا بننے کی سعادت حاصل ہوگی معلوم ہوا کہ تقوے کے ساتھ دینی پیشوا بننے کی خواہش رکھنا اور اس کے لیے دعا کرنا شرعاً مذموم نہیں بلکہ محمود ہے جب کسی میں تقویٰ اور اخلاص ہوگا تو اس کی مشیخت اور ریاست اور امامت اس کے نفس میں تکبر پیدا نہ ہونے دے گی۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿۷۵﴾

عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کا آخرت کا مقام بتایا: أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے) اس میں الغرفۃ جنس کے معنی میں ہے سورۃ سبا میں فرمایا: (فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ) (سو یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دوہری جزاء ہے اور وہ بالا خانوں میں امن وامان کے ساتھ رہیں گے) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکدار ستارے کو دیکھتے ہو جو مشرق یا مغرب کی افق میں دور چلا گیا ہو اور یہ فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ) یہ حضرات انبیاء کرام کے منازل ہوں گے ان کے علاوہ وہاں کوئی اور نہ پہنچے گا آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی۔

(رواہ البخاری ص ۶۱)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر ان کے باطن سے اور باطن ان کے ظاہر سے نظر آتا ہے اللہ نے یہ بالا خانے اس شخص کے لیے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرے اور کھانا کھلائے اور کثرت سے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿۷۵﴾ (یعنی یہ حضرات بالا خانوں میں آرام سے بھی ہوں گے اور معزز بھی ہوں گے ان کی بیش بہا نعمتوں کے ساتھ یہ بھی ہوگا کہ فرشتے انہیں زندگی کی دعائیں دیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہیں رکھے اور ہمیشہ کے لیے زندہ رکھے اور فرشتے سلام بھی کریں گے) جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے یوں کہیں گے کہ: (سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ) (تم پر سلام ہو، خوش عیش رہو سو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ)۔ (تفسیر انوار البیان)

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح اور سہل وہ ہے جس کو خلاصہ تفسیر میں اوپر لکھا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی وقعت وحیثیت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا نہ ہوتا۔ کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشاء ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جیسے دوسری آیت میں ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی میں نے انسان اور جن کو اور کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یہ تو ایک عام ضابطہ بیان ہوا کہ بغیر عبادت کے انسان کی کوئی قدر و قیمت اور وقعت وحیثیت نہیں ہے اس کے بعد کفار ومشرکین جو رسالت اور عبادت ہی کے منکر ہیں ان کو خطاب ہے فَقَدْ كَذَّبْتُمْ۔ یعنی تم نے تو سب چیزوں کو جھٹلا ہی دیا ہے اب تمہاری کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ یعنی اب یہ تکذیب وکفر تمہارے گلے کا ہار بن چکے ہیں اور تمہارے ساتھ لگے رہیں گے یہاں تک کہ جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے۔ ونعوذ باللہ من حال اہل النار۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ ٢٦ مَكِّيَّةٌ ٤٧ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُهَا ٢٢٧ رُكُوْعَاتُهَا ١١

سورۂ شعراء مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ (١) اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ اَیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی مِنَ
الْمُبِیْنِ (٢) اَلْمُظْهِرُ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ لَعَلَّكَ یَا مُحَمَّدُ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ قَاتِلُهَا غَمًّا مِنْ اَجْلِ اَلَّا یَكُوْنُوْا اَیْ
اَهْلُ مَكَّةَ مُؤْمِنِیْنَ (٣) وَلَعَلَّ هُنَا لِلْاِشْفَاقِ اَیْ اَشْفِقْ عَلَیْهَا بِتَخْفِیْفِ هٰذَا الْغَمِّ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ
مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ بِمَعْنَی الْمُضَارِعِ اَیْ تَدُوْمُ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ (٤) فَیُؤْمِنُوْنَ وَلَمَّا وُصِفَتِ
الْاَعْنَاقُ بِالْخُضُوْعِ الَّذِیْ هُوَ لِاَرْبَابِهَا جُمِعَتِ الصِّفَةُ مِنْهُ جَمْعَ الْعُقَلَآءِ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ قُرْاٰنٍ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ صِفَةٌ كَاشِفَةٌ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ (٥) فَقَدْ كَذَّبُوْا بِهٖ فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا
عَوَاقِبِ مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (٦) اَوَلَمْ یَرَوْا یَنْظُرُوْا اِلَی الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا اَیْ كَثِیْرًا مِنْ
كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ (٧) نَوْعٍ حَسَنٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً دَلَالَةً عَلٰی كَمَالِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ (٨) فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ وَكَانَ قَالَ سِیْبَوَیْهِ زَائِدَةٌ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ ذُو الْعِزَّةِ یَنْتَقِمُ مِنَ الْكَافِرِیْنَ
الرَّحِیْمُ (٩) یَرْحَمُ الْمُؤْمِنِیْنَ ع ١ ٩ ٥

ترجمہ: طٰسٓمّٓ (١) (خدا تعالیٰ اس کی مراد کو جانتا ہے) یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) یہ کتاب مبین (یعنی قرآن کریم) کی آیات ہیں شاید کہ آپ (اے محمدؐ) ان (کفار مکہ) کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے (لعل مضمون شفقت کے اظہار کیلئے ہے۔ شفقۃً آنحضور کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کفار کی روش پر خود کو غم مفرط میں نہ ڈالئے) ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں (اور وہ ایمان لے آئیں اور کیونکہ خضوع انسانوں کی صفت ہے اور آیت میں اسے گردن کی صفت بنا دیا گیا۔ اس لئے جمع

میں اہل عقل کی رعایت کی گئی) اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ فہمائش خدائے رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں چنانچہ یہ جھٹلا رہے ہیں۔ پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں۔ بیشک اس میں (توحید اور خدا تعالیٰ کے کمال قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔ لیکن (خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ) ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (سیبویہ نے کہا ہے کہ کان اکثرھم میں کان زائد ہے) اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے (ان کفار سے انتقام لے کر رہے گا) اور رحمت والا ہے (مؤمنین کے حق میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بَاخِعٌ: بخع اصل میں ذبح کے وقت بخاع نامی رگ تک پہنچنا۔ جو ریڑھ کی ہڈی کے پاس ہوتی ہے۔

قوله: لَعَلَّ: شفقت کے لئے ہے۔

قوله: اٰيَةً: ایسی نشانی جو ایمان پر مجبور کر دے۔

قوله: فَظَلَّتْ: یہ مضارع کے معنی میں ہے اور ماضی کی تعبیر ظلول کے پختہ طور پر نا۔

قوله: خٰضِعِيْنَ: مطیع ہیں خضوع یہ عقلاء کی صفت ہے۔

قوله: جَمْعَ الْعُقَلَاءِ: یعنی خاضعة نہیں فرمایا بلکہ خاضعین فرمایا۔

قوله: مُحْدَثٍ: نیا اتارا گیا تاکہ نصیحت بار دیگر ہو۔

قوله: عَوَاقِب: وہ دنیا میں بدر کا دن ہو یا قیامت کے دن۔

قوله: اِلَى الْاَرْضِ: یعنی زمین کے عجائب، الف لام عوض مضاف کے ہے۔

قوله: كَرِيْمٍ: بہت نفع بخش۔

قوله: فِي عِلْمِ اللهِ: یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں اسی وجہ سے ان کو اس قسم کے بڑے نشانات کا بھی چنداں فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

تفسیر مقبولین

طٰسٓمّٓ ۞

اس سورت کے سب سے پہلے اور سب سے پچھلے رکوع میں قرآن اور رسالت کی حقانیت و صدق اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے، اور ان کے منکرین کی توبیخ اور عبرت کے لیے رکوع اول کے ختم پر بعض دلائل مثبتہ توحید کہ ایک جزو قرآنی ہے اور

سورت کے درمیان میں مکذبین رسول واحکام الہیہ کے بعض قصص مذکور ہیں۔ چنانچہ ہر قصہ میں آیت: ان فی ذالك الخ کا تکرار اس عبرت کے مقصود ہونے پر بطریق اصرح واضح دال ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی اس کتاب کی۔ اور ایسی کھول کر بیان کرنے والی کتاب جس نے حق و باطل، صحیح و غلط، جائز و ناجائز اور کامیابی و ناکامی وغیرہ سب کو پوری طرح واضح کر دیا اور سب کچھ اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی نہ آئندہ کبھی ممکن ہے۔ لہٰذا اس قدر عظیم الشان نعمت اور ایسی بے مثال کتاب کی ان آیات کریمہ کو پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ اور دل کے کانوں سے سنو تاکہ تم لوگ اس کی برکات سے مالا مال ہوسکو۔ نیز یہ ایسی فصیح و بلیغ زبان میں ہے کہ اس نے اپنی دعوت کے ہر پہلو کو گوناگوں اسلوبوں سے اس قدر واضح اور ایسا مدلل و مبرہن کر دیا کہ اس میں کسی بھی طرح کا کوئی خفا و غموض باقی نہیں رہ گیا۔ اور اس حد تک کہ یہ اپنی صداقت و حقانیت کی خود دلیل اور گواہ بن گئی۔ اور ایسی کہ اس کے لیے کسی خارجی دلیل و شہادت کی کوئی ضرورت نہیں۔ سو اس کے باوجود جو لوگ کسی اور دلیل اور معجزے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ محض ہٹ دھرم ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

علامہ بغوی معالم التنزیل ص ۳۸۱ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جب اہل مکہ نے تکذیب کی تو یہ آپ کو شاق گزرا چونکہ آپ کو اس بات کی حرص تھی کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں اس لیے ان کی تکذیب سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ کو تسلی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیت لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ نازل فرمائی (جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا کام کرتے رہیں ان کے غم میں آپ کو جان ہلاک کرنا نہیں ہے)۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝

مکذبین کے لیے وعید:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل فرما دیں جسے یہ تسلیم کرلیں اور اس کی وجہ سے ان کی گردنیں جھک جائیں اور اس طرح سے جبراً و قہراً ایمان لے آئیں لیکن ایسا کرنا نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے تاکہ اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔

اس کے بعد مخاطبین کی عام حالت بیان فرمائی کہ جب بھی رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو قبول کرنے کے بجائے اعراض کرتے ہیں ان کے جھٹلانے اور آیات کا مذاق بنانے کا نتیجہ عنقریب ان کے سامنے آجائے گا یعنی تکذیب اور استہزاء کی سزا پائیں گے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آنے والے عذابوں کو انباء سے تعبیر فرمایا جو نباء کی جمع ہے نباء خبر کے معنی میں آتا ہے چونکہ قرآن عظیم نے پہلے سے تکذیب و استہزاء کے عواقب کی خبر دی ہے اس لیے اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦﴾ فرمایا یعنی تکذیب پر عذاب آنے کی جو خبریں دی گئی تھیں ان کا ظہور ہو جائے گا۔

وَ اذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى لَيْلَةَ رَاَى النَّارَ وَالشَّجَرَةَ اَنِ اَىْ بِاَنِ ائْتِ الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ رَسُوْلًا قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَهٗ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ بِاللهِ وَبَنِىْ اِسْرَاءِيْلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ اَلَا
اَلْهَمْزَةُ لِلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِىْ يَتَّقُوْنَ ﴿١١﴾ اَللهَ بِطَاعَتِهٖ فَيُوَحِّدُوْنَهٗ قَالَ مُوْسٰى رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ وَ يَضِيْقُ صَدْرِىْ مِنْ تَكْذِيْبِهِمْ لِىْ وَ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ بِاَدَاءِ الرِّسَالَةِ لِلْعُقْدَةِ الَّتِىْ فِيْهِ
فَاَرْسِلْ اِلٰى اَخِىْ هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾ مَعِىَ وَ لَهُمْ عَلَىَّ ذَنْبٌ بِقَتْلِى الْقِبْطِىَّ مِنْهُمْ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ بِهٖ
قَالَ تَعَالٰى كَلَّا اَىْ لَا يَقْتُلُوْنَكَ فَاذْهَبَا اَىْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ فَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا
مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ مَا تَقُوْلُوْنَ وَمَا يُقَالُ لَكُمْ اُجْرِيَا مَجْرَى الْجَمَاعَةِ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا اَىْ كُلًّا
مِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اِلَيْكَ اَنْ اَىْ بِاَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا اِلَى الشَّامِ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾ فَاَتَيَاهُ فَقَالَا لَهٗ
مَا ذُكِرَ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا فِىْ مَنَازِلِنَا وَلِيْدًا صَغِيْرًا قَرِيْبًا مِنَ الْوِلَادَةِ بَعْدَ فِطَامِهٖ وَ
لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً يَلْبَسُ مِنْ مَلَابِسِ فِرْعَوْنَ وَيَرْكَبُ مِنْ مَرَاكِبِهٖ وَكَانَ
يُسَمّٰى ابْنَهٗ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ هِىَ قَتْلُهُ الْقِبْطِىَّ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلْجَاحِدِيْنَ لِنِعْمَتِىْ
عَلَيْكَ بِالتَّرْبِيَةِ وَعَدَمِ الْاِسْتِعْبَادِ قَالَ مُوْسٰى فَعَلْتُهَآ اِذًا اَىْ حِيْنَئِذٍ وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ عَمَّا اٰتَانِىَ
اللهُ بَعْدَهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالرِّسَالَةِ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِىْ رَبِّىْ حُكْمًا عِلْمًا وَّ جَعَلَنِىْ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَصْلُهٗ تَمُنُّ بِهَا اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾ بَيَانًا لِتِلْكَ النِّعْمَةِ اَىْ
اتَّخَذْتَهُمْ عَبِيْدًا وَلَمْ تَسْتَعْبِدْنِىْ لَا نِعْمَةَ لَكَ بِذٰلِكَ لِظُلْمِكَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ وَقَدَّرَ بَعْضُهُمْ اَوَّلَ الْكَلَامِ
هَمْزَةَ اسْتِفْهَامٍ لِلْاِنْكَارِ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ اَلَّذِىْ قُلْتَ اِنَّكَ رَسُوْلُهٗ اَىْ اَىُّ
شَىْءٍ هُوَ وَلَمَّا لَمْ يَكُنْ سَبِيْلٌ لِلْخَلْقِ اِلٰى مَعْرِفَةِ حَقِيْقَتِهٖ تَعَالٰى وَاِنَّمَا يَعْرِفُوْنَهٗ بِصِفَاتِهٖ اَجَابَ مُوْسٰى عَلَيْهِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِبَعْضِهَا قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا اَىْ خَالِقُ ذٰلِكَ اِنْ كُنْتُمْ

مُوْقِنِیْنَ ﴿۲۴﴾ بِاَنَّهٗ تَعَالٰی خَالِقُهٗ فَاٰمِنُوْا بِهٖ وَحْدَهٗ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمَنْ حَوْلَهٗ مِنْ اَشْرَافِ قَوْمِهٖ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾
جَوَابَهُ الَّذِیْ لَمْ یُطَابِقِ السُّوَالَ قَالَ مُوْسٰی رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَهٰذَا وَاِنْ كَانَ دَاخِلًا فِیْمَا
قَبْلَهٗ یَغِیْظُ فِرْعَوْنُ وَلِذٰلِكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰی رَبُّ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ اَنَّهٗ كَذٰلِكَ فَاٰمِنُوْا بِهٖ وَحْدَهٗ قَالَ فِرْعَوْنُ
لِمُوْسٰی لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾ كَانَ سِجْنُهٗ شَدِیْدًا یَحْبِسُ الشَّخْصَ
فِیْ مَكَانٍ تَحْتَ الْاَرْضِ وَحْدَهٗ لَا یُبْصِرُ وَلَا یَسْمَعُ فِیْهِ اَحَدًا قَالَ لَهٗ مُوْسٰی اَوَلَوْ اَیْ اَتَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَوْ
جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ اَیْ بُرْهَانٍ بَیِّنٍ عَلٰی رِسَالَتِیْ قَالَ فِرْعَوْنُ لَهٗ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فِیْهِ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ حَیَّةٌ عَظِیْمَةٌ وَّنَزَعَ یَدَهٗ اَخْرَجَهَا مِنْ جَیْبِهٖ
فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ ذَاتُ شُعَاعٍ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ ع ۲

ترجمہ: اور (اے محمدؐ اپنی قوم سے اس قصہ کا ذکر کیجئے) اور جب آپ کے رب نے (آگ تلاش کرنے والی رات میں) موسیٰ کو پکارا کہ تم (بحیثیت رسول) ظالم قوم یعنی فرعون کے پاس چلے جاؤ (فرعون کے ساتھ لگ کر اور خدا کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل پر جبر کر کے اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں) کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے (خدا تعالیٰ سے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا (موسیٰؑ نے) اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور میرا دل (ان کی تکذیب کی وجہ سے) تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (ادائیگی رسالت میں) اچھی طرح نہیں چلتی (اس لکنت کی وجہ سے جو میری زبان میں ہے) اس لئے (میرے بھائی) ہارونؑ کے پاس وحی بھیج دیجئے (تاکہ وہ میرے لئے مددگار ثابت ہوں) اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے (قبطی کے مار ڈالنے کا) سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں (قتل کر سکتے) تم دونوں (یعنی تم اور تمہارے بھائی) ہمارے احکام لے کر جاؤ۔) یہاں بجائے غائب کے حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے) ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے (کہ تم کیا کہتے ہو اور اس کا جواب تمہیں کیا دیا جاتا ہے۔ صرف دو کیلئے جمع کا صیغہ تعظیماً لایا گیا ہے) سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں (تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں) تاکہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ (شام) جانے دو (انہوں نے حسب حکم یہ بات فرعون کو پہنچا دی۔ جس پر فرعون نے حضرت موسیٰ کو) جواب دیا کہ کیا ہم نے تمہیں بچپن سے (اپنے گھر میں) پرورش نہیں کیا تھا؟ (یہاں بچپن سے مراد شیر خوارگی کے بعد کا دور)۔ اور تم اپنی اس عمر میں برسوں ہم لوگوں میں رہا کئے (تقریباً تیس سال رہے۔ اور وہی معیار زندگی رہا جو

فرعون کا تھا اور اس انداز میں رہے جیسے فرعون کی اولاد ہوں) اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناشکرے ہو (میری نعمت کے بھی منکر ہو گئے۔ جو ہم نے زمانہ تربیت میں تمہارے ساتھ کی تھی اور مثل اپنے بیٹے کے بنا کر رکھا تھا.................موسیٰ علیہ السلام نے) جواب دیا کہ واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی تھی۔ پھر جب مجھے ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر میرے رب نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیغمبروں میں شامل کر دیا اور یہی وہ احسان ہے جس کا بار تو مجھ پر رکھ رہا ہے (اصل میں عبارت تمن بہا تھا، با حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل کے ساتھ متصل کر دیا) کہ تو نے بنی اسرائیل کی سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے (یعنی کیا تمہارا یہی احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیلوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ اگرچہ تم نے میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا۔ لیکن ان بنی اسرائیلیوں کو غلام بنانا اور مجھے آزاد چھوڑ دینا یہ میرے لئے کوئی انعام نہیں ہے اور بعض لوگوں نے تلک سے پہلے ہمزہ استفہام انکاری کو محذوف مانا ہے۔ فرعون نے (حضرت موسیٰ سے) کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے (یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ تم خدا کے رسول ہو تو یہ بتلاؤ کہ آخر وہ کیا چیز ہے؟ اور یہ کہ اب تک لوگوں کو اس کی حقیقت کی معرفت کیوں نہ ہو سکی جب کہ صرف اس کی صفات کی لوگوں کو اطلاع ہے اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا۔ اگر تم کو یقین حاصل کرنا ہو کہ (ان چیزوں کا خالق خدا ہے تو صرف خدا پر ایمان لاؤ۔ جس پر فرعون نے) اپنے اردگرد والوں (معزز ترین قوم) سے کہا کہ تم لوگ کچھ سنتے ہو کہ (سوال کچھ جواب کچھ موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا (اگر یہ جواب حضرت موسیٰ کے پہلے جواب یعنی خدا پروردگار ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس میں آ چکا تھا، مگر موسیٰ کے اس جملہ نے فرعون کے غیظ وغضب کو بڑھا دیا اور اس نے) کہا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: بِاَنِ: یہ اَن مصدریہ ہے۔

قولہ: قَوْمَ فِرْعَوْنَ: یہ پہلے قوم سے بدل ہے۔ معہ کہہ کر۔

قولہ: مَعَهُ: یعنی قوم فرعون پر اکتفاء تو مزعون بدرجہ روئی اس کا مقدار تھا۔

قولہ: وَلَا يَنْطَلِقُ: یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بہانہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں جو چیز معاون بنے اس کی طلب اور اپنے اعذار کی تمہید ہے زبان کی رکاوٹ دعوت میں مخل نہ بنے اور دلیل منقطع نہ ہو جائے۔

قولہ: عَلَيَّ ذَنْبٌ: اس کو قبطیوں کے بقول ذنب سے تعبیر کر دیا۔

قوله: اَنْ يَقْتُلُوْنِ: متوقع تکلیف کا ذکر کیا کہ کہیں اداءِ رسالت سے پہلے ہی قتل نہ کر ڈالیں۔

قوله: مُسْتَمِعُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے اپنی اولیاء کی امداد کے وعدہ کو پورا کرنے میں مبالغہ کا طریق اختیار فرمایا ہم غور سے تمہاری بات سن رہے ہیں اور موسیٰ وہارون علیہما السلام کو جماعت کے قائم مقام قرار دیا۔

قوله: كِلَانَا: رسول کا لفظ ہر ایک کی خبر ہے۔

قوله: بِاَنْ اَرْسِلْ: میں ان مصدر یہ ہے۔

قوله: قَرِيْبًا مِنَ الْوَلَادَةِ: یہ ولید کہنے کی وجہ بتلائی۔

قوله: ثَلَاثِيْنَ سَنَةً: آپ فرعون کے ہاں ابتدائی تیس سال رہے۔

قوله: اَنْ عَبَّدْتَّ: یہ محل رفع میں محذوف مبتداء کی خبر ہے یا اس کی نعمت کا بدل ہے۔

قوله: اِسْتِفْهَامٌ لِلْاِنْكَارِ: یہ وہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تو نے میری قوم کو غلام بنا رکھا۔

قوله: مُوْسٰی: موسیٰ علیہ السلام نے ایسی دلیل کی طرف رجوع کیا جس میں وھم کا امکان نہیں اور مصور حکیم کی طرف احتیاج میں کوئی شک نہ ہو اور وہ دونوں دلائل دیکھنے والے کی نگاہ میں زیادہ واضح ہوں۔

قوله: لَمَجْنُوْنٌ: یعنی میں اس سے اور سوال کرتا ہوں اور وہ اور جواب دیتا ہے۔ فرعون نے بطور تمسخر رسول کہا۔

قوله: اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ: یعنی اگر تم میں ذرا عقل ہے تو اس سے بہتر تمہارے لیے کوئی جواب نہیں۔

قوله: اَوَلَوْ: واو حالیہ ہے اس پر فعل کو حذف کے ہمزہ آ گیا- اتفعل ذلك ولو-

قوله: ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ: جس کا سانپ ہونا ظاہر تھا۔

قوله: ذَاتَ شُعَاعٍ: قریب تھا کہ وہ روشنی آنکھوں کو ڈھانپ لے اور افق کو بلند کر دے۔

تفسیر مقبولین

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب موسیٰ کو آپ کے رب کی طرف سے حکم ہوا کہ تم جاؤ ظالموں کے پاس یعنی قوم فرعون کے پاس ۔ سو اس انداز واسلوب سے معلوم ہوا کہ ظلم اور ظالمیت میں وہ لوگ اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ ظلم ان کا اصل لقب اور ٹائٹل بن گیا تھا۔ اس لیے پہلے ان کو ظالم فرمایا گیا اور پھر قوم فرعون کہہ کر ان کی تعیین و تشخیص فرمائی گئی۔ اور ان کا یہ ظلم بھی ظلم بالائے ظلم تھا کہ ایک طرف تو وہ کفر وشرک کے ارتکاب سے خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے اور راہ حق سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے روکتے اور محروم کر رہے تھے۔ بہر کیف جب حضرت موسیٰ کو مدین سے واپسی کے دوران وادیٔ ذی طویٰ میں نبوت سے نوازا گیا تو انکو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آپ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ جو کہ ظلم کا نشان اور اس کا عنوان بن چکے ہیں۔ سو ان

کے پاس جا کر ان کو پیغام حق پہنچاؤ تا کہ وہ ظلم سے باز آ جائیں

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾

اطاعت کے لیے معاون اسباب کی طلب بہانہ جوئی نہیں:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾، ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی حکم کے بجالانے میں کچھ ایسی چیزوں کی درخواست کرنا جو تعمیل حکم میں مددگار ثابت ہوں کوئی بہانہ جوئی نہیں بلکہ جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پا کر اس کی بجاآوری کو سہل اور مفید کرنے کے لیے خدائے ذوالجلال سے درخواست کی۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی کو بلا توقف بسر و چشم قبول کیوں نہ کیا؟ اور توقف کیوں فرمایا؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ تعمیل حکم ہی کے سلسلہ میں کیا۔

قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۲۰﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم:

فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصد سے نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لیے گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے۔ اس معنی کی تائید حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۳﴾

فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکالمہ: در بارہ ربوبیت خداوند کون

فرعون اس گفتگو میں ذلیل و خوار ہوا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول: انا رسول رب العلمین۔ یعنی ہم دونوں اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں یعنی ان کے دعوائے نبوت پر اعتراض شروع کیا۔ اور اللہ رب العالمین کی ربوبیت میں جھگڑا لگانے لگا چنانچہ فرعون بولا اچھا بتاؤ کہ وہ رب العالمین جس کے رسول ہونے کا تو مدعی ہے وہ کیا چیز ہے وہ کون ہے اور کیا ہے تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم رب العالمین کے رسول مرسل ہیں یعنی اس کے فرستادہ ہیں لہٰذا تم کو چاہئے کہ اول اپنے مرسل (بھیجنے والے پروردگار) کو بتلاؤ کہ وہ کون ہے اور کیا چیز ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلایا اس لیے اس لعین نے پہلے رب العالمین کے متعلق سوال شروع کیا کہ اول تو تم اس کی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کرو تمہاری نبوت اور رسالت کے بارے میں تو بعد میں غور کیا جائے گا۔

فرعون دہریہ تھا سرے سے خدا کے وجود کا منکر تھا وہ یہ کہتا تھا۔ ما علمت لكم من اله غيرى ۔ میں اپنے سوا لیے کوئی معبود نہیں جانتا اور انا ربكم الاعلى میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ تمام ملک کے باشندے تمہارے محتاج ہیں لہٰذا میں ہی تمہارا خدا ہوں۔ فرعون دہریہ (منکر خدا) تھا کسی خدا اور خالق کا قائل نہ تھا اس احمق نے خدا کے بارے سمجھ رکھے تھے۔ کہ لوگ جس کے محتاج ہوں وہی انکا خدا ہے جاہلوں کو یہ باور کرایا کہ ملک کا جو بادشاہ اور فرمانروا ہے یعنی رعایا کا رب اعلیٰ ہے۔ کما قال تعالیٰ: فاستخف قومه فاطاعوه۔ فرعون دہریہ تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان وزمین اور یہ تمام عالم قدیم ہے ازل سے ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلا آ رہا ہے اور ابدالآباد تک اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور عالم میں موت اور حیات اور تغیرات جو سلسلہ جاری ہے وہ کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے کسی قادر مختار کی قدرت اور ارادہ کو اس میں دخل نہیں زمانہ حال کے جدید فلاسفہ بھی اسی کے قریب قریب یہ کہتے ہیں کہ تنوعات عالم مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت قدیمہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خیال خام کا رد فرمایا۔

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا جواب:

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا: وما رب العلمين۔ رب العالمین کیا چیز ہے اور وہ کون ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مربی اور مدبر ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کر لو کہ جو میں نے کہا ہے وہ بالکل حق ہے کہ جو ذات عالم علوی اور عالم سفلی اور ان کے درمیان کائنات کی خالق اور مربی اور مدبر اور متصرف ہے وہی ذات رب العلمین ہے تم کو یقین ہے کہ یہ تمام اشیاء تمہارے سامنے موجود ہیں اور نہایت بڑے بڑے اجسام ہیں اور کمیت اور کیفیت اور صفت اور حالت کے اعتبار سے جابت درجہ مختلف ہیں اور یہ تمام اجسام اس قدر عظیم اور جسیم ہیں کہ ان کے اجزاء کی شمار عقلا محال معلوم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا بے شمار اجزاء خود بخود مل کر خود بخود آسمان وزمین اور انسان اور حیوان بن گئے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ہر مرکب شئے کے لیے کوئی مرکب (ترکیب دینے والا چاہئے) پس جس ذات نے ان بے شمار اجزاء کو ترکیب دے کر اس عالم علوی اور سفلی کو بنایا اور جو ان کا مدبر اور ان میں متصرف ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے تیرا رب ہونا عقلا محال ہے۔ فرعون نے خدا کی جنس اور ماہیت سے سوال کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کی صفات اور آثار قدرت سے جواب دیا اس لیے فرعون یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ فرعون چونکہ وجود صانع کا قائل نہ تھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ وما رب العلمين۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔

فرعون کا جواب:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر اپنے پاس والوں سے بطور تمسخر کہنے لگا کہ سنتے بھی ہو کہ کیسا جواب ہے اور یہ شخص کیا کہہ رہا ہے بڑی عجیب بات کہہ رہا ہے کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے اس شخص کا زعم یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی کوئی رب ہے حالانکہ آسمان اور زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ سے اسی طرح چلے آئے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے اور حرکت

کرتے رہیں گے اس کے لیے رب اور صانع کی ضرورت نہیں اور عالم کی تغیرات اور انقلابات نجوم اور کواکب کی حرکات مختلفہ کے آثار ہیں اس لیے عالم کے لیے مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ کا مذہب ہے۔ فرقہ دہریہ کا مذہب یہ ہے کہ آسمان اور زمین سب قدیم ہیں اسی طرح فرعون نے اپنے ارکان دولت سراپا جہالت سے کہا کہ کیا تم لوگ غور سے نہیں سنتے کہ یہ شخص آسمانوں اور زمین کا رب بتلاتا ہے حالانکہ آسمان وزمین سب قدیم ہیں انکا کوئی رب نہیں۔ یا کم از کم اب تک ہمارے نزدیک آسمان وزمین کا کسی رب اور کسی مدبر اور مؤثر کی طرف محتاج ہونا ثابت نہیں ہوا۔ دیکھو تفسیر مظہری ص ۶۰ ج ۷۔ جدید فلاسفہ اور قدیم فلاسفہ دونوں گروہ عالم کے قدیم ماننے میں شریک اور متفق ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم کو مغالطہ دینے کے لیے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا یہ مغالطہ نہ چل سکے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کے جواب میں یہ کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے آسمان وزمین کے بارے میں تو فرعون کا مغالطہ کچھ چل گیا کہ آسمان وزمین تو قدیم ہیں ہمیشہ ایک حال پر چلے آ رہے ہیں انہیں کسی رب اور کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ لوگوں کو زمین وآسمان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں کہ کب پیدا ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دوسری بار ایسی دلیل پیش کی کہ جس میں ارکان دولت کو اور کسی سننے والے کو شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس لیے دوسری بار یہ فرمایا کہ رب العالمین وہ ذات ہے کہ جو تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے اس لیے کہ یہ امر مشاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ نہ فرعون تھا اور نہ اس کی قوم کا وجود تھا اور نہ ان کے آباؤ اجداد کا وجود تھا یہ تمام آباؤ اجداد اول پیدا ہوئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر گئے۔ آسمان اور زمین کی طرح آباؤ اجداد کو تو قدیم نہیں کہا جا سکتا اور نہ کوئی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آسمان وزمین کی طرح آباؤ اجداد بھی قدیم ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے تھے اور چند روز اس دنیا میں رہے اور اپنے وجود کی مدت پوری کر کے پھر پردہ عدم میں جا چھپے اور زمین میں دفن ہو گئے۔

لہٰذا آباؤ اولین کا قدیم اور واجب الوجود ہونا تو عقلاً بھی محال ہے اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے ان سب کا عدم کے بعد وجود میں آنا اور پھر چند روزہ وجود کے بعد عدم وجود میں چلے جانا سب کی نظروں کے سامنے ہے جس کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فنا اور زوال کی ہے پس جس چیز کا حدوث اور فناء وزوال نظروں کے سامنے ہو اس کو قدیم اور واجب الوجود سمجھنا کھلی ہوئی حماقت ہے، آسمان وزمین کا حدوث اور انکا فناء وزوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان وزمین کو تو ظاہر میں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی، لیکن آباؤ اجداد کا حدوث اور فناء وزوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی نادان سے نادان بھی آباؤ اجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانے میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چند روز بعد آباؤ اولین کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہٰذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس برتے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعوے

دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور حی لا یموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فناء کا کہیں گزر نہیں اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ نو مہینے تو نے مادر شکم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباؤ اجداد کی طرح مر کر زمین میں دفن ہونے والا ہے تو پھر تو رب کیسے ہوسکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دائرہ سلطنت مصر سے باہر نہ تھا۔ اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلا رہا ہوں اس کی حکومت و سلطنت کا دائرہ مشرق و مغرب کو محیط ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ جس کا تو انکار نہیں کرسکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہئے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباؤ اجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آ گئے پس اے فرعون جو ذات تجھ کو اور تیرے آباؤ اولین کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو اور تیرے آباؤ اجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لے کر مرنے تک عجیب و غریب تغیرات ان کو لاحق ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود بلا کسی مرکب (ترکیب دہندہ) کے خود بخود مرکب ہو گئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبیہ کے لیے کوئی مرکب چاہیے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغیر چاہیے اور ان تاثرات کے لیے کوئی مؤثر چاہیے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباؤ اجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیری اور تیرے آباؤ اجداد کی موت و حیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباؤ اجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان و زمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفۂ جدیدہ یہ کہتا ہے کہ زمانے کے تنوعات اور تغیرات مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کا جواب:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب حکمت تاب سن کر گھبرا اٹھا اور اس کو ڈر ہوا کہ اس دلیل کو سن کر میری قوم شک میں نہ پڑ جائے تو اپنے حاشیہ نشینوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنا رعب جمانے کے لیے جھلا کر یہ بولا کہ اے لوگو بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یعنی جو اپنے آپ کو رب العالمین کا رسول بتاتا ہے یہ یقین جانو کہ وہ بلاشبہ دیوانہ اور باؤلا ہے۔ اس کی بات پر کان نہ دھرنا۔ حالانکہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعقل الناس ہو اور یہ شخص تو بالکل مجنون ہے اور بے عقل ہے کہ موت اور حیات کو اور حوادث زمانہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر۔ یعنی موت اور حیات کا سلسلہ قدیم سے اسی طرح چلا آ رہا ہے اور یہ سب زمانہ کے تنوعات اور تغیرات اور انقلابات ہیں

جو کواکب اور نجوم کی تاثیر سے اور بقول جدید فلاسفہ مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں اور یہ دیوانہ ان تمام تغیرات اور تنوعات کو خدا کی طرف نسبت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص تو کواکب اور نجوم کی تاثیر پر شیدا اور فریفتہ ہے اور کواکب اور نجوم کی حرکات کو تغیرات عالم کی علت سمجھتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اب تیسری حجت پیش کی کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے تمام درمیانی چیزوں کا یعنی رب العالمین وہ ہے کہ جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے اور طلوع اور غروب کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب سب اس قادر حکیم کی تقدیر محکم سے ہے جس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ نادان سے نادان بھی اَن حوادث یومیہ کو قدیم بالعرض اور قدیم بالزمان کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو سمجھ لو کہ یہ فرعون جو مدعی ربوبیت بنا ہوا ہے ایک محدود خطہ زمین کا فرمانروا ہے جس کا حکم مدین میں بھی نہ چلتا ہو یہ کیسے رب ہو سکتا ہے۔ ربُ العالمین تو وہ ہے کہ جس کے حکم سے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو اس کا عکس کر کے دکھلا دے یا کم از کم طلوع اور غروب کے موجودہ نظام میں کچھ تغیر و تبدل ہی کر کے دکھلا دے عقل کی بات تو یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور تم ایسے بے عقل اور جاہل ہو کہ بتلانے اور سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے مقابلہ میں یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں یہ فرمایا تھا۔ فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر۔ جدید فلسفہ یہ کہتا ہے کہ عالم کے انقلاب اور تغیرات مادہ کے ذرات بسیطہ کی دائمی حرکت اور باہمی امتزاج کے سبب سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ قول بھی فرعون کے قول سے ملتا جلتا ہے دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ تہدید:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر حیران اور دنگ رہ گیا اور گھبرا اٹھا اور دیکھا کہ میں اس حجت اور برہان کے جواب سے بالکل عاجز ہوں تو اپنی سلطنت کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا شروع کیا اور یہ گمان نہ کیا کہ اس مغرورانہ تہدید سے معجزات قاہرات کے ظہور کا دروازہ کھلے گا اس لیے فرعون جب حضرت موسیٰ کی حجت قاہرہ کے جواب سے ناامید ہوا تو بولا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے بنا دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو خدائی جیل خانہ (جہنم) سے ڈراتے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قید خانہ سے ڈرایا۔ فرعون کا جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون نے ایک تنگ و تاریک جیل خانہ بنایا تھا کہ جو اس میں ڈالا جاتا تھا وہ وہیں مرجاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال کر اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ اس میں مرجاتے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا فرعون کا یہ جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کے جواب سے عاجز ہوا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

چو حجت نماند جفا جوئے را۔ بہ پرخاش برہم کشد روئے را

جیل خانہ کی دھمکی سے فرعون کا مقصد اپنی ربوبیت کی دلیل بیان کرنا ہے کہ چونکہ میں جیل خانہ میں ڈالنے پر قادر ہوں اس لیے میں تمہارا خدا اور رب اعلیٰ ہوں۔ سبحان اللہ کیا دلیل ہے جیل خانہ سے الوہیت اور ربوبیت تو ثابت نہیں ہو سکتی البتہ جہالت اور حماقت خوب ثابت ہو جاتی ہے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دھمکایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ دلائل ربوبیت تو آپ نے سن لیے۔ اب دلائل رسالت سنیے اور اپنے اس فیصلہ میں ذرا جلدی نہ کیجئے کیا آپ مجھے جیل خانہ میں ڈال دیں گے اگرچہ میں تیرے پاس ایسی واضح اور روشن چیز لیکر آیا ہوں جس سے صاف طور پر میری صداقت ظاہر ہو جائے اور رب العالمین کی ربوبیت اور الوہیت ظاہر ہو جائے تو کیا پھر بھی تیرا یہی فیصلہ رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں نرمی برتی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی تاکہ الوہیت اور ربوبیت کے مسئلہ کے بعد نبوت و رسالت کے مسئلہ میں مکالمہ اور مناظرہ کا دروازہ کھلے اور پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی وہ حجت اور برہان سے مغلوب اور مقہور ہو جائے اور کم از کم دل سے ماننے پر تو مجبور ہو جائے اس لیے فرمایا: او لو جئتك بشیء مبین۔ اس جواب کے بعد یعنی کیا اگر میں اپنی رسالت کی کوئی روشن دلیل تیرے سامنے پیش کروں تو کیا تو میری رسالت کو قبول کرے گا۔ فرعون شرما کر بولا کہ اچھا وہ روشن دلیل لا اگر تو سچوں میں سے ہے اگر روشن دلیل سے تیری صداقت ظاہر ہو جائے تو ہم تجھے قید نہیں کریں گے پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت اور صداقت ثابت کرنے کے لیے دو معجزے دکھلائے ایک معجزہ عصا اور دوسرا کرشمہ ید بیضا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ پس وہ ڈالتے ہی صاف اور صریح اژدہا تھا۔ یعنی حقیقۃ اور بلاشبہ اژدہا بن گیا جب وہ عصا سانپ بن کر لہرانے لگا فرعون اور تمام درباری حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پیشاب پاخانہ بھی خطا ہو گیا۔ دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی موسیٰ نے از راہ تلطف اپنے عصا کو زمین سے اٹھالیا تو وہ پہلے کی طرح پھر عصا ہو گیا۔ اس کے بعد جب ہوش و حواس کچھ واپس آئے تو بولا کیا اس کے سوا اور بھی کوئی معجزہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھلایا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک دوسرا معجزہ دکھلایا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالا تو ناگاہ وہ سپید اور روشن تھا دیکھنے والوں کے لیے جس کو سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے۔ فرعون اور اس کے درباری یہ دونوں معجزے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

معجزہ عصا اہل کفر اور اہل معصیت کی تنبیہ کے لیے تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں کافروں کو اژدہا ڈسے گا اور معجزہ ید بیضا سینہ موسوی کی نورانیت کا نمونہ اور کرشمہ دکھلانے کے لیے تھا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اس کو آفتاب کی روشنی کس طرح دکھائی دے۔ معجزہ عصا، معجزہ قہر تھا اور معجزہ ید بیضا معجزہ نور اور معجزہ مہر تھا۔ لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

جَامِعِيْنَ يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ يَفْضُلُ مُوْسٰى فِيْ عِلْمِ السِّحْرِ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ
مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَهُوَ وَقْتُ الضُّحٰى مِنْ يَوْمِ الزِّيْنَةِ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ
السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ اَلْاِسْتِفْهَامُ لِلْحَثِّ عَلَى الْاِجْتِمَاعِ وَالتَّرَجِّيْ عَلٰى تَقْدِيْرِ غَلَبَتِهِمْ
لِيَسْتَمِرُّوْا عَلٰى دِيْنِهِمْ فَلَا يَتَّبِعُوْا مُوْسٰى فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَ
تَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَ
اِنَّكُمْ اِذًا اَيْ حِيْنَئِذٍ لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى بَعْدَ مَا قَالُوْا لَهٗ اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ
الْمُلْقِيْنَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَالْاَمْرُ مِنْهُ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِيْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهٖ اِلٰى اِظْهَارِ الْحَقِّ فَاَلْقَوْا
حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلَقَّفُ
بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَقْلِبُوْنَهٗ بِتَمْوِيْهِهِمْ فَيَتَخَيَّلُوْنَ حِبَالَهُمْ وَ
عِصِيَّهُمْ اَنَّهَا حَيَّاتٌ تَسْعٰى فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَا شَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَا لَا يَتَاَتّٰى بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ ءَاٰمَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ
وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا لَهٗ لِمُوْسٰى قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَعَلَّمَكُمْ
شَيْئًا مِنْهُ وَغَلَبَكُمْ بِآخَرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَا يَنَالُكُمْ مِنِّيْ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
اَيْ يَدَ كُلِّ وَاحِدٍ الْيُمْنٰى وَرِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ لَا ضَرَرَ عَلَيْنَا فِيْ
ذٰلِكَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا بِاَيِّ وَجْهٍ كَانَ مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ رَاجِعُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا نَطْمَعُ نَرْجُوْا اَنْ
ع ۳ ۱۸ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ اَيْ بِاَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ فِيْ زَمَانِنَا

ترجمہ: (جس پر فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ یہ بڑا جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملکوں سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ سو اب کیا کہتے ہو؟ درباریوں نے کہا کہ آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے۔ اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجئے کہ وہ ماہر فن جادوگروں کو جمع کرکے آپ کے پاس لے آئیں (جو حضرت موسیٰ سے سحر کا زیادہ جاننے والا ہو) چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کرلئے گئے

(اور وہ عید کے دن چاشت کا وقت تھا) لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ تا کہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں (هل انتم مجتمعون میں استفہام دراصل لوگوں کو متعینہ جگہ پر جمع ہونے کیلئے اکسانا اور برانگیختہ کرنا ہے۔ اسی طرح لعلنا نتبع السحرة میں ان جادوگروں کی اتباع مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان کی کامیابی کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے چھٹکارا اور اپنے دین پر جمار ہنا مراد ہے اسی کو کنایۃً ساحروں کی اتباع سے تعبیر کر دیا) پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ (آئن میں ایک قرأت دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا اور ایک قرأت ہمزہ کو حذف کر دینے کا ہے۔ فرعون نے) کہا کہ ضرور اور اس صورت میں تم ہمارے مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا (جب کہ انہوں نے موسیٰ سے سوال کیا کہ ہم پہلے ڈالیں یا تم پہلے ڈالو گے) کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو (امر کا صیغہ یہاں حکم کیلئے نہیں بلکہ ان لوگوں کو اپنی کارروائی کو ابتداءً دکھانے کی اجازت کیلئے ہے تا کہ اظہار حق ہو سکے)۔ سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔ سو وہ ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو نگلنے لگا (جو انہوں نے فریب کاری اور ملمع سازی کر کے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زندہ سانپوں کی صورت مین دکھایا تھا) سو (یہ دیکھ کر) جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے (غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جادوگروں نے جو حضرت موسیٰؑ کے معجزے کو دیکھا تو انہیں یقیناً آ گیا کہ یہ کرتب جادو کے ذریعہ ممکن نہیں فرعون) کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اس نے تمہیں جادو کے کچھ حصے سکھائے اور بعض داؤ چھپا رکھے تھے جس کے ذریعہ اب اس نے تمہیں مغلوب کیا) اچھا تو تمہیں ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ جادوگروں نے کہا کچھ حرج نہیں (تم جس طرح چاہو ہمیں مار ڈالو۔ مرنے کے بعد) ہم اپنے پروردگار کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے اس لئے کہ (اپنے دور میں) ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَمَاذَا تَأْمُرُونَ: عظیم معجزہ کے غلبے نے اس کو دعویٰ ربوبیت بھلا دیا اور وہ قوم کے ساتھ مشورے پر اتر آیا۔
قوله: حٰشِرِيْنَ: یہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے۔ وہ ابعث کا مفعول ہے شرط جمع شرطة۔
قوله: عَلٰى تَقْدِيْرِ غَلَبَتِهِمْ: اصل مقصد اس بات سے اتباع موسیٰ علیہ السلام سے روکنا تھا پس کنایہ کے انداز میں بات کی۔

قوله: حِيْنَئِذٍ: فرعون نے اکیلے مزدوری طے کردی باقی قربت تو اس سے زائد تھی اگر ان کو غلبہ ملے۔ جواب کا تقاضا یہی ہے۔

قوله: فَالْاَمْرُ مِنْهُ: یہ جادو کی اجازت نہیں بلکہ مقابلہ کے لئے طلبی تھی۔ باطل کو باطل کرنے میں موقع دینا ضروری تھا۔

قوله: قَالُوْا اٰمَنَّا: یہ ملن القی سے بدل اشتمال ہے۔

قوله: رَبِّ مُوْسٰى: یہ توضیح کے لئے ابدال ہے۔

قوله: شَيْئًا مِنْهُ: تم کو ایک داؤ سکھایا۔ دوسرے سے غالب آ گیا۔

قوله: اِنَّا نَطْمَعُ: یہ جملہ دوسری تعلیل کے معنی میں آیا ضمیر میں نفی کے لئے۔

تفسیر مقبولین

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ساحران فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ:

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جب یہ دو معجزے (معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضا) دیکھے تو اس کو ڈر ہوا کہ اہل دربار شبہ میں نہ پڑ جائیں اس لیے فرعون نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ کوئی خاص قسم کا سحر ہے اس لیے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کرایا جائے اس کا خیال یہ تھا کہ ایک جادوگر ملک کے تمام جادوگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے فرعون نے اپنی اندرونی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں سے جو اس کے اردگرد بیٹھتے تھے یہ کہا کہ بیشک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ علم سحر میں بڑی مہارت رکھتا ہے جو ایسے کرشمے دکھلا رہا ہے اور درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر سے تم پر غالب آ جائے اور تمہارا بادشاہ بن جائے بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل دربار سے جو اردگرد بیٹھتے تھے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا ہی دانا جادوگر ہے۔ معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضا کے دیکھنے سے فرعون کو ڈر ہوا کہ اہل درباران معجزات قاہرہ کو دیکھ کر کہیں موسیٰ کو صادق اور راستباز سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آویں اور اگر ایمان بھی نہ لائیں تو مبادا اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں جس سے میرے دعوائے ربوبیت میں زوال نہ آ جائے اس لیے اہل دربار کو نرم کرنے کے لیے اول تو یہ کہا کہ یہ شخص خواہ کتنے ہی کرشمے ظاہر کر دے لیکن ایک دانا جادوگر سے بڑھ کر نہیں اور یہ کرشمہ جو اس نے دکھلایا ہے وہ ایک خاص قسم کا جادو ہے یعنی معجزہ نہیں جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری بات فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے اور ان سے ڈرانے کے لیے یہ کہی کہ اس جادوگر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے اور اس کا مالک اور قابض اور رئیس بن جائے اور اپنی قوم کو لے کر بلا مزاحمت تم پر حکومت کرے۔ سو اس بارہ میں تم کیا حکم دیتے ہو یا کیا مشورہ دیتے ہو۔ اب فرعون اپنی شان تکبر و تجبر سے اتر کر

لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے اور تمہارا کیا مشورہ ہے کہ اس شخص کو فوری سزا دی جائے یا ڈھیل دی جائے۔ اصل بات یہ تھی کہ فرعون معجزہ موسوی دیکھ کر گھبرا گیا اور دعوائے ربوبیت کی بلندی سے اتر کر اپنے آپ کو مشاورت کی پستی میں ڈالا، زبان سے تو دعوائے ربوبیت ہے اور دل میں خوف ہے اخراج کا یعنی اس بات کا کہ یہ جادوگر مجھ کو ملک مصر سے نکال باہر نہ کرے اس لیے خدا صاحب اپنے بندوں سے یا اپنے نوکروں اور چاکروں سے مشورہ پوچھ رہے ہیں۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ معاملہ میں تاخیر بہتر ہے، اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب نے متفقہ طور پر یہی کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو چند مہلت دے دو اور اپنے ملک کے سب شہروں میں نقیب بھیج دو کہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر لا موجود کریں۔ ہماری رائے میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ کیونکہ اگر بغیر مقابلہ اور بغیر ہرائے اور عاجز کیے اس کو قتل کرا دیا تو لوگوں کو اس کے بارہ میں شبہ ہو جائے گا۔ مناسب ہے کہ جادوگروں سے مقابلہ کرایا جائے یہ شخص تو ایک ساحر ہے ملک کے تمام ساحروں کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلہ کی صورت کو منظور کیا تا کہ کھلم کھلا اللہ کی حجت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ: بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق۔

پس وہ جادوگر ایک مقررہ دن پر جوان کی عید کا دن تھا جمع کر دیئے گئے اور لوگوں کے لیے اعلان کرا دیا گیا کہ کیا تم اس موقع پر جمع ہو جاؤ گے۔ مقصود یہ تھا کہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کا مغلوب ہونا دیکھ لیں گے۔ تا کہ اگر جادوگر غالب آ جائیں جیسا کہ غالب توقع ہے تو جب سابق ہم انہی کی پیروی کرتے رہیں گے یعنی انہی کے دین پر رہیں گے اتنا بھی ظاہری طور پر کہا ورنہ فی الحقیقت قوم فرعون کو اس بات کا یقین تھا کہ غلبہ ساحروں کا ہوگا۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو فرعون کی عجز اور حماقت کی دلیل ہے۔ پھر جب سب جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ بھلا ہم کو کچھ صلہ یعنی انعام بھی ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے فرعون نے کہا ہاں صلہ اور انعام بھی ملے گا اور صلہ کے علاوہ تم میرے مقربوں میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے، یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ اہل دنیا کی زبان پر سب سے پہلے حرف طمع آتا ہے بعد ازاں ساحروں نے صف بندی کی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی ڈالو جو کچھ بھی تم ڈالنے والے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور بولے قسم ہے فرعون کی عزت اور اقبال کی بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے، پس جب وہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ ڈالتے ہی وہ اژدہا بن گیا اور اسی دم بنے بنائے ہوئے دھندے کو ہڑپ کرنے لگا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا اور ڈکار بھی نہ لی سو یہ منظر دیکھ کر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب کے سب سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ توفیق ایزدی اور رحمت خداوندی نے جبراً وقہراً ان کو سجدہ میں ڈال دیا۔ معجزہ دیکھ کر انکو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ کرشمہ قدرت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سحر سے سحر کا مقابلہ ہو سکتا ہے مگر کرشمہ قدرت یعنی معجزہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اور سمجھ گئے کہ یہ دونوں ہماری طرح جادوگر نہیں بلکہ حقیقۃً رب العالمین کے رسول ہیں اس لیے بولے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے یہ لفظ انہوں نے اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ اور جہان کا پروردگار کہلاتا تھا۔ ساحروں نے جب یہ حال دیکھا تو جان لیا کہ یہ رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بشر کی کوئی

صنعت نہیں اور نہ ساحروں کی تمویہ اور تخیل ہے اس لیے سب اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے۔ فرعون یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اگر سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میری ربوبیت تو سب ختم ہو جائے گی اس لیے تہدید آمیز لہجہ میں جادوگروں سے یہ کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دوں میری اجازت کے بغیر تم نے اس کی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا جادوگر ہے جو تم پر غالب آ گیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے پس تم عنقریب جان لوگے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے: اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادوگروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پروا نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یعنی ہمیں تیرے قتل کی پروا نہیں شہید ہو کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لاتے ہی رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دارِ فانی انکی نگاہ میں ہیچ ہو گیا اور لقائے خداوندی کے مشتاق ہو گئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کو طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کر دے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اس لیے ہم نے فرعون کے انعام واکرام پر لات ماری اور رب العالمین کے سامنے جھک گئے۔

نکتہ: اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اولین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال تعالیٰ:

والسابقون الاولون من المهاجرين والنصار....

قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ واللہ اعلم۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ جادوگروں کی تعداد علی اختلاف الاقوال بارہ ہزار یا پندرہ یا بیس ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں کی اسی ہزار تھی۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳۳۴ ج ۳)

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى بَعْدَ سِنِيْنَ اَقَامَهَا بَيْنَهُمْ يَدْعُوْهُمْ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ اِلَى الْحَقِّ فَلَمْ يَزِيْدُوْا اِلَّا عُتُوًّا اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَ وَصْلِ هَمْزَةِ اَسْرِ مِنْ سَرٰى لُغَةٌ فِيْٓ اَسْرٰى اَيْ سِرْ بِهِمْ لَيْلًا اِلَى الْبَحْرِ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ يَتْبَعُكُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ فَيَلِجُوْنَ وَرَاءَكُمُ الْبَحْرَ فَاُنْجِيْكُمْ وَاُغْرِقُهُمْ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ حِيْنَ اُخْبِرَ بِسَيْرِهِمْ فِى الْمَدَآئِنِ قِيْلَ كَانَ لَهٗ اَلْفُ مَدِيْنَةٍ وَّاثْنَتَا عَشَرَةَ اَلْفَ

قرية **حٰشِرِيْنَ** ۝ جامعين الجيش قائلا **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ** طائفة **قَلِيْلُوْنَ** ۝ قيل كانوا ستمائة
الف و سبعين الفا و مقدمة جيشه سبعمائة الف فقللهم بالنظر الى كثرة جيشه **وَ اِنَّهُمْ لَنَا
لَغَآئِظُوْنَ** ۝ فاعلون ما يغيظنا **وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ** ۝ متيقظون وفي قراءة حاذرون مستعدون قال
تعالى **فَاَخْرَجْنٰهُمْ** اى فرعون و جنوده من مصر ليلحقوا موسى وقومه **مِّنْ جَنّٰتٍ** بساتين كانت
على جانبي النيل **وَّ عُيُوْنٍ** ۝ انهار جارية في الدور من النيل **وَّ كُنُوْزٍ** اموال ظاهرة من الذهب والفضة
وسميت كنوزا لانه لم يعط حق الله تعالى منها **وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ** ۝ مجلس حسن للامراء والوزراء
يحفه اتباعهم **كَذٰلِكَ** اى اخراجنا كما وصفنا **وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ۝ بعد اغراق فرعون
وقومه **فَاَتْبَعُوْهُمْ** لحقوهم **مُّشْرِقِيْنَ** ۝ وقت شروق الشمس **فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ** اى راى كل منهما
الاخر **قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ** ۝ يدركنا جمع فرعون ولا طاقة لنا به **قَالَ** موسى **كَلَّا**
اى لن يدركونا **اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ** بنصره **سَيَهْدِيْنِ** ۝ طريق النجاة قال تعالى **فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ** فضرب به **فَانْفَلَقَ** انشق اثني عشر فرقا **فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ** ۝
الجبل الضخم بينهما مسالك سلكوها لم يبتل منها سرج الراكب ولا لبده **وَ اَزْلَفْنَا** قربنا **ثَمَّ**
هنالك **الْاٰخَرِيْنَ** ۝ فرعون و قومه حتى سلكوا مسالكهم **وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ** ۝
باخراجهم من البحر على هيئته المذكورة **ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ** ۝ فرعون وقومه باطباق البحر
عليهم لما تم دخولهم البحر و خروج بني اسرائيل منه **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** اى اغراق فرعون و قومه **لَاٰيَةً**
عبرة لمن بعدهم **وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ۝ بالله لم يؤمن منهم غير اسية امراة فرعون و حزقيل
مؤمن ال فرعون و مريم بنت نا موسى التي دلت على عظام يوسف عليه السلام **وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ** فانتقم من الكافرين باغراقهم **الرَّحِيْمُ** ۝ بالمؤمنين فانجاهم من الغرق

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی جانب وحی بھیجی (چند سال ان لوگوں کے درمیان قیام کر لینے اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ یہ لوگ موسیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے سرکشی اور نافرمانی میں اور بڑھتے جارہے ہیں) کہ راتوں رات میرے ان

بندوں (بنواسرائیل) کو لے کر نکل جاؤ (ان اسر میں دوسری قراءت نون کے کسرہ اور اسر کے ہمزہ کو حذف کر دینے کی ہے۔ سری یسری سے مطلب وہی ہے کہ راتوں رات انہیں سمندر کی طرف لے کر نکل جاؤ۔ تم لوگوں کا (فرعون کی طرف سے) پیچھا بھی کیا جائے گا (اور سمندر کے قریب فرعون اور اس کا لشکر تمہیں آ بھی پکڑے گا۔ لیکن ہم تمہیں بچا لیں گے اور ان کو غرق کر دیں گے) فرعون نے شہروں میں جاسوس دوڑا دیئے (جب اسے اسرائیلیوں کے بھاگ جانے کا علم ہوا اور ان جاسوسوں کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں (کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ جب کہ فرعون کے لشکر کا اگلہ دستہ ہی سات لاکھ پر مشتمل تھا۔ جملہ فوج تو بہت زیادہ تھی۔ تو فرعون کے لشکر کی تعداد کے مقابلہ میں انہیں قلیلون کہا گیا) انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے خطرہ ہے (حذرون کے معنی چوکنا اور بیدار ہونے کے ہیں، مطلب یہ کہ ہم ان سے غافل نہیں ہیں اور ایک قراءت میں حاذرون الف کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں معنی مستعد ہونے کے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ) پھر ہم نے (فرعون اور اس کے لشکر کو) نکال باہر کیا باغوں سے (جو دریائے نیل کے دونوں جانب تھے) اور چشموں سے (جو نیل کے قریب تھے) اور خزانوں سے (یعنی بے دخل کر دیا ان کے ظاہری اموال سونا چاندی وغیرہ سے) اور عمدہ مکانات سے (جہاں امراء و وزراء کی مجلسیں لگتی تھیں) یونہی ہوا (جس طرح ہم نے بیان کیا اور فرعون اور اس کی قوم کے ڈوبنے کے بعد) اور ان کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ غرض سورج نکلنے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی گھبرا کر بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے (اب ہمارے لئے کوئی راہ فرار نہیں ہے) فرمایا (موسیٰ نے) کہ ہرگز نہیں (پکڑے جائیں گے) کیونکہ میرے ہمراہ پروردگار (کی مدد) ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ (نجات) بتا دے گا، پھر ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنے عصاء کو دریا پر مارو (چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ دریا پھٹ گیا (بارہ حصوں میں) اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ جیسے بڑی پہاڑی (جن کے درمیان راستے ہیں جس سے یہ لوگ چل کر جاتے ہیں۔ مگر چلنے والوں کے قدم تر بھی نہیں ہوئے) اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو وہ بھی اسی راستہ پر چل پڑے) اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو بچا لیا۔ (اس دریا سے بحفاظت گزار کر) پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں آپس میں ملا کر جب تمام فرعونی دریا میں داخل ہو گئے اور ادھر بنی اسرائیل دریا عبور کر چکے تھے) بے شک (فرعون کی اس غرق آبی کے) واقعہ میں بڑی عبرت ہے (بعد والوں کیلئے) اس کے باوجود ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے (سوا فرعون کی بیوی آسیہ اور اس کی اولاد میں سے حزقیل کے اور مریم بنت موسیٰ کے جس نے یوسفؑ کی ہڈیوں کی نشاندہی کی تھی) آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے (کفار سے ان کو غرق کر کے انتقام لے لیا) اور بڑا رحمت والا ہے (کہ مؤمنین کو غرقابی سے محفوظ و مامون رکھا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَیَلِجُوْنَ: وہ داخل ہوں گے۔

قوله: قَلِیْلُوْنَ: ہر سبط کے اعتبار سے قلیل تھے ویسے بھی قطبیوں کے مقابلہ ان کی تعداد کم تھی۔

قوله: اِلٰی کَثْرَۃِ جَیْشِہٖ: فرعون کے لشکر کی کثرت کے مقابلہ میں کیونکہ مقدمۃ الجیش سات لاکھ تھا۔

قوله: فَاعِلُوْنَ مَا: یعنی وہ ہمیں غصہ دلانے والی حرکات کر رہے ہیں کہ ہماری اجازت کے بغیر نکل گئے اور ہمارے اموال میں خیانت کی ہے۔

قوله: حٰذِرُوْنَ: ہم مستعد ہیں، محتاط ہیں۔

قوله: بِزَعْوْنَ: اس سبب سے فرعون کے نکلنے کا داعیہ بنایا۔

قوله: بِاِخْرَاجِنَا: یہ محذوف کی خبر ہے۔

قوله: نضر بہ: فانفلق کی نا محذوف پر عطف کے لئے ہے انفلاق پھٹنا۔

قوله: مسالک: راہیں۔

تفسیر مقبولین

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

(ربط) مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آ گئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر قائم ہوگئی مگر باوجود اس کے فرعون اور اس کی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اب اتمام حجت کے بعد سوائے وبال ونکال اور عذاب وعقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور بتلا دیا کہ تمہارے خروج کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت وکرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر دریا میں داخل ہو تو اس کو غرق کر دیا جائے اس طرح سے اس کو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کامیابی اور اس طرح کی غرقابی کرشمہ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو انکی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم پر طوفان اور خون وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جن کا سورۃ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتدا میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تاکہ ہوش

میں آ جائیں۔لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم وستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے انکو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کرے گا چنانچہ حسب حکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اس کا علم ہوا تو فرعون نے انکے تعاقب کا ارادہ کیا۔جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیئے جب جمع ہو گئے تو یہ منادی کرائی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔شمار کے اعتبار سے بھی قلیل ہے اور ساز وسامان کے لحاظ سے بے سروسامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب بڑے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔غرض یہ کہ دو تین روز میں سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب اس کو مصر لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔یعنی ہم نے انکے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوئے دیکھو کہ خدا کا نکالنا ایسا ہوتا ہے کہ خود انکے دل میں نکلنے کا پختہ ارادہ پیدا کر دیا کہ سب چیزوں کو چھوڑ کر خود بخود نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان محلوں اور باغوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہو گئے۔یہ تو جملہ معترضہ تھا اب آگے باقی حصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سورج نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے انکو جا پکڑا یعنی ان کے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑ لیے گئے۔یعنی اب فرعون ہمیں پکڑے گا۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: لا تحزن ان اللہ معنا۔ وہ عنقریب مجھے اس مخمصہ سے خلاصی کی راہ بتائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آخر اب جانا کہاں ہے پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو چنانچہ انہوں نے حکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کئی جگہ سے ادھر ادھر ہو گیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہو گئیں۔سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہو گئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کیچڑ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہو گئے۔کما قال تعالیٰ: فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو۔ وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ

خشکی میں راستے بنا سکتا ہے وہ تری میں بھی بنا سکتا ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے بر اور بحر سب برابر ہیں۔ جو خدا ﴿مُغْرَقُونَ﴾ تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونیوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے خشک راستے کھلے ہوئے ہیں تو شاداں و فرحاں ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہو گیا اور سارا لشکر اندر غرق ہو گیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور صحیح سالم ان کو دریا سے پار کر دیا۔ پھر ان کے پار ہو جانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کر دیا کہ جب فرعون اپنی قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہو گئے جو لوگ کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوئے۔ حالانکہ ان کے طالع مختلف تھے۔ فرعون کو دریائے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر یہ کہا کرتا تھا: الیس ملک مصر وھذہ الانہار تجری من تحتی۔ اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اس کو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر ہے اور بیشک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت وحفاظت کی، اور متکبرین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے بیشک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اس کی شان عزت وغلبہ اور شان رحمت ظاہر ہوگئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر وتکبر کو غرق کیا۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزہ عصا، اور معجزہ ید بیضاء اور معجزہ انفلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور ان کو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے چہرے یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔

جواب: سو جاننا چاہئے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلاً محال ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے آج تک کوئی دلیل ان کے محال ہونے پر قائم نہ ہو سکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہو جانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے پس اگر ایک نباتاتی چیز (یعنی عصا) بحکم خداوندی حیوان بن جائے تو عقلاً ممکن ہے بسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہو جانا عقلاً محال نہیں۔ آفتاب اور ماہتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور ماہتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہو گئے پس جس خدا نے آفتاب اور ماہتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلیم علیہ السلام کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جسمیت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرت خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علی ہذا انفلاق بحر بھی عقلاً محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال

اور انفلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجمد ہوجاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انفلاق اور انفصال پانی کی نفس ماہیت کا ذاتی اور طبعی اقتضاء نہیں کہ جو ناقابل تغیر وتبدل ہو سب قدرت خداوندی سے ہے پس اگر قدرت خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر ان کے گزر جانے کے بعد فوراً بہنے لگے تو یہ بات عقلاً محال نہیں البتہ خارق عادت ہونے کی وجہ سے عجیب وغریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کرشمہ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ کہلاتا ہے جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے پس یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہوگیا۔ (۱) محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا (۲) اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سڑکیں پیدا ہوجانا (۳) پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔ (تفسیر معارف القرآن) (ادریس کاندہلوی)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اَیْ کُفَّارَ مَکَّۃَ نَبَاَ خَبَرَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَیُبْدَلُ مِنْہُ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾
قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا صَرَّحُوْا بِالْفِعْلِ لِیَعْطِفُوْا عَلَیْہِ فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ اَیْ نُقِیْمُ نَہَارًا عَلٰی عِبَادَتِہَا
زَادُوْہُ فِی الْجَوَابِ اِفْتِخَارًا بِہٖ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ حِیْنَ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اِنْ عَبَدْتُمُوْہُمْ
اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ کُمْ اِنْ لَمْ تَعْبُدُوْہُمْ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَیْ مِثْلَ فِعْلِنَا قَالَ
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ لَا اَعْبُدُہُمْ اِلَّا
لٰكِنْ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاِنِّیْ اَعْبُدُہٗ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ اِلَی الدِّیْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ
يَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَرْجُوْا اَنْ يَّغْفِرَ
لِيْ خَطِيْٓـئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ اَیِ الْجَزَاءِ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ اَیِ النَّبِیِّیْنَ
وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ ثَنَاءً حَسَنًا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ بَعْدِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ
وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ اَیْ مِمَّنْ یُعْطَاہَا وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ بِاَنْ تَتُوْبَ عَلَیْہِ فَتَغْفِرَ لَہٗ
وَہٰذَا قَبْلَ اَنْ یَتَبَیَّنَ لَہٗ اَنَّہٗ عَدُوُّ اللّٰہِ کَمَا ذُکِرَ فِیْ سُوْرَۃِ بَرَاءَۃٍ وَلَا تُخْزِنِيْ تفضحنی يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَیِ
النَّاسِ قَالَ تَعَالٰی فِیْہِ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَحَدًا اِلَّا لٰکِنْ مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾
مِنَ الشِّرْکِ وَالنِّفَاقِ وَہُوَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ قُرِّبَتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَیَرَوْنَہَا وَ

بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ أُظْهِرَتْ لِلْغٰوِيْنَ ۝۹۱ الْكَافِرِيْنَ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝۹۲ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط
اَىْ غَيْرِه مِنَ الْاَصْنَامِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝۹۳ بِدَفْعِه عَنْ اَنْفُسِهِمْ لَا
فَكُبْكِبُوْا اُلْقُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝۹۴ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَتْبَاعُهٗ وَمَنْ اَطَاعَهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَجْمَعُوْنَ ۝۹۵
قَالُوْا اَىِ الْغَاوٗنَ وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝۹۶ مَعَ مَعْبُوْدِيْهِمْ تَاللّٰهِ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا
مَحْذُوْفٌ اَىْ اِنَّهٗ كُنَّا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۹۷ بَيِّنٍ اِذْ حَيْثُ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۸ فِى الْعِبَادَةِ وَمَآ
اَضَلَّنَآ عَنِ الْهُدٰى اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۹۹ اَىِ الشَّيَاطِيْنُ اَوْ اَوَّلُوْنَ الَّذِيْنَ اقْتَدَيْنَا بِهِمْ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝۱۰۰
كَمَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝۱۰۱ اَىْ يَهُمُّهٗ اَمْرُنَا فَلَوْ اَنَّ لَنَا
كَرَّةً رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۲ لَوْ هٰهُنَا لِلتَّمَنِّىْ وَنَكُوْنُ جَوَابُهٗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ
مِنْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَقَوْمِهٖ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۴ ع ۵ ۳۶ ۹

ترجمہ: اور آپ ان (کفار مکہ) کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو (اذ قال لابیہ بدل واقع ہو رہا ہے ابراہیم سے) انہوں نے کہا کہ ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں (اور مزید فخراً یہ بھی کہا کہ) ہم انہیں پر جمے رہتے ہیں (قالو نعبد اصناماً میں صرف اصناماً کہہ دینا کافی تھا۔ لیکن اصناماً سے پہلے نعبد فعل بھی لایا گیا تا کہ فنظل کا اس پر عطف ہو سکے ابراہیمؑ نے) فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں (جب تم ان کی عبادت کرتے ہو) یا تم کو ضرر پہنچا سکتے ہیں (اگر تم ان کی عبادت نہ کرو) ان لوگوں نے کہا (اس طرح کی کوئی بات تو نہیں) بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہے (جس طرح ہم کر رہے ہیں، ابراہیمؑ نے) فرمایا بھلا تم نے اس کی (اصلی حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی۔ یہ تو میری نظر میں باعث ضرر ہیں (اسی وجہ سے میں انہیں نہیں پوجتا) مگر ہاں پروردگار عالم (جس کی میں عبادت کرتا ہوں وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پھر وہی میری راہنمائی کرتا ہے (دین فطرت کی طرف) اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کر دے گا۔ اے میرے رب مجھ کو حکم (یعنی علم) عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔ اور میرا ذکر (خیر) آئندہ آنے والوں میں (قیامت تک) جاری رکھ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں میں سے کر دے اور میرے باپ کی مغفرت کر دیجئے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے (حضرت ابراہیم کی یہ دعا اس وقت تھی

جب کہ یہ بات منکشف نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے نافرمانوں میں ہے۔ جیسا سورۂ برأت میں ذکر آیا ہے) اور مجھے رسوا نہ کرنا اس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے (اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ) اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر ہاں (اسکی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (شرک و کفر سے) پاک دل لے کر آئے (اور وہ مومن کا دل ہی ہوسکتا ہے اور اس دن) جنت متقیوں کیلئے نزدیک کردی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے سامنے دوزخ ظاہر کردی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ اب وہ (بت وغیرہ) کہاں گئے جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں؟ (اور تمہیں عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں) یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں (اس عذاب سے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا) پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر (انسانوں اور جنوں میں سے جنہوں نے اس کی اتباع کی ہوگی) سب کے سب اس دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ دوزخ میں (یہ کفار) باہم جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے (ان کنا میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے) اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں) شیاطین اور ان لوگوں نے جن کی ہم نے اقتدا کی انہوں) نے گمراہ کیا۔ سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں (جیسا کہ مؤمنین کیلئے فرشتے انبیاء اور خود دوسرے مؤمنین ہیں) اور نہ کوئی مخلص دوست ہی ہے کہ (دل سوزی ہی کر لے) سو کاش ہمیں دنیا میں پھر جانے کا موقع ملتا تو ہم مومن ہوجاتے (فلو ان لنا میں لو تمنی کیلئے ہے اور اس کا دجواب یہ آنے والی آیت ہے) بے شک اس (واقعہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم) میں ایک بڑی عبرت ہے (اس کے باوجود) ان مشرکین میں سے اکثر ایمان نہیں لائے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مَا تَعْبُدُوْنَ: آپ نے ان سے اس وجہ سے سوال کیا تا کہ ان پر ظاہر کریں کہ یہ عبادت کے حقدار نہیں۔

قوله: صَرَّحُوْا: عراقی مشرکین نے صراحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔

قوله: نُقِيْمُ نَهَارًا: ہم ان کی عبادت میں تمام دن آسن جماتے بیٹھتے ہیں (ملنگ بنے ہوتے ہیں) یہ بات انہوں نے فخر سے کہی۔

قوله يَسْمَعُوْنَكُمْ: اس میں کم ایک مفعول ہے دوسرا مفعول محذوف دعاءکم ماننا ہوگا۔

قوله: عَدُوٌّ لِّيْٓ: یہ بات ان کو تعریض کے انداز میں فرمائی تمہارے معبود میرے دشمن ہیں۔

قوله: اِذَا مَرِضْتُ: اس میں بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سوء ادب سمجھ کر نہیں لوٹائی کیونکہ ان کا مقصود نعمتوں کا شمار ہے۔ مرض موت کا مقدمہ ہے اور اقامت کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی تنقیص نہیں۔

قوله: التَّبِيِّينَ: کہہ کر الصالحین سے کامل صالح مراد لیے۔

قوله: ثَنَاءً حَسَنًا: یعنی جولوگ قیامت تک میرے بعد ہوں گے۔

قوله: مِمَّنْ يُعْطَاهَا: یہ اس جنت کے مشابہہ ہے جس کا مستحق عامل اپنے عمل کے فنا کے بعد ہوگا جیسا میراث مورث کے فناء کے بعد ملتی ہے اسی وجہ سے اس پر میراث کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

قوله: وَلَا تُخْزِنِي: یہ الخزی سے ہے جس کا معنی ذلت ورسوائی ہے اور میرے ورثاء کی کوتاہیوں کی وجہ سے عتاب کر کے رسوا نہ کرنا۔

قوله: النَّاسِ: ان کی طرف ضمیر معلوم ہونے کی وجہ سے لوٹائی۔

قوله: أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ: جنت کو اس طرح قریب کریں گے کہ وہ حساب سے نظر آئے گی۔

قوله: الْكَافِرِيْنَ: یہ بھی کھلے بندوں جہنم دیکھیں گے اور افسوس کریں گے کہ ابھی ان کو لے جایا جائے گا۔

قوله: فَكُبْكِبُوْا: داغنے کے لئے ان کو پلٹا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی گہرائی میں جا پہنچیں گے۔

قوله: الْغَاوُنَ: قالوا کی ضمیر کا مرجع بتوں کے پوجاری ہیں وہ اپنے معبودوں سمیت جہنم میں ڈالے جائیں گے وہ باہمی جھگڑیں گے۔

قوله: لَوْ هُنَا لِلتَّمَنِّي: یہ لیت کے معنی بر تقدیر فرض لایا گیا۔

قوله: لَآيَةً: حجت ونصیحت جو نصیحت حاصل کرلے۔

قوله: الْعَزِيْزُ: وہ انتقام لینے پر زبردست قدرت والا ہے۔

قوله: الرَّحِيْمُ: مجرمین کو مہلت بھی دیتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۞

یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید اور قوم کی تبلیغ کا بیان شروع ہو رہا ہے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرائی ہے جو انہوں نے اللہ جل شانہ سے اپنی دنیا وآخرت کی کامیابی کے لیے کی تھی۔ انہوں نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان لوگوں نے جو بے تکے جواب دیئے اس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مواقع میں کیا گیا یہاں جو مکالمہ مذکور ہے قریب قریب اسی طرح کی گفتگو سورۃ الانبیاء (ع ۵) میں بھی گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے معلوم تھا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری ہیں بظاہر اس سوال کی حاجت نہ تھی لیکن انہوں نے سوال اس لیے فرمایا کہ جواب دیتے وقت ان کے منہ سے ان کی پرستش کا اقرار ہو جائے اور پھر وہ ان کے اقرار کو بنیاد بنا کر اگلا سوال کر

سکیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں وہ لوگ کہنے لگے ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور انہی پر دھرنا دیئے بیٹھے رہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تم ان کی عبادت کرتے ہو اس میں تمہیں کیا فائدہ نظر آتا ہے؟ تم جب ان کو پکارتے ہو اور ان سے کسی حاجت کے پورا ہونے کا سوال کرتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں اور کیا تمہاری عبادت کرنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نفع پہنچاتے ہیں اور کیا ان کی عبادت ترک کر دینے سے کوئی ضرر پہنچا دیتے ہیں؟ وہ لوگ یہ جواب تو دے نہ سکے کہ وہ بات سنتے ہیں یا کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح کا کوئی جواب ان کے پاس تھا بھی نہیں، لامحالہ مجبور ہو کر وہی بات کہہ دی جو مشرکوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے ہیں یعنی دلیل اور سند تو کوئی ہمارے پاس نہیں باپ دادوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہم بھی وہ کرنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اور تمہارے پرانے باپ دادے جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں کچھ تو غور کیا ہوتا یہ کیسی ناسمجھی کی بات ہے کہ جو چیز نہ سنے اور نہ دیکھے نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے اس کو معبود بنا بیٹھے وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے جو اپنی عبادت کرنے والے سے بھی کمتر ہو یہ تو رہی تمہاری بات، رہا میں، تو میرے نزدیک یہ بات ہے کہ یہ میرے دشمن ہیں اگر میں ان کی عبادت کرنے لگوں تو ان کی عبادت کی وجہ سے مجھے سخت نقصان پہنچے گا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی رب بنا رکھے ہیں وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے وہ سب ان کے دشمن ہیں ہاں جو لوگ صرف رب العالمین جل مجدہ کی عبادت میں مشغول ہیں وہی نفع میں ہیں رب العالمین جل مجدہ ان کا ولی ہے اور وہ اپنے رب کے اولیاء ہیں (یہ جو فرمایا: فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي) یہ انہوں نے اپنے اوپر رکھ کر کہا اور مقصود یہ تھا کہ یہ باطل معبود تمہارے دشمن ہیں دعوت تبلیغ کا کام کرنے والے مختلف اسالیب بیان اختیار کرتے رہتے ہیں) اس کے بعد رب العالمین جل مجدہ کی صفات جلیلہ بیان فرمائیں اور مشرکین کو بتا دیا کہ دیکھو میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اسی کی عبادت کرو۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿۷۸﴾

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اپنے رب کی صفتیں بیان فرماتے ہیں کہ میں تو ان اوصاف والے رب کا ہی عابد ہوں۔ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرونگا۔ پہلا وصف یہ کہ وہ میرا خالق ہے اسی نے اندازہ مقرر کیا ہے اور وہی مخلوقات کی اس کی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا وصف یہ کہ وہ ہادی حقیقی ہے جسے چاہتا ہے اپنی راہ مستقیم پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے اسے غلط راہ پر لگا دیتا ہے۔ تیسرا وصف میرے رب کا یہ ہے کہ وہ رازق ہے آسمان و زمین کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا اٹھانا پھیلانا ان سے بارش کا برسانا اس سے زمین کو زندہ کرنا پھر پیداوار اگانا اسی کا کام ہے۔ وہی میٹھا اور پیاس بجھانے والا پانی ہمیں دیتا ہے اور اپنی مخلوق کو بھی غرض کھلانے پلانے والا وہی ہے۔ ساتھ ہی بیمار تندرستی بھی اسی کے ہاتھ ہے لیکن خلیل اللہ علیہ السلام کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گو بیماری بھی اس قضا وقدر ہے اور اسی کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ یہی لطافت سورۃ فاتحہ کی دعا میں بھی ہے کہ انعام وہدایت کی اسناد تو اللہ عالم کی طرف کی ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کر دیا ہے اور ضلالت بندے کی طرف منسوب کر دی ہے۔ سورۂ جن میں جنات کا قول بھی ملاحظہ ہو جہاں انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والی مخلوق کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ساتھ

ان کے رب نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ یہاں بھی بھلائی کی نسبت رب کی طرف کی گئی اور برائی کے ارادے میں نسبت ظاہر نہیں کی گئی۔ اسی طرح کی آیت ہے کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفا پر بجز اس اللہ کے اور کوئی قادر نہیں۔ دوا میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی کے بس کی چیز ہے۔ موت وحیات پر قادر بھی وہی ہے۔ ابتدا اسی کے ساتھ ہے اسی نے پہلی پیدائش کی ہے۔ وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ دنیا اور آخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، غفور ورحیم وہی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی صفات بیان کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں چند دعائیں کی ہیں۔ اس میں دعا کا ادب ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کا سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف جس قدر ہو سکے کرو، پھر اپنی عرض داشت پیش کرو۔ سورۂ فاتحہ میں بھی یہی سبق سکھایا گیا ہے۔

وہ دعائیں یہ ہیں: رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا (اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما) لفظ حکم کی تفصیل میں کئی قول ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے حکمت مراد ہے یعنی قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی خیر کا علم عطا فرمائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا اور اس کے تمام احکام کا علم مراد ہے تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حکم سے نبوت مراد ہے لیکن یہ بات اس صورت میں تسلیم کی جا سکتی ہے جبکہ دعائے مذکور کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے ہوں۔ (راجع روح المعانی ج۱۹ ص۹۸)

وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (اور مجھے صالحین میں شامل فرما) یعنی مجھے ان حضرات میں شامل فرما دے جن کے علوم اور اعمال آپ کے نزدیک مقبول ہوں کیونکہ کتنا ہی علم ہو اور کیسا ہی عمل ہو مقبولیت عند اللہ کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ میرا ذکر باقی رکھئے) یعنی حضرات انبیاء کرام جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی جو امتیں ہوں گی ان میں میرا ذکر اچھائی سے ہوتا رہے یہ شرف مجھے ہمیشہ عطا فرمائیے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی ان کے بعد جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہیں کی ذریت میں سے تھے ساری امتوں نے انہیں خیر کے ساتھ یاد کیا اور امت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا وسلم کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی تعلق ہے اسے تو سب ہی جانتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا) (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کا اتباع کیجیے) اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام ہیں اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجنے کا ذکر ہوتا ہے اور بارالٰہی میں درخواست پیش کی جاتی ہے کہ اے اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر صلاۃ اور برکت بھیجئے جیسا کہ آپ نے ابراہیم اور ان کی آل پر صلاۃ اور برکت بھیجی (وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ) (اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنا دیجیے) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی نیک ہو اسے بہر حال جنت نصیب ہونے کی دعا کرتے رہنا چاہئے اپنے اعمال پر گھمنڈ نہ رکھے۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ (اور میرے باپ کی مغفرت فرمائیے بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے) یعنی

میرے باپ کو ایمان کی توفیق دیجیے اور اس طرح مغفرت کے قابل بنا کر اس کی مغفرت فرما دیجیے۔

مشرکین کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں:

قرآن مجید کے اس فرمان کے بعد: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ) اب کسی ایسے شخص کے لیے جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو استغفار اور دعائے مغفرت طلب کرنا ناجائز اور حرام ہے کیونکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ کسی نبی اور ایمانداروں کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت طلب کریں خواہ وہ اس کے رشتہ دار اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جہنمی ہونا بالکل واضح ہو چکا ہو۔

ایک سوال وجواب:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نہی اور ممانعت کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لیے کیوں دعائے مغفرت مانگی۔ اس کا جواب خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں دے دیا کہ: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ. (توبہ)

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براۃ کا اظہار فرمایا۔ (فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور شرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہوگا، اس کی پوری تفصیل سورۃ توبہ میں مذکور ہے۔

(وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ) (اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے) اس سے معلوم ہوا کہ جنت النعیم حاصل ہونے کی دعا کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیے جنت میں تو کوئی رسوائی نہیں ہے اس سے پہلے رسوائی ہو سکتی ہے جیسا کہ بہت سے گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہوگا کہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے حضرات انبیاء کرامؑ اس دن بھی باعزت ہوں گے دوسرے اشخاص اس سے عبرت حاصل کریں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر سے ملاقات ہو جائے گی آزر کا چہرہ بے رونق اور سیاہی والا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے فرمائیں گے کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر، اس پر ان کا باپ کہے گا کہ آج حکم دو میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا اس کے بعد حضرت

ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرمایا کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ کریں گے سو اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ ہلاک ہے (یعنی کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے پھر ابراہیم سے خطاب ہوگا کہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو وہ نظر ڈالیں گے تو انہیں ایک بالوں سے بھرا ہوا بجو نظر آئے گا جو (آلائش میں) آلودہ ہوگا (یہ ان کا باپ ہوگا جس کی صورت مسخ کر دی جائے گی) اس بجو کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(رواہ البخاری ص ۴۷۳)

جب صورت مسخ ہو جائے گی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے نفرت ہو جائے گی اور رسوائی کا خیال ختم ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن کی رسوائی سے محفوظ رہنے کے لیے جو دعا کی اس میں قیامت کے دن کا حال بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا: (لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ) (کہ وہ ایسا دن ہوگا جس دن نہ مال کام دے گا نہ اولاد کام دے گی) اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال جمع کرنے اور اپنے پیچھے اولاد کو مالدار بنا کر چھوڑنے کے جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کرتے حرام مال تو وبال ہے ہی وہ حلال مال بھی آخرت میں وبال ہوگا جس سے فرائض اور واجبات ادا نہ کیے گئے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کیا گیا ہو یہ نافرمانیاں بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے سلسلہ میں بھی ہوتی ہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے ہاں اگر کسی نے مال کو حلال طریقہ سے کمایا اور شرعی طریقوں پر خرچ کیا اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے دین پر ڈالا تو یہ نیک کام نفع مند ہوں گے اسی کو فرمایا کہ (اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ) (کہ جو شخص قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اس کے اموال اور اس کی اولاد اس کے لیے فائدہ مند ہوں گے) یعنی قلب سلیم کا اخلاص نیک اولاد اور اعمال صالحہ اموال طیبہ ہی نافع ہوں گے۔

و الکلام علی تقدیر مضاف الی من ای لا ینفع مال و لا بنون الا مال و بنون من اتی اللہ بقلب سلیم حیث انفق مالہ فی سبیل البر و ارشد بنیہ الی الحق و حثھم علی الخیر و قصد بھم ان یکونوا عباد اللہ تعالیٰ مطیعین شفعاء لہ یوم القیامۃ۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۰۰)

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر اچھائی کے ساتھ ہو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں اپنے بارے میں اچھا تذکرہ ہونے کی آرزو رکھنا مومن کے بلند مقام کے خلاف نہیں ہے اعمال خیر کرتا رہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے اعمال صالحہ میں مشغول ہو ریاکاری کے جذبات نہ ہوں اور یہ بھی نہ ہو کہ لوگ میرے اعمال کو دیکھ کر میری تعریف کریں اعمال صرف اللہ کے لیے ہوں اور یہ دعا اس کے علاوہ ہو کہ لوگوں میں میرا تذکرہ خوبی کے ساتھ ہو یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی مخلص نہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ فِیۡ عَیۡنِیۡ صَغِیۡرًا وَّ فِیۡ اَعۡیُنِ النَّاسِ کَبِیۡرًا (اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے)۔

اس میں کبر نفس کا علاج ہے جب اپنے چھوٹا ہونے کا خیال رہے گا تو لوگوں کے تعریف کرنے سے کبر میں مبتلا نہ ہوگا

ہاں اتنا خیال رہنا بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو حقیر نہ جانے اور جھوٹی تعریف کا بھی متمنی نہ ہو۔

اپنے لیے ثنائے حسن کی آرزو رکھنا جبکہ (شرائط کے ساتھ ہو) جائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنی ذات کو برائی کے ساتھ مشہور کرنا بھی کوئی ہنر اور کمال کی بات نہیں ہے بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نیک بھی ہوتے ہیں اور گناہوں سے بھی بچتے ہیں لیکن اگر کسی غلط فہمی سے بدنامی ہونے لگے تو اس کی پرواہ نہیں کرتے اگر کوئی شخص توجہ دلائے کہ اپنی صفائی پیش کریں تو کہہ دیتے ہیں کہ میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں جو میری طرف برائی منسوب کرے گا خود غیبت میں مبتلا ہوگا اس کا اپنا برا ہوگا اور مجھے غیبت کرنے والوں کی نیکیاں ملیں گی میں کیوں صفائی دوں؟ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اپنی آبرو کی حفاظت کرنا بھی اچھا کام ہے اور لوگوں کو غیبت اور تہمت سے بچانا ان کی خیر خواہی ہے بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اے اللہ مجھے اچھے اعمال سے متصف فرمایئے اور ان اعمال کو میرے بعد کے آنے والوں میں باقی رکھئے جو میرا اتباع کریں اس سے لوگ مجھے اچھائی سے یاد کریں گے اور ان کے اعمال صالحہ کا ثواب بھی ملے گا جبکہ ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ لَهُ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيْءِ بِالتَّوْحِيْدِ اَوْ لِاَنَّهُ لِطُوْلِ لُبْثِهِ
فِيْهِمْ كَاَنَّهُ رُسُلٌ وَتَانِيْثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ وَتَذْكِيْرُهُ بِاعْتِبَارِ لَفْظِهِ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نَسَبًا نُوْحٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اللّٰهَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ عَلٰى تَبْلِيْغِ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ فِيْمَا
اٰمُرُكُمْ بِهٖ مِنْ تَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهٖ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ عَلٰى تَبْلِيْغِهٖ مِنْ اَجْرٍ اِنْ مَا اَجْرِيَ اَيْ ثَوَابِيْ اِلَّا
عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ كَرَّرَهُ تَاكِيْدًا قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ نُصَدِّقُ لَكَ لِقَوْلِكَ وَ
اتَّبَعَكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ وَاَتْبَاعُكَ جَمْعُ تَابِعٍ مُبْتَدَاٌ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ السَّفَلَةُ كَالْحَاكَةِ وَالْاَسَاكِفَةِ قَالَ وَمَا
عِلْمِيْ اَيْ عِلْمَ لِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ مَا حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ فَيُجَازِيْهِمْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾
تَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ مَا عِبْتُمُوْهُمْ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ عَمَّا تَقُوْلُ لَنَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ بِالْحِجَارَةِ اَوْ بِالشَّتْمِ قَالَ نُوْحٌ
رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا اَيْ اُحْكُمْ وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ قَالَ تَعَالٰى فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ الْمَمْلُوْءِ مِنَ النَّاسِ وَالْحَيَوَانِ
وَالطَّيْرِ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ اَيْ بَعْدَ اِنْجَائِهِمُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ
هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ
اِنْ ما اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ اٰيَةً بِنَاءً عَلَمًا لِلْمَارَّةِ تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾
بِمَنْ يَمُرُّ بِكُمْ وَ تَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَبْنُوْنَ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لِلْمَاءِ تَحْتَ
الْاَرْضِ لَعَلَّكُمْ كَاَنَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ فِيْهَا لَا تَمُوْتُوْنَ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بِضَرْبٍ اَوْقَتْلٍ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾
مِنْ غَيْرِ رَاْفَةٍ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِى ذٰلِكَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ فِيْمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَ اتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ اَنْعَمَ عَلَيْكُمْ بِمَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّ عُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اَنْهَارٍ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَيْتُمُوْنِىْ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ مُسْتَوٍ عِنْدَنَا اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ
تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اَصْلًا اَىْ لَا نَرْعَوِىْ لِوَعْظِكَ اِنْ مَا هٰذَآ اَلَّذِىْ خَوَّفْتَنَا بِهٖ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾
اَىْ اِخْتِلَاقُهُمْ وَ كِذْبُهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْخَاءِ وَاللَّامِ اَىْ مَا هٰذَا الَّذِىْ نَحْنُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ لَا بَعْثَ اِلَّا خُلُقُ
الْاَوَّلِيْنَ اَىْ طَبِيْعَتُهُمْ وَ عَادَتُهُمْ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ بِالْعَذَابِ فَاَهْلَكْنٰهُمْ فِى الدُّنْيَا
بِالرِّيْحِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ ع ١٨/١١

ترجمہ: نوحؑ کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یہاں جمع کا صیغہ ہے۔اس وجہ سے کہ کسی ایک نبی کا جھٹلانا گویا کہ تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے کیونکہ ہر ایک کا مقصد ایک ہوتا ہے یعنی دعوت توحید یا یہ کہ حضرت نوحؑ نے ان کے درمیان اتنا طویل وقت گزارا کہ انہوں نے کئی انبیاء کا دور دیکھا ہو۔اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا اور قوم کو مؤنث استعمال کرنا باعتبار معنی کے ہے۔اگرچہ باعتبار لفظ کے یہ مذکر ہے) جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راستباز پیغمبر (بھیجا گیا ہوں اس چیز کی تبلیغ کیلئے جو مجھے عطا کی گئی ہے) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (جو کچھ میں تمہیں حکم دوں خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے بارے میں) اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔سو (میری اس نیک نیتی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (اس جملہ کو تاکید کیلئے مکرر لایا گیا ہے) وہ لوگ بولے تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں درآنحالیکہ تمہارے پیرو رذیل (اور پست اقوام جیسے نوربا‌ف اور جوتہ ساز وغیرہ) ہی ہیں۔(واتبعك ایک قراءت میں واتباعك ہے جمع ہے تابع کی اور ترکیب میں مبتداء واقع ہے نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور)

کام سے مجھے کیا بحث ان سے حساب کتاب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے (وہی انہیں جزا و سزا دے گا) کاش تم اسے سمجھتے (اور جانتے جو تم نے انہیں عیب لگایا) اور میں ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں۔ میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اے نوح اگر تم (اس کہنے سننے سے) باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے (پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا یا سب وشتم کر کے پریشان کر دیا جائے گا نوح نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان کھلا ہوا فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجئے (ارشاد ہوا) چنانچہ ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) انہیں اور جو ان کے ساتھ (انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سے) بھری ہوئی کشتی میں تھے۔ سب کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد (قوم کے) باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا قوت والا بڑی رحمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ: یعنی جماعت کے معنی میں مونث ہے۔

قوله: اَخُوْهُمْ: نسبی لحاظ سے۔

قوله: بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: میری ذمہ داری ظاہر کا لحاظ کرنا ہے ان کے باطل سے مجھے غرض نہیں۔

قوله: مظہر انذاری: واضح دلیل کے ذریعہ ہے تمہارے خوش کرنے کے لئے مجھے ان کا مسترد کرنا لازم نہیں۔

قوله: اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ: بددعا کی وجہ ذکر رہے ہیں ورنہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

قوله: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: جنہوں نے اپنے دل سے ایمان کو قبول کیا ہے۔

تفسیر مقبولین

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ اِلْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے جو گفتگو ہوئی گزشتہ رکوع میں اس کا ذکر تھا اب یہاں سے دیگر انبیاء کرامؑ کے واقعات اور قوموں کے ساتھ ان کے مکالمات اور مخاطبات اور قوموں کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کے قصے بیان کیے جا رہے ہیں اولاً حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور اس کے بعد حضرت ھود حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی شرک سے روکا اور انہیں طرح طرح سے سمجھایا اور ان لوگوں سے کہا

کہ تم کفر وشرک کیوں نہیں چھوڑتے اللہ کو ایک ماننے کے لیے تو عقل ہی کافی ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور امانت دار ہوں جو کچھ کہتا ہوں اسی کے حکم سے کہتا ہوں۔لہٰذا تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو کیونکہ میری فرمانبرداری کرنا خالق اور مالک ہی کی فرمانبرداری کرنا ہے اور تم یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں اور تمہیں راہ حق پر لانے کی محنت کر رہا ہوں اس میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے تم سے اپنی اس محنت پر کوئی اجرت یا عوض یا صلہ طلب نہیں کرتا میں تو اپنا اجر وثواب رب العالمین جل مجدہ سے لے لوں گا تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ جب یہ شخص ہم سے کسی چیز کا طالب نہیں تو اتنی محنت کیوں کرتا ہے تم غور کرو اور سمجھو اور اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ہدایت قبول نہ کی اینڈے بینڈے جواب دیتے رہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال ان لوگوں کے درمیان رہے لیکن تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جو کٹ حجتی کی اور ایمان نہ لانے کا بہانہ بنایا اس میں ایک یہ بات بھی تھی کہ تمہارے ساتھ رذیل لوگ لگے ہوئے ہیں اگر ہم تم پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان چھوٹے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑے گا (اس میں گویا اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ لوگ ہٹ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں اور آپ سے دین سیکھنے لگیں) یہ ایسا ہی ہے جیسے عرب کے لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں (یعنی بلال، صہیب، عمار، خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم) جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں قال القرطبی و کانهم طلبوا منه طرد الضعفاء کما طلبته قریش۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے دین وایمان سے مطلب ہے مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کوئی شخص عمدہ پیشہ اختیار کرلے یا ایسا کوئی کام اختیار کرلے جسے دنیا والے گھٹیا سمجھتے ہیں مثلاً سڑکوں پر جھاڑو دینا یا جوتے گانٹھنا وغیرہ اصل چیز ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں دو چیزوں کے ذریعہ بلند مرتبہ ملتا ہے اور پھر سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے محاسبہ فرمائے گا۔(یہ بات فرما کر ان لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ دیکھو تمہارا بھی حساب ہوگا) کاش تم سمجھدار ہوتے تو ایسی بے تکی باتیں نہ کرتے حق کو قبول نہ کرنے کے لیے ایسے بہانے کرنا کہ تمہارے پاس جو لوگ بیٹھے ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے گھٹیا ہیں ناسمجھی کی بات ہے یہ جو تمہاری خواہش ہے کہ میں انہیں ہٹا دوں تو میں ایسا نہیں کر سکتا جن لوگوں نے حق کو قبول کر لیا توحید کو مان لیا مومن بندے بن گئے بھلا میں ان کو کیسے ہٹا سکتا ہوں اور میں کوئی تم پر زبردستی تو کر نہیں سکتا میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے سمجھانے میں اور صاف صاف کہنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں یوں ہی ظاہر میں تمہارا دین قبول کر لیا ہے دل سے مومن نہیں ہیں جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ کہ مجھے کسی کے باطن سے بحث نہیں میں تو ظاہر کے دیکھنے کا مکلف ہوں۔ کسی نے ایمان قبول کر لیا میرا ساتھی ہو گیا بس وہ میرے نزدیک مومن ہے رہا باطن کا معاملہ سو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ ان

کا حساب لے گا کاش تم قانون شرعی کو جانتے ہوتے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے آدمی کہنے لگے کہ اپنی یہ باتیں بند کرو اگر تم باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ تمہاری خیر نہیں ہم پتھر مار مار کر تمہیں جان سے مار دیں گے۔ سورۂ ھود اور سورۂ نوح میں ان لوگوں کی اور باتیں بھی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا (جس کا ذکر سورۂ ھود میں ہے) ساڑھے نو سو سال تک کسی قوم کو دعوت دینا یہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے ان لوگوں نے بھی عذاب مانگا اور حضرت نوح علیہ السلام بھی بہت زیادہ دل برداشتہ ہو گئے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ پاک میرے اور میرے قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے یعنی ان کو ہلاک کر دیجیے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو ایمان والے ہیں نجات دے دیجیے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم فرمایا چنانچہ انہوں نے کشتی بنائی اپنے اہل وعیال مؤمنین اور دیگر اہل ایمان کو ساتھ لے کر (بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا) پڑھ کر اس میں سوار ہو گئے۔ آسمان سے پانی برسا زمین سے بھی پانی ابلا زبردست سیلاب آیا اس میں پوری قوم غرق ہو گئی اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جو کشتی میں سوار تھے نجات پا گئے تفصیل کے ساتھ سورۃ اعراف اور سورۃ ھود میں واقعہ گزر چکا ہے اور سورۃ نوح کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ
فِيْ مَا هٰهُنَاۤ الْخَيْرِ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ لطيف لين وَ
تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بطرين وفي قراءة فارهين حاذقين فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾
فيما امركم به وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بالمعاصي وَ لَا
يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بطاعة الله تعالى قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ الذين سحروا كثيرا حتى غلب
على عقلهم مَاۤ اَنْتَ ايضا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ في رسالتك
قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ نصيب من الماء وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ بعظم العذاب فَعَقَرُوْهَا اي عقرها بعضهم برضاهم فَاَصْبَحُوْا
نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ على عقرها فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ الموعود به فهلكوا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ
ع ۱۹ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ بس میرا صلہ تو پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تمہیں انہیں چیزوں میں بےفکری سے رہنے دیا جائے گا۔ جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں چشموں میں اور کھیتوں اور خوب گندھے ہوئے گچھے والی کھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو (اور ایک قراءت میں فرهین کے بجائے فارہین ہے جس کے معنی ہیں ماہرانہ انداز میں) سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں) اور حدود سے نکل جانے والوں کا کہنا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں اور (خدا تعالیٰ کی اطاعت و بندگی اختیار نہ کر کے اپنی) اصلاح نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے (جس کی وجہ سے تمہاری عقل مغلوب ہو کر رہ گئی ہے) تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعویٰ رسالت میں) سچے ہو (صالح نے) فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقررہ دن میں تمہاری۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا۔ ورنہ تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (یہاں یہ اشکال ہے کہ کاٹنے والے تو چند تھے مگر جمع لا کر منسوب سب کی طرف کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کارروائی سب کی مرضی سے کی گئی تھی۔ اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اسی کو صاحب جلالینؒ نے **عقرها بعضهم برضاهم** سے بتانا چاہا ہے) پھر (اس پر) پچھتائے پھر ان کو عذاب نے آ لیا۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بیشک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا بڑی رحمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عاد: بحیثیت قبیلہ اس کو مونث قرار دیا گیا ورنہ اصل میں ان کے جد کا نام ہے۔

قوله: اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ: دعوت ھود علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصود اصلی معرفت حق اور اس کی طاعت ان کاموں میں جو اس کا قرب میسر کرنے والوں میں سے ہیں اور اس کی سزا سے بچانے والے ہیں اور تقویٰ کا دار و مدار معرفت پر ہے۔

قوله: مارہ: مسافر۔ تعبثون محض کھیل تماشے کے لئے۔

قوله: مصانع للماء: پانی کے مخزن۔

قوله: جبارین: ظلم کرنے والے۔

قوله: لا نرعوی: ہم بدی و جہل سے باز نہ آئیں گے۔

قوله: کذبھم: یہ اخلاق کی تفسیر من گھڑت جھوٹ

قوله: المعذبین: جن باتوں پر ہم چلے جارہے ہیں ان پر ہمیں عذاب نہ ہوگا۔

تفسیر مقبولین

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم بڑی مالدار اور صالح سلطنت تھی۔ محض اپنی بڑائی اور نام آوری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے ان کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری پر آگاہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب سننے والے تھے بالآخر عذاب الٰہی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلا دیا۔ ساری پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلاتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لیے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تا کہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو۔ جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لیے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشہ کرتے ہو اور سر راہ چلنے والوں پر ہنستے ہو اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا بڑی بڑی حوضیں یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طول امل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اس کو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اس کو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑ دو اور میرا کہنا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی جس خدا نے تمہارے مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دی اس سے ڈرو کہ کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے مجھے تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور انکی ڈالی ہوئی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرض یہ کہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو آندھی سے ہلاک کر دیا کہ انکا اور انکے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور اس ماجرے میں اللہ کی بڑی نشانی ہے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بیشک تیرا رب بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ

اس رکوع میں قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے انہوں نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی سمجھایا بجھایا، قوم عاد کی طرح ان لوگوں نے بھی ضد وعناد اور سرکشی پر کمر باندھ لی، حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں امین ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبر داری کرو اور یہ فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب نعمتیں دی ہیں انہیں یاد کرو ناشکرے نہ بنو اس نے تمہیں باغ دیئے چشمے عطا فرمائے، کھیتیاں عنایت فرمائیں، کھجوروں کے باغ دیئے، ان کھجوروں کے گچھے گوندھے ہوتے ہیں جو خوب پھل لانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ تمہیں پہاڑوں کے تراشنے کی قوت اور ہمت عطا فرمائی تم پہاڑوں کو تراشتے ہو اور فخر کرتے ہوئے اور اتراتے ہوئے ان میں گھر بنا لیتے ہو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ امن وامان اور چین وآرام میں رہو گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو غلط ہے دیکھو تمہیں مرنا بھی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا بھی ہے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو، جن لوگوں نے تمہاری راہ مار رکھی ہے جو حد سے آگے نکل چکے ہیں زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تم ان کی باتوں میں آکر اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، تمہارے جو بڑے ہیں تمہارا ناس کھو رہے ہیں۔ وہ تمہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہمارے خیال میں تو صرف یہ بات ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے اسی وجہ سے تم ایسی باتیں کر رہے ہو، اور یہ بات بھی ہے کہ تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارے اندر وہ کون سی بڑائی ہے جس کی وجہ سے تم رسول بنائے گئے ہو؟ سورۃ القمر میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا: (اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ) (سو وہ کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ایک شخص ہے اگر ہم ایسا کریں تو ضرور بڑی گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے) کیا ہم سب کے درمیان سے اسی کی طرف وحی کی گئی ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی خورہ ہے) باتیں کرتے کرتے وہ لوگ یہاں تک آگے بڑھے کہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ اچھا کوئی خاص معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی ہے اللہ کی طرف سے بطور معجزہ بھیجی گئی ہے (بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی کہا تھا کہ ہم تو تمہیں اس وقت نبی مانیں گے جب تم پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ ان کو ہر چند سمجھایا کہ اپنا منہ مانگا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور تم ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ جلد ہی عذاب آجائے گا لیکن وہ نہ مانے) اللہ کے حکم سے پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی یہ اونٹنی عام اونٹنیوں کی طرح نہ تھی اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی تھی اس کو بہت زیادہ پانی پینے کی ضرورت تھی ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا (لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ) (اس کے لیے پانی پینے کا وقت مقرر ہے اور تمہارے لیے ایک دن کا پینا مقرر ہے) یہ اونٹنی کنویں میں منہ لٹکا کر اکیلی کنویں کا پانی پی جاتی تھی اور قوم ثمود کے لوگ روزانہ پانی نہیں پلا سکتے تھے خود ان کے لیے پانی بھرنے کا اور مویشیوں کو پانی پلانے کا دن مقرر کر دیا تھا۔

پہلے تو اپنے منہ سے اونٹنی مانگی تھی پھر جب پانی کی تقسیم کا معاملہ در پیش ہوا تو ان لوگوں کو یہ بات کھلنے لگی اور اس اونٹنی کا

وجود نا گوار ہوا اونٹنی کے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کے ارادوں کی اطلاع ملی تو فرمایا اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، بالآخر عذاب آ ہی گیا اور وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان لوگوں پر سخت چیخ کا اور زلزلہ کا عذاب آیا۔ اسی کو فرمایا: (فَعَقَرُوْهَا فَأَصْبَحُوْا نَادِمِيْنَ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ) (سو انہوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر پشیمان ہوئے پھر عذاب نے ان کو پکڑ لیا)۔ (انوار البیان)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ لُوْطٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ مَا أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ اَيِ النَّاسِ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ ؕ اَیْ اَقْبَالِهِنَّ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ عَنْ اِنْكَارِكَ عَلَيْنَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ مِنْ بَلْدَتِنَا قَالَ لُوْطٌ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ اَلْمُبْغِضِيْنَ رَبِّ نَجِّنِيْ وَ أَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ اَیْ مِنْ عَذَابِهٖ فَنَجَّيْنٰهُ وَ أَهْلَهٗ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ إِلَّا عَجُوْزًا اِمْرَأَتَهٗ فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلْبَاقِيْنَ اَهْلَكْنَاهَا ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَهْلَكْنَاهُمْ وَ أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ حِجَارَةً مِنْ جُمْلَةِ الْاِهْلَاكِ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ مَطَرُهُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ إِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۸ ۱۲

ترجمہ: قوم لوطؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری طاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) لڑکوں سے فعل بد کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیبیاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو (نہ حلال کا خیال نہ حرام کا) وہ لوگ کہنے لگے اے لوط! اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو تم ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے (لوطؑ نے) کہا۔ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت کرتا ہوں۔ (لوطؑ نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار مجھے اور میرے متعلقین کو اس کام (کے وبال) سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہنے والوں میں رہ گئی (اور وہ حضرت لوطؑ کی بیوی وابلہ تھی) پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو کیسا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا۔ جن کو (عذاب الٰہی) سے ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان میں سے اکثر

لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا بڑا رحم والا ہے۔

تفسیر مقبولین

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

سیدنا حضرت لوط علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ نہر اردن کے قریب تھیں یہ لوگ فحش کام کرنے والے تھے یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ اعراف اور سورۂ ھود اور یہاں سورۂ شعراء میں بیان فرمایا ہے، ان سے پہلے یہ عمل کسی قوم نے نہیں کیا تھا نیز یہ لوگ ڈاکہ زنی بھی کرتے تھے جیسا کہ سورۂ عنکبوت (ع ۳) میں مذکور ہے (وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ) (اور تم راہزنی کرتے ہو) حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اچھی طرح سے سمجھایا اور برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے، کہنے لگے اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکال دو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاک باز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے از راہ تمسخر کہی تھی۔

یہاں سورۂ شعراء میں یہ بھی ہے: قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ برابر اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ، ان پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مصیبت مل گئی، سورۂ انعام اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فرمایا ہے (کہ ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسا دی) سورۂ ھود اور سورۂ حجر میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی زمین کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ کر دیا یعنی زمین کا تختہ الٹ دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسا دیئے نیز سورۂ حجر میں یہ بھی ہے کہ سورج نکلتے نکلتے ان کو چیخ نے پکڑ لیا، خلاصہ یہ ہے کہ ان پر تینوں طرح کا عذاب آیا اور ہلاک اور برباد کر دیئے گئے، لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات مل گئی ہاں ایک بڑھیا جو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی انہیں لوگوں میں سے رہ گئی جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہو گئی تفصیل کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ سورۂ اعراف سورۂ ھود سورۂ حجر میں گزر چکا ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِحَذْفِ الْهَمْزَةِ وَالْقَاءِ حَرَكَتِهَا عَلَى اللَّامِ وَ فَتْحِ الْهَاءِ هِيَ غَيْضَةُ شَجَرٍ قُرْبَ مَدْيَنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ لَمْ يَقُلْ اَخُوْهُمْ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ ما

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۸۰﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ أَتِمُّوهُ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۱۸۱﴾ النَّاقِصِينَ وَزِنُوا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿۱۸۲﴾ الْمِيزَانِ السَّوِيِّ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ لَا تَنْقُصُوهُمْ مِنْ حَقِّهِمْ
شَيْئًا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۸۳﴾ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ أَفْسَدَ وَمُفْسِدِينَ حَالٌ
مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنٰى عَامِلِهَا تَعْثَوْا وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْخَلِيقَةَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ
مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ إِنَّهٗ
نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا بِسُكُونِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا قِطْعَةً مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۸۷﴾ فِي رِسَالَتِكَ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَيُجَازِيكُمْ بِهٖ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ
عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ هِيَ سَحَابَةٌ أَظَلَّتْهُمْ بَعْدَ حَرٍّ شَدِيدٍ أَصَابَهُمْ فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ نَارًا فَاحْتَرَقُوا إِنَّهٗ
كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
ع ۱۰/۱۶/۱۴ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: اصحاب الایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا (دوسری قراءت میں ایکہ کے ہمزہ کو حذف کر کے اس کا اعراب لام کو دیتے ہیں اور ھا کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور یہ مدین کے قریب درختوں کا ایک جھنڈ ہے) جب کہ ان سے شعیبؑ نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں (دوسرے انبیاءؑ کی طرح یہاں اخوھم شعیب نہیں کہا۔ بلکہ صرف شعیب کہا وہ اس وجہ سے کہ حضرت شعیب ان کے قبیلہ اور خاندان میں سے نہیں تھے) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور (قتل و غارت گری کے ذریعہ) ملک میں فسادات مت مچایا کرو (عثی عین کے کسرہ کے ساتھ افسد کے معنی میں مفسدین حال مؤکدہ ہے۔ جس میں عامل تعثوا کا معنی ہے) اور اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا جادو کر دیا ہے اور تم تو ہماری طرح محض ایک معمولی آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا گراؤ۔ اگر تم (اپنی رسالت میں) سچے ہو۔ (کسفاً میں س کو ساکن اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے جس کے معنی ٹکڑا کے ہیں اور ان نظنک میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم انہ محذوف ہے۔ شعیبؑ نے) کہا کہ میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو تم کرتے

رہتے ہو (اور اس پر جزاء وسزا بھی وہی دے گا) پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ سو انہیں پکڑ لیا سائبان والے دن کے عذاب نے (ہوا یہ کہ شدید ترین گرمی کے بعد بادل آیا۔ جو سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن ہو گیا۔ جب سب کے سب اس سایہ کے نیچے جمع ہو گئے تو پھر ان پر آگ کی بارش ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں سب جل کر راکھ ہو گئے) بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی لوگوں کیلئے عبرت ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا بڑا رحم والا ہے۔

تفسیر مقبولین

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾

حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے کفر کے علاوہ ان میں جو دوسرے معاصی رواج پذیر تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے بھاؤ طے ہو جانے کے بعد جب خریدار کو ناپ کر یا تول کر سودا دیتے تھے تو کمی کر دیتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول امین ہوں اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور زمین میں فساد نہ کرو، یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے تکے جواب دیتے رہے ناپ تول میں کمی کرنے سے جو انہیں منع فرمایا تھا اس کے بارے میں کہنے لگے: (يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا) (اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے تھے اور یہ کہ ہم اپنی مرضی سے اپنے مالوں میں تصرف نہ کریں) مطلب یہ تھا ہمارے مال ہیں جو چاہیں کریں کم تولیں کم ناپیں اس سے کیا غرض ہے۔ جب انسان یہ بھول جاتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں میں اور میرا مال اللہ ہی کی ملکیت ہے تو اس طرح کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے میاں جاؤ تمہاری ایسی ہی باتیں ہیں تم پر کسی نے تگڑا جادو کر دیا ہے۔ اور تم ہو بھی ہمارے جیسے ایک آدمی، ہم تم کو کیسے نبی مانیں، ہمارے خیال میں تم تو جھوٹوں میں ہو، اور یہ جو تم بار بار عذاب آنے کی رٹ لگاتے ہو اس سے ہم پر کچھ بھی اثر ہونے والا نہیں، اگر عذاب کی بات سچی ہے یوں ہی دھمکی نہیں ہے تو عذاب لا کر دکھا دو، چلو آسمان سے ہم پر ایک ٹکڑا گرا دو، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عذاب کا لانے والا نہیں ہوں اور میں اس کی کیفیت کی تعیین بھی نہیں کر سکتا۔ تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے تم پر کب عذاب آئے گا اور کس طرح عذاب آئے گا یہ سب اسی کے علم میں ہے بہر حال تمہارے اعمال عذاب کی دعوت دینے والے ہیں۔ لوگوں کی سرکشی بڑھتی گئی اور راہ راست پر نہ آئے اور ان پر عذاب آ ہی گیا اور الظلہ (سائبان) کے عذاب سے ہلاک ہوئے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ

جب عذاب آنے کا وقت قریب آ ہی گیا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی بھیج دی لہٰذا وہ گھروں کو چھوڑ کر درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جس کے سایہ میں پناہ لینے کے لیے ایک جگہ جمع ہو گئے جب سب اکٹھے ہو گئے تو وہیں پر جلا دیئے گئے، روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیج دی جو ان سب کو کھا گئی یہ ان کا منہ مانگا عذاب تھا انہوں نے کہا کہ ہم پر آسمان سے ٹکڑا گرا دو، لہٰذا آسمان ہی کی طرف سے بادل نظر آیا اور اسی کے سایہ میں جل کر بھسم ہو گئے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (بلاشبہ یہ بڑے دن کا عذاب تھا)۔

فائدہ: جھاڑیوں والے جنگل کو کہا جاتا ہے یہ لوگ ایسے جنگل میں رہتے تھے جس میں جھاڑیاں تھیں اور گھنے درخت تھے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ: اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ فرمایا اور اخوھم نہیں فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم میں سے نہ تھے ہاں اصحاب مدین کے بارے میں (اَخَاهُمْ شُعَيْبًا) فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نسب اور خاندان کے اعتبار سے انہیں میں سے تھے۔

وَ اِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ جِبْرِیْلُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ بَیِّنٍ وَفِی قِرَاءَةٍ بِتَشْدِیْدِ نَزَّلَ وَ نَصَبِ الرُّوْحِ وَالْفَاعِلُ اللّٰہُ وَ اِنَّهٗ اَیْ ذِکْرُ الْقُرْاٰنِ الْمُنَزَّلِ عَلٰی مُحَمَّدٍ لَفِيْ زُبُرِ کُتُبِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ کَالتَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ لِکُفَّارِ مَکَّۃَ اٰيَةً عَلٰی ذٰلِکَ اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ کَعَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِہٖ مِمَّنْ اٰمَنُوْا فَاِنَّھُمْ یُخْبِرُوْنَ بِذٰلِکَ وَیَکُنْ بِالتَّحْتَانِیَّۃِ وَنَصَبِ اٰیَۃً وَبِالْفَوْقَانِیَّۃِ وَرَفْعِ اٰیَۃٌ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝ جَمْعُ اَعْجَمَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ اَیْ کُفَّارِ مَکَّۃَ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَنَفَۃً مِنْ اِتِّبَاعِہٖ كَذٰلِكَ اَیْ مِثْلَ اِدْخَالِنَا التَّکْذِیْبَ بِہٖ بِقِرَاءَۃِ الْاَعْجَمِ سَلَكْنٰهُ اَدْخَلْنَا التَّکْذِیْبَ بِہٖ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ اَیْ کُفَّارِ مَکَّۃَ بِقِرَاءَۃِ النَّبِیِّ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ لِنُؤْمِنَ فَیُقَالُ لَھُمْ لَا قَالُوْا مَتٰی ھٰذَا الْعَذَابُ قَالَ تَعَالٰی اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اَخْبِرْنِیْ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مِنَ الْعَذَابِ مَآ اِسْتِفْھَامِیَّۃٌ بِمَعْنٰی اَیُّ شَیْءٍ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ فِیْ دَفْعِ الْعَذَابِ اَوْ تَخْفِیْفِہٖ اَیْ لَمْ یُغْنِ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ رُسُلٌ تُنْذِرُ اَھْلَھَا ذِكْرٰى عِظَۃً لَھُمْ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فِیْ اِھْلَاکِھِمْ بَعْدَ اِنْذَارِھِمْ وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْمُشْرِکِیْنَ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ

بِالْقُرْاٰنِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ يَصْلُحُ لَهُمْ اَنْ يَّنْزِلُوْا بِهٖ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ ذٰلِكَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ
لِكَلَامِ الْمَلَائِكَةِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ مَحْجُوْبُوْنَ بِالشُّهُبِ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ
الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ الَّذِيْ دَعَوْكَ اِلَيْهِ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَهُمْ بَنُوْ هَاشِمٍ وَبَنُوْا
الْمُطَّلِبِ وَقَدْ اَنْذَرَهُمْ جِهَارًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ اَلِنْ جَانِبَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ اَلْمُوَحِّدِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ اَيْ عَشِيْرَتُكَ فَقُلْ لَهُمْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾
مِنْ عِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ وَتَوَكَّلْ بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ اَللّٰهِ اَيْ فَوِّضْ اِلَيْهِ جَمِيْعَ اُمُوْرِكَ
الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ اِلَى الصَّلٰوةِ وَتَقَلُّبَكَ فِيْ اَرْكَانِ الصَّلٰوةِ قَائِمًا وَقَاعِدًا وَرَاكِعًا وَسَاجِدًا
فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اَيِ الْمُصَلِّيْنَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ عَلٰى مَنْ
تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ كَذَّابٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ فَاجِرٍ
مِثْلِ مُسَيْلِمَةَ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْكَهَنَةِ يُّلْقُوْنَ اَيِ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ اَيْ مَا سَمِعُوْهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَى الْكَهَنَةِ
وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ يَضُمُّوْنَ اِلَى الْمَسْمُوْعِ كِذْبًا كَثِيْرًا وَكَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ حُجِبَتِ الشَّيَاطِيْنُ عَنِ
السَّمَاءِ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ فِيْ شِعْرِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ بِهٖ يَرْوُوْنَ عَنْهُمْ فَهُمْ مَذْمُوْمُوْنَ اَلَمْ تَرَ
تَعْلَمْ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ مِنْ اَوْدِيَةِ الْكَلَامِ وَفُنُوْنِهٖ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ يَمْضُوْنَ فَيُجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ مَدْحًا وَهِجَاءً
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ فَعَلْنَا مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اَيْ يَكْذِبُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الشُّعَرَاءِ
وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اَيْ لَمْ يَشْغَلْهُمُ الشِّعْرُ عَنِ الذِّكْرِ وَّانْتَصَرُوْا بِهَجْوِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
ظُلِمُوْا بِهَجْوِ الْكُفَّارِ لَهُمْ فِيْ جُمْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَيْسُوْا مَذْمُوْمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ
بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَسَيَعْلَمُ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا مِنَ الشُّعَرَاءِ وَغَيْرِهِمْ اَيَّ مُنْقَلَبٍ مَرْجِعٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ يَرْجِعُوْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ ع ۱۱ ۳۶ ۱۵

ترجمہ: اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین (جبرئیلؑ) نے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں (ایک قراءت میں نزل تشدید کے ساتھ ہے۔ اور

روح کو نصب اور فاعل اللہ ہے) اور بے شک اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں (مثلاً توریت وانجیل وغیرہ) میں ہے۔ کیا ان (کفار مکہ) کیلئے یہ بات دلیل نہیں کہ اس (پیشین گوئی) بنی اسرائیل (جیسے عبداللہ بن اسلام اور ان کے اصحاب جن پر انہیں اعتماد ہے وہ) جانتے ہیں (اور اس کے متعلق انہیں اطلاع بھی دیتے رہتے ہیں۔ یکن یاء اور تاء کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ اسی طرح آیۃ کو رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کرتے۔ پھر وہ ان (کفار مکہ) کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا۔ جب بھی یہ لوگ اسے (عناد کی وجہ سے) نہ مانتے (جس طرح ہم نے اان کے دلوں میں انکار ڈال رکھا ہے۔ اعجمی کی قراءت کی صورت میں) ہم نے اسی طرح اس (انکار اور ایمان نہ لانے) کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر (اس وقت) کہیں گے کہ کیا اب ہمیں مہلت مل سکتی ہے (تاکہ ہم ایمان لے آئیں۔ کہا جائے گا ہرگز نہیں اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وہ عذاب ارشاد ہے کہ) یہ لوگ ہمارے عذاب (کون کراس) کی کیا جلدی چاہتے ہیں۔ ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ آ جائے تو ان کا عیش ان کے کیا کام آ سکتا ہے (عذاب کو روکنے یا اس کو ہلکا کرنے میں ما اغنی میں ما استفہامیہ معنی میں ای شی کے ہے) اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آ چکے (جنہوں نے وہاں کے باشندوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا) اور ہم کوئی ظلم کرنے والے تو تھے نہیں (کہ قبل از وقت بغیر کسی تخویف کے انہیں ہلاک کر دیتے۔ آگے کی آیت ان مشرکین کے رد میں ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن (العیاذ باللہ) شیطان کی جانب سے ہے) اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ ان کے بس کی بات۔ وہ تو (وحی آسمانی کے) سننے سے محروم کئے جا چکے ہیں (اور اگر وہ سننے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے انگارے برسائے جاتے ہیں) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریئے۔ ورنہ (اگر آپ نے ایسا کیا تو) آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی اور اپنے کنبہ کے عزیزوں (مثلاً بنو ہاشم و بنو مطلب وغیرہ) کو ڈراتے رہیے۔ اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ ان کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے۔ اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے (جو تم غیر اللہ کی پرستش کرتے ہو اس سے) بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر و رحیم پر توکل رکھئے (اور اپنے سارے امور اس کے سپرد کر دیجئے۔ وَتَوَکَّلْ اور فَتَوَکَّلْ دونوں طرح قراءت ہے) جو آپ کو جب آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ (قیام وقعود اور رکوع و سجود میں) آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا رہتا ہے۔ بے شک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (اے کفار مکہ) کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں (تنزل اصل میں تتنزّل تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا) وہ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار (مثلاً مسیلمہ اور دوسرے کاہنوں) پر لا ڈالتے ہیں (یہ شیاطین) سنی ہوئی بات (جو کچھ وہ فرشتوں سے سن لیتے ہیں) اور ان میں سے اکثر

جھوٹے ہی ہوتے ہیں (کیونکہ یہ شیاطین فرشتوں سے سنی ہوئی باتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرکے کاہنوں تک پہنچاتے ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ شیاطین کو آسمان پر آنے جانے کی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی) اور شاعروں کی پیروی تو بے راہ لوگ کرتے ہیں (یہ کفار بھی شاعروں کی باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اسی کو نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان شاعروں کی مذمت کی گئی جو بے سروپا باتیں کرتے ہیں) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ تو (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں (اور کسی کی تعریف یا تنقیص میں حد سے آگے گزر جاتے ہیں) اور وہ باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔ البتہ جو (شعرائ) لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بدلہ لیا (کفار کی ہجو کرکے) بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (کفار کی جانب سے ہجو کے نتیجہ میں جو ان کی اور جملہ مؤمنین کی گئی۔ تو اس صورت میں یہ برے نہیں کہلائیں گے۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے کہ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کو ظاہر کرنا۔ مگر جس پر ظلم ہو چکا ہو اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس سے بدلہ لے سکتے ہو برابر سرابر) اور عنقریب ان (شعراء وغیر شعراء) کو معلوم ہو جائے گا۔ جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ (مرنے کے بعد) کسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: طَوْقِ الْقَمِيْصِ : کیونکہ وہ اونی جبہ تھا۔

قوله: وَقَدِ : اس کو مقدر ماننا تاکہ ماضی حال بن سکے۔

قوله: رَاجِعُ اِلَى الْجُحُدِ : یہ علت کی وجہ سے منصوب ہیں جحد وافعل سے نہ کہ استیفنتہا سے۔

تفسیر مقبولین

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾

سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کا ذکر آیا تھا وہی ذکر پھر تفصیلاً بیان ہو رہا ہے کہ یہ مبارک کتاب قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ روح الامین سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جن کے واسطے سے یہ وحی سرورِ رسل علیہ السلام پر اتری ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت: (قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ) (البقرۃ: ۹۷) یعنی اس قرآن کو بحکم الٰہی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تیرے دل پر نازل فرمایا ہے۔ جبریل امین جو ہمیشہ اللہ پاک کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے نور وحی لانے کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آپ کو ان دونوں وصفوں روح اور امین کے ساتھ ذکر فرمایا

گیا ہے۔ اس لیے کہ وحی روح کی غذا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ: 52) سو اسی لیے اس کو لانے والے فرشتے - جبریل - کو بھی روح سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور امین اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے وحی خداوندی کی اس امانت کے لانے میں پوری دیانت و امانت سے کام لیا۔ اس میں کسی طرح کی کوئی خیانت نہیں کی۔ سو یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ وحی کے نور سے محروم ہیں وہ دراصل زندہ نہیں مردہ ہیں۔ اگرچہ وہ فضاؤں میں اڑتے اور سمندروں کی تہوں میں اترتے ہوں۔ بہر کیف اس کلام مجید کو روح الامین لیکر اترے ہیں۔ یہ قرآن اگلی تمام الہامی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ یہ فرشتہ ہمارے ہاں ایسا مکرم ہے کہ اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس سے روح الامین بولے اسے زمین نہیں کھاتی۔ اس بزرگ با مرتبہ فرشتے نے جو فرشتوں کا سردار ہے تیرے دل پر اس پاک اور بہتر کلام اللہ کو نازل فرمایا ہے جو ہر طرح کے میل کچیل سے کمی زیادتی سے نقصان اور کجی سے پاک ہے۔ تاکہ تو اللہ کے مخالفین کو گنہگاروں کو اللہ کی سزا سے بچاؤ کرنے کی رہبری کر سکے۔ اور تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی مغفرت و رضوان کی خوشخبری پہنچا سکے۔ یہ کھلی فصیح عربی زبان میں ہے۔ تاکہ ہر شخص سمجھ سکے پڑھ سکے۔ کسی کا عذر باقی نہ رہے اور ہر ایک پر قرآن کریم اللہ کی حجت بن جائے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہ کہہ اٹھے یا رسول اللہ ﷺ آپ تو کمال درجے کے فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی، قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے فرمان ہے آیت: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء: ۱۹۵) امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وحی عربی میں اتری ہے یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لیے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی (ابن ابی حاتم)

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

بشارت و تصدیق یافتہ کتاب:

فرماتا ہے کہ اللہ کی اگلی کتابوں میں بھی اس پاک اور اللہ کی آخری کلام کی پیشینگوئی اور اس کی تصدیق و صفت موجود ہے۔ اگلے نبیوں نے بھی اس کی بشارت دی یہاں تک کہ ان تمام نبیوں کے آخری نبی جن کے بعد حضور علیہ السلام تک اور کوئی نبی نہ تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جمع کر کے جو خطبہ دیتے ہیں اس میں فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو اگلی کتابوں کو سچانے کے ساتھ ہی آنے والے حضرت محمد ﷺ کی بشارت تمہیں سناتا ہوں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے یہاں زبر کا لفظ کتابوں کے معنی میں ہے جیسے فرمان ہے۔: (وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ (القمر: ۵۲) جو کچھ یہ کر رہے ہیں سب کتابوں میں تحریر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ سمجھیں اور ضد اور تعصب نہ کریں تو قرآن کی حقانیت پر یہی دلیل کیا کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء اسے مانتے ہیں۔ ان میں سے جو حق گو اور بے تعصب ہیں وہ توراۃ کی ان آیتوں کا لوگوں پر کھلے عام ذکر کر رہے ہیں جن میں حضور ﷺ کی بعثت قرآن کا ذکر اور

آپ کی حقانیت کی خبر ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور ان جیسے حق گو حضرات نے دنیا کے سامنے توراۃ وانجیل کی وہ آیتیں رکھ دیں جو حضور ﷺ کی شان والا شان کو ظاہر کرنے والی تھیں۔ اس کے بعد کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس فصیح وبلیغ جامع بالغ حق کلام کو ہم کسی عجمی پر نازل فرماتے پھر بھی کوئی شک ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ ہمارا کلام ہے مگر مشرکین قریش اپنے کفر اور اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس وقت بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر آسمان کا دروازہ بھی ان کے لیے کھول دیا جاتا اور یہ خود چڑھ کر جاتے تب بھی یہی کہتے ہمیں نشہ پلا دیا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور آیت میں ہے اگر ان کے پاس فرشتے آجاتے اور مردے بول اٹھتے تب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ان پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا، عذاب ان کا مقدر ہو چکا اور ہدایت کی راہ مسدود کر دی گئی۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون (وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعراء: ۱۹۳) کی تکمیل وتتمیم فرماتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبرائیل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد وصلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاک باز، صادق، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔ (لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ) (الحشر: ۲۱) روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی جن آکر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور ﷺ کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿﴾ عشیرہ کے معنے کنبہ اور خاندان اقربیٰ کی قید سے ان میں سے بھی قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر تبلیغ رسالت اور انذار پوری امت کے لیے فرض ہے اس جگہ خاندان کے لوگوں کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟ غور کیا جائے تو اس میں تبلیغ ودعوت کے آسان اور موثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا گیا ہے جس کے آثار دوررس ہیں۔ وہ یہ کہ اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگ اپنے سے قریب ہونے کی بناء پر اس کے حقدار بھی ہیں کہ ہر خیر اور اچھے کام میں ان کو دوسروں سے مقدم کیا جائے اور باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بناء پر ان میں کوئی جھوٹا دعویدار نہیں کھپ سکتا اور جس کی سچائی اور اخلاقی برتری خاندان کے لوگوں میں معروف ہے اس کی سچی دعوت قبول کر لینا ان کے لیے آسان بھی ہے اور قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی تحریک کے حامی بن گئے تو ان کی اخوت وامداد بھی پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہے وہ خاندان جمعیت کے اعتبار سے بھی ان کی تائید واخوت پر مجبور ہوتے ہیں اور جب قریبی رشتہ داروں، عزیزوں کا ایک ماحول حق وصداقت کی بنیادوں پر تیار ہوگیا تو روز مرہ کی زندگی میں ہر ایک کو دین کے احکام پر عمل کرنے مین بہت

سہولت ہو جاتی ہے اور پھر ایک مختصری طاقت تیار ہو کر دوسروں تک دعوت و تبلیغ کے پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اس میں اہل وعیال کے جہنم سے بچانے کی ذمہ داری خاندان کے ہر ہر فرد پر ڈال دی گئی ہے جو اصلاح اعمال واخلاق کا آسان اور سیدھا راستہ ہے اور غور کیا جائے تو کسی انسان کا خود اعمال واخلاق صالحہ کا پابند ہونا اور پھر اس پر قائم رہنا اس وقت تک عادۃً ممکن نہیں ہوتا جب تک اس کا ماحول اس کے لیے سازگار نہ ہو، سارے گھر میں اگر ایک آدمی نماز کی پوری پابندی کرنا چاہے تو اس پکے نمازی کو بھی اپنے حق کی ادائیگی میں مشکلات حائل ہوں گی۔ آج کل جو حرام چیزوں سے بچنا دشوار ہو گیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ فی الواقع اس کا چھوڑنا کوئی بڑا مشکل کام ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ سارا ماحول ساری برادری جب ایک گناہ میں مبتلا ہے تو اکیلے ایک آدمی کو بچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے تمام خاندان کے لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سنایا اس وقت اگرچہ لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ خاندان کے لوگوں میں اسلام وایمان داخل ہونا شروع ہو گیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے اسلام کو ایک بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝

شعر کی تعریف:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کیے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی شعر وغزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لیے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں مقفّٰی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن: بَلْ هُوَ شَاعِرٌ، شَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ، شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور ﷺ کو وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا، اس لیے کہ وہ شعر کے طرز وطریق سے واقف تھے اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ فصیح وبلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنے یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے۔ مقصد ان کا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے ادلہ کاذبہ کو ادلہ شعریہ کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اس آیت میں شعر کے اصطلاحی اور معروف معنے ہی مراد ہیں۔ یعنی موزوں ومقفّٰی کلام کہنے والے، اس کی تائید فتح الباری کی روایت سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت اور کعب بن مالک جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے سرکار دوعالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدائے ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آیت کے آخری

حصہ کو پڑھو۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لیے نہیں ہوتے اس لیے تم اس استثناء میں داخل ہو جو آخر آیت میں مذکور ہے اس لیے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں کیونکہ گمراہ لوگ سرکش شیطان اور نافرمان جن ان ہی کے اشعار کی اتباع کرتے تھے اور روایت کرتے تھے۔ (کمافی فتح الباری)

شریعت اسلام میں شعر و شاعری کا درجہ:

آیات مذکورہ کے شروع سے شعر و شاعری کی سخت مذمت اور اس کا عنداللہ مبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے مگر آخر سورت میں جو استثناء مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ شعر مطلقاً برا نہیں بلکہ جب جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کے ذکر سے روکنا یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت اور توہین ہو یا فحش کلام اور فواحش کے لیے محرک ہو وہ مذموم و مکروہ ہے اور جو اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے: اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ.... کے ذریعہ مستثنیٰ فرما دیا ہے اور بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اطاعت و ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے کہ ان من الشعر حکمة یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ (رواہ البخاری) حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حکمت سے مراد سچی بات ہے جو حق کے مطابق ہو۔ ابن بطال نے فرمایا جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کا ذکر، اسلام سے الفت کا بیان ہو وہ شعر مرغوب و محمود ہے اور حدیث مذکور میں ایسا ہی شعر مراد ہے اور جس شعر میں جھوٹ اور فحش بیان ہو وہ مذموم ہے اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے (۱) عمر بن الشرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے امیہ بن ابی الصلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے (۲) مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمران بن حصین کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے (۳) طبری نے کبار صحابہ اور کبار تابعین کے متعلق کہا کہ وہ شعر کہتے تھے سنتے تھے اور سناتے تھے (٤) امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ شعر کہا کرتی تھیں (٥) ابویعلی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور مضمون برا یا گناہ کا ہے تو شعر برا ہے۔ (فتح الباری)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، مشہور قادر کلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابوعمرو نے فرمایا ہے کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کو اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاری نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے: لان یمتلیٔ جوف رجل قیحا یریه خیر من ان یمتلیٔ شعرًا، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے

نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آ جائے اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر عدی بن نضلہ کو ان کے عہدہ سے اس لیے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمرو بن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے توبہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے:

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر اتباع کرنے والوں کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کے فعل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا؟ وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی میں اس متبوع کے اتباع کا دخل ہو مثلاً متبوع کو جھوٹ اور غیبت سے بچنے بچانے کا اہتمام نہیں ہے اس کی مجلس میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع کو بھی جھوٹ اور غیبت کی عادت پڑ گئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت قرار دیا جائے گا لیکن اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ سے اور اتباع کسی دوسری وجہ سے ہو تو یہ تابع کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور ان میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا انہیں میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم

سُوْرَةُ النَّمْلِ

سُوْرَةُ النَّمْلِ ۲۷ مَكِّيَّةٌ ۴۸ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۹۳ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ نمل مکہ میں اتری — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ اَىْ اٰيَاتٌ مِنْهُ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱
مُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ هُوَ هُدًى اَىْ هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲
الْمُصَدِّقِيْنَ بِهٖ بِالْجَنَّةِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ يَاْتُوْنَ بِهَا عَلٰى وَجْهِهَا وَ يُؤْتُوْنَ يُعْطُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ يَعْلَمُوْنَهَا بِالْاِسْتِدْلَالِ وَ اُعِيْدَ هُمْ لِمَا فُصِلَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْخَبَرِ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ الْقَبِيْحَةَ بِتَرْكِيْبِ الشَّهْوَةِ حَتّٰى رَاَوْهَا حَسَنَةً فَهُمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝۴ يَتَحَيَّرُوْنَ فِيْهَا لِقُبْحِهَا عِنْدَنَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَشَدُّهٗ فِى الدُّنْيَا الْقَتْلُ
وَالْاِسْرُ وَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ وَ اِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ اَىْ يُلْقٰى عَلَيْكَ بِشِدَّةٍ مِنْ لَّدُنْ عِنْدِ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ فِىْ
ذٰلِكَ اُذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ زَوْجَتِهٖ عِنْدَ مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ اِلٰى مِصْرَ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ اَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيْدٍ
نَارًا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عَنْ حَالِ الطَّرِيْقِ وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ بِالْاِضَافَةِ لِلْبَيَانِ
وَتَرْكِهَا اَىْ شُعْلَةِ نَارٍ فِىْ رَاْسِ فَتِيْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ
صَلِىَ بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَ فَتْحِهَا تَسْتَدْفِئُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِىَ اَنْ اَىْ بِاَنْ بُوْرِكَ اَىْ بَارَكَ
اللّٰهُ مَنْ مَنْ فِى النَّارِ اَىْ مُوْسٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا اَىِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْعَكْسُ وَبَارَكَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَ
بِالْحَرْفِ وَيُقَدَّرُ بَعْدُ فِىْ مَكَانٍ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸ مِنْ جُمْلَةِ مَا نُوْدِىَ وَمَعْنَاهُ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ مِنَ

السُّوْءِ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَيِ الشَّانُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ﴿۹﴾ وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ
تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ حَيَّةٌ خَفِيْفَةٌ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يَرْجِعُ قَالَ تَعَالٰى يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۟
مِنْهَا اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ عِنْدِيْ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ مِنْ حَيَّةٍ وَغَيْرِهَا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ثُمَّ
بَدَّلَ حُسْنًاۢ اَتَاهُ بَعْدَ سُوْٓءٍ اَيْ تَابَ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَاَغْفِرُ لَهٗ وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ
جَيْبِكَ طَوْقِ الْقَمِيْصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا مِنَ الْاُدْمَةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۟ بَرَصٍ لَهَا شُعَاعٌ
يَغْشَى الْبَصَرَ اٰيَةً فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ مُرْسَلًا بِهَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا
جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً اَيْ مُضِيْئَةً وَاضِحَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ وَ جَحَدُوْا بِهَا اَيْ
لَمْ يُقِرُّوْا وَ قَدِ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ اَيْ تَيَقَّنُوْا اَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ تَكَبُّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ بِمَا
ع ۱۴ ۱۶ جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى رَاجِعٌ اِلَى الْجَحْدِ فَانْظُرْ يَا مُحَمَّدُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ اَلَّتِيْ عَلِمْتَهَا مِنْ
اِهْلَاكِهِمْ

ترجمہ: طس، (خدا تعالیٰ جانتا ہے اس کی مراد) یہ آیات ہیں قرآن کی، اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی۔ (جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ قرآن کا عطف کتاب مبین کے اوپر صفت کی زیادتی کی وجہ سے کیا گیا یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن اور کتاب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ پھر اس عطف کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس کا جواب ہے کہ اگرچہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ مگر جب معطوف علیہ سے معطوف میں زیادہ صفت پائے جاتے ہیں اور اس سے معطوف علیہ کی وضاحت ہوتی ہو تو اس صورت میں عطف مفید ہوتا ہے) ہدایت یعنی راستہ دکھانے والی اور خوشخبری ہیں اہل ایمان کے لیے۔ (خوشخبری یہ ہے کہ یہ جنت کی تصدیق کرنیوالی ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (اور دلائل کے ساتھ اس کا علم رکھتے ہیں۔ ضمیر ھم دو مرتبہ لانے کی وجہ لکھتے ہیں کہ ھم مبتداء اور اس کی خبر یوقنون کے درمیان بالآخرۃ کا فصل آ گیا تھا۔ اس وجہ سے پھر دوبارہ فرمایا گیا ھم یوقنون) ۔ اور بیشک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے۔ جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ بلاشبہ مجھے آگ نظر آئی ہے (اور ہم جو راستہ بھول گئے ہیں تو راستہ کی صحیح تفصیلات کی) میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں، یا تمہارے پاس آگ کا ایک شعلہ کسی لکڑی میں جلتا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم تاپ لو۔ (شہاب کی اضافت قبس کی جانب اس کی مزید تشریح کیلئے ہے۔ اور بعضوں نے اس اضافت کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی وہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قبس یا شہاب سے واقع ہو رہا ہے یا اس کی صفت ہے کہ ایسی آگ جو لکڑی وغیرہ میں لگی ہوئی ہو) سو

جب وہ وہاں آئے تو آواز دی گئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے یعنی موسیٰ اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے اردگرد ہیں یعنی ملائکہ یا اس کے برعکس اور بارک متعدی بنفسہ ہے اور متعدی بالحرف بھی اور فی کے بعد لفظ مکان محذوف ہے اور اللہ پاک ہے جو رب العالمین ہے اے موسیٰ بیشک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں اور تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا، سو جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر لوٹے اور مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا، اے موسیٰ تم نہ ڈرو، بلاشبہ میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرتے مگر جس نے ظلم کیا پھر اس نے گناہ کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو میں مغفرت کرنے والا ہوں رحمت والا ہوں (توبہ قبول کر کے معاف کر دیتا ہوں) اور اے موسیٰ تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو وہ بلا کسی عیب (یعنی بغیر مرض برص وغیرہ) کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں چیزیں ان نو معجزات میں سے ہیں جنہیں لے کر تمہیں فرعون کی طرف جانا ہے بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں سو جب ان کے پاس ہمارے معجزات پہنچے جو واضح تھے تو کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے نفسوں نے یقین کر لیا تھا۔ سو دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا (جیسا کہ آپ کو ان کی ہلاکت کا حال معلوم ہو چکا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: هٰذِهِ: اس سے سورت کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: كِتَابٍ مُّبِيْنٍ: اس سے لوح محفوظ مراد ہے تو آیات سے مخلوقات کی لکھی جانے والی تقادیر مراد ہیں اور یہاں قرآن مجید سے مؤخر ذکر کیا کیونکہ قرآن سے ہمیں اس کا علم ہوا ہے اور سورۂ حجر میں مقدم کیا کیونکہ وجود کے لحاظ سے وہ مقدم ہے۔ (۲) قرآن مراد ہے تو اس کا مبین ہونا حکمت و احکام کے اعتبار سے ہے اور قرآن پر اس کا عطف صفت کے عطف کی طرح ہے۔

قوله: هُدًى: هو محذوف مان کر اشارہ کیا کہ یہ خبر ہے۔

قوله: يَعْمَهُوْنَ: یعنی اس کے نتیجہ میں جو نفع و نقصان ہے اس کو پانے والے نہیں۔

قوله: الْاَخْسَرُوْنَ: جو خسارے میں بہت پڑے ہوں۔

قوله: قَبَسٍ: آگ کا شعلہ جو بڑی آگ سے لیا گیا ہو یہ مقبوس کے معنی میں وصف یا بدل ہے۔

قوله: الصلا: بڑی آگ۔

قوله: تَصْطَلُوْنَ: گرمی حاصل کرو۔

قوله: بِاَنْ بُوْرِكَ: ان مصدریہ ہے۔

قوله: بَعْدُ فِيْ مَكَانٍ: یعنی من فی مکان النار جو آگ کی جگہ میں ہے۔

قوله: مِنْ جُمْلَةِ: یعنی یہ اس میں سے ہے جو آواز دی گئی۔ مانو دی کہہ کر اشارہ کیا کہ ممکنات سے سماع کا شبہ نہ ہو۔

قوله: وَاَلْقِ عَصَاكَ: اس کا عطف بورک پر ہے ای ان الق له۔

قوله: تَتَحَرَّكُ: بے قراری والی حالت، خفیفہ یعنی تیز۔

قوله: مِنْهَا: اس کی تخصیص اس لئے کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

قوله: طَوْقِ الْقَمِيْصِ: کیونکہ وہ اونی جبہ تھا۔

قوله: وَقَدْ: اس کو مقدر مانا تا کہ ماضی حال بن سکے۔

قوله: رَاجِعٌ اِلَى الْجَحْدِ: یہ علت کی وجہ سے منصوب ہیں جحد وا فعل سے نہ کہ استیقنتها سے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ابْنَهٗ عِلْمًا ۚ بِالْقَضَاءِ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْطِقِ الطَّيْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَقَالَا شُكْرًا لِلّٰهِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَ تَسْخِيْرِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالشَّيَاطِيْنِ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ النُّبُوَّةَ وَالْعِلْمَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ اَيْ
فَهْمَ اَصْوَاتِهٖ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ يُؤْتَاهُ الْاَنْبِيَاءُ وَالْمُلُوْكُ اِنَّ هٰذَا الْمُؤْتٰى لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۞
الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ وَحُشِرَ جُمِعَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فِيْ مَسِيْرٍ لَهٗ فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ۞ يُجْمَعُوْنَ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ هُوَ بِالطَّائِفِ اَوْ بِالشَّامِ نَمْلُهٗ صِغَارٌ
اَوْ كِبَارٌ قَالَتْ نَمْلَةٌ مَلِكَةُ النَّمْلِ وَقَدْ رَاَتْ جُنْدَ سُلَيْمَانَ يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا
يَحْطِمَنَّكُمْ يُكَسِّرَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ بِهَلَاكِكُمْ نَزَلَ النَّمْلُ مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ فِي
الْخِطَابِ بِخِطَابِهِمْ فَتَبَسَّمَ سُلَيْمَانُ اِبْتِدَاءً ضَاحِكًا اِنْتِهَاءً مِّنْ قَوْلِهَا وَقَدْ سَمِعَهٗ مِنْ ثَلٰثَةِ اَمْيَالٍ حَمَلَتْهُ
الرِّيْحُ اِلَيْهِ فَحَبَسَ جُنْدَهٗ حِيْنَ اَشْرَفَ عَلٰى وَادِيْهِمْ حَتّٰى دَخَلُوْا بُيُوْتَهُمْ وَكَانَ جُنْدُهٗ رُكْبَانًا وَمُشَاةً فِيْ
هٰذَا الْمَسِيْرِ وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَلْهِمْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ
لِيَرَى الْهُدْهُدَ الَّذِيْ يَرَى الْمَاءَ تَحْتَ الْاَرْضِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ بِنَقْرِهٖ فِيْهَا فَتَسْتَخْرِجُهُ الشَّيَاطِيْنُ لِاحْتِيَاجِ
سُلَيْمَانَ اِلَيْهِ لِلصَّلٰوةِ فَلَمْ يَرَهٗ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَيْ اَعَرَضَ لِيْ مَا مَنَعَنِيْ مِنْ رُؤْيَتِهٖ اَمْ

كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝ فَلَمْ أَرَهُ لِغَيْبَتِهِ فَلَمَّا تَحَقَّقَهَا قَالَ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا أَيْ تَعْذِيْبًا شَدِيْدًا بِنَتْفِ
رِيْشِهِ وَذَنَبِهِ وَرَمْيِهِ فِي الشَّمْسِ فَلَا يَمْتَنِعُ مِنَ الْهَوَامِ أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ بِقَطْعِ حُلْقُوْمِهِ أَوْ لَيَأْتِيَنِّيْ بِنُوْنٍ
مُشَدَّدَةٍ مَكْسُوْرَةٍ أَوْ مَفْتُوْحَةٍ يَلِيْهَا نُوْنٌ مَكْسُوْرَةٌ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ عَلٰى عُذْرِهِ
فَمَكَثَ بِضَمِّ الْكَافِ وَفَتْحِهَا غَيْرَ بَعِيْدٍ أَيْ يَسِيْرًا مِنَ الزَّمَانِ وَحَضَرَ لِسُلَيْمَانَ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَاسِهِ
وَارْخَاءِ ذَنَبِهِ وَجَنَاحَيْهِ فَعَفَا عَنْهُ وَسَأَلَهُ عَمَّا لَقِيَ فِي غَيْبَتِهِ فَقَالَ أَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ أَيْ اِطَّلَعْتُ
بِمَا لَمْ تَطَّلِعْ عَلَيْهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهِ قَبِيْلَةٌ بِالْيَمَنِ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهُمْ بِاعْتِبَارِهِ
صُرِفَ بِنَبَإٍ بخبر يَّقِيْنٍ ۝ إِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ أَيْ هِيَ مَلِكَةٌ لَهُمْ اِسْمُهَا بِلْقِيْسُ وَأُوْتِيَتْ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ تَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمُلُوْكُ مِنَ الْآلَةِ وَالْعُدَّةِ وَّلَهَا عَرْشٌ سَرِيْرٌ عَظِيْمٌ ۝ طُوْلُهُ ثَمَانُوْنَ
ذِرَاعًا وَعَرْضُهُ أَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَارْتِفَاعُهُ ثَلٰثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ وَالْيَا
قُوْتِ الْأَحْمَرِ وَالزَّبَرْجَدِ الْأَخْضَرِ وَالزُّمُرُّدِ وَقَوَائِمُهُ مِنَ الْيَاقُوْتِ الْأَحْمَرِ وَالزَّبَرْجَدِ الْأَخْضَرِ وَالزُّمُرُّدِ
عَلَيْهِ سَبْعَةُ بُيُوْتٍ عَلٰى كُلِّ بَيْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ طَرِيْقِ الْحَقِّ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ أَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ أَيْ
أَنْ يَسْجُدُوْا لَهُ فَزِيْدَتْ لَا وَأُدْغِمَ فِيْهَا نُوْنُ أَنْ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ وَالْجُمْلَةُ فِيْ
مَوْضِعِ مَفْعُوْلِ يَهْتَدُوْنَ بِإِسْقَاطِ إِلٰى الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَخْبُوْءِ مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ بِأَلْسِنَتِهِمْ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ اِسْتِئْنَافُ جُمْلَةِ ثَنَاءٍ مُشْتَمِلٍ عَلٰى عَرْشِ الرَّحْمٰنِ فِيْ مُقَابَلَةِ عَرْشِ بِلْقِيْسَ وَبَيْنَهُمَا
بَوْنٌ عَظِيْمٌ قَالَ سُلَيْمَانُ لِلْهُدْهُدِ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ فِيْمَا أَخْبَرْتَنَا بِهِ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ أَيْ مِنْ
هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ أَبْلَغُ مِنْ أَمْ كَذَبْتَ فِيْهِ ثُمَّ دَلَّهُمْ عَلَى الْمَاءِ فَاسْتُخْرِجَ وَارْتَوَوْا وَتَوَضَّأُوْا وَصَلَّوْا ثُمَّ كَتَبَ
سُلَيْمَانُ كِتَابًا صُوْرَتُهُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ إِلٰى بِلْقِيْسَ مَلِكَةِ سَبَإٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ثُمَّ طَبَعَهٗ بِالْمِسْكِ وَخَتَمَهٗ بِخَاتَمِهٖ
ثُمَّ قَالَ لِلْهُدْهُدِ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ اَیْ بِلْقِیْسَ وَقَوْمِهَا ثُمَّ تَوَلَّ انْصَرِفْ عَنْهُمْ قِفْ
قَرِیْبًا مِنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ یَرُدُّوْنَ مِنَ الْجَوَابِ فَاَخَذَهٗ وَاَتَاهَا وَحَوْلَهَا جُنْدُهَا فَاَلْقَاهُ فِیْ
حِجْرِهَا فَلَمَّا رَاَتْهُ ارْتَعَدَتْ وَ خَضَعَتْ خَوْفًا ثُمَّ قَالَتْ لِاَشْرَافِ قَوْمِهَا یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا بِتَحْقِیْقِ
الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ بِقَلْبِهَا وَاوًا مَكْسُوْرَ اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۹﴾ مَخْتُوْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ
وَ اِنَّهٗ اَیْ مَضْمُوْنُهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۷

ترجمہ: اور ہم نے داؤد اور (ان کے بیٹے) سلیمان کو (ایک خاص) علم (اصول حکمرانی اور پرندوں کی زبان دانی وغیرہ سے متعلق) عطا فرمایا اور وہ دونوں (خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ ساری تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہمیں (نبوت اور جن وانس اور شیاطین کو...... مسخر کرکے) اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کے جانشین (اس علم اور نبوت کے) سلیمانؑ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں (جو انبیاء اور بادشاہوں کو ملتی ہیں) عطا ہوئی ہیں۔ بے شک یہ تو خدا تعالیٰ کا کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمانؑ کیلئے ان کا لشکر جمع کیا گیا (ایک سفر میں جس میں) جن بھی (تھے) اور انسان و پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کیلئے) روکا جاتا تھا (اور سب کو اکٹھا کرکے جب صف بندی ہو جاتی تو پھر چلنے کا حکم دیا جاتا) یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹی کے میدان میں پہنچے (یہ وادی طائف یا شام میں تھی) تو ایک چیونٹی نے (جو ان سب چیونٹیوں کی سردار تھی سلیمانؑ کے لشکر کو آتا دیکھ کر) کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں (تمہارے پس جانے کی) خبر بھی نہ ہو۔ سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے (ان کی بات آپ نے تین میل پہلے سن لی تھی جسے ہوا نے آپ تک پہنچا دیا تھا یہ سن کر آپ نے اپنی فوجوں کو جب وہ اس وادی میں پہنچے روک دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے سوراخوں میں گھس گئیں۔ آپ کے اس سفر میں پیدل اور گھوڑ سوار دونوں طرح کی فوجیں تھیں) اور کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر بھی مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کروں۔ جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور اس پر بھی (مداومت دیجئے) کہ میں نیک کام کیا کروں۔ جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں (یعنی انبیاء اور اولیائ) میں داخل رکھئے اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی (تاکہ ہدہد کے بارے میں پتہ چل سکے کہ وہ موجود ہے یا نہیں۔ جو کہ زمین کے نیچے پانی تلاش کرتا اور اپنی چونچ سے اس کی نشاندہی کر دیتا تھا کہ فلاں جگہ پانی موجود ہے۔ جب نشاندہی مکمل ہو جاتی تو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی نماز وغیرہ کی ضرورت کیلئے زمین کے نیچے سے پانی نکالتے۔

حاضری لینے پر جب ہدہد نظر نہیں آیا تو سلیمان علیہ السلام) فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہے (جس کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ واقعی غیر حاضر ہے تو آپ نے فرمایا کہ) میں اسے سخت سزا دوں گا (اور یہ کروں گا کہ اس کے پر وغیرہ اکھڑوا کر سورج کی روشنی میں پھینکوا دوں گا۔ اس طرح وہ چوپایوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے گا) یا (اس کا گلا کاٹ کر) اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ (غیر حاضری کا) کوئی صاف عذر میرے سامنے پیش کرے۔ (لیاتینی. میں نون مشددہ مکسورہ ہے اور ایک قراءت کے مطابق نون مفتوحہ اور اس کے بعد ایک نون مکسورہ) سو تھوڑی ہی دیر میں وہ (سلیمان علیہ السلام کے دربار میں متواضعانہ اپنے سر کو اٹھائے ہوئے اور اپنے پر اور دم کو نیچے گراتے ہوئے) آ گیا (اس پر سلیمان علیہ السلام نے اسے معاف فرما دیا اور اس سے غیوبت کی وجہ دریافت فرمائی) تو کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں (اس کا اجمالی بیان یہ ہے) کہ میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں (سا منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح ہے۔ یہ یمن میں ایک قبیلہ ہے۔ جس کا نام اس قبیلہ کے جد امجد کے نام پر رکھا گیا ہے) میں نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ ان لوگوں پر حکومت کر رہی ہے (یعنی وہ ان کی ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے) اور اس کو (سلطنت کے لوازمات میں سے) ہر سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے (جس کا طول اسی گز اور چوڑائی چالیس گز اور اس کی اونچائی تیس گز ہے۔ اس پر سونے اور چاندی کا ملمع ہے اور قیمتی موتی یاقوت اور زمرد سے جڑا ہوا ہے اور اس کے پائے بھی یاقوت اور زمرد کے ہیں۔ اس کے اوپر سات گھر ہیں اور ہر گھر کا دروازہ بند ہے) میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما کر رکھے ہیں اور ان کو راہ حق سے روک رکھا ہے۔ چنانچہ وہ راہ ہدایت پر نہیں چلتے اور اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے (خباء مصدر ہے معنی میں مخبوء کے اور الا یسجدوا میں اصل عبارت ہے۔ ان یسجدوا. لا زائد ہے اور ان کے نون کو اس میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قول لئلا یعلم اھل الکتاب میں ہوا ہے اور یہ جملہ مفعول کی جگہ میں واقع ہے) اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو (اپنے دلوں میں) اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو (اپنی زبانوں سے) سب کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے بشکل تعریف اور بلقیس کے تخت کے مقابل میں عرش رحمٰن کا تذکرہ ہے۔ درآنحالیکہ رحمٰن اور بلقیس کے تخت میں فرق عظیم ہے) کہا (سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے) ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ (تو نے جو خبر دی ہے) تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے (ام کنت من الکاذبین. یہ زیادہ بلیغ ہے ام کذبت فیہ سے۔ پھر اس ہدہد نے پانی کی نشاندہی کی تو پانی نکالا گیا اور لوگ اس سے سیراب ہوئے۔ وضو کیا۔ پھر نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے ایک مکتوب لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ من عبد اللہ سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکۃ سبا. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. السلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد. فلا تعلوا علی واتونی مسلمین. پھر اسے مشک سے خوشبودار بنا کر اس پر آپ

نے اپنی مہر لگادی اور ہدہد سے کہا) اچھا تو میرا یہ خط لے جا اور اسے اس (بلقیس اور اس کی قوم) کے پاس ڈال دینا۔ پھر (وہاں سے ذرا) ہٹ جانا (اور دور کھڑے ہوکر) دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں (ہدہد نے اس مکتوب کو لیا اور اسے بلقیس کے کمرے میں ڈال دیا۔ جہاں اس کے لشکری بھی موجود تھے۔ بلقیس اسے دیکھ کر خوف سے لرز اٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں سے) کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک نہایت باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (یا ایھا الملاء میں دونوں ہمزہ کو باقی رکھا گیا ہے اور دوسری قراءت میں دوسرے ہمزہ کو واؤ مکسورہ سے بدل دیا گیا ہے) وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور (اس کا مضمون) یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس مطیع ہوکر چلے آؤ۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: النُّبُوَّةَ وَالْعِلْمَ: یعنی علم و نبوت کے یہی وارث بنے حالانکہ ان کے انیس بیٹوں کی بجائے۔

قولہ: عُلِّمْنَا: عُلِّمْنَا اور اُوْتِيْنَا دونوں میں ضمیر داؤد و سلیمان علیہم السلام کی طرف لوٹتی ہے۔

قولہ: فَهِمَ اَصْوَاتَهٗ: منطق سے مجازاً صورت مراد لی اور مضاف کو مقدر مانا تاکہ معنی درست ہوجائے۔

قولہ: وَقَدْرَاتْ: جب اس چیونٹی نے ان کو آتے دیکھا تو وہ وادی سے بھاگ گئی تاکہ چھاڑے بچ سکے۔

قولہ: لَا يَحْطِمَنَّكُمْ: یہ جملہ مستانفہ یا بدل ہے۔

قولہ: وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ: اگر وہ جان لیں تو ظلم ایذاء نہ پہنچائیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں گویا اس نے آپ کی عصمت پہچان لی۔

قولہ: فِيْ عِبَادِكَ: یعنی ان کی گنتی اور شمار میں۔

قولہ: اَمْ كَانَ: یہ ام منقطعہ ہے گویا آپ نے اسے دیکھا نہیں مگر حاضر گمان کیا۔

قولہ: اَوْ مَفْتُوْحَةٍ: لیا تینی۔

قولہ: سَبَاٍ: منصرف ہے جبکہ دادے کا نام ہو اور تماویل قبیلہ سے یہ غیر منصرف ہے۔

قولہ: سَرِيْرٌ عَظِيْمٌ: دوسرے تختوں کی نسبت سے بڑا۔

قولہ: سَنَنْظُرُ: یہ غور و تامل کے معنی میں ہے۔

قولہ: قَرِيْبًا مِنْهُمْ: یعنی ان سے قریبی مکان میں چھپ گیا۔

قولہ: مِنْ سُلَيْمٰنَ: یہ جملہ مستانفہ ہے جس میں اس کو بتایا یہ کس کی طرف سے ہے اور وہ کون ہے۔

تفسیر مقبولین

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾

تِلْكَ سے آیات سورت کی طرف اشارہ ہے:

کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا' لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن کو کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن حلال وحرام احکام کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور چونکہ معجز ہے اس لیے اپنے لیے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔

قرآن اور کتاب صفت کے صیغے بھی ہیں جو چیز پڑھی جائے وہ قرآن (مقروء) ہے اور جو چیز لکھی جائے وہ کتاب (مکتوب) ہے اور یہ دونوں اللہ کی کتاب کے علم (یعنی خصوصی نام) بھی ہیں علیت کے لحاظ سے بعض جگہ ان کو الف لام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور وصفی معنی کے لحاظ سے بغیر الف لام کے۔

سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے۔ یعنی یہ عطف تفسیری ہے اور تنکیر وتنوین تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی کتاب مبین سے یہاں پر مراد یہ قرآن حکیم ہی ہے۔ اور یہ عطف عطف صفت بر صفت کے قبیل سے ہے۔ (روح، مراغی، مدارک، فتح اور محاسن وغیرہ)۔ سو یہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب مبین ہے جو دنیا وآخرت اور خود انسان کی زندگی، اس کے آغاز وانجام اور اس کے مقصد حیات وغیرہ سے متعلق بنیادی حقائق کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ اور اس طور پر کہ کسی امر کے بارے میں کوئی خفا وغموض باقی نہیں رہ جاتا۔ نیز یہ کتاب اس امر کو بھی کھول کر بیان کرتی ہے کہ یہ خالص تنزیل اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اور اس کے ثبوت کیلئے کسی خارجی دلیل اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ منکرین اور مخالفین مطالبہ کر رہے تھے۔ بلکہ یہ اپنے اوپر خود ہی دلیل ہے۔ سو یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے جسکی قدر نہ کرنا سخت محرومی کا باعث ہے۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

پھر آیات قرآنیہ کو اہل ایمان کے لیے ہدایت اور بشارت بتایا۔ اور اہل ایمان کی صفات بتائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور یہ دونوں اسلام کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کی ادائیگی پابندی سے کی جائے تو ایمان کے دوسرے تقاضوں پر بھی عمل ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کا یقین ہر نیکی پر آمادہ کرنے اور ہر گناہ چھڑانے پر ابھارتا رہتا ہے اسی کو آیت کے ختم پر وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ میں بیان فرمایا۔

مؤمنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آیات قرآنیہ اہل ایمان کے لیے بشارت اور ہدایت ہیں قرآن تو سبھی کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور حق قبول کرنے پر انعامات کی بشارت دیتا ہے لیکن چونکہ قرآن کی دعوت پر اہل ایمان ہی دھیان دیتے ہیں اس لیے خاص طور سے ان کے لیے ہدایت اور بشارت ہونا بیان فرمایا۔

اس کے بعد کافروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کر دیا ہے جو انہیں مرغوب ہیں اور انہیں اچھے لگتے ہیں، جو کام برے ہیں یہ لوگ انہیں اچھا سمجھ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں، ان لوگوں کی وعید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہوں گے۔ انہیں وہاں نعمت اور رحمت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ کے لیے عذاب ہی میں رہیں گے اور عذاب بھی بڑھتا چڑھتا رہے گا اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو سکتا ہے دنیا میں جو انہیں اجسام دیئے گئے اعضاء اور جوارح عطا کیے گئے اموال سے نوازے گئے ایمان قبول کر کے ان سب کے ذریعہ جنت حاصل کر سکتے تھے لیکن وہ تو کفر اختیار کر کے اور اعمال بد میں مبتلا ہو کر جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دوزخ کے مستحق ہو گئے، یہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رات کے وقت سفر میں کوہ طور پر آگ کے لیے جانا اور نبوت سے سرفراز ہونا:

سورہ طٰہٰ کے پہلے اور دوسرے رکوع کی تفسیر میں اور سورۃ شعراء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے مصر میں رہتے تھے فرعون کے بیٹے بنے ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے فرعون کی قوم کا ایک شخص قتل ہو گیا ایک شخص نے رائے دی کہ دیکھو فرعونی لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کو چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں کے شیخ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا اور دس سال وہاں رہے۔ جب اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف واپس آنے لگے تو رات کو سردی بھی لگ گئی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ طور پر آگ نظر آ رہی ہے یہ آگ نہیں تھی نور ربانی تھا جسے انہوں نے آگ سمجھ لیا تھا اپنی بیوی سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں، وہاں سے لکڑی میں سلگا کر آگ کا شعلہ لے آؤں گا۔ تاکہ تم اس سے تاپ لو گی یعنی گرمی حاصل کر لو گی اور یہ بھی امکان ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔ وہاں پہنچے تو اللہ پاک کی طرف سے یہ آواز آئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں۔ مفسرین نے فرمایا کہ مَنْ فِي النَّارِ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور وَمَنْ حَوْلَهَا سے فرشتے مراد ہیں (و قيل على عكس ذالك) جہاں یہ آگ تھی سورۃ قصص میں اس کو (الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ) فرمایا ہے اور آواز بھی وادی کے کنارے کی دائیں جانب سے آئی تھی بقعہ بھی مبارک وہاں جو فرشتے حاضر تھے وہ بھی مبارک موسیٰ علیہ السلام بھی مبارک، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک ہونے کی خوشخبری دی گئی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ہر

عیب سے اور ہر نقص سے اور مخلوقات کی صفات سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ وحدہ لاشریک ہے اپنی ذات وصفات میں مخلوق کی ہر مشابہت سے پاک ہے (لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ)۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ ....

حضرت موسیٰ کا اپنی لاٹھی سے بھاگنا اور اس میں درسہائے عبرت وبصیرت: سوارشاد فرمایا گیا کہ جب موسیٰ نے اللہ کے حکم وارشاد پر اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینک دیا اور دیکھا کہ وہ یکایک اس طرح بل کھا رہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو۔ تو اس سے موسیٰ مارے خوف کے اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ ڈرو مت کہ ہمارے یہاں رسول ڈرا نہیں کرتے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عالم الغیب ہوتا ہے اور نہ ہی مختار کل۔ ورنہ حضرت موسیٰ اس موقعہ پر اپنے عصا کے اس انقلاب کی بناء پر اس طرح خوف نہ کھاتے۔ اور جب معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا تو کرامت بزرگ اور ولی کے اختیار میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ بلکہ جب تک خداوند قدوس کی طرف سے ان کو آگاہ نہ کیا جائے ان کو اس کی حقیقت کا علم تک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ یہاں پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اس وقت تک حقیقت حال کا پتہ نہ چل سکا جب تک کہ خدائے پاک نے انہیں خود نہیں بتا دیا۔ حالانکہ یہاں قصہ خود حضرت موسیٰ کی اپنی اس لاٹھی کا ہے جو آپ علیہ السلام کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ اور آپ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر اور اولوالعزم رسول تھے۔ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام۔ اور جب حضرت موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی غیب کا علم نہیں رکھتے تو کسی بزرگ وولی کی یہ ہستی کیسے اور کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہو؟ سو کس قدر بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بزرگوں کو اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے پرندوں کے بارے میں یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف جب حضرت موسیٰ اپنی لاٹھی کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت دلنواز آواز میں تسلی دی گئی کہ ڈرو نہیں کہ میرے یہاں رسول ڈرا نہیں کرتے۔ پس آپ اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں کہ اس میں خوف اور خطرے کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ایک معجزہ ہے جو آپ کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ علی نبینا وعلیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اس سے پہلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا کا ذکر ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عصا جب سانپ بن گیا تو موسیٰ خود بھی اس سے ڈر کر بھاگنے لگے۔ آگے بھی موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزہ ید بیضا کا بیان ہے درمیان میں اس استثناء کا ذکر کس لیے کیا گیا اور یہ استثناء منقطع ہے یا متصل اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے تو مضمون آیت کا یہ ہوگا کہ پہلی آیت میں انبیاء علیہم السلام پر خوف نہ ہونے کا ذکر تھا بسبیل تذکرہ ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا جن پر خوف طاری ہونا چاہئے یعنی وہ لوگ جن سے کوئی خطا سرزد ہوئی پھر توبہ کر کے نیک عمل اختیار کر لیے ایسے حضرات کی اگرچہ اللہ تعالیٰ خطا معاف کر دیتے ہیں مگر معافی کے بعد بھی گناہ کے بعض آثار باقی رہنے کا احتمال ہے اس سے یہ حضرات ہمیشہ خائف رہتے ہیں اور اس استثناء کو متصل قرار دیں تو معنے آیت کے یہ ہوں گے کہ اللہ کے رسول ڈرا نہیں کرتے بجز ان

کے جن سے کوئی خطا یعنی گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا ہو پھر اس سے بھی توبہ کر لی ہو، تو اس توبہ سے یہ صغیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ درحقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں۔ اس مضمون میں اشارہ اس طرف پایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے جو ایک لغزش قبطی کے قتل کی ہو گئی وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی مگر اس کا یہ اثر اب بھی رہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا اگر یہ لغزش نہ ہوتی تو یہ وقتی خوف بھی نہ ہوتا۔ (قرطبی)

وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ ....

حضرت موسیٰ کیلئے ید بیضا کا دوسرا عظیم الشان معجزہ:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی بیماری کے۔ یعنی ایسا نہیں جیسا کہ برص وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو جاتا ہے بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ایک خاص عنایت، اعزاز و اکرام اور معجزہ و برہان کے طور پر ہے۔ اور پھر اس میں کسی بیماری وعیب یا تکلیف کا کوئی سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے: مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ کے عموم میں یہ سب ہی کچھ داخل ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم وشمول کا فائدہ دیتا ہے۔ بہرکیف یدِ بیضا کا یہ معجزہ دوسرا بڑا معجزہ تھا جس سے حضرت موسیٰ کو معجزۂ عصا کے بعد نوازا گیا۔ اور یہ من جملہ ان نو نشانیوں کے ہے جن سے آنجناب کو نوازا گیا تھا کہ ان سے مسلح ہو کر جاؤ فرعون کے پاس تبلیغ حق کے لیے۔ اور اس طرح پوری قوت سے اس کے سامنے کلمہ حق پیش کرو۔

قَالَتْ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ بِقَلْبِهَا وَاوًا اَیْ اَشِیْرُوْا عَلَیَّ فِیْٓ اَمْرِیْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ تَحْضُرُوْنَ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۬ اَیْ اَصْحَابُ شِدَّةٍ فِی الْحَرْبِ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَا ذَا تَاْمُرِیْنَ ﴿۳۳﴾ نُطِعْكِ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا بِالتَّخْرِیْبِ وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَیْ مُرْسِلُوا الْكِتَابِ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ مِنْ قُبُوْلِ الْهَدِیَّةِ اَوْ رَدِّهَا اِنْ كَانَ مَلِكًا قَبِلَهَا اَوْ نَبِیًّا لَمْ یَقْبَلْهَا فَاَرْسَلَتْ خَدَمًا ذُكُوْرًا اَوْ اِنَاثًا اَلْفًا بِالسَّوِیَّةِ وَ خَمْسَمِائَةِ لَبِنَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وَتَاجًا مُكَلَّلًا بِالْجَوَاهِرِ وَمِسْكًا وَعَنْبَرًا وَغَیْرِ ذٰلِكَ مَعَ رَسُوْلٍ بِكِتَابٍ فَاَسْرَعَ الْهُدْهُدُ اِلٰی سُلَیْمَانَ یُخْبِرُهُ الْخَبَرَ فَاَمَرَ اَنْ تُضْرَبَ لَبِنَاتُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ تُبْسَطَ مِنْ مَوْضِعِهٖ اِلٰی تِسْعَةِ فَرَاسِخَ مَیْدَانًا وَاَنْ یَبْنُوْا حَوْلَهٗ حَائِطًا مُشَرَّفًا مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ یُؤْتٰی بِاَحْسَنِ دَوَابِّ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مَعَ اَوْلَادِ الْجِنِّ عَنْ یَمِیْنِ الْمَیْدَانِ وَشِمَالِهٖ فَلَمَّا جَآءَ الرَّسُوْلُ بِالْهَدِیَّةِ وَمَعَهٗ اَتْبَاعُهٗ سُلَیْمٰنَ قَالَ سُلَیْمَانُ

أَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَا اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ أَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَا اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْمُلْكِ خَيْرٌ مِّمَّا اٰتٰىكُمْ ۚ مِنَ الدُّنْيَا بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِفَخْرِكُمْ بِزَخَارِفِ الدُّنْيَا اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ بِمَا اَتَيْتَ بِهٖ مِنَ الْهَدِيَّةِ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَا طَاقَةَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا مِنْ بَلَدِهِمْ سَبَا سُمِّيَتْ بِاسْمِ اَبِىْ قَبِيْلَتِهِمْ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَىْ اِنْ لَّمْ يَاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ فَلَمَّا رَجَعَ اِلَيْهَا الرَّسُوْلُ بِالْهَدِيَّةِ جَعَلَتْ سَرِيْرَهَا دَاخِلَ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ دَاخِلَ قَصْرِهَا وَقَصْرُهَا دَاخِلَ سَبْعَةِ قُصُوْرٍ وَاَغْلَقَتِ الْاَبْوَابَ وَجَعَلَتْ عَلَيْهَا سَرِيْرَهَا حَرَسًا وَتَجَهَّزَتْ لِلْمَسِيْرِ اِلٰى سُلَيْمَانَ لِتَنْظُرَ مَا يَاْمُرُهَا بِهٖ فَارْتَحَلَتْ فِىْ اِثْنَىْ عَشَرَ اَلْفِ قَيْلٍ مَعْ كُلِّ قَيْلٍ اُلُوْفٌ كَثِيْرَةٌ اِلٰى اَنْ قَرُبَتْ مِنْهُ عَلٰى فَرْسَخٍ شَعُرَ بِهَا قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ فِى الْهَمْزَتَيْنِ مَا تَقَدَّمَ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ اَىْ مُنْقَادِيْنَ طَائِعِيْنَ فَلِىْ اَخْذُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ لَا بَعْدَهٗ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ هُوَ الْقَوِىُّ الشَّدِيْدُ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ الَّذِىْ تَجْلِسُ فِيْهِ لِلْقَضَاءِ وَهُوَ مِنَ الْغَدَاةِ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَىْ عَلٰى حَمْلِهٖ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ اَىْ عَلٰى مَا فِيْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ وَغَيْرِهَا قَالَ سُلَيْمَانُ اُرِيْدُ اَسْرَعَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ الْمُنَزَّلِ وَهُوَ اٰصِفُ بْنُ بَرْخِيَا كَانَ صِدِّيْقًا يَعْلَمُ اسْمَ اللّٰهِ الْاَعْظَمَ الَّذِىْ اِذَا دُعِىَ بِهٖ اَجَابَ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ اِذَا نَظَرْتَ بِهٖ اِلٰى شَىْءٍ مَا قَالَ لَهٗ اُنْظُرْ اِلَى السَّمَاءِ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ رَدَّ بِطَرْفِهٖ فَوَجَدَهٗ مَوْضُوْعًا بَيْنَ يَدَيْهِ فَفِىْ نَظَرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ دَعَا اٰصِفُ بِالْاِسْمِ الْاَعْظَمِ اَنْ يَّاْتِىَ اللّٰهُ بِهٖ فَحَصَلَ بِاَنْ جَرٰى تَحْتَ الْاَرْضِ حَتّٰى ارْتَفَعَ عِنْدَ كُرْسِىِّ سُلَيْمَانَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا اَىْ سَاكِنًا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا اَىِ الْاِتْيَانُ لِىْ بِهٖ مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ ۖ لِيَبْلُوَنِىْ لِيَخْتَبِرَنِىْ ءَاَشْكُرُ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ اَمْ اَكْفُرُ ؕ النِّعْمَةَ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ اَىْ لِاَجْلِهَا لِاَنَّ ثَوَابَ شُكْرِهٖ لَهٗ وَمَنْ كَفَرَ النِّعْمَةَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ عَنْ شُكْرِهٖ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ بِالْاِفْضَالِ عَلٰى مَنْ يَّكْفُرُهَا قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا

عَرْشَهَا اَیْ غَیِّرُوْهُ اِلٰی حَالٍ تُنْكِرُهُ اِذَا رَاَتْهُ نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا
یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلٰی مَعْرِفَةِ مَاتَغَیَّرَ عَلَیْهِمْ قَصَدَ بِذٰلِكَ اِخْتِبَارَ عَقْلِهَا لَمَّا قِیْلَ لَهٗ اَنَّ فِیْهِ شَیْئًا فَغَیَّرُوْهُ بِزِیَادَةٍ
اَوْنَقْصٍ اَوْغَیْرِ ذٰلِكَ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ لَهَا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ اَیْ اَمِثْلُ هٰذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ
اَیْ فَعَرَفَتْهُ وَشَبَّهَتْ عَلَیْهِمْ لَمَّا شَبَّهُوْا عَلَیْهَا اِذْلَمْ یَقُلْ اَهٰذَا عَرْشُكِ وَلَوْقِیْلَ هٰذَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ سُلَیْمَانُ
لَمَّا رَاٰی لَهَا مَعْرِفَةً وَعِلْمًا وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ مَا
كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَیْ غَیْرَهٗ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا اَیْضًا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ
هُوَ سَطْحٌ مِنْ زُجَاجٍ اَبْیَضَ شَفَّافٍ تَحْتَهٗ مَاءٌ جَارٍ فِیْهِ سَمَكٌ اِصْطَنَعَهٗ سُلَیْمَانُ لَمَّا قِیْلَ لَهٗ اِنَّ سَاقَیْهَا
وَرِجْلَیْهَا كَقَدَمَیْ حِمَارٍ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً مِنَ الْمَاءِ وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ لِتَخُوْضَهٗ وَكَانَ
سُلَیْمَانُ عَلٰی سَرِیْرِهٖ فِیْ صَدْرِ الصَّرْحِ فَرَاٰی سَاقَیْهَا وَقَدَمَیْهَا حِسَانًا قَالَ لَهَا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مُمَلَّسٌ
مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ اَیْ زُجَاجٍ وَدَعَاهَا اِلَی الْاِسْلَامِ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ بِعِبَادَةِ غَیْرِكَ وَ اَسْلَمْتُ
ع۳ ۱۳ ۱۸ كَائِنَةً مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَاَرَادَ تَزَوَّجَهَا فَكَرِهَ شَعْرَ سَاقَیْهَا فَعَمِلَتْ لَهُ الشَّیَاطِیْنُ النُّوْرَةَ
فَاَزَالَتْهُ بِهَا فَتَزَوَّجَهَا وَاَحَبَّهَا وَاَقَرَّهَا عَلٰی مُلْكِهَا وَكَانَ یَزُوْرُهَا كُلَّ شَهْرٍ مَرَّةً وَیُقِیْمُ عِنْدَهَا ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَ
اِنْقَضٰی مُلْكُهَا بِاِنْقِضَاءِ مُلْكِ سُلَیْمَانَ رُوِیَ اَنَّهٗ مَلَكَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثَ عَشَرَةَ سَنَةً وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ
وَخَمْسِیْنَ سَنَةً فَسُبْحَانَ مَنْ لَا اِنْقِضَاءَ لِدَوَامِ مُلْكِهٖ

ترجمہ: بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو۔ میں کبھی کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی۔ جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ (افتونی میں دو قراءت ہیں۔ ایک دونوں ہمزہ کو باقی رکھنے کی۔ دوسرے ایک ہمزہ کو بغرض تسہیل واؤ سے بدل دینے کی) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقت ور بڑے لڑنے والے ہیں۔ لیکن اختیار آپ ہی کو ہے۔ آپ دیکھ لیجئے آپ کو کیا حکم دینا ہے (ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے) وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت والے ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں اور (یہ مکتوب بھیج چکے ہیں عدم اطاعت کی صورت میں) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں (ہدیہ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں۔ اگر وہ دنیاوی بادشاہ ہوگا تو

اس ہدیہ کو قبول کرے گا اور اگر نبی ہوگا تو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار کم عمر لڑکے اور لڑکیاں بطور غلام اور باندی کے اور پانچ سو سونے کی اینٹیں اور تاج جن پر جواہر کا کام کیا گیا تھا اور مشک وعنبر اس کے علاوہ قاصد کے ساتھ ایک تحریر بھی تھی۔ ہدہد فوری طور پر یہ اطلاع لے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ حضرت سلیمانؑ نے فوراً حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کی جائیں اور انہیں میدان میں نو میل تک پھیلا دیا جائے اور سونے اور چاندی کا ایک محل فوراً تیار کیا جائے اور بر و بحر کے عمدہ ترین جانور جنات کے ساتھ میدان کے دائیں بائیں جانب کھڑے کر دیئے جائیں، سو جب وہ ایلچی (تحفہ وغیرہ لے کر) سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے کہا کہ کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو اللہ نے جو کچھ مجھ کو (نبوت اور سلطنت) دے رکھی ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو (اسباب دنیا) دیا ہے۔ ہاں تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے رہو گے (دنیاوی مال و دولت پر فخر ہونے کی وجہ سے) تم (ان ہدایا کو لے کر) لوٹ جاؤ۔ ان لوگوں کے پاس ہم ایسی فوج بھیجیں گے کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا بھی مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔ (اگر وہ ایمان نہ لائے تو جب یہ قاصد لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا اور سارا قصہ سنایا تو اس نے اپنے شاہی تخت کو ایک کمرہ میں بند کیا جس میں جانے کیلئے سات دروازے پار کرنے پڑتے تھے اور وہ کمرہ سات محلوں کے درمیان میں تھا۔ تو ان تمام دروازوں کو بند کر کے اس پر حفاظت کیلئے پہرہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی طرف روانگی کا پروگرام بنایا یہ دیکھنے کیلئے کہ وہ کیا کہتے ہیں) سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے آئے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں (کیونکہ اسلام سے قبل تو اس کا لینا میرے لئے جائز ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ حربی ہیں اور بعد اسلام لینا جائز نہیں) ایک قوی ہیکل جن بولا۔ اسے میں آپ کی خدمت میں لے آؤں گا۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں (جہاں آپ فیصلوں کیلئے تشریف رکھتے ہیں اور جو سلسلہ چاشت کے وقت سے سورج ڈھلنے تک جاری رہتا ہے) اور (اگرچہ وہ بہت بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں (اور اگرچہ وہ بڑا قیمتی جواہرات سے مرصع ہے مگر) امانتدار بھی ہوں (اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں) تو جسے کتاب کا علم حاصل تھا (اور وہ آصف بن برخیا تھا جسے اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ دعائیں قبول ہوتی ہیں) اس نے کہا کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے (آصف نے سلیمانؑ سے کہا کہ آپ آسمان کی طرف دیکھئے جب سلیمانؑ نے آسمان سے نظر ہٹا کر نیچے دیکھا تو اس تخت کو اپنے سامنے پایا۔ گویا اس دوران میں جب سلیمانؑ کی نظر آسمان کی جانب تھی۔ آصف نے دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اسے یہاں پہنچا دیا) پھر جب سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو بولے یہ بھی تو میرے پروردگار کا ایک فضل ہے۔ تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری (اس کی نعمت کی ءاشکر میں چند قراءتیں ہیں دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا، دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینے کا) اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے شکر کرتا ہے (اس وجہ سے کہ اس شکر کا ثواب اسی کو ملتا ہے) اور جو کوئی (نعمتوں پر) ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے کریم ہے (یہی وجہ ہے کہ ناشکری کے باوجود اسے نوازتا ہے۔ اس کے بعد سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کیلئے اس کے تخت کی صورت بدل دو (تاکہ وہ اسے دیکھ کر پہچان نہ سکے) ہم دیکھیں کہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے یا وہ

قوله: اَشْكُرُ: اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل شمار کر کے اس کا حق ادا کروں۔

قوله: نَنْظُرْ: یہ جواب امر ہے۔

قوله: وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ: یہ سلیمان علیہ السلام اور ان کی قوم کا کلام ہے اور اس کا عطف بتیس کے جواب پر ہے بعض نے اسے اسی کے کلام کا تتمہ قرار دیا۔

قوله: لُجَّةً: پانی بڑی موج۔ صرح محل و مجلس، ملائی۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ...

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہ السلام پر فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکریئے کی بھی توفیق دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں بیان کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل نعمت کیا ہوگی۔ حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے۔ اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں۔ انبیاء کی مال کی میراث نہیں بٹتی۔ چنانچہ سید الانبیاء کا ارشاد ہے ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارے ورثے نہیں بٹا کرتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہے حضرت سلیمان اللہ کی نعمتیں یاد کرتے فرماتے ہیں یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان جن پرند سب تابع فرمان ہیں پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں یہ خاص اللہ کا فضل و کرم ہے۔ جو کسی انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرند بھی انسانی زبان بولتے تھے۔ یہ محض ان کی بے علمی ہے بھلا سمجھو تو سہی اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمان کی خصوصیت ہی کیا تھی جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمان کی خصوصیت جاتی رہتی۔ یہ محض غلط ہے پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ہی ایسے ہی رہے ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں۔ یہ خاص اللہ کا فضل تھا کہ حضرت سلیمان ہر چرند پرند کی زبان سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی۔ کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں۔ یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر۔ مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند

کر جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں حیران ہو گئیں اور دوسروں کو دکھایا۔ آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ کہاں سے آ گئے؟ اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے وہ کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پرواہ نہ کرے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا مرحبا آپ ملک الموت ہیں اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پروں کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ پرندوں نے پھر پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے فرمایا اپنا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح۔ اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آ گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جمع ہوا جس میں انسان جن پرند سب تھے۔ آپ سے قریب انسان تھے پھر جن تھے پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے۔ گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے۔ جس کی جو جگہ مقرر تھی وہ وہیں رہتا۔ جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے۔ ایک جنگل پر گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا۔ لشکر سلیمان کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمان چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم بھی نہ ہو۔ حضرت حسن فرماتے ہیں اس چیونٹی کا نام حرس تھا یہ بنو شعبان کے قبیلے سے تھی تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیے کے اسے خوف ہوا کہیں سب روندی جائیں گی اور پس جائیں گی یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو تبسم بلکہ ہنسی آ گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ۔ نیز جو نعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مومن ہوئے وغیرہ۔ اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے جن سے تو خوش ہوا اور جب میری موت آ جائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رفقاء میں ملا دے جو تیرے دوست ہیں۔ مفسرین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی۔ بعض اور جگہ بتاتے ہیں۔ یہ چیونٹی مثل مکھیوں کے پردار تھی۔ اور بھی اقوال ہیں نوف بکالی کہتے ہیں یہ بھیڑیے کے برابر تھی۔ ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی سے وہ ذیاب لکھ دیا گیا ہو یعنی بھیڑیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے اس کی بات کو بھی سمجھ گئے اور بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام استسقاء کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں پانی برسنے کی محتاجی ہمیں بھی ہے۔ اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے یہ دعا اس چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے گئے۔ حضور فرماتے ہیں نبیوں میں سے کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہماری تسبیح خواں تھا۔ ہلاک کر دیا۔ تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لیتا۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ....

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ. وَرِثَ سے وراثت علم اور نبوت مراد ہے وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((نحن معاشر الانبیآء لا نرث ولا نورث)) یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے: ((العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر)) یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ (جعفر صادق) کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم ﷺ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک و سلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش وطیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لیے مسخر کر دیا۔ ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔ (روح)

وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ ....

اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام وتفہیم کی شان پائی جاتی ہے۔ ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لیے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے، ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال وضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ ومتقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا، جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی۔ لیکن ٹیلیگراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھنکھناہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لیے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے، طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی

نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لیے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ و تسبیح سے واقف ہے۔ احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات محضہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے۔ پس ان کی تسبیح و تحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے بہرحال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا ان کو سمجھ لینا یہ سب باتیں ان کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف و خلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی پکی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا۔ بلاتردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو رد کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال ان باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء و تقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آئی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر عثمانی)

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑰

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ: یہاں تک کہ یہ سب جب چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے:

عَلٰى وَادِ میں لفظ عَلٰى بتا رہا ہے کہ وہ اوپر سے آئے تھے اور بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ اس وادی کو طے کر کے آ کر کنارہ پر پہنچ گئے تھے (اور وہیں چیونٹیوں کے بل تھے) اتی علی الشئی کا معنی ہے کسی چیز کو ختم کر دیا اور اس کے آخری حصہ پر پہنچ گئے۔ وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل و عیال کو نوکروں چاکروں کو اور لاؤ لشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے۔ سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کے آہنی تنور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اتنی بڑی بڑی نو دیگیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک دیگ میں دس اونٹوں کا گوشت آ جائے۔ چوپایوں کے لیے میدان بھی اپنے سامنے بنواتے تھے۔ اثنائے سیر میں آسمان و زمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی

کھانا اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے۔ ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔ ایک بار اصطخر سے یمن کو جاتے میں مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا: یہ نبی آخرالزماں کی ہجرت گاہ ہے۔ خوش خبری ہے ان کے لیے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے اس کے لیے جس نے ان کا اتباع کیا۔ کعبہ کے اوپر سے گزرے تو کعبہ کے گرداگرد بت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ جب سلیمان علیہ السلام کعبہ سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا۔ اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ کعبہ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس بات نے رلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی۔ یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس تجھے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی: تو نہ رو۔ کچھ مدت کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھر دوں گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا۔ میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضۂ حج) مقرر کر دوں گا (جس کو ادا کرنے کے لیے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں۔ وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچہ کی طرف اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے (اونٹنی اپنے بچہ کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے) میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے پجاریوں سے پاک کر دوں گا۔ پھر سلیمان علیہ السلام چلتے چلتے وادیٔ سدیر کی طرف سے گزرے۔ وادیٔ سدیر وادیٔ طائف کا حصہ ہے وہاں آپ کا مرور وادیٔ نمل پر ہوا۔ کعب کا یہی قول ہے کہ وادیٔ نمل طائف میں تھی۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: وہ شام میں ایک زمین تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چونٹیاں ان کی سواریاں تھیں۔ فرق حمیدی نے کہا: اس وادی کی چونٹیاں مکھیوں کی طرح تھیں۔ بعض نے کہا: بُخاتی اونٹ کے برابر تھی۔ مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ: ایک چیونٹی نے کہا۔ شعبی نے کہا (وہ چیونٹی پر دار تھی) اس کے دو بازو تھے۔ بعض نے کہا: وہ لنگڑی تھی۔ ضحاک نے اس کا نام طاحیہ اور مقاتل نے حذمی بتایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ ادْخُلُوْا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

ضابطۂ نحوی کے لحاظ سے اُدْخُلْنَ بصیغۂ جمع مونث حاضر ہونا چاہئے۔ جمع مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہونے کی وجہ سے ان کے لیے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو جمادات کے لیے مستعمل ہیں۔ عورتوں کے لیے بھی ان کے ضعیف العقل ہونے کی وجہ سے جمادات کی ضمیریں استعمال کر لی جاتی ہیں۔ گویا ان کو بھی بے عقل مان کر جمادات کے ساتھ شامل کر دیا جاتا ہے لیکن حیوانات جب دوسرے حیوانوں سے کلام کرتے ہیں تو وہ اپنی نظر میں اپنے کو ذی عقل سمجھتے ہیں اور دوسرے کو اہل عقل کی طرح خطاب کرتے ہیں۔ اس جگہ اللہ نے وہ کلام نقل کیا ہے جو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو اہل عقل قرار دے کر کہا تھا اس لیے وہ صیغہ اختیار کیا جس کے مخاطب اہل عقل ہوتے ہیں۔

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ : تم کو سلیمان اور ان کی فوجیں کہیں پیس نہ ڈالیں۔ اس کلام میں۔ (بظاہر) پیس ڈالنے کی ممانعت ہے (لیکن ایک چیونٹی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کو پیسنے کی ممانعت کیسے کر سکتی تھی پھر چیونٹی کا روئے خطاب تو دوسری چیونٹیوں کی طرف تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کی جانب نہیں تھا) لیکن فی الحقیقت چیونٹیوں کو باہر نکلنے اور باہر رہنے کی ممانعت ہے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں: لَاَ اَرَاكَ هٰهُنَا میں تجھے یہاں نہ دیکھو یعنی یہاں نہ ٹھہرنا (یا پھر نہ آنا)۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ایسی حالت میں کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ان کو معلوم ہوگا تو وہ خود ہی تم کو نہیں روندیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے ممکن الواقع فعل کی معذرت کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانستہ یہ قصور تو ان سے سرزد نہ ہوگا۔

ایک شبہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تو ہوا پر رواں تھا پھر پیس ڈالنے کا احتمال ہی کیا تھا۔

ازالہ شبہ: ممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کچھ پیادہ اور سوار فوج زمین پر چل رہی ہو جس کی طرف سے چیونٹی کو اندیشہ ہوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ تسخیر ہوا سے پہلے کا ہو' اس وقت حضرت سلیمان اور آپ کا لشکر زمین پر ہی چل رہا ہو۔ بعض اہل عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا: ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمان کے لشکر اور ان کے ساز و سامان اور شان و شوکت کی سیر کرنے میں اتنی مشغول ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی غافل ہو اور ذکر خدا سے غفلت تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہو جائے۔ یہ بات سلیمان نے تین میل سے سن پائی۔ کذا قال مقاتل کیونکہ جہاں کہیں جو مخلوق بات کرتی تھی ہوا وہ بات حضرت سلیمان کے گوش گزار کر دیتی تھی۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا: پس سلیمان علیہ السلام مسکراتے ہوئے ہنس پڑے۔ یہاں کچھ کلام محذوف ہے اور اس پر عطف ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا: سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن لی' اس کا مطلب سمجھ لیا' مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا۔ یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیقی چیونٹی اپنی اور اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے کیسے جانتی ہے۔ ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے۔

ضَاحِكًا: یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا: انبیاء کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھرپور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو۔ آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

(رواہ الترمذی)

مِّنْ قَوْلِهَا: اس کے قول کے سبب سے۔ پس آپ نے لشکر کو روک دیا کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں گھس گئیں۔

وَ قَالَ اور کہا۔ یعنی اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اداءِ شکر سے بھی اپنے آپ کو قاصر سمجھتے ہوئے اور اداءِ شکر کے لیے اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہے اور نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں۔

وَ اَوْزِعْنِیْٓ بعض علماء نے کہا کہ اس جگہ اس لفظ کا حقیقی معنی مراد ہے ایزاع کا معنی ہے روک دینا' وقف کر دینا۔ (قاموس) بیضاوی نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیری نعمت کے شکر کو اپنے پاس روکے رکھوں' سمیٹے رہوں کہ مجھ سے چھوٹ کر نہ جانے پائے۔ بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے میرے رب! تو مجھے ایسا کر دے کہ میں کفر سے اپنے نفس کو روکے رکھوں۔ بعض نے کہا: یہ مطلب ہے کہ اپنے سوا ہر چیز سے میرے نفس کو روک دے۔

عَلٰى وَالِدَیَّ ماں باپ پر اللہ کا انعام اور ان کا صالح ہونا ماں باپ پر تو اللہ کا احسان ہے ہی لیکن یہ انعام حقیقت میں اولاد پر بھی انعام ہوتا ہے جو اولاد کے لیے موجب شکر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں (کے گروہ) میں شامل کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صالح بندوں سے مراد ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ٘ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾

ہدہد فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اس کو اس طرح نظر آتا تھا جیسے کہ زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کو نظر آتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہاں ہے؟ یہ بتا دیتا کہ فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچا ہے اتنا اونچا ہے وغیرہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا پانی کی تلاش کا حکم دیا اتفاق سے وہ موجود نہ تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا آج ہدہد نظر نہیں آتا کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا۔ یا واقع میں وہ حاضر نہیں؟ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ارزق خارجی نے اعتراض کیا تھا یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبداللہ کی باتوں پر بے جا اعتراض کیا کرتا تھا کہنے لگا آج تو تم ہار گئے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا آپ جو یہ فرماتے ہو کہ ہدہد زمین کے تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر ہدہد کا شکار کر لیتا ہے اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھتا ہے تو زمین کے اوپر کا جال اسے کیوں نظر نہیں آتا؟ آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ لا جواب ہو گیا تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی سن جس وقت قضا آ جاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ نافع لاجواب ہو گیا اور کہا واللہ اب میں آپ پر اعتراض نہ کرونگا۔ حضرت عبداللہ برزی ایک ولی کامل شخص تھے پیر جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا

کرتے تھے۔اسی سال کی عمر تھی ایک آنکھ سے کانے تھے۔سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گذر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے آخر تنگ آکر فرمایا لو سن لو میرے پاس دو خراسانی برزہ میں (جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے) آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں میں انہیں وہاں لے گیا۔انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی۔اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی۔لیکن بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات نہ کرتے تھے۔تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے ہماری سال بھر محنت ٹھکانے لگی۔انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔انہوں نے انکار کر دیا میں نے ان سے منت سماجت کی بہ مشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا انہوں نے مجھے کہا چل اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلے میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لیے ہوئے چلے جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا پھر باندھ دیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکالی اور اسے پھینک دیا۔اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں چھوڑ کر دونوں کہیں چل دیئے۔اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گذرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کر دیا اور میں چلا آیا یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) حضرت سلیمان کے اس ہدہد کا نام عنبر تھا، آپ فرماتے ہیں اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا اس کے پر نچوا دوں گا اور اس کو پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں یا میں اسے حلال کر دونگا۔یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی معقول وجہ پیش کر دے۔اتنے میں ہدہد آ گیا جانوروں نے اسے خبر دی کہ آج تیری خیر نہیں۔بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔اس نے کہا یہ بیان کرو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا پھر تو میں بچ جاؤں گا۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝

ہدہد کی غیر حاضری کی تھوڑی سی دیر گزری تھی جو وہ آ گیا۔اس نے کہا کہ اے نبی اللہ جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں میں اس کی ایک نئی خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔میں سبا سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں۔ان کے سبا حمیر تھے اور یہ یمن کے بادشاہ تھے۔ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے اس کا نام بلقیس بنت شرجیل تھا یہ سب کی ملکہ تھی۔قتادہ کہتے ہیں۔اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے اس کی ماں کا نام رفاعہ تھا ابن جریج کہتے ہیں ان کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا لاکھوں کا اس کا لشکر تھا۔اس کی بادشاہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے اس کی

زمین کا نام مارب ہے یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے یہی قول قرین قیاس ہے اس کا اکثر حصہ مملکت یمن ہے واللہ اعلم ہر قسم کا دنیوی ضروری اسباب اسے مہیا ہے اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے۔ یہ اسی ہاتھ اونچا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمر بستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھے بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔ اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح و شام اس کو سجدہ کرتے۔ راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے اللہ کا عابد ان میں ایک بھی نہ تھا شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان پر حق کا راستہ بند کر رکھا تھا وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ راہ راست یہ ہے کہ سورج چاند اور ستاروں کی بجائے صرف اللہ ہی کی ذات کو سجدے کے لائق مانا جائے۔ جیسے فرمان قرآن ہے کہ رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہئے جو ان سب کا خالق ہے۔ آیت (الا یسجدوا) کی ایک قراءت (الایا اسجدوا) بھی ہے۔ یا کہ بعد کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے میری قوم خبردار سجدہ اللہ ہی کے لیے کرنا جو آسمان کی زمین کی ہر ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہے۔ خب کی تفسیر پانی اور بارش اور پیداوار سے بھی کی گئی ہے۔ کیا عجب کہ ہدہد کی جس میں یہی صفت تھی یہی مراد ہو۔ اور تمہارے ہر مخفی اور ظاہر کام کو بھی وہ جانتا ہے۔ کھلی چھپی بات اس پر یکساں ہے وہی تنہا معبود برحق ہے وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ ہدہد خیر کی طرف بلانے والا ایک اللہ کی عبادت کا حکم دینے والا اس کے سوا غیر کے سجدے سے روکنے والا تھا اسی لیے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔ مسند احمد ابوداؤد ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے چار جانوروں کا قتل منع فرما دیا۔ چیونٹی شہد کی مکھی ہدہد اور صرد یعنی لٹورا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

ہدہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمان نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا ہے۔ اسی سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے دے آ۔ اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہدہد اڑا۔ وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی۔ اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ اسے سخت تعجب معلوم ہوا حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف و دہشت بھی ہوئی۔ خط کو اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے اُمراء وزراء سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے اس خط کا باوقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے وہ ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے۔ سامنے باادب رکھ کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے۔ پھر خط کا مضمون سب کو پڑھ کر سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا ہے اور اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے۔ اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں انکے مقابلے کی تاب و طاقت نہیں۔ پھر خط کی بلاغت اختصار اور وضاحت نے سب کو

حیران کر دیا یہ مختصر سی عبارت بہت سی باتوں سے سوا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ جارہا تھا کہ آپ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری میں نے کہا حضور وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد سے جانے سے پہلے ہی میں تجھے بتادوں گا اب آپ نکلنے لگے ایک پاؤں مسجد سے باہر رکھ بھی دیا میرے جی میں آیا شاید آپ بھول گئے۔ اتنے میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی حضور ﷺ دعا (باسمك اللھم) تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شرع کیا خط کا مضمون صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو مجھے مجبور نہ کرو میری بات مان لو تکبر سے کام نہ لو موحد مخلص مطیع بن کر میرے پاس چلی آؤ۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ اَفْتُوْنِيْ، فتوی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا۔ یہاں مشورہ دینا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مراد ہے۔ ملکہ بلقیس کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان حکومت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے ان کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کے لیے یہ بھی کہا کہ میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج اور وزراء نے اس کے جواب میں اپنی مستعدی کے ساتھ تعمیل حکم کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کردی۔ نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلقیس کی مجلس شوریٰ کے ارکان تین سو تیرہ تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس ہزار آدمیوں کا امیر اور نمائندہ تھا۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں مشورہ لینے کا دستور پرانا ہے۔ اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی اور عمال حکومت کو مشورہ کا پابند کیا۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ جو وحی الٰہی کے مورد تھے۔ اور آسمانی ہدایات آپ کو ملتی تھیں اس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت ضرورت نہ تھی۔ مگر امت کے لیے سنت قائم کرنے کے واسطے آپ کو بھی حکم دیا گیا (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ) یعنی آپ اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں۔ اس میں صحابہ کرام کی دلجوئی اور عزت افزائی بھی ہے اور آئندہ آنے والے عمال حکومت کو اس کی تاکید بھی کہ مشورہ سے کام کیا کریں۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا ردعمل:

ارباب حکومت کو مشورہ میں شریک کر کے ان کا تعاون حاصل کر لینے کے بعد ملکہ بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی

جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان کا امتحان لے اور تحقیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور جو کچھ حکم دے رہے ہیں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل ہے یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں، اس امتحان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر واقعی وہ نبی ورسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے اور مخالفت کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے اور اگر بادشاہ ہیں اور ملک گیری کی ہوس میں ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے گا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ ہدیے تحفے بھیجے اگر وہ ہدیے تحفے لے کر راضی ہو گئے تو علامت اس کی ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں اور اگر وہ واقع میں نبی ورسول ہیں تو وہ اسلام وایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے، یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس، مجاہد، ابن جریج، ابن وہب سے نقل کیا ہے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

یعنی میں حضرت سلیمان اور ان کے ارکان دولت کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد یہ ہدیہ لے کر جائیں گے وہ واپس آ کر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں۔

بلقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری:

تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنے والے قاصدوں اور تحفوں کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ اتنی بات پر سب روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات اور ایک سو غلام اور ایک سو کنیزیں تھیں مگر کنیزوں کو مردانہ لباس میں اور غلاموں کو زنانہ لباس میں بھیجا تھا اور ساتھ ہی بلقیس کا ایک خط بھی تھا جس میں سلیمان کے امتحان کے لیے کچھ سوالات بھی تھے، تحفوں کے انتخاب میں بھی ان کا امتحان مطلوب تھا۔ حضرت سلیمان کو حق تعالیٰ نے اس کے تحفوں کی تفصیلات ان کے پہنچنے سے پہلے بتلا دی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ دربار سے نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت میں سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش کر دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلقت جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے جن کا بول وبراز بھی سونے چاندی کے فرش پر ہو۔ اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین فرمایا، دائیں بائیں چار چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف علماء کے لیے، دوسری طرف وزراء اور عمال سلطنت کے لیے بچھائی گئیں۔ جواہرات سے پورا ہال مزین کیا گیا۔ بلقیس کے قاصدوں نے جب سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفہ سے شرما گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دو طرفہ وحوش وطیور کی صفیں دیکھیں، پھر جنات کی صفیں دیکھیں تو بے حد مرعوب ہو گئے مگر جب دربار تک پہنچے اور حضرت سلیمان کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے، ان کی مہمانی کا اکرام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیے اور بلقیس کے سب سوالات کے جوابات دیے۔ (ملخصاً از تفسیر قرطبی)

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ....

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہدیہ بلقیس کی واپسی:

قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ یعنی جب بلقیس کے قاصد اس کے ہدایا اور تحفے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے قاصد سے فرمایا کہ کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اللہ نے جو مال و دولت دیا ہے وہ تمہارے مال و سامان سے کہیں زیادہ بہتر ہے اس لیے میں یہ مال کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش رہو۔

کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں اس کی تفصیل و تحقیق:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملے میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا، بعض کا رد کر دیا۔ عمدة القاری شرح بخاری کتاب الہبۃ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الائمہ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہو جانے کی امید تھی تو قبول کر لیا۔ (از عمدة القاری کتاب الہبۃ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لیے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

بلقیس کی حاضری دربار سلیمانی میں:

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب ومبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی ورسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے، جس کی ہم میں طاقت نہیں یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی۔ بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب وجلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداءً گفتگو کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمان سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے جنود وعساکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

قَالَ يَاأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ یہ اطلاع مل گئی تھی کہ بلقیس ان کی دعوت سے متاثر ہونے کی بناء پر مطیع بن کر آ رہی ہے۔ تو ارادہ فرمایا کہ وہ شاہانہ قوت وشوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کے لیے زیادہ معین ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے۔ اس لیے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لیے فرمادیا اور اس کے تمام اموال ودولت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لیے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا۔ اس کا بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع وفرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے۔ یہاں بقول ابن عباس اس کے لغوی معنے مراد ہیں، یعنی مطیع وفرمانبردار۔ کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آنے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ: یعنی کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب میں سے یہ کون شخص تھا؟ اس

کے متعلق ایک احتمال تو وہ ہی جو خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم انہیں کو حاصل تھا۔ اس صورت میں یہ سارا معاملہ بطور معجزہ کے ہوا اور یہی مقصود تھا کہ بلقیس کو پیغمبرانہ اعجاز کا مشاہدہ ہو جائے اور کوئی اشکال اس معاملے میں نہ رہے۔ مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے اس لیے بجائے خود یہ عمل کرنے کے اپنے اصحاب کو خطاب فرمایا: اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ (کذا فی فصوص الحکم) اس صورت میں یہ واقعہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق:

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى، اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ ان کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول و پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لیے امت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اس کو آصف بن برخیا کا تصرف قرار دیا ہے۔ تصرف اصطلاح میں خیال و نظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے لیے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لیے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ تصرف کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام آصف بن برخیا سے لیا۔ مگر قرآن کریم نے اس تصرف کو عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کا نتیجہ بتلایا ہے اس سے ترجیح اس کو ہی ہوتی ہے کہ یہ کسی دعا یا اسم اعظم کا اثر تھا جس کا تصرف سے کوئی واسطہ نہیں، وہ کرامت ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ: اَنَا اٰتِيكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ۔ یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دوں گا یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام ان کے قصد واختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ہے جو احکام القرآن میں سورۂ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا جس کا اردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ (اس سے کہا گیا تو محل میں داخل ہو جا) فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (سو جب اس محل کو دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے) وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا (اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں تاکہ صحن میں پانی سے گزرتے ہوئے کپڑے تر نہ ہو جائیں)۔

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (سلیمان نے کہا کہ یہ تو محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے مناسب جانا کہ اعجاز نبوت کے ساتھ ملکہ سبا کو ظاہری سلطنت اور شوکت بھی دکھا دی جائے۔ تاکہ وہ عورت دنیا کے اعتبار سے بھی اپنی بادشاہت اور سلطنت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی نہ سمجھے، اس کے آنے سے پہلے انہوں نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوا دیا تھا پھر اس حوض میں پانی بھر دیا پھر اس کو شیشوں ہی سے پاٹ دیا اور وہ شیشے ایسے شفاف تھے کہ نیچے کا پانی اس طرح نظر آتا تھا کہ گویا اسی پانی سے ہو کر گزرنا ہوگا جب ملکہ سبا نے گزرنے کے لیے پنڈلیاں کھول دیں تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو شیشے کا محل ہے پنڈلیاں کھولنے کی حاجت نہیں، پانی جو نظر آ رہا ہے وہ شیشہ کے نیچے ہے اس سے ملکہ سبا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت اور سلطنت کا مزید پتہ چل گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ جیسی صنعت کاری یہاں ہے وہ تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اے رب میں نے اب تک اپنی جان پر ظلم کیا کہ غیر اللہ کی عبادت کرتی رہی، اب تو میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی فرمانبردار بنتی ہوں۔ یعنی سلیمان کا جو دین ہے اب میرا بھی وہی ہے)۔

فوائد: (۱) قرآن مجید میں ملکہ سبا کا اور اس کے اقتدار کا اور آفتاب کی پرستش کا پھر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے لیکن اس ملکہ کا نام کیا تھا قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے عام طور پر مشہور ہے کہ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔

(۲) جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کیا ہوا قرآن مجید اس سے بھی ساکت ہے، جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں داخل ہو گئی تو اب ان کے ملک میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم جاری ہو گیا۔

(۳) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ پانی میں گزرنا ہوگا اپنی پنڈلیاں کھول دیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی آنکھیں پھیر کر فرمایا کہ یہ تو شیشوں کا بنا ہوا محل ہے۔ اور ایک نبی کی بلکہ ہر صالح مومن کی یہی شان ہے کہ وہ ایسی

جگہ نظر نہ ڈالے جہاں نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔ اگر نظر پڑ جائے تو اسی وقت نظر کو پھیر لے حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیجا نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے حکم دیا کہ نظر پھیر لو اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر باقی نہ رکھو بلا اختیار جو پہلی نظر پڑ جائے اس پر تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا، اور دوسری نظر پر مواخذہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

(٤) ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو ہدیہ بھیجا تھا اسے انہوں نے واپس فرما دیا کیونکہ واپس کرنے میں مصلحت تھی اور اسے یہ بتانا تھا کہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے مجھے اس سے بہتر عطا فرمایا ہے، اس میں بھی ایک طرح سے اپنے اقتدار کی شان و شوکت کو اس کے اقتدار سے اعلیٰ وارفع بتانا مقصود تھا تاکہ اس پر مزید ہیبت قائم ہو جائے اور اسے بات کے سمجھنے میں اور فرماں بردار ہو کے آنے میں تامل کرنے کا ذرا بھی موقعہ نہ رہے، اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے جسے علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر ہدیہ قبول کر لیتے تو یہ ہدیہ رشوت بن جاتا اور گویا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بلقیس اپنے ملک اور اپنے دین شرک پر قائم رہے اور اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اس طرح سے حق کو باطل کے عوض بیچنے کی ایک صورت بن جائی، لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا ہدیہ واپس فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ ہدیہ دیتے بھی تھے اور ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور جو شخص ہدیہ دیتا تھا اس کا بدلہ بھی دیدیتے تھے اور آپس میں ہدیہ لینے دینے کا حکم بھی فرماتے تھے موطا مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تصافحوا یذهب الغل و تهادوا تحابوا و تذهب الشحنا (آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیہ لیا کرو اس سے آپس میں محبت ہوگی اور دشمنی چلی جائے گی) آپس میں مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ ہدیہ لیا دیا کریں اور اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہدیہ نہ لیا جائے مثلاً رشوت بصورت ہدیہ دی جارہی ہو یا کوئی شخص مال حرام سے ہدیہ دے رہا ہو یا اور کوئی عذر ہو تو یہ دوسری بات ہے، رہی یہ بات کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے آپ نے ان کا ہدیہ قبول بھی فرمایا ہے اور رد بھی کیا ہے آپ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ علی الاطلاق نہ قبول کرنا ہے اور نہ رد کرنا ہے دینی مصلحت کو دیکھا جائے۔

کسی کافر مشرک کا ہدیہ قبول کرنے سے اسلام قبول کرنے کی امید ہو تو اس کا ہدیہ قبول کر لیا جائے کیونکہ یہ ایک دینی مصلحت ہے اور اگر کافر و مشرک کا ہدیہ قبول کرنے میں ان کی طرف سے کسی سازش یا دھوکہ دہی اور فریب کاری کا اندیشہ ہو یا اور کوئی بات خلاف مصلحت ہو تو ان کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے۔

لفظ (فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰہُ) ہندوستان و پاکستان کے جو مطبوعہ مصاحف ہیں ان میں نون کے بعد لمبی (ے) لکھ کر فتحہ دے دیا گیا ہے تاکہ حضرت حفص کی روایت فی الوصل پر دلالت کرے، وہ اس میں وصل کرتے ہوئے رسم قرآنی کے خلاف مفتوحہ ظاہر کر کے پڑھتے ہیں جیسا کہ ہند و پاک کے حفاظ و قراء میں معروف و مشہور ہے (رسم عثمانی میں صرف ن ہے ے نہیں ہے) اب رہی وقف کی حالت تو اس میں حضرت حفص سے دونوں روایتیں ہیں وقف بالاثبات یعنی فما آتانی اور وقف بالحذف بھی یعنی فما آتان اس میں انہوں نے بحالت وصل رسم کی مخالفت کی ہے کیونکہ ی کو ظاہر کر کے پڑھا ہے اور وقف کی ایک صورت

مں بھی مخالفت کی ہے اور وہ یہ کہ ی کو واپس لاکر ساکن کر کے پڑھا، اس کو خوب غور کر کے سمجھیں۔

کیا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی تھیں:

آیات مذکورہ میں بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہو گیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو گئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے؟ قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص نے جب عبداللہ ابن عیینہ سے پوچھا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا معاملہ اس پر ختم ہو گیا وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۴) مطلب یہ تھا کہ قرآن نے یہیں تک اس کا حال بیان کیا ہے اس کے بعد کا حال بتلانا قرآن نے چھوڑ دیا تو ہمیں بھی اس کی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ابن عساکر نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لیے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال ونظیر نہیں تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِيْلَةِ صٰلِحًا اَنِ بِاَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (۴۵) فِى الدِّيْنِ فَرِيْقٌ مُؤْمِنُوْنَ مِنْ حِيْنَ اَرْسَالِهِ اِلَيْهِمْ وَفَرِيْقٌ كَافِرُوْنَ قَالَ لِلْمُكَذِّبِيْنَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ اَىْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ الرَّحْمَةِ حَيْثُ قُلْتُمْ اِنْ كَانَ مَا اَتَيْتَنَا بِهٖ حَقًّا فَاْتِنَا بِالْعَذَابِ لَوْلَا هَلَّا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ مِنَ الشِّرْكِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۴۶) فَلَا تُعَذَّبُوْنَ قَالُوا اطَّيَّرْنَا اَصْلُهٗ تَطَيَّرْنَا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِى الطَّاءِ وَاُجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ وَصْلٍ اَىْ تَشَاءَمْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ قُحِطُوا الْمَطَرَ وَجَاعُوْا قَالَ طٰٓئِرُكُمْ شُؤْمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتَاكُمْ بِهٖ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (۴۷) تُخْتَبَرُوْنَ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ مَدِيْنَةِ ثَمُوْدَ تِسْعَةُ رَهْطٍ اَىْ رِجَالٍ يُّفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِىْ مِنْهَا قَرْضُهُمُ الدَّنَانِيْرَ وَالدَّرَاهِمَ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (۴۸) بِالطَّاعَةِ قَالُوْا اَىْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ تَقَاسَمُوْا اَىْ اَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ بِالنُّوْنِ وَالتَّاءِ وَضَمِّ التَّاءِ الثَّانِيَةِ وَاَهْلَهٗ اَىْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ اَىْ نَقْتُلُهُمْ لَيْلًا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ بِالنُّوْنِ وَالتَّاءِ وَضَمِّ اللَّامِ الثَّانِيَةِ لِوَلِيِّهٖ اَىْ وَلِيِّ دَمِهٖ مَا شَهِدْنَا حَضَرْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَىْ اِهْلَاكَهُمْ اَوْ هِلَاكَهُمْ فَلَا نَدْرِىْ مَنْ قَتَلَهٗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (۴۹) وَمَكَرُوْا فِىْ ذٰلِكَ مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا اَىْ جَازَيْنَاهُمْ بِتَعْجِيْلِ عُقُوْبَتِهِمْ وَهُمْ لَا

يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ اَهْلَكْنَاهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾
بِصَيْحَةِ جِبْرَئِيْلَ اَوْ بِرَمْيِ الْمَلَائِكَةِ بِحِجَارَةٍ يَرَوْنَهَا وَلَا يَرَوْنَهُمْ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ خَالِيَةً وَنَصْبُهُ
عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْاِشَارَةِ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ بِظُلْمِهِمْ اَيْ كُفْرِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَعِبْرَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُدْرَتَنَا فَيَتَّعِظُوْنَ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِصَالِحٍ وَهُمْ اَرْبَعَةُ الْاٰفٍ وَ كَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ الشِّرْكَ وَ لُوْطًا مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهُ وَيُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ
اَيِ اللِّوَاطَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ يُبْصِرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اِنْهِمَاكًا فِي الْمَعْصِيَةِ اَئِنَّكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ
وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ
اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ عَاقِبَةَ فِعْلِكُمْ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ اَيْ اَهْلَهُ
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ مِنْ اَدْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
قَدَّرْنٰهَا جَعَلْنَاهَا بِتَقْدِيْرِنَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ الْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ هُوَ
ع ۱۴ حِجَارَةُ السِّجِّيْلِ اَهْلَكَتْهُمْ فَسَاۗءَ بِئْسَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾
۱۹

ترجمہ: اور ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ سو ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے (منکرین سے صالح نے) کہا۔ کہ اے میری قوم والو! تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو (میرے بارے میں یہ کہہ کر کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے انکار پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے۔ جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جائے (اور عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں (کہ تمہاری وجہ سے بارشیں رک گئیں اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔ اطیرنا اصل میں تطیرنا تھا۔ تا کو طا میں ادغام کر دیا گیا اور اس سے پہلے ہمزہ وصل لایا گیا تا کہ تلفظ میں آسانی ہو۔ کیونکہ طا مدغم کا تلفظ مشکل ہو جاتا ہے صالح نے) کہا کہ تمہاری نحوست کا (سبب) تو اللہ کے علم میں ہے۔ البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو گئے اور شہر (ثمود) میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ سب خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح اور اس کے متعلقین (مؤمنین) کو جا ماریں گے۔ (لنبیتنه اور لتبیتنه نون اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے) اس وجہ سے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے) اور ہم بالکل سچے ہیں۔

(لنقولن اور لتقولن دونوں قراءت ہیں اور مهلك اهله، میں میم کو ضمہ اور فتحہ بھی پڑھا گیا ہے) اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے (کہ ان کی چال کی سزا بطور عذاب کے ہم نے دی) اور ہماری چال کی انہیں خبر نہ ہوئی۔ سو دیکھئے کہ ان کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان کی قوم اور ان سب کو ہلاک کر ڈالا (جبرئیل علیہ السلام کی چنگھاڑ یا فرشتوں کی سنگساری کے ذریعہ اور یہ ان فرشتوں کو دیکھ بھی نہ سکے) سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں۔ ان کے کفر کے باعث۔ (خالیۃ منصوب بر بناء حال ہے اور اس میں عامل تلک اسم اشارہ کا معنی ہے) بلاشبہ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کیلئے جو صاحب علم ہیں (اور ہماری قدرتوں سے واقف ہیں۔ انہیں اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے) اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے (صالحؑ پر اور وہ چار ہزار کے قریب تھے) اور جو بچتے تھے (شرک سے) اور لوطؑ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم سمجھ دار ہو (اور جانتے ہو کہ یہ فعل معصیت ہے لوطاً منصوب ہے اس وجہ سے کہ اس سے پہلے اذکر مقدر ہے اور اذ قال لقومه اس سے بدل واقع ہو رہا ہے) کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ مگر اس سلسلہ میں تم جہالت کر رہے ہو (اور اس کے انجام سے غافل ہو۔ ائنکم میں دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے یا ایک ہمزہ کو حذف کر دینا دونوں قراءت ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں الف باقی رہے گا) سو ان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی۔ بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوطؑ کے لوگوں کو تم بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوطؑ اور ان کے متعلقین کو نجات دی بجز لوطؑ کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے (عذاب میں مبتلا) رہ جانے والوں میں تجویز کر رکھا تھا۔ اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسا دیا (اور وہ پتھروں کی بارش تھی۔ جس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا) سو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے ان کیلئے مینہ کیسا برا ہوا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: يَخْتَصِمُوْنَ: ضمیر جمع کی فریقین کی طرف راجع ہے۔

قوله: تَسْتَغْفِرُوْنَ : یعنی تم عذاب سے قبل اللہ تعالیٰ سے معافی نہیں مانگتے۔

قوله: تُرْحَمُوْنَ: توبہ کی قبولیت کے ذریعہ۔

قوله: قَالَ طٰٓئِرُكُمْ : یعنی وہ سبب جس کی وجہ سے شر آیا ہے۔

قوله: عِنْدَ اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں۔

قوله: بَلْ اَنْتُمْ : اس میں شگون سے اصل داعیہ کی طرف اضراب کیا گیا ہے۔

قوله: رِجَالٍ: رھط یہ تسعہ کی تمیز معنی کے لحاظ سے اگرچہ لفظ مفرد ہے۔

قوله: تَقَاسَمُوْا: یہ امر ہے جو مقولہ ہے یا خبر ہے یعنی ماضی ہے جو قالوا سے بدل ہے۔

قوله: مَهْلِكَ: یہ مصدر، ظرف زمان، مکان کا محتمل ہے۔ مصدری معنی ضمہ کے ساتھ ہے۔

قوله: وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ: حالانکہ حال یہ ہے کہ ہم اس مذکورہ بات میں سچے کیونکہ شی غیر مباشر ہوتا ہے۔

قوله: اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ: اس کی خبر محذوف شان یہ ہے یا اسم کان کا یہ بدل ہے۔

قوله: بِظُلْمِهِمْ: ما مصدر یہ ہے کیونکہ عائد نہیں۔

قوله: يُبْدَلُ مِنْهُ: یعنی یہ لوطا سے بدل الاشتمال ہے۔

قوله: يُبْصِرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: وہ سرعام لواطت کرتے تھے۔

قوله: شَهْوَةً: یہ لواطت کی علت ہے تاکہ اس کی قباحت پر دال ہو۔ جماع سے تو نسل مقصود ہے۔

قوله: مَطَرُهُمْ: یہ مخصوص بالذم ہے۔

قوله: هُمْ: اس کو مقدر مانا تاکہ موصول کی طرف لوٹے۔

قوله: اَهْلَ مَكَّةَ: یہ یشرکون کی غائبی ضمیر کی تفسیر ہے۔

قوله: اَلْاٰلِهَةَ خَيْرٌ: یہ امن خلق السمٰوت کا عدیل ہے ماسبق سے متعلق نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں دعوت توحید دی تو ان میں دو فریق بن گئے ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتھ گئے جیسے اور جگہ ہے کہ متکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لاچکے ہیں انہوں نے کہا بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا بجائے رحمت کے عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تاکہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے ماننے والے۔ یہی فرعونیوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیاں ہمیں ملتی ہیں ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں اور آیت میں ہے: (وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (النساء:۷۸) یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی قضا وقدر سے ہے۔ سورۂ یٰسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے۔ (قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (یٰسین:۱۸) ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے اور سخت سزا

دیں گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں یہ ہے کہ حضرت صالح نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو تمہیں آزمایا جارہا ہے اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جارہی ہے یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اس کے بعد پکڑے جاؤ گے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ۝

قوم صالح کے نوفسادی سرغنوں کا ذکر:

ثمود کے شہر میں نوفسادی شخص تھے جن کی طبعیت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں رعی، رعم، ہرم، ہریم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ جس کا بیان آیت: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى (القمر:۲۹) اور (اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا (الشمس:۱۲) میں ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔ اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصا جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا۔ اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اسے کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو اس ارادے سے چلے راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوگیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لیے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گذرنے دو۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک مزے اڑا لو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی

نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کردو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے اس سے بچنے کے لیے ایک غار میں گھس گئے چٹان آکر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گیا کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا۔ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کردیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح اور باایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوادیں۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھادیا۔ اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہوسکا۔ انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں انکے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کردیئے گئے ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔ ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچالیا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

(ربط) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ جب باز نہ آئے تو ہلاک کردیئے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ برے کام کرتے تھے یعنی مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ایمان کی بھی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اس کام کو چھوڑ دو تمہارا دل بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے، یہ جاہلوں کا کام ہے تم پر جہالت سوار ہے کہ تم اسے برا کام جانتے ہوئے بھی نہیں چھوڑتے، ان لوگوں نے الٹے الٹے جواب دیئے اور کہنے لگے کہ اجی لوط کو اور ان کے ساتھیوں کو (جنہوں نے ایمان قبول کرلیا) اور ان کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں، پاک آدمیوں کا ناپاک آدمیوں میں کیا کام (یہ ان لوگوں نے بطور طنز و تمسخر کہا تھا)۔

آخر ان لوگوں پر عذاب آگیا بحکم الٰہی حضرت سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو اور گھر والوں کو آخر رات میں بستی سے لے کر نکل گئے اللہ پاک نے ان کی قوم پر پتھروں کی بارش بھیج دی اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا۔

بارش میں جو پتھر برسائے گئے انہیں سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں (حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ) فرمایا اور سورۂ ذاریات میں (حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ) فرمایا سجیل کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے یعنی یہ اس قسم کے پتھر تھے جیسے مٹی کو آگ میں پکالیا ہو اور اس سے اینٹیں بنائی جائیں اسی کو فرمایا کہ ہم نے خاص قسم کی بارش بھیج دی آخر میں فرمایا: (فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ) (سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جنہیں ڈرایا گیا) یعنی پہلے انہیں سمجھایا گیا تھا کہ ڈرو، ایمان لاؤ، برے اعمال چھوڑ و اس کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا لامحالہ عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔

شروع سورت سے لے کر یہاں تک نبوت و رسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات بحث تھی۔ اب

آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

بِالْعَذَابِ مَطَرُهُمْ قُلِ يَامُحَمَّدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هِلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ءٰٓاللّٰهُ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَ تَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى تَرْكُهُ خَيْرٌ لِمَنْ يَعْبُدُهُ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ بِهِ الْاٰلِهَةَ خَيْرٌ لِعَابِدِيْهَا

ترجمہ: اور آپ (اے محمدؐ! ان منکرین کی ہلاکت پر) کہہ دیجئے کہ ہر تعریف اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں۔ (ءٰٓاللّٰہ میں دونوں ہمزہ کا باقی رکھنا اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینا اور دونوں ہمزہ کے درمیان الف کا لانا یہ سب صورتیں ہیں۔ اسی طرح یشرکون میں یا اور تا دونوں قراءت ہیں)۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں دعوت توحید دی تو ان میں دو فریق بن گئے ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتھ گئے جیسے اور جگہ ہے کہ متکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لاچکے ہیں انہوں نے کہا بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا بجائے رحمت کے عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تاکہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے ماننے والے۔ یہی فرعونیوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیاں ہمیں ملتی ہیں ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں اور آیت میں ہے: (وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (النساء:۷۸) یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی قضا وقدر سے ہے۔ سورۃ یٰسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے۔ (قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (یٰسین:۱۸) ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے اور سخت دیں

گے۔نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں ہے کہ حضرت صالح نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو تمہیں آزمایا جارہا ہے اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جارہی ہے یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اس کے بعد پکڑے جاؤ گے۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

قوم صالح کے نوفسادی سرغنوں کا ذکر:

ثمود کے شہر میں نو فسادی شخص تھے جن کی طبیعت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں رعی، رعم، ھرم، ھریم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔جس کا بیان آیت: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى (القمر:۲۹) اور (اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (الشمس:۱۲) میں ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصا جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا۔ اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اسے کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو اس ارادے سے چلے راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہو گیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔انہوں نے حضرت صالح پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لیے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گذرنے دو۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک مزے اڑا لو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز

کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کردو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے اس سے بچنے کے لیے ایک غار میں گھس گئے چٹان آکر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گیا کہ غار کا منہ بالکل بند ہوگیا۔سب کے سب ہلاک ہوگئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کردیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔حضرت صالح اور باایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوادیں۔انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھادیا۔اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہوسکا۔انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں انکے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہوگئے ان کے بارونق شہر تباہ کردیئے گئے ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچالیا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

(ربط) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہوگئے۔لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔جب باز نہ آئے تو ہلاک کردیئے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ برے کام کرتے تھے یعنی مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ایمان کی بھی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اس کام کو چھوڑ دو تمہارا دل بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے، یہ جاہلوں کا کام ہے تم پر جہالت سوار ہے کہ تم اسے برا کام جانتے ہوئے بھی نہیں چھوڑتے،ان لوگوں نے الٹے الٹے جواب دیئے اور کہنے لگے کہ اجی لوط کو اور ان کے ساتھیوں کو (جنہوں نے ایمان قبول کرلیا) اور ان کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں، پاک آدمیوں کا ناپاک آدمیوں میں کیا کام (یہ ان لوگوں نے بطور طنز و تمسخر کہا تھا)۔

آخر ان لوگوں پر عذاب آ گیا بحکم الٰہی حضرت سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو اور گھر والوں کو آخر رات میں بستی سے لے کر نکل گئے اللہ پاک نے ان کی قوم پر پتھروں کی بارش بھیج دی اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا۔

بارش میں جو پتھر برسائے گئے انہیں سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں (حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ) فرمایا اور سورۃ ذاریات میں (حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ) فرمایا سجیل کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے یعنی یہ اس قسم کے پتھر تھے جیسے مٹی کو آگ میں پکا لیا ہو اور اس سے اینٹیں بنائی جائیں اسی کو فرمایا کہ ہم نے خاص قسم کی بارش بھیج دی آخر میں فرمایا: (فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ) (سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جنہیں ڈرایا گیا) یعنی پہلے انہیں سمجھایا گیا تھا کہ ڈرو، ایمان لاؤ، برے اعمال چھوڑو اس کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا لامحالہ عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔

شروع سورت سے لے کر یہاں تک نبوت و رسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات بحث تھی۔اب آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى التَّكَلُّمِ بِهٖ
حَدَآئِقَ جَمْعُ حَدِيْقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمُحَوَّطُ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ حُسْنٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ
لِعَدَمِ قُدْرَتِكُمْ عَلَيْهِ ءَاِلٰهٌ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِيْ
مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ مَّعَ اللّٰهِ ؕ اِعَانَةً عَلٰى ذٰلِكَ اَيْ لَيْسَ مَعَهٗ اِلٰهٌ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ
غَيْرَهٗ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا لَا تَمِيْدُ بِاَهْلِهَا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ فِيْمَا بَيْنَهَا اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
جِبَالًا اَثْبَتَ بِهَا الْاَرْضَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ بَيْنَ الْعَذْبِ وَالْمِلْحِ لَا يَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا
بِالْاٰخَرِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ تَوْحِيْدَهٗ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ الْمَكْرُوْبَ الَّذِيْ
مَسَّهُ الضُّرُّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ عَنْهُ وَعَنْ غَيْرِهٖ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى فِيْ
اَيْ يَخْلُفُ كُلُّ قَرْنٍ الْقَرْنَ الَّذِيْ قَبْلَهٗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَتَّعِظُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ
وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الذَّالِ وَمَا زَائِدَةٌ لِتَقْلِيْلِ الْقَلِيْلِ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ يُرْشِدُكُمْ اِلٰى مَقَاصِدِكُمْ
فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِالنُّجُوْمِ لَيْلًا وَبِعَلَامَاتِ الْاَرْضِ نَهَارًا وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ
رَحْمَتِهٖ ؕ اَيْ قُدَّامَ الْمَطَرِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾ بِهٖ غَيْرَهٗ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ فِي
الْاَرْحَامِ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاِنْ لَّمْ يَعْتَرِفُوْا بِالْاِعَادَةِ لِقِيَامِ الْبَرَاهِيْنِ عَلَيْهَا وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ ؕ بِالنَّبَاتِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ اَيْ لَا يَفْعَلُ شَيْئًا مِمَّا ذُكِرَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا اِلٰهَ مَعَهٗ
قُلْ يَا مُحَمَّدُ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾ اَنَّ مَعِيَ اِلٰهًا فَعَلَ شَيْئًا مِمَّا ذُكِرَ وَسَاَ
لُوْهُ عَنْ وَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ فَنَزَلَ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ الْغَيْبَ اَيْ
مَا غَابَ عَنْهُمْ اِلَّا لٰكِنِ اللّٰهُ ؕ يَعْلَمُهٗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيِ الْكُفَّارُ كَغَيْرِهِمْ اَيَّانَ وَقْتَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ
بِمَعْنٰى هَلْ اَدْرَكَ بِوَزْنِ اَكْرَمَ فِيْ قِرَاءَةٍ وَفِيْ اُخْرٰى اِدَّارَكَ بِتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَاَصْلُهٗ تَدَارَكَ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا وَ
اُدْغِمَتْ فِي الدَّالِ وَاجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الْوَصْلِ اَيْ بَلَغَ وَلَحِقَ اَوْ تَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ اَيْ
ع ٥/٨ بِهَا حَتّٰى سَاَلُوْا عَنْ وَقْتِ مَجِيْئِهَا لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ مِنْ

عَمَى الْقَلْبُ وَهُوَ اَبْلَغُ مِمَّا قَبْلَهُ وَالْاَصْلُ عَمِيُوْنَ اُسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى الْمِيْمِ بَعْدَ حَذْفِ كَسْرِهَا

ترجمہ: تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے درختوں کو اگاؤ، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اگائے (لفظ انبتنا میں غائب صیغہ سے متکلم کی طرف صفت التفات ہے) پانی کے ذریعہ باغ (لفظ حدائق حدیقة کی جمع ہے جس کے معنی چار دیواری والے محفوظ باغ کے ہیں) رونق دار (خوبصورت) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو (اس پر تمہاری قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) کیا اور بھی خدا ہے (لفظ ئالہ یہاں سات جگہ آیا ہے۔ ان سب میں دو ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے۔ نیز ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف بڑھا کر چاروں طریقہ سے پڑھا گیا ہے) اللہ کے ساتھ (اس کام پر اس کی مدد کیلئے؟ یعنی ہرگز اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہیں ہے) مگر ہاں یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں (اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کرتے ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا (کہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ ڈگمگاتی نہیں ہے) اور بنائیں ان زمینوں کے درمیان (بیچ میں) ندیاں اور زمین کی خاطر بوجھل پہاڑ بنائے (جن سے زمین کو ٹھہرایا) اور دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی (جو شیریں اور شور پانیوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی) کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو (اس کی توحید کو) سمجھتے بھی نہیں۔ یا وہ ذات جو بے قرار کی فریاد سنتی ہے۔ (کہ جو تکلیف کے مارے بے چین ہو) جب وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ مصیبت دور کر دیتا ہے (پکارنے والے سے بھی اور دوسروں سے بھی) اور تمہیں زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے) خلفاء الارض میں اضافت بواسطہ فی ہے، یعنی ہر پچھلا قرن پہلے قرن کا قائم مقام ہے) کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو (کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اکثر قراء کے نزدیک لفظ تذکرون تا کے ساتھ ہے اور ابو عمر قاری کے نزدیک یا کے ساتھ آیا ہے۔ یہ لفظ اصل میں تتذکرون تھا۔ تا کو ذال میں ادغام کر دیا ہے اور لفظ ما زائد ہے۔ مگر تقلیل کی زیادتی کیلئے لایا گیا ہے) یا وہ ذات جو تمہیں راستہ سجھاتی ہے (تمہاری منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتی ہے) خشکی اور تری کی اندھیریوں میں (رات کو ستاروں کے ذریعہ اور دن میں زمین کے نشانات کے ذریعہ) اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے (رحمت سے یہاں مراد بارش ہے) بھیجتا ہے خوش کر دینے کیلئے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان کے شرک سے (جو دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں) یا وہ ذات اول بار مخلوق کو پیدا کرتی ہے (نطفہ کو رحم میں ڈال کر) پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گی مرنے کے بعد۔ اگرچہ یہ اس کا اقرار نہ کریں۔ مگر اس پر دلائل موجود ہیں) اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان سے (بارش کے ذریعہ) اور زمین سے (اگا کر) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی خدا ہے؟ (یعنی مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا اور اللہ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے) آپ (اے محمدؐ!) کہیے اپنی دلیل (حجت) پیش کرو اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ میرے ساتھ اور خدا ہے جس نے مذکورہ چیزوں میں سے کچھ بھی بنایا ہو اور چونکہ کفار مکہ نے قیامت کا پوچھا تھا۔ اس لئے اگلی آیت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے

آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہے (خواہ فرشتے ہوں یا انسان) کوئی بھی غیب (نگاہوں سے اوجھل چیز) کو نہیں جانتا۔ بجز (سوائے) اللہ کے (وہ جانتا ہے اور یہ کفار وغیرہ) نہیں جانتے کہ کب (کس وقت) دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ بات یہ ہے (بل بمعنی هل ہے) نیست و نابود ہو گیا ہے (لفظ ادرك بروزن اکرم ہے۔ ابوعمرو کی قراءت میں اور دوسروں کی قراءت میں ادرك ہے دال مشدد کے ساتھ اصل میں تدارک تھا۔ تا کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کر دیا اور ہمزہ وصل حذف کر دیا ہے یعنی اتنا بڑھ گیا اور مسلسل ہو گیا) ان کا علم آخرت کے متعلق (حتیٰ کہ قیامت آنے کا وقت پوچھنے کی نوبت آ گئی۔ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو کچھ علم نہیں ہے) بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں (لفظ عمون، عمي القلب سے ماخوذ ہے۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے بڑھ کر ہے۔ عمون دراصل عمیون تھا۔ یا پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے ماقبل میم کو دے دیا میم کا حذف کر کے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اِلَى التَّكَلُّمِ: یہ اس بات کی تاکید کے لئے ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور عمدہ باغات کی اور کسی کو قدرت نہیں جیسا کہ ما کان لکم سے اشارہ فرمایا ہے۔

قوله: تَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ: اس میں بین بین کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔

قوله: يَّعْدِلُوْنَ: یہ عدل سے ہے جس کا معنی برابری ہے۔

قوله: اَمَّنْ: یہ پہلے امن سے بدل ہے۔

قوله: الْمُضْطَرَّ: مجبور۔

قوله: خُلَفَآءَ الْاَرْضِ: کی اضافت فی کے معنی میں ہے۔

قوله: قَلِيْلًا: قلت سے مراد عدم ہے۔

قوله: ظُلُمٰتِ الْبَرِّ: اندھیرے تورات کے ہوتے ہیں مگر بر و بحر کی طرف اضافت ملابست کی وجہ سے ہے۔

قوله: لِقِيَامِ الْبَرَاهِيْنَ: وہ اس پر دلالت کرنے والے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں۔

قوله: لٰكِنِ اللّٰهُ: یہ استثناء منقطع ہے۔

قوله: اَيَّانَ: یہ ای اور ان سے مل کر بنا ہے۔

قوله: بَلَغَ: یہ باب افعال سے ہو تو تفسیر ہے اور تتابع معنی ہوگا جب تدارت باب تفاعل سے لیں۔

قوله: عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ: جب ان سے علم غیب کی نفی کی تو یہ واضح کر دیا جس کے متعلق ان کے علمی دلائل مکمل ہو گئے وہ یہ ہے کہ قیامت نے بہر حال آنا ہے اور جیسا مناسب ہے ایسا وہ اس کو نہیں جانتے۔

قوله: فِيْ شَكٍّ: جیسے کسی معاملے میں حیران اپنی دلیل پالے۔

قوله: مِّنْهَا عَمُوْنَ: ان کی بصیرت میں خلل کی وجہ سے وہ اس کے دلائل کا ادراک نہیں کر سکتے۔

تفسیر مقبولین

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ؕ

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین کے دشمنوں کی ہلاکت اور بربادی کے چند واقعات ذکر کئے اب یہ حکم دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کا شکر کرو کہ کفار اور مشرکین ہلاک اور برباد ہوئے خدا کے نافرمانوں کی ہلاکت اور بربادی اور اہل حق کی فتح ونصرت حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور سلام بھیجو خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر جن کو اللہ نے عزت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کو کامیاب فرمایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر سلام بھیجا جائے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور شرک کی بنا پر ہلاک ہوئے اس لیے آئندہ آیات میں انواع واقسام کے دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ دیکھو صاوی ص ۱۰۳ ج ۳۔

اس سورت کے نصف اول میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر فرمائے اب اس کے بعد نصف دوم میں دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور دلائل توحید اور مبداء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی جب یہ واقعات آپ ﷺ نے بیان کردیئے اور ان کو سنادیئے تو کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کیا اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب کیا یعنی انبیا کرام پر اور ان کے اصحاب پر جن کی بدولت یہ گندگی اور نجاست دور ہوئی۔ ان واقعات میں غور کرکے بتلاؤ کہ کیا وہ خدا بہتر جس کی قدرت کا یہ حال یا وہ چیزیں بہتر ہیں جن کو تم الوہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی ظاہر ہے کہ قادر مطلق بلاشبہ عاجز مطلق سے بہتر ہے پس اس عقلی دلیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اب آئندہ آیات میں چند کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ان میں غور کرکے بتلائیں کہ اللہ بہتر ہے یا یہ بت بہتر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں قوم ثمود اور قوم لوط کے ہلاکت کا ذکر کرکے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ دونوں جہان کی سلامتی ان لوگوں کو دیتا ہے کہ جو اس کی بارگاہ میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں اور اس اصطفا اور برگزیدگی کے مدارج اور مراتب ہیں۔ مرتبہ اعلیٰ انبیا ومرسلین کی برگزیدگی کا ہے بعد ازاں ان مسلمانوں کی برگزیدگی کا ہے جنہوں نے انبیاء ومرسلین کی مدد اور نصرت کرکے اعلاء کلمۃ اللہ کیا اور بالخصوص جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد اور نصرت کی اور اس کا اولین مصداق مہاجرین اولین ہیں پھر انصار کرام اور مہاجرین اولین کے مقابلہ میں وہ اشقیا کفار ہیں جو اعلاء کلمۃ الکفر میں ساعی اور کوشاں رہے۔

الغرض اصطفا کے درجات میں اصطفا کا اعلیٰ درجہ حضرات انبیا کرام کے لیے ہے اور دوسرا درجہ صحابہ کرام کے لیے کما قال اللہ تعالیٰ: ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا الی اخر الایۃ اس لیے اس قسم کے تمام آیتوں کی تفسیر سلف صالحین نے آنحضرت ﷺ کے اصحاب کے ساتھ کی ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے کہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی سے آنحضرت ﷺ کے اصحاب مراد ہیں۔

(ازالۃ الخفاء)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ....

مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات، مشرکین کو توحید کی دعوت،

یہ چند آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا اپنی رضامندی کے کاموں کے لیے اور اپنے دین کی دعوت وتبلیغ کے لیے چن لیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر سلام ہو، پھر سوال فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ کی ذات اقدس بہتر ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جنہیں مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، ان چیزوں کو کچھ بھی قدرت نہیں اور اللہ کی بڑی قدرت ہے اس کی قدرت کے مظاہر نظروں کے سامنے ہیں مشرکین بھی جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی وجود میں ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کو کسی نے کچھ بھی وجود نہیں بخشا پھر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کے چند مظاہر بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ جس پاک ذات نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا اور جس نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغیچے پیدا فرمائے تمہارے بس کا کام نہیں تھا کہ تم اس کو پیدا کرتے کیا (ان چیزوں کی تخلیق میں) اس کا کوئی شریک ہے، اس کو تو سب مانتے ہیں کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پھر عبادت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے) یعنی اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ (بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ) اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا یعنی ان سب باتوں کو جانتے ہوئے یہ لوگ پھر بھی اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ یعنی مخلوق کی عبادت کرتے ہیں، اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر راہ حق سے ہٹتے ہیں لفظ يَعْدِلُوْنَ میں دونوں طرح ترجمہ کرنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد فرمایا کہ جس ذات نے زمین کو ٹھہرنے والی چیز بنادیا جو خود بھی ٹھہری ہوئی ہے اور اس پر انسان اور حیوانات سب ٹھہرے ہوئے ہیں اس میں حرکت نہیں ہے اور جس نے اس کے درمیان نہریں بنادیں اور اس کے لیے بھاری پہاڑ بنادیئے اور جس نے دو سمندروں کے درمیان آڑ بنادی ایک میٹھا ہے اور دوسرا نمکین ہے دونوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوتے کیا ایسی پاک ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی نہیں ہے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے، یہاں جو زمین کو ٹھہرنے والی بتایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حرکت نہیں کرتی جس سے اوپر کی چیزیں حرکت کرنے لگیں یعنی اس میں عام حالت میں زلزلہ اور اضطراب کی کیفیت نہیں لہٰذا یہ اس کے معارض نہیں جو اہل سائنس کہتے ہیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں زمین کی حرکت کو دخل ہے جیسے اوپر کے پاٹ پر ایک چیونٹی بیٹھی یا چلتی رہے اور پاٹ گھومتا رہے تو چیونٹی کے بیٹھے رہنے یا چلنے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ رہی یہ بات کہ اہل سائنس جو کہ کہتے ہیں کہ لیل ونہار کا آگے پیچھے آنا جانا زمین کی حرکت کی وجہ سے ہے ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں ایک مستقل بحث ہے یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر اہل سائنس کا قول درست ہو تب بھی قرار ارض کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے زلزلہ والی حرکت بھی زمین میں پیدا ہو جاتی ہے اس وقت بھاری پہاڑ بھی زمین کے زلزلہ کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ خود بھی چورہ چورہ ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مجبور حال دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما دیتا ہے اور وہ تمہیں زمین میں خلفاء بناتا ہے یعنی گزشتہ لوگوں کا اس زمین پر جو تسلط تھا اس کے بعد تمہیں تسلط بخشا ہے کیا ایسی ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے

تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کیا جو ذات پاک خشکی اور سمندروں کی تاریکی میں راہ بتاتا ہے اور جو اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی کوئی نہیں اللہ اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔

پھر فرمایا جو ذات ابتداء پیدا فرمائے پھر موت کے بعد اس مخلوق کو لوٹا دے یعنی دوبارہ زندہ فرمادے اور وہ ذات جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مخلوق میں حقیقی تصرف کرتا ہے جب یہ بات ہے تو شرک پر کیوں جمے ہوئے ہو۔ (تفسیر انوار البیان)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَيْضًا فِيْ اِنْكَارِ الْبَعْثِ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَيْ مِنَ الْقُبُوْرِ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ اَيْ مَا سُطِرَ مِنَ الْكِذْبِ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ بِاِنْكَارِهِمْ وَهِيَ هِلَاكُهُمْ بِالْعَذَابِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ فَاِنَّا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بِالْعَذَابِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ فِيْهِ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ قَرُبَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَحَصَلَ لَهُمُ الْقَتْلُ بِبَدْرٍ وَبَاقِي الْعَذَابِ يَاْتِيْهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَمِنْهُ تَاْخِيْرُ الْعَذَابِ عَنِ الْكُفَّارِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَالْكُفَّارُ لَا يَشْكُرُوْنَ تَاْخِيْرَ الْعَذَابِ لِاِنْكَارِهِمْ وُقُوْعَهُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ تُخْفِيْهِ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ التَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَيْ شَيْءٍ فِيْ غَايَةِ الْخَفَاءِ عَلَى النَّاسِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَمَكْنُوْنُ عِلْمِهٖ تَعَالٰى وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ الْكُفَّارِ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَيْ بِبَيَانِ مَا ذُكِرَ عَلٰى وَجْهِهِ الرَّافِعِ لِلْاِخْتِلَافِ بَيْنَهُمْ لَوْ اَخَذُوْا بِهٖ وَاَسْلَمُوْا وَاِنَّهٗ لَهُدًى مِّنَ الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ مِنَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ كَغَيْرِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِحُكْمِهٖ ۚ اَيْ عَدْلِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ بِمَا يَحْكُمُ بِهٖ فَلَا يُمْكِنُ اَحَدًا مُخَالَفَتُهٗ كَمَا خَالَفَ الْكُفَّارُ فِي الدُّنْيَا اَنْبِيَآءَهٗ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ ثِقْ بِهٖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اَيِ الدِّيْنِ الْبَيِّنِ فَالْعَاقِبَةُ لَكَ بِالنَّصْرِ عَلٰى

الْكُفَّارِ ثُمَّ ضَرَبَ لَهُمْ اَمْثَالًا بِالْمَوْتٰى وَالصُّمِّ وَالْعَمْى فَقَالَ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۸۰ وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ اَىْ اِنْ تُسْمِعُ سِمَاعَ اَفْهَامٍ وَ قَبُوْلٍ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۸۱ مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ حَقَّ الْعَذَابُ اَنْ يُنْزَلَ بِهِمْ فِىْ جُمْلَةِ الْكُفَّارِ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَىْ تُكَلِّمُ الْمَوْجُوْدِيْنَ حِيْنَ خُرُوْجِهَا بِالْعَرَبِيَّةِ تَقُوْلُ لَهُمْ مِنْ جُمْلَةِ كَلَامِهَا نَائِبَةً عَنَّا اَنَّ النَّاسَ اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ وَ فِى قِرَاءَةٍ فَتْحِ هَمْزَةِ اِنَّ بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ بَعْدَ تُكَلِّمُهُمْ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۸۲ ع اَىْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ وَبِخُرُوْجِهَا يَنْقَطِعُ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا يُؤْمِنُ كَافِرٌ كَمَا اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

ترجمہ: اور کفار (انکار قیامت کرتے ہوئے یہ بھی) کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے (قبروں سے) اس کا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ تو بس بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں (اساطیر، لفظ اسطورہ بالضم کی جمع ہے جھوٹی لکھی ہوئی باتیں) آپ کہیے تم زمین پر چل کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا ہے؟ اپنے انکار کی وجہ سے عذاب میں تباہ و برباد ہوئے) اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ سازشیں کر رہے ہیں ان سے تنگ نہ ہوجیئے (اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاری ہے کہ آپ ان کی چالوں سے پریشان نہ ہوجیئے کیونکہ ہماری مدد آپ کے شامل حال ہے) اور یہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب کا) کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) آپ کہہ دیجئے جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس (قریب) ہی آ گیا ہو۔ (چنانچہ غزوۂ بدر میں بہت سے مارے گئے اور بقیہ عذاب موت کے بعد بھگتنا ہوگا) اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے (کفار کو سر دست عذاب نہ دینا بھی فضل ہی کا ایک حصہ ہے) لیکن اکثر آدمی شکر ادا نہیں کرتے (چنانچہ یہ کفار بھی عذاب کے ملتوی ہونے پر شکر گزار نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ سرے سے عذاب ہی کے منکر ہیں) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ یہ (اپنی زبانوں سے) ظاہر کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے۔ (لفظ غائبۃ میں تا مبالغہ کیلئے ہے یعنی پوشیدہ چیز) جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو (لفظ مبین بمعنی بین ہے۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے یا علم الٰہی جو سر بستہ رہتا ہے عذاب کفار بھی اسی میں داخل ہے) بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر (جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہیں) بہت سی ان باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں (ایسے انداز سے بیان کر دیتا ہے کہ اگر اس کو قبول

کرلیں اور مان لیں تو سارا اختلاف دور ہو جائے) اور یقیناً قرآن ایمان داروں کیلئے (گمراہی سے) ہدایت اور (عذاب سے) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا پروردگار ان میں (اور دوسروں میں قیامت کے روز) اپنے حکم (انصاف) سے فیصلہ فرما دے گا اور وہ زبردست علم والا ہے (فیصلہ سے پورے طور پر واقف، لہٰذا کوئی اس کا خلاف نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ کفار دنیا میں انبیاء کا خلاف کرتے رہتے ہیں) سو آپ اللہ پر بھروسہ (اعتماد) رکھیئے۔ یقیناً آپ صریح حق پر ہیں (دین واضح پر اس لئے آخر کار کفار پر فتح آپ کی ہوگی۔ پھر آگے کفار کی مثال مردوں، بہروں، اندھوں سے دیتے ہوئے ارشاد ہے) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔ جبکہ (لفظ اذا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو پہلے ہمزہ اور یاء کے درمیان تسہیل کرتے ہوئے پڑھا گیا ہے) وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ (سمجھانے اور قبولیت کا سنانا) انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات (قرآن) پر یقین رکھتے ہیں پھر وہی مانتے ہیں (اللہ کی توحید میں مخلص ہیں) اور جب وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا (عذاب کا حق تو یہ ہے کہ منجملہ کفار کے ان پر بھی واقع ہو جاتا) تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (عرب کے موجودہ لوگوں پر اس کا ظہور ہوتا اور وہ ہماری نیابت کرتے ہوئے ان سے کہتا) کہ یہ لوگ (کفار مکہ اور ایک قراءت میں ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے لفظ تکلمھم کے بعد بتقدیر با) ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے (یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ جس میں قیامت، حساب، عذاب کا ذکر ہے، اس جانور کے ظہور کے بعد امر بالمعروف نہی عن المنکر موقوف ہو جائے گا اور کوئی کافر ایمان نہیں لائے گا۔ جیسا کہ آیت انه لن یومن من قومك الامن قد امن الخ میں حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی پیشن گوئی فرمادی گئی تھی)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَلَا تَحْزَنْ: ان کی تکذیب پر غم نہ کریں۔

قوله: ضَيْقٍ: دل وسینہ کی تنگی۔

قوله: بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ: یمکرون میں ما مصدریہ ہے نہ موصولہ۔

قوله: قُلْ عَسٰى: لعل اور سوف بادشاہوں کے ہاں جزم ویقین کیلئے آتا ہے اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں اسی طرح ہیں۔

قوله: رَدِفَ: تمہارے پیچھے ہے اور لام تاکید کے لئے زائد ہے۔

قوله: تَسْتَعْجِلُوْنَ: یعنی تم اس کے اترنے میں عجلت چاہ رہے ہو پس حلول مفعول محذوف ہے۔

قوله: غَائِبَةٍ: یہ تا مبالغہ کے لئے ہے تانیث کے لئے نہیں۔

قوله: مَكْنُوْنٌ: یہ لوح کی دوسری صفت ہے۔

قوله: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ: بے شک یہ اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اس انداز سے کہ جو واقع میں برحق ہے اگر وہ اس پر ایمان لاتے تو وہ اختلاف اٹھ جاتا۔

قوله: بیان: یہ یقص کی تفسیر ہے اور الرافع بیان کی صفت ہے۔
قوله: وَمَا اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ: کیونکہ تو بصیرت سے حاصل ہو سکتی ہے۔
قوله: اَلْقُرْاٰنِ: جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم اس طرح ہو۔
قوله: حَقَّ الْعَذَابُ: اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وقوع کا ان سے وعدہ تھا۔
قوله: نَائِبَۃً عَنَّا: یہ مقدر مانا کہ وہ ہماری طرف سے نائب کی حیثیت سے باتیں کرلے گا۔

تفسیر مقبولین

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝

منکرین بعث کے وسوسے، ان کے لیے عذاب کی وعید اور تنبیہ:

توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد منکرین کے انکار بعث کا تذکرہ فرمایا، کافر کہتے ہیں کہ آپ جو یہ قیامت آنے والی بات کہتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی قبروں میں دفن ہونے کے بعد مٹی ہو جائیں گے ہمارے باپ دادا کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ زندہ ہو کر زندہ قبروں سے اٹھائے جاؤ گے آج تک تو وعدہ پورا ہوا نہیں ہمارے خیال میں تو یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آرہی ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں نہ قیامت آنی ہے نہ زندہ ہونا ہے نہ قبروں سے نکلنا ہے، ان لوگوں کی تکذیب کے جواب میں فرمایا: قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ (آپ فرما دیجیے کہ زمین میں چلو پھر و سو دیکھو مجرمین کا کیا انجام ہوا) اس میں منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے اور وقوع قیامت کے منکر ہو تم سے پہلے بھی تکذیب کرنے والے گزرے ہیں جو اسی دنیا میں رہتے تھے تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب آیا اور ہلاک ہوئے، ان کی آبادیوں کے نشان اب تک زمین کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں، چلو پھرو انہیں دیکھو تا کہ تمہیں ان لوگوں کا انجام معلوم ہو جائے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا، اور تکذیب کر کے مجرم بنے، اگر تمہاری تکذیب جاری رہی تو سوچ لو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا کہ: وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ۝ (اور آپ ان کی باتوں پر رنج نہ کیجیے اور ان کے مکر کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا): وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں چل کر دیکھو کہ مجرمین کا کیا انجام ہوا تو بطور تمسخر اور استہزاء یوں کہا کہ جو عذاب آنا ہے وہ کب آئے گا؟! اگر سچے ہو تو اس کا وقت بتا دو! چونکہ عذاب کا یقین نہیں تھا اس لیے انہوں نے ایسی بات کہی، اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ (آپ فرما دیجیے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے)۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے غزوہ بدر مراد ہے، غزوہ بدر میں مشرکین مکہ مکرمہ سے آئے اور شکست کھائی ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمیوں کو قید کر کے مدینہ لایا گیا یہ لوگ بڑے طمطراق سے نکلے تھے بالآخر دنیاوی عذاب بھی دیکھ لیا اور قبر کے عذاب میں بھی مبتلا ہوئے، اور یوم القیامہ کا عذاب اپنی جگہ باقی رہا۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾

قرآن مجید ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے ہیں:

یہ چار آیات ہیں پہلی دو آیتوں میں قرآن کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں قرآن ان کے بارے میں صحیح صحیح پوری حقیقت کو بیان کرتا ہے، ان لوگوں نے اپنی کتاب میں تو تحریف کر ہی دی تھی اور ان میں جو کچھ سنی سنائی باتیں چلی آ رہی تھیں ان میں اختلاف رکھتے تھے، قرآن مجید نے واضح طور پر حق باتیں واضح فرما دیں۔

ان لوگوں کی جاہلانہ باتوں میں ایک یہ بات بھی تھی کہ العیاذ باللہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: (مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا) (ابراہیم یہودی اور نصرانی نہیں تھے لیکن وہ حق کی طرف مائل ہونے والے فرمانبردار تھے)

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی اس کی تردید میں فرمایا: (وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ)۔

اسی طرح حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے قرآن نے اس کو بھی صاف کیا اور حضرت مریمؑ کی عفت اور عصمت بیان فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام بتایا کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اللہ کے رسول تھے۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اہل ایمان کے لیے ہدایت ہے اور رحمت ہے اہل ایمان اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اس لیے ان کے لیے قرآن ہدایت اور رحمت ہے، ہے تو غیر مومنین کے لیے بھی ہدایت اور رحمت لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اس لیے وہ اس کی خیر اور برکات سے محروم ہیں۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس وقت حق اور باطل ظاہر ہو جائے گا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ (اللہ زبردست ہے وہ قیامت کے دن سب کو حاضر فرمائے گا اور وہ علیم بھی ہے اس کو ہر ہر فرد کا اور ہر ہر فرد کے عقیدہ اور عقل کا علم ہے) کوئی اس سے چھوٹ کر جا نہیں سکتا اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے ان لوگوں کی تکذیب سے غمگین نہ ہو جایئے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں حق پر ہونا ہی تسلی اور ثبات قدمی کے لیے کافی ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾

ہمارے رسول کریم ﷺ تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا

پیغام سنا کر جہنم سے بچالیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جارہی ہو۔ اس لیے قرآن نے جابجا رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ، اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ ان کے گم کردہ صلاحیت ہونے کو اس آیت میں قرآن کریم نے تین مثالوں میں ثابت کیا ہے۔ اول یہ کہ یہ لوگ قبول حق کے معاملہ میں بالکل مردہ لاش کی طرح ہیں جو کسی کی بات سن کر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ان کی مثال اس بہرے آدمی کی ہے جو بہرا ہونے کے ساتھ بات سننا بھی نہیں چاہتا بلکہ جب کوئی سنانا چاہے تو اس سے پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کی مثال اندھوں کی سی ہے کہ کوئی ان کو راستہ دکھانا بھی چاہے تو وہ نہیں دیکھ سکتے ان تین مثالوں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ. یعنی آپ تو صرف ایسے ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان لائیں اور اطاعت قبول کریں۔ اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچنا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سننا ہے جو نفع بخش ہو۔ جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آخر آیت میں یہ ارشاد کہ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں۔ اگر اس میں سنانے سے مراد محض ان کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور ان کے سننے جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مراد سماع نافع ہے۔ ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دے کر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے معنے بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لیے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دار العمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہو سکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان وعمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان وعمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لیے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لیے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماع اموات:

مسئلہ: یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہ اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لیے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۃ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۃ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۃ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔
ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں

آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے۔ مگر ہم بااختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ، فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لیے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور و ادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر جو سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے:

ما من احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیلسم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ مصححا عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں دوسرے یہ کہ ان کا سننا اور ہمارا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں، جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں۔ اسی لیے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۃ نمل، سورۃ روم، سورۃ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں اس لیے جن مواقع میں

حدیث کی روایات صحیحہ سے سنا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال میں اس لیے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

وَ اذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا جَمَاعَةً مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا وَهُمْ رُؤُسَاؤُهُمُ الْمَتْبُوْعُوْنَ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ اَیْ يُجْمَعُوْنَ بِرَدِّ اٰخِرِهِمْ اِلٰی اَوَّلِهِمْ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ اَمَكَانَ الْحِسَابِ قَالَ تَعَالٰی لَهُمْ اَكَذَّبْتُمْ اَنْبِيَائِیْ بِاٰيٰتِیْ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا مِنْ جِهَةِ تَكْذِيْبِهِمْ بِهَا عِلْمًا اَمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ فِیْ مَا الْاِسْتِفْهَامِيَةِ ذَآ مَوْصُوْلٌ اَیْ مَا الَّذِیْ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ مِمَّا اُمِرْتُمْ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ حَقَّ الْعَذَابُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا اَیْ اَشْرَكُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ اِذْلَا حُجَّةَ فَلَهُمْ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا خَلَقْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ كَغَيْرِهِمْ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ بِمَعْنٰی يُبْصَرُ فِيْهِ لِيَتَصَرَّفُوْا فِيْهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِی الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكَافِرِيْنَ وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ الْقَرْنِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰی مِنْ اِسْرَافِيْلَ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اَیْ خَافُوا الْخَوْفَ الْمُفْضِیْ اِلَی الْمَوْتِ كَمَا فِیْ اٰيَةٍ اُخْرٰی فَصَعِقَ وَالتَّعْبِيْرُ فِيْهِ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ اَیْ جِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاِسْرَافِيْلُ وَعِزْرَائِيْلُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا هُمُ الشُّهَدَاءُ اِذْ هُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ وَ كُلٌّ تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَیْ كُلُّهُمْ بَعْدَ اِحْيَائِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَتَوْهُ بِصِيْغَةِ الْفِعْلِ وَاسْمِ الْفَاعِلِ دٰخِرِيْنَ ۝ صَاغِرِيْنَ وَالتَّعْبِيْرُ فِی الْاِتْيَانِ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ وَ تَرَى الْجِبَالَ تُبْصِرُهَا وَقْتَ النَّفْخَةِ تَحْسَبُهَا تَظُنُّهَا جَامِدَةً وَاقِفَةً مَكَانَهَا لِعِظَمِهَا وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ الْمَطَرِ اِذَا ضَرَبَتْهُ الرِّيْحُ اَیْ تَسِيْرُ سَيْرَهٗ حَتّٰی تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ فَتَسْتَوِیْ بِهَا مَبْثُوْثَةً ثُمَّ تَصِيْرُ كَالْعِهْنِ ثُمَّ تَصِيْرُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا صُنْعَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ اُضِيْفَ اِلٰی فَاعِلِهٖ بَعْدَ حَذْفِ عَامِلِهٖ اَیْ صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ صُنْعًا الَّذِیْٓ اَتْقَنَ اَحْكَمَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ صَنْعَهٗ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ اَعْدَاؤُهٗ مِنَ الْمَعْصِيَةِ وَاَوْلِيَاؤُهٗ مِنَ الطَّاعَةِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ اَیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ ثَوَابٌ مِّنْهَا ۚ اَیْ بِسَبَبِهَا وَلَيْسَ لِلتَّفْضِيْلِ اِذْ لَا

فِعْلَ خَيْرٌ مِنْهَا وَ فِي آيَةٍ أُخْرَىٰ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَ هُمْ أَيِ الْجَاؤُنَ بِهَا مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ بِالْإِضَافَةِ وَكَسْرِ الْمِيمِ وَ بِفَتْحِهَا وَ فَزَعٌ مُنَوَّنًا وَ فَتْحِ الْمِيمِ آمِنُونَ ﴿۸۹﴾ وَ مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ أَيِ الشِّرْكِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ط بِأَنْ وَلِيَتْهَا وَذُكِرَتِ الْوُجُوهُ لِأَنَّهَا مَوْضِعُ الشَّرَفِ مِنَ الْحَوَاسِ فَغَيْرُهَا مِنْ بَابِ أَوْلَىٰ وَيُقَالُ لَهُمْ تَبْكِيتًا هَلْ أَيْ مَا تُجْزَوْنَ إِلَّا جَزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِي قُلْ لَهُمْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ أَيْ مَكَّةَ الَّذِي حَرَّمَهَا أَيْ جَعَلَهَا حَرَمًا آمِنًا لَا يُسْفَكُ فِيهَا دَمُ إِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيهَا أَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَىٰ خَلَاهَا وَ ذَٰلِكَ مِنَ النِّعَمِ عَلَىٰ قُرَيْشٍ أَهْلِهَا فِي رَفْعِ اللّٰهِ عَنْ بَلَدِهِمُ الْعَذَابَ وَالْفِتَنَ الشَّائِعَةَ فِي جَمِيعِ بِلَادِ الْعَرَبِ وَلَهُ تَعَالَىٰ كُلُّ شَيْءٍ كُلِّ شَيْءٍ فَهُوَ رَبُّهُ وَخَالِقُهُ وَمَالِكُهُ وَّ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۱﴾ لِلّٰهِ بِتَوْحِيدِهِ وَ أَنْ أَتْلُوَا الْقُرْآنَ ع عَلَيْكُمْ تِلَاوَةَ الدَّعْوَةِ إِلَى الْإِيمَانِ فَمَنِ اهْتَدَىٰ لَهُ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ع أَيْ لِأَجْلِهَا لِأَنَّ ثَوَابَ اهْتِدَائِهِ لَهُ وَ مَنْ ضَلَّ عَنِ الْإِيمَانِ وَ أَخْطَأَ طَرِيقَ الْهُدَىٰ فَقُلْ لَهُ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿۹۲﴾ الْمُخَوِّفِينَ فَلَيْسَ عَلَيَّ إِلَّا التَّبْلِيغُ وَ هَٰذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ط فَأَرَاهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ بَدْرٍ الْقَتْلَ وَالسَّبْيَ وَضَرْبَ الْمَلَائِكَةِ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَعَجَّلَهُمُ اللّٰهُ إِلَى النَّارِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ ع بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ وَإِنَّمَا يُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ

ع ۱۱ ۳

ترجمہ: اور (یاد کیجئے) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں میں سے جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے (یعنی سردار، پیشوا) پھر ان کی جماعت بندی کردی جائے گی (یعنی آخر والے اول والے کی طرف لوٹا کر اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر انہیں ہنکایا جائے گا) یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جاویں گے۔ (حساب کتاب کی جگہ) تو اللہ تعالیٰ (ان سے) ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم نے (میرے پیغمبروں کو) میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حالانکہ (بلحاظ تکذیب کے) تم کو اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے تھے۔ بلکہ اور کیا کیا (لفظ اما میں لفظ ام ما استفہامیہ میں ادغام ہو گیا ہے اور ذا موصول ہے بمعنی الذی) کام کرتے رہے (جن کا تمہیں حکم دیا گیا تھا) اور وعدہ (عذاب) ان پر پورا ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے زیادتیاں کی تھیں (شرک کیا تھا) سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے (کیونکہ ان کے پاس حجت نہیں ہو گی) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی (پیدا کی) تا کہ یہ لوگ (اور لوگوں کی طرح) آرام کر سکیں اور دن بنایا تا کہ لوگ دیکھیں بھالیں (یعنی کام کاج کیلئے اجالا کیا) بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں (اللہ کی قدرت کی نشانیاں)

ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (ایمانداروں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ ایمان کی وجہ سے دلیلوں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں برخلاف کفار کے) اور جس دن صور پھونکا جائے گا (حضرت اسرافیلؑ پہلا صور پھونکیں گے) سو جتنے آسمان وزمین میں ہیں سب کانپ اٹھیں گے (کہ مارے ڈر کے دم نکلنے کے قریب ہوگا جیسے دوسری آیت فصعق الخ میں ہے اور ماضی کے صیغہ سے بیان وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) بجز اس کے کہ جس کو خدا چاہے (یعنی جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ شہداء مراد ہیں جو اللہ کے یہاں زندہ ہیں اور انہیں وہاں رزق دیا جاتا ہے) اور سب کے سب (لفظ کل پر تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے ای کلھم۔ قیامت میں دوبارہ زندہ ہوکر) اسی کے سامنے حاضر رہیں گے۔ (لفظ اتوہ حمزہ اور حفص کے نزدیک صیغہ ماضی کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک اسم فاعل کے ساتھ منقول ہے (دبے جھکے (عاجزانہ صیغہ ماضی کے ساتھ لفظ اتوہ کو لانا اس کے یقینی الوقوع ہونے کو ظاہر کرتا ہے) اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (صور پھونکتے وقت دیکھے گا) اور ان کی نسبت گمان (خیال) کر رہا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے (اتنے بڑے ہیں کہ ہل نہ سکیں گے) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑتے اڑتے پھریں گے (بارش کی طرح جو ہواؤں کی وجہ سے پھوار بن کر اڑتی پھرے۔ حتی کہ زمین پر گر کر اسی میں رل مل جائے پہلے بکھری رہے پھر دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائے پھر ہوا میں اڑ جائے) یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے (صنع الله مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کیلئے ہے۔ عامل کے حذف کرنے کے بعد فاعل کی طرف مضاف ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی صنع الله ذلك صنعًا) جس نے ہر چیز کو مضبوط (پائیدار) بنا رکھا ہے (ایجاد کیا ہے) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری طرح خبر ہے (یفعلون، ابوعمرو ابن کثیر ابوبکر کی قراءت میں جمع غائب کے صیغہ سے یا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک صیغہ جمع حاضر یعنی تا کے ساتھ ہے یعنی مخالفین کی نافرمانی اور تابعداروں کی فرمانبرداری سب سے واقف ہے) جو کوئی نیکی (کلمہ توحید قیامت کے روز) لائے گا سو اس کو اس کے سبب اجر سطر متروک دس گنا بتلایا گیا ہے) اور وہ (نیکی لانے والے لوگ) اس روز کی بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے (لفظ فزع اضافت کے ساتھ اور یومئذ فتح میم کے ساتھ ہے) اور جو شخص بدی (شرک) لائے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا اور چہرہ کا ذکر اس لئے کیا کہ حواس میں یہ سب سے اشرف ہے پس دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ جہنم میں جھونکے جائیں گے اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کہا جائے گا) تمہیں سزا انہی کرتوتوں کی مل رہی ہے جو تم (شرک ومعاصی) کیا کرتے تھے مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے (یعنی مکہ کو حرم مامون بنایا ہے جس میں نہ کسی کی خونریزی کی اجازت ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنے کی۔ نہ وہاں شکار کی اجازت ہے اور نہ گھاس اکھاڑنے کی اور یہ اہل مکہ قریش پر اللہ کی نعمتیں ہیں کہ ان کے شہر سے عذاب اور فتنوں کو اٹھا لیا ہے جو تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے ہیں) اور یہ سب چیزیں اسی کی ہیں (وہی رب اور خالق ومالک ہے) اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں (اللہ کی توحید بجالا کر)

اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں (تمہیں دعوت ایمان دیتے ہوئے تلاوت کروں) سو جو شخص راہ پر آئے گا (یعنی اپنے فائدہ کیلئے کیونکہ) اس کی راہ یابی کا ثواب خود اسی کو ہوگا اور جو شخص گمراہ رہے گا (بہکے گا، طریقہ ہدایت سے بہکے گا) تو آپ (اسی سے) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں (مجھ پر بجز تبلیغ کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ جواب جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں محض اللہ ہی کیلئے ہیں وہ تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھلائے گا (چنانچہ غزوۂ بدر میں انہیں قتل وقید کی صورت میں اللہ نے دکھلا دیا ہے اور فرشتوں نے ان کے چہروں اور کمروں پر مارا ہے اور جلد ہی اللہ انہیں جہنم رسید کرے گا) اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو (لفظ یعلمون کی قراءت ابوعمرو کے نزدیک یا کے ساتھ اور دوسری قراءت تا کے ساتھ ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ: یہ فوجاً کا بیان ہے بہتر یہ ہے کہ مِن کو تبعیضیہ بنایا جائے۔

قوله: وَلَمْ تُحِيْطُوْا: یہ واؤ حالیہ ہے۔

قوله: مِنْ جِهَةِ تَكْذِيْبِهِمْ: یعنی تم نے سرسری طور پر تکذیب کر دی اس پر گہری نگاہ نہ ڈالی اور حقیقت جاننے کی کوشش نہ کی۔

قوله: مَا الَّذِيْ: یا وہ کیا چیز ہے جس کو تم کرتے رہتے ہو یہ تبکیت کے لئے کہا جائے گا اس لئے کہ انہوں نے تکذیب کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا وہ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہم نے اس کے علاوہ کام کیے ہیں۔

قوله: بِمَا ظَلَمُوْا: ما مصدریہ ہے۔

قوله: بِمَعْنٰى يُبْصَرُ فِيْهِ: ابصار کو مجعول علیھا کے احوال میں ایک حال بنا کر اس میں مبالغہ کیا۔ جو حال اس سے کبھی جدا نہ ہو۔

قوله: لِعَظْمِهَا: بڑے اجسام کی حرکت ایک طرف ہوتی اور حرکت واضح نہیں ہوتی۔

قوله: صُنْعَ: یہ مصدر موکد ہے جس کو فاعل کی طرف حذف عامل کے بعد مضاف کیا ہے وہ عامل صنع ہے۔

قوله: مِنَ الْمَعْصِيَةِ: یہ مایفعلون کا بیان ہے اور من الطاعہ یہ سب اس کا بیان ہے۔

قوله: بالبجير: سے مراد خواب ہے۔

قوله: مِّنْ فَزَعٍ: اس سے قیامت کا خوف مراد ہے اور ففزع من فی السموت اس میں فزع سے لاجواب ہونا مراد ہے۔

قوله: يُقَالُ لَهُمْ: خطاب کے غیبت قول کو مضمر ماننے سے آئے گی۔

قوله: الْمُسْلِمِيْنَ: سے مراد ملت اسلام پر ثابت قدم۔

قوله: قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ: اس کی نبوت والی نعمت یا جو علم اس نے مجھے دیا۔

تفسیر مقبولین

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝

یوزعون مضارع مجہول جمع مذکر غائب وزع مصدر (باب فتح) ان کو جمع کیا جائے گا۔ وزعتہ عن کذا۔ کسی آدمی کو کسی کام سے روک دینا۔ یوزعون کا مفہوم یہ ہے کہ اگلوں کو چلنے میں پچھلوں کے آ ملنے کے واسطے روکا جائے گا۔ یہ کنایہ کثرت انبوہ سے ہے کہ کثرت انبوہ کے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے آیت: **وحشر سلیمان جنوده من الجن والانس والطیر فهم یوزعون** اور (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تو وہ قسم وار کئے گئے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عساکر باوجود کثیر تعداد ہونے اور متفرق الجنس ہونے کے غیر مترتب و منتشر نہیں تھے۔ یہاں بھی اسی ترتیب کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر امت اور ہر قوم سے کثیر التعداد مکذبین آیات الٰہی کی اکٹھی کی جائے گی اور یہ انبوہ کثیر ایک ترتیب سے کھڑا کیا جائے گا۔

باز پرس کے لمحات:

اللہ کی باتوں کو نہ ماننے والوں کا اللہ کے سامنے حشر ہوگا اور وہاں انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہوگی تا کہ ان کی ذلت وحقارت ہو۔ ہر قوم میں سے ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ الگ الگ پیش ہونگے جیسے فرمان ہے: **أُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ** (الصافات: ۲۲) ظالموں کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کرو۔ اور جیسے فرمان ہے: **وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ** (التکویر: ۲۲) جب کہ نفسوں کی جوڑیاں ملائی جائیں گی۔ یہ سب ایک دوسرے کو دھکے دیں گے اور اول والے آخر والوں کو رد کریں گے۔ پھر سب کے سب جانوروں کی طرح ہنکا کر اللہ کے سامنے لائیں جائیں گے۔ ان کے حاضر ہوتے ہی وہ منتقم حقیقی نہایت غصہ سے ان سے باز پرس کرے گا۔ یہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہونگے جیسے فرمایا: **فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ** (القیامۃ: ۳۱) یعنی نہ انہوں نے سچائی کی تھی نہ نمازیں پڑھی تھیں بلکہ جھٹلایا تھا اور منہ موڑا تھا۔ پس ان پر حجت ثابت ہوجائے گی اور کوئی عذر نہ کرسکیں گے۔ جیسے فرمان ہے: **هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ** (المرسلات: ۳۵) یہ وہ دن ہے کہ بول نہ سکیں گے اور نہ کوئی معقول عذر پیش کرسکیں گے اور نہ غیر معقول معذرت کی اجازت پائیں گے۔ پس ان کے ذمہ بات ثابت ہوجائے گی۔ ششدر وحیران رہ جائیں گے اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ دنیا میں ظالم تھے اب جس کے سامنے کھڑے ہونگے وہ عالم الغیب ہے کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے اور اپنی بلندی شان بتاتا ہے اور اپنی عظیم الشان سلطنت دکھاتا ہے جو کھلی دلیل ہے۔ اس کی اطاعت کی فرضیت پر اور اس کے حکموں کے بجالانے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رکے رہنے کی ضرورت پر۔ اور اس کے نبیوں کو سچا ماننے کی اصلیت پر۔ کہ اس نے رات کو پرسکون بنایا تا کہ تم اس میں آرام حاصل کرلو اور دن بھر کی تھکان دور کرلو اور دن کو روشن بنایا تا کہ تم اپنی معاش کی تلاش کرلو سفر تجارت کاروبار با آسانی کرسکو۔ یہ تمام چیزیں ایک مومن کے لیے تو کافی سے زیادہ دلیل ہیں۔

وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ....

ان آیات میں یوم قیامت کے بعض مناظر کا اور حسنات وسیئات کی جزاوسزا کا تذکرہ فرمایا ہے وقوع قیامت کی ابتداء اس طرح ہوگی کہ اسرافیل علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مقرر ہیں وہ صور میں پھونک ماردیں گے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلصُّوْرُ قَرْنٌ یُنْفَخُ فِیْہِ (کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک دی جائے گی)۔

(الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کیسے خوشیوں والی زندگی گزاروں اور حال یہ ہے کہ صور پھونکنے والے نے منہ میں صور لے رکھا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اور اپنی پیشانی کو جھکا رکھا ہے وہ اس انتظار میں ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم دے دیا جائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا: (حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ) (اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کارساز ہے) پڑھا کرو۔ (رواہ الترمذی)

جب صور پھونکا جائے گا تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، یہاں سورۃ النمل میں فرمایا: (فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ) کہ وہ سب گھبرا اٹھیں گے جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہوں گے اور سورۃ زمر میں فرمایا کہ: (فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ) کہ نفخ صور کی وجہ سے آسمانوں والے اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے اگر یہ دونوں باتیں نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے سے متعلق قرار دی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اولاً گھبرا جائیں گے اور پریشان ہوں گے پھر بے ہوشی میں ہو جائیں گے اور بحکم (کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ) سب مر جائیں گے اور بعض حضرات نے صعق کو نفخہ اولیٰ سے اور فزع کو نفخہ ثانیہ سے متعلق قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور یہ جان کر کہ حساب کتاب ہونے والا ہے گھبراہٹ میں پڑ جائیں گے۔

آیت کے ختم پر جو وَکُلٌّ اَتَوْہُ دٰخِرِیْنَ۝ فرمایا ہے کہ (سب اس کے حضور میں عاجزانہ طور پر حاضر ہوں گے) اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ نفخہ ثانیہ سے متعلق ہے۔

سورۃ النمل میں جو فزع فرمایا اور سورۃ الزمر میں جو فصعق فرمایا اس کے ساتھ ہی الا من شاء اللہ بھی فرمایا، یہ کون حضرات ہوں گے جنہیں فزع اور صعق سے مستثنیٰ فرمایا ہے (کہ جسے اللہ چاہے وہ گھبراہٹ اور بے ہوشی سے محفوظ ہوگا)

تفسیر درمنشور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرائیل اور حضرت ملک الموت اور حاملان عرش مراد ہیں گو یہ حضرات فزع وصعق سے محفوظ رہیں گے لیکن بعد میں یہ لوگ بھی وفات پا جائیں گے۔

صور پھونکے جانے پر جو کائنات درہم برہم ہوگی اس کی تفصیلات آیات قرآنیہ میں کئی جگہ وارد ہوئی ہیں آسمان وزمین کا بدل جانا سورۃ ابراہیم میں اور آسمان کا پھٹ جانا سورۃ انفطار وسورۃ انشقاق میں بیان فرمایا ہے سورج کا مکور ہونا اور ستاروں کا گر جانا اور سمندروں کا مسجور ہونا سورۃ التکویر میں مذکور ہے سورۃ النمل میں پہاڑوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ پہاڑ جو مخاطبین کو نظر آرہے ہیں ان کی ظاہری مضبوطی کو دیکھ کر انسان کو خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ ہمیشہ یوں ہی اپنی جگہ جمے رہیں گے اور حرکت نہ کریں گے حالانکہ ان کا یہ حال بنے گا کہ وہ صور پھونکے جانے پر اس طرح اڑے پھریں گے جیسے بادل چلتے ہیں سورۃ قارعہ میں فرمایا کہ (جس دن انسانوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے

دھنا ہوا رنگین اون ہوتا ہے) سورۃ میں فرمایا (جس دن زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور پہاڑ ریت کا ساڈھیر بنے ہوئے ہوں گے جو پھسل کر گرا جا رہا ہوگا) اور سورۃ حاقہ میں فرمایا: (فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ) (سو جب صور پھونکا جائے گا ایک بار پھونکنا اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے ان کو ایک بار ہی چورا چورا کر دیا جائے گا، سو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے اور آسمان پھٹ جائے سو وہ اس دن کمزور ہوگا)

اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا کہ: (وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا) (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے) اور سورۃ النباء میں فرمایا: (وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا) (اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا سو وہ ریت بن جائیں گے) اور سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: (فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا) (سو آپ فرما دیجیے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا) صور پھونکے جانے کی وجہ سے پہاڑوں پر یہ مختلف حالات گزریں گے بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ جب وہ بادل کی طرح گزر رہے ہوں گے عین اسی وقت کوئی دیکھنے والا دیکھے گا تو یوں محسوس کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جیسا کہ کثیف سیاہ بادلوں کے ساتھ ہوتا ہے دیکھنے والا دیکھتا ہے تو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ج ۷)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے پہاڑوں میں زلزلہ آئے گا پھر وہ دھنے ہوئے اون کی طرح ہو جائیں گے پھر ھبا بن جائیں گے پھر انہیں ہوائیں بکھیر دیں گی پھر اڑا دیں گی جیسا کہ غبار ہوتا ہے پھر سراب ہو جائیں گے۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ....

(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبدا اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔

(۱) ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص۔

(۲) دوم دین اسلام پر استقامت۔

(۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوت اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے۔ اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تا کہ آخرت میں کام آویں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں مبداء اور معاد کو اور ایمان اور ہدایت کو بیان کیا اب نبی اکرم ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ رسالت کر چکے اور حق دعوت ادا کر چکے۔ منکرین پر حجت پوری ہوگئی۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ان مخالفین کی پروا نہ کریں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجیے کہ بس مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت اور بندگی میں لگا رہوں جس پروردگار نے اس کو حرم محترم ٹھہرایا ہے کہ اس نے اس شہر میں قتل و قتال کو اور شکار کرنے کو اور اس کے گھاس کاٹنے کو اور بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اس کی تحریم خدا کی طرف سے ہے بتوں کی طرف سے نہیں ہے اور ہر شے اسی پروردگار کی ملک

ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں یعنی توحید اور اخلاص اور عبودیت پر قائم اور ثابت قدم رہوں اور مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں یعنی خود بھی پڑھتا رہوں اور تم کو بھی پڑھ کر سناتا رہوں اس آیت میں تلاوت قرآن کے حکم سے تلاوت قرآن پر مواظبت اور مداومت مراد ہے خواہ وہ تلاوت بطریق عبادت ہو یا بطریق دعوت ہو یعنی مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں برابر قرآن کی تلاوت میں لگا رہوں اور مسلسل تم کو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچاتا رہوں سو جو کوئی میری ہدایت سے راہ ہدایت پر آجاوے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے راہ ہدایت پر آتا ہے اس کا نفع اسی کی ذات کو ہے اس نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا اور جو شخص راہ ہدایت بتلانے کے بعد بھی گمراہ رہا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں اور بس۔ یعنی مرا دکام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے میرا یہ کام نہیں کہ تم سے زبردستی منواؤں اور آپ کہہ دیجئے کہ شکر ہے خدا تعالیٰ کا جس نے مجھ کو منصب رسالت پر فائز کیا اور اپنے پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ اب نتیجہ اور انجام سب اس کے ہاتھ میں ہے سو وہ عنقریب تم کو اپنی قدرت کی اور میری نبوت کی نشانیاں دکھلائے گا جن کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ پھر تم ان کو پہچان لوگے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر حجت پوری نہ کردے اس لیے وہ وقتاً فوقتاً تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور آخرت کی نشانیاں دکھلائے گا۔ آخرت کی آخری نشانیوں میں سے زمین سے دابۃ الارض کا خروج ہے مگر نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانا چنداں مفید نہیں اب اگر ایمان لے آؤ تو نفع دے گا۔ اور اے نبی تیرا پروردگار بنی آدم کے اعمال سے غافل نہیں وہ ان کے اعمال سے خبردار ہے۔ اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ آخرت پر ایمان لائیں اور اس کی تیاری کریں۔

سُورَةُ الْقَصَصِ

سُورَةُ الْقَصَصِ ۲۸ مَكِّيَّة ۴۹ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۸۸ رُكُوْعَاتُهَا ۹

سورۂ قصص مکہ میں اتری — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ اَیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی مِنَ الْمُبِیْنِ ﴿٢﴾
الْمُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ نَتْلُوْا نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ خَبَرِ مُوْسٰی وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ لِقَوْمٍ
یُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣﴾ لِاَجْلِهِمْ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهٖ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا تَعَظَّمَ فِی الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا
شِیَعًا فِرَقًا فِیْ خِدْمَتِهٖ یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ وَهُمْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمُ الْمَوْلُوْدِیْنَ وَ
یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ یَسْتَبْقِیْهِنَّ اَحْیَاءً لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهٗ اِنَّ مَوْلُوْدًا یُوْلَدُ فِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ یَكُوْنُ
سَبَبَ ذِهَابِ مُلْكِكَ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿٤﴾ بِالْقَتْلِ وَغَیْرِهٖ وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ
اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ یَاءً یُقْتَدٰی بِهِمْ فِی الْخَیْرِ
وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿٥﴾ مُلْكَ فِرْعَوْنَ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ وَالشَّامِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ
هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا وَ فِیْ قِرَاءَةٍ وَ یَرٰی بِفَتْحِ التَّحْتَانِیَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ الْاَسْمَاءِ الثَّلٰثَةِ مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
یَحْذَرُوْنَ ﴿٦﴾ یَخَافُوْنَ مِنَ الْمَوْلُوْدِ الَّذِیْ یَذْهَبُ مُلْكُهُمْ عَلٰی یَدَیْهِ وَ اَوْحَیْنَآ وَحْیَ اِلْهَامٍ اَوْ مَنَامٍ اِلٰۤی
اُمِّ مُوْسٰۤی وَهُوَ الْمَوْلُوْدُ الْمَذْكُوْرُ وَلَمْ یَشْعُرْ بِوِلَادَتِهٖ غَیْرُ اُخْتِهٖ اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی
الْیَمِّ الْبَحْرِ اَیِ النِّیْلِ وَ لَا تَخَافِیْ غَرَقَهٗ وَ لَا تَحْزَنِیْ ۚ لِفِرَاقِهٖ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿٧﴾ فَاَرْضَعَتْهُ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ لَا یَبْكِیْ وَخَافَتْ عَلَیْهِ فَوَضَعَتْهُ فِی التَّابُوْتِ مُطْلًی بِالْقَارِ مِنْ دَاخِلٍ

مُمَهَّدٍ لَهُ فِيْهِ وَاَغْلَقَتْهُ وَالْقَتْهُ فِي بَحْرِ النِّيْلِ لَيْلًا فَالْتَقَطَهُ بِالتَّابُوْتِ صَبِيْحَةَ اللَّيْلِ اٰلُ اَعْوَانُ فِرْعَوْنَ
فَوَضَعُوْهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفَتَحَ وَاُخْرِجَ مُوْسٰى مِنْهُ وَهُوَ يَمُصُّ مِنْ اِبْهَامِهِ لَبَنًا لِيَكُوْنَ لَهُمْ اَيْ فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ
عَدُوًّا يَقْتُلُ رِجَالَهُمْ وَّحَزَنًا ؕ يَسْتَعْبِدُ نِسَاءَهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ الزَّايِ لُغَتَانِ فِي الْمَصْدَرِ
وَهُوَ هٰهُنَا بِمَعْنٰى اِسْمِ الْفَاعِلِ مِنْ حَزَنَهُ كَاَحْزَنَهُ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَزِيْرَهُ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا
خٰطِئِيْنَ ⑧ مِنَ الْخَطِيْئَةِ اَيْ عَاصِيْنَ فَعُوْقِبُوْا عَلٰى يَدِهٖ وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ وَقَدْ هَمَّ مَعَ اَعْوَانِهٖ بِقَتْلِهٖ
هُوَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۗ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا فَاَطَاعُوْهَا وَّ هُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ⑨ بِعَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ مَعَهٗ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى لَمَّا عَلِمَتْ بِالْتِقَاطِهٖ فٰرِغًا ؕ مِمَّا سِوَاهُ اِنْ
مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهَا كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ اَيْ بِاَنَّهٗ اِبْنُهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى
قَلْبِهَا بِالصَّبْرِ اَيْ سَكَّنَّاهُ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ الْمُصَدِّقِيْنَ بِوَعْدِ اللّٰهِ وَجَوَابُ لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَا
قَبْلَهَا وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ مَرْيَمَ قُصِّيْهِ اِتَّبِعِيْ اَثَرَهٗ حَتّٰى تَعْلَمِيْ خَبَرَهٗ فَبَصُرَتْ بِهٖ اَيْ اَبْصَرَتْهُ عَنْ جُنُبٍ مِنْ
مَكَانٍ بَعِيْدٍ اِخْتِلَاسًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ اَنَّهَا اُخْتُهٗ وَاَنَّهَا تَرْقُبُهٗ وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ اَيْ
قَبْلَ رَدِّهٖ اِلٰى اُمِّهٖ اَيْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قَبُوْلِ ثَدْيِ مُرْضِعَةٍ غَيْرِ اُمِّهٖ فَلَمْ يَقْبَلْ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنَ الْمَرَاضِعِ
الْمُحْضَرَةِ فَقَالَتْ اُخْتُهٗ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ لَمَّا رَأَتْ حُنُوَّهُمْ عَلَيْهِ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ بِالْاِرْضَاعِ
وَغَيْرِهٖ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫ وَفُسِّرَتْ ضَمِيْرُ لَهٗ بِالْمَلِكِ جَوَابًا لَهُمْ فَاُجِيْبَتْ فَجَاءَتْ بِاُمِّهٖ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا
وَاَجَابَتْهُمْ عَنْ قَبُوْلِهٖ بِاَنَّهَا طَيِّبَةُ الرِّيْحِ طَيِّبَةُ اللَّبَنِ فَاَذِنَ لَهَا بِاِرْضَاعِهٖ فِيْ بَيْتِهَا فَرَجَعَتْ بِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى
فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا بِلِقَائِهٖ وَلَا تَحْزَنَ حِيْنَئِذٍ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِرَدِّهٖ اِلَيْهَا حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ اَيِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬ بِهٰذَا الْوَعْدِ وَلَا بِاَنَّ هٰذِهٖ اُخْتُهٗ وَهٰذِهٖ اُمُّهٗ فَمَكَثَ عِنْدَهَا اِلٰى اَنْ فَطَمَتْهُ ع ۱۳
وَاُجْرِيَ عَلَيْهَا اُجْرَتُهَا لِكُلِّ يَوْمٍ دِيْنَارٌ وَاَخَذَتْهَا لِاَنَّهَا مَالُ حَرْبِيٍّ فَاَتَتْ بِهٖ فِرْعَوْنَ فَتَرَبّٰى عِنْدَهٗ كَمَا قَالَ
تَعَالٰى حِكَايَةً عَنْهُ فِيْ سُوْرَةِ الشُّعَرَاءِ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ

ترجمہ: طٰسٓمٓ (اللہ عز وجل کی ذات ہی اس کی بابت جاننے والی ہے) یہ کتاب مبین کی آیات ہیں (آیات الکتاب

میں اضافہ تو بواسطہ من ہے اور مبین کے معنی حق و باطل کو واضح کرنا ہیں۔ ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا کچھ قصہ (خبر) ٹھیک ٹھیک
(سچائی کے ساتھ) پڑھ کر سناتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی خاص ان کیلئے کیونکہ یہی لوگ نفع اٹھاتے
ہیں) بلاشبہ فرعون (مصر کے) ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقات میں بانٹ رکھا
تھا (اپنی بیگار کیلئے مختلف ٹکڑیاں کر لی تھیں) ان میں سے ایک طبقہ (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو (پیدا
ہوتے ہی) مروا ڈالتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا (جینے دیتا تھا بعض کاہنوں کی پیشینگوئی کرنے سے کہ بنی
اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا جو تیری سلطنت کی تباہی کا باعث بنے گا) واقعی وہ (قتل و غارت کر کے) بڑا ہی فسادی تھا اور
ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنا دیں (لفظ ائمہ اکثر قراء
کے نزدیک دونوں ہمزہ کی تحقیق کرتے ہوئے ہے اور نافع اور ابو عمرو اور ابن کثیر کے نزدیک پہلے ہمزہ کی یا سے تبدیلی
ہے۔ بھلائی کے کاموں میں انہیں آگے بڑھایا جائے تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں) اور ہم انہیں (سلطنت فرعون کا)
مالک بنائیں اور (ملک شام میں) انہیں سلطنت بخش دیں اور فرعون ھامان اور ان کے لاؤ لشکر دکھلا دیں (حمزہ اور علی کی
قراءت میں لفظ یری یا مفتوح اور را مفتوح کے ساتھ آیا ہے اور تینوں الفاظ فرعون، ہامان، جنودہما مرفوع ہیں) ان کی
جانب سے وہ واقعات جن سے وہ بچنا چاہتے تھے (لڑکے کے پیدا ہونے سے ڈر ہے کہ کہیں اس کے ہاتھوں سے سلطنت
نہ چھن جائے) اور ہم نے الہام کیا (وحی سے مراد الہام ہے یا خواب میں بتلا دینا) موسیٰ کی والدہ کو (کہ یہ وہی بچہ ہے، اس
کے پیدا ہونے کی خبر انکی بہن کے علاوہ کسی کو نہ ہوئی) کہ تم اسے دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں ان کی نسبت اندیشہ ہو تو اسے
دریا (نیل) میں چھوڑ دینا اور (اس کے ڈوبنے کا) فکر نہ کرنا اور نہ (اس کی جدائی پر) رنج کرنا ہم ضرور پھر انہیں تمہارے
پاس ہی پہنچا دیں گے اور انہیں پیغمبر بنائیں گے (چنانچہ تین ماہ تک ان کی والدہ نے اس طرح دودھ پلایا کہ موسیٰ نے چوں
تک نہ کی۔ انہیں بچہ کی نسبت ڈر پیدا ہوا تو انہوں نے ایک صندوق کے اندرونی حصہ میں تار کول لگا کر بستر بچھا دیا اور بچہ کو
اس میں لٹا کر رات کے وقت دریائے نیل میں چھوڑ دیا چنانچہ (اسی رات کی صبح) فرعون کے لوگوں (مددگاروں) نے موسیٰ کو
اٹھا لیا (فرعون نے صندوق سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ کو اس میں سے باہر نکالا جو اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے (
تاکہ وہ ان کیلئے (آخرکار) دشمن ثابت ہوں (ان کے مردوں کو قتل کر کے) اور رنج کا باعث بنیں (ان کی عورتوں کو باندی
بنا کر، ایک قراءت میں لفظ حزنا ضمہ حا اور سکون زاء کے ساتھ ہے مصدر میں یہ دونوں لغت ہیں اور یہاں مصدر اسم فاعل
کے معنی میں ہے یہ ماخوذ ہے حزنہ اور احزنہ سے) بے شک فرعون اور (اس کا وزیر) ہامان اور لاؤ لشکر سب بڑے خطا
کار تھے (لفظ خاطین ماخوذ ہے خطیئۃ سے یعنی نافرمان تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سزایاب ہوئے
) اور فرعون کی بیوی بولیں جب کہ فرعون کے ملازمین نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا) کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی
ٹھنڈک ہے اسے قتل مت کرنا عجب نہیں کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں (پس ان لوگوں نے فرعون کی بیگم کا
حکم مان لیا) اور انہیں کچھ خبر نہیں تھی (اپنے اور موسیٰ کے انجام کی) لا ور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا (جب
انہیں حضرت موسیٰ کے اٹھا لینے کا حال معلوم ہوا) یکسر (موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے فارغ) حقیقت میں (ان مشدد
تھا جس کی تخفیف ہو گئی اس کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے (انہا) قریب تھا کہ موسیٰ کی والدہ ان کا حال ظاہر

کر دیتیں (کہ یہ میرا بیٹا ہے) اگر ہم ان کے دل کو اسی طرح سے مضبوط نہ کئے رہتے (انہیں صبر دلا کر یعنی ہم نے انہیں سکون بخشا) کہ وہ یقین کئے رہیں (اللہ کے وعدہ کو سچ سمجھ کر۔ لولا کا جواب محذوف ہے جس پر پہلا جملہ دلالت کر رہا ہے) اور انہوں نے اس (موسیٰ) کی بہن (مریم) سے کہا کہ اس (موسیٰ) کا سراغ تو لگانا (یعنی پتہ لگانے کیلئے ان کے پیچھے پیچھے جاؤ) سو بہن نے اس (موسیٰ) کو دور سے (اچٹتی نگاہ کے ساتھ فاصلہ سے) دیکھا اور وہ لوگ بے خبر تھے (کہ مریم، موسیٰ کی بہن ہے اور اس کی ٹوہ میں لگی ہوئی ہے) اور ہم نے موسیٰ پر دایوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی (موسیٰ کے اپنی والدہ کے پاس آنے سے پہلے یعنی ماں کے علاوہ کسی بھی دودھیاری کے دودھ پینے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ آنے والی دودھیاریوں میں سے کسی کا دودھ بھی موسیٰ نے قبول نہیں کیا) سو (موسیٰ کی بہن) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانہ کا پتہ بتلاؤں (جبکہ بہن نے بچہ کی طرف ان لوگوں کا جھکاؤ دیکھا) جو تمہارے لئے (دودھ پلا کر اور دوسری ذمہ داریاں اٹھا کر) پرورش کریں اور ساتھ ہی اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں (لیکن بہن نے لہ کی ضمیر سے مراد بادشاہ بیان کیا جب ان سے پوچھا گیا۔ غرض کہ بہن کی نشاندہی منظور کر لی گئی اور وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ چنانچہ بچہ فوراً ان کی چھاتی سے لپٹ گیا۔ اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو والدہ نے جواب دیا کہ میری گود اور دودھ بہترین ہے جس پر انہیں دودھ پلانے کیلئے بچہ کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت مل گئی اور وہ اسے لے کر گھر واپس آ گئیں۔ اسی کو حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں) غرض ہم نے اس (موسیٰ) کو اس کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا۔ تاکہ (ان کو پا کر) ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ (اب) غم میں نہ رہیں اور یہ کہ اس بات کو جان لیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ (بچہ کے انہیں واپس ملنے کا) سچا ہے البتہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (نہ اس وعدہ کا اور نہ اس کا کہ یہ موسیٰ کی بہن اور یہ والدہ ہیں۔ چنانچہ موسیٰ پورے شیر خواری کے زمانے میں اپنی والدہ کے پاس رہے اس طرح روزانہ ایک اشرفی بطور اجرت ملتی رہی اور وہ اسے قبول کرتی رہیں۔ کیونکہ وہ روپیہ حربی کافر کا تھا۔ پھر وہ فرعون کے پاس بچہ کو لے جا کر پرورش کرتی رہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیت الم نربك فينا وليداً ولبثت فينا من عمرك سنين میں حق تعالیٰ نے فرعون کی طرف سے نقل فرمایا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: شِيَعًا: عمل کا ہر گروہ۔

قوله: يَسْتَضْعِفُ: یہ جعل کے فاعل سے حال ہے۔

قوله: يُذَبِّحُ: یہ يستضعف کا بدل ہے۔

قوله: اَنْ نَّمُنَّ: یعنی ہم ان کی غلامی سے چھڑوانے کا احسان کریں نرید یہ ماضی کو حال میں ذکر کیا ہے اس کا عطف ان فرعون پر ہے۔

قوله: نُمَكِّنَ لَهُمْ: اصل میں کسی چیز کے لئے ایک جگہ بنانا جہاں وہ قرار پکڑ لے پھر تسلط کے لئے استعمال ہوا۔

قوله: مِنْهُمْ: یہ بنی اسرائیل کی طرف ضمیر جاتی ہے۔

قوله: اَرْضِعِيْهِ: یعنی جب تک تم اس کا چھپا سکو۔
قوله: خَافَتْ عَلَيْهِ: اس کے بارے میں خطرہ محسوس کیا جائے۔
قوله: فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ: ان کے اٹھانے کی علت کو اٹھانے والے کی غرض سے تعبیر کیا۔
قوله: مِنَ الْخَاطِئِيْنَ: اس فرعونیوں کے ابتلاء کا موجب ذکر فرمایا۔
قوله: امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ: یہ تابوت سے نکالنے کے موقعہ کی بات ہے۔
قوله: لَا تَقْتُلُوْهُ: جمع سے خطاب عظمت کے لئے ہے۔
قوله: اَنْ يَّنْفَعَنَا: یعنی فائدہ کے واضح نشانات چہرے پر انوار، برص والی لڑکی کا اٹھانے سے درست ہونا۔ انگوٹھے کو چوسنا۔
قوله: فٰرِغًا: جب موسیٰ کے علاوہ ہر خیال سے خالی۔
قوله: اَيْ قَبْلَ رَدِّهٖ: اس کے نشانات کا پیچھا کرنے سے پہلے۔
قوله: لَهٗ نٰصِحُوْنَ: ہ کا مرجع بادشاہ بھی بتلایا گیا۔
قوله: اَجَابَتْهُمْ: فرعون اور اس کے حواریوں کا جواب دیا۔
قوله: لَا تَحْزَنَ: اس کی جدائی پر غم مت کرو۔

تفسیر مقبولین

طٰسٓمّٓ ۝

سورہ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ ﷺ جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت قرآن سنائی جس کے آخر میں آنحضرت ﷺ کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے وہ آیت یہ ہے: اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ. سورۃ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر کہیں مفصل بار بار آیا ہے سورۃ کہف میں تو ان کے اس قصہ کی تفصیل آئی ہے جو خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، پھر سورۃ طہٰ میں پورے قصہ کی تفصیل ہے اور یہی تفصیل سورۃ نمل میں بھی کچھ آئی ہے پھر سورۃ قصص میں اس کا اعادہ ہوا ہے۔ سورۃ طہٰ میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لیے ارشاد ربانی یہ آیا ہے کہ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا حضرات محدثین امام نسائی وغیرہ نے اس پورے قصے کی مکمل تفصیل وہاں لکھی ہے احقر نے بھی ابن کثیر کے حوالہ سے یہ مکمل تفصیل سورۃ طہٰ میں بیان کر دی ہے۔ اس قصہ کے متعلقہ اجزاء کی تمام بحثیں اور ضروری مسائل اور فوائد کچھ سورۃ کہف میں

باقی سورۃ طٰہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا....

فرعون کی سرکشی اور بنی اسرائیل پر مظالم کا تذکرہ:

مصر میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کر سکیں۔

کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہیے کہ انھیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہیے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں، انھیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیل کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء و قدر کی روک تھام کے لیے ظلم و ستم کی یہ اسکیم جاری کی۔

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝

اس آیت میں تدبیر فرعونی کا بمقابلہ تقدیر الٰہی کے نہ صرف خائب و خاسر ہونا بلکہ فرعون اور اس کے سب اہل دربار کو انتہائی بے وقوف بلکہ اندھا بنانے کا ذکر ہے کہ جس لڑکے کے متعلق خواب اور تعبیر خواب کی بناء پر فرعون کو خطرہ لاحق ہوا تھا اور جس کی بناء پر بنی اسرائیل کے لاتعداد نوزائیدہ لڑکوں کو ذبح کرنے کا قانون جاری کیا تھا اس کو حق تعالیٰ نے اسی فرعون کے گھر میں اسی کے ہاتھوں پرورش کرایا اور والدہ کے اطمینان کے لیے انہی کی گود میں حیرت انگیز طریقہ پر پہنچا دیا اور فرعون سے رضاعت کا خرچ جو بعض روایات میں ایک دینار روزانہ بتلایا گیا ہے مزید وصول کیا گیا اور دودھ پلانے کا یہ معاوضہ چونکہ ایک کافر حربی سے اس کی رضامندی کے ساتھ لیا گیا ہے اس لیے اس کے جواز میں بھی کوئی اشکال نہیں اور بالآخر جس خطرہ کے دور کرنے کے لیے ساری قوم پر یہ مظالم ڈھائے تھے وہ اسی کے گھر کے اندر سے ایک شدید لاوا بن کر پھوٹا اور خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے اس کو آنکھوں سے دکھا دی وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ کا یہی حاصل ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے، اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیاوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔

چنانچہ جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزارہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ ان کے

سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لیے کہ کسی طرح اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اس کی تباہی مقدر تھی، لیکن تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز ونعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ ....

امّ موسیٰ کی وحی والہام کا ذکر: سوارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کے ذریعے بتا دیا کہ تم اس بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ پھر جب اس کے بارے میں خطرہ محسوس ہونے لگے تو تم اس کو دریا میں ڈال دینا اور یہ الہام یا خواب میں فرمایا گیا تھا یا فرشتے کے ذریعے یا یونہی دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اَوْحَيْنَآ کا مفہوم ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ بہرحال یہ وحی نبوت ورسالت کی وحی نہیں تھی کہ والدۂ موسیٰ نبیہ بہرحال نہیں تھیں۔ اور علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی خاتون نہ کبھی نبی ہوئی نہ ہو سکتی ہے بلکہ اس شرف سے ہمیشہ مردوں ہی کو نوازا گیا ہے۔ بہرکیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو وحی والہام کے ذریعے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اپنے اس بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ اور جب انکے بارے میں فرعونیوں سے خوف محسوس کریں تو انکو دریا میں ڈال دیں اور انکے بارے میں کوئی فکر واندیشہ نہ کریں۔ ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ اور ہم اس کو واپس تمہارے پاس لے آئیں گے۔ اور ہم اس کو رسولوں میں سے کر دیں گے۔ اس لیے تم اس کے بارے میں مطمئن رہنا اور کسی طرح کا فکر واندیشہ اپنے دل میں نہ رکھنا۔ اور بعد میں وعدۂ خداوندی کی مطابق ایسے ہی ہوا۔

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ ....

آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس پیارے بچہ کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت وشرافت سے نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھا لیا۔ مگر اس اٹھانے کے آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہو، اور ان کے حق میں سوہان روح بنے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزار ہا معصوم بچے تہہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہ ہی بچہ ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بیشمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے؟ ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ سمجھے کہ قضاء وقدر کے فیصلوں کو انسانی تدبیروں سے روکا جا سکتا ہے۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ ....

فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہیں کرو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اس کو ہم اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس پر فرعون نے اپنی بیوی سے کہا- لَکِ لَالِیْ - یعنی یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے لیے ہوگا میرے لیے نہیں۔ سو تقدیر نے یہ الفاظ اس کے منہ سے کہلوا دیئے۔ اور ایسے ہی ہوا کہ موسیٰ اس کے اقتدار کے دائمی خاتمے اور اس کی دائمی اور ابدی ہلاکت وتباہی کا ذریعہ اور باعث بن گئے۔ اور فرعون آپ علیہ السلام کے وجود باجود سے رحمت وٹھنڈک پانے کی بجائے ہمیشہ کے لیے فی النار والسقر ہو گیا اور آتش دوزخ کا ایندھن بن گیا- والعیاذ باللہ العظیم-

جبکہ اس کی وہ نیک طینت اور ایماندار بیوی جنت کے باسیوں میں شامل ہوکر ابدی رحمت وسعادت اور دائمی فوز وفلاح سے ہمکنار وسرفراز ہوگئی۔ بہر کیف فرعون کی بیوی نے اس سے کہا کہ ایسی موہنی صورت والا بچہ قتل کے لائق نہیں پالنے کے قابل ہے۔ یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔ امید ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے گا یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں۔ پس تم اس کو قتل کرنے کی سنگدلی کا ارتکاب کرنے کی بجائے اس کی حفاظت و پرورش کا سامان کرو۔ روایات کے مطابق وہ بڑی نیک بخت اور رحمدل خاتون تھیں اور فرعون کے رویئے سے وہ سخت بیزار تھیں۔ اور اسی بنا پر وہ فرعون کے گھر میں رہنے اور اس کی بیوی ہونے کے باوجود جنت کی باسی بن گئیں۔ اور ایسی عمدہ اور پاکیزہ زندگی سے سرفراز ہوگئیں کہ ان کی زندگی اہل ایمان کیلئے ایک نمونہ اور مثال بن گئی۔ جیسا کہ سورۃ تحریم کی آیت نمبر 11 میں اس کی تصریح فرمائی گئی۔ سو یہ فرعون کی اس ایماندار اور نیک بیوی کی رحمدلی کا ایک مظہر ونمونہ تھا۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ....

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوقچہ میں ڈال کر دریا میں بہادیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا۔ صبر وسکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کردی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کردیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہوگیا۔ لیکن اللہ نے اس کا دل ٹھہرادیا ڈھارس دی اور تسکین دے دی کہ تیرا بچہ تجھے ضرور ملے گا۔ والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھدار تھیں فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظر جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اس کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ جارہی ہے۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہوسکے کہ اندر کیا ہورہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایاں تھیں سب کو بچہ دیا گیا۔ ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم الٰہی حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔ آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھوں اسے باہر بھیجا کہ کسی دایہ کو تلاش کرو جس کا دودھ یہ پیے اس کو لے آؤ۔ چونکہ رب العلمین کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کا اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پیے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں آپ کو لے کر جب باہر نکلیں تو آپ کی بہن نے آپ کو پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ خود انہیں کوئی پتہ چل سکا آپ کی بہن تو پہلے بہت پریشان تھی لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر وسکون دے دیا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔ بہن نے انکو کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا یہ بچہ کسی دائیہ کا دودھ نہیں پیتا اور ہم اس کے لیے دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر ہمشیرہ موسیٰ نے فرمایا اگر تم کہو تو تمہیں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے بچہ ان کا دودھ پی لیے اور اس کی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت ہے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کرلیا اور پوچھا تمہیں کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو۔ انعام واکرام کی

خاطر کون اس سے ہمدردی نہ کریگا۔ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا یہ انہیں لیکر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام واکرام کیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا۔ آخر کار ایک روز حضرت آسیہ نے فرمایا میری خوشی ہے کہ تم محل میں آ جاؤ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا میں بال بچوں والی ہوں میرے میاں بھی ہیں میں انہیں دودھ پلا دیا کرونگی پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کرونگی۔ یہ طے ہوا اور اس پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہوگئیں ام موسیٰ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، دولت وعزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام واکرام پاتیں۔ کھانا، کپڑا، شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں۔ ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک دن ایک رات کے بعد ہی اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اسمیں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ کی ذات پاک ہے اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہے اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے ہرگز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے۔ اس کی فرمانبرداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو فراخی سے بدلتا ہے۔ اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے۔ اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے، اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہوگئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہیے۔ ہاں رب کی حکمتیں بے علموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے۔ ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں۔ اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں وہ برا ہو یعنی ایک کام برا جانتے ہوں مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھیں ہیں۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ هُوَ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً اَوْ وَثَلٰثٍ وَ اسْتَوٰٓى اَىْ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا حِكْمَةً وَّ عِلْمًا ؕ فِقْهًا فِي الدِّيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّبْعَثَ نَبِيًّا وَ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ لِاَنْفُسِهِمْ وَدَخَلَ مُوْسٰى الْمَدِيْنَةَ مَدِيْنَةَ فِرْعَوْنَ وَ هِيَ مُنْفُ بَعْدَ اَنْ غَابَ عَنْهُ مُدَّةً عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا وَقْتَ الْقَيْلُوْلَةِ فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ اَىْ اِسْرَائِيْلِيٌّ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ اَىْ قِبْطِيٌّ يَسْخَرُ الْاِسْرَائِيْلِيَّ لِيَحْمِلَ حَطَبًا اِلٰى مَطْبَخِ فِرْعَوْنَ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ

عَدُوِّهٖ فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰی خَلِّ سَبِیْلَهٗ فَقِیْلَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُوْسٰی لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَحْمِلَ عَلَیْكَ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی اَیْ
ضَرَبَهٗ بِجَمْعِ كَفِّهٖ وَكَانَ شَدِیْدَ الْقُوَّةِ وَالْبَطْشِ فَقَضٰی عَلَیْهِ اَیْ قَتَلَهٗ وَلَمْ یَكُنْ قَصْدُ قَتْلِهٖ وَدَفَنَهٗ فِی
الرَّمْلِ قَالَ هٰذَا اَیْ قَتْلُهٗ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ الْمُهَیِّجِ غَضَبِیْ اِنَّهٗ عَدُوٌّ لِاِبْنِ اٰدَمَ مُّضِلٌّ لَهٗ مُّبِیْنٌ ۝۱۵
بَیِّنُ الْاِضْلَالِ قَالَ نَادِمًا رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ بِقَتْلِهٖ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۱۶
اَیِ الْمُتَّصِفُ بِهِمَا اَزَلًا وَاَبَدًا قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ بِالْمَغْفِرَةِ اَعْصِمْنِیْ فَلَنْ اَكُوْنَ
ظَهِیْرًا عَوْنًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۷ الْكَافِرِیْنَ بَعْدَ هٰذِهٖ اِنْ عَصَمْتَنِیْ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ
یَنْتَظِرُ مَا یَنَالُهٗ مِنْ جِهَةِ الْقَتِیْلِ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ یَسْتَغِیْثُ بِهٖ عَلٰی قِبْطِیٍّ اٰخَرَ
قَالَ لَهٗ مُوْسٰی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۸ بَیِّنُ الْغَوَایَةِ لِمَا فَعَلْتَهٗ اَمْسِ وَالْیَوْمَ فَلَمَّآ اَنْ زَائِدَةٌ اَرَادَ اَنْ
یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا لِمُوْسٰی وَالْمُسْتَغِیْثِ بِهٖ قَالَ الْمُسْتَغِیْثُ ظَانًّا اَنَّهٗ یَبْطِشُ بِهٖ لِمَا قَالَ لَهٗ
یٰمُوْسٰی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا
تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ۝۱۹ فَسَمِعَ الْقِبْطِیُّ ذٰلِكَ فَعَلِمَ اَنَّ الْقَاتِلَ مُوْسٰی فَانْطَلَقَ اِلٰی فِرْعَوْنَ
فَاَخْبَرَهٗ بِذٰلِكَ فَاَمَرَ فِرْعَوْنُ الذَّبَّاحِیْنَ بِقَتْلِ مُوْسٰی فَاَخَذُوا الطَّرِیْقَ اِلَیْهِ قَالَ تَعَالٰی وَجَآءَ رَجُلٌ هُوَ مُؤْمِنُ
اٰلِ فِرْعَوْنَ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ اٰخِرِهَا یَسْعٰی یُسْرِعُ فِیْ مَشْیِهٖ مِنْ طَرِیْقٍ اَقْرَبَ مِنْ طَرِیْقِهِمْ قَالَ
یٰمُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ یَتَشَاوَرُوْنَ فِیْكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِنِّیْ لَكَ
مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝۲۰ فِی الْاَمْرِ بِالْخُرُوْجِ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ لُحُوْقَ طَالِبٍ اَوْ غَوْثَ اللّٰهِ اِیَّاهُ قَالَ
ع ۲ ۸ ۵ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۱ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

ترجمہ: اور جب موسیٰ اپنی بھری جوانی (تیس یا تینتیس سال کی عمر) کو پہنچے اور پوری طرح (چالیس سال کے ہوئے) درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم (نبوت سے پہلے جتنی سمجھ بوجھ) عطا فرمایا اور اچھا کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں (جیسے حضرت موسیٰ کو بدلہ عطاء کیا) اور (موسیٰ) شہر میں (فرعون کی بستی منف مراد ہے جس میں ایک مدت بعد پھر آئے) داخل ہوئے ایسے وقت کہ وہاں کے باشندے (دوپہر کو سونے میں) بے خبر تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ ایک تو ان میں سے ان کی (اسرائیلی) برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں سے تھا (یعنی قبطی جو اسرائیلی پر فرعون کے مطبخ کی لکڑیاں بیگار اٹھوائے ہوئے تھا) سو ان کی برادری کے آدمی نے اس کے مقابلہ میں داد

خواہی چاہی جو اس کے مقابلہ میں مخالفین سے تھا (حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس کو بیگار سے چھوڑ دے۔ اس پر بعض کی رائے ہے کہ وہ بولا کہ اے موسیٰ پھر کیا تم پر اس گٹھے کو لاد دوں؟) سو موسیٰ نے اس کے گھونسہ مارا (یعنی بھر پور مکہ رسید کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ بڑے طاقتور مضبوط تھے) سو اس کا کام تمام کر دیا (یعنی اسے جان سے مار ڈالا۔ حالانکہ انہوں نے ارادۃً ایسا نہیں کیا۔ پھر اس کی نعش کو ریت میں چھپا دیا) موسیٰ بولے یہ (قتل) تو شیطانی حرکت ہوگئی (غصہ کے ہیجان سے یہ ہوا) بلاشبہ شیطان (انسان کا) دشمن کھلم کھلا بہکانے والا ہے۔ عرض کیا (شرمندہ ہوتے ہوئے) اے میرے پروردگار مجھ سے (اس کے مارنے کا) قصور ہو گیا۔ سو بخش دیجئے۔ پھر انہیں بخش دیا۔ بلاشبہ وہی بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (یعنی ان خوبیوں سے ہمیشہ متصف رہتا ہے) موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے مجھ پر جو انعام کیا ہے (اس کا واسطہ، میری مغفرت کر کے مجھے بچائیے) سو میں مجرموں کی مدد نہیں کروں گا (اگر آپ نے مجھے بچالیا تو میں کافروں کی مدد نہیں کروں گا) موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور دہشت کی حالت میں دیکھئے مقتول کی جانب سے کیا کچھ ہوتا ہے کہ اتنے میں وہی شخص جس نے گذشتہ کل ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر انہیں پکار رہا ہے (کسی دوسرے قبطی کے مقابلہ میں دہائی دے رہا ہے) موسیٰ اس سے فرمانے لگے تو ہی بڑا بدراہ ہے (کل اور آج کی کارروائی کی رو سے نہایت غلط کار ہے) پھر جب (موسیٰ نے) اس پر (ان زائد ہے) ہاتھ بڑھایا جو ان دونوں (موسیٰ اور فریادی) کا مخالف تھا تو (اسرائیلی) بول اٹھا کہ (فریادی یہ سمجھا کہ موسیٰ فریاد کے جواب میں اسے پکڑیں گے) اے موسیٰ کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ پس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے (قبطی نے جب یہ ماجرا سنا تو سمجھ گیا کہ قاتل موسیٰ ہی ہیں فوراً ہی فرعون کے پاس جا شکایت کی۔ فرعون نے جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کو مار ڈالا جائے۔ چنانچہ ان کو گرفتار کرنے کیلئے سپاہی دوڑے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ایک صاحب (قبطی مسلمان) شہر کے (آخری) کنارے سے دوڑے ہوئے آئے (نزدیک راستہ سے بھاگ کر) کہنے لگے اے موسیٰ اہل دربار (فرعون کے درباری) آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں (تمہاری نسبت سوچ بچار کر رہے ہیں) کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (شہر سے) بھاگ جائیے۔ میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں (شہر سے نکل جانے کا مشورہ دے کر) چنانچہ (موسیٰ) وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف و امید کے ساتھ (کسی پکڑنے والے کے آ پہنچنے سے یا تائید غیبی سے) کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے ان (فرعونی) ظالموں سے بچالیجئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَاسْتَوٰی: عقل و سمجھ کو پالیا۔

قوله: قَبْلَ اَنْ یُبْعَثَ: یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے۔

قوله: مُنْفَ: یہ فرعون کا دار الحکومت۔

قوله: یَسْخَرُ الْاِسْرَائِیْلِیَّ: سرکار کام کے لئے پکڑ رہا تھا۔

قوله: فَقَضٰى عَلَيْهِ: اس کی زندگی کو آخر تک پہنچا دیا۔

قوله: مِنْ عَمَلِ: ان کو قتل کفار کا حکم نہ دیا گیا تھا۔ خطاء ہونا کی وجہ سے عصمت کے منافی نہ تھا۔

قوله: لَمَّا قَالَ لَهُ: یہ آپ کا قول انک غوی مبین کہ تو کھلا غلط کار ہے۔

قوله: فَاَخَذُوا: موسیٰ علیہ السلام کی طرف راستہ اختیار کیا۔

قوله: يَاْتَمِرُوْنَ: یعنی تمہارے متعلق مشورے کر رہے ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اَشُدَّهٗ کے لفظی معنے قوت وشدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت وشدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جائے اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا اشد کا زمانہ جلد آجاتا ہے کسی کا دیر میں۔ لیکن حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بروایت عبد ابن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح وقرطبی)

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا: حکم سے مراد نبوت ورسالت ہے اور علم سے مراد احکام الہیہ شرعیہ کا علم ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا، المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا۔ آگے قتل قبطی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے اپنی نبوت ورسالت کا اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجہ میں کچھ لوگ ان کے مطیع وفرمانبردار ہو گئے تھے جو ان کے متبعین کہلاتے تھے مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز آیا مگر ان کو شہر سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے۔ (قرطبی)

● وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ....

غفلت کے وقت سے مراد دوپہر کا وقت ہے جبکہ وہ لوگ قیلولہ کر رہے تھے۔ اور اس مدینہ سے مراد بعض حضرات نے

شہر مصر ہی لیا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل سے شہر مصر میں داخل ہوئے جبکہ بعض دوسروں کے نزدیک اس شہر سے مراد منفس کا شہر ہے جو کہ اس زمانے میں ایک بڑا مشہور مرکز تھا۔ اور تورات میں اس کا نام موف کر کے آیا ہے جبکہ ہماری قدیم تفسیری روایات میں اس کو منصف کے نام سے ذکر کیا گیا ہے جو موجودہ دارالحکومت قاہرہ سے کوئی بارہ کلومیٹر جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور اب اسے مطرانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ راقم آثم نے اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک مصری عالم دین شیخ محمد عبدالحمید العدوی جو کہ ہمارے ساتھ مرکز الدعوۃ والارشاد، دہلی کے رکن ہیں، سے اس شہر کے بارے میں ان امور سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کی حرف بحرف تائید کی۔ البتہ انہوں نے کہا کہ یہ شہر مطرانیہ اب قاہرہ کی آبادی سے مل گیا ہے اور قاہرہ کی عمارات وہاں تک پہنچ گئی ہیں۔ بہرکیف مدینہ سے مراد شہر ہے جو کہ اعیان وشرفاء کا مرکز اور حکومت کا مستقر تھا۔ اور بنی اسرائیل کی حیثیت چونکہ غلاموں اور خدمتگاروں کی تھی اس لیے ان کی بستی اصل بستی سے باہر کہیں بسائی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ غفلت کے کسی وقت میں شہر میں داخل ہوئے تو وہاں پر دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ جن میں سے ایک سبطی - اسرائیلی - تھا جو کہ حضرت موسیٰ کی قوم تھی اور ایک قبطی - مصری - تھا جو کہ فرعون کی قوم تھی۔ اور یہ دونوں آپس میں کسی بات پر لڑ رہے تھے۔ سبطی یعنی اسرائیلی نے جب حضرت موسیٰ کو دیکھا تو آپ کو مدد کیلئے پکارا۔ حضرت موسیٰ اس پر آگے بڑھے اور چاہا کہ بیچ بچاؤ کر کے ان کا جھگڑا ختم کر دیں تو قبطی اپنی رعونت کی بنا پر اکڑ گیا اور آپ سے الجھ پڑا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا رسید کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی پاکیزہ جوانی اور حمایت مظلوم کے جوش وجذبے کی بنا پر صادر ہونے والا آپ کا یہ مکہ ایسا کارگر ثابت ہوا کہ اس قبطی نے پانی بھی نہ مانگا اور وہ اپنی رعونت اور فرعونی خمار کے ساتھ وہیں کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نہ تو قبطی کو قتل کرنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ ہی اس خلاف توقع صورتحال کے پیش آنے کا کوئی گمان تھا۔ اس لیے آپ کو اس حادثے سے سخت پشیمانی ہوئی اور آپ علیہ السلام فوراً اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے معافی مانگنے لگے۔ اور یہی شان ہوتی ہے اللہ والوں کی کہ فوراً اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہمیشہ راہ حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ⑯

حضرت موسیٰ کی اپنے رب کے حضور معافی کی دعا ودرخواست: سو قبطی کے موسیٰ کے ہاتھوں اس طرح خلاف ارادہ وتوقع ہلاکت پر حضرت موسیٰ کو سخت ندامت ہوئی تو آپ نے اپنے رب کے حضور فوراً عرض کیا کہ اے میرے رب بیشک میں نے ظلم کر لیا اپنی جان پر۔ پس تو میری بخشش فرما دے۔ ظلم سے مراد ظاہر ہے کہ یہاں پر گناہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے اس شخص کو قصداً قتل نہیں کیا تھا مگر حضرات انبیائے کرام جو کہ معصوم ہوتے ہیں اور وہ نبوت سے پہلے بھی ہر قسم کے گناہ سے پاک ہوتے ہیں ان کی شان اتنی عظیم اور ان کی طبیعتیں اس قدر پاکیزہ ہوتی ہیں کہ وہ اپنے حق میں معمولی بات کو بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ جبکہ کافر ومنکر اور باغی انسان اپنے بڑے سے بڑے گناہ کو بھی ایک معمولی چیز سمجھ کر ٹال دیتا ہے۔ بہرکیف حضرت موسیٰ نے اپنے اس نادانستہ فعل کو بھی جرم اور ظلم قرار دے کر فوراً اس کے لیے بخشش اور معافی کی درخواست اپنے رب کے حضور پیش کر دی۔ بہرکیف حضرت موسیٰ سے یہ خطا چونکہ بلا کسی قصد وارادے کے اچانک ہو گئی تھی۔ پھر آپ نے توبہ بھی فوراً اور دل سے کی تھی اس لیے حق تعالیٰ نے آنجناب کی اس خطا کو فوراً ہی معاف فرما دیا اور مغفرت وبخشش کی اس بشارت وخوشخبری سے

آنجناب کو مطلع بھی فرمادیا گیا۔ اور اس طرح حضرت موسیٰ کو کرم بالائے کرم کی عنایت سے نواز دیا گیا۔ بلاشبہ وہ رب مہربان بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ⑰

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب حق تعالیٰ نے معاف فرمادیا تو آپ نے اس نعمت کے شکر میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس اسرائیلی کی مدد کے لیے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے، جھگڑا لڑائی اس کی عادت ہے اس لیے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباس سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً ایسا ہی فرمایا ہے اس تفسیر کی بنا پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی امداد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔

مسئلہ: اول یہ کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اس کی امداد کرنا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی ان کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے۔

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ ....

موسیٰ کے گھونسے سے قبطی مر گیا تھا اس لیے آپ کی طبیعت پر گھبراہٹ تھی۔ شہر میں ڈرتے دبکتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کہیں راز کھل تو نہیں گیا۔ دیکھتے ہیں کہ کل والا اسرائیلی آج ایک اور قبطی سے لڑ رہا ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح آج بھی فریاد اور دہائی دینے لگا۔ آپ نے فرمایا تم بڑے فتنہ آدمی ہو۔ یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا۔ جب حضرت موسیٰ نے اس ظالم قبطی کو روکنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو یہ شخص اپنے کمینہ پن اور بزدلی سے سمجھ بیٹھا کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے اور مجھے پکڑنا چاہتے ہیں اپنی جان بچانے کے لیے شور مچانا شروع کر دیا کہ موسیٰ کیا جیسے تو نے کل ایک شخص کا خون کیا تھا آج میری جان بھی لینا چاہتا ہے؟ کل کا واقعہ صرف اسی کی موجودگی میں ہوا تھا اس لیے اب تک کسی کو پتہ نہ چلا تھا؟ لیکن آج اس کی زبان سے اس قبطی کو پتہ چلا کہ یہ کام موسیٰ کا ہے۔ اس بزدل ڈرپوک نے یہ بھی ساتھ ہی کہا کہ تو زمین پر سرکش بن کر رہنا چاہتا ہے اور تیری طبیعت میں ہی صلح پسندی نہیں۔ قبطی یہ سن کر بھاگا دوڑا اور بار فرعونی میں پہنچا اور وہاں مخبری کی۔ فرعون کی بد دلی کی اب کوئی حد نہ رہی اور فوراً سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ کو لا کر پیش کریں۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ....

چنانچہ شہر کے اس کنارے سے ایک شخص حضرت موسیٰ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور آکر ان سے کہا کہ موسیٰ دربار والے آپ کو قتل کر دینے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل جائیں۔ میں آپ کا پکا سچا خیر خواہ ہوں۔ روایات کے مطابق یہ آل فرعون کا وہی مومن شخص تھا جس نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا اور جس کا قصہ آگے خود قرآن پاک کی سورۃ المومن میں آ رہا ہے۔ سو اس شخص نے دوڑتے ہوئے اور بیچ کی گلیوں کے شارٹ راستے سے گزر کر آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بتائی۔ تاکہ آپ علیہ السلام اپنی جان کے بچانے کی فکر کر سکیں۔ سو اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ کے

قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔اس لیے میرا آپ کو خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں۔اور اس خیال سے کہ شاید موسیٰ اس کی بات کا اعتبار نہ کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ فرعونی شخص یونہی خواہ مخواہ مجھے ڈرا دھمکا کر یہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے اس نے تاکیدی الفاظ میں موسیٰ سے ان کو یقین دلانے کیلئے کہا کہ میں یقینی طور پر آپ کا خیر خواہ ہوں۔سو بدگمانی کی اس فضا میں جو اس وقت اسرائیلیوں اور قبطیوں کے درمیان پائی جاتی تھی کسی کی اس طرح کی کسی بات پر یقین کرنا بہت مشکل تھا۔اس لیے اس شخص نے تاکید در تاکید کے الفاظ کے ساتھ حضرت موسیٰ کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ میں آپ کا سچا پکا خیر خواہ ہوں۔لہٰذا آپ میری بات پر اعتماد و یقین کرتے ہوئے یہاں سے نکل جائیں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

فرعون اور فرعونیوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی آپ کو معلوم ہو گئے تو آپ وہاں سے تن تنہا چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے۔چونکہ اس سے پہلے کی زندگی کے ایام آپ کے شہزادوں کی طرح گزرے تھے سفر بہت کڑا معلوم ہوا لیکن خوف و ہراس کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ اے اللہ! ان ظالموں سے یعنی فرعون اور فرعونیوں سے نجات دے۔مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے واسطے ایک فرشتہ بھیجا تھا جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا واللہ اعلم۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ قَصَدَ بِوَجْهِهٖ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ جِهَتَهَا وَهِيَ قَرْيَةُ شُعَيْبٍ مَسِيْرَةَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ مِنْ مِصْرَ سُمِّيَتْ بِمَدْيَنَ ابْنِ اِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَعْرِفُ طَرِيْقَهَا قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ اَيْ قَصْدَ الطَّرِيْقِ اَيِ الطَّرِيْقَ الْوَسَطَ اِلَيْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِيَدِهٖ عَنَزَةٌ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلَيْهَا وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ بِئْرٌ فِيْهَا اَيْ وَصَلَ اِلَيْهَا وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً جَمَاعَةً كَثِيْرَةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ مَوَاشِيَهُمْ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ اَيْ سِوَاهُمْ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ تَمْنَعَانِ اَغْنَامَهُمَا عَنِ الْمَاءِ قَالَ مُوْسٰى لَهُمَا مَا خَطْبُكُمَا اَيْ شَانُكُمَا لَا تَسْقِيَانِ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ جَمْعُ رَاعٍ اَيْ يَرْجِعُوْا مِنْ سَقْيِهِمْ خَوْفَ الزِّحَامِ فَنَسْقِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يَصْدُرُ مِنَ الرُّبَاعِيِّ اَيْ يَصْرِفُوْا مَوَاشِيَهُمْ عَنِ الْمَاءِ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ لَا يَقْدِرُ اَنْ يَسْقِيَ فَسَقٰى لَهُمَا مِنْ بِئْرٍ اُخْرٰى بِقُرْبِهَا رَفَعَ حَجَرًا عَنْهَا لَا يَرْفَعُهٗ اِلَّا عَشَرَةُ اَنْفُسٍ ثُمَّ تَوَلّٰى انْصَرَفَ اِلَى الظِّلِّ لِسَمُرَةٍ مِنْ شِدَّةِ حَرِّ الشَّمْسِ وَهُوَ جَائِعٌ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ طَعَامٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ مُحْتَاجٌ فَرَجَعَتَا اِلٰى اَبِيْهِمَا فِيْ زَمَنٍ اَقَلَّ مِمَّا كَانَتَا تَرْجِعَانِ فِيْهِ فَسَاَلَهُمَا عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَتَاهُ بِمَنْ سَقٰى لَهُمَا فَقَالَ لِاِحْدٰهُمَا اُدْعِيْهِ لِيْ قَالَ تَعَالٰى فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ

اَیْ وَاضِعَةٍ كُمَّ دِرْعِهَا عَلٰى وَجْهِهَا حَيَاءً مِنْهُ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ
فَاَجَابَهَا مُنْكِرًا فِيْ نَفْسِهٖ اَخْذَ الْاُجْرَةِ وَكَاَنَّهَا قَصَدَتِ الْمُكَافَاةَ اِنْ كَانَ مِمَّنْ يُرِيْدُهَا فَمَشَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ
فَجَعَلَتِ الرِّيْحُ تَضْرِبُ ثَوْبَهَا فَتَكْشِفُ سَاقَهَا فَقَالَ لَهَا امْشِيْ خَلْفِيْ وَدُلِّيْنِيْ عَلَى الطَّرِيْقِ فَفَعَلَتْ اِلٰى
اَنْ جَاءَ اَبَاهَا وَهُوَ شُعَيْبٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعِنْدَهٗ عِشَاءٌ قَالَ لَهُ اجْلِسْ فَتَعَشَّ قَالَ اَخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ عِوَضًا
مِمَّا سَقَيْتُ لَهُمَا وَاَنَا اَهْلُ بَيْتٍ لَا نَطْلُبُ عَلٰى عَمَلِ خَيْرٍ عِوَضًا قَالَ لَا عَادَتِيْ وَعَادَةُ اٰبَائِيْ نَقْرِي
الضَّيْفَ وَنُطْعِمُ الطَّعَامَ فَاَكَلَ وَاَخْبَرَهٗ بِحَالِهٖ قَالَ تَعَالٰى فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ مَصْدَرٌ
بِمَعْنَى الْمَقْصُوْصِ مِنْ قَتْلِهِ الْقِبْطِيَّ وَقَصْدِهِمْ قَتْلَهٗ وَخَوْفِهٖ مِنْ فِرْعَوْنَ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ لَا سُلْطَانَ لِفِرْعَوْنَ عَلٰى مَدْيَنَ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا وَهِيَ الْمُرْسَلَةُ الْكُبْرٰى
اَوِ الصُّغْرٰى يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِتَّخِذْهُ اَجِيْرًا يَرْعٰى غَنَمَنَا اَيْ بَدْلَنَا اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ
الْاَمِيْنُ ۝ اَيْ اِسْتَاجِرْهُ لِقُوَّتِهٖ وَاَمَانَتِهٖ فَسَاَلَهَا عَنْهُمَا فَاَخْبَرَتْهُ بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ رَفْعِهٖ حَجَرَ الْبِئْرِ وَمِنْ قَوْلِهٖ
لَهَا امْشِيْ خَلْفِيْ وَزِيَادَةً اَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْهُ وَعَلِمَ بِهَا صَوَّبَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَرْفَعْهُ فَرَغِبَ فِيْ اِنْكَاحِهٖ قَالَ اِنِّيْٓ
اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ وَهِيَ الْكُبْرٰى اَوِ الصُّغْرٰى عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ تَكُوْنَ اَجِيْرًا لِيْ فِيْ
رَعْيِ غَنَمِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ اَيْ سِنِيْنَ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا اَيْ رَعْيَ عَشْرِ سِنِيْنَ فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ اَلتَّمَامُ وَ
مَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ بِاشْتِرَاطِ الْعَشْرِ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لِلتَّبَرُّكِ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اَلْوَافِيْنَ
بِالْعَهْدِ قَالَ مُوْسٰى ذٰلِكَ الَّذِيْ قُلْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ الثَّمَانُ اَوِ الْعَشْرُ وَمَا زَائِدَةٌ اَيْ رَعْيَهٗ
قَضَيْتُ بِهٖ اَيْ فَرَغْتُ عَنْهُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ بِطَلَبِ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ اَنَا وَاَنْتَ وَكِيْلٌ ۝ ع ٣
حَفِيْظٌ اَوْ شَهِيْدٌ فَتَمَّ الْعَقْدُ بِذٰلِكَ وَاَمَرَ شُعَيْبٌ اِبْنَتَهٗ اَنْ يُّعْطِيَ مُوْسٰى عَصًا يَدْفَعُ بِهَا السِّبَاعَ مِنْ غَنَمِهٖ
وَكَانَتْ عِصِيُّ الْاَنْبِيَاءِ عِنْدَهٗ فَوَقَعَ فِيْ يَدِهَا عَصَا اٰدَمَ مِنْ اٰسِ الْجَنَّةِ فَاَخَذَهَا مُوْسٰى بِعِلْمِ شُعَيْبٍ

تَرْجَمَہ: اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف توجہ کی تو یوں کہا (یہ شہر مصر سے ایک ہفتہ کی مسافت پر تھا، اس شہر کا نام مدین بن ابراہیم کے نام پر ہے۔ حضرت موسیٰ اس کا راستہ نہیں جانتے تھے) کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ چلا دے گا۔ چنانچہ ایک فرشتہ نے آپ کی رہنمائی شہر مدین کی طرف کی جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ بھی تھا) اور جب وہ مدین کے

پانی کے کنویں پر پہنچے تو اس پر ایک مجمع (بھیڑ) کو دیکھا لوگوں کے کہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور مردوں کے علاوہ (سوا) دو عورتوں کو دیکھا جو ایک طرف کو (پانی سے اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی ہیں (موسیٰ نے ان سے) پوچھا تمہارا مدعا کیا ہے (کیوں اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو) دونوں بولیں ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو نہیں ہٹائے جاتے (لفظ رعاء راعی کی جمع ہے بھیڑ کے ڈر سے ان کی واپسی تک ہم رکی رہتی ہیں پھر ہم پانی پلاتی ہیں اور ایک قراءت میں لفظ یصدر رباعی سے ہے یعنی تاوقتیکہ اپنے جانوروں کو کنویں سے نہ ہٹالیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں (جانوروں کو خود پانی نہیں پلا سکتے) پس ان لڑکیوں کا خیال کرتے ہوئے موسیٰ نے پانی پلا دیا (نزدیک کے دوسرے کنویں کا ایسا بڑا پتھر ہٹا کر جس کو دس آدمی بھی ہلا نہ سکیں) پھر ہٹ کر (مڑ کر) سایہ میں آ گئے (سخت گرمی کے مارے کیکر کے نیچے بھوک کی حالت میں) پھر دعا کی اے میرے پروردگار تو جو نعمت (کھاجا) بھی دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں (محتاج ہوں۔ چنانچہ لڑکیاں واپسی کے معمول سے پہلے ہی جلد اپنے باپ کے پاس پہنچ گئیں۔ انہوں نے جلد آنے کی وجہ پوچھی لڑکیوں نے پانی پلانے والے کا حال سنایا۔ باپ نے ایک لڑکی سے کہا انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر ان میں سے ایک لڑکی (موسیٰ کے پاس) آئی شرماتی ہوئی چلتی تھی (یعنی موسیٰ سے شرم کرتے ہوئے چہرہ پر آستین کا پلہ کر لیا) بولی کہ میرے والد آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ جو آپ نے ہماری خاطر ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دینے کیلئے (چنانچہ موسیٰ نے اسے منظور کر لیا۔ مگر دل میں طے کر لیا کہ اجرت نہیں لوں گا۔ حالانکہ لڑکی کا منشا یہ تھا کہ موسیٰ اگر چاہیں گے تو اس احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں ہو جائے گا۔ غرضیکہ لڑکی موسیٰ کے آگے آگے چلی۔ مگر ہوا سے اس کی لنگی کا پلہ ہٹ گیا جس سے اس کی پنڈلی کچھ کھل گئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً کہا کہ میرے پیچھے چلو اور راستہ بتلاتی رہنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور اس طرح اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ وہ رات کے دسترخوان پر تشریف فرما تھے انہوں نے کھانے پر حضرت موسیٰ کی تواضع فرمائی۔ موسیٰ نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ یہ ضیافت میرے پانی پلانے کی اجرت ہو جائے اور ہم اہلبیت کسی بھلائی پر اجرت کے خواہاں نہیں ہوا کرتے۔ فرمایا ایسا نہیں بلکہ ہماری اور ہمارے خاندان کی روایت مہمان نوازی اور کھانا کھلانا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کھانے میں شریک ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگزشت سنا دی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر (موسیٰ) جب (حضرت شعیبؑ کی) خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سب حالات بیان کئے۔ (قصص مصدر ہے بمعنی مقصوص یعنی قبطی کا مارا جانا اور فرعونیوں کا آمادۂ قتل ہو جانا اور فرعون سے خوف) فرمایا کہ کچھ اندیشہ مت کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ شہر مدین فرعونی حدود سلطنت سے باہر ہے) ان میں سے ایک لڑکی بولی (جسے بلانے کیلئے بھیجا تھا خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی) اے ابا جان انہیں آپ نوکر رکھ لیجئے (بکریوں کی دیکھ بھال پر ہماری بجائے انہیں مقرر کر لیجئے) کیونکہ اچھا نوکر وہی ہوتا ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو (یعنی ان کی قوت و امانت کی وجہ سے انہیں کارندہ بنا لیجئے۔ والد نے لڑکی سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے ان سے وہی بیان کر دیا کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی کنویں کے بھاری پتھر کو تنہا ہٹا دینا اور لڑکی کو پیچھے چلنے کی ہدایت دینا۔ اور نیز یہ زائد بات بھی بتلائی کہ جب وہ ان کے سامنے گئی اور انہیں معلوم ہوا تو فوراً سر نیچے کر لیا اور پھر نہیں اٹھایا۔ یہ احوال سن کر حضرت شعیبؑ کی ان سے شادی کرنے کی رغبت ہو گئی) کہنے لگے کہ

میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں (بڑی یا چھوٹی) لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ تم میری نوکری کرو (میری بکریاں چرانے کا کام کرو) آٹھ سال (برس) پھر اگر دس سال پورے کر دو (یعنی دس برس بکریاں چرائی) تو یہ تمہاری طرف سے (پورا کرنا) ہے اور میں تم پر کوئی مشقت (دس سال مدت کی شرط کر کے) ڈالنا نہیں چاہتا۔ تم ان شاء اللہ (یہ لفظ تبرک کا ہے) مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔ کہنے لگے (موسیٰ) یہ بات (آپ نے جو فرمائی ہے) میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی (آٹھ سال یا دس سال۔ لفظ ما زائدہ ہے یعنی اس مدت میں چرائی) پوری کردوں (اسے مکمل کردوں) مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا (اور زیادہ کی فرمائش کر کے) اور ہم (میں اور آپ) جو بات کر رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے (نگران یا شاہد ہے۔ اس جملہ سے معاملہ طے ہو گیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی سے فرمایا کہ انہیں لاٹھی لا دو جس کے ذریعہ درندوں سے بکریوں کی حفاظت کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کی بہت سی لاٹھیاں تھیں۔ جن میں سے لڑکی کے ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی آئی جو جنتی آس کی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اس لاٹھی کو حضرت شعیب علیہ السلام کے علم میں آنے کے بعد قبول کر لیا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِمَدْيَنَ ابْنِ اِبْرَاهِيْمَ: یہ آپ کے بیٹے کے نام پر شہر تھا۔

قوله: قَصْدَ الطَّرِيْقِ: یہاں تین راستے تھے۔

قوله: عَنَزَةٌ: چھوٹا نیزہ۔

قوله: عَلَيْهِ اُمَّةً: کنوئیں کے کنارہ کے پاس۔

قوله: : بہت بڑی جماعت امۃ کو نکرہ اظہار کثرت کے لئے لائے۔

قوله: مِنْ بِئْرٍ اُخْرىٰ: دوسرے کنوئیں سے پانی پلا دیا۔

قوله: رَفَعَ حَجَرًا عَنْهَا: کنوئیں سے اکیلے نے پتھر ہٹا دیا باوجودیکہ وہ تھکے ماندے اور بھوک سے نڈھال تھے۔

قوله: فَقِيْرٌ: سائل اسی وجہ لام سے متعدی کیا گیا تھا۔

قوله: قَالَ لَا عَادَتُنِيْ: پانی پلانے کا میں بدل نہیں کیا کرتا۔

قوله: بِالْبِرِّ: احسان کرنے والے کو ہدیہ پیش کرو۔

قوله: قَالَ اِنِّيْ: یہ استدعا عقد تو ہے نہ کہ عقد۔

قوله: اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى: شائد کہ انہوں نے عقد کو مقررہ مدت پر پورا کر دیا۔

قوله: فِيْ رَعْيِ غَنَمِيْ: ہرا لگ تھا نہ کہ بکریوں کا چرانا۔

قوله: اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ: یہ مشقت سے نکلا ہے پھاڑنا چرنا گرانی میں ڈالنا۔

قوله: عِصِيٌّ: جمع عصا۔

تفسیر مقبولین

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا وہاں دولڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانا پھران میں سے ایک لڑکی سے شادی ہونا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک شخص نے رائے دی کہ دربار والے تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ تو وہ سرزمین مصر سے روانہ ہو گئے اور مدین کی طرف چل دیئے جو ملک شام کا ایک شہر ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت میں شامل نہیں تھا۔ اور وہ زمانہ پاسپورٹ اور ویزے کا بھی نہیں تھا جو شخص جس ملک میں اور جس شہر میں چاہتا جا سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا رخ کیا وہاں کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے راستہ معلوم نہیں تھا اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ کر نکل کھڑے ہوئے اور یوں کہا کہ: (عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ) (امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ بتا دے گا) موسیٰ علیہ السلام تنہا تھے کوئی رہبر نہ تھا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور اللہ کی مدد سے سیدھی راہ پر چل کر مدین پہنچنے کی امید باندھ کر روانہ ہو گئے بالآخر صحیح سلامت مدین پہنچ گئے۔ پہنچ تو گئے لیکن وہاں کبھی نہ جانا ہوا تھا نہ کسی سے شناسائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی ظاہری اور مجازی مدد سامنے نہ تھی جب مدین پہنچے تو ایک کنوئیں پر گزر ہوا وہاں دیکھا کہ ایک بڑی جماعت ہے بھیڑ بھاڑ ہے بکریاں چرانے والے اپنی بکریاں لے کر آئے ہیں۔ اور انہیں پانی پلا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریاں لیے کھڑی ہیں وہ اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں تا کہ دوسروں کی بکریوں میں رل مل نہ جائیں اور دوسروں کا کھینچا ہوا پانی نہ پی لیں ورنہ پانی کھینچنے والے بکریوں کو مار بھگائیں گے جو ان کی اپنی نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے، الگ کھڑے ہونے کا مقصد کیا ہے ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جو پانی پلا رہے ہیں، مرد ہیں ہم ان کے ساتھ ساتھ کنوئیں میں ڈول ڈال کر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتے، لہٰذا ہم یہ کرتے ہیں کہ جب چرواہے اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔ ایک تو عورت ذات مردوں کی بھیڑ میں ڈول نہیں کھینچ سکتی، دوسرے مردوں کے اختلاط سے بھی بچنا ہے چونکہ یہ ایک اشکال ہوتا تھا کہ بکریوں کو پانی پلانا تم دونوں کے ذمہ کیوں پڑا؟ کیا تمہارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اس لیے اس کا جواب بھی انہوں نے دے دیا (وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ) کہہ کر بتا دیا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، وہ پانی پلانے کے لیے نہیں آ سکتے اور اتنا کہنے کے بعد جو خاموشی اختیار کر لی اسی خاموشی میں یہ بھی بتا دیا کہ نہ ہمارے شوہر ہیں اور نہ بھائی ہیں۔

لڑکیوں نے اپنی مجبوری بھی فوراً بیان کر دی کہ کسی کے دل میں کوئی غلط خیال نہ پیدا ہو جائے کہ بدظنی سے بچنا اور بچانا بھی اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مطلوب و محبوب امر ہے۔ سو اس سے اس اہم فطری امر کا بھی اظہار اور اس کی تاکید ہوتی ہے کہ عورتوں اور مردوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے۔ اور عورتوں کو اگر باہر اور مردوں کے دائرہ میں کام کرنا بھی پڑے تو مردوں کے شانہ بشانہ نہیں بلکہ ان سے الگ اور مردوں کے اختلاط سے بچ کر کرنا چاہیئے۔ لہٰذا وہ بات غلط ہے جو ہمارے بعض خودساختہ لیڈروں کی طرف سے کہی جاتی رہتی ہے کہ مردوں اور عورتوں کو ترقی کی اس دوڑ میں شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے کہ ایسا

نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہونا چاہیے کہ یہ عقل وفطرت کے بھی خلاف ہے اور دین حنیف کی تعلیمات مقدسہ سے بھی متصادم۔ اور مرد اور عورت دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان قائم حدود فطرت کو مٹانا فطرت کے خلاف جنگ اور لعنت کا کام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آ گیا اور جلدی سے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پانی پلانے کے بعد کنوئیں سے ہٹ کر سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر عرض کیا: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۝ (اے میرے رب جو خیر آپ میرے لیے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔) حضرت انبیائے کرام اور مومنین صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل میں اور ہر بے بسی میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

لفظ مِنْ خَیْرٍ میں جونکرہ ہے اس کے عموم میں سب کچھ آ گیا ہے۔ بھوک دور کرنے کا انتظام بھی، کچھ غذا بھی اور امن و امان بھی، نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی، مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہو کر مدین پہنچے، پورے سفر میں سبزیوں کے پتے کھاتے رہے بھوک کی وجہ سے پیٹ کمر سے لگ گیا تھا بھوکے بھی تھے، دبلا پن بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے جو خیر کا سوال کیا اس میں خاص طور سے کھانے والی چیز کا سوال بھی تھا۔

دونوں عورتیں آج اپنی بکریوں کو لے کر خلاف عادت جلدی گھر پہنچیں تو ان کے والد نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آج تم جلدی آ گئیں، انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا ہے اور ساتھ ہی اس شخص کی اچھی صفات بھی بیان کر دیں۔ ان دونوں عورتوں کے والد نے کہا کہ اچھا جاؤ اس شخص کو بلا لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت آئی جو شرماتی ہوئی چل رہی تھی۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے چہرہ پر کپڑا ڈال رکھا تھا اس نے کہا کہ یقین جانئے کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ کو پانی پلانے کا صلہ دیں۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن انہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ شرماتی ہوئی آ رہی ہے اور خود بھی شرمیلے تھے اور حیا وشرم تمام نبیوں کا شعار تھا لہٰذا اس عورت سے کہا کہ تو میرے پیچھے پیچھے چل اور مجھے راستہ بتاتی رہنا۔ دائیں بائیں جدھر کو مڑنا ہو بتا دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ پردہ دار عورت کے پیچھے چلیں جو اچھی طرح کپڑوں کو ڈھانکی ہوتی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے اس لڑکی کے والد کے پاس پہنچے۔ جب ان کے پاس پہنچ گئے تو اپنا واقعہ بتایا۔ انہوں نے قصہ سن کر تسلی دی اور کہا کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں جن لوگوں نے آپ کے قتل کا مشورہ کیا ہے ان کی دسترس سے نکل چکے ہیں اس ملک میں ان لوگوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک عورت نے کہا ابا جان اس شخص کو آپ ملازمت پر رکھ لیجیے۔ یہ بکریاں بھی چرائیں گے اور دوسری خدمت بھی انجام دیں گے۔ میرے نزدیک یہ شخص قوی بھی ہے امین بھی ہے اور ملازم رکھنے کے لیے وہی شخص بہتر ہے جو قوی ہو اور امین بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوی ہونا ان کی بھری ہوئی جوانی سے ظاہر تھا اور پانی پلاتے وقت جوان کا عمل دیکھا تھا اس سے بھی ان کی قوت وطاقت کا مظاہرہ ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ان دونوں عورتوں نے یوں کہا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتے جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے

دریافت فرمایا، کیا اس کنوئیں کے علاوہ کہیں اور بھی پانی ہے؟ اس پر ان دونوں عورتوں نے کہا کہ ہاں قریب میں ایک کنواں اور ہے اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے اسے چند آدمی بھی مل کر نہیں اٹھا سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ وہ کہاں ہے وہ دونوں انہیں اس کنویں پر لے گئیں حضرت موسیٰ نے ایک ہی ہاتھ سے اس پتھر کو ہٹا دیا پھر ان کی بکریوں کو پانی پلا کر پتھر کو اسی طرح کنویں کے منہ پر رکھ دیا جس طرح پہلے رکھا تھا۔ (روح المعانی ص ۶۳: ج ۲) اور موسیٰ علیہ السلام کا امین ہونا اس سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے اپنی نظر تک کو خیانت سے بچایا اور یہاں تک احتیاط کی کہ عورت کو اپنے پیچھے چلنے کے لیے فرمایا اور خود آگے آگے چلے۔ شیخ مدین نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے تمہارے ساتھ ایک کا نکاح کر دوں، بشرطیکہ تم میرے پاس بطور اجیر آٹھ سال کام کرو۔ میری طرف سے تو آٹھ سال ہی کا مطالبہ رہے گا اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے بطور تفضل اور مہربانی کے ہوگا یعنی تمہاری طرف سے ایک احسان ہوگا۔ میں تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا، نہ دس سال پورے کرنے کے لیے کہوں گا اور نہ کاموں میں دارو گیر کروں گا۔

(قال فی الروح بالزام اتمام العشر والمناقشۃ فی مراعاۃ الاوقات واستیفاء الاعمال) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ (کہ انشاء اللہ تم مجھے اچھے لوگوں میں پاؤ گے) حسن معاملہ اور برتاؤ میں نرمی اور وفائے عہد میں تم مجھے اچھا پاؤ گے اور میری طرف سے کوئی دکھ تکلیف اور کدورت والی کوئی بات محسوس نہ کرو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیخ مدین کی پیش کش پسند آ گئی اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کی تھی اس کی قبولیت سامنے آ گئی، نکاح کا بھی انتظام ہو گیا اور کھانے پینے کا بھی نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی مل گیا، لہٰذا شیخ مدین کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے یہ میرا اور آپ کا معاملہ اور معاہدہ ہو گیا، آپ بھی اپنی بات پر قائم رہیں اور میں بھی اس معاملے کے مطابق عمل کرتا رہوں گا جو آپ نے آٹھ یا دس سال کے لیے مجھ سے خدمت لینے کا معاملہ کیا۔ دونوں مدتوں میں جو بھی پورا کر لوں، مجھے اختیار ہے اگر آٹھ سال کے بعد میں نے کام چھوڑ دیا تو آپ کی طرف سے مجھ پر زیادہ تکلیف دینے کے لیے زیادتی نہ ہوگی۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا کہ (وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ) (اللہ اس پر وکیل ہے جو ہم کہہ رہے ہیں) وکیل کا ترجمہ کسی نے نگران کا کیا ہے کسی نے گواہ کا کیا ہے اور کسی نے معنی معرف کا مراد لیا ہے۔ (وَهُوَ الَّذِیْ وُکِّلَ اِلَیْهِ الْاَمْرُ) یہ سارے معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ وکیل بمعنی گواہ مراد لینے سے یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے جو کچھ آپس میں معاہدہ و معاملہ کیا ہے ہم اس بارے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کسی بھی فریق کو اپنے عہد کی مخالفت کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ آپ نے سورۂ طٰسٓمّٓ پڑھی۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے تک پہنچ گئے (اور) فرمایا بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کو پاک رکھنے کی اور اپنے پیٹ کی روزی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال مزدوری کے کام میں لگایا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ ص ۱۶۷) مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے دس سال شیخ مدین کے پاس گزارے اور ان کی بکریاں چرائیں۔ (ابن کثیر ص ۳۸۶: ج ۳)

شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور علی کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس پر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے میری بیٹی! صبر کر! کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس

صرف ایک عباتھی (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے) اگر یہ روایت صحیح السند ہو تو پھر دس سال پورے کرنا متعین ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حضرت عتبہ بن ندرؓ کی روایت میں جو دس یا آٹھ سال کے الفاظ شک کے ساتھ ہیں اس شک کو راوی کے شک پر محمول کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں چند قیراط کے عوض میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۱)

مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک قیراط ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بکری ضعیف جنس ہے ادھر ادھر بھاگ جاتی ہے اسے مارا جائے تو ٹانگ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا بکری چرانے والے کو شفقت اور صبر سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ حضرات انبیاء کرامؑ نے پہلے بکریاں چرائیں، مزاج میں صبر اور تحمل کی شان پیدا ہوئی پھر ان کو نبوتیں عطا کی گئیں تا کہ مخالفین سے پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کر سکیں اور تحمل اور برداشت سے کام لیں۔

فوائد...... فائدہ اولیٰ: قرآن مجید میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ ان دونوں عورتوں کے والد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی معاوضہ دیا یا کھانا کھلایا البتہ روح المعانی (ص ۶۵ ج ۲) میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو شیخ رات کے کھانے کے لیے بیٹھے تھے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ میرے پانی پلانے کا عوض بھی نہیں دے سکتے جس سے پوری زمین بھر جائے، شیخ نے کہا کہ یہ اجرت نہیں ہے۔ میرے اور میرے باپ دادوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔

صحیح بخاری ص ۳۶۹ میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ دونوں میں جو اکثر اور اطیب تھی وہی پوری کی (یعنی دس سال شیخ مدین کی خدمت میں رہے) اللہ کے رسولوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ولفظه قضى اكثرهما واطيبهما ان رسول الله اذا قال فعل (باب من امر بانجاز الوعد) (اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور بہتر مدت کو پورا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو کر کے دکھاتا ہے)۔

فائدہ ثانیہ: یہ شیخ مدین کون تھے جن کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے گزر چکے تھے ان لوگوں کا استدلال سورۃ ہود کی آیت: (وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ) سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لوط کی قوم زمانے کے اعتبار سے تم سے دور نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کا فصل تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام کیسے ہو سکتے ہیں؟

بعض لوگوں نے اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر اتنی زیادہ دراز ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا زمانہ پالیا۔ لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے حضرت ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے کہ جو صاحب موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے ان کا نام اثرون تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور بعض حضرات نے ان کا نام ہارون اور بعض حضرات نے مروان اور بعض حضرات نے عاویدبتایا ہے اور ان سب کو حضرت شعیب علیہ السلام کا بھتیجا ظاہر کیا ہے۔ مفسر ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جس صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور اجیر اپنے یہاں رکھا تھا ان کا نام یثرب تھا۔ اس بارے میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔ صاحب روح المعانی اور علامہ قرطبیؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام ہی تھے، لیکن مفسر ابن کثیرؒ نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ: (اِنَّ هٰذَا لا یدرك الا بخبر و لا خبر تجب به الحجةُ فِيْ ذٰلِكَ) یعنی کسی حدیث کے بغیر اس کے بارے میں صحیح بات نہیں کہی جاسکتی اور اس بارے میں کوئی ایسی روایت سامنے نہیں ہے جس سے حجت قائم ہوسکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ ثالثہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیخ مدین نے یوں کہا کہ میں آپ کو اپنے یہاں کام پر ملازم رکھنا چاہتا ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا تکلف اسے منظور فرمالیا اس سے معلوم ہوا کہ اپنی ضرورت اور حاجت کے لیے مزدوری کرنا کوئی عار اور عیب نہیں ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں نے بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ (کما مر فی الحدیث) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کچھ پڑھ لکھ لیتے ہیں یا اپنے آپ کو کسی اونچے خاندان کا فرد سمجھتے ہیں تو ملازمت و مزدوری کرنے کو عار سمجھتے ہیں۔ بھوکے رہتے ہیں۔ حاجتیں رکی رہتی ہیں۔ لیکن مزدوری کرنے سے بچتے ہیں اور اس میں اپنی حقارت سمجھتے ہیں۔ قرضوں پر قرضے لیے چلے جاتے ہیں جبکہ ادائیگی کا بظاہر انتظام بھی نہیں ہوتا لیکن محنت مزدوری کرکے کسب حلال کی طرف نہیں بڑھتے۔ یہ صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔

فائدہ رابعہ: شیخ مدین کی ایک لڑکی نے جو کہا کہ اے ابا جان اس شخص کو اپنے یہاں اجرت پر رکھ لیجیے اور ساتھ یوں بھی کہا: اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ۝ (کہ جسے آپ مزدوری پر رکھیں ان میں بہتر آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو امین بھی ہو) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف تو ہے ہی کہ یہ شخص قوت والا ہے اور امانتدار ہے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ اپنے کام کے لیے ایسے شخص کو مزدور رکھا جائے جو اس کام کو کرسکتا ہو جس کے لیے ملازم رکھا جارہا ہے اور ہر عمل کی قوت علیحدہ ہوتی ہے کسی کو پڑھانے کی قوت و صلاحیت ہوتی ہے۔ جس کسی کو محاسب رکھا جائے وہ حساب دان ہونا چاہیے۔ جس کسی سے عمارت بنوائے، وہ اس کا اہل ہونا چاہیے۔ خواہ معمار ہو خواہ سیمنٹ بنانے والا ہو خواہ اینٹیں اٹھا کر دینے والا ہو لفظ قوی، جسمانی، قلبی، دماغی سب قوتوں کو شامل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جسے کسی کام پر رکھا جائے وہ امانتدار بھی ہونا چاہیے اس میں ہر قسم کی امانت داخل ہے۔ مال میں بھی خیانت نہ کرے، وقت بھی پورا دے اور جس کے یہاں کام پر لگے اس کے اہل و عیال کے بارے میں بھی بدنفسی سے بدنظری کے خیال سے پاک اور صاف رہے۔ آج کل لوگوں میں خیانت بہت ہے جب کوئی شخص مزدوروں کو کام پر لاتا ہے تو جب تک سامنے رہتا ہے اچھی طرح لگ کر کام کرتے ہیں اور جہاں وہ نظروں سے اوجھل ہوا باتیں بنانے لگے۔ عموماً دفتروں میں کام کرنے والے اور اسکولوں میں پڑھانے والے تنخواہ پوری لے لیتے

ہیں اور کام آدھا تہائی کرتے ہیں۔ آپس میں مل کر نمبر وار ایک شخص پورے مہینہ غیر حاضری کرتا ہے اور رجسٹر حاضری میں برابر لکھی جاتی ہے یہ سب خیانت ہے۔ جن لوگوں کو حکومت کے محکموں میں یا دوسرے اداروں میں ملازم رکھنے کا اختیار دیا گیا ہو ان لوگوں پر لازم ہے کہ جسے ملازم رکھیں اس کی صلاحیت بھی دیکھیں اور امانتدار ہونے کا بھی پتہ چلائیں محض ڈگریاں دیکھنے پر اکتفانہ کریں اور نہ رشوت لے کر کسی کو ملازم رکھیں اور نہ قرابت داری کو ملازم رکھنے کا سبب بنائیں۔

فائدہ خامسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں تم سے اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب لڑکی نکاح کے قابل ہو جائے اور اس کے مناسب حال رشتہ مل جائے تو اس میں دیر نہ لگائے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں جس میں دیر نہ لگائی جائے۔

(۱) نماز (جب اس کا وقت ہو جائے)

(۲) جنازہ (اس کی نماز اور تدفین) جب حاضر ہو جائے۔

(۳) بے شوہر والی عورت (جب تو) اس کے لیے کفو پالے۔ (رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے راضی ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہو جائے گا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ مدین کے عمل سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص سے یہ کہنا کہ میں تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں، کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ آج کل جو لوگوں میں یہ طریقہ ہے کہ لڑکیوں کے لیے خود رشتہ نہیں ڈھونڈتے، پیغام آنے کے انتظار میں رہتے ہیں اگر چہ اچھا رشتہ سامنے آ جائے تو اپنی زبان سے بات چلانے کو عیب سمجھتے ہیں۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی کا نکاح ہوتا ہے تو باپ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ اور مجلس عقد میں حاضر ہوتا ہے تو خود ایجاب وقبول کرنے کو آبرو کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ ان کے شوہر کے شہید ہو جانے کی وجہ سے بیوہ ہو گئیں تو عدت گزر جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ میری بیٹی کو نکاح میں قبول کر لیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ انہی دنوں حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضرت رقیہ (رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی) کی وفات ہو گئی تھی لہٰذا حضرت عمر نے حضرت عثمان سے کہا کہ میری بیٹی کو اپنے نکاح میں قبول کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان دنوں نکاح کرنے کا خیال نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے یہ بات بطور شکایت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کر دی تو آپ نے فرمایا کہ حفصہ سے وہ شخص نکاح کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کے نکاح میں ایسی بیوی آ جائے گی جو حفصہ سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت حفصہ سے خود نکاح فرما لیا اور حضرت عثمانؓ سے اپنی صاحبزادی کلثومؓ کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ دیکھو اپنے دل میں ناراض نہ ہونا رسول اللہؐ نے میرے سامنے تذکرہ فرمایا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کر لوں گا لہٰذا مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ رسول اللہ کا راز افشا کروں اگر آپ حفصہ سے نکاح کرنے کا خیال چھوڑ دیتے تو میں نکاح کر لیتا۔ (راجع الاستیعاب والاصابہ ذکر حفصہ ورقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہن)

فائدہ سادسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا کہ میں ان دو لڑکیوں میں اس شرط پر تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ آٹھ سال میرے پاس ملازمت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر میں کوئی دینار و درہم روپیہ و پیسہ اور کوئی مالیت کی چیز دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا خدمت کرنا بھی مہر بن سکتا ہے۔ البتہ فقہاء حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ کوئی آزاد شخص (جو غلام نہ ہو) اپنی بیوی کی خدمت کرنے کو مہر بنا کر نکاح کر لے تو اسے مہر مثل ملے گا۔ نکاح تو ہو جائے گا لیکن شوہر اس کی خدمت نہ کرے گا کیونکہ یہ قلب موضوع ہے کہ شوہر بیوی کا خادم بن جائے اور شیخ مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ سے جو شوافع نے جواز پر استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس شرط پر نکاح کرنے کا ذکر ہے کہ تم آٹھ سال میرے ہاں اجرت پر کام کرو وہاں مہر کا ذکر ہی نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ ان کی شریعت میں مہر ضروری تھا پھر یہ بات بھی ہے کہ بکریاں بیوی کے باپ کی تھیں اور انہیں کی خدمت کا وعدہ تھا اسی لیے ان تاجرھا نہیں فرمایا۔ قال ابن الهمام فی فتح القدیر ص ۲۲٤ ج ۳ و کون الا وجه الصحة لقص الله سبحانه قصة شعیب و موسیٰ علیهما السلام من غیر بیان نفیه فی شرعنا انما یلزم لو کانت الغنم ملک البنت دون شعیب و هو منتف۔ (امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں حضرت شعیب و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو ہماری شریعت میں نفی کے بغیر بیان کرنا آزاد آدمی کی خدمت کو بیوی کے حق مہر مقرر کرنے کے جائز ہونے کی دلیل تب ہوتا جب بکریاں ان کی بیٹی کی ملکیت ہوتیں نہ کہ حضرت شعیب کی جبکہ یہ بات ہے نہیں کہ بکریاں بیٹی کی تھیں) شوہر اگر بیوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی خدمت کر دے اگرچہ مہر ہی کے طور پر تو حنفیہ اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ جب باپ کی خدمت کر دی تو بیٹی کو کیا ملا اور اس کا مہر اس طرح ادا ہوا تو اس کی ادائیگی اس کے ذمہ آتی ہے جس نے محنت مزدوری پر رکھا اور کام لیا۔ اب تو باپ کے ذمہ ہوگا کہ حق الخدمت کا عوض اپنی بیٹی کے حوالے کر دے بیٹی کو بھی اختیار ہے کہ پہلے ہی سے معاف کر دے یا باپ دینے لگے تو وصول نہ کرے۔

فائدہ سابعہ: شیخ مدین نے جو یوں کہا تھا کہ میں تم سے ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت انہوں نے بیٹی کی تعیین نہیں کی تھی اگر کوئی شخص اس پر یہ اشکال کرے کہ بغیر تعیین کے نکاح کیسے صحیح ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت شیخ مدین نے آٹھ سال ملازمت کرنے کی شرط پر نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا نکاح نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے معاہدہ کر لیا۔ بعد باقاعدہ نکاح کر دیا گیا۔ اس وقت منکوحہ کی بھی تعیین ہو گئی۔ قال القرطبی رحمہ اللہ ص ۲۷۲ ج ۷ یدل علی انه لا عقد لأنه لو کان عقد العین المعقود علیها له۔ (امام قرطبیؒ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شیخ مدین نے ارادہ ظاہر کیا تھا ان مذکورہ الفاظ سے عقد نکاح نہیں کیا اگر اسی بات میں نکاح بھی مقصود ہوتا تو جس کا نکاح ہو رہا تھا اس کی تعیین بھی فرما دیتے۔)

فائدہ ثامنہ: آیت کریمہ میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ شیخ مدین نے اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت لی تھی۔ حضرات شوافع کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی کا نکاح اس کا والد اس سے دریافت کیے بغیر کر سکتا ہے لیکن اس پر آیت کریمہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح بشرط ملازمت کرنے کا ذکر ہے۔ جب آپس میں معاہدہ ہو گیا تب نکاح ہوا اس میں لڑکی سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں بعض روایات حدیث سے شوافع کا استدلال ہو سکتا ہے جو متکلم فیہا ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی سے ولی کا اجازت لینا ضروری ہے اگر

لڑکی کنواری ہے تو اجازت کے وقت اس کا چپ ہو جانا کافی ہے۔ یعنی خاموشی اجازت میں شمار ہے اور جو عورت بیوہ یا مطلقہ ہو اس کا ولی اس سے نکاح کی اجازت طلب کرے تو جب تک وہ زبان سے اجازت نہ دے اس وقت تک اجازت نہیں مانی جائے گی۔ نیز قرآن مجید کی آیت: (وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ) سے بھی یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بالغ عورت اپنا نکاح خود کرے تو کر سکتی ہے، البتہ جب عورت کا مخلص خیر خواہ ولی موجود ہو تو عورت آگے نہ بڑھے اور نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد رکھے۔ احادیث کے مراجعہ کے لیے مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۰ کا مراجعہ کیا جائے۔

فائدہ تاسعہ: شیخ مدین نے یہ جو فرمایا کہ: وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ[1] اس میں یہ بتا دیا کہ تمہارے ذمہ جو کام لگایا جائے گا تمہارے ذمہ بس وہی ہوگا، اور میں تم پر سختی نہ کروں گا۔ معاہدہ اور طے شدہ معاملہ سے زیادہ کام نہ لوں گا پھر سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ بھی فرمایا اس میں یہ بھی بتا دیا کہ تم مجھے حسن معاملہ میں اور نرم برتاؤ میں اور عہد کے پورا کرنے میں اچھا پاؤ گے معلوم ہوا کہ مزدور اور ملازم پوری طرح محنت سے مفوضہ اعمال پورا کرنے کی کوشش کرے اور جو شخص ملازم رکھے وہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اس کا حق واجب ادا کرے اس کی ادائیگی میں دیر نہ لگائے اور ملازم سے کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس سے درگزر کرے اگر کسی بات پر مواخذہ کرنا ہو تو اس کا اندازہ بھی مناسب رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو (رواہ ابن ماجہ ص ۱۷۶) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کے خلاف مدعی بنوں گا۔

(۱) وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔

(۲) جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھا گیا۔

(۳) جس شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے اپنا کام لے لیا اور اسے اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری)

فائدہ عاشرہ: شیخ مدین کی جن دونوں بیٹیوں کا ذکر ہے بعض مفسرین نے ان کے نام بھی لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بڑی تھی ایک چھوٹی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفورا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ صفورا چھوٹی تھی اور وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اور اسی سے ان کا نکاح ہوا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بڑی لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں دی گئی تھی۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ اَیْ رَعْیَهُ وَهُوَ ثَمَانٌ اَوْ عَشْرُ سِنِیْنَ وَهُوَ الْمَظْنُوْنُ بِهٖ **وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ** زَوْجَتِهٖ بِاِذْنِ اَبِیْهَا نَحْوَ مِصْرَ **اٰنَسَ** اَبْصَرَ مِنْ بَعِیْدٍ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا** هُنَا **اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ** عَنِ الطَّرِیْقِ وَكَانَ قَدْ اَخْطَأَهَا **اَوْ جَذْوَةٍ** بِتَثْلِیْثِ الْجِیْمِ قِطْعَةٌ اَوْ شُعْلَةٌ **مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ** ۞ تَسْتَدْفِئُوْنَ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلَی بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا **فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ** جَانِبِ **الْوَادِ الْاَيْمَنِ** لِمُوْسٰی **فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ** لِمُوْسٰی

لِسِمَاعِهٖ كَلَامَ اللّٰهِ فِيْهَا مِنَ الشَّجَرَةِ بَدَلٌ مِنْ شَاطِئٍ بِاِعَادَةِ الْجَارِ لِنَبَاتِهَا فِيْهِ وَهِيَ شَجَرَةُ عُنَّابٍ اَوْ
عُلَّيْقٍ اَوْ عَوْسَجٍ اَنْ مُفَسِّرَةٌ لَا مُخَفَّفَةٌ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ
فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَهِيَ الْحَيَّةُ الصَّغِيْرَةُ مِنْ سُرْعَةِ حَرَكَتِهَا وَّلّٰى مُدْبِرًا
هَارِبًا مِنْهَا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ اَيْ يَرْجِعُ فَنُوْدِيَ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ اُسْلُكْ
اَدْخِلْ يَدَكَ الْيُمْنٰى بِمَعْنَى الْكَفِّ فِيْ جَيْبِكَ هُوَ طَوْقُ الْقَمِيْصِ وَاَخْرِجْهَا تَخْرُجْ خِلَافَ مَا كَانَتْ
عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ اَيْ بَرَصٍ فَاَدْخَلَهَا وَاَخْرَجَهَا تُضِيْءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تَغْشَى
الْبَصَرَ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ بِفَتْحِ الْحَرْفَيْنِ وَسُكُوْنِ الثَّانِيْ مَعَ فَتْحِ الْاَوَّلِ وَضَمِّهٖ اَيِ
الْخَوْفِ الْحَاصِلِ مِنْ اِضَاءَةِ الْيَدِ بِاَنْ تُدْخِلَهَا فِيْ جَيْبِكَ فَتَعُوْدُ اِلٰى حَالَتِهَا الْاُوْلٰى وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْجَنَاحِ
لِاَنَّهَا لِلْاِنْسَانِ كَالْجَنَاحِ لِطَائِرٍ فَذٰنِكَ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ اَيِ الْعَصَا وَالْيَدُ وَهُمَا مُؤَنَّثَانِ وَاِنَّمَا ذُكِّرَ
الْمُشَارُ بِهٖ اِلَيْهِمَا الْمُبْتَدَأُ لِتَذْكِيْرِ خَبَرِهٖ بُرْهَانٰنِ مُرْسَلَانِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا هُوَ الْقِبْطِيُّ السَّابِقُ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾ بِهٖ وَ
اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا اَبْيَنُ فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً مُعِيْنًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلَا هَمْزَةٍ
يُّصَدِّقُنِيْٓ بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلَا هَمْزَةٍ يُصَدِّقُنِيْ بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِيْ
قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ وَجُمْلَتُهٗ صِفَةُ رِدْءٍ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ نُقَوِّيْكَ بِاَخِيْكَ
وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا غَلَبَةً فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِسُوْءٍ اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا
الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾ لَهُمْ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ حَالٌ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى
مُخْتَلَقٌ وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا كَائِنًا فِيْٓ اَيَّامِ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ بِوَاوٍ وَبِدُوْنِهَا مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ اَيْ
عَالِمٌ بِمَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ الضَّمِيْرُ لِلرَّبِّ وَمَنْ عَطْفٌ عَلٰى مَنْ تَكُوْنُ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ
لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اَيِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ اَيْ وَهُوَ اَنَا فِي الشِّقَّيْنِ فَاَنَا مُحِقٌّ فِيْمَا جِئْتُ
بِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ الْكَافِرُوْنَ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاطْبخ لِیَ الاٰجُرَ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا قَصْرًا عَالِیًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ
مُوْسٰی اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاَقِفُ عَلَیْهِ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ فِیْ اِدِّعَائِهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَاَنَّهٗ رَسُوْلُهٗ وَاسْتَكْبَرَ
هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَ لِلْمَفْعُوْلِ
فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طَرَحْنَاهُمْ فِی الْیَمِّ اَلْبَحْرِ الْمَالِحِ فَغَرِقُوْا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ حِیْنَ صَارُوْا اِلَی الْهَلَاكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ فِی الدُّنْیَا اَىِٕمَّةً بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ
یَاءً رُؤُسَاءَ فِی الشِّرْكِ یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ بِدُعَائِهِمْ اِلَی الشِّرْكِ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾
بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً خِزْیًا وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع۱۴
الْمُبْعَدِیْنَ

ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے مدت (بکریاں چرانے کی مدت آٹھ سال، یا غالباً دس سال پورے کئے ہوں گے) پوری کردی اور اپنے اہل کو لے کر (بیوی کو ان کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف) روانہ ہوئے تو طور کی جانب سے آگ کو محسوس کیا اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ٹھہر جاؤ بیشک میں نے ایک آگ دیکھی ہے امید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤ (راستہ کے متعلق کیونکہ وہ راستہ بھٹک گئے تھے) یا کوئی انگارہ ہی (لفظ جذوۃ تینوں طرح ہے۔جیم کے فتحہ، کسرہ، ضمہ کے ساتھ ٹکڑہ یا شعلہ) آگ لیتا آؤں تا کہ تم سینک لو (گرمائی لے لو۔لفظ تصطلون اصل میں ط کی بجائے ف کے ساتھ تھا باب افتعال سے صلی بالنار سے ماخوذ ہے لام کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ آگ سے تاپنا) سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس میدان کی داہنی طرف (جانب) سے (حضرت موسیٰؑ کے داہنے سے) اس مبارک مقام میں (حضرت موسیٰؑ کے لئے وہ مقام بابرکت تھا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے کلام الٰہی سنا تھا) ایک درخت سے (من الشجرۃ بدل ہے لفظ شاطی سے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ یہ درخت اس جانب اگے ہوئے تھے۔عناب کے درخت ہوں یا گھاس بیل یا جھڑ بیری کے (لفظ ان مفسرہ ہے ان مخففہ نہیں ہے) اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی) پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا (دوڑتا ہوا) دیکھا جیسا پتلا سانپ (سپولیا، پھرتیلا ہونے میں) تو وہ پشت پھیر کر بھاگے (سانپ کی وجہ سے) اور پھر کر بھی نہ دیکھا (یعنی مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر انہیں پکارا گیا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔تم مامون ہو۔ڈالو (داخل کرو) اپنا ہاتھ (داہنا مراد ہتھیلی ہے) اپنے گریبان میں (چاک میں ڈال کر پھر نکال لو) نکلے گا (برخلاف اس کے جو پہلے اس کا رنگ گندمی تھا) خوب روشن ہو کر بغیر کسی بیماری کے (یعنی برص کے بغیر۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا تو آفتاب کی شعاع کی طرح چمکنے لگا۔جس سے نگاہ چکا چوند ہو جاتی) اور پھر اپنے سے ملا لینا اپنا بازو خوف کی وجہ سے۔ (لفظ رھب پہلے دو حرفوں کے ضمہ کے ساتھ اور دوسرے حرف کے سکون اور پہلے حرف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تینوں طرح ہے یعنی جو خوف

ہاتھ کی چمک سے پیدا ہوگا جب کہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر پھر نکالنے سے وہ پہلی حالت پر لوٹ آئے گا۔اور ہاتھ کو جناح سے تعبیر کیا ہے۔کیونکہ انسانی ہاتھ جانور کے بازو کے حکم میں ہوتے ہیں) سو یہ (لفظ ذانك تشدید اور تخفیف دونوں طریقہ سے آیا ہے۔اس سے عصا اور ید مراد ہیں اور اسم اشارہ جو مبتداء ہے اس کا خبر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) دو سندیں ہیں (جو بھیجی جارہی ہیں) آپ کے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔عرض کیا اے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص (پہلے قبطی) کا قتل کیا ہے۔سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے (اس کے بدلہ میں) قتل کر ڈالیں گے۔اور میرے بھائی ہارون کو وہ مجھ سے بھی زیادہ خوش بیان (رواں زبان) ہیں انہیں بھی میرا مددگار بنا کر رسالت سے نواز دیجئے۔(لفظ ردءً یعنی معاون۔ایک قراءت میں فتحہ دال کے ساتھ بلا ہمزہ کے بھی ہے) کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں (یصدقنی جزم کے ساتھ تو جواب دعا ہے اور ایک قراءت میں مرفوع یہ جملہ ردءً کی صفت ہوگا) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے۔فرمایا ہم ابھی تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں (تمہیں مضبوط کئے دیتے ہیں) تمہارے بھائی کو اور تم دونوں کو ایک شوکت (غلبہ) عطا کئے دیتے ہیں۔سو انہیں تم دونوں پر دسترس نہ ہوگی (بدسلوکی کرنے کی۔تم دونوں جاؤ) ہمارے نشانات لے کر جاؤ۔تم دونوں اور جو تمہارا تابعدار ہوگا وہ غالب رہے گا (فرعونیوں پر) پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے نشانات لے کر پہنچے (جو واضح تھے لفظ بینات حال ہے) تو وہ بولے کہ یہ تو محض ایک گھڑا ہوا (من گھڑت) جادو ہے اور ہم نے ایسی بات (کا ہونا) اپنے اگلے باپ دادوں کے وقت (زمانہ) میں تو سنا نہیں اور موسیٰ نے (قال واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح ہے) فرمایا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے (واقف ہے) اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے (عندہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے (اور جسے (لفظ من کا لفظ من پر عطف ہے......یکون اکثر قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے اور حمزہ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے) آخرت کا گھر ملنے والا ہے (یعنی آخرت میں بہترین انجام کس کا ہوگا؟ یعنی میں ہی ان دونوں باتوں کا مصداق ہوں لہٰذا میرا پیغام برحق ہے) بلاشبہ ظالم (کافر) کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔اور فرعون بولا اے سردارو مجھے تو اپنے سوا کوئی تمہارا خدا معلوم نہیں ہوتا۔تو اے ہامان میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا (اینٹوں کا پروہ بھٹہ لگا) پھر میرے لئے ایک بلند عمارت (اونچا مینار) بنا تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں (نظر دوڑا کر معلوم کروں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (کہ میرے علاوہ اور کوئی خدا ہے اور اس کا رسول ہے) اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر نے ملک میں ناحق اپنا سر اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں لوٹ کر ہمارے پاس آنا نہیں ہے۔ (لا یرجعون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) سمندر میں (کھارے پانی میں وہ سب ڈوب گئے) سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیا ہوا؟ اور ہم نے انہیں (دنیا میں) ایسا رئیس بنا دیا تھا جو (لفظ ائمۃ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو یا سے بدل کر دونوں طرح ہے۔شرک کی پیشوائی مراد ہے) جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے (شرک کی دعوت دے کر) اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا (ان سے عذاب دور کرنے میں) اور دنیا میں بھی (رسوائی کیلئے) ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ لوگ بدحال (راندہ) لوگوں میں ہوں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَهُوَ الْمَظْنُونُ: ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دس سال پورے کیے۔

قوله: مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ: وہ طرف جو طور کے پاس ہے۔

قوله: فِي الْبُقْعَةِ: یہ شاطی سے متصل ہے یا نودی کا صلہ ہے۔

قوله: لِسِمَاعِهٖ: اس مقام میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا یہ وجہ برکت ہے۔

قوله: لِنَبَاتِهَا فِيْهِ: یہ بدل اشتمال ہے کہ وہ کنارے پر اگا تھا۔

قوله: الْحَيَّةُ: چھوٹا سانپ جو بعد میں اژدھا (ثعبان) بن گیا۔

قوله: يُّصَدِّقُنِيْٓ: حق کا خلاصہ بیان کر کے اور دلیل کی پختگی بیان کر کے۔

قوله: اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ: زبان میں اٹکاؤ ہے کہیں اس وجہ سے وہ تکذیب نہ کر دیں۔

قوله: الْعَاقِبَةُ: اس اچھا انجام ہی مراد ہے۔

قوله: اَطَّلِعُ: بلندی میں چڑھوں۔

قوله: اَنْظُرُ اِلَيْهِ: اس نے وہم کیا کہ اگر وہ جسم ہے تو اس کی طرف چڑھا جا سکتا ہے۔

تفسیر مقبولین

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ کے ساتھ مدین سے واپس مصر کے لیے روانہ ہونا، اور کوہ طور پر آگ نظر آنا

پھر وہاں پہنچنے پر رسالت سے سرفراز کیا جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں اپنے خسر صاحب کے پاس اہلیہ کے ساتھ رہتے رہے پھر وہاں سے مصر کی طرف واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا، جب آنے لگے تو اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا چلتے چلتے راستہ بھی بھول گئے اور رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے سردی بھی لگنے لگی، طور پر پہاڑ سے کچھ دور ہی تھے کہ طور کی جانب آگ نظر آئی فرمایا میں وہاں جاتا ہوں۔ امید ہے کہ وہاں راستہ کی کوئی خبر مل جائے گی یعنی کسی راستہ بتانے والے سے ملاقات ہو جائے گی، اگر یہ نہ ہوا تو کم از کم اتنا تو ہوگا کہ آگ کا کوئی شعلہ کسی لکڑی میں لے آؤں گا، جسے جلا کر تم تاپ لو گے یعنی گرمی حاصل کر لو گے، اہل خانہ سے فرما کر آگ کی طرف چل دیئے جیسے ہی طور پہاڑ کے داہنے جانب کے کنارے پر پہنچے تو اس مبارک جگہ سے انہیں پکارنے کی آواز آئی اور یہ آواز ایک درخت سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا اے موسیٰ میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے ڈال دو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ڈال دیا تو اچانک کیا

دیکھتے ہیں کہ وہ تو چھوٹے سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے اس کو جو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پشت پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر دیکھا بھی نہیں، اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں آگے بڑھو تم امن میں ہو تمہیں کوئی تکلیف پہنچنے والی نہیں ہے، مزید یہ کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو پھر اسے نکالو وہ چمکدار ہو کر تمہارے سامنے آ جائے گا، گندمی رنگ کی بجائے زیادہ تیز روشنی والا ہو کر جو نکلے گا تو کسی مرض یعنی برص وغیرہ کی وجہ سے ایسا نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا ان کا ہاتھ خوب زیادہ روشن ہو کر گریبان سے باہر آ گیا۔ اللہ جل شانہٗ نے مزید فرمایا کہ ہاتھ کی یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوف محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے لیے اپنے بازو یعنی اسی سفید ہاتھ کو دوبارہ اپنے گریبان میں ڈال لینا ایسا کرنے سے وہ اپنی پہلی حالت پر آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عصا کو سانپ بنا کر پہلی حالت پر لوٹا دیا اور ان کے داہنے ہاتھ کو خوب زیادہ روشن چمکدار بنا دیا پھر اس کو اصلی حالت پر لوٹا دیا اور بطور معجزہ ان کو یہ دونوں چیزیں عطا فرما دیں اور فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں۔ تم فرعون اور اس کی جماعت کے بڑے لوگوں کے پاس چلے جاؤ اور انہیں حق کی اور اعمال صالحہ کی دعوت دو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی طرف متوجہ کرو۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ (بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں)۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دو باتیں عرض کیں ایک تو یہ کہ میں نے مصریوں کا ایک شخص قتل کر دیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ ان کے پاس جاؤں تو مجھے قتل کر دیں اور اس صورت میں رسالت کا کام نہ ہو سکے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے ساتھ کوئی ایک شخص ہونا چاہیے۔ جو میرا معاون ہو لہٰذا میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیں (کمافی سورۃ طٰہٰ) اس سے مجھے قوت بھی ملے گی اور میری زبان میں روانی نہیں ہے ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔ جب وہ بھی رسول ہوں گے اور میرے کام میں شریک ہوں گے اور ہم دونوں مل کر فرعون کے پاس جائیں گے تو اس کی وجہ سے ہمت بندھی رہے گی اور اگر زبانی مناظرے کی ضرورت پیش آ گئی تو چونکہ ان کی زبان میں روانی ہے اس لیے وہ مناظرہ میں بھی اچھی طرح گفتگو کر سکیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس موقعہ پر ہارون میرے مددگار ہوں، اور میری تصدیق کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا ہیں کوہ طور کے پاس کی تھی جب نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرما دی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہارون علیہ السلام مصر ہی میں تھے ابھی موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس سے پہلے انہیں رسالت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔

(قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ) (الآیۃ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تمہیں غلبہ دے دیں گے کہ وہ لوگ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے تم دونوں میری آیات کو لے کر چلے جاؤ۔ تم دونوں اور جو بھی شخص تمہارا اتباع کرے تم سب غالب ہو گے۔

(هذا اذا تعلق قوله تعالىٰ بآياتنا بالفعل المحذوف اى اذهبا باياتنا و اختاره المحلى فى تفسيره و فيه اوجه ذكرها فى حاشية تفسير الجلالين) (یہ تفسیر تب ہے جبکہ بِاٰيٰتِنَآ کا تعلق فعل محذوف سے ہو یعنی (اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَا) (تم دونوں میری آیات لے جاؤ) (اسی توجیہ کو علامہ محلی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے اور آیت کے اس جملہ میں اور بھی کئی ساری توجیہات ہیں جو تفسیر جلالین کے حاشیہ میں مذکور ہیں)۔

فائدہ: صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ طور پر جو تجلی تھی کہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لَنْ تَرَانِیْ فرمایا گیا ہے یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدہ ذات حق ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ....

رسالت سے سرفراز ہوکر موسیٰ علیہ السلام کا مصر کو واپس ہونا، پھر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پہنچ کر حق کی دعوت دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس ہوتے ہوئے وادی طویٰ میں نبوت سے سرفراز کیے گئے اور وہیں انہوں نے اللہ جل شانہٗ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دیجیے تاکہ میں اور وہ مل کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں اور آپ کا فرمان پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمادی، جس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے تو اپنے گھر گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا۔ دونوں مل کر فرعون کے پاس پہنچے، فرعون اپنے درباریوں کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ کو واحد معبود ماننے کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں صحیح صحیح بات پہنچاؤں گا۔ (حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بڑے معجزے دکھائے۔ عصا کو ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ نہایت زیادہ سفید اور روشن تھا۔ سب دیکھنے والوں نے جب یہ دونوں معجزے دیکھ لیے تو فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے کہ یہ جادو ہے جسے اس نے خود ہی بنالیا ہے اور اس شخص کا یہ دعویٰ کہ میں نبی ہوں ایسا دعویٰ ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانوں میں تو نہیں سنا یہ بات انہوں نے جھوٹ کہی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔ اور وہ ایمان کی دعوت دیتے رہے تھے۔

چونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو پر محمول کیا اس لیے مقابلہ کرنے کے لیے جادوگروں کو بلایا جس کا ذکر سورۃ اعراف اور سورۃ طٰہٰ اور سورۃ شعراء میں مذکور ہے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعدد سوالات بھی کیے اور آپ نے بڑی جسارت اور بے باکی کے ساتھ جواب دیئے یہ سوال و جواب بھی سورۃ طٰہٰ اور سورۃ شعراء میں مذکور ہیں۔ چونکہ فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر تلے ہوئے تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ: رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ[1] (میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت لے کر آیا اور اس شخص کو بھی جس کا انجام آخرت میں اچھا ہونے والا ہے) تم لوگ مجھے جھٹلاتے ہو لیکن میرے رب کو تو معلوم ہے کہ میں اس کا رسول ہوں جو شخص میری بات مان لے گا اس کا انجام اچھا ہوگا عَاقِبَةُ الدَّارِ سے بعض حضرات نے دار دنیا کا انجام اور بعض حضرات نے دار آخرت کا انجام مراد لیا ہے اگر دار دنیا مراد ہو تو اس میں اس بات کی پیشگی اطلاع ہے کہ تم میری دعوت قبول نہ کرو گے تو تمہارا برا انجام ہوگا چنانچہ ایسا ہوا کہ فرعون اور اس کے لشکر سمندر میں غرق کردیئے گئے۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (بلاشبہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا حاصل

یہ ہے کہ میرے رب کو خوب معلوم ہے کہ فلاح اعظم کا کون اہل ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور ہدایت دے کر بھیج دیا اور حسن عاقبت کا وعدہ فرمالیا اور اگر ایسی بات ہوتی جیسے تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس ہدایت لانے والا جادوگر ہے افترا پرداز ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نبی کیوں بناتا؟ وہ غنی ہے حکیم ہے جھوٹوں کو اور جادوگروں کو رسالت اور نبوت سے نہیں نوازتا۔

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ مصر کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے متاثر ہو رہے ہیں اور وہ جو معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اس میں رخنہ پڑ رہا ہے اور موسیٰ اور اس کا بھائی مجھے معبود ماننے کو تیار نہیں ہے تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں تمہارے لیے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (جب بڑوں کا معبود ہونے کا دعویٰ کر دیا تو چھوٹے کس شمار میں ہو سکتے ہیں) اس کا دل تو جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: (لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ) (تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں) لیکن وہ انکار پر جما رہا اور خواص کی نظر ہٹانے کے لیے اور ان کے غور و فکر کو الجھانے کے لیے اپنے وزیر ہامان سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا، (فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ) (اے ہامان تو ایسا کر کہ اول کچی اینٹیں بنوا اور اس کام کے لیے ایک بھٹہ لگا پھر اس میں اینٹوں کو پکا کر بہت بڑی تعداد میں پکی اینٹیں تیار کر پھر ان اینٹوں سے ایک اونچا محل تیار کر، تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں۔ بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں) اس کا ذکر سورۃ زمر میں اس طرح سے ہے۔ (وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى) (اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لیے ایک محل بنا دے تاکہ میں آسمانوں کے راستوں پر پہنچ جاؤں پھر میں موسیٰ کے رب کو دیکھوں) یہ بات جاہلوں کو بیوقوف بنانے کے لیے کہی۔ کتنا ہی بڑا محل بنا لیا جائے پہلے آسمان پر نہیں پہنچ سکتے۔ (پھر کوئی شخص زینہ سے چڑھ کر سارے آسمانوں پر کیسے پہنچ سکتا ہے) جو لوگ ایک بڑی مدت تک جہالت میں رہتے ہیں معبود حقیقی کو نہیں جانتے وہ ایسی باتوں میں آ جاتے ہیں ورنہ عوام کے لیے تو اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ تو اپنے آپ کو معبود بتاتا ہے حالانکہ تو آسمان پر پہنچنے کے لیے زینہ اور عمارت کا محتاج ہے اپنے اور تیرے چاہنے سے تو اینٹیں بھی وجود میں نہیں آ سکتیں پہلے کچی اینٹیں بنائی جائیں پھر ان کو پکایا جائے۔ پھر عمارت بنائی جائے پھر تو اس پر چڑھے کیا ایسے عاجز کو بھی خدائی کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ سمجھ عقل تھی وہ دنیاوی مفاد اور فرعون کی سطوت اور سلطنت کی وجہ سے دب گئے اور زبان نہ ہلا سکے۔

قال صاحب الروح ص ۸۰ ج و ایاما کان فالقوم کانوا فی غایة الغباوة و الجهل و افراط العمایة و البلادة و الالما نفق علیهم مثل هذا الهذیان الخ ما قال۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی "فرماتے ہیں قوم ان دنوں ایسی انتہاء درجہ کی بے عقل اور جاہل، بالکل اندھی اور بے وقوف تھی ورنہ جب فرعون نے ان کے سامنے اس طرح کا ہذیان کہا تو انہیں سمجھ جانا چاہیے تھا...... الخ)

قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ محل تیار ہوا یا نہیں اور تیار ہوا تو نتیجہ کیا نکلا۔ علامہ قرطبی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ ہامان نے محل بنایا اور فرعون اس پر چڑھا اور اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ خون میں بھرے ہوئے واپس ہوئے اس

پر وہ کہنے لگا کہ میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس محل میں اپنا ایک پر مارا جس کا ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے اور ایک سمندر میں گرا اور ایک مغرب میں گرا جن لوگوں نے اس محل کے بنانے میں کام کیا تھا وہ سب ہلاک ہوئے۔ علامہ قرطبی نے نقل کر دیا لیکن انہیں خود ہی اس کے صحیح ہونے پر تردد تھا اس لیے آخر میں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بصحۃِ ذٰلِکَ فرما دیا۔ بعض مفسرین کا موقف یہ ہے کہ فرعون نے یہ بات بطور مذاق اڑانے کے کہی تھی کہ موسیٰ جو کہہ رہے ہیں کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جو ان کے درمیان ہیں (کمافی سورۃ الشعراء) تو میں بھی تو اس کے رب کو دیکھوں یعنی مقصود محل بنانا کر اوپر چڑھانہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جھٹلانا مقصود تھا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ التَّوْرٰۃَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی قَوْمَ نُوْحٍ وَعَادٍ وَ ثَمُوْدَ وَ غَیْرَهُمْ بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ حَالٌ مِنَ الْکِتَابِ جَمْعُ بَصِیْرَۃٍ وَهِیَ نُوْرُ الْقَلْبِ اَیْ اَنْوَارٌ لِلْقُلُوْبِ وَ هُدًی مِنَ الضَّلَالَۃِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ وَّ رَحْمَةً لِمَنْ اٰمَنَ بِهٖ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَتَّعِظُوْنَ بِمَا فِیْهِ مِنَ الْمَوَاعِظِ وَ مَا کُنْتَ یَا مُحَمَّدُ بِجَانِبِ الْجَبَلِ اَوِ الْوَادِیْ اَوِ الْمَکَانِ الْغَرْبِیِّ مِنْ مُوْسٰی حِیْنَ الْمُنَاجَاۃِ اِذْ قَضَیْنَاۤ اَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ بِالرِّسَالَۃِ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ وَ مَا کُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ لِذٰلِكَ فَتَعْرِفُهٗ فَتُخْبِرُ بِهَا وَ لٰکِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا اُمَمًا بَعْدَ مُوْسٰی فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ اَیْ طَالَتْ اَعْمَارُهُمْ فَنَسُوا الْعُهُوْدَ وَانْدَرَسَتِ الْعُلُوْمُ وَانْقَطَعَ الْوَحْیُ فَجِئْنَا بِكَ رَسُوْلًا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْكَ خَبَرَ مُوْسٰی وَ غَیْرِهٖ وَ مَا کُنْتَ ثَاوِیًا مُقِیْمًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا خَبَرٌ ثَانٍ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرُ بِهَا وَ لٰکِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾ لَكَ وَاِلَیْكَ بِاَخْبَارِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَ مَا کُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الْجَبَلِ اِذْ حِیْنَ نَادَیْنَا مُوْسٰی اَنْ خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَلٰکِنْ اَرْسَلْنَاكَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ وَهُمْ اَهْلُ مَکَّۃَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ یَتَّعِظُوْنَ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌ عُقُوْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ مِنَ الْکُفْرِ وَغَیْرِهٖ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ الْمُرْسَلَ بِهَا وَ نَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَجَوَابُ لَوْلَا مَحْذُوْفٌ وَمَا بَعْدَهَا مُبْتَدَاٌ وَالْمَعْنٰی لَوْلَا الْاِصَابَةُ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا قَوْلُهُمْ اَوْلَوْلَا قَوْلُهُمُ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا لَعَاجَلْنَاهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَلَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَیْهِمْ رَسُوْلًا فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مُحَمَّدٌ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَاۤ هَلَّا اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنَ الْاٰیَاتِ کَالْیَدِ الْبَیْضَاءِ وَالْعَصَا

وَغَيْرِهِمَا اَوِ الْكِتَابُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً قَالَ تَعَالٰى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ حَيْثُ قَالُوْا فِيْهِ
وَفِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِحْرٰنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ سِحْرَانِ اَيِ التَّوْرٰةُ وَالْقُرْاٰنُ تَظٰهَرَا ۫ تَعَاوَنَا وَقَالُوْٓا
اِنَّا بِكُلٍّ مِّنَ النَّبِيَّيْنِ وَالْكِتَابَيْنِ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ لَّهُمْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ مِنَ
الْكِتَابَيْنِ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فِيْ قَوْلِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ دُعَاءَكَ بِالْاِتْيَانِ بِكِتَابٍ
فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ فِيْ كُفْرِهِمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ
اَيْ لَا اَضَلُّ مِنْهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: اوراس کے بعدہم نے اگلی امتوں (قوم عادوثمود وغیرہ) کو ہلاک کر دیا تھا ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی جو لوگوں کے لیے بصیرتوں (یہ حال ہے الکتاب سے بصائر جمع ہے بصیرۃ کی بمعنی نور قلب ای انوارا للقلوب) کا ذریعہ تھی اور سراپا ہدایت (گمراہوں کیلئے) اور (مومنین کیلئے) رحمت تھی تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں (اس میں جو نصیحت آمیز باتیں ہیں ان سے سبق سیکھیں) اور (اے محمدؐ) آپ موجود نہ تھے (پہاڑ یا وادی یا مکان کی) غربی جانب (حضرت موسیٰؑ کے مناجات کرتے وقت) جب ہم نے احکام دیئے (وحی کی) موسیٰؑ کو (فرعون اوراس کی قوم کے پاس جانے کیلئے) اور نہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو وہاں دیکھ رہے تھے (اس منظر کو کہ آپ سے واقف ہو کر بیان کرتے) لیکن ہم نے بہت سی دلیلیں پیدا کیں (موسیٰؑ کے بعد) پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا (یعنی ان کی عمریں لمبی لمبی ہوئیں اور وہ سب عہد فراموش کر گئے اور سب علوم مٹ گئے ۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ کو رسول بنایا اور آپ کو موسیٰؑ وغیرہ کے حالات بتلائے) اور نہ آپ قیام پذیر (ٹھہرے ہوئے) تھے اہل مدین میں کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوتے) یہ خبر ثانی ہے کہ اس طرح آپ ان کے حالات سے باخبر ہو کر ان کو بیان کر سکتے) لیکن ہم ہی آپ کو رسول بنانے والے ہیں (آپ کو پیغمبر بنا کر اور آپ کی طرف پچھلے حالات کی پیغام رسانی کر کے) اور نہ آپ طور (پہاڑ) کے دامن میں تھے جب ہم نے آواز دی (موسیٰ کو کہ مضبوطی سے کتاب تھامو) لیکن (ہم نے آپ کو پیغمبر بنایا) آپ کے پروردگار کی رحمت سے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (مکہ کے لوگ مراد ہیں) کیا عجب ہے کہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں (عبرت پکڑیں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر کوئی مصیبت (سزا) نازل ہو جاتی ان کے کرتوتوں کے سبب (کفر وغیرہ کی وجہ سے) تو یہ کہنے لگتے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ آپ کے احکام کی پیروی کرتے (جو آپ نے بھیجے ہیں) اور ایمان لانے والوں میں ہو جاتے (لولا کا جواب محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ مبتداء ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ اگر وہ مصیبت نہ آتی جس کا سبب ان کا یہ کہنا ہوتا۔ یا ان کا یہ کہنا باعث نہ ہوتا تو ہم انہیں فوراً سزا دے دیتے اور آپ کو ان کے پاس رسول بنا کر نہ بھیجتے) تو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچے تو کہنے لگے کہ اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰؑ کو ملا تھا (یعنی

ید بیضائی، عصاوغیرہ نشانیاں یا پوری کتاب ایک دم۔فرمایا) کیا جوموسیٰ کوملا تھاتو پہلے یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے تھے کہنے لگے (موسیٰ کے متعلق یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) کہ دونوں کو جادو کہیں (اور ایک قراءت میں لفظ سحران ہے مراد تورات وقرآن ہے) ایک دوسرے کے مددگار (معاون) اور کہتے ہیں ہم تو ہر ایک (نبی یا کتابوں) کے منکر ہیں۔ آپ (ان سے) کہیے کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ۔ جو ہدایت میں ان (دونوں کتابوں) سے بہتر ہو۔میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا۔اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو۔پھر اگر یہ لوگ (کتاب لانے کے متعلق) آپ کا کہنا نہ کرسکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ (اپنی کفریات میں) محض اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے (یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں) بلاشبہ اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بَصَآئِرَ جَمْعُ بَصِيْرَةٍ: وہ انوار ہیں جن سے حقائق کو دیکھا جاتا اور حق وباطل کی تمیز کی جاتی ہے۔

قوله: مَا كُنْتَ: یعنی تم موجود نہ تھے۔

قوله: اَلْمَكَانِ: مغربی مکان یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت سے ہے۔

قوله: وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا: یہاں مستدلوک کو حذف کیا اور اس کے سبب کو اس کا قائم مقام بنایا۔

قوله: تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ: دونوں نے ان سے سیکھا۔

قوله: وَمَا كُنْتَ: شاید کہ اس سے مراد تورات دیے جانے کا وقت ہو اور اول سے آپ کے پیغمبر بنانے کا موقعہ مراد ہو۔

قوله: اَرْسَلْنَاكَ: اس سے اشارہ ہے کہ رحمۃ یہ فعل محذوف کا مفعول لہ ہے۔

قوله: لِتُنْذِرَ قَوْمًا: یہ ارسلنا محذوف سے متعلق ہے۔

قوله: لَوْلَآ: یہ یقولوا کا مفعول ہے۔

قوله: جَوَابُ لَوْلَا: اول لولا امتناعیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور لولا ثانیہ تحضیضیہ ہے اسی وجہ سے اس کے جواب میں فتبع کی فا آرہی ہے۔اول ان تصیبھم پر داخ ہوا تو اصابت کا معنی بن گیا۔

قوله: لَوْلَا قَوْلُهُمْ: یہ مقصود کی طرف دیکھ کر کہا گیا۔

قوله: لَمَا اَرْسَلْنَاكَ: یہ لولا اولیٰ کا محذوف جواب ہے۔

قوله: تَظٰهَرَا: ایک دوسرے کی معاون بن گئیں اس طرح کہ دونوں سے خوارق عادت ظاہر ہوئے گویا دونوں نے باہمی تعاون کیا۔

قوله: دُعَاءَكَ: یہ مفعول محذوف ہے۔

تفسیر مقبولین

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ....

ان آیات میں چند امور ذکر فرمائے ہیں:

اول: یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرات انبیاء کرام تشریف لاتے تھے انہوں نے توحید کی دعوت دی تھی، حق پہنچایا، ایمان قبول کرنے پر بشارتیں دی، کفر پر جمے رہنے پر دنیا وآخرت کے عذاب سے ڈرایا، ان کی امتوں نے نہیں مانا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جو اقوام وافراد باقی تھے ان کی نسلیں چلیں، پلے اور بڑھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیج دیا اس وقت بنی اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو بھی، موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہم نے انہیں کتاب دی اس کتاب میں بصیرتیں یعنی عقل وفہم اور سمجھ کی باتیں تھیں اور ہدایت بھی تھی اور اس ہدایت کا قبول کرنا ان لوگوں کے لیے رحمت کا سبب تھا یہ کتاب انہیں موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے دی گئی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں مزید فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم نے بہت سی جماعتوں کو بھیجا ان کا زمانہ دراز ہو گیا اس درازی زمانہ کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگ علوم نبوت سے اور ہدایت سے ناآشنا ہو گئے۔ لہٰذا ہماری حکمت کا تقاضا ہوا کہ آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کر دیا اور گمراہ لوگوں کی طرف آپ کو مبعوث کریں۔

دوم: حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کے جو دلائل جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے سابقہ امتوں کے احوال کہیں نہیں پڑھے تھے نہ کسی نے آپ کو بتائے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے حضرات انبیاء کرام کے اور ان کی امتوں کے واقعات بتائے تھے۔ ان واقعات کا بتانا اور اہل کتاب کا ان کو ماننا کہ ہاں ایسا ہوا تھا کم از کم اہل کتاب اور ان کی بات کی تصدیق کرنے والوں کے لیے اس امر کی بڑی بھاری دلیل تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے واقعات کو جاننا اور صحیح صحیح بیان کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے ہیں ان واقعات میں سے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا حوالہ دے کر فرمایا جو عنقریب ہی گزرا ہے اور خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جب کوہ طور کی مغربی جانب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے جو اپنی آنکھوں سے موسیٰ کے واقعات کا مشاہدہ کرتے۔ پھر بھی آپ نے وہاں کے واقعات کی خبر دی۔ یہ واقعات ہمارے آیات میں موجود ہیں جنہیں آپ ان کو پڑھ کر سناتے ہیں ان لوگوں کے سامنے ان آیات کا پڑھنا آپ کے نبی اور رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (اور لیکن ہم رسول بنانے والے ہیں) ہم نے آپ کو رسول بنا کر مذکورہ واقعات وحی کے ذریعہ بتا دیئے۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (اور آپ طور کی جانب میں اس وقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا) وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اور لیکن اس کا علم آپ کو اس طرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنا دیئے گئے۔ جب نبوت مل گئی تو اس کے ذریعہ انبیاء سابقین کے واقعات معلوم ہو گئے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے

پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ تا کہ وہ لوگ نصیحت قبول کرلیں۔ یہاں اس قوم سے اہل عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں ان کے بعد سیدنا حضرت محمد ﷺ تک اہل عرب میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا۔

سوم: یہ فرمایا کہ جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث ہوئے ہیں آپ کی بعثت سے ان پر حجت قائم ہوگئی، اگر آپ کی بعثت نہ ہوتی اور ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی وہ کہنے لگتے کہ ہمارے پاس کوئی رسول آیا ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے نہ گناہ کار ہوتے نہ مصیبت کا منہ دیکھتے جب کوئی نہ آیا تو ہم کیا کریں۔ ان لوگوں کی اس بات کی پیش بندی کرنے اور ان کا عذر ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔ اب جب حجت تمام ہوگئی پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں تو اس کا وبال ان پر پڑے گا۔ اس آیت کا مضمون تقریباً سورۃ طٰہٰ کی آیت کریمہ: (وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى) (اور اگر ہم اس سے پہلے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں)۔

چہارم: یہ فرمایا کہ جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا یعنی رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب پیش کر دی تو قبول نہ کرنے کا بہانہ بنانے کے طور پر یوں کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی یعنی قرآن پورا مکمل ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہوا جیسے توراۃ شریف ایک ہی مرتبہ مکمل عطا کر دی گئی تھی۔ یہ بات اہل مکہ نے یہودیوں کو کہی تھی کہ حضرت موسیٰ کو دفعۃً واحدۃً پوری کتاب دے دی گئی تھی۔ ان کے جواب میں فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ (کیا لوگوں نے اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دی تھی) ان کے زمانے کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ توراۃ شریف کا انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے بارے میں یوں بھی کہا کہ دونوں جادوگر ہیں۔ (کما فی قراءۃ سبعیۃ "ساحران" "علی صیغۃ" "اسم الفاعل) آپس میں مشورہ کر کے ایک دوسرے کے معاون بن گئے اور یہ بھی کہا کہ اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ (کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں) پس اگر کسی کتاب کے قبول کرنے کے لیے ایک ہی مرتبہ نازل ہونا ان کے خیال میں مشروط ہے تو جن لوگوں کے پاس توراۃ شریف آئی تھی وہ اسے مان لیتے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ماننا نہیں ہے بہانہ بازی سے کام لیتے ہیں اور عناد پر جمے ہوئے ہیں: قال القرطبی رحمہ اللہ او لم یکفر ھؤلاء الیھود بما اوتی موسیٰ حین قالوا موسیٰ و ھارون ھما ساحران۔ وانا بکل کافرون ای وانا کافرون بکل واحد منھم اھ۔ وفیہ قول آخر وھو ان المراد بساحران سیدنا موسیٰ و سیدنا محمد علیھما السلام یوافق قولھما فیما ادعیاہ۔ (امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کیا ان یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا انکار نہیں کیا جبکہ انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں اور یہ کہا کہ: اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ یعنی ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں اھ اس بارے میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ یہ کہ یہاں دو جادوگروں سے مراد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں یہ قول یہودیوں کے دعویٰ کے موافق ہے)۔

پنجم: یوں فرمایا: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (آپ فرما دیجیے کہ

تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آ ؤ جوان کتابوں یعنی قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر ہدایت دینے والی ہو میں اس کا اتباع کرلوں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو) مطلب یہ ہے کہ تم نہ توراۃ کو مانتے ہو نہ قرآن کو مانتے ہو۔ چلو تم اور کوئی کتاب لے آ ؤ جو اللہ کی طرف سے ہو اگر تم بالفرض اسے اللہ کی کتاب ثابت کردو تو میں اس کی پیروی کرلوں گا۔ اگر تم ایسا نہیں کرسکتے تو میری دلائی ہوئی کتاب کو مانو میں نے اس کا حق ہونا ثابت کردیا ہے اور اس میں توریت شریف کی بھی تصدیق ہے۔

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ....

پس کہ یہ لوگ ہدایت کی تلاش میں ہیں ہی نہیں یہ تو حق سے منہ موڑنے کے لیے بہانے تلاش کررہے ہیں۔ ان کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں جس کے پاس اللہ کی ہدایت نہ ہو اور وہ اپنی خواہشات نفسانی ہی کا اتباع کرتا رہے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝ (بلاشبہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) جو وضوح حق کے بعد ہدایت سے منہ موڑے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے۔ (اَهْدٰى مِنْهُمَآ) میں تثنیہ کی ضمیر قرآن مجید اور اصلی توراۃ کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا یہ اشکال نہیں ہوتا کہ محرف توراۃ کو ہدایت کا ذریعہ کیسے بتادیا اور بات بھی علی سبیل الفرض ہے کہ اگر تم سے ہوسکے تو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت والی کتاب لے آ ؤ جو اللہ کی طرف سے ہو لہٰذا یہ اشکال بھی نہیں رہا کہ اصل توریت بھی تو منسوخ ہے۔ اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیوں فرمایا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا بَیَّنَّا لَهُمُ الْقَوْلَ الْقُرْاٰنَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ۝ یَتَّعِظُوْنَ فَیُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ اَیِ الْقُرْاٰنِ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۝۵۲ اَیْضًا نَزَلَ فِیْ جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا مِنَ الْیَهُوْدِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَغَیْرِهٖ وَمِنَ النَّصَارٰی قَدِمُوْا مِنَ الْحَبْشَةِ وَمِنَ الشَّامِ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ الْقُرْاٰنُ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۝۵۳ مُوَحِّدِیْنَ اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِاِیْمَانِهِمْ بِالْكِتَابَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا بِصَبْرِهِمْ عَلَی الْعَمَلِ بِهِمَا وَیَدْرَءُوْنَ یَدْفَعُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ مِنْهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۝۵۴ یَتَصَدَّقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ الشَّتْمَ وَالْاَذٰی مِنَ الْكُفَّارِ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ سَلَامُ مُتَارَكَةٍ اَیْ سَلِمْتُمْ مِنَّا مِنَ الشَّتْمِ وَغَیْرِهٖ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ۝۵۵ لَا نَصْحَبُهُمْ وَنَزَلَ فِیْ حِرْصِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِیْمَانِ عَمِّهٖ اَبِیْ طَالِبٍ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ هِدَایَتَهٗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ وَهُوَ اَعْلَمُ اَیْ عَالِمٌ بِالْمُهْتَدِیْنَ۝۵۶ وَقَالُوْٓا اَیْ قَوْمُهٗ اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَیْ نُنْتَزَعُ مِنْهَا بِسُرْعَةٍ قَالَ تَعَالٰی اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یَامِنُوْنَ فِیْهِ مِنَ الْاِغَارَةِ وَالْقَتْلِ الْوَاقِعَیْنِ مِنْ بَعْضِ

الْعَرَبِ عَلٰى بَعْضٍ يُّجْبٰٓى بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ كُلِّ اَوْبٍ رِّزْقًا لَّهُمْ مِّنْ
لَّدُنَّا اَيْ عِنْدَنَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَنَّ مَا نَقُوْلُهٗ حَقٌّ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ
مَعِيْشَتَهَا ۚ اَيْ عَيْشَهَا وَ اُرِيْدَ بِالْقَرْيَةِ اَهْلُهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ
لِلْمَارَّةِ يَوْمًا اَوْ بَعْضَهٗ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ مِنْهُمْ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمِ اَهْلِهَا حَتّٰى
يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا اَيْ اَعْظَمِهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا
ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ اَيْ تَتَمَتَّعُوْنَ وَ
تَتَزَيَّنُوْنَ بِهٖ اَيَّامَ حَيٰوتِكُمْ ثُمَّ يُفْنٰى وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ ثَوَابُهٗ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَنَّ ع ۱۰ ۹
الْبَاقِيْ خَيْرٌ مِنَ الْفَانِيْ

ترجمہ: اور ہم نے وقتاً فوقتاً بھیجا (بیان کیا) ان کیلئے کلام (قرآن) یکے بعد دیگرے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (متاثر ہوکر ایمان لے آئیں) جن لوگوں کو ہم نے (قرآن سے) پہلے کتابیں دی تھیں وہ ان پر ایمان لائے ہیں (یہ آیات بھی یہود میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو مسلمان ہوئے۔ جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اور ان عیسائیوں کے متعلق بھی جو ملک حبشہ اور شام سے حاضر ہوئے تھے) اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہم نے اس سے پہلے مانتے تھے (توحید پرست تھے) ان لوگوں کو دوہرا ثواب ملے گا (تورات و قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے) اس لئے یہ پختہ (ان پر عمل کرنے میں مضبوط) رہے اور یہ لوگ دفعیہ (بدلہ) کرتے رہتے ہیں نیکی سے (ان کی) بدی کا اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خیرات (صدقہ) کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی لغوبات (کفار کی گالم گلوچ اور تکلیف دہ باتیں) سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آئے گا تمہیں ہم سلام کرتے ہیں (یہ سلام تعلق توڑ لینے کا ہے یعنی ہم اب برا بھلا بھی نہیں کہیں گے) ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے (تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ایمان لانے کیلئے کوشاں رہے) جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے (واقف ہے) ہدایت پانے والوں کو اور یہ (آپ کی قوم کے لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہوکر ہدایت پر چلنے لگیں تو فوراً اپنی سرزمین سے نکال باہر کر دیئے جائیں (ایک دم دیس سے نکال دے دیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ) کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی (جہاں لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ کر دیا۔ جو سارے عرب میں ایک دوسرے پر جاری رہتا ہے) وہاں ہر قسم کے پھل پھلاری کھنچے (لفظ یجبیٰ تا اور یا کے ساتھ ہے) چلے آتے ہیں (ہر طرف سے ان کے کھانے کیلئے) جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے (کہ جو کچھ ہم کہتے

ہیں حق ہے) اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنے سامان عیش پر ناز تھا (یعنی خوش عیشی پر اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں) سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کیلئے (راہ گیر کیلئے ایک آدھ دن) اور ہم ہی (ان کے) مالک رہے اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا (وہاں والوں کے ظلم کی وجہ سے) جب تک ان کے صدر مقام (بڑے مرکزی شہر) میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حالت کے کہ وہاں کے باشندے (پیغمبروں کو جھٹلا کر) سخت شرارت کرنے لگیں اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور اسی کی زینت ہے (یعنی تم اپنی زندگی تک ہی اس سے نفع اور آرائش حاصل کر سکتے ہو پھر سب قصہ ختم) اور جو کچھ اللہ کے ہاں (ثواب) ہے وہ بہتر بھی ہے اور نہایت پائیدار بھی۔ سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے (یا اور تا کے ساتھ ہے۔ بلکہ باقی رہنے والی چیز فانی چیز سے بہتر ہوتی ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اٰمَنَّا بِهٖ: اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

قوله: اِنَّهُ الْحَقُّ: یہ جملہ مستانفہ ہے اس بات کی وضاحت کے لئے جس پر ایمان لانا واجب کیا گیا۔

قوله: اِنَّا كُنَّا: یہ دوسرا جملہ مستانفہ جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے ان کا ایمان کوئی نئی چیز نہیں جس کو انہوں نے ابھی ایجاد کیا ہو۔

قوله: لَا تَهْدِیْ: اسلام میں داخل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

قوله: قَوْمِهٖ: قوم قریش مراد ہیں۔

قوله: يُجْبٰۤى اِلَيْهِ: اٹھا کر لائے جاتے ہیں۔

قوله: اَعْظَمِهَا: کیونکہ بڑے والے زیادہ فطین ہوتے ہیں۔

قوله: وَهُوَ ثَوَابُهٗ: کیونکہ وہ خالص لذت ہے۔

قوله: بِالْیَاءِ: یعقلون یہ خطاب سے سے زیادہ بلیغ ہے

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾

وَصَّلْنَا، توصیل سے مشتق ہے جس کے اصل لغوی معنے رسی کے تاروں میں اور تار ملا کر اس کے مضبوط کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رکھا اور بہت سے نصیحت کے مضامین کا بار بار تکرار بھی کیا گیا تا کہ سننے والے متاثر ہوں۔

تبلیغ و دعوت کے بعض آداب:

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار و تکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق کو اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، پھر بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے کسی کے دل میں ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ و دعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ....

اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت و نبوت اور نزول قرآن سے پہلے ہی تورات و انجیل کی دی ہوئی بشارتوں کی بناء پر نزول قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر یقین رکھتے تھے۔ پھر آپ مبعوث ہوئے تو اپنے سابق یقین کی بناء پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہوگئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا۔ انہوں نے جب صحابہ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اصحاب جائیداد ہیں ہم اپنے ملک واپس جا کر صحابہ کرام کے لیے مال فراہم کر کے لائیں آپ اجازت دے دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الی قولہ) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (اخرجہ ابن مردویہ والطبرانی فی الاوسط۔ مظہری) اور حضرت سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت جعفر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اس کے اہل دربار جو اہل کتاب تھے اور تورات و انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈال دیا۔ (مظہری)

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝

لفظ مسلمین امت محمدیہ کا مخصوص لقب ہے یا تمام امتوں کے لیے عام ہے:

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ یعنی ان حضرات اہل کتاب نے کہا کہ ہم تو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان تھے یہاں لفظ مسلم اگر اپنے لغوی معنے میں لیا جائے یعنی مطیع و فرمانبردار تو بات صاف ہے کہ ان کو جو یقین قرآن اور نبی آخر الزماں پر اپنی کتابوں کی وجہ سے حاصل تھا اس یقین کو لفظ اسلام اور مسلمین سے تعبیر فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سے اس کو مانتے تھے اور اگر لفظ مسلمین اس جگہ اس معنے میں لیا جائے جس کے لحاظ سے امت محمدیہ کا لقب مسلمین ہے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ صرف امت محمدیہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا اور وہ سب مسلمین ہی تھے مگر قرآن کریم کی بعض آیات سے اسلام اور مسلمین کا اس وقت کے لیے مخصوص لقب ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول خود قرآن نے نقل کیا ہے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اور علامہ سیوطی اسی خصوصیت کے قائل ہیں اور اس مضمون پر ان کا ایک مستقل رسالہ ہے، ان کے نزدیک اس آیت میں مسلمین سے مراد یہ ہے کہ ہم تو پہلے ہی سے اسلام کو قبول کرنے کے لیے آمادہ اور تیار تھے اور اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کے

دین کا مشترک نام بھی ہو اور اس امت کے لیے مخصوص لقب بھی کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنے معنی وصفی کے اعتبار سے سب میں مشترک ہو مگر مسلم کا لقب صرف اس امت کے لیے مخصوص ہو جیسے صدیق اور فاروق وغیرہ کے القاب ہیں جن کا مصداق خاص اس امت میں ابوبکر و عمرؓ ہیں، حالانکہ اپنے معنے وصفی کے اعتبار سے دوسرے حضرات بھی صدیق اور فاروق ہو سکتے ہیں۔ (ہذا ما سخ لی واللہ اعلم) (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ....

شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور ﷺ تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور حضور ﷺ پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا۔ ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور ﷺ کی بشارت دیتے، اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لیے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔

آگے مؤمنین اہل کتاب کی ایک صفت بیان فرمائی کہ وہ اچھائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں یعنی گناہ کے بعد نیک کام کر لیتے ہیں جن سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیکیوں کے ذریعہ گناہوں کا معاف ہو جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے اور یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا ہے: (إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ) (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت ابوذرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے پیچھے نیکی لگا دو۔ یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھو۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲: از ترمذی)

اور بعض حضرات نے برائی کو اچھائی کے ذریعہ دفع کرنے کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس کے سرزد ہو جانے پر توبہ و استغفار کر لیتے ہیں اس نیکی سے وہ برائی گم ہو جاتی ہے یہ معنی مراد لینا بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہیں۔

(وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ) کا مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے جو سیاق قرآنی سے اقرب ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آئیں۔ بد کلامی کریں وہ ان کی اس حرکت کو تحمل اور برداشت کے ذریعہ دفع کر دیتے ہیں یعنی بدلہ لینے اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کا ارادہ نہیں کرتے عفو اور درگزر اور نرمی اختیار کرتے ہیں۔ یہ مفہوم سورۃ فصلت کی آیت کریمہ (ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) کے ہم معنی ہے۔

مؤمنین اہل کتاب کی تیسری صفت انفاق مال بتائی اور فرمایا: وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۞ (اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں) اہل ایمان کی یہ صفت قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمائی ہے۔ یہاں مؤمنین اہل کتاب کی صفات میں خاص طور سے اس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے جو افراد آئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا مدینہ منورہ پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی مالی تنگی دیکھی تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ ہمارے پاس بہت سے اموال ہیں اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو واپس جا کر اپنے اموال لے آئیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی اور واپس گئے اور اپنے اموال لے کر آ گئے جن کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد کی اس پر

آیت بالا نازل ہوئی۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل عن سعید بن جبیر)

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ ....

اس آیت میں مؤمنین اہل کتاب کی ایک اور صفت بیان فرمائی (جو دیگر اہل ایمان کی صفات میں بھی مذکور ہے کہ) جب وہ کوئی لغویات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یعنی اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے سنا ہی نہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ بیہودہ باتوں سے پیش آتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال) تم لغو باتیں کیوں کرتے ہو اپنے اعمال کو دیکھو اور اپنی جان کی خیر منانے کی فکر کرو۔ عذاب میں مبتلا ہونے کا کام کر رہے ہو اور ہم سے بلا وجہ الجھتے ہو سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ تم پر سلام ہو۔ یہ سلام وہ نہیں ہے جو اہل ایمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں بلکہ یہ جان چھڑانے کا ایک طریقہ ہے جیسے اہل اردو کسی بیہودہ آدمی سے جان چھڑانے کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ بھیا سلام کریں اور اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں کا جواب نہ دیں گے بدلہ نہ لیں گے تم ہماری طرف سے با سلامت رہو، ہم تم سے کوئی انتقام نہیں لیں گے۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ (ہم جاہلوں سے بات چیت کرنا الجھنا نہیں چاہتے۔) (تفسیر قرطبی ص ٢٩٦: ج) میں حضرت عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ نجاشی نے بارہ آدمی بھیجے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے ابو جہل ان کے ساتھ ہی وہیں قریب تھا جب یہ لوگ ایمان قبول کر کے خدمت عالی سے اٹھے تو ابو جہل اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے پڑ گئے کہنے لگے کہ تم تو نامراد لوگ نکلے تمہاری یہ جماعت بری جماعت ہے تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ سواروں کی کوئی جماعت ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور جاہل نہیں دیکھی ان حضرات نے جواب میں کہا کہ: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (اور یہ بھی کہا کہ ہمارے سامنے جب ہدایت آگئی تو ہم نے اسے قبول کر لیا اور اپنی جانوں کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی، اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں) ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ جواب نقل فرمایا اور ان کی توصیف فرمائی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

راہ حق وہدایت پر ڈال دینا پیغمبر کے اختیار میں نہیں:

سوار شاد فرمایا گیا کہ بے شک آپ اے پیغمبر! ہدایت نہیں دے سکتے جسکو آپ چاہیں بلکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ یہ آیت کریمہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ کی خدمت تو بہت کی تھی اور ہمیشہ آپ ﷺ کا ساتھ بھی دیا تھا مگر آپ پر ایمان لانے کی سعادت اور توفیق ان کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی عظیم الشان ہمدردی اور شفقت کی بناء پر اس کی بہت کوشش فرمائی کہ کسی طرح آپ کے چچا کلمہ پڑھ کر اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہو جائیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔ چنانچہ ان کی موت کے موقعہ پر آپ ﷺ بذات خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور نہایت ہی ہمدردی کے ساتھ ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تا کہ وہ مرتے وقت کلمہ پڑھ کر دوزخ کی آگ سے بچ سکیں اور آپ ﷺ نے ان کی خدمت میں نہایت اخلاص

ودلسوزی سے عرض کیا کہ چچا جان آپ ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیں تاکہ کل قیامت کے روز میں اس کو اللہ کی بارگاہ اقدس واعلیٰ میں پیش کرسکوں۔ چنانچہ ابوطالب اس کے لیے تیار ہو گئے مگر ابوجہل وغیرہ سرداران قریش نے جب انکو عار دلاتے ہوئے کہا کہ ہوں اب مرتے وقت بھتیجے کے کہنے پر کلمہ پڑھنے لگے ہو؟ اور اس کے اصرار پر اس کا دین قبول کر کے ہماری ناک کٹوانے لگے ہو؟ دنیا کیا کہے گی؟ وغیرہ۔ تو اس پر ابوطالب نے اس وقت بھی کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کفر ہی کی حالت پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور اس پر اس نے وہ مشہور اشعار بھی پڑھے جو تفسیر وسیر کی کتابوں میں مسطور ومذکور ہیں۔ جن کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ محمد ﷺ کا لایا ہوا دین قطعی طور پر حق اور سچ ہے۔ لیکن میں کلمہ اس لیے نہیں پڑھتا کہ مجھے اپنے بارے میں ملامت اور بدگوئی کا خطرہ ہے کہ بعد میں لوگ مجھے برا کہیں گے اور مجھے طعنے دیں گے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یقیناً کھلے دل سے کلمہ پڑھ لیتا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نے آتش دوزخ کو اپنانا اور اختیار کر لینا تو پسند کر لیا لیکن عار کو برداشت نہ کیا۔ اِخْتَارَ النَّارَ عَلَى الْعَارِ۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ اے پیغمبر ہدایت آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے اس سے نوازے۔ سب ہی مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کا شان نزول یہی قرار دیا ہے۔ اور احادیث میں بھی اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ (روح قرطبی، محاسن، ابن کثیر، الکبیر، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، صفوۃ البیان، خازن اور معارف وغیرہ) لہٰذا جمہور اہل علم کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ اور علامہ ابوحیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اس پر سب کا اجماع نقل کیا ہے اور مختلف روایات میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ بار باران کو کلمہ توحید پیش کرتے رہے مگر ابوطالب ان سرداران قریش کے کہنے پر اس کا انکار ہی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری کلمہ جس پر انہوں نے جان دی، یہ تھا - اموت علی ملة عبد المطلب - یعنی میں عبد المطلب کے دین پر ہی مرتا ہوں اور اس نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (محاسن التاویل وغیرہ) اسباب النزول اور حدیث کی تمام کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ جیسے صحیح بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ القصص، صحیح مسلم: کتاب الایمان، سنن ترمذی: کتاب التفسیر وغیرہ۔ اور علامہ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ اس بارے ناقلین ومحدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ کہ وہ آخری دم تک ایمان نہیں لائے۔ سو اس سب کے باوجود اگر کوئی ابوطالب کے ایمان لانے کا قائل ہوتا ہے تو دیکھ لیا جائے وہ کس قدر سینہ زوری اور ہٹ دھری سے کام لیتا ہے؟ - والعیاذ باللہ - اور بعض صوفیہ وغیرہ سے جو ان کے ایمان لانے کے بارے میں مروی ومنقول ہے وہ سب بے اصل ہے۔ اس کی نہ کوئی سند ہے نہ ثبوت۔ بلکہ ایسا کہنا اس آیت کے سراسر خلاف ہے۔ نیز محققین اہل حق کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ ابوطالب کے ایمان کے بارے میں بحث مباحثہ سے گریز ہی کرنا چاہیے اور خواہ مخواہ اس کو نہیں چھیڑنا چاہئے۔ یہاں پر اس قصہ سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ہدایت اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں۔ پیغمبر کا کام ہے راہ حق کی راہنمائی کرنا۔ اس کی دعوت دینا اور سیدھا راستہ دکھلا دینا اور بس۔ اس سے آگے کسی کو راہ حق پر ڈال دینا اور اس پر چلا دینا نہ آپ ﷺ کے بس اور اختیار میں ہے اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ نیز اس سے یہ بھی صاف اور واضح ہو گیا کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی اس قدر کوشش کے باوجود ابوطالب اس طرح ایمان سے محروم نہ رہتے اور کلمہ توحید اور ملت ابراہیمی سے منہ موڑ کر

ملت عبدالمطلب ہی پر دنیا سے رخصت نہ ہوتے۔ سو اللہ ہی ہدایت سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے اور کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے۔ وہ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور اسی کا حکم وفیصلہ برحق ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى....

کفار مکہ حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگر چہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایت پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جاویں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اُچک لے گا (اخرجہ النسائی وغیرہ) قرآن کریم نے ان کے اس عذر لنگ کے تین جواب دیئے اول یہ کہ: اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ان کا یہ عذر اس لیے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اہل مکہ کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان پہلے سے یہ کر رکھا ہے کہ ارض مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر وشرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمین حرم میں قتل وقتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوش انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کر دے یا اس سے کوئی انتقام لے لے، اس لیے ایمان لانے میں ان کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جاہلیت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم وکرم سے ان کے کفر وشرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک ہونے دے گا۔ یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مامون ومحفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا الٹا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا۔ (قرطبی) آیت مذکورہ میں حرم مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں اطراف دنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تا کہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کر سکیں۔

حرم مکہ میں ہر چیز کے ثمرات کا جمع ہونا خاص آیات قدرت میں سے ہے:

مکہ مکرمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت کے لیے ساری دنیا میں سے منتخب فرمایا ایک ایسا مقام ہے کہ وہاں دنیا کی معیشت کی کوئی چیز آسانی سے نہ ملنا چاہئے کیونکہ گیہوں، چنا، چاول وغیرہ جو عام انسانی غذا ہے، ان چیزوں کی پیداوار بھی وہاں نہ ہونے کے حکم میں تھی۔ پھل اور ترکاریوں وغیرہ کا تو کہنا کیا ہے مگر یہ سب چیزیں جس افراط کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں عقل حیران رہ جاتی ہے کہ موسم حج کے موقع پر مکہ کی دو تین لاکھ کی آبادی پر بارہ پندرہ لاکھ مسلمانوں کا اضافہ ہر سال ہو جاتا ہے جو اوسطاً دو ڈھائی مہینے تک رہتا ہے۔ کبھی نہیں سنا گیا کہ ان میں سے کسی کو کسی زمانے میں غذائی ضروریات نہ ملی ہوں بلکہ رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملتے رہنے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرف عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اس کا تھا کہ ثمرات کل شجر فرمایا جاتا، اس کے بجائے ثمرات کل شئی فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنے میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے ملوں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی ان کے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرم مکہ میں صرف کھانے پینے ہی کی چیزیں جمع نہیں ہوگی بلکہ تمام ضروریات زندگی جمع کر دی جائیں گی جس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ شاید دنیا کے کسی بھی ملک میں یہ بات نہ ہو کہ ہر

ملک اور ہر خطے کی غذائیں اور وہاں کی مصنوعات اس افراط کے ساتھ وہاں ملتی ہوں جیسی مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں۔ یہ تو کافر مکہ کے عذر کا ایک جواب ہوا کہ جس مالک نے تمہاری حالت کفر وشرک میں تم پر یہ انعامات برسائے کہ تمہاری زمین کو ہر خطرہ سے مامون ومحفوظ کر دیا اور باوجودیکہ اس زمین میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، ساری دنیا کی پیداوار یہاں لا کر جمع کر دی تو تمہارا یہ خطرہ کیسی بڑی جہالت ہے کہ خالق کائنات پر ایمان لانے کی صورت میں تم سے یہ نعمتیں سلب ہو جائیں گی۔

اس کے بعد دوسرا جواب اس عذر کا یہ ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا کی دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ ان کے کفر وشرک کے وبال سے کس طرح ان کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر وشرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ تم کیسے بے خبر بے وقوف ہو کہ کفر وشرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔

لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ یعنی پچھلی قوموں کی جن بستیوں کو عذاب الٰہی سے برباد کیا گیا تھا اب تک بھی ان میں آبادی نہیں ہوئی بجز قدر قلیل کے۔ اس قدر قلیل سے مراد اگر مساکن اور مقامات قلیلہ لیے جاویں جیسا کہ زجاج کا قول ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان تباہ شدہ بستیوں میں کوئی مقام اور کوئی مکان پھر آباد نہیں ہو سکا بجز عدد قلیل کے کہ وہ آباد ہوئے مگر حضرت ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ قدر قلیل سے مقامات اور مکانات قلیلہ کا استثناء نہیں بلکہ زمان سکونت کا استثناء مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان بستیوں میں کوئی رہتا بھی ہے تو بہت تھوڑی دیر کے لیے جیسے کوئی راہ گیر مسافر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جائے جس کو بستیوں کی آبادی نہیں کہا جا سکتا۔

حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا: لفظ ام کے مشہور معنے والدہ اور ماں کے ہیں اور ماں چونکہ تخلیق انسانی کی بنیاد ہے اس لیے لفظ ام اصل اور اساس کے معنے میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ امھا کی ضمیر قُرٰی کی طرف راجع ہے امھا سے مراد ام القری ہے یعنی بستیوں کی اصل اور مدار کار مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اس قوم کو بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغام حق نہ پہنچا دے، جب دعوت حق پہنچ جائے اور لوگ اس کو قبول نہ کریں اس وقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رسل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے اسی لیے جب کسی بڑے شہر میں رسول مبعوث ہوا اور اس نے دعوت حق پیش کر دی تو یہ دعوت ان قصبات و دیہات میں بھی عادۃً پہنچ جاتی ہے اس طرح ان سب پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار و تکذیب کیا جائے تو سب پر عذاب آتا ہے۔

احکام وقوانین میں قصبات و دیہات شہروں کے تابع ہوتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے معاشی ضروریات میں چھوٹی بستیاں بڑے شہر کے تابع ہوتی ہیں وہیں سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح جب کسی حکم کا اعلان شہر میں کر دیا جائے تو اس حکم کی تعمیل اس کی ملحقہ بستیوں پر بھی لازم ہو جاتی ہے، نہ جاننے یا نہ سننے کا عذر مسموع نہیں ہوتا۔

ہلال رمضان وعید کے مسئلے میں بھی فقہاء نے یہی فرمایا ہے کہ ایک شہر میں اگر شہادت شرعیہ کے ساتھ قاضی شہر کے حکم سے چاند کی رویت ثابت ہوجائے تو ملحقہ بستیوں کو بھی اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن دوسرے شہر والوں پر اس وقت تک لازم نہیں ہوگا جب تک خود اس شہر کا قاضی شہادت کو تسلیم کرکے اس کا حکم نہ دے۔ (کذا فی الفتاوی الغیاثیہ)

تیسرا جواب اس آیت میں دیا گیا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ..... جس میں یہ بتلایا کہ اگر بالفرض ایمان لانے کے نتیجہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چندروزہ ہے اور جس طرح دنیا کی عیش وعشرت مال و دولت سب چندروزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف وراحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے ہمیشہ رہنے والی دولت ونعمت کی خاطر چندروزہ تکلیف ومشقت برداشت کرلینا ہی عقلمندی کی دلیل ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى..... یعنی دنیا کا مال ومتاع اور عیش وعشرت سب فانی ہے اور یہاں کے اعمال کا جو بدلہ آخرت میں ملنے والا ہے وہ یہاں کے مال واسباب اور عیش وعشرت سے اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی بہت بہتر ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی راحت ولذت بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور پھر وہ ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے بخلاف متاع دنیا کے کہ وہ کتنا ہی بہتر ہو مگر بالآخر فانی اور زائل ہونے والا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند آدمی ایسے عیش کو جو کم درجہ بھی ہو اور چند روزہ بھی اس عیش وآرام پر ترجیح نہیں دے سکتا جو راحت ولذت میں اس سے زیادہ بھی ہو اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہو۔

عقلمند کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کے دھندوں میں زیادہ منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر میں لگے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال وجائیداد کے متعلق یہ وصیت کرکے مرجائے کہ میرا مال اس شخص کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیا داروں میں سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ مُصِيْبُهُ وَهُوَ الْجَنَّةُ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَيَزُوْلُ عَنْ قَرِيْبٍ ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ النَّارَ الْاَوَّلُ الْمُؤْمِنُ وَالثَّانِيْ الْكَافِرُ اَيْ لَا تَسَاوِيْ بَيْنَهُمَا وَ اذْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ هُمْ شُرَكَائِيْ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِدُخُوْلِ النَّارِ وَهُمْ رُؤَسَاءُ الضَّلَالَةِ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا مُبْتَدَاءٌ وَصِفَةٌ اَغْوَيْنٰهُمْ خَبَرُهُ فَغَوَوْا كَمَا غَوَيْنَا لَمْ نُكْرِهْهُمْ عَلَى الْغَيِّ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مِنْهُمْ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ مَا نَافِيَةٌ وَقُدِّمَ الْمَفْعُوْلُ لِلْفَاصِلَةِ وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ اَيِ الْاَصْنَامَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

تَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ دُعَاءَهُمْ وَرَاَوُا هُمُ الْعَذَابَ ۚ اَبْصَرُوْهُ لَوْ
اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ فِی الدُّنْيَا مَا رَاَوْهُ فِی الْاٰخِرَةِ وَ اذْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ مَاذَآ
اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ اِلَيْكُمْ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ الْاَخْبَارُ الْمُنْجِيَةُ فِی الْجَوَابِ يَوْمَئِذٍ اَیْ لَمْ
يَجِدُوْا خَبَرًا لَهُمْ فِيْهِ نَجَاةٌ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ عَنْهُ فَيَسْكُتُوْنَ فَاَمَّا مَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ وَ اٰمَنَ
صَدَّقَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا اَدَّى الْفَرَائِضَ فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ النَّاجِيْنَ بِوَعْدِ
اللّٰهِ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا يَشَاءُ مَا كَانَ لَهُمُ لِلْمُشْرِكِيْنَ الْخِيَرَةُ ؕ الْاِخْتِيَارُ فِیْ شَیْءٍ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ عَنْ اِشْرَاكِهِمْ وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ تُسِرُّ قُلُوْبُهُمْ مِنَ
الْكُفْرِ وَغَيْرِهٖ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ بِاَلْسِنَتِهِمْ مِنَ الْكِذْبِ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی
الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ الْجَنَّةِ وَ لَهُ الْحُكْمُ الْقَضَاءُ النَّافِذُ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ بِالنُّشُوْرِ قُلْ لِاَهْلِ
مَكَّةَ اَرَءَيْتُمْ اَیْ اَخْبِرُوْنِیْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ
اللّٰهِ بِزَعْمِكُمْ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ نَهَارٍ تَطْلُبُوْنَ فِيْهِ الْمَعِيْشَةَ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾ ذٰلِكَ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ
فَتَرْجِعُوْنَ عَنِ الْاِشْرَاكِ قُلْ لَهُمْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ بِزَعْمِكُمْ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ تَسْتَرِيْحُوْنَ فِيْهِ ؕ مِنَ التَّعَبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾
مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَاءِ فِی الْاِشْرَاكِ فَتَرْجِعُوْنَ عَنْهُ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تَعَالٰى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فِی الَّيْلِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ فِی النَّهَارِ بِالْكَسْبِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ النِّعْمَةَ فِيْهِمَا
وَ اذْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ذُكِرَ ثَانِيًا لِيُبْنٰى عَلَيْهِ قَوْلُهٗ وَ
نَزَعْنَا اَخْرَجْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وَهُوَ نَبِيُّهُمْ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِمَا قَالُوْهُ فَقُلْنَا لَهُمْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ عَلٰى
مَا قُلْتُمْ مِنَ الْاِشْرَاكِ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ فِی الْاِلٰهِيَّةِ لِلّٰهِ لَا يُشَارِكُهٗ فِيْهَا اَحَدٌ وَ ضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا
ع ١٥ ١٠ كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فِی الدُّنْيَا مِنْ اَنَّ مَعَهٗ شَرِيْكًا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ

ترجمہ: بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک عمدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پالینے والا ہے (جنت میں پہنچنے والا ہے) کیا

اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے (جو جلد ہی اس سے چھن جائے گا) اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے (جہنم میں) لائے جائیں گے (پہلے شخص سے مراد مومن اور دوسرے سے مراد کافر ہے۔ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور یاد کیجئے) اس دن کو جب (اللہ) انہیں پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم گمان میں لئے ہوئے تھے (کہ وہ ہمارے شریک ہیں) تو بول اٹھیں گے وہ لوگ جن پر فرمان صادر ہو چکا ہوگا (جہنم میں ڈالنے کا یعنی گمراہی کے راس رئیس) اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا تھا (یہ مبتداء ہے مع صفت کے) ہم نے انہیں ویسا ہی بہکایا (یہ خبر ہے پس وہ بہک گئے) جیسا کہ ہم خود بہکے تھے (ہم نے انہیں بہکنے پر مجبور نہیں کیا تھا) ہم آپ کے سامنے (ان سے) دستبرداری دیتے ہیں۔ یہ لوگ کچھ ہم کو پوجتے نہ تھے (اس میں ما نافیہ ہے اور فاصلۂ آیات کی وجہ سے مفعول کو مقدم کر دیا ہے) اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلاؤ (یعنی ان بتوں کو جو تمہارے گمان میں شریک خدائیت تھے) چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ (ان کی پکار کا) جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے (مشاہدہ کر لیں گے) کاش یہ دنیا میں راہ راست پر رہے ہوتے (تو پھر یہ عذاب آخرت نہ دیکھتے) اور (یاد کیجئے) جس دن اللہ کافروں سے پکار کر کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا (جو تمہارے پاس گئے تھے) سو ان سے سارے مضامین گم ہو جائیں گے (عذاب سے بچاؤ کے جوابات) اس روز (یعنی انہیں کوئی جواب نہیں آ سکے گا جس سے ان کی نجات ہو جائے) اور آپس میں بھی پوچھ پاچھ نہ کر سکیں گے (رہائی کے سلسلہ میں لہٰذا خاموش رہ جائیں گے البتہ جو شخص (مشرکوں میں سے) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے (اللہ کی توحید مان لے) اور اچھے کام کرے (فرائض ادا کرے) تو عجب نہیں کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں (اللہ کے وعدہ کے بموجب نجات پانے والے ہوں) اور آپ کا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے (جو چاہے) ان (مشرکین) کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہے (کسی قسم کا اختیار نہیں ہے) اللہ پاک اور برتر ہے (ان کے شرک سے) جو یہ شرک کرتے ہیں اور آپ کا پروردگار سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (کفر وغیرہ جو سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں) اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اپنی زبانوں سے جھوٹ) اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسی کی تعریف ہے اول (دنیا میں) بھی اور آخرت (جنت) میں بھی اور حکومت (ہر چیز کا ناطق فیصلہ) بھی اور تم سب (قیامت میں) اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے آپ (اہل مکہ سے) کہئے بھلا یہ تو بتلاؤ (مجھے جواب دو) کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے قیامت تک (دائمی طور سے) رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان میں) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے (دن کر دے تا کہ تم معاش کے کام کر سکو) تو کیا تم سنتے نہیں (یہ بات سمجھتے نہیں کہ شرک سے باز آ جاؤ) آپ (ان سے) کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان کے مطابق) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پا سکو (تعب سے راحت حاصل کر سکو) کیا تم نہیں دیکھتے (موجودہ شرک کے طریقہ سے باز آ جاؤ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تا کہ تم (رات میں) آرام پاؤ اور تا کہ اس کی روزی تلاش کرو۔ (دن میں روزی کما کر) اور تا کہ تم شکر ادا کرتے رہو (ان دونوں نعمتوں کا) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر کہے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے (شرک کا حال دوبارہ ذکر کیا تا کہ اس پر اگلا جملہ منطبق ہو،

سکے) اور ہم ہر امت میں سے ایک کو گواہ نکال لائیں گے (ان کے پیغمبر جو ان کی باتوں کے خلاف گواہی دیں گے) پھر ہم (ان سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو (جو تم نے شرکیہ باتیں کی ہیں) سو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ (خدائیت کے متعلق) سچی بات اللہ ہی کی تھی (اس میں کوئی اس کا ساجھی نہیں ہے) اور کسی کا پتہ نہ رہے گا (گم ہو جائیں گی) جو کچھ باتیں وہ گھڑا کرتے تھے (دنیا میں کہ خدا کا کوئی شریک ہے حالانکہ وہ شرک سے بری ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَعْدًا حَسَنًا: اس سے جنت کا وعدہ مراد ہے۔

قوله: هُمْ شُرَكَائِيَ: دلالت کلام کی وجہ سے دونوں مفعول حذف کر دیئے۔

قوله: خَبَرُهُ: یعنی الذین غوینا پر مبتداء ہے اور اس کی صفت المؤینا ھم ہے اور اس کی خبر فغووا کما غوینا۔

قوله: يَهْتَدُونَ: یعنی حق کی طرف راہ پالیں۔

قوله: مَارَأَوْهُ: یہ لو کا جواب۔

قوله: فَعَمِيَتْ: اس کو علی سے متعدی کیا کیونکہ اس میں خفاء کا معنی متضمن ہے تو گویا خبریں ان پر اندھے پن کی طرح بن گئیں کہ جن کی طرف راستہ نہیں مل سکتا۔

قوله: فَعَسٰى: یہ تحقیق کے لئے ہے۔

قوله: عَنْ إِشْرَاكِهِمْ: ما مصدریہ ہے موصولہ نہیں پس ضمیر عائد کی ضرورت نہیں۔

قوله: بِزَعْمِكُمْ: یہ ان کے زعم کے مطابق تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الہ ہیں نہ کہ حقیقت میں جو کچھ ہے۔

قوله: غَابَ: اس میں اشارہ ہے کہ ضل میں استعارہ تبعیہ ہے ان کے گمراہی والے افتراء کو غائب ہونے سے تشبیہ دی۔

تفسیر مقبولین

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے خطاب اور یہ سوال کہ جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا وہ کہاں ہیں؟

مذکورہ بالا سات آیات ہیں۔ پہلی آیت میں آخرت کے انجام کے اعتبار سے مومن اور کافر کا فرق بتایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جس سے ہم نے اچھا وعدے کر رکھا ہے کہ اس کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ابدی نعمتیں ملیں گی، اور ایک وہ شخص ہے جو مومن نہیں ہے لیکن اسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دے رکھا ہے جسے وہ استعمال کرتا ہے دنیا میں تو بظاہر کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے وہ قیامت کے دن گرفتار ہو کر آئے گا۔ اور پھر دوزخ میں

چلا جائے گا۔ غور کرنے والے غور کریں اور سمجھنے والے بتائیں کیا یہ مومن اور کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں جہاں کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ چند روزہ زندگی اور سامان عشرت پر نہ اترائیں وہاں مسلمانوں کو بھی بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کے سامان کی طرف نظریں نہ اٹھائیں یہ تھوڑے دن کی حقیر دنیا ہے اس کو دیکھ کر للچانا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد کس چیز سے ملاقات کرنے والا ہے بے شک اللہ کے نزدیک اس کے لیے ایک قاتل ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی یعنی دوزخ۔ (اس میں داخل ہوگا اور چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا)۔

دوسری آیت سے لے کر چھٹی آیت کے ختم تک مشرکین اور کافرین سے جو خطاب ہوگا اس کا ذکر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے پکار کر سوال فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں؟ جنہیں تم میرا شریک سمجھ رہے تھے اس کے جواب میں ان کے گمراہ کرنے والے شیاطین جن کے بارے میں یہ طے ہو چکا ہے کہ انہیں دوزخ میں جانا ہی ہے یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بے شک یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا ہم نے انہیں ایسے ہی بہکایا جیسے ہم بہکے تھے یعنی نہ ہم پر کسی نے کوئی زبردستی کی تھی نہ ہم نے ان پر زبردستی کی، ہم گمراہ ہوئے انہیں بھی گمراہی کی باتیں بتائیں انہوں نے بات مان لی۔ دنیا میں ہم نے انہیں گمراہی پر لگایا اور یہ بھی ہماری باتوں میں آ گئے اب یہاں تو ہم آپ کے حضور میں ان سے بیزار ہیں جب بہکانے والے اور گمراہ کرنے والے اپنے متبعین سے بیزاری ظاہر کریں گے تو وہ یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم بھی ان سے بیزاری ظاہر کرتے (کما فی سورۃ البقرۃ)۔ (وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا) بہکانے والے ساتھ ہی یوں بھی کہیں گے (مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ) کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (یہ حقیقت میں اپنی خواہشوں کے بندے تھے گمراہی کی باتیں ان کی خواہشوں کے مطابق تھیں لہٰذا انہیں قبول کر لیا اور وہ اپنی بربادی کا سبب خود بنے) مشرکین سے یہ بھی کہا جائے گا کہ جنہیں تم اپنے خیال میں ہمارا شریک سمجھتے تھے انہیں پکارو! وہ حیرانی کے عالم میں انہیں پکاریں گے لیکن وہ ان کی بات کا جواب نہ دیں گے وہ اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے کسی کو کیا جواب دیں۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ (اور گمراہی کی دعوت دینے والے اور جنہیں گمراہی کی دعوت دی گئی عذاب کو دیکھ لیں گے)۔ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝ (اس وقت وہ آرزو کریں گے کہ ہائے کاش ہم دنیا میں ہدایت پر ہوتے) اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی تدبیر جان لیتے جس سے یہ عذاب دفع ہو سکتا۔ اگر کوئی تدبیر ہوتی تو اس کو اختیار کر لیتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار کر سوال کیا جائے گا کہ جب تمہیں رسولوں نے حق کی دعوت پہنچائی تو تم نے کیا جواب دیا؟) فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ (سو ساری خبریں یعنی ہر طرح کے مضامین جن کے ذریعہ جواب دیں سب غائب ہو جائیں گے) اور انہیں کچھ سمجھ نہ آئے گا کہ کیا جواب دیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرت انبیاء کرامؑ سے یہ سوال ہوگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا (کما فی سورۃ المائدۃ) (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ) (تو اس وقت کی حیرانی میں کچھ جواب نہ دے سکیں گے جب اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا یہ حال ہوگا تو گمراہ لوگوں کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے

انہیں بولنے اور جواب دینے کی تاب کہاں ہو سکتی ہے؟) (فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ) (سو وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے) کیونکہ اس دن کی وحشت اور مصیبت نے سب کچھ بھلا رکھا ہوگا کوئی کسی سے نہ پوچھے گا کہ کیا جواب دوں شرک اور کفر پر مرنے والوں کا حال بتانے کے بعد ان حضرات کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی اور ایمان اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہوئے۔ ارشاد فرمایا: فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝ (یعنی جس نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اعمال صالحہ اختیار کیے۔ سو یہ لوگ کامیابی پانے والوں میں سے ہوں گے)۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ اور قدرت کاملہ کے مظاہر بیان فرمائے جن میں بندوں پر بھی امتنان ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا: وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ (آپ کا رب جو چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں ولید بن المغیرہ کی بات کا جواب دیا ہے جو اس نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیجنا چاہیے تھا (یعنی جو اس کے ذہن میں بڑا تھا) اہل دنیا دنیاداروں ہی کو بڑا سمجھتے ہیں اس لیے اس نے ایسی بات کہی اور اس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا تھا اسی کو سورۃ زخرف میں یوں بیان فرمایا ہے: (وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ)۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مذکورہ بالا آیت یہودیوں کے جواب میں نازل ہوئی۔

انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ کے پاس وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ ہوتا تو ہم ان پر ایمان لے آتے اور ان لوگوں کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اس نے سارے نبیوں کے بعد خاتم النبیین بنانے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو چن لیا۔ اور سب فرشتوں میں سے وحی بھیجنے کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہے اپنی اطاعت کے لیے چن لے۔ (ذکر ذلک القرطبیؒ فی تفسیرہ) اور بعض حضرات نے یختار کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے پسند فرماتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ نازل فرما دیتا ہے۔ پہلے جملہ میں یہ بتایا کہ تکوینی امور میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور تشریعی اختیارات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ آیت کریمہ کے عموم لفظی میں یہ سب باتیں داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے جسے چاہا، چن لیا۔ اور جن حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان میں بھی آپس میں ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ بعض کو اولوالعزم بنایا اور بعض کو بہت بڑی امت عطا فرمائی، اور بعض پر ایمان لانے والے تھوڑے ہی سے تھے۔ بعض انبیاء کرامؑ پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ بنایا اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو حبیب اللہ بنایا اور معراج کا شرف عطا فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کی فضیلت عطا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کلمۃ اللہ کے ساتھ موصوف فرمایا۔ اسی طرح فرشتوں میں جس کو جو مرتبہ دیا اس میں کوئی دخیل اور شریک نہیں۔ سورۃ حج میں فرمایا: (اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ) (اللہ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی)۔

اسی طرح سے جنتوں میں بھی باہم فضیلت ہے۔ جنت الفردوس سب سے اعلیٰ اور افضل ہے آسمانوں میں بھی ایک کو

دوسرے پر برتری عطا فرمائی اور زمین کے خطوں میں بھی ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ کعبہ شریف کے لیے مکہ معظمہ کو منتخب فرما لیا اور مسجد نبوی میں بھی ایک حصہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ قرار دے دیا۔ اور مدینہ منورہ کو رسول ﷺ کا مسکن اور مدفن بنایا۔

جو لوگ اہل علم ہیں ان میں بھی کسی کو بہت زیادہ علم دیا کسی سے دین کی خدمت بہت لی، کسی کو مفسر کسی کو محدث کسی کو مفتی اور فقیہ بنایا، کسی کی طرف بہت زیادہ رجوع عطا فرمایا۔ طلبہ وتلامذہ کی ہزاروں کی تعداد ہوگئی۔ کسی سے بہت بڑا مدرسہ قائم کروا دیا اور اس کی طرف امت کا رجوع کر دیا کسی کو کتابیں لکھنے کی توفیق زیادہ دے دی پھر اس کی کتابوں کو مقبولیت عامہ نصیب فرما دی۔ وھلم جرا الی ما لا یعد و لا یحصیٰ۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (لوگوں کو چن لینے اور اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں) اللہ نے جسے چاہا فضیلت دے دی اور جو حکم چاہا بھیج دیا۔ یہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ اللہ پاک ہے اور وہ برتر ہے اس سے وہ جو شریک کرتے ہیں۔

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ۝

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفت علم کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ آپ کا رب وہ سب کچھ جانتا ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو کچھ اپنے دل میں بات رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں ہے اسے ظاہراً اور باطناً ہر چیز اور ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور صفات جلیلہ وجمیلہ سے اس کا متصف ہونا ذکر فرمایا۔

(اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لیے سب تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور اسی کے لیے حکم ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تمام تعریفوں کا وہی مستحق ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی، اسی کا فیصلہ حق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اسے سب کا حال معلوم ہے وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا اور جزا و سزا دے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ۝ چوتھی، پانچویں، چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بندوں کو اپنی دو بڑی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دن بھی دیا ہے اور رات بھی دی ہے۔ یہ محض اس کا فضل ہے اور اسی کی قدرت سے لیل ونہار کا آنا جانا ہے۔ وہ اگر چاہے تو قیامت تک ہمیشہ رات ہی رات کر دے دن کبھی نہ آئے اور دن کی روشنی سے تم بالکل محروم ہو جاؤ، اسی طرح اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے رات نہ لائے جس میں تم آرام کرتے ہو تو تم کیا کر سکتے ہو؟ چونکہ مشرکین غیر اللہ کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے جب کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں اسی لیے پہلی جگہ میں یوں فرمایا کہ: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ (کہ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو روشنی کو لے آئے) اور دوسری جگہ فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ (کہ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرتے ہو) یہ بطور استفہام انکاری ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو رات کو دن سے بدل دے اور دن کو رات سے بدل دے، تم عقل وفہم اور سمع وبصر سے

کام کیوں نہیں لیتے؟

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں فوائد تو بہت ہیں۔لیکن دن میں معاش حاصل کرنا اور رات کو آرام کرنا دونوں عظیم فائدے ہیں ان کو اجمالاً آخری آیت میں بطور یاد دہانی مکرر بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(اور اس کی رحمت سے یہ بات ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات کو بنایا اور دن کو بنایا تا کہ رات کو تم آرام کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو)۔

عام طور سے کسب اموال اور تحصیل رزق کے لیے دن ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اور رات کو سکون حاصل ہوتا ہے ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا لازم ہے اسی لیے آخر میں وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ فرمایا۔(تفسیر انوار البیان)

إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ابْنُ عَمِّهٖ وَابْنُ خَالَتِهٖ وَاٰمَنَ بِهٖ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ بِالْكِبْرِ وَالْعُلُوِّ وَكَثْرَةِ الْمَالِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ تُثْقِلُ بِالْعُصْبَةِ الْجَمَاعَةِ اُولِي اَصْحَابِ الْقُوَّةِ ۗ اَيْ تُثْقِلُهُمْ فَالْبَاءُ لِلتَّعْدِيَةِ وَعِدَّتُهُمْ قِيْلَ سَبْعُوْنَ وَقِيْلَ اَرْبَعُوْنَ وَقِيْلَ عَشْرَةٌ وَقِيْلَ غَيْرُ ذٰلِكَ اُذْكُرْ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَفْرَحْ بِكَثْرَةِ الْمَالِ فَرَحَ بَطَرٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ بِذٰلِكَ وَابْتَغِ اُطْلُبْ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ مِنَ الْمَالِ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ بِاَنْ تُنْفِقَهٗ طَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا تَنْسَ تَتْرُكْ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اَيْ اَنْ تَعْمَلَ فِيْهَا لِلْاٰخِرَةِ وَاَحْسِنْ لِلنَّاسِ بِالصَّدَقَةِ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ تَطْلُبِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ بِعَمَلِ الْمَعَاصِيْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ اَيِ الْمَالَ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَيْ فِيْ مُقَابَلَتِهٖ وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ بِالتَّوْرٰةِ بَعْدَ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ قَالَ تَعَالٰى اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ لِلْمَالِ اَيْ وَهُوَ عَالِمٌ بِذٰلِكَ وَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ لِعِلْمِهٖ تَعَالٰى بِهَا فَيَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِلَا حِسَابٍ فَخَرَجَ قَارُوْنُ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ بِاَتْبَاعِهِ الْكَثِيْرِيْنَ رُكْبَانًا مُتَحَلِّيْنَ بِمَلَابِسِ الذَّهَبِ وَالْحَرِيْرِ عَلٰي خُيُوْلٍ وَبِغَالٍ مُتَحَلِّيَةٍ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا لِلتَّنْبِيْهِ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ مَا فِي الدُّنْيَا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ نَصِيْبٍ عَظِيْمٍ ۝ وَافٍ فِيْهَا وَقَالَ لَهُمُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بِمَا وَعَدَهُ اللّٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَيْلَكُمْ كَلِمَةُ زَجْرٍ ثَوَابُ

اللّٰہِ فِی الاٰخِرَۃِ بِالْجَنَّۃِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا مِمَّا اُوْتِیَ قَارُوْنُ فِی الدُّنْیَا وَ لَا یُلَقّٰهَآ اَیِ الْجَنَّۃَ الْمُثَابَ بِهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ عَلَی الطَّاعَۃِ وَعَنِ الْمَعْصِیَۃِ فَخَسَفْنَا بِقَارُوْنَ بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ غَیْرِهٖ بِاَنْ یَّمْنَعُوْا عَنْهُ الْهَلَاكَ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ مِنْهُ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ اَیْ مِنْ قَرِیْبٍ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ یُوَسِّعُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ یُضَیِّقُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ وَوَیْ اِسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنٰی اَعْجَبُ اَیْ اَنَا وَالْكَافُ بِمَعْنَی اللَّامِ لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ لِنِعْمَۃِ اللّٰهِ كَقَارُوْنَ

ع ۸ / ۱۱

ترجمہ: قارون موسیٰ کی برادری میں سے تھا (چچازاد، خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا) سو اس نے لوگوں کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا (کبر، شیخی اور مالداری کی وجہ سے) اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں گرانبار (بوجھل کر دیتی تھیں ایک جماعت زور آور کو (بالعصبته میں با تعدیہ کے لئے ہے کنجی برداروں کی تعداد، ۷۰، ۴۰، ۱۰ وغیرہ بتلائی گئی ہے اور یاد کیجئے) جب کہ اس کی برادری) میں سے مومنین بنی اسرائیل) نے کہا کہ تو اترا مت (زیادہ مالداری کے گھمنڈ میں) واقعی اللہ میاں (ان پر) اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جستجو کو (طلب رکھ) تجھ کو خدا نے جتنا کچھ (مال دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی (اللہ کی راہ میں خرچ کر کے) اور مت بھلا (چھوڑ) اپنا مقدر دنیا سے بھی (یعنی دنیا میں رہ کر آخرت کا کام کرجا) اور احسان کیا کر (لوگوں پر صدقہ کر کے) جس طرح کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور مت پھیلا (ڈھونڈ) زمین پر فساد (گناہ کر کے) بلاشبہ اللہ ایسے فسادیوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی انہیں سزا دے گا) قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ (مال) اپنی ہنرمندی سے ملا ہے) یعنی اپنے علم کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا عالم، موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد شمار ہوتا تھا۔ فرمایا کہ) کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر دیا ہے جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے اور جمع کرنے میں اس سے زیادہ تھے (مال کے اعتبار سے۔ یعنی وہ جانتا تھا اور اللہ نے ان سب کو برباد کر ڈالا تھا) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں پڑے گا (کیونکہ اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا وہ جہنم میں بلا حساب ہی داخل کر دیئے جائیں گے) پھر وہ (قارون) اپنی برادری کے سامنے اپنی آرائش کے ساتھ نکلا (لشکر جرار کے ساتھ سنہری زیورات اور حریری لباس پہن کر آراستہ گھوڑوں، خچروں پر سوار) جو لوگ دنیا کے طلب گار تھے کہنے لگے اے کاش! (لفظ یا تنبیہ کیلئے ہے) ہمیں بھی ویسا ہی سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے (دنیا میں) واقعی بڑا ہی (پورا) صاحب نصیب (قسمت) ہے جن لوگوں کو (وعدۂ آخرت کا) علم عطا ہوا تھا وہ (ان سے) بولے۔ ارے تمہارا ناس ہو (یہ کلمہ ڈانٹ کا لفظ ہے) اللہ کے ہاں کا ثواب (آخرت میں جنت) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک کام کرے (بہ نسبت قارون کے

دنیاوی مال کے) اور وہ (جنتی ثواب) انہی کو دیا جاتا ہے۔ جو (اطاعت پر بھی) صبر کرنے والے ہیں (اور گناہوں سے بھی) پھر ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔ سو کوئی جماعت اس کیلئے ایسی نہ ہوئی جو اللہ سے بچا لیتی (غیر اللہ کی جماعت اس سے تباہی کو دفع کر دیتی) اور نہ وہ خود اپنے کو (اللہ سے) بچا سکا اور کل (یعنی ابھی گذشتہ زمانے میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی زیادہ (خوب) دیتا ہے اور تنگی سے دینے لگتا ہے (جسے چاہے اور لفظ وَیْ اسم فعل بمعنی اعجب ہے بصیغہ متکلم ہے اور کاف بمعنی لام ہے) اللہ تعالیٰ کی اگر ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (لفظ خسف معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہے (جو اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں جیسے قارون)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَبَغٰی: پس اس سے ان پر برتری چاہی تاکہ وہ اس کی ماتحتی قبول کرلیں۔

قوله: مِنَ الْكُنُوْزِ: جمع شدہ اموال۔

قوله: لَتَنُوْٓأُ: یہ ان کی خبر ہے اور جملہ ما کا صلہ ہے۔ یہ اٰتی کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله: كَمَآ اَحْسَنَ: جیسا اس نے انعامات سے احسان کیا ہے۔

قوله: عَلٰى عِلْمٍ: یہ موضع حال میں واقعہ ہے اور عندی اس کی صفت ہے۔

قوله: مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ: جیسا عموماً لوگوں کی عادت ہے کہ وہ مال والوں کی طرف رغبت کرتے ہیں انہوں نے اس جیسا مال طلب کیا نہ کہ وہی تاکہ کہیں وہ حسد نہ کرنے لگے۔

قوله: وَيْلَكُمْ: یہ ہلاکت کی بددعا ہے یہ ناپسندیدہ حالت پر ڈانٹ کے لئے لایا گیا۔

قوله: مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ: بدلہ لینے والے جو انتقام چکا سکیں۔

قوله: بمعنى اَعْجَبُ: یہ مضارع متکلم کے معنی میں ہے امر نہیں۔

قوله: مَّنَّ اللّٰهُ: پس اس سے ہمیں ہماری تمنا فوری نہ دکا۔

قوله: لَخَسَفَ: یہ معروف و مجہول پڑھا گیا ہے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ....

قارون اور اس کی سرکشی کی داستانِ عبرت کا بیان:

رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعدہ ذکر آخرت کی

مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا، جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لیے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون کو چن لیا تھا۔ قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیاوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی ان ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں، مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انھیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔

تا آنکہ جب حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم سنایا تو یہ نفاق کے پردے سے نکل کر کھلے کفر کی شکل میں سامنے آ گیا۔ اپنے کچھ حواریوں کو جمع کر کے کہا کہ موسیٰ کی باتیں اس سے پہلے تو ہم سب مانتے اور برداشت کرتے رہے مگر اب تو اس نے ہم سے ہمارے مالوں کا مطالبہ بھی شروع کر دیا ہے۔ تو کیا تم لوگ اس کی یہ بات بھی مان لو گے؟ ان ٹوڈیوں نے جواب دیا کہ جیسے جناب کی رائے ہو ہم ویسے ہی کریں گے۔ تو اس نے کہا میں تو کبھی بھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ انہوں نے کہا پھر ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس کے بعد اس نے ایک سازش تیار کی کہ ایک فاحشہ عورت کو بہت سا روپیہ پیسہ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جب موسیٰ بھرے مجمع میں تقریر کر رہے ہوں تم اٹھ کر ان پر زنا کی تہمت لگا دینا۔ چنانچہ اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اس فاحشہ عورت کو ایک ایسے مجمع میں لایا گیا جہاں حضرت موسیٰ نے خطاب فرمانا تھا۔ اور آپ نے دوران خطاب جب زنا کی سزا بیان فرمائی تو قارون نے کہا کہ موسیٰ یہ قانون سب کے لیے ہے؟ یا صرف ہمارے لیے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں سب کے لیے ہے۔ تو اس نے کہا! اگرچہ آپ بھی کیوں نہ ہوں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں اگرچہ میں بھی کیوں نہ ہوں۔ اس پر اس ملعون نے کہا کہ لو اب سنو کہ فلاں عورت آپ کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ اس پر اس نے اس عورت کو مجمع میں کھڑا کر دیا۔ موسیٰ نے جب اس عورت کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا تو وہ کانپ گئی۔ اور صاف بتا دیا کہ مجھے قارون نے بھاری لالچ کے عوض اس الزام و اتہام کے لیے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے بارگاہ خداوندی میں قارون کے لیے بد دعا کی جس سے وہ ملعون اپنے مال و دولت سمیت زمین میں دھنس گیا اور ہمیشہ کے لیے فی النار والسقر ہو گیا۔ اور رہتی دنیا کے لیے درس عبرت بن گیا - والعیاذ باللہ تعالیٰ - (روح، قرطبی، ابن کثیر، خازن، معارف، مراغی، جامع اور فتح وغیرہ وغیرہ) - اللہ تعالیٰ ایسے اشرار و اعداء کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے - آمین ثم آمین۔

قارون کے مال و دولت کا حال:

مفاتیح، مفتح کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنیٰ خزانے کے آتے ہیں اور مفتاح کی جمع بھی جس کے معنیٰ چابی اور کنجی کے آتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات نے اگرچہ اس لفظ کو پہلے معنیٰ میں لے کر کہا کہ اس کے خزانے اتنے تھے کہ ایک

طاقتور جماعت کے لیے بھی ان کا اٹھانا مشکل تھا۔ مگر اکثر کے نزدیک یہاں پر یہ لفظ مفتاح کی جمع ہے جس کے معنی چابی کے آتے ہیں۔ یعنی اس کے خزانوں کی چابیاں اتنی تھیں کہ ایک طاقتور جماعت کے لیے بھی ان کا اٹھانا مشکل ہوتا تھا۔ اور سیاق و سباق کے اعتبار سے یہی قول راجح لگتا ہے کہ اس میں جو معنویت ہے وہ پہلے قول واحتمال میں نہیں۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں خزانوں کی حفاظت کیلئے اس طرح کی تجوریاں، آہنی الماریاں اور سیف نہیں ہوتے تھے جس طرح کہ آج ہمارے اس دور میں پائے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی اس زمانے میں اس طرح کے سیل کردہ قفل اور ایسی چابیوں کا رواج تھا جو آج ہمارے سامنے اور ہمارے اس دور میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس زمانے کے سرمایہ دار بالعموم زمین دوز خزانے بناتے اور ان کی حفاظت کیلئے ان کے پھاٹکوں میں بڑے بڑے آہنی کنڈے لگا کر ان میں لوہے کے بڑے بڑے اڑنگے ڈال دیتے جو خاص انہی اغراض و مقاصد کیلئے تیار کیے جاتے تھے۔ سو ان اڑنگوں کو پھنسانا، کھولنا، بند کرنا بڑا مشکل کام ہوتا تھا اور ان کے تمام لوازم مل ملا کر اتنے بڑے اور اس قدر بھاری بوجھ بن جاتے کہ ان کو ہٹانے یا اٹھانے کا کام ایک طاقتور جماعت کیلئے بھی ایک مشکل اور کٹھن امر ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس طرح کا طریقہ شہر پناہوں کی حفاظت اور قلعوں کے آہنی دروازوں کو بند کرنے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح کی یادگاریں اب بھی بعض مقامات پر پائی جاتی ہیں۔ سو آیت کریمہ میں اسی طرح کی کنجیوں کی طرف اشارہ ہے۔ سو جس طرح عربوں کے یہاں بڑی بڑی دیگوں کا پایا جانا ان کی سخاوت و فیاضی کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسی طرح بڑی چابیوں کو مالداری کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ بہرکیف وہ بدبخت اپنے دور کا بہت بڑا مالدار شخص تھا۔ اور اتنا کہ اس کی مالداری ضرب المثل بن گئی تھی۔

اُکڑنے اِترانے کی ممانعت:

سو جب اس بدبخت نے تمرد و سرکشی کی روش اختیار کی تو اس کی قوم کے دانشمند لوگوں نے اس سے کہا کہ تم اتراؤ نہیں کہ اترانے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ یعنی نفس خوشی و مسرت کی ممانعت نہیں کہ وہ تو ایک طبعی اور فطری امر ہے بلکہ وہ تو ایک حد تک محمود و مطلوب بھی ہے۔ تاکہ اس سے اللہ پاک کی نعمتوں کی قدر دانی ہو سکے اور ان کے حق شکر کی ادائیگی کی توفیق و سعادت نصیب ہو سکے۔ بلکہ اس فرح سے مراد وہ اکڑنا اترانا اور حد سے بڑھنا ہے جو کہ انسان کے اندر تکبر اور غرور کی وہ صفات ذمیمہ پیدا کر دے جن سے آگے طرح طرح کے مفاسد و مفاتن جنم لیتے ہیں اور قسما قسم کی وہ ہولناک برائیں ابھرتی اور پھیلتی ہیں جو انسان کو دائمی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دنیاوی مال و دولت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان اسی کو اپنا مقصد بنا کر آخرت کو بھول جاتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی۔ لاتتخذ وا الضیعۃ فترغبوا۔ یعنی تم لوگ ضرورت سے زیادہ جائیدادیں بنانے کی پیچھے نہ پڑا کرو کہ پھر تم دنیا ہی کے ہو کے رہ جاؤ گے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف قارون کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ تم خداوند قدوس کی بخشی ہوئی نعمتوں کی بنا پر اور ان کے نشے اور غرور میں اسی کے خلاف اکڑنے اترانے کی حماقت کا ارتکاب مت کرو کہ وہ اکڑنے اترانے والوں کو بھی پسند نہیں کرتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ مگر مال و دولت کے باعث اکڑنے والے قارونی دماغوں پر ایسی باتوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ والعیاذ باللہ۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ.....

مال و دولت کا صحیح مصرف اور حقیقی فائدہ:

سو مال و دولت کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اس کو راہ حق میں اور حق تعالیٰ کی تعلیمات و ارشادات کے مطابق خرچ کر کے اسے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس کی قوم کے ان دانشمندوں نے اس کو مزید نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ مال و دولت تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس سے تو آخرت کے اپنے اصل اور حقیقی گھر کو بنانے کی فکر کرو۔ یہ ہے مال و دولت کا اصل مصرف کہ اس کو راہ حق میں خرچ کر کے اس سے آخرت کی کمائی کا سامان کیا جائے۔ اور اس طرح اسے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس صورت میں وہ دولت ایک نعمت بن جائے گی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: ((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ)) کہ وہ مال جو نیک انسان کو نیک طریقے سے ملے وہ بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں مال کو خیر کے لفظ سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ پس مال و دولت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اس کی اچھائی برائی کا مدار و انحصار در اصل انسان کی نیت و ارادے اور اس کے کسب و انفاق پر ہے۔ اگر وہ اس کو جائز اور حلال طریقے سے کما کر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور خلق خدا کی خدمت اور بہتری کے لیے خرچ کرے گا تو وہ اس کے لیے خیر ہی خیر اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بنے گا۔ ورنہ وہ اس کے لیے دنیا و آخرت کی تباہی کا باعث ہوگا۔

اُخروی زندگی کی کامیابی کے لیے فکر و کوشش کا درس:

سو اس سے اپنی اخروی زندگی کو یاد رکھنے اور اس کے لیے فکر و کوشش کرنے کے بارے میں ایک نہایت حکیمانہ تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا کہ تم دنیا سے اپنے حصے کو مت بھولو۔ عام طور پر مفسرین کرام نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم اس دنیا میں بھی اپنا حصہ نظر انداز نہ کرو۔ یعنی اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے وغیرہ کی ضروریات ترک نہیں کرنا کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ اس صورت میں { لاتنس } بمعنی لاتترک ہوگا۔ اور یہ نہی کراہت تنزیہہ کے معنیٰ میں ہوگی۔ عام طور پر حضرات مفسرین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن یہ بات کچھ دل کو لگتی نہیں کیونکہ دنیاوی فوائد و منافع حاصل کرنا کوئی ایسا مقصد نہیں کہ قرآن حکیم اس کے بارے میں اس طرح تاکیدی حکم دے۔ بلکہ یہ دنیا تو قرآن و سنت کی روشنی میں کسی اعتبار کے لائق ہے ہی نہیں کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ پس اس ارشاد کا مقصود و مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے آخرت کے لیے توشہ لے جانا نہیں بھولنا کہ یہ دنیا در اصل آخرت کی کمائی کے لیے مزرعہ اور کھیتی ہے۔ اور آج اس کا موقعہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے قصد و ارادے سے اس کو وجوہ خیر میں صرف و خرچ کر کے آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کیلئے سامان کرے۔ ورنہ فرصت حیات کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس کا کوئی موقعہ نہیں رہے گا۔ اور مِنَ الدُّنْيَا . دنیا سے کے کلمہ کریمہ سے بھی اسی مفہوم کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ ورنہ اوپر والا مفہوم جو کہ عام طور پر سمجھا اور بیان کیا جاتا ہے اس کے مناسب مِنَ الدُّنْيَا نہیں بلکہ فی الدنیا کی تعبیر ہے۔ اور یوں بھی ان ابنائے دنیا کو جو کہ دنیا ہی کیلئے جیتے اور مرتے ہوں اور جن کا مطمح نظر اور مقصود حیات ہی دنیاوی مال و دولت کے مزے لوٹنا اور تن و توش کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کرنا ہو ان

کیلئے اس ہدایت وارشاد کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے کہ تم اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا کہ ان کا تو جینا مرنا ہی دنیا کیلئے ہے۔اس لیے ہمارے نزدیک اس ارشاد ربانی کا صحیح اور دل لگتا مفہوم ومطلب یہی ہے کہ اس دنیوی مال ودولت سے جو آج تمہیں میسر ہے اپنی آخرت اور وہاں کی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے توشہ لے جانا نہ بھولنا۔یہی مطلب وقیع بھی ہے اور دل کو لگنے والا بھی۔اور آیت کے کلمات کریمہ سے ظاہر اور متبادر بھی۔بہر کیف قارون کی قوم کے سمجھدار اور اس کے خیر خواہ لوگوں نے اس سے کہا کہ دنیاوی مال ودولت کی بنا پر اترانے کی بجائے اس کو اپنی آخرت کی کمائی کا ذریعہ بناؤ کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے۔اس کی کسی بھی چیز کیلئے بقا اور دوام نہیں۔اصل چیز ہے آخرت کی وہ زندگی جو کہ حقیقی بھی ہے اور دائمی اور ابدی بھی۔سو اس دنیا میں تمہارے کام وہی چیز آئے گی جو تم اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے خرچ کرو گے۔ورنہ تمہارا یہ مال ودولت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا بلکہ یہ الٹا تمہارے لیے ہلاکت وتباہی کا باعث بن جائے گا۔مگر اس نے اپنی بدبختی کی بنا پر نصیحت وخیر خواہی کی کسی بات پر کان نہ دھرا اور بالآخر وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہا۔

زمین میں فساد مت پھیلاؤ:

بے شک اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔سو قارون کی قوم کے ان دانشمندوں نے اس بگڑے ہوئے انسان سے مزید کہا کہ تو زمین میں فساد مچانے کے درپے مت ہو اور اس میں فساد مت پھیلا اللہ کے حکم سے سرتابی کر کے اور اس کی عبادت وبندگی سے منہ موڑ کر کہ یہی چیز اصل میں فساد وبگاڑ اور ہلاکت وتباہی کی جڑ بنیاد ہے۔والعیاذ باللہ العظیم۔اور اس کا باعث انسان کا وہ غلو واستکبار ہوتا ہے جس سے بندہ حدود بندگی سے نکل کر خدائی حدود اور اس کے حقوق میں مداخلت کرنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دائمی ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔والعیاذ باللہ۔سو فساد فی الارض صرف چوری ڈکیتی اور راہزنی وغیرہ ہی کا نام نہیں۔یہ تو اس کے محض بعض مظاہر ہیں۔فساد فی الارض جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اصل میں علو واستکبار ہے جس سے انسان حدود بندگی سے نکل کر خداوند قدوس کی حدود اور اس کے حقوق میں مداخلت کرنے لگتا ہے۔اور جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں وہ مفسدین فی الارض میں شامل ہیں خواہ وہ اصلاح وخیر خواہی کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔اور خواہ وہ اپنا کام کتنی ہی دانش فروشیوں سے کیوں نہ کرتے ہوں۔اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو خداوند قدوس کیسے پسند کر سکتا ہے۔سو ایسے فسادی عناصر کی حیثیت اس کے چمن میں خودرو جھاڑیوں اور اس کے خوان کرم پر ناخواندہ و ناپسندیدہ مہمانوں کی ہے۔بالآخر وقت آنے پر وہ ان خودرو جھاڑیوں کو اکھاڑ پھینکے گا اور ان ناپسندیدہ عناصر کو بری طرح کھدیڑ دیا جائے گا۔

قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ ....

اپنی عقل ودانش پہ مغرور قارون کا جواب:

قوم کے علماء کی نصیحتوں کو سن کر قارون نے جو جواب دیئے اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے کہا آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو دے رکھا ہے اسی کا مستحق میں تھا، میں ایک عقلمند زیرک، دانا شخص ہوں میں اسی قابل ہوں اور اسے بھی اللہ جانتا ہے اسی لیے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے۔بعض انسانوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب بڑی عاجزی سے ہمیں پکارتا ہے اور جب انسان کو کوئی نعمت وراحت اسے

ہم دے دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ: قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (القصص:۷۸) یعنی اللہ جانتا تھا کہ میں اسی کا مستحق ہوں اس لیے اس نے مجھے یہ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے کہ اگر ہم اسے کوئی رحمت چکھائیں اس کے بعد جب اسے مصیبت پہنچی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ ھذا لی اس کا حقدار تو میں تھا ہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا لیکن یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ بلکہ کیمیا کا علم فی الواقع ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے عین کو بدل دینا یہ اللہ ہی کی قدرت کی بات ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کوشش کرتا ہے کہ میری طرح پیدائش کرے۔ اگر وہ سچا ہے تو ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنا دے۔ یہ حدیث ان کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہر صورت کو نقل کرتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ فرمایا پھر جو دعویٰ کرے کہ وہ کیمیا جانتا ہے اور ایک چیز کی کایا پلٹ کر سکتا ہے ایک ذات سے دوسری ذات بنا دیتا ہے مثلاً لوہے کو سونا وغیرہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور بالکل محال ہے اور جہالت وضلالت ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ رنگ وغیرہ بدل کر دھوکے بازی کرے۔ لیکن حقیقتاً یہ ناممکن ہے۔ یہ کیمیاگر جو محض جھوٹے جاہل فاسق اور مفتری ہیں یہ محض دعوے کر کے مخلوق کو دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء کے ہاتھوں جو کرامتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں بدل جاتی ہے ان کا ہمیں انکار نہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا، نہ ان کے قبضے کا ہوتا ہے، نہ کوئی کاریگری، صنعت یا علم ہے۔ وہ محض اللہ کے فرمان کا نتیجہ ہے جو اللہ اپنے فرمانبردار نیک کار بندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوۃ بن شریح مصری سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجت مندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اٹھایا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا بن گیا۔ معجزے اور کرامات احادیث اور آثار میں اور بھی بہت سے مروی ہیں۔ جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولت مند ہو گیا۔ قارون کے اس جواب کی رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں اسے دولت مند کر دیتا ہوں نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے، محض غلط ہے۔ جو میرا شکر ادا نہ کریں کفر پر جما رہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کے کثرت گناہ کی وجہ سے پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیریت ہے اس لیے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس مالداری کا اہل ہوں اگر مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ....

قارون کے ایک بڑے جلوس کا ذکر:

قارون جب اپنی زیب وزینت کے اظہار اور دکھلاوے کے لیے ایک جلوس کی شکل میں نکلا تو ان لوگوں نے جن کے

سامنے دنیا اور اس کے مادی ٹھاٹھ باٹھ ہی سب کچھ ہیں انہوں نے قارون کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر کہا کہ کاش کہ ہمیں بھی وہ کچھ مل جاتا جو قارون کو ملا ہے۔ یقیناً وہ بڑا ہی نصیبے والا ہے۔ سو یہ ابنائے دنیا کی للچائی ہوئی نگاہوں کا ایک مظہر ہے۔ دنیا داروں اور دولت پرستوں کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے کہ دنیا کی چمک دمک سے ان کی رال فوراً ٹپک پڑتی ہے اور ان کے منہ میں پانی بھر آتا ہے کہ بس یہی ٹھیک اور یہی سب کچھ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وہ اس کو دیکھنے اور جاننے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں کہ اس ظاہر کے پیچھے اصل حقائق کیا ہیں اور اس ظاہر کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اسی دوران قارون نے اپنی شان و شوکت کے اظہار اور اس کے مظاہرہ و نمائش کے لیے کوئی بڑا جلوس نکالا تا کہ اس طرح وہ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو مرعوب اور اپنی جمعیت میں اضافہ کر سکے۔ اور اس کے لیے اس نے اپنی دولت اور حشمت کا خاص طور پر مظاہرہ کیا جیسا کہ: فِیْ زِیْنَتِہٖ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہی چیز عوام کالانعام کو سب سے زیادہ متاثر و مرعوب کرتی ہے۔ اور قارون کی یہ حرکت بعینہ اسی طرح کی حرکت ہے جس طرح کہ ہمارے ملک کے لیڈر صاحبان اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے اور عوام کے اندر اپنی مقبولیت دکھانے کے لیے مختلف شہروں اور قصبوں وغیرہ میں آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں۔ اللہ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ....

سمجھدار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو! اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو ریجھے جاتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشئی ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہ ہی جانتے ہیں جن سے محنت سہی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، دردسری اور آخرت کی ذلت کو اور سو جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس، اور مرنے کے بعد کاٹنے ہیں ہزاروں برس۔ (موضح بتغییر یسیر)

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ....

قارون کا انجام:

اوپر قارون کی سرکشی بے ایمانی کا ذکر ہو چکا یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا بڑا لمبا چوڑا بھرپور جوانی کے نشہ میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ و روغن، والا خوبصورت، شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہی کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ بے قدر ایک بالشت کے رہ گیا۔ آخر کار اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔ یہ بھی مذکور ہے

کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ کی بددعا سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال ومتاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس عورت نے یہی کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کئے تو جو سچا واقعہ ہے اسے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ حضرت موسیٰ پھر سجدہ میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اسے اور اس کے محل کو نگل لے۔ زمین نے یہی کیا دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے بنو اسرائیل کا مجمع تھا۔ یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا آج اس طرح کیسے نکلے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ وحشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت پر شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اس کو لے کر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تو دعا کرتا ہے یا میں کروں؟ اس نے کہا نہیں میں کرونگا اب اس نے دعا مانگنی شروع کر دی اور ختم ہو گئی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے کہا اب دعا میں کرتا ہوں اس نے کہا ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں مان لے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ لے۔ یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے۔ پھر فرمایا ان کے خزانے اور مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے کل خزانے اور مال وہاں آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کر لے اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہو گئی۔ مروی ہے کہ ساتوں زمین تک یہ لوگ بقدر انسان دھنستے جا رہے ہیں قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔ یہاں پر بنی اسرائیل کی اور بہت سی روایتیں ہیں لیکن ہم نے ان کا ذکر یہاں چھوڑ دیا ہے۔ نہ تو مال ان کے کام آیا نہ جاہ وحشم نہ دولت وتمکنت نہ کوئی ان کی مدد کے لیے اٹھا نہ یہ خود اپنا کوئی بچاؤ کر سکے۔ تباہ ہو گئے بے نشان ہو گئے مٹ گئے اور مٹا دیئے گئے (اعاذنا اللہ) اس وقت تو ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں جو قارون کی دولت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور اسے نصیب دار سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کیا کرتے تھے کہ کاش ہم ایسے دولت مند ہوتے۔ وہ کہنے لگے اب دیکھ لیا کہ واقعی سچ ہے دولت مند ہونا کچھ اللہ کی

رضامندی کا سبب نہیں۔ یہ اللہ کی حکمت ہے جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم دے۔ جس پر چاہے وسعت کرے جس پر چاہے تنگ کرے۔ اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کی ہے جس طرح روزی کی۔ مال تو اللہ کی طرف سے اس کے دوستوں کو بھی ملتا ہے اور اس کے دشمنوں کو بھی۔ البتہ ایمان اللہ کی طرف سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہو۔ قارون کے اس دھنسائے جانے کو دیکھ کر وہ جو اس جیسا بننے کی امیدیں کر رہے تھے کہنے لگے اگر اللہ کا لطف و احسان ہم پر نہ ہوتا تو ہماری اس تمنا کے بدلے جو ہمارے دل میں تھی کہ کاش ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔ آج اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ساتھ دھنسا دیتا۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ کے ہاں فلاح کے لائق نہیں ہوتے۔ نہ انہیں دنیا میں کامیابی ملے نہ آخرت میں ہی وہ چھٹکارا پائیں۔ نحوی کہتے ہیں ویکان کے معنی ویلک اعلم ان ہیں لیکن مخفف کر کے ویک رہ گیا اور ان کے فتح نے اعلم کے محذوف ہونے پر دلالت کر دی۔ لیکن اس قول کو امام ابن جریر نے ضعیف بتایا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ ضعیف کہنا ٹھیک نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی کتابت کا ایک ساتھ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ کتابت کا طریقہ تو اختراعی امر ہے جو رواج پا گیا وہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے معنی اس کے الم تر ان کے لیے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس طرح یہ دو لفظ ہیں وی اور کان۔ حرف وی تعجب کے لیے ہیں اور یا تنبیہہ کے لیے اور کان معنی میں اظن کے ہے۔ ان تمام اقوال میں قوی قول یہ ہے کہ یہ معنی میں الم تر کے ہے یعنی کیا نہ دیکھا تو نے جیسے کہ حضرت قتادہ کا قول ہے اور یہی معنی عربی شعر میں بھی مراد لیے گئے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اَیِ الْجَنَّةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ بِالْبَغْیِ وَلَا فَسَادًا بِعَمَلِ الْمَعَاصِیْ وَالْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ عِقَابَ اللّٰهِ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ثَوَابٌ بِسَبَبِهَا وَهُوَ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا جَزَاءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اَیْ مِثْلَهٗ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ اَنْزَلَهٗ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ اِلٰی مَكَّةَ وَكَانَ قَدِ اشْتَاقَهَا قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ نَزَلَ جَوَابًا لِقَوْلِ كُفَّارِ مَكَّةَ لَهٗ اِنَّكَ فِیْ ضَلَالٍ اَیْ فَهُوَ الْجَائِیْ بِالْهُدٰی وَهُمْ فِی الضَّلَالِ وَاَعْلَمُ بِمَعْنٰی عَالِمٌ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ الْقُرْاٰنُ اِلَّا لٰكِنْ اُلْقِیَ اِلَیْكَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا مُعِیْنًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ عَلٰی دِیْنِهِمُ الَّذِیْ دَعَوْكَ اِلَیْهِ وَلَا یَصُدُّنَّكَ اَصْلُهٗ یصدوننک حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَازِمِ وَالْوَاوُ الْفَاعِلُ لِالْتِقَائِهَا مَعَ النُّوْنِ السَّاكِنَةِ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ اَیْ لَا تَرْجِعْ اِلَیْهِمْ فِیْ ذٰلِكَ وَادْعُ النَّاسَ اِلٰی رَبِّكَ بِتَوْحِیْدِهٖ وَعِبَادَتِهٖ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾ بِاِعَانَتِهِمْ یُؤَثِّرِ الْجَازِمُ

فِی الْفِعْلِ لِبِنَائِهٖ وَلَا تَدْعُ تَعْبُدْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ اِلَّا اِیَّاهُ لَهُ الْحُكْمُ الْقَضَاءُ النَّافِذُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ بِالنُّشُوْرِ مِنَ الْقُبُوْرِ

ترجمہ: یہ عالم آخرت (جنت) ہم انہیں کیلئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں (بغاوت پھیلا کر) بڑا بننا نہیں چاہتے اور نہ (گناہوں کے ذریعہ) فساد اور (بہترین) انجام تو متقیوں کا حصہ ہے (جو نیکیاں کرتے ہوئے عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں) جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر ملے گا (دس گناہ اجر ایک نیکی کی وجہ سے ملے گا) اور جو بدی لے کر آئے گا۔ پس ایسے لوگ جو بدی کا کام کرتے ہیں بس اتنا بدلہ ہی ملے گا جتنا کام وہ کرتے تھے جس نے آپ پر قرآن فرض (نازل) کیا ہے وہ آپ کو آپ کے وطن پہنچا کر رہے گا (مکہ میں جس کا آپ کو اشتیاق ہے) آپ فرما دیجئے میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے (کفار مکہ کے آنحضرت کی نسبت انک فی ضلال کہنے کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یعنی فی الحقیقت آپ ہدایت لے کر آنے والے ہیں اور اہل مکہ گمراہی میں ہیں اور لفظ اعلم بمعنی عالم ہے) اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب (قرآن) نازل کی جائے گی۔ مگر (آپ پر نازل کی گئی) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے۔ سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید (اعانت) نہ کیجئے (اپنے جس مذہب کی طرف یہ لوگ آپ کو بلا رہے ہیں) اور ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو روک دیں (یصدنك اصل میں یصدونك تھا نون جمع جازم کی وجہ سے اور واو علامت فاعل نون ساکن کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے) اللہ کے احکام سے آپ کے پاس ان کے آنے کے بعد (یعنی اس کے بعد اس کی طرف رخ نہ کیجئے) اور آپ اپنے پروردگار (کی توحید اور عبادت) کی طرف بلاتے رہیے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جایئے (ان کی تائید کر کے۔ لاتکونن میں مبنی ہونے کی وجہ سے جازم نے عمل نہیں کیا) اور اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ کہیئے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت (حکم نافذ) ہے اور اسی کی طرف تم سب کو جانا ہے (قبروں سے اٹھ کر)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ: ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے اس سے ان کی قبیح حالت بیان کرنے مقصود ہے ان کی طرف برائی کی اسناد کو پختہ کیا گیا۔

قوله: مِثْلَهٗ: مثل کو حذف کر دیا اور ما کانوا یعملون کو اس کے قائم مقام بطور مبالغہ کر دیا۔

قوله: اَنْزَلَهٗ: اور اس نے اس کی تلاوت و تبلیغ کو لازم کر دیا۔

قوله: اِلٰی مَكَّةَ: وہ کہ جس کی آپ کو عادت ہے۔

قوله: لٰكِنْ: یہ استثناء منقطع ہے۔

قوله: لَا تَرْجِعُ: کفار کے لئے ممانعت کو ظاہر ہے اور حقیقت میں جناب رسول اللہ علیہ کو منع کیا کہ ان کی طرف رجوع فرمائیں۔

قوله: اِلٰی رَبِّكَ: یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی جانب۔

قوله: یُؤْثِرُ: بکونن سے واؤ کو حذف کیا جائے گا۔

قوله: لِیَنَالُہٗ: نون تاکید اس سے ملحق ہوگی۔

قوله: وَلَا تَدْعُ: یہ ابھارنے کے لئے ہے اور آپ کی معاونت سے مشرکین کی طمع کو منقطع کرنا ہے۔

قوله: اِلَّا اِیَّاہُ: الوجہ سے ذات باری تعالیٰ مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ....

آخرت کا گھر ان لوگوں کیلئے ہے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں یہ بتایا کہ دار آخرت یعنی موت کے بعد جو مؤمنین صالحین کو ٹھکانہ ملے گا اسے ہم انہیں لوگوں کے لیے خاص کر دیں گے جو زمین میں بڑائی، برتری اور بلندی کا ارادہ نہیں کرتے اور فساد کو نہیں چاہتے۔ اور اچھا انجام متقیوں ہی کا ہے، بندوں کو تواضع کے ساتھ رہنا لازم ہے۔ ساری بڑائی خالق اور مالک ہی کے لیے ہے جس نے سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کی بڑائی اور کبریائی کے سامنے ہر بندہ کو جھک جانا لازم ہے۔ جن لوگوں کو جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے ان میں اسی قدر تواضع ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اس بڑائی کے حاصل کرنے کے لیے بہت سے گناہ کرتے ہیں اللہ کی مخلوق کو ستاتے ہیں دکھ دیتے ہیں قتل تک کرواتے ہیں۔ اللہ کے احکامات کو پامال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے لیے دار آخرت یعنی جنت سے محرومی ہی کا انتظار کرتے ہیں پھر دنیا میں بھی انہیں وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اگر لوگ دنیاوی اقتدار کے دباؤ میں کچھ نہ کہیں تو دلوں سے تو برا سمجھتے ہی ہیں۔

تواضع کی منفعت اور تکبر کی مذمت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہوگا اور جس نے تکبر اختیار کیا اللہ اسے گرا دے گا۔ پس وہ لوگوں کی نظروں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا۔ (لوگوں کے نزدیک اس کی ذلت کا یہ حال ہوگا کہ) وہ کتے اور خنزیر سے بڑھ کر ان کے نزدیک ذلیل ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ہے کہ دوزخ میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ اور کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔
(مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۳ از مسلم)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تکبر کرنے والے انسانی صورتوں میں چیونٹیوں کے برابر

چھوٹے چھوٹے جسموں میں جمع کیے جائیں گے انہیں دوزخ کے جیل خانہ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا جسکا نام بولس ہے ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی، ان لوگوں کو طِیْنَۃُ الْخَبَال (یعنی دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ) پلایا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

تکبر بری بلا ہے شیطان کو لے ڈوبا اس کی راہ پر چلنے والے انسانوں کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ دوسری آیت میں یہ بتایا کہ جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ سب سے بڑی نیکی تو ایمان ہے اس کا بہت بڑا بدلہ ہے یعنی ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہونے کا انعام ہے اور صاحب ایمان جتنی بھی نیکیاں کرے گا ہر نیکی کا بہت بڑا ثواب پائے گا جو اس کی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا اور ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہو کر تو ملنا ہی ہے یہ تو اہل ایمان کا ذکر ہوا۔ اب رہے کافر ان کو بھی ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ سب سے بڑا برا عمل کفر و شرک ہے اور کفر کے ساتھ اہل کفر اور بھی بڑے بڑے گناہ کرتے رہتے ہیں۔ کافروں میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں غریب تھے اصحاب اقتدار کی رعیت تھے ان کے سامنے ذلیل تھے تنگدست بھی تھے لوگوں کے سامنے حقیر بھی تھے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو بڑے بڑے مالدار تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے، کافر و مشرک امیر ہو یا غریب ہو عزت دار ہو یا ذلیل ہو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنے گا اور کفر کے علاوہ جو گناہ کیے ہوں گے ان کی سزا بھی ملے گی۔

إِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ ....

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم فرماتا ہے کہ رسالت کی تبلیغ کرتے رہیں لوگوں کو کلام اللہ سناتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کی طرف واپس لے جانے والا ہے اور وہاں نبوت کی بابت پرستش ہوگی۔ جیسے فرمان ہے: فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف:٦) یعنی امتوں سے اور رسولوں سے سب سے ہم دریافت فرمائیں گے۔ اور آیت میں ہے رسولوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور آیت میں ہے نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ معاد سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے موت بھی ہو سکتی ہے۔ دوبارہ کی زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ دوبارہ پیدا ہوں اور داخل جنت ہوں۔ صحیح بخاری میں ہے اس سے مراد مکہ ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے جو آپ کی جائے پیدائش تھی۔ ضحاک فرماتے ہیں جب حضور ﷺ مکہ سے نکلے ابھی جحفہ ہی میں تھے جو آپ کے دل میں مکے کا شوق پیدا ہوا پس یہ آیت اتری اور آپ سے وعدہ ہوا کہ آپ واپس مکے پہنچائے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مکی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے شاید اس کہنے والے کی غرض اس سے بھی قیامت ہے۔ اس لیے کہ بیت المقدس ہی محشر زمین ہے۔ ان تمام اقوال میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کبھی تو آپ کے مکے کی طرف لوٹنے سے اس کی تفسیر کی ہے جو فتح مکہ سے پوری ہوئی۔ اور یہ حضور ﷺ کی عمر کے پورا ہونے کی ایک زبردست علامت تھی جیسے کہ آپ نے سورۃ اذا جاء کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی موافقت کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ تو جو جانتا ہے وہی میں بھی جانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انہی سے اس آیت کی تفسیر میں جہاں مکہ مروی ہے وہاں حضور ﷺ کا انتقال بھی مروی ہے اور کبھی قیامت سے تفسیر کی کیونکہ موت کے بعد قیامت ہے اور کبھی جنت سے تفسیر کی جو آپ کا ٹھکانا ہے اور آپ کی تبلیغ رسالت کا بدل ہے کہ آپ نے جن وانس کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور آپ تمام مخلوق سے زیادہ کلام زیادہ فصیح اور زیادہ

افضل تھے۔ پھر فرمایا کہ اپنے مخالفین سے اور جھٹلانے والوں سے کہہ دو کہ ہم میں سے ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ کس کا انجام بہتر ہوتا ہے؟ اور دنیا اور آخرت میں بہتری اور بھلائی کس کے حصے میں آتی ہے؟ پھر اپنی ایک اور زبردست نعمت بیان فرماتا ہے کہ وحی اترنے سے پہلے کبھی آپ کو یہ خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ پر کتاب نازل ہوگی۔ یہ تو تجھ پر اور تمام مخلوق پر رب کی رحمت ہوئی کہ اس نے تجھ پر اپنی پاک اور افضل کتاب نازل فرمائی۔ اب تمہیں ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے بلکہ ان سے الگ رہنا چاہئے۔ ان سے بیزاری ظاہر کردینی چاہیے اور ان سے مخالفت کا اعلان کردینا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی اتری ہوئی آیتوں سے یہ لوگ کہیں تجھے روک نہ دیں یعنی جو تیرے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو تیری تابعداری سے روکتے ہیں۔ تو اس سے اثر پذیر نہ ہونا اپنے کام پر لگے رہنا اللہ تیرے کلمے کو بلند کرنے والا ہے تیرے دین کی تائید کرنے والا ہے تیری رسالت کو غالب کرنے والا ہے۔ تمام دینوں پر تیرے دین کو اونچا کرنے والا ہے۔ تو اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلا تارہ جو اکیلا اور لاشریک ہے تجھے نہیں چاہیے کہ مشرکوں کا ساتھ دے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکار۔ عبادت کے لائق وہی ہے الوہیت کے قابل اسی کی عظیم الشان ذات ہے وہی دائم اور باقی ہے حی و قیوم ہے تمام مخلوق مرجائے گی اور وہ موت سے دور ہے۔ جیسے فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمن: ۲۷) جو بھی یہاں پر ہے فانی ہے۔ تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو جلالت و کرامت والا ہے۔ وجہ سے مراد ذات ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سچا کلمہ لبید شاعر کا ہے جو اس نے کہا ہے شعر (الا کل شئی ما خلا اللہ باطل) یاد رکھو کہ اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ مجاہد و ثور سے مروی ہے کہ ہر چیز باطل ہے مگر وہ کام جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کئے جائیں ان کا ثواب رہ جاتا ہے۔ شاعروں کے شعروں میں بھی وجہ کا لفظ اس مطلب کے لیے استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

(استغفر اللہ ذنبا لست محصیہ۔ رب العباد الیہ الوجہ والعمل)

میں اللہ سے جو تمام بندوں کا رب ہے جس کی طرف توجہ اور قصد ہے اور جس کے لیے عمل ہیں اپنے ان تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جنہیں میں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ یہ قول پہلے قول کے خلاف نہیں۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ انسان کے تمام اعمال اکارت ہیں صرف ان ہی نیکیوں کے بدلے کا مستحق ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کی ہوں۔ اور پہلے قول کا مطلب بھی بالکل صحیح ہے کہ سب جاندار فانی اور زائل ہیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہے جو فنا اور زوال سے بالاتر ہے۔ وہی اول و آخر ہے ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد رہے گا۔ مروی ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تو جنگل میں کسی کھنڈر کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے اور دردناک آواز سے کہتے کہ اس کے بانی کہاں ہے؟ پھر خود جواب میں یہی پڑھتے۔ حکم و ملک اور ملکیت صرف اسی کی ہے مالک و متصرف وہی ہے۔ اس کے حکم احکام کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ روز جزا سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب کو ان نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ دے گا۔ نیک کو نیک بدلہ اور برے کو بری سزا۔

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ ۲۹ مَكِّيَّةٌ ۸۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۶۹ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی | شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے | اس کی انہتر آیتیں ہیں اور سات رکوع

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ اللهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اَیْ بِقَوْلِهِمْ اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾
يُخْتَبَرُوْنَ بِمَا يَتَبَيَّنُ بِهٖ حَقِيْقَةُ اِيْمَانِهِمْ نَزَلَ فِیْ جَمَاعَةٍ اٰمَنُوْا فَاٰذَاهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فِیْ اِيْمَانِهِمْ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهِ اَمْ حَسِبَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ الشِّرْكَ وَالْمَعَاصِیْ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۚ يَفُوْتُوْنَا فَلَا نَنْتَقِمُ مِنْهُمْ سَآءَ بِئْسَ مَا الَّذِیْ
يَحْكُمُوْنَ ﴿٤﴾ ۂ حُكْمُهُمْ هٰذَا مَنْ كَانَ يَرْجُوْا يَخَافُ لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۚ فَلْيَسْتَعِدَّ لَهٗ وَهُوَ
السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِ الْعِبَادِ الْعَلِيْمُ ﴿٥﴾ بِاَفْعَالِهِمْ وَمَنْ جَاهَدَ جِهَادَ حَرْبٍ اَوْ نَفْسٍ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۚ
لان منفعة جِهَادِهٖ لَهٗ لَا لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ وَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ بِعَمَلِ الصَّالِحَاتِ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ
بمعنی حسن ونصبه بنزع الخافض الباء الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ وَهُوَ الصَّالِحَاتُ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ ای ایصاء ذا حسن بان یبرهما وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ باشراكه
عِلْمٌ موافقة للواقع فلا مفهوم له فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ فی الاشراك اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ اُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ
بِاَنْ نَحْشُرَهُمْ مَعَهُمْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ اَیْ
اِذَاهُمْ لَهٗ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۚ فِی الخوف منه فيطيعهم فينافق وَلَئِنْ لام قسم جَآءَ نَصْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مِّنْ رَّبِّكَ

فغنموا لَيَقُوْلُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفعِ لِتَوَالِى النُّوْنَاتِ وَالوَاوِ ضَمِيْرِ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ اِنَّا كُنَّا
مَعَكُمْ ؕ فِى الْاِيْمَانِ فَاشْرِكُوْنَا فِى الْغَنِيْمَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ اَىْ بعالم بِمَا فِىْ صُدُوْرِ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالنفاق بلى وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بقلوبهم وَ لَيَعْلَمَنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَيُجَازِى الْفَرِيْقَيْنِ وَاللَّامُ فِى الْفِعْلَيْنِ لام قسم وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا
سَبِيْلَنَا طَرِيْقَنَا فِىْ دِيْنِنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ فِىْ اِتِّبَاعِنَا اِنْ كَانَتْ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَى الخبر قال تعالى وَمَا
هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَىْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ فِىْ ذٰلِكَ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ اَوْزَارَهُمْ وَ
اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ بِقَوْلِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَاِضْلَالِهِمْ مقلّديهم وَ لَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع يَكْذِبُوْنَ عَلَى اللّٰهِ سُوَالَ تَوْبِيْخٍ فَاللَّامَ فى الفعلين لام قسم وحذف فاعلهما ع ۱۳ / ۱۲
الواو ونون الرفع

ترجمہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الٓمّٓ۔ (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے (یعنی ان کے اس کہنے کی وجہ سے) کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا (ان کے ایمان کی حقیقت جانچنے کیلئے ان کی آزمائش کی جائے گی۔ یہ آیت ان نومسلموں کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جنہیں ایمان لانے پر مشرکین نے ستایا تھا) ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا۔ جو (اپنے ایمان میں) سچے تھے (علم مشاہدہ کے درجہ میں) اور (اس بارہ میں) جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ہاں کیا جو لوگ (شرک اور گناہوں کے) برے برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے (چھوٹ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہیں لے پائیں گے) نہایت بیہودہ (بھدی) ہے ان کی یہ تجویز (ان کا یہ فیصلہ) جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہو (ڈرتا) ہو۔ سو وہ اللہ کا وقت معین ضرور آنے والا ہے (لہٰذا اس کی تیاری کر لو) اور وہ سب کچھ (بندوں کی باتیں) سنتا ہے اور وہ سب کچھ (ان کے کام) جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے (جہاد یا مجاہدہ) وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے کیونکہ اس کی محنت کا فائدہ اسی کو ہوگا اللہ کا کیا نفع؟) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے (انسان، جن، فرشتوں اور ان کی عبادت سے) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے (ان کے نیک کاموں کی وجہ سے) اور ان کو زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے (احسن بمعنی حسن ہے اور منصوب ہے باجارہ حذف کرنے کے بعد) ان کے (نیک) اعمال کا اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (یعنی بہترین حکم کہ والدین کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا) اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی ایسی چیز کو میرا شریک بنا جس کی (شرک کی) تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (جو واقع کے مطابق ہو۔ لہٰذا یہ قید احترازی

نہیں ہے) تو تو ان کا کہنا نہ ماننا (شرک کے متعلق) تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا (اور ان پر بدلہ دوں گا) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں نیک بندوں میں داخل کریں گے (انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ان کا حشر کریں گے) اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی (ان کے ستانے) کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب (دہل جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا کہنا مان کر منافق بن جاتے ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے پروردگار کی طرف سے آ پہنچتی ہے (جس سے انہیں بھی مال غنیمت مل جاتا ہے) تو بول اٹھتے ہیں (لیقولن میں مسلسل تین نون جمع ہونے کی وجہ سے نون علامت کے رفع کو اور التقائے ساکنین کی وجہ سے واؤ ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے (ایمان لانے میں لہٰذا ہمیں بھی غنیمت میں شریک کرو، فرمایا) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں؟ (دلوں کا ایمان و نفاق ضرور معلوم ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا (دونوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا۔ لام ان دونوں فعلوں میں قسمیہ ہے) اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں تم ہماری راہ چلو (ہمارے دین پر ہمارے طریقہ کے مطابق) اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ (ہماری پیروی کرنے میں اگر وہ بری نکلی، صیغۂ امر بمعنی فعل مضارع ہے فرمایا) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے۔ یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں (اس کے متعلق) اور یہ لوگ اپنے گناہ (قصور) اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی (ایک تو مسلمانوں سے اپنی پیروی کو کہنا دوسرے اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا) اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی۔ جیسی جیسی جھوٹی باتیں گھڑتے تھے (اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشیاں، یہ سوال بطور ڈانٹ کے ہوگا۔ دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور واؤ فاعل اور نون رفع حذف کر دیئے گئے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله : بِقَوْلِهِمْ: یعنی ان مصدر یہ اور حرف جر محذوف اور یہ حسب کا دوسرا مفعول ہے۔ تقدیر حاصل یا مستقر ہے اور اول مفعول ان یترکوا اس کا معنی یہ ہے ان کے ترک کو گمان کروان کی باب سامنا پر مفتون نہ ہو تو ترک اس کا پہلا مفعول ہے اور غیر مفتونین اس کا تکملہ کیونکہ وہ اس کے فاعل سے حال ہے۔

قوله : اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ: ام منقطعہ ہے کیونکہ متصل کی شرائط مفقود ہیں اور وہ مدخول کا مفرد یا حکم مفرد میں ہونا ضروری ہے۔

قوله : فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ: وہ وقت جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا مقرر کیا گیا۔

قوله : بمعنی حسن: کیونکہ جزاء احسن کے لئے ساتھ خاص نہیں۔

قوله : لمذا احسن: مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنایا اور لقب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔

قوله : موافقة: یہ قید واقع کے ساتھ موافقت پیدا کرنے کے لئے ہے کیونکہ نفی شرک کا علم تو نفی الواقع حاصل ہے۔

قوله: الصّٰلِحِيْنَ: سے کامل افراد انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔

قوله: إِنْ كَانَتْ: یعنی اگر ہماری پیروی غلط ہے۔

قوله: مقلّديهم: ان کے مقلدین کے بوجھل میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر مقبولین

الٓمّٓ ۝

تمہیدی کلمات:

سورۃ العنکبوت کے بارے میں تعیین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ۵ نبوی ﷺ میں نازل ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب مکہ میں مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم وستم بہت بڑھ چکا تھا۔ اس سے پہلے تین سال تک تو مخالفین نے حضور ﷺ کی دعوت کے اثرات کے بارے میں کوئی سنجیدہ ردعمل ظاہر نہیں کیا' بلکہ اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران وہ لوگ آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے رہے' آپ ﷺ کو شاعر اور جادوگر کہتے رہے اور یوں آپ ﷺ کی تضحیک کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے ہتھکنڈوں سے آپ ﷺ کی قوت ارادی دم توڑ دے گی' آپ ﷺ بددل ہوکر ہمت ہار کر بیٹھ جائیں گے اور اس طرح یہ تحریک ختم ہوجائے گی۔ لیکن ان تمام حربوں کے باوجود حضور ﷺ کی دعوت کا دائرہ تھا کہ روز بروز پھیلتا ہی جارہا تھا۔ خصوصی طور پر ان کے لیے تشویش ناک بات یہ تھی کہ آپ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہونے والوں میں زیادہ تعداد غلاموں اور اونچے گھرانوں کے نوجوانوں کی تھی۔ چنانچہ جب سردارانِ قریش کے کئی ایک غلام ایمان لے آئے اور دوسری طرف حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ جیسے نوجوان بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تو مشرکین کو اس دعوت کے تدارک اور سدباب کے لیے سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اہم فیصلہ کیا وہ یہی تھا کہ ایسے تمام لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اور جسمانی ایذاء وتشدد کے ذریعے انہیں نیا دین چھوڑنے پر مجبور کردیا جائے۔

جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ نوجوان اہل ایمان بھی اپنے اپنے خاندان والوں کے ہاتھوں کسی حد تک تشدد کا نشانہ بنے' لیکن غلاموں اور بے آسرا لوگوں پر تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ غلاموں کی حیثیت اس معاشرے میں ڈھور ڈنگروں کی سی تھی۔ جیسے آپ نے ایک بکری خریدی اور اسے اپنے کھونٹے سے باندھ لیا۔ جب تک چاہا اس سے فائدہ اٹھایا اور جب چاہا اسے ذبح کرلیا۔ انسانی سطح پر ان کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ کوئی آقا اپنے غلام کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے' اسے مارے' پیٹے یا جان سے مار ڈالے' اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت بلال' حضرت ابوفکیہہ اور حضرت خباب بن الارت جیسے صحابہ کے ساتھ ان کے آقاؤں نے ظلم وستم کے ایسے ایسے طریقے آزمائے کہ ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

غلاموں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی اس خوفناک اور بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنے جو قریشی نہیں تھے اور کسی کے حلیف بن کر

مکہ میں رہ رہے تھے۔ حضرت یاسرؓ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپؓ کا تعلق یمن سے تھا۔ آپؓ نے یمن کے عیسائیوں سے نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کا چرچا سن رکھا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خواب میں اشارہ بھی ملا تھا کہ مکہ میں آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے شوق میں آپؓ یمن کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور ابوجہل کے چچا کی پناہ حاصل کر لی۔ ابوجہل کا چچا شریف آدمی تھا' اس نے نہ صرف انہیں پناہ دی بلکہ اپنی لونڈی سمیہؓ سے ان کا نکاح بھی کر دیا۔ پھر اللہ نے آپؓ کو ایک بیٹا بھی عطا کیا۔ جب ابوجہل کا چچا فوت ہو گیا تو یہ خاندان ابوجہل کی پناہ میں آ گیا۔ حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت یاسرؓ آپؓ کی زوجہ محترمہ حضرت سمیہ اور آپؓ کا بیٹا عمار تینوں حضور ﷺ پر ایمان لے آئے۔ جب قریش نے اہل ایمان پر تشدد کرنے کی حکمت عملی اپنائی تو اس چھوٹے سے خاندان پر ابوجہل نے تشدد کی انتہا کر دی۔ اس کے نتیجے میں حضرت یاسر اور حضرت سمیہؓ تو شہید ہو گئے جبکہ حضرت عمارؓ نے کلمات کفر کہہ کر اپنی جان بچائی' جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا۔ (سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اگر کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے تو اللہ معاف فرمانے والا ہے۔)

اسی طرح حضرت خباب بن الارتؓ پر جو قیامت گزری وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپؓ غریب خاندان سے تھے اور پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے۔ ایک دن ان ہی کی بھٹی میں سے دہکتے ہوئے کوئلے لے کر انہیں زمین پر بچھایا گیا اور ان کی قمیص اتروا کر پشت کے بل کوئلوں پر لٹا دیا گیا' تاوقتیکہ آپؓ کے جسم کی چربی سے وہ کوئلے ٹھنڈے ہوئے۔

حضرت خبابؓ بن الارت فرماتے ہیں کہ جب صورت حال ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں اپنی چادر کا تکیہ لیے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: حضور! آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ مشرکین کے تشدد کی بڑھتی ہوئی کارروائیاں اب ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔ حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہماری یہ بات حضور ﷺ کو ناگوار گزری۔ آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم' تم جلدی مچا رہے ہو' ابھی تم پر وہ حالات تو آئے ہی نہیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں آدھا زمین میں دبا کر آروں سے چیر ڈالا گیا' وہ زندہ آگ میں جلا دیے گئے اور انہوں نے ایسے حالات پر صبر کیا۔ تمہیں بھی بہرحال صبر کرنا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ وقت ضرور آئے گا جب ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہیں ہوگا۔

یہ اس پس منظر کی ایک جھلک ہے جس میں اس سورت کا نزول ہوا۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا....

کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی جانچ نہیں کی جائے گی۔ مدنی صحابہ نے مکی مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیج دی' مکی مسلمانوں نے کہا: اب تو ہم یہاں سے نکل ہی چلیں گے۔ اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا تو ہم اس سے لڑیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات نکل کھڑے ہوئے' مشرکوں نے ان کا تعاقب کیا۔ راستہ میں دونوں گروہوں کی جنگ ہوئی۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ مسلمان بچ کر نکل گئے۔ ان کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْم بَعْدِ مَا فُتِنُوْا الخ۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت کچھ مکی لوگوں (یعنی مکی مسلمانوں) کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مکہ سے چل پڑے تھے' مشرکوں نے ان کو روکا تو وہ لوٹ گئے (مدنی) بھائیوں نے ان کو وہ آیت لکھ کر بھیجی جوان کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جدید آیت پڑھ کر وہ نکل کھڑے ہوئے۔ شہید ہونے والے شہید ہو گئے اور بچنے والے بچ گئے۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں الناس سے مراد ہیں مکہ میں رہ جانے والے مسلمان سلمہ بن ہشام' عیاش بن ربیعہ' ولید بن ولید' عمار بن یاسر وغیرہ۔

ابن سعد' ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبیداللہ بن عمیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ آیت ذیل کا نزول حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ہوا' آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دکھ دیئے جاتے تھے۔ اللہ نے فرمایا: اَحَسِبَ النَّاسُ الخ بغوی نے ابن جریج کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت مجع بن عبداللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی' اس امت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازہ کی طرف بلایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: حضرت مجع ہی جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے کافروں کے مقابلہ کے لیے قطار سے باہر نکل آئے تھے۔ عامر بن حضرمی نے آپ کو تیر مار کر شہید کر دیا۔ راہ خدا میں سب سے پہلے شہید ہونے والے آپ ہی ہوئے۔ جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اَاَم کے بعد ہمزہ استفہام کا ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ اَاَم الگ مستقل جملہ ہے (کیونکہ ہمزہ استفہام کا تقاضا ہے کہ آغاز کلام میں آئے' اگر اَاَم سے بعد والے جملہ کا ارتباط ہوتا تو ہمزۂ استفہام اَاَم سے پہلے آتی' مترجم)۔

حسبان سے مراد ہے گمان کرنا اور استفہام انکاری ہے یا زجری' مطلب یہ ہے کہ کیا لوگ اپنے کو یونہی متروک بے امتحانی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آمنّا کہہ دینے سے چھوٹ جائیں گے' ایسا نہیں ہوگا بلکہ اللہ ان کو مصائب اور دشواریوں میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لے گا۔ مثلاً وطن سے ہجرت کرنا' جہاد کرنا اور طرح طرح کے مالی' جانی اور اولاد کے دکھ ان کو اٹھانے ہوں گے تاکہ مخلص اور منافق کے درمیان امتیاز ہو جائے اور دین پر ثابت قدم رہنے والا تردد وشک کرنے والے سے الگ ہو جائے اور صبر کرنے والوں کو اونچے مراتب ملیں۔

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ شروع میں اللہ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا پھر نماز' زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کئے۔ بعض لوگوں کو اس کی تعمیل میں دشواری ہو گئی اور ان پر یہ حکم شاق ہوا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس شان نزول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا: کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ صرف ایمان لانے سے (بغیر شرائع کے) ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور دوسرے اوامر ونواہی بھیج کر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ صرف ایمان لانا اگرچہ دوامی جہنمی ہونے سے روکتا ہے اور جنت میں (کبھی نہ کبھی) داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے لیکن حصول درجات تو اداء طاعات اور ترک خواہشات سے وابستہ ہیں۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ....

ہم ان سے پہلے لوگوں کی (سخت) آزمائشیں کر چکے ہیں۔ یعنی انبیاء اور مؤمنین کی سخت آزمائش کر چکے ہیں۔ بعض انبیاء کو آروں سے چیرا گیا' بعض کو قتل کر دیا گیا' بنی اسرائیل کو فرعون بدترین عذاب دیتا رہا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کا یہ پرانا دستور

ہے کہ نیک لوگوں کو سخت مصائب میں مبتلا کر کے پرکھا جاتا ہے۔ تمام امتیں اسی آزمائشی دور سے گزری ہیں، تو کیا اس زمانہ میں اس سنت قدیمہ کی خلاف ورزی ہوسکتی ہے۔

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ سو اللہ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

اللہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے سچوں کو بھی اور جھوٹوں کو بھی اس لیے حصول علم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے علم ازلی کا سچوں کی سچائی اور کاذبوں کے جھوٹ سے بالفعل (بعد العمل) تعلق پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ سچے ایمان والے جھوٹے منافقوں سے ممتاز ہوکر الگ ہوجائیں اور ان سے ثواب یا عذاب کا تعلق ہوجائے۔ بعض کے نزدیک آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے الگ کر کے ظاہر کردے تاکہ اللہ کے ازلی علم کا فعلی ظہور ہوجائے۔ مقاتل نے علم کا ترجمہ دکھانا کیا ہے، اللہ دکھادے گا۔ بعض نے اس طرح معنی بیان کئے کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے گا۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ہر شخص کا مجاہدہ اسکے اپنے نفس کیلئے ہے اور اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اسے ثواب ملے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات اور ثواب عطا فرمانے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے اور وہ وقت ضرور آئے گا اور جو شخص ثواب کے لائق ہوگا اس پر ضرور ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ سب کی دعائیں سنتا ہے، آرزوئیں جانتا ہے، سب کے اعمال سے باخبر ہے وہ تمام مخلصین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔ اہل ایمان کو جو ایمان قبول کرنے پر بعض مرتبہ تکلیفیں ہوتی ہیں اور دشمنان دین سے اذیت پہنچتی ہے یہ ایک مجاہدہ ہے یعنی نفس سے مقابلہ ہے۔ یہ لفظ جہد سے مشتق ہے، عربی زبان میں جہد مشقت کو کہتے ہیں۔ یہ باب مفاعلہ ہے جو جانبین کی شرکت پر دلالت کرتا ہے، جب کوئی شخص آخرت کی بہتری کے لیے عمل کرنا چاہے (جس میں ایمان کا قبول کرنا بھی ہے) تو نفس کو شاق گزرتا ہے اور نفس کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے اس لیے اس کو مجاہدہ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا جو شخص مشقت اٹھائے، محنت اور مجاہدہ کرے تو اس کا تکلیف اٹھانا اور مشقت برداشت کرنا اس کی اپنی جان کے لیے ہے وہ اس کا اجر و ثواب پالے گا، اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں ہے اسے کسی کے کسی عمل کی حاجت نہیں وہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ ....

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم:

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے، پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے، سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۳ میں اس کا طریقہ کار بھی بیان فرمایا ہے، وہاں ارشاد فرمایا:

(وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ

صَغِيْرًا) (اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی اف بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔)

سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیات میں اول تو (بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا) فرمایا جس میں والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا حکم دیا ہے جو حسن سلوک کرنے اور ان پر مال خرچ کرنے کو شامل ہے۔

پھر بوڑھے ماں باپ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو مت جھڑکو اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ماں باپ کے سامنے شفقت اور رحمت کی وجہ سے انکساری کے ساتھ جھکے رہو۔ پھر ان کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا کہ یوں دعا کرو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپنے میں میری پرورش کی ہے۔ اس میں رحمت اور شفقت کا سبب بھی بیان فرمایا کہ کبھی تم ایسے تھے کہ ان کی شفقت کے محتاج تھے، انہوں نے تمہیں پالا پوسا تمہارے لیے تکلیفیں اٹھائیں اب وہ ضعیف ہیں تم قوی ہو تمہیں ان کے لیے فکرمند ہونا چاہیے۔ مزید تفصیل کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیات کی تفسیر دیکھئے وہاں ہم نے بہت سی احادیث شریفہ کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے جو والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے سے متعلق ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا (وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا) (اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی تیرے پاس دلیل نہیں تو ان کی فرمانبرداری مت کرنا) یہ حکم سورۂ لقمان میں بھی ہے وہاں مزید فرمایا (وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا) (کہ ان کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے پر پیش آتے رہو) یعنی اگر وہ کفر و شرک کرنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت مت کرنا، اور باوجودیکہ وہ کافر ہوں حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا اور ان کی خدمت سے دریغ نہ کرنا، جیسا کہ ماں باپ کے کہنے سے کفر و شرک حرام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی کرنا ممنوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (کہ خالق تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی فرمانبرداری کی اجازت نہیں)، ہاں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک میں اور مالی انفاق میں کوتاہی نہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک بیٹی حضرت اسماءؓ تھیں وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں، ان کی والدہ مشرکہ تھیں اور وہ مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں، سن ۶ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کا معاہدہ ہوا جس میں یہ بھی تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اس زمانہ میں حضرت اسماءؓ کی والدہ مدینہ آ گئیں، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور اس وقت عاجز ہیں اور مالی مدد چاہتی ہیں کیا میں مال سے ان کی خدمت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرو۔ (رواہ البخاری)

آجکل نوجوانوں کو اس میں بڑا ابتلا ہوتا ہے کہ ماں باپ انہیں گناہوں کی زندگی اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں، داڑھی

مونڈوانے پر اصرار کرتے ہیں، رشوت لینے پر آمادہ کرتے ہیں، بینک کی نوکری اختیار کرنے اور سود لینے کا بھی حکم دیتے ہیں، بے پردگی اختیار کرنے کو کہتے ہیں، ان کے علاوہ بہت سے گناہوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ اوپر حدیث سے معلوم ہوا کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی فرمانبرداری نہیں، ماں باپ کے لیے حرام ہے کہ اولاد کو گناہوں کا حکم دیں اور اولاد کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ ماں باپ کے کہنے پر کوئی گناہ کریں، اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، اس نے سب کو وجود بخشا ہے اس کا حق سب سے پہلے ہے اور سب سے زیادہ، کسی مخلوق کا حق اس کے بعد میں ہے، اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت کرنا لازم اور فرض ہے، اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی کے کہنے سے بھی حلال نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی ص ۱۳۹ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی والدہ نے کہا کہ اے سعد میں نے سنا ہے کہ تو اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کے دین میں داخل ہو گیا ہے؟ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ میں کسی گھر میں داخل نہ ہوں گی (یوں ہی میدان میں پڑی رہوں گی خواہ دھوپ ہو اور ہوا سے میرا کچھ نہ بنے) اور مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا انکار نہیں کرے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے سب سے زیادہ چہیتے بیٹے تھے، انہوں نے کفر اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کی والدہ نے اپنی قسم کی وجہ سے بغیر کھائے پیئے یوں ہی میدان میں پڑے ہوئے تین دن گزار دیئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، اس پر آیت بالا اور سورۂ لقمان کی آیت (وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا) نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ٤٦١ میں لکھا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے دو دن اور دو رات تک کچھ نہ کھایا پیا، اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اماں جان اگر آپ کے بدن میں سو ۱۰۰ روحیں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی تو میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو تو کھاؤ پیو یا مر جاؤ، بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا۔

إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (میری طرف تمہارا لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا بھی عمل کرے بہر حال اسے قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور دنیا میں جو اعمال کیے تھے وہ سامنے آ جائیں گے اور اعمال کے مطابق جزا سزا ملے گی۔ پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کو خوشخبری دی اور فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم ضرور ضرور انہیں صالحین میں داخل کریں گے) یعنی ان کا شمار صالحین میں ہوگا اور انہیں صالحین کے مراتب اور درجات سے سرفراز کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ....

مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے:

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض مسلمان تھے وہ زبان سے تو اسلام کا اظہار کر دیتے تھے پھر جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچ جاتی تھی تو ان کے موافق ہو جاتے تھے اور اس موافقت کو مسلمانوں سے چھپاتے تھے۔ اور قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے پھر مشرکین مکہ انہیں واپس لے گئے۔ دنیاداری حقیقت میں

کمزوری کا سبب ہے، اگر آخرت کا یقین پختہ ہو اور آخرت کی ضرورت سمجھ کر ایمان قبول کیا ہو تو منافقت کی شان ختم ہو جاتی ہے، اگر کافروں میں پھنس کر کوئی مومن بندہ مجبور ہو جائے تو گو وہ بظاہر زبان سے کوئی نامناسب کلمہ کہہ دے لیکن دل سے کفر اختیار نہیں کر سکتا اور کافروں کا ہم نوا نہیں بن سکتا، اگر کافروں سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر کرتا ہے جیسے عہد نبوی کے مسلمانوں (حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب ؓ نے تکلیفیں برداشت کیں، پختہ مسلمان سمجھتا ہے کہ یہ تو تھوڑی سی تکلیف ہے کفر پر مرنے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوگا وہ بہت ہی شدید ہوگا لیکن جن لوگوں کا ایمان یوں ہی نام کو ہوتا ہے وہ لوگ ایمان پر پہنچنے والی تکلیفوں کو اس عذاب کے برابر سمجھ لیتے ہیں جو آخرت میں کافروں کو ہوگا اور اس کی وجہ سے صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور کافروں کا ساتھ دینے لگتے ہیں۔ اور چونکہ دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں اس لیے خفیہ طور پر کفر اختیار کرنے کے باوجود مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں جو فلانی جگہ مال غنیمت حاصل ہوا ہمیں بھی اس میں شریک کرو ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے (یعنی ہم دینی اعتبار سے تمہارے ساتھی ہیں) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: اَوَ لَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (کیا اللہ جہاں والوں کے سینوں کی باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے کون مخلص ہے کون منافق ہے، اگر کسی نے بندوں سے اپنے نفاق کو چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپا سکتا۔ (تفسیر انوار البیان)

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ ....

کفار قریش مسلمانوں کو بہکانے کے لیے ان سے یہ بھی کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر عمل کرو اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہم پر۔ حالانکہ یہ اصولاً غلط ہے کہ کسی کا بوجھ کوئی اٹھائے۔ یہ بالکل دروغ گو ہیں۔ کوئی اپنے قرابتداروں کے گناہ بھی اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ دوست دوست کو اس دن نہ پوچھے گا۔ ہاں یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے بوجھ بھی ان پر لادے جائیں گے مگر وہ گمراہ ہلکے نہ ہوں گے۔ ان کا بوجھ ان پر ہے۔ جیسے فرمان ہے: لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ کَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ (النحل: ۲۵) یعنی یہ اپنے کامل بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں بہکایا تھا ان کے بہکانے کا گناہ بھی ان پر ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں۔ اسی طرح جس نے برائی پھیلائی اس پر جو بھی عمل پیرا ہوں ان سب کو جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ حضرت ابوامامہ ؓ سے فرمایا حضور ﷺ نے اللہ کی تمام رسالت پہنچادی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا مجھے اپنی عزت کی اور اپنے جلال کی قسم آج ایک ظالم کو بھی میں نہ چھوڑونگا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ فلاں فلاں کہاں ہے؟ وہ آئے گا اور پہاڑ کے پہاڑ نیکیوں کے اس کے ساتھ ہونگے یہاں تک کہ اہل محشر کی نگاہیں اس کی طرف اٹھنے لگیں گی۔ وہ اللہ کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا پھر منادی ندا کرے گا کہ اس طرف سے کسی کا کوئی حق ہو اس نے کسی پر ظلم کیا ہو وہ آجائے اور اپنا بدلہ لے لے۔ اب تو ادھر ادھر سے لوگ اٹھ کھڑے ہونگے اور اسے گھیر کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے ان بندوں کو ان کے حق دلواؤ۔ فرشتے کہیں گے اے اللہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی نیکیاں لو اور انہیں دو چنانچہ یوں ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی باقی نہیں

رہے گی اور ابھی تک بعض مظلوم اور حقدار باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا انہیں بھی بدلہ دو فرشتے کہیں گے اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا ان کے گناہ اس پر لاد دو۔ پھر حضور ﷺ نے گھبرا کر اس آیت کی تلاوت فرمائی: (وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: ۱۳) ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ! قیامت کے دن مومن کی تمام کوششوں سے سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے سرمے اور اس کے مٹی کے گوندھے سے بھی۔ دیکھ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی اور تیری نیکیاں لے جائے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ وعمره اربعون سنة او اكثر فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا يدعوهم الى توحيد الله فكذبوه فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ اى الماء الكثير طاف بهم وعلاهم فغرقوا وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾ مشركون فَأَنجَيْنَاهُ اى نوحا وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ اى الذين كانوا معه فيها وَجَعَلْنَاهَا آيَةً عبرة لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾ لمن بعدهم من الناس ان عصوا رسلهم وعاش نوح بعد الطوفان ستين سنة او اكثر حتى الناس وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ خافوا عقابه ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مما انتم عليه من عبادة الاصنام إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ الخير من غيره إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ اى غيره أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا تقولون كذبا ان الاوثان شركاء لله إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا لا يقدرون ان يرزقوكم فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ اطلبوه منه وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِن تُكَذِّبُوا اى تكذبوني يا اهل مكة فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ من قبلي وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۸﴾ الابلاغ البين في هاتين القصتين تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم وقال تعالى في قومه أَوَلَمْ يَرَوْا بالياء والتاء ينظروا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ بضم اوله وقرئ بفتحه من بدأ وابدأ بمعنى ان يخلقهم ابتداء ثُمَّ هُوَ يُعِيدُهُ اى الخلق كما بدأه إِنَّ ذَٰلِكَ المذكور من الخلق الاول والثاني عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۹﴾ فكيف تنكرون الثاني قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ لمن كان قبلكم واماتهم ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ مدا وقصر مع سكون الشين إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾ ومنه البدء والاعادة يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ تعذيبه وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ رحمته وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۲۱﴾ تردون وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ربكم عن ادراككم فِي الْأَرْضِ

وَلَا فِي السَّمَاءِ لَوْ كُنْتُمْ فِيْهَا اَىْ لَا تَفُوْتُوْنَهٗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ يمنعكم مِنْهُ وَّلَا

ع ۲ ۹ ۱۴ نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ يَنْصُرُكُمْ مِنْ عَذَابِهٖ

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ کو یقیناً اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زائد تھی) سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (دعوت توحید دیتے رہے اور لوگ انہیں جھٹلاتے رہے) پھر ان لوگوں کو طوفان نے آ دبایا (بے انتہا پانی میں گھر گئے اور ڈوب گئے) اور وہ بڑے ظالم (مشرک) لوگ تھے۔ ہم نے نوحؑ کو بچالیا اور اہل کشتی کو (جو کشتی میں ان کے ہمراہ تھے) اور ہم نے اس واقعہ کو نشانی (عبرت) بنادیا تمام جہاں والوں کیلئے (بعد کی نسلوں کیلئے اگر انہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی اور حضرت نوحؑ اس طوفان کے فرو ہونے کے بعد ساٹھ سال یا زائد حیات رہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی آبادی پھر ہوگئی) اور ہم نے ابراہیمؑ کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا (تمہاری بت پرستی کے مقابلہ میں) اگر تم سمجھ رکھتے ہو (بھلائی برائی کی) تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر بعض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو (غلط بیانی کرتے ہو کہ بت اللہ کے شریک ہیں) خدا کو چھوڑ کر جنہیں تم پوج رہے ہو۔ وہ تم کو کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے (تمہیں رزق نہیں دے سکتے) سو تم روزی اللہ کے پاس تلاش کرو (ڈھونڈو) اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے ہو (اے مکہ والو!) سو تم سے (مجھ سے) پہلے بھی بہت سی قومیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (بلاغ مبین بمعنی ابلاغ بین ہے۔ ان دونوں واقعات میں آنحضرتؐ کیلئے تسلی ہے آپ کی قوم سے ارشاد ہے) کیا ان لوگوں کو خبر نہیں (یروا یا اور تا کیساتھ بمعنی ینظروا ہے) کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے (لفظ یبدی ضم یا کے ساتھ ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بدا اور ابدا سے ماخوذ ہے۔ یعنی ابتداءً مخلوق کو کیسے پیدا کیا) پھر وہی دوبارہ مخلوق کو پیدا کرے (پہلی مرتبہ کی طرح) یہ (پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا) اللہ کے نزدیک بہت آسان بات ہے (پھر دوسری بار پیدا کرنے کا انکار کیسے کرتے ہو) آپ کہیئے کہ تم لوگ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو پہلی بار کس طریقہ سے پیدا کیا ہے (تم سے پہلوں کو اور ان کو موت دی) پھر اللہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا (لفظ نشأة مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ دونوں طرح سکون شین سے پڑھا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (منجملہ اس کے اول پیدائش اور بعد کی پیدائش بھی ہے) وہ جسے (عذاب دینا) چاہے عذاب دے گا۔ اور جس پر (رحم کرنا) چاہے رحم فرمائے گا تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (پیش ہو گے) اور تم ہرا نہیں سکتے (اپنے پروردگار کو، تمہیں گرفتار کرنے سے) نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (اگر تم آسمان میں پہنچ جاؤ یعنی تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے) اور خدا کے سوا (علاوہ) تمہارا نہ کوئی کارساز ہے (کہ تمہیں اس سے بچائے) اور نہ کوئی مددگار ہے (کہ اس کے

عذاب سے نجات دلا دے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: وعمرہ: نوح علیہ السلام کی عمر بوقت بعثت چالیس سال تھی۔

قولہ: اَلْفَ سَنَةٍ: بعثت کے بعد۔

قولہ: کَانُوْا: ان کی تعداد کل اسی افراد تھی۔

قولہ: مَعَهٗ: آپ کی اولاد اور پیروکار۔

قولہ: اِذْ قَالَ: یہ ابراہیم علیہ السلام سے بدل اور اشتمال ہے۔

قولہ: تَخْلُقُوْنَ: یہ تقولون کے معنی میں کہ کہ تم افتراء بکتے ہو۔ افکا یہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: اَنْ یَرْزُقُوْکُمْ: اس سے اشارہ ہے رزقا مصدر ہے مفعول کے معنی میں نہیں۔

قولہ: مِنْ قَبْلِیْ: ان کی تکذیب نے انبیاء علیہم السلام کا کچھ نہیں بگاڑا اپنا نقصان کیا۔

قولہ: تسلیة للنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس آیت کو دونوں واقعات کے درمیان لانے کی وجہ بتلائی کہ یہ دونوں بیچ معترضے ہیں۔

قولہ: من بدأ وابدأ: اول تقدیر فتحہ اور دوسرا بتقدیر ضم لف ونشر غیر مرتب ریبدی۔

قولہ: هُوَ: ھو کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ثم یعید ہ کا عطف اولم یروا پر ہے۔ یبدی پر نہیں کیونکہ رؤیت المادہ پر واقعہ ہونے والی نہیں۔

قولہ: فی الارض: زمین کے اندر چھپ جانے سے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ....

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی:

اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔ آپ کو خبر دی جاتی ہے کہ نوح علیہ السلام اتنی لمبی مدت تک اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ دن رات پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح آپ نے انہیں اللہ کی دین کی طرف دعوت دی۔ لیکن وہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے گئے۔ بہت ہی کم لوگ آپ پر ایمان لائے آخر کار اللہ کا غضب ان پر بصورت طوفان آیا اور انہیں تہس نہس کر دیا تو اے پیغمبر آخر الزمان آپ اپنی قوم کی اس تکذیب کو نیا خیال نہ کریں۔ آپ اپنے دل کو رنجیدہ نہ کریں ہدایت وضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جہنم میں جانا طے ہو چکا ہے انہیں تو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ تمام نشانیاں گو دیکھ لیں

لیکن انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا بالآخر جیسے نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور قوم ڈوب گئی اسی طرح آخر میں غلبہ آپ کا ہے اور آپ کے مخالفین پست ہوں گے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نوح علیہ السلام کو نبوت ملی اور نبوت کے بعد ساڑھے نوسو سال تک آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ طوفان کی عالمگیر ہلاکت کے بعد بھی نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک زندہ رہے یہاں تک کہ بنو آدم کی نسل پھیل گئی اور دنیا میں یہ بکثرت نظر آنے لگے۔ قتادہ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کی عمر کل ساڑھے نوسو سال کی تھی تین سو سال تو آپ کے بے دعوت ان میں گذرے تین سو سال تک اللہ کی طرف اپنی قوم کو بلایا اور ساڑے تین سو سال بعد طوفان کے زندہ رہے لیکن یہ قول غریب ہے اور آیت کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتے رہے۔ عون بن ابی شداد کہتے ہیں کہ جب آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی اس وقت اللہ کی وحی آپ کو آئی اس کے بعد ساڑھے نوسو سال تک آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے اس کے بعد پھر ساڑھے تین سو سال کی عمر اور پائی۔ لیکن یہ بھی غریب قول ہے۔ زیادہ درست قول ابن عباس کا قول نظر آتا ہے واللہ اعلم۔ ابن عمر نے مجاہد سے پوچھا کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں کتنی مدت تک رہے؟ انہوں نے کہا ساڑھے نوسو سال۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد سے لوگوں کے اخلاق ان کی عمریں اور عقلیں آج تک گھٹتی ہی چلی آئیں۔ جب قوم نوح پر اللہ کا غضب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی کو اور ایمان والوں کو جو آپ کے حکم سے طوفان سے پہلے کشتی میں سوار ہو چکے تھے بچالیا۔ سورۂ ہود میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے اس لیے یہاں دوبارہ وارد نہیں کرتے۔ ہم نے اس کشتی کو دنیا کے لیے نشان بنا دیا یا تو خود اس کشتی کو جیسے حضرت قتادۃ کا قول ہے کہ اول اسلام تک وہ جودی پہاڑ پر تھی۔ یا یہ کہ کشتی کو دیکھ کر پھر پانی کے سفر کے لیے جو کشتیاں لوگوں نے بنائیں ان کو انہیں دیکھ کر اللہ کا وہ بچانا یاد آجاتا ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت: وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (یٰسین: ۴۱) ہماری قدرت کی نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں بٹھا دیا۔ اور ہم نے ان کے لیے اور اسی جیسی سواریاں بنا دیں۔ سورۃ الحاقہ میں فرمایا جب پانی کا طوفان آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں بٹھالیا۔ اور ان کا ذکر تمہارے لیے یادگار بنا دیا تاکہ جن کانوں کو اللہ نے یاد کی طاقت دی ہے وہ یاد رکھ لیں۔ یہاں شخص سے جنس کی طرف چڑھاؤ کیا ہے۔ جیسے: وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ (الملک: ۵) والی آیت میں ہے کہ آسمان دنیا کے ستاروں دنیا کے ستاروں کا باعث زینت آسمان ہونا بیان فرما کر ان کی وضاحت میں شہاب کا شیطانوں کے لیے رجم ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور آیت میں انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کا ذکر کر کے فرمایا ہے پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں قرار گاہ میں کر دیا۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں ھا کی ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا کو کیا جائے واللہ اعلم (یہاں یہ خیال رہے کہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں شروع تفسیر میں کچھ عبارت زیادہ ہے جو بعض نسخوں میں نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نوسو سال تک آزمایا جانا بیان کیا اور ان کے قول کو ان کی اطاعت کے ساتھ آزمانا بتلایا کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے انہیں غرق کر دیا۔ پھر اس کے بعد جلا دیا۔ پھر قوم ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی اطاعت ومتابعت نہ کی پھر لوط علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا اور ان کی قوم کا حشر بیان فرمایا۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعات سامنے رکھے پھر عادیوں، ثمودیوں، قارونیوں، فرعونیوں، ہامانیوں وغیرہ کا ذکر کیا کہ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی توحید کو نہ

ماننے کی وجہ سے انہیں بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ پھر اپنے پیغمبر اعظم الرسلین ﷺ مشرکین اور منافقین سے تکالیف سہنے کا ذکر کیا اور آپ کو حکم دیا کہ اہل کتاب سے بہترین طریق پر مناظرہ کریں)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اَيِ الْقُرْاٰنِ وَالْبَعْثِ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ اَيْ جَنَّتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مؤلم قَالَ تَعَالٰى فِيْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ الَّتِيْ قَذَفُوْهُ فِيْهَا بِاَنْ جَعَلَهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اَيْ اِنْجَائِهٖ مِنْهَا لَاٰيٰتٍ هِيَ عَدَمُ تَاثِيْرِ هَا فِيْهِ مَعَ عِظَمِهَا وَاِخْمَادُهَا وَاِنْشَاءُ رَوْضٍ مَكَانَهَا فِيْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ يُصَدِّقُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ تَعْبُدُوْنَهَا وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ خَبَرُ اِنَّ وَعَلٰى قِرَاءَةِ النَّصَبِ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَمَا كَافَّةٌ الْمَعْنٰى تَوَادَدْتُمْ عَلٰى عِبَادَتِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ يَتَبَرَّأُ الْقَادَةُ مِنَ الْاَتْبَاعِ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا يَلْعَنُ الْاَتْبَاعُ الْقَادَةَ وَّمَاْوٰىكُمُ مَصِيْرُكُمْ جَمِيْعًا النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ مَانِعِيْنَ مِنْهَا فَاٰمَنَ لَهٗ صَدَّقَ بِاِبْرَاهِيْمَ لُوْطٌ ۘ وَهُوَ ابْنُ اَخِيْهِ هَارَانَ وَقَالَ ابراهيم اِنِّيْ مُهَاجِرٌ مِّنْ قَوْمِيْ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اَيْ اِلٰى حَيْثُ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ وَهَجَرَ قَوْمَهٗ وَهَاجَرَ مِنْ سَوَادِ الْعِرَاقِ اِلَى الشَّامِ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ وَوَهَبْنَا بَعْدَ اِسْمَاعِيْلَ لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ بَعْدَ اِسْحَاقَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ كُلَّ الْاَنْبِيَاءِ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ وَالْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ اَيِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَالْقُرْاٰنِ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَهُوَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِيْ كُلِّ اَهْلِ الْاَدْيَانِ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى وَاذْكُرْ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ اَيْ اَدْبَارَ الرِّجَالِ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ طَرِيْقَ الْمَارَّةِ بِفِعْلِكُمُ الْفَاحِشَةَ بِمَنْ يَمُرُّ بِكُمْ فَتَرَكَ النَّاسُ الْمَمَرَّ بِكُمْ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ مُتَحَدِّثِكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فِعْلَ الْفَاحِشَةِ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ فَمَا كَانَ

جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ فِي اسْتِقْبَاحِ ذٰلِكَ وَاَنَّ
ع ۳/۸/۱۵ الْعَذَابَ نَازِلٌ لِفَاعِلِيْهِ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِتَحْقِيْقِ قَوْلِيْ فِيْ اِنْزَالِ الْعَذَابِ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾
الْعَاصِيْنَ بِاِتْيَانِ الرِّجَالِ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور اس کے سامنے جانے (یعنی آیات قرآنیہ اور قیامت) کے منکر ہیں وہی تو میری رحمت (جنت) سے مایوس ہوں گے اور یہی تو ہیں جنہیں دردناک عذاب ہوگا (تکلیف دہ آگ بقیہ واقعہ ابراہیمی کا ذکر ہے) سو ان کی قوم کا جواب بس یہی تھا۔ کہنے لگے یا تو انہیں قتل کر ڈالو یا انہیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ابراہیم کو اس آگ سے بچا لیا (جس میں انہیں جھونکا تھا اس طرح کہ اس آگ کو ان کے حق میں بردوسلام بنا دیا) بلاشبہ اس واقعہ (نجات) میں بہت کچھ نشانیاں ہیں (انتہائی ہولناک ہونے کے باوجود آگ کا ابراہیم پر اثر نہ کرنا' اس کا بجھ جانا اور فوراً ہی آگ کا گلزار ہو جانا) ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (اللہ کی توحید اور قدرت کو مانتے ہیں دراصل ایسے ہی لوگوں کو فائدہ ہوسکتا ہے) اور (ابراہیم نے) فرمایا تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے (بندگی کرنے کیلئے ما مصدریہ ہے) پس یہ تمہارے باہمی تعلقات کی بناء پر ہے (یہ ان کی خبر ہے اور قراءت نصب یہ مفعول لہ اور ما کافہ ہے۔ یعنی ان کی پوجا پاٹ تمہارا آپس کا مشغلہ ہے) دنیاوی زندگانی تک پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے (قائدین اپنے پیروکاروں سے دامن چھڑائیں گے) اور ایک دوسرے پر لعنت کی بوچھاڑ کریں گے (پیروکار قائدین پر پھٹکار ڈالیں گے) اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا (جو تمہیں دوزخ سے بچالے) پھر حضرت لوطؑ نے ان کی (ابراہیمؑ کی) تصدیق فرمائی (یہ ابراہیمؑ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) اور ابراہیمؑ بولے میں (اپنی قوم کو چھوڑ کر) اپنے پروردگار کی طرف چلا جاؤں گا (جہاں مجھے حکم الٰہی ہوگا۔ چنانچہ قوم کو چھوڑ کر ترک وطن کرتے ہوئے سواد عراق سے شام کی راہ لی۔ بے شک وہی دنیا میں) بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو (اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد) اسحاقؑ عطا کیا (اور اسحٰق کے بعد) یعقوبؑ عطا کیا۔ اور ان کی نسل میں نبوت قائم رہی (چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد سارے نبی انہی کی نسل سے ہوئے ہیں) اور کتاب دی (یعنی آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک) اور ہم نے ان کو اس کا صلہ دنیا میں بھی دیا) تمام ادیان والے ان کا احترام کرتے ہیں اور آخرت میں بھی یقیناً نکوکاروں میں سے ہوں گے (جن کیلئے بلند رتبے ہیں) اور (یاد رکھیئے) ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا یقیناً تم (لفظ ائنکم تحقیق ہمزتین اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ درمیان میں الف داخل کرتے ہوئے دونوں طریقہ سے دونوں جگہ پڑھا گیا ہے) ایسی بے حیائی کا کام کر رہے ہو (یعنی لواطت) کہ تم سے پہلے دنیا جہان میں (انسان یا جن نے) کسی نے نہیں کیا۔ ارے تم تو مردوں سے فعل کر رہے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو (دن دہاڑے سرراہ لوگوں سے بدفعلی کرتے ہو۔ کہ لوگوں نے ان راستوں پر چلنا ہی چھوڑ دیا) اور تم بھری مجلس میں (چوپال میں) ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو (آپس میں حرام کاری) سو ان کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب لے آؤ اگر سچے ہو (اس کام کو برا کہنے میں اور یہ کہ ایسا کام کرنے والے پر عذاب الٰہی ہوتا ہے) عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے غالب بنا کر (عذاب نازل ہونے

کے متعلق میری بات سچ کر دکھا) ان مفسدوں پر (جو حرام کاری کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے حضرت لوط کی دعا قبول فرمالی)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِن رَّحْمَتِي: وہ قیامت کے روز میری رحمت سے مایوس ہو جائیں گے یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کی۔

قوله: وَاخْمَادُهَا: آگ بجھ گئی۔

قوله: بَعْدَ اِسْمَاعِيْلَ: اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ استنان کا موقعہ اور وہ اسحاق و یعقوب کے ذریعہ زیادہ ہے اس لئے کہ یہ مایوسی کی عمر میں پہنچنے پر ملے۔

قوله: اَلْكِتٰبَ: اس سے جنس کتاب مراد ہے۔

قوله: اَلَّذِيْنَ لَهُمْ: صالحین کامل صالح انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔

قوله: فِعْلَ الْفَاحِشَةِ: مثلاً جماع اور پھبکی وغیرہ۔

تفسیر مقبولین

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ....

کفر و باطل کا نتیجہ و انجام نہایت دردناک عذاب:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی آیتوں اور اس کے حضور حاضری و پیشی کے منکروں کے لیے اس کی رحمت سے مایوسی اور دردناک عذاب ہے۔ سو اہل کفر و باطل کے لیے اللہ کی رحمت سے کامل محرومی اور ان کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کہ اللہ پاک کی رحمت کا اصل کامل اور ابدی ظہور تو جنت اور عالم آخرت ہی میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اس دنیا میں جہاں بھی کہیں رحمت کا کوئی مظہر موجود ہے یہ اللہ پاک کی رحمت کے اس سو ویں حصے میں سے ہے جو اس نے اس دنیا کے لیے مقرر فرما رکھا ہے۔ بقیہ ننانوے حصے تو آخرت کے لیے مختص ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آخرت کی ان رحمتوں کا کیا عالم ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ آخرت کا عقیدہ نہیں رکھتے اور اس کو نہیں مانتے تو وہ اس رحمت سے یقیناً مایوس اور محروم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے اس مادہ پرست دور کا انسان ایک انتہاء درجے کے نفسیاتی خوف میں مبتلا ہے کہ یہ مادی سہولتیں اور آسائشیں ہمیں بے شک حاصل ہیں اور بدرجہ تمام و کمال حاصل ہیں لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ اور ہم کس انجام سے دو چار ہوں گے؟ اور اس بنا پر وہ ہمیشہ سے خوف میں مبتلا ہے۔ اس کے برعکس ایک مومن صادق جو عقیدۂ آخرت کے ایمان سے سرشار ہے وہ ہر حال میں شاداں و فرحاں اور مطمئن البال رہتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مجھے اپنے ایمان کی بدولت اپنے رب کے فضل و کرم سے آخرت کی وہ ابدی و دائمی نعمتیں ملنے والی ہیں جن کا یہاں تصور بھی نہیں کیا

جاسکتا- اللہ نصیب فرمائے- آمین- بہر حال اہل کفر و باطل کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کامل محرومی ہے-
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ....

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب کہ ان کو قتل کردو یا آگ میں جلادو:

اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا ذکر تھا درمیان میں کچھ تنبیہات آگئیں جو قرآن کریم کے مخاطبین سے متعلق ہیں، یہاں سے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر شروع ہوتا ہے- ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی تو ان کی قوم نے یہی کہا کہ ان کو مار ڈالو یا آگ میں جلادو، چنانچہ قوم نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہوجانے کا حکم دے دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دے دی، وہ آگ سے صحیح سالم نکل آئے، (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ) (بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں-)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانا کہ تم دنیاوی دوستی کی وجہ سے بت پرستی میں لگے ہو اور قیامت کے دن ایک دوسرے پر لعنت کروگے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم سے دعوت توحید کے سلسلہ میں باتیں کیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تم لوگوں نے جو بتوں کو معبود بنا رکھا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم لوگوں کی دیکھا دیکھی اس کام میں لگ گئے ہو، تم نے غور و فکر تو کیا ہی نہیں جس سے تم پر حق واضح ہوجاتا کہ بتوں کا پوجنا بہت بڑی حماقت ہے، تم نے تو یہ دیکھ لیا کہ ساری قوم ان کی پرستش کرتی ہے، اور باپ دادے ان کی پوجا کرتے چلے آتے ہیں، تمہاری دنیا والی دوستیاں ایک دوسرے کو جو کفر و شرک پر لگائے ہوئے ہیں، تم یہ سمجھتے ہو کہ توحید کو مانیں اور بتوں کو چھوڑیں تو قوم سے علیحدہ ہوجائیں گے، قوم ہم سے ناراض ہوجائے گی-

صاحب روح المعانی (جلد ۲۰: ص ۱۵۰) مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: المعنی ان مودة بعضكم بعضا هي التي دعتكم الى اتخاذها بان رأيتم بعض من تودونه اتخذها فاتخذتموها موافقة له لمودتكم اياه، وهذا كما يرى الانسان من يوده يفعل شيئاً فيفعله مودة له- (اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ایک دوسرے سے محبت ہی ہے جس نے تمہیں بچھڑے کو معبود بنانے کی دعوت دی- اس طرح کہ تم نے اپنی محبت والے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کو پوج رہے ہیں تو تم نے بھی محبت کی وجہ سے ان کی موافقت میں بچھڑے کو معبود بنالیا- اور یہ ایسے ہے جیسے انسان اپنے کسی گہرے تعلق والے کو کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس کی محبت کی وجہ سے اسی کام کو کرنے لگتا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ دنیا میں تو تم دوست بنے ہوئے ہو، اور تمہاری یہ دوستی آپس میں ایک دوسرے سے بت پرستی کرانے کا سبب بنی ہوئی ہے لیکن قیامت کے دن تمہاری یہ دوستی دشمنی سے بدل جائے گی وہاں ایک دوسرے کے مخالف ہوجاؤ گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے کیونکہ تم نے ایک دوسرے کو راہ حق سے روکا تھا، یہ لعن طعن آپس میں ہوگا اور سب ہی کو دوزخ میں جانا ہوگا اور وہاں تم میں سے کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا، یہاں شرک کرانے میں ایک دوسرے کے مددگار بنے ہوئے ہو لیکن وہاں کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا-

سورہ اعراف میں فرمایا: (كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا) (جب کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو اپنی ساتھ

والی جماعت پر لعنت کرے گی جوان سے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکی ہوگی) سورۂ ص میں فرمایا: (قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ) (یعنی دنیا میں جولوگ اتباع تھے وہ اپنے متبوعین یعنی لیڈروں اور سرداروں سے کہیں گے تمہارے لیے کوئی مبارکباد نہیں تم نے کفر کو ہماری طرف بڑھایا اب یہ برا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیں بھی ٹھہرنا ہے اور تمہیں بھی)

جوحال اہل کفر کا ہے وہی اہل معاصی کا ہے، ایک دوسرے کو دنیا میں گناہوں پر ابھارتے ہیں، اپنے ساتھ لگاتے ہیں، اپنے پاس سے پیسے دے کر گناہ کراتے ہیں اور آخرت میں کوئی کسی کا یار و مددگار نہ ہوگا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

لوط علیہ السلام کا دعوت ابراہیمی کو قبول کرنا اور دونوں حضرات کا فلسطین کے لیے ہجرت کرنا:

اس کے بعد فرمایا: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ لوط علیہ السلام ابراہیم کی نبوت پر ایمان لے آئے (جو حضرت ابراہیم کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر ہر طرح سے حجت پوری کر دی تو فرمایا اب میں اس وطن کو چھوڑتا ہوں اور اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں یعنی میرے رب نے جو ہجرت کی جگہ بتائی ہے وہاں جاتا ہوں بلاشبہ میرا رب عزیز ہے حکیم ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ: وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ کا فاعل حضرت لوط علیہ السلام ہیں لیکن پہلی بات راجح ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے جیسا کہ سورۂ صافات میں مذکور ہے: (وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ) (اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتا دے گا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے (جو عراق اور فارس کے درمیان تھا) ہجرت فرمائی اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر (جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں اور آپ کی بیوی تھیں) ہجرت فرما کر فلسطین میں آ کر مقیم ہو گئے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ....

بیٹے اور پوتے کی بشارت اور موہبت:

اس وقت آپ کی عمر بعض مفسرین کے قول کے مطابق ۷۰ سال تھی اور آپ کی اہلیہ محترمہ بوڑھی تھیں، شام میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: (رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ) (اے میرے رب مجھے صالحین میں ایک لڑکا عطا فرمایئے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی، یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آئے تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔

یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق تھی، حضرت اسماعیل علیہ السلام دوسری بیوی یعنی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری فرمانا:

حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے اور ہمیشہ کے لیے ان کی ذریت

میں نبوت بھی رکھ دی اور کتابوں کا نازل فرمانا بھی انہیں کی ذریت میں رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں نبیوں پر ہی نازل ہوا کرتی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے تھے سب انہیں کی نسل میں سے تھے، آخر سید الانبیاء والمرسلین سیدنا حضرت محمد حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔

ذکر خیر کی دعا اور قبولیت:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑا مرتبہ دیا، دنیا میں بھی ان کو چن لیا اور اپنا خلیل بنالیا اور بعد میں آنے والی قوموں میں اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری فرما دیا، جتنے ادیان ہیں ان کے ماننے والے حضرت ابراہیم کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں ان میں یہود و نصاریٰ بھی ہیں اور دیگر مشرک اقوام بھی ہیں، مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں گو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سب ہی اچھے کلمات کہتے ہیں انہوں نے جو دعا کی تھی (وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ) وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کا ذکر حسن تمام ادیان میں جاری رکھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا: (اور ہم نے ان کو ان کا صلہ دنیا میں دے دیا) ان کی ذریت میں انبیاء کرام کا آنا متعین فرما دیا اور انہیں دار الکفر سے نجات دلا کر فلسطین میں پہنچا دیا اور ان سے کعبہ شریف بنوا دیا اور ان کے ذریعے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا، دنیا میں جو کچھ ملا وہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی وجہ سے آخرت کا اجر و ثواب اور رفع درجات اور قرب الٰہی کا حصول اس کے علاوہ ہیں، اسی کو سورۂ بقرہ، سورۂ نحل اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا: (وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ) (اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیک بندوں میں سے ہوں گے۔)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اس جگہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے تین سخت گناہوں کا ذکر کیا ہے، اول مرد کی مرد کے ساتھ بدفعلی دوسرے قطع طریق یعنی مسافروں پر ڈاکہ زنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں اعلانا سب کے سامنے گناہ کرنا۔ قرآن کریم نے اس تیسرے گناہ کی تعیین نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ جو اپنی ذات میں گناہ ہے اگر اس کو علانیہ بے پروائی سے کیا جائے تو یہ دوسرا مستقل گناہ ہو جاتا ہے وہ کوئی بھی گناہ ہو، بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ان گناہوں کو شمار کیا ہے جو یہ بے حیا اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے کیا کرتے تھے، مثلاً راستہ چلتے لوگوں کو پتھر مارنا اور ان کا استہزاء کرنا جیسا کہ ام ہانی کی ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بے حیائی ان کی مشہور تھی اس کو وہ کہیں چھپ کر نہیں کھلی مجلسوں میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے۔ العیاذ باللہ

جن تین گناہوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان سب میں اشد پہلا گناہ ہے، جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا اور جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ باتفاق امت یہ گناہ زنا سے زیادہ شدید ہے۔ (کذا فی الروح)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى بِاِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ بَعْدَهٗ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اَيْ قَرْيَةِ لُوْطٍ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ كَافِرِيْنَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا اَيِ الرُّسُلُ

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهٗ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ۝٣٢ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَ لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
ذَرْعًا صَدْرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الْوُجُوْهِ فِي صُوْرَةِ اَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهٗ فَاَعْلَمُوْهُ بِاَنَّهُمْ رُسُلُ رَبِّهٖ وَ
قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ۝٣٣ وَنَصَبَ اَهْلَكَ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الْكَافِ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ عَلٰٓى اَهْلِ
هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا عَذَابًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا بِالْفِعْلِ الَّذِيْ كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝٣٤ بِهٖ اَيْ بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ وَ لَقَدْ
تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً ظَاهِرَةً هِيَ اٰثَارُ خَرَابِهَا لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٣٥ يَتَدَبَّرُوْنَ وَ اِلٰى مَدْيَنَ
اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ اِخْشَوْهُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي
الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝٣٦ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٣٧ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا۠
بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهٖ بِمَعْنَى الْحَيِّ وَالْقَبِيْلَةِ وَ قَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ اِهْلَاكُهُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ بِالْحِجْرِ وَالْيَمَنِ
وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ سَبِيْلِ الْحَقِّ وَ كَانُوْا
مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝٣٨ ذَوِيْ بَصَائِرَ وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى مِنْ قَبْلُ
بِالْبَيِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝٣٩ فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا فَكُلًّا مِنَ
الْمَذْكُوْرِيْنَ اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ رِيْحًا عَاصِفًا فِيْهَا حَصْبَاءُ كَقَوْمِ
لُوْطٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ كَثَمُوْدَ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ كَقَارُوْنَ وَمِنْهُمْ
مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ كَقَوْمِ نُوْحٍ وَفِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ فَيُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٤٠ بِارْتِكَابِ الذَّنْبِ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ اَيْ اَصْنَامًا يَرْجُوْنَ
نَفْعَهَا كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ لِنَفْسِهَا تَاوِيْ اِلَيْهِ وَ اِنَّ اَوْهَنَ اَضْعَفَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ
الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَا يَدْفَعُ عَنْهَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا كَذٰلِكَ الْاَصْنَامُ لَا تَنْفَعُ عَابِدِيْهَا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝٤١ ذٰلِكَ
نصف الحزب

مَا عَبَدُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ بِمَعْنَى الَّذِيْ مَا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِنْ دُوْنِهٖ غيره مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ فِي الْقُرْاٰنِ نَضْرِبُهَا نجعلها لِلنَّاسِ ۚ وَمَا
يَعْقِلُهَآ اَيْ يَفْهَمُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ الْمُتَدَبِّرُوْنَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اَيْ مُحِقًّا اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً دَلَالَةً عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا فِي الْاِيْمَانِ ع ۱۶
بِخِلَافِ الْكَافِرِيْنَ ۔

ترجمہ: اور جب ہمارے فرشتے خوشخبری (اسحاقؑ اور ان کے بعد یعقوبؑ کی) لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم اس بستی (لوطؑ کی) کو ہلاک کرنے والے ہیں بلاشبہ اس بستی کے لوگ ظالم ہیں۔ ابراہیم بولے کہ وہاں تو لوط ہیں (قاصد فرشتوں نے) جواب دیا کہ جو جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب خبر ہے ہم ان کو بچالیں گے (یہ لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اور ان کے خاص متعلقین کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (عذاب سے اسے چھٹکارا نہیں ملے گا) اور ہمارے وہ فرستادے جب لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے (قوم کے لوگوں کی وجہ سے غمگین ہوئے) اور ان کے سبب بہت کڑھے (کیونکہ وہ خوبصورت بن کر آئے تھے اس لئے لوط اپنی قوم کے لوگوں کے ان کے ساتھ برتاؤ سے فکر مند ہوئے مگر فرشتوں نے لوط کو بتلا دیا کہ ہم پروردگار کے فرستادے ہیں) اور (فرشتے) کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور غمگین نہ ہوجیے ہم آپ کو بچالیں گے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اور آپ کے خاص متعلقین کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (اور اھلک پر نصب محل کاف پر عطف کی وجہ سے ہے) ہم نازل کرنے والے ہیں (یہ لفظ تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اس بستی کے باشندوں پر آسمانی عذاب (ان بدکاریوں کی پاداش میں) گناہوں کی وجہ سے جن کا ارتکاب وہ کرتے ہیں (یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے) اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیئے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں (جو ان بستیوں کے بگڑنے کی ظاہر علامات ہیں) ان لوگوں کیلئے جو عقلمند (مدبر) ہیں اور (ہم نے بھیجا ہے) مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر، سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخری دن (قیامت کے روز) سے ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ (یہ عامل کا حال مؤکدہ ہے لاتعثوا ماخوذ ہے عثی سے جو ثا کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی افسد) مگر ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا۔ پس زلزلہ (شدید جھٹکے) نے انہیں آ دبایا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے (گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے مر گئے) اور عاد وثمود کو ہم نے ہلاک کیا (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف ہے بمعنی قبیلہ اور خاندان) اور (ان کا ہلاک ہونا) تمہیں نظر آ رہا ہے ان کے رہنے کے مکانات سے) حجر اور یمن میں) اور شیطان نے ان کے (کفر و گناہوں کے) اعمال کو ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا اور ان کو (حق کے) راستہ سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ہوشیار) سمجھدار تھے اور (ہم نے ہلاک کر ڈالا) قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے پاس موسیٰ (پہلے) نشانیاں (دلائل) لے کر گئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے (ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے)

سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تیز و تند ہوا بھیجی (آندھی جس میں کنکریاں بھی شامل تھیں جیسے قوم لوط پر) اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آدبایا (جیسے قوم ثمود) اور ان میں سے کسی کو زمین میں دھنسادیا (جیسے قارون) اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا (جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم کو) اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا (بلا قصور انہیں سزا دے دیتا) البتہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (گناہ کر کے) جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں (یعنی بت جن سے فائدہ کی امید لگائے ہوئے ہیں) ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا (اپنے ٹھکانے کیلئے) اور مکڑی کا جالا سب گھروں میں سب سے بودا (کمزور) ہوتا ہے (جس میں نہ گرمی کا بچاؤ ہو سکے اور نہ سردی کا۔ یہی حال بتوں کا ہے کہ وہ اپنے عابدوں کو بھی نفع نہیں پہنچا سکتے۔) کاش یہ لوگ اس کو سمجھ لیتے (تو بت پرستی نہ کرتے) ان سب چیزوں کو اللہ جانتا ہے (ما بمعنی الذی ہے) جس جس کو وہ پکارتے ہیں (بندگی کرتے ہیں لفظ یدعون یا اور تا کے ساتھ ہے) اللہ کے سوا (علاوہ) اور وہ زبردست ہے (اپنے ملک میں) حکمت والا ہے (اپنی کاری گری میں) اور ہم مثالوں کو لوگوں کیلئے (قرآن میں) بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو سمجھتے نہیں مگر علم والے (تدبر کرنے والے) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقیقتاً (فی الواقع) بنایا ہے اس میں بڑی دلیل ہے (اس کی قدرت پر رہنمائی کرنے والے) ایمانداروں کیلئے (خاص طور پر مومنین کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ ہی ان سے ایمان کے سلسلہ میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: قَرْيَةِ لُوْطٍ: یعنی سدوم وغیرہ۔

قوله: عطفًا عَلٰى مَحَلِّ الْكَافِ: کیونکہ موضع جر ہے اس لئے کہ وہ مضاف الیہ ہے اس کی دلیل منجو کا نون جمع گرادیا گیا۔

قوله: بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ: گھٹنوں کے بل گرنا۔

قوله: اَهْلَكْنَا: یہ باعادۂ فعل محذوف۔

قوله: مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ: ان کے مساکن کی جناب جب تم ان پر عبرت کی نگاہ ڈالو۔

قوله: ذَوِي بَصَائِرَ: انہوں نے اپنی بصیرت و بصارت کو درست طور پر استعمال نہ کیا۔

قوله: قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ: فرعون کی بجائے قارون کو شرف نسبی کی وجہ سے مقدم کیا۔

قوله: فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا: ہمارے عذاب سے سبقت کر کے بچنے والے نہ تھے۔

قوله: اَخَذْنَا: ہم نے ان کو عذاب دیا۔

قوله: فَيُعَذِّبَهُمْ: تا کہ ان سے وہ ان سے ظالم کا معاملہ کرلے جب کہ یہ اس کی عادت نہیں۔

قوله: مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ: دراصل ان کی حالت کو مکڑی کی حالت سے تشبیہ دینا ہے پس مثل یہ صفت کے معنی میں ہے کہ عجیب حالت ہے۔ ذات سے تشبیہہ مقصود نہیں۔

قوله: كَمْثَلِ: یعنی کمزوری میں۔

قوله: تِلْكَ الْاَمْثَالُ: یہ اور اس کے دیگر نظائر۔

قوله: اَیْ یَفْهَمُهَا: یعنی اس کے فوائد کو سمجھے۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۝

فرشتوں کی آمد:

حضرت لوط علیہ السلام کی جب نہ مانی گئی بلکہ سنی بھی نہ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جس پر فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے بشکل انسان پہلے بطور مہمان کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ آپ نے ضیافت کا سامان تیار کیا اور سامنے لا رکھا۔ جب دیکھا کہ انہوں نے اس کی رغبت نہ کی تو دل ہی دل میں خوفزدہ ہو گئے تو فرشتوں نے ان کی دلجوئی شروع کی اور خبر دی کہ ایک نیک بچہ ان کے ہاں پیدا ہوگا۔ حضرت سارہ جو وہاں موجود تھیں یہ سن کر تعجب کرنے لگیں جیسے سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں مفصل تفسیر گذر چکی ہے۔ اب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کیا۔ جسے سن کر خلیل الرحمٰن کو خیال آیا کہ اگر وہ لوگ کچھ اور ڈھیل دے دیئے جائیں تو کیا عجب کہ راہ راست پر آ جائیں۔ اس لیے آپ فرمانے لگے کہ وہاں تو لوط نبی علیہ السلام ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا ہم ان سے غافل نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ انہیں اور ان کے خاندان کو بچالیں۔ ہاں ان کی بیوی تو بیشک ہلاک ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے کفر میں ان کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر خوبصورت قریب البلوغ بچوں کی صورتوں میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی لوط شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر انہیں ٹھہراتے ہیں تو ان کی خبر پاتے ہی کفار بھڑ بھڑا کر آ جائیں گے اور مجھے تنگ کریں گے اور انہیں بھی پریشان کریں گے۔ اگر نہیں ٹھہراتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے قوم کی خصلت سے واقف تھے اس لیے ناخوش اور سنجیدہ ہو گئے۔ لیکن فرشتوں نے ان کی یہ گھبراہٹ دور کردی کہ آپ گھبرایئے نہیں رنجیدہ نہ ہوں ہم تو اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کے لیے آئیں ہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان سوائے آپ کی اہلیہ کے بچ جائے گا۔ باقی ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا اور انہیں ان کی بدکاری کا نتیجہ دکھایا جائے گا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک لے گئے اور وہاں سے الٹ دیں پھر ان پر ان کے نام کے نشاندار پتھر برسائے گئے اور جس عذاب الٰہی کو وہ دور سمجھ رہے تھے وہ قریب ہی نکل آیا۔ ان کی بستیوں کی جگہ ایک کڑوے گندے اور بدبودار پانی کی جھیل رہ گئی۔ جو لوگوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ اور عقلمند لوگ اس ظاہری نشان کو دیکھ کر ان کی بری طرح ہلاکت کو یاد کر کے اللہ کی نافرمانیوں پر دلیری نہ کریں۔ عرب کے سفر میں رات دن یہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ....

اہل مدین اور فرعون، ہامان، قارون کی ہلاکت کا تذکرہ:

ان آیات میں اجمالی طور پر بعض گزشتہ اقوام کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے، پہلی اور دوسری آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو علاقہ مدین میں رہتے تھے، ان لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور فرمایا کہ آخرت کا دن بھی واقع ہوگا وہاں کفر کی اور اعمال بد کی سزا ملے گی، تم یہ نہ سمجھو کہ دنیا ہی سب کچھ ہے بلکہ موت کے بعد حساب کتاب ہے، پیشی ہے، اس کے واقع ہونے کا یقین رکھو اور اس کے مطابق عمل کرو اور زندگی گزارو، جو برے افعال کرتے ہو ان کو چھوڑو یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے جیسا کہ سورۂ ہود اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات نہ مانی لہٰذا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ان سب کو جھنجھوڑ کر اور تباہ کر کے رکھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر فرمایا ہے، ان پر چیخ کا عذاب بھی آیا اور زلزلے نے بھی دبایا اور یہ دونوں چیزیں ہلاکت کا ذریعہ بن گئیں۔

تیسری آیت میں قوم عاد اور ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی ہلاکت کے نشانات تمہاری نظروں کے سامنے ہیں، جب تم سفر میں جاتے ہو تو ان کے برباد شدہ گھروں کے پاس سے گزرتے ہو، یہ عبرت کی جگہ ہے غور کرو اور کفر سے توبہ کرو۔ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (اور شیطان نے ان کے اعمال بد اور کفر و معاصی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا) یعنی انہیں سمجھایا کہ تم اچھی زندگی گزار رہے ہو۔ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (سو انہیں راہ حق سے ہٹا دیا) وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ (حالانکہ وہ لوگ صاحب بصیرت تھے، سمجھدار تھے) لیکن شیطان کے کہنے میں آ گئے عقل سے کام نہ لیا، دنیاوی لذتوں کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ دی تھی اسے استعمال نہ کیا اور شیطان کی تزیین اور تحسین کی وجہ سے مدہوش ہو گئے۔

چوتھی آیت میں قارون فرعون اور ہامان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا سورۂ عنکبوت سے پہلے سورۃ قصص میں ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، وہ ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات لے کر آئے لیکن ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کفر پر جمے رہے، انکار پر مصر رہے، اور انکار کا سبب ان کا استکبار تھا یعنی یہ کہ وہ اپنے کو زمین میں بڑا سمجھتے تھے اور ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو یہ ہم سے اونچے ہو جائیں گے۔

سورۃ المؤمنین میں ہے کہ فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں نے کہا کہ (اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ) (کیا ہم ایسے دو شخصوں کی (موسیٰ و ہارون (علیہ السلام) پر ایمان لائیں جو ہمارے ہی جیسے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہماری فرمانبردار ہے) سورۃ الزخرف میں ہے کہ فرعون نے کہا: (اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ) (بلکہ میں افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا) بہر حال ان لوگوں کو ان کا کفر اور کبر لے ڈوبا، فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ڈوب گیا۔ (فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ. وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ) (اور یہ لوگ ہم سے آگے بڑھنے والے نہ تھے) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمارے عذاب سے بچ کر نکل جاتے اور کہیں فرار ہو کر امن کی جگہ پہنچ جاتے۔

پانچویں آیت میں مذکورہ بالا اقوام کی ہلاکت کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ (سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا) فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ (سو بعض پر ہم نے تیز ہوا بھیج دی) جو کہ آندھی کی صورت میں آئی اور اس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ قوم عاد کے ساتھ ہوا، یہ ہوا ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں بیان فرمایا ہے: (وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ) (اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا) اس سے قوم ثمود مراد ہے (کمافی سورۃ ھود (علیہ السلام))۔ پھر فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ (اور ہم نے بعض کو زمین میں دھنسا دیا) اس میں قارون کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۂ قصص کے ختم کے قریب گزر چکا ہے۔ (وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا) (اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا) اس میں فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ (اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم فرماتا) یعنی اس نے کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں دیا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (اور لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی وہ حق قبول نہیں کرتے تھے کفر پر جمے رہتے تھے، گناہوں پر مصر رہتے تھے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکڑی اور مکھی وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا، کہ مثالیں اپنے مواقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھدار ہی اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بیوقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝

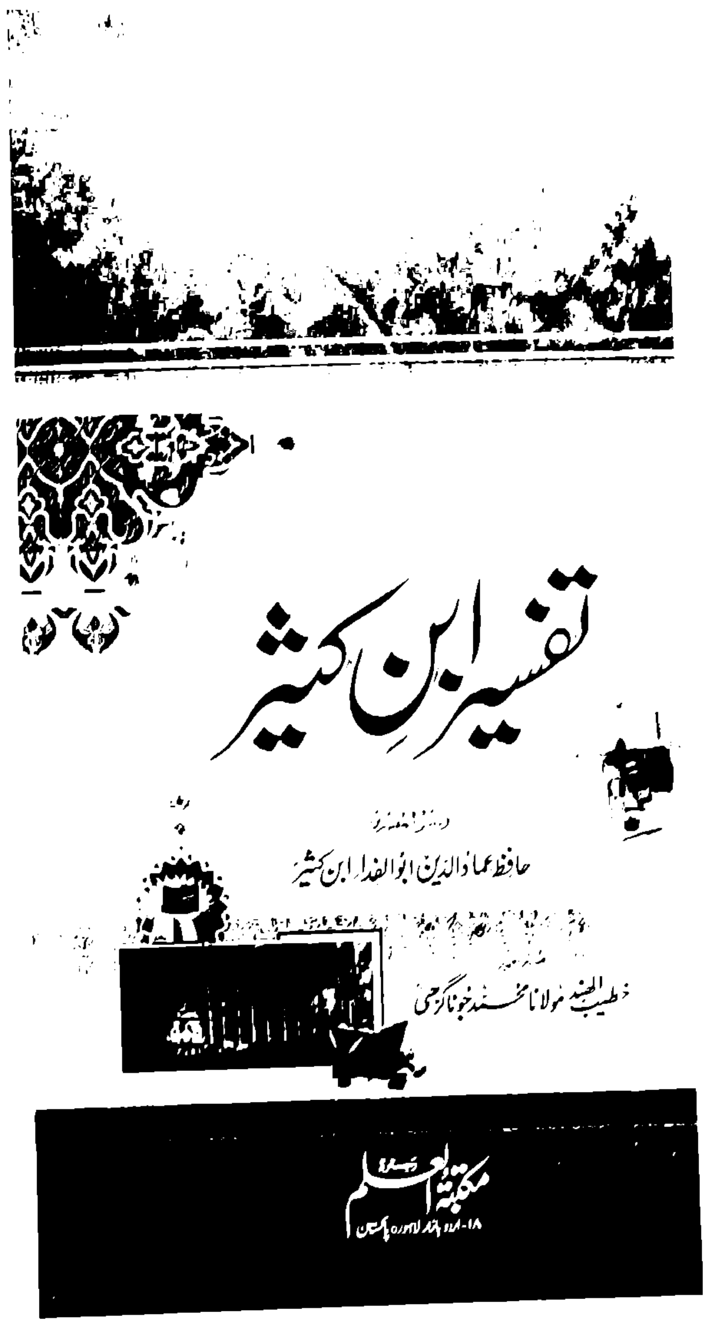
اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریمؐ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کرے اور اس کی اطاعت پر عمل کرے اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا، جب تک قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور جب تک کہ اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار امثال سیکھی ہیں، ابن کثیر اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاص کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں۔

اور حضرت عمرو بن مرہ نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھ بڑا غم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۔ (ابن کثیر)



مکتبۃ العلم رجسٹرڈ
۱۸-اردو بازار لاہور ۰ پاکستان
37231788-37211788